ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

چہارم

محمد قاسم فرشتہ

ترجمہ

عبدالحیٔ خواجہ (مشفق خواجہ)

ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ

چہارم

ترجمہ: عبدالحیٔ خواجہ (مشفق خواجہ)

ترتیب جدید: ڈاکٹر عبدالرحمٰن

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

فہرست مضامین تاریخ فرشتہ جلد چہارم

سلطان محمود ثانی بن ناصر الدین خلجی 563

دوسرا حصہ خاندان سہروردیا ملتان 783

سلاطین تلنگانہ

"قارئین کرام اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں شاہ اخور نامی ایک شخص نے جو عراق سے آیا تھا' تاریخ پر ایک بہترین کتاب لکھی ہے۔ جس میں قطب شاہی سلطنت کے تمام واقعات کو تفصیل سے قلمبند کیا گیا ہے۔ راقم الحروف "مورخ فرشتہ" زیر نظر تاریخ کی تالیف کے وقت متذکرہ کتاب حاصل نہ کر سکا اسی لئے قطب شاہی خاندان کے تفصیلی حالات بیان نہیں کیے جا سکے۔ اور صرف فرماں رواؤں کے اسماء اور مختصر حالات پر اکتفا کی ہے۔"

سلطان قلی

ابتدائی حالات

سلطان قلی میر علی ترکوں کے مشہور قبیلہ بھارلو سے تعلق رکھتا ہے اس خاندان کے بعض افراد کا یہ دعویٰ ہے کہ سلطان قلی، مرزا جہاں شاہ مقتول کی اولاد سے ہے، بہرحال کچھ بھی ہو یہ امر مسلم ہے کہ سلطان قلی ہمدان میں پیدا ہوا، سلطان محمد شاہ لشکری کی حکومت کے آخری دنوں میں سلطان قلی دکن میں آیا اور محمد شاہ کے ترکی غلاموں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ محمد شاہ کو ترکی غلاموں سے بہت دلچسپی تھی اور انہیں بہت عزیز رکھتا تھا۔

ریاضی میں مہارت

سلطان قلی علم حساب میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور بڑا خوش خط تھا۔ اس وجہ سے اسے شاہی محلات کا حساب نویس مقرر کیا گیا۔ عورتیں اس کے برتاؤ اور دیانت و امانت سے بہت خوش ہوئیں۔ ان دنوں تلنگانہ کا علاقہ بیگموں کی جاگیر تھا، یہاں کے عمال نے شاہی بارگاہ میں اس مضمون کی عرضیاں روانہ کیں کہ

تلنگانہ کی حالت

سارے ملک کو چوروں، لٹیروں نے اپنی جولان گاہ بنا رکھا ہے، رعایا کی سرکشی اور نافرمانی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ مقررہ محصول ادا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ سرکاری رقم اپنے پاس رکھے، اگر شاہی بارگاہ سے ایک اعلیٰ درجے کی فوج سرکشوں کی تنبیہہ کے لیے روانہ کی جائے تو بہت اچھا ہو گا۔ اور اس طرح محصول وصول کرنے میں بڑی آسانی ہو گی۔

سلطان قلی کی خواہش

سلطان محمد شاہ نے اپنے ایک نامی گرامی امیر کو تلنگانہ کی مہم پر روانہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سلطان قلی نے ایک بیگم کے توسط سے بادشاہ کو مطلع کیا کہ تلنگانہ کی مہم کی خدمت میرے سپرد کی جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بغیر کسی قسم کی فوجی مدد کے میں اس صوبے کا انتظام کروں گا اور باغیوں اور سرکشوں کو ایسا تباہ و برباد کروں گا کہ ان کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔

تلنگانہ کی مہم پر تقرر

سلطان محمد شاہ نے سلطان قلی پر بڑی مہربانی کی اور اسے متذکرہ خدمت پر مقرر کر دیا۔ سلطان قلی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تلنگانہ کی طرف گیا اور اس نے ایسی چال چلی کہ باغیوں کی ایک جماعت کو اپنا ہی خواہ بنا لیا اور پھر اس جماعت کی مدد سے چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ سلطان قلی نے دوسرے امراء کے پرگنوں سے بھی جو اسی نواح میں تھے، غنڈوں اور لٹیروں وغیرہ کا قلع قمع کیا اور اس طرح اس کی شجاعت اور بہادری کا شہرہ ملک میں چاروں طرف پھیل گیا۔

امارت و سپہ سالاری

سلطان محمد شاہ نے سلطان قلی کو امارت کے درجے پر فائز کر کے اسے گولکنڈہ اور اس کے مضافات کا جاگیردار بنا دیا، کچھ عرصے بعد اس علاقے کا سپہ سالار مقرر کیا گیا اور شاہی فرامین میں اس کے نام کے ساتھ "صاحب السیف والقلم" کا لقب لکھا جانے لگا۔

بادشاہت

یوسف عادل شاہ' احمد نظام شاہ اور عماد الملک نے اپنے اپنے دکنی علاقوں میں خود مختاری اور بادشاہت کا دعوی کر کے الگ الگ سلطنتیں قائم کیں۔ یوسف عادل کو چونکہ صفویہ خاندان سے عقیدت تھی۔ اس لیے اس نے بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کئے۔ سلطان قلی نے بھی اپنی امارت اور سپہ سازی کے زمانے میں یہی روش اختیار کی۔ جب سلطان محمود بہمنی کی سلطنت زوال پذیر ہوئی تو ۹۱۸ ہجری میں سلطان قلی نے بادشاہت کا دعوی کیا اور اپنے آپ کو "قطب شاہ" کے خطاب سے موسوم کر کے خود مختار حکومت قائم کر لی۔

سلطنت کی رونق

قطب شاہ کی سلطنت اگرچہ بہت مختصر تھی' لیکن اس نے شان و شوکت اور رونق پیدا کرنے کے لیے متعدد ذرائع اختیار کیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ عادل شاہ' عماد شاہ اور برید شاہ وغیرہ کے خلاف اپنے دروازے پر دن میں پانچ مرتبہ نوبت بجانے کا حکم دیا۔ قطب شاہ نے اپنی قوم کے افراد کو جاگیروں اور عہدوں سے نوازا اور اس طرح اپنی قوت میں اضافہ کیا۔

سلطان محمود شاہ کا خیال

قطب شاہ' سلطان محمود شاہ کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتا تھا ہر مہینے تحفے تحائف اور ہدیے وغیرہ اس کی خدمت میں بیدر بھجواتا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں یہ اطلاع ملی کہ ایران میں شاہ اسماعیل صفوی تاج و تخت کا مالک ہوا ہے۔ چونکہ قطب شاہ' اسمٰعیل صفوی کو اپنا مرشد زادہ سمجھتا تھا' اس لیے اس بادشاہ کا نام اپنے خطبے میں اپنے نام سے پہلے داخل کیا۔

شیعہ مذہب کا رواج

قطب شاہ نے شیعہ مذہب کے اثرات کے تحت رفتہ رفتہ تینوں خلفاء کے اسمائے گرامی اپنے خطبہ سے نکال دیئے۔ شاہ طاہر کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے احمد نگر میں برہان شاہ نے مذہب شیعہ کا خطبہ جاری کیا۔ قطب شاہ نے اس کی تقلید کی اور اپنے ملک میں شیعہ مذہب کو مروج کیا۔

تبرہ بازی

بے ادب اور نامعقول اشخاص نے تبرہ بازی کو اپنا شعار بنایا۔ قصہ مختصر یہ کہ آج تک جب کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کی حکومت ہے' تلنگانہ میں شیعہ مذہب کا رواج ہے اور بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ منبروں پر سب سے پہلے بادشاہ ایران شاہ عباس صفوی کی بہبودی و خوش حالی کی دعا مانگی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان فرماں رواؤں کو مشائخ صفویہ کے ساتھ جو تعلق خاطر تھا اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔

سلاطین دکن سے دوستی

سلطان قلی قطب شاہ اپنے عہد حکومت میں دکن کے فرمانرواؤں کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم رکھتا تھا' لیکن جس زمانے میں سلطان بہادر گجراتی نے عماد الملک کے حسب خواہش نظام شاہ پر حملہ کیا تو سلطان قلی نے مروت کو پس پشت ڈال کر سلطان بہادر کا ساتھ دیا۔ سلطان بہادر کے ہنگامے سے فرصت پانے کے بعد اسمٰعیل عادل نے برہان شاہ کے کہنے پر قطب شاہی علاقے پر قبضہ کرنا چاہا۔ قطب شاہ نے برہان شاہ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

اسمٰعیل عادل شاہ کا حملہ

۹۴۰ ہجری میں اسمٰعیل عادل شاہ نے قطب شاہ کے ایک سرحدی قلعہ پر حملہ کیا۔ قطب شاہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اسمٰعیل عادل کا مقابلہ کرتا لہٰذا وہ جہاں مقیم تھا وہیں رہا اور اپنے سواروں اور پیادوں کا ایک لشکر اسمٰعیل عادل کو نقصان پہنچانے کے لیے روانہ کیا۔ حسن اتفاق سے اسی زمانے میں اسمٰعیل عادل نے داعی اجل کو لبیک کہا اور قطب شاہ کی تمام پریشانیاں از خود ختم ہو گئیں۔

نظام شاہ سے خوش گوار تعلقات

اس واقعے کے بعد قطب شاہ نے اپنے امیروں کی ایک جماعت کو برہان شاہ کے پاس بھیجا تاکہ صلح اور دوستانہ مراسم کے بارے میں بات چیت کی جائے۔ قطب شاہی امیروں نے شاہ طاہر کے ذریعے سے سلسلہ جنبانی کی اور انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد قطب شاہ اور نظام شاہ میں خوش گوار تعلقات قائم ہو گئے۔

طوالت عمر

قطب شاہ نے بڑی لمبی زندگی پائی اور ایک عرصے تک حکومت کی۔ اس کا بڑا بیٹا جمشید شاہ یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ کب اس کا باپ مرے اور اسے حکومت ملے اسی انتظار میں اس کے بال سفید ہو گئے۔ آخر جمشید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے ایک ترکی غلام سے ساز باز کر کے اپنے باپ کی عمر کا پیمانہ بھی لبریز کرنے کا ارادہ کر لیا۔

قطب شاہ کا قتل

۹۵۰ ہجری کے کسی مہینے کی بات ہے کہ ایک روز بادشاہ جواہرات کے صندوقچے سامنے رکھے ہوئے دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور جواہرات کو دیکھ رہا تھا کہ مذکورہ ترکی غلام نے بادشاہ کے پیچھے سے آ کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ قطب شاہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ جمشید بھی اسی محفل میں اپنے باپ کے پاس بیٹھا تھا' اس نے افشائے راز کے خوف سے قاتل کو اسی وقت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جمشید چونکہ قطب شاہ کا بڑا بیٹا تھا اس لیے باپ کے بعد وہی تخت نشین ہوا۔

سلطان قلی نے تینتیس (۳۳) سال تک حکومت کی اور اس کے تین بیٹے جمشید' حیدر اور ابراہیم باپ کی وفات کے وقت بقید حیات تھے۔

جمشید قطب شاہ بن سلطان قلی

شاہ طاہر کی آمد

جمشید قطب شاہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر اپنے باپ کی پیروی کی اور مذہب شیعہ کو فروغ دینے میں کوشاں ہوا۔ برہان نظام شاہ نے جمشید کو مبارک باد دینے کے لیے شاہ طاہر کو گولکنڈہ بھیجا۔ شاہ طاہر جب گولکنڈہ کے قریب پہنچا تو بادشاہ نے خود چھ کوس کے فاصلے پر ان کا استقبال کیا اور بڑی عزت کے ساتھ شاہ صاحب کو شہر میں لایا۔ طاہر شاہ نے جمشید سے اس بات کا وعدہ لیا کہ وہ ہمیشہ نظام شاہ سے دوستانہ مراسم رکھے گا۔ اس کے بعد شاہ صاحب احمد نگر واپس چلے آئے۔

عادل شاہی علاقے میں داخلہ

انہیں دنوں بعض وجوہ کی بنا پر نظام شاہ اور عادل شاہ میں تعلقات خراب ہو گئے۔ نظام شاہ کے اکسانے پر جمشید قطب شاہ نے زر کثیر صرف کر کے اپنے لشکر میں اضافہ کیا اور عادل شاہی علاقے میں داخل ہو گیا۔ جمشید قطب شاہ نے کاکنی میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا ابراہیم عادل اس زمانے میں رام راج اور نظام شاہ کی ہنگامہ آرائیوں میں الجھا ہوا تھا اس لیے اس نے قطب شاہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی قطب شاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنا تو تعمیر قلعہ معتمد امیروں کے سپرد کر کے عادل شاہ کے دوسرے پرگنوں اور قلعوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔

قلعہ اہنکر کا محاصرہ

جمشید قطب شاہ سب سے پہلے قلعہ اہنکر (جو ساغر کے قریب واقع ہے) کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ عادل شاہ نے رام راج اور نظام شاہ سے صلح کر لی اور اسد خاں لاری کو لشکر خاصہ کے ہمراہ قطب شاہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ اس صورت حال سے قطب شاہ بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنے قاصد نظام شاہ کی خدمت میں بھیج کر اسے پیغام دیا۔

نظام شاہ کے نام پیغام اور اس کا جواب

"میں نے آپ کی بات پر اعتماد کر کے اس علاقے کا سفر اختیار کیا ہے۔ آپ کے اخلاق و مروت کو دیکھتے ہوئے یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ آپ مجھ سے مشورہ کیے بغیر ہی واپس احمد نگر جا رہے ہیں۔" نظام شاہ نے اس کے جواب میں کہا "وقتی مصلحتوں کے پیش نظر میں نے عادل شاہ سے صلح کر لی ہے اس لیے میں واپس جا رہا ہوں' آپ کے لیے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی تمام توجہ قلعہ کاکنی کی حفاظت پر صرف کریں۔ موسم برسات کے بعد میں آؤں گا دریائے بھورد کی ایک طرف یعنی قلعہ گلبرگہ اہنکر اور ساغر وغیرہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے گا اور دوسرے کنارے کے قلعہ پر شولاپور اور نلدرک میرے قبضے میں آ جائیں گے۔"

قلعہ کاکنی پر اسد خاں کا قبضہ

قطب شاہ اگرچہ نظام شاہ کی چالاکی اور بہانہ سازی سے اچھی طرح واقف تھا لیکن وہ پھر بھی اس کے دام میں آ گیا اور قلعہ کاکنی کی حفاظت کی کوشش کرنے لگا۔ اسد خاں نے قلعہ کاکنی کا محاصرہ کر لیا اور تین ماہ کے عرصے میں کسی نہ کسی طرح قلعے کو فتح کر لیا اہل قلعہ کو قتل کرنے کے بعد اسد خاں نے اہنکر کا رخ کیا۔

قطب شاہ کا فرار اور اسد خاں سے مقابلہ

جمشید قطب شاہ نے اسد خاں کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسد خاں نے اس کا تعاقب کیا چند مرتبہ دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی بھی ہوئی اور ہر بار اسد خاں فریق ثانی پر غالب آیا۔ آخری بار قطب شاہ اور اسد خاں ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ دونوں نے اپنی اپنی بہادری کا مظاہر کیا اور ایک دوسرے پر تلوار کے گیارہ گیارہ وار کیے۔ قطب شاہ کے چہرے پر ایک زخم آیا' اس کی ناک اور ہونٹ زخمی ہو گیا' یہ زخم جمشید کو زندگی بھر ستاتا رہا۔ کھانے پینے کے وقت اسے بہت تکلیف ہوتی اس وجہ سے قطب شاہ کسی کے سامنے کبھی کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔

ملا محمود کی پیشین گوئی

کہا جاتا ہے کہ اس سفر میں قطب شاہ نے محمود گیلانی سے پوچھا کہ "اس سفر کا نتیجہ کیا ہو گا؟" ملا محمود نے قرعہ ڈالا اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا "یہ سفر مبارک نہیں ہے" بادشاہ نے اس اجمال کی تفصیل پوچھی تو محمود نے بتایا اس سفر میں ابتداً تو آپ کو کامیابی ہو گی' لیکن آخر میں دشمن غالب آئے گا۔ مال و اسباب وغیرہ کے نقصان کے علاوہ آپ کی ناک پر زخم آئے گا" یہ سن کر جمشید قطب شاہ بہت غصے میں آیا اور اس نے ملا محمود کی ناک کٹوا کر اسے شہربدر کر دیا۔

پچھتاوا

جب ملا محمود کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی تو قطب شاہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا اس نے اپنے ایک امیر کو جنیر روانہ کیا تا کہ وہ ملا محمود کو قطب شاہی دربار میں لے کر آئے۔" ملا محمود نے جواب دیا" مجھے ابھی تک دوسری ناک نصیب نہیں ہوئی جب وہ مل جائے گی تو میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کروں گا۔

بیماری

اس کے بعد قطب شاہ نے عادل شاہ سے صلح کر لی اور تلنگانہ کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گیا۔ پھر قطب شاہ کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ تقریباً دو سال تک بیمار رہا اس کے بعد بیماری کے دوران میں اس کا مزاج اعتدال پر نہ رہا۔ وہ ہر ایک سے بدمزاجی سے پیش آتا ذرا ذرا سے قصور پر کسی کو قید کر دیتا اور کسی کو قتل۔

روش

بادشاہ کی یہ بدمزاجی دیکھ کر چند امراء نے قطب شاہ کو معزول کر کے اس کے بھائی حیدر خاں کو بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ جمشید کو اس کا علم ہو گیا۔ اس کے دونوں بھائی ابراہیم اور حیدر گولکنڈہ سے فرار ہو کر بیدر جا پہنچے۔ ابراہیم نے انہیں دنوں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور حیدر خاں بیجانگر چلا گیا۔

انتقال

جمشید قطب شاہ کی بیماری روز بروز بڑھتی چلی گئی اور آخر تپ محرقہ کا شکار ہو کر ۹۵۷ھ میں سفر آخرت اختیار کیا اس کی مدت حکومت سات سال اور چند ماہ ہے۔

ابراہیم قطب شاہ

کردار

اس فرماں روا نے شیعہ مذہب کی اشاعت و ترویج میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' سخاوت فہم و تدبر میں وہ اپنی مثال آپ تھا۔ لیکن مزاج کا بہت چڑچڑا تھا ذرا ذرا سے جرائم پر مجرموں کو بڑی سے بڑی سزائیں دیتا تھا۔ اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ مجرموں کے پاؤں کے ناخن ان کی انگلیوں سے علیحدہ کر کے ایک برتن میں رکھ کر اس کے سامنے کیے جائیں تاکہ اسے یہ اطمینان ہو کہ مجرموں کو واقعی سزا دی گئی ہے۔

چوروں کا دفیعہ

وہ کھانڈ بڑے اہتمام اور تکلف کے ساتھ کھاتا تھا اور اکثر اوقات خاصہ کے ملازموں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرتا تھا۔ تلنگانہ میں چور اور ڈاکو بہت تھے اور ابراہیم قطب شاہ نے ان بدکرداروں کو ایسا درست کیا کہ تاجروں کے قافلے بغیر کسی خوف و خطر کے رات کے وقت سفر کرنے لگے اور کسی کو لٹیروں کا خطرہ نہ رہا۔

قطب شاہی خاندان کی نیک نامی

ابراہیم کے عہد حکومت میں بہت سے قابل اور مدبر امراء شاہی دربار میں داخل ہوئے اور ان کی وجہ سے قطب شاہی خاندان کی شہرت اور نیک نامی میں بہت اضافہ ہوا۔ جن دنوں ابراہیم قطب شاہ شہزادہ تھا ان دنوں اپنے بھائی کے خوف سے وہ بیجانگر میں پناہ گزین ہوا تھا۔ بیجانگر کے راجہ رام راج نے بڑی آؤ بھگت کی اور ایک حبشی امیر عنبر خاں کی جاگیر اسے عنایت کر دی۔

عنبر خاں سے تکرار

یہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ عنبر خاں خاموش رہتا۔ اہل دکن کی روش کے مطابق اس نے ابراہیم سے معرکہ آرا ہونے کا ارادہ کیا۔ ایک روز ابراہیم راجہ کے دربار کی طرف جا رہا تھا کہ عنبر نے اسے راستے میں جا لیا اور کہا "آؤ ہم تم دونوں آپس میں جنگ کریں تاکہ جو زندہ رہے وہی جاگیر کا مالک ہو" ابراہیم نے کہا "فرماں رواؤں کو اس امر کا کلی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک کا حصہ جس کو چاہیں عنایت کر دیں لہٰذا ایسے معاملات میں لڑائی جھگڑے کا سوال اٹھانا ناسمجھی کی بات ہے۔"

عنبر کا قتل

عنبر خاں عقل کے معاملے میں کورا تھا اس نے ابراہیم قطب شاہ کی نصیحتوں کی کوئی پروا نہ کی اور اس نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ابراہیم اس بدتمیزی کی تاب نہ لا سکا فوراً اپنے گھوڑے سے اترا اور عنبر خاں کے ساتھ شمشیر بازی کرنے لگا۔ اس دوران ابراہیم نے دشمن کے پیٹ پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ عنبر وہیں ہلاک ہو گیا۔

عنبر کے بھائی کا قتل

عنبر کے بھائی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ انتقام لینے کے لیے ابراہیم قطب شاہ سے شمشیر بازی کرنے آیا۔ قطب شاہ کے ایک ملازم نے جو جنگ کے فن میں بڑا ماہر تھا اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا ابراہیم نے عنبر کے نشان لشکر جسے دکن میں "بیرق نشان" کہا جاتا ہے قبضہ کر لیا اور اپنی قیام گاہ پر چلا آیا۔

شاہ گردی

ابراہیم اپنے بھائی کی زندگی میں بیجانگر ہی میں رہا۔ جمشید قطب شاہ کا انتقال ہوا تو مصطفیٰ خاں اور اردستانی' صلابت خاں ترک اور دوسرے اراکین سلطنت نے جمشید کے کمسن بیٹے کو جس کی عمر صرف دو سال تھی تخت پر بٹھا دیا۔ اہل دکن کو یہ انتخاب پسند نہ آیا اور انہوں نے طے کیا کہ ابراہیم قطب شاہ کو بیجانگر سے بلا کر بادشاہ بنایا جائے۔ اہل دکن کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے قدم جمانے کی کوشش کرنے لگے۔

ابراہیم کی گولکنڈہ میں آمد

مصطفیٰ خاں اور صلابت خاں نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا پورا تہیہ کر لیا تھا۔ انہوں نے ابراہیم کی طلبی کے لیے رام راج کو ایک خط لکھا رام راج نے ابراہیم کو گولکنڈہ بھجوا دیا۔ جب ابراہیم گولکنڈہ کی سرحد میں داخل ہوا تو سب سے پہلے مصطفیٰ خاں اردستانی اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابراہیم نے اسے میر جملگی کا منصب عطا کیا مصطفیٰ خاں نے ایک ہندو تاجر سے دو لاکھ ہون قرض لیے اور سلطنت و حکومت کا سامان درست کرنے لگا۔

اہل گولکنڈہ کی خوشی

مصطفیٰ خاں کے میر جملہ ہونے کی خبر گولکنڈہ پہنچی تو وہاں کے سب لوگ بہت خوش ہوئے اور ابراہیم قطب شاہ کی بادشاہت کی طرف راغب ہوئے۔ صلابت خاں نے بھی اپنے دو تین ہزار شمشیر بازوں کو ساتھ لیا اور گولکنڈہ سے سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسرے امیروں نے بھی کم سن بادشاہ کا ساتھ چھوڑا اور ابراہیم قطب شاہ کے گرد جمع ہونے لگے۔ تھوڑے سے وقت میں ابراہیم کے گرد تقریباً چھ سات ہزار سوار جمع ہو گئے اور اس نے گولکنڈہ کا رخ کیا۔ جب وہ پایہ تخت کے قریب پہنچا تو بقیہ لوگ بھی اس کے پاس آ گئے اور جان کی امان کے طالب ہوئے۔ الغرض تمام اہل گولکنڈہ دل و جان سے ابراہیم کے ساتھ ہو گئے۔

تخت نشینی

ابراہیم قطب شاہ مبارک وقت میں تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا اور اس کے بہی خواہوں اور جاں نثاروں نے اس پر سے دولت قربان کی۔ ابراہیم نے اس روز بارہ ہزار طلائی ہون غریبوں محتاجوں اور مسکینوں وغیرہ میں تقسیم کر کے رعایا کو خوش کیا۔

نظام شاہ سے معاہدہ

ابراہیم نے عنبر خاں کے نشان لشکر کو اپنے لیے مبارک سمجھا اور اس وجہ سے اسے اپنی بادشاہت کا نشان خاصہ بنایا۔ بادشاہ نے اپنی بہن کو مصطفیٰ خاں کے نکاح میں دے دیا اور اس طرح مصطفیٰ بھی صاحب قوت و اختیار ہو گیا۔ ابراہیم قطب شاہ نے حسن نظام شاہ سے یہ معاہدہ کیا کہ دونوں بادشاہ اپنی متحدہ کوششوں سے گلبرگہ اور اہنکر کے قلعوں پر قبضہ کر لیں۔ اور اول الذکر قلعہ قطب شاہ کے حوالے کر دیا اور دوسرے پر نظام شاہ قابض ہو گیا۔

گلبرگہ کا محاصرہ

۹۶۵ ہجری میں یہ دونوں فرماں روا علی عادل شاہ کے ملک میں داخل ہو گئے اور گلبرگہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب قلعے کی فتح کا مرحلہ قریب آ گیا تو قطب شاہ کے دل میں خیال آیا کہ کہیں نظام شاہ زیادہ قوت حاصل کر کے اس کے لیے باعث زحمت ثابت نہ ہو۔ قطب شاہ نے اپنا تمام سازوسامان میدان جنگ ہی میں چھوڑا اور آدمی رات کے وقت گولکنڈہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ نظام شاہ اکیلا گلبرگہ کو فتح نہ کر سکتا تھا اس لیے وہ بھی احمد نگر کی طرف واپس چلا گیا۔ ان تمام واقعات کی تفصیل نظام شاہی تذکرے میں بیان کی جا چکی ہے۔

احمد نگر پر لشکر کشی

کچھ دنوں بعد برید شاہ' رام راج اور عادل شاہ نے باہمی اتحاد سے نظام شاہ پر لشکر کشی کی۔ قطب شاہ نے حملہ آوروں کی قوت و شوکت دیکھ کر انہیں کا ساتھ دیا اور ان کے ہمراہ احمد نگر روانہ ہوا۔ قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کیا گیا دوسرے فرماں رواؤں کے ساتھ قطب شاہ نے بھی اس محاصرے میں شرکت کی۔ جب اس قلعے کی فتح ہونے کا وقت قریب آیا تو قطب شاہ نے حسب سابق ستم ظریفی کا مظاہرہ کیا اور اپنا تمام سامان میدان جنگ ہی میں چھوڑ کر احمد نگر سے بھاگا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا واپس آ گیا۔

نظام سے دوستانہ تعلقات کی تجدید

قطب شاہ کی یہ حرکت رام راج اور عادل شاہ کے لیے سخت مایوس کن ثابت ہوئی اور وہ پریشان ہو کر احمد نگر سے واپس چلے آئے۔ اس کے بعد قطب شاہ نے نظام شاہ سے دوبارہ مراسم استوار کر لیے۔ قطب شاہ کی بیٹی بی بی جمال سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نظام شاہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کر لی کہ قطب شاہ اس کے ساتھ عادل شاہ سے معرکہ آرائی کرے اور کلیان کا قلعہ عادل شاہی قبضے سے نکال لے۔ قطب شاہ نے یہ شرط منظور کر لی۔

قلعہ کلیان کا محاصرہ

۹۷۱ھ میں قطب شاہ گولکنڈہ سے اور حسن نظام شاہ احمد نگر سے روانہ ہوا کلیان کے قریب دونوں فرماں روا ایک دوسرے سے ملے تو شادی کا جشن منعقد ہوا اور عقد کی تمام رسومات ادا کی گئیں۔ اس کے بعد دونوں فرماں رواؤں نے قلعہ کلیان کا محاصرہ کر لیا۔ رام راج' عادل شاہ' تفال خاں اور امیر برید نے باہمی اتحاد سے ان دونوں کا مقابلہ کیا' جیسا کہ حسین نظام شاہ کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ قطب شاہ گولکنڈہ روانہ ہو گیا اور اس کے بعد حسین نظام نے بھی بغیر قلعے کو سر کیے ہوئے احمد نگر کی راہ لی۔

صلح

عادل شاہ اور رام راج نے احمد نگر تک حسین نظام شاہ کا تعاقب کیا اور نظام شاہی علاقے کو خوب جی کھول کر برباد و تاراج کیا۔ عادل شاہی لشکر نے تلنگانہ کے قصبہ اوکی میں بھی چھ ماہ قیام کر کے یہاں کی رعایا کو بہت نقصان پہنچایا۔ آخر کار قطب شاہ کی تدبیروں سے صلح ہو گئی اور سب فرماں روا اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔

عادل شاہ وغیرہ سے جنگ

۹۷۲ھ میں ابراہیم قطب شاہ نے عادل شاہ اور نظام شاہ سے جنگ کی آخر الذکر دونوں فرماں رواؤں کے ساتھ رام راج بھی تھا۔ قطب شاہ ابھی گولکنڈہ پہنچا بھی نہ تھا کہ مصطفیٰ خاں اردستانی نے جو ہمیشہ بادشاہ سے ڈرتا رہتا تھا۔ طواف حرمین شریفین کے بہانے سے قطب شاہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور راستے ہی سے جدا ہو کر عادل شاہ سے جا ملا اور اس کے ملازمین میں داخل ہو گیا۔

نظام شاہی سلطنت میں انتشار

مرتضیٰ نظام شاہ کی حکومت کے زمانے میں اس کی والدہ کے اثر و اقتدار کی وجہ سے نظام شاہی سلطنت انتشار کی نذر ہو گئی۔ عادل شاہی سپہ سالار کشور خاں نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھایا اور نظام شاہی سرحد پر پہنچ کر اس نے قلعہ دارور اور کئی نظام شاہی پرگنوں کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ مرتضیٰ نظام نے اپنی والدہ کو گرفتار کر کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا اور ملا حسن تبریزی کو خان خاناں کا خطاب دے کر پیشوا مقرر کیا اور اسے قلعہ دارور کی طرف روانہ کیا۔

قطب شاہ کی دارور کو روانگی

اس واقعہ پر مرتضیٰ نظام شاہ نے ایک قاصد بھیج کر قطب شاہ سے بھی مدد کی درخواست کی۔ قطب شاہ نے یہ درخواست منظور کر لی اور تلنگانہ کا لشکر لے کر جلد از جلد قلعہ دارور کی طرف روانہ ہو گیا۔ نظام شاہ نے قطب شاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ دارور کو فتح کر کے کشور خاں کو قتل کر دیا اور عادل شاہی علاقے میں داخل ہو گیا۔

قطب شاہ اور نظام شاہ میں ناراضگی

نظام شاہ کے ساتھ قطب شاہ بھی عادل شاہی علاقے میں داخل ہوا۔ دونوں فرماں رواؤں نے پہلو بہ پہلو خیمے نصب کیے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ علی عادل نے شاہ طاہر کے بیٹے شاہ ابوالحسن کو نظام شاہ کے پاس بھیجا اور قطب شاہ کو وہ خط جس میں عادل شاہ کی بہی خواہی اور دوستی کا اظہار کیا گیا تھا اسے دکھایا۔ خان خاناں نے اس خط کے مندرجات کی تصدیق و توثیق کی' نظام شاہ کو قطب شاہ پر بہت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ قطب شاہی بارگاہ کو برباد و تاراج کر دیا جائے۔ قطب شاہ کو جب صورت حال کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً ہی گولکنڈہ کی طرف روانہ ہوا۔

قطب شاہ کا فرار اور نظام شاہیوں کی ہنگامہ آرائی

نظام شاہی لشکر نے قطب شاہی بارگاہ کو برباد و تاراج کیا اور تلنگانہ کی سرحد تک قطب شاہ کا تعاقب کیا اور تقریباً ڈیڑھ سو قطب شاہی ہاتھیوں کو گرفتار کیا راستے میں ابراہیم قطب شاہ کے بڑے بیٹے شہزادہ عبدالقادر نے جو بہت ہی جوشیلا اور بہادر جوان تھا اپنے باپ سے کہا۔ "نظام شاہیوں نے ہمارے لشکر کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے اس لیے اگر اجازت ہو تو میں کمین گاہ میں روپوش ہو کر دشمن پر پیچھے سے حملہ کروں۔"

شہزادہ عبدالقادر کا قتل

قطب شاہ نے اپنے بیٹے کی بات کا مطلب غلط لیا اور یہ سمجھا کہ عبدالقادر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔ قطب شاہ نے یہ خیال کیا کہ چند بڑے بڑے قطب شاہی امیر بھی عبدالقادر کے ساتھ سازش میں شریک ہیں۔ راستے میں تو قطب شاہ نے بیٹے کی بات کا کوئی جواب نہ دیا لیکن گولکنڈہ پہنچ کر اسے قید کر دیا اور بعد میں زہر دے کر مروا دیا۔

برار پر چنگیز خان کی نظر

اسی زمانے میں چنگیز خاں جو نہایت ہی ذی فہم اور صاحب تدبیر امیر تھا نظام شاہ کا پیشوا مقرر ہوا اور اس نے برار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ قطب شاہ نے عادل شاہ سے ملاقات کر کے یہ ارادہ کیا کہ عادل شاہ کی مدد سے تفال خاں کی مدد کی جائے۔ چنگیز خاں کو اس کا علم ہو گیا اور جس وقت قطب شاہ اور عادل شاہ اپنے اپنے ملکوں سے روانہ ہوئے تو چنگیز خاں نظام شاہ کو ساتھ لے کر عادل شاہی ملک میں آ پہنچا اور بادشاہ کو یہ پیغام دیا۔

نظام شاہ اور عادل شاہ میں معاہدہ

قطب شاہ اور تفال خاں کا ساتھ دینا تمہارے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ نظام شاہ کی دوستی کو ان سستے داموں بیچنا تمہارے حق میں مضر ہو گا۔ عادل شاہ نے شاہ ابوالحسن کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے قطب شاہ کی جگہ نظام شاہ سے ملاقات کی ان دونوں فرماں رواؤں نے آپس میں طے کیا کہ نظام شاہ برار اور بیدر کو فتح کرے اور عادل شاہ کرناٹک کا اتنا حصہ اپنے قبضہ میں کر لے جس کا محصول بیدر اور برار کے محصول کے برابر ہو اور قطب شاہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

قطب شاہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ تقال خاں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ نظام شاہ نے برار کو فتح کر لیا اور بیدر کے محاصرے میں مصروف ہو گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر قطب شاہ کو اپنی بربادی کا اندیشہ ہوا۔ اس نے اپنے میر جملہ میرزا اصفہانی کو نظام شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور ایسی چال چلی کہ چنگیز خاں نظام شاہی حکومت سے علیحدہ ہو گیا۔

انتقال

۹۸۸ھ میں علی عادل کے قتل کا حادثہ پیش آیا اور مرتضیٰ نظام شاہ نے عادل شاہی علاقے پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قطب شاہ نے اس سلسلے میں نظام شاہ کی مدد کے لیے اپنے چند امیروں کو بھی روانہ کیا۔ ابھی یہ مہم انجام تک بھی نہ پہنچی تھی کہ ابراہیم قطب شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ حادثہ ۹۸۹ھ میں پیش آیا۔

ابراہیم قطب شاہ نے بتیس (۳۲) سال اور چند ماہ تک حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی۔

محمد علی قطب شاہ

تخت نشینی

جب ابراہیم قطب شاہ کا انتقال ہوا تو اس کے تین بیٹے بقید حیات تھے۔ جن کے نام یہ ہیں' محمد قلی' خدا بندہ اور سلیمان علی۔ ان تینوں میں محمد قلی سب سے بڑا تھا اسی لیے وہ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ محمد قلی بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور شاہ میرزا اصفہانی کی بیٹی سے شادی کی۔

نظام شاہ سے دوستی

شاہ میرزا اصفہانی ابراہیم قطب شاہ کے عہد حکومت میں میر جملگی کے منصب پر فائز رہ چکا تھا۔ محمد قلی نے شاہ میرزا کے مشوروں اور نصائح پر عمل کرتے ہوئے نظام شاہی خاندان کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کیے اور احمد نگر کے سپہ سالار سید مرتضیٰ سبزواری کی مدد کے لیے عادل شاہی علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ اور شولا پور اور شاہ ورک کے قلعوں کو فتح کر کے نظام شاہی امراء کے حوالے کیا۔

قلعہ شاہ ورک کا محاصرہ

اس کے بعد نظام شاہ کی مدد سے محمد قلی آگے بڑھا تاکہ گلبرگہ اور آہنکر کے قلعوں پر قبضہ کر لے۔ قطب شاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سید مرتضیٰ سے جا ملا۔ بیجاپور ان دنوں داخلی انتشار اور خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا۔ محمد قلی نے نظام شاہی امیروں کی اعانت سے قلعہ شاہ ورک کا محاصرہ کر لیا۔

محمد آقا ترکمان کی بہادری

اس قلعے کا تھانیدار محمد آقا ترکمان تھا۔ اس نے دشمن کی مدافعت کرنے میں بڑی کوشش کی اور بہادری و جرات کا شاندار مظاہرہ کیا۔ اور قطب شاہی اور نظام شاہی لشکروں کے بہت سے سپاہیوں کو توپ و تفنگ سے ہلاک کیا۔ نظام شاہیوں اور قطب شاہیوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے آپس کے مشورے سے یہ طے کیا کہ شاہ ورک کا محاصرہ ترک کر کے بیجاپور کا رخ کرنا چاہیے۔

بیجاپور کا محاصرہ

اس کے بعد متذکرہ بالا دونوں لشکر بیجاپور پہنچے اور انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اگرچہ شہر کو فتح کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی گئی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ قطب شاہ محاصرے کی اس طوالت سے سخت پریشان ہو گیا۔ قطب شاہی امیروں نے بادشاہ کی یہ پریشانی دیکھی تو انہوں نے فوراً بادشاہ سے کہا پرانے زمانے سے سلاطین دکن میں یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی دشمن پر کوئی حملہ کرتا ہے اور اسے اس میں کسی دوسرے بادشاہ کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ بادشاہ جس سے مدد کی درخواست کی جاتی ہے بذات خود سفر کی تکالیف برداشت کر کے اعانت کے لیے آتا ہے۔ نظام شاہی قطب شاہی اور عادل شاہی خاندانوں نے ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا ہے۔ یہ حضور کی شان اور وقار کے بالکل خلاف تھا کہ آپ شاہ میرزا کے کہنے پر نظام شاہی امیروں کے واسطے سفر کی زحمت اٹھاتے۔

تسخیر گلبرگہ کا ارادہ

امراء کی اس گفتگو سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس نے گولکنڈہ واپس چلے جانے کا پورا ارادہ کر لیا۔ سید مرتضیٰ کو جب قطب شاہ کے

اس ارادے کا علم ہوا تو اس نے پہل کی اور خود ہی بادشاہ سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ اپنے اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔ میں عادل شاہ کے سرحدی پرگنوں کو اپنے قبضہ میں کیے لیتا ہوں اور آپ حسن آباد گلبرگہ پر قابض ہو جائیں۔ میں قطب شاہ تو خود ہی یہی چاہتا تھا لہٰذا اس نے سید مرتضیٰ کے ہمراہ بیجاپور کے نواح سے کوچ کیا اور گلبرگہ کے قریب پہنچ کر سید امیر رسل استر آبادی المشہور بہ مصطفیٰ خاں کو سر لشکر مقرر کیا اور اسے سات ہزار سواروں اور لاتعداد ہاتھیوں کے ساتھ اسی مقام پر تسخیر گلبرگہ کے لیے چھوڑا اور خود اپنے مخصوص ساتھیوں کے ہمراہ گولکنڈہ پہنچ گیا۔

شاہ میرزا کی گرفتاری اور وفات

قطب شاہ' شاہ میرزا سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور اسے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اور یہ حکم دیا کہ شاہ میرزا کو بذریعہ کشتی اصفہان روانہ کر دیا جائے۔ فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی گئی لیکن شاہ میرزا کو اصفہان پہنچنا نصیب نہ ہوا اور راستے ہی میں اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مصطفیٰ خاں اور دلاور خاں حبشی کی جنگ

مصطفیٰ خاں نے حسن آباد گلبرگہ کے نواح میں قیام کیا اور یہاں کے اکثر پرگنوں پر قابض ہو گیا جب یہ خبر بیجاپور پہنچی تو دلاور خاں حبشی ایک زبردست لشکر لے کر مصطفیٰ خاں کے مقابلے پر آیا دونوں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ دلاور خاں کا پلہ بھاری رہا او مصطفیٰ خاں بحال تباہ میدان جنگ سے بھاگا اور بڑی مشکلوں سے تلنگانہ پہنچا۔ عادل شاہیوں نے قطب شاہیوں کے تقریباً ایک سو تیس ہاتھی اور بہت سا سامان اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس لڑائی کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی خاندانوں میں صلح ہو گئی اور آج جب کہ اس معرکے کو پورے اٹھائیس سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ان دونوں خاندانوں میں وہی محبت کا جذبہ ہے جو پہلے کبھی تھا۔

قطب شاہ کی بہن کی شادی

خواجہ علی شیرازی المخاطب بہ ملک التجار بیجاپور کے امراء کی ایک جماعت کے ساتھ گولکنڈہ آیا اور اس نے قطب شاہ کی بہن کے ساتھ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عقد کا پیغام دیا۔ قطب شاہ نے یہ پیغام منظور کیا اور جشن منعقد کر کے اپنی بہن کو بیجاپور روانہ کر دیا۔

بھاگ متی سے عشق

اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں محمد قلی قطب شاہ ایک بازاری عورت پر جس کا نام بھاگ متی تھا عاشق ہوا اور ایک ہزار سواروں کو اس عورت کے حلقہ ملازمین میں داخل کر دیا تاکہ وہ امیروں کی طرح دربار میں آمد و رفت رکھ سکے۔ اسی زمانے میں گولکنڈہ کی آب و ہوا سے لوگ متنفر ہو گئے اور اس شہر کی سکونت کو ترک کرنے کی سوچنے لگے۔ محمد قلی نے اس شہر سے چار کوس کے فاصلے پر ایک نیا شہر تعمیر کروایا اور اس کا نام "بھاگ نگر" رکھا۔

بھاگ نگر کی تعمیر

یہ شہر اپنی متعدد خوبیوں کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا اس لیے محمد قلی نے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا شہر کا نام چونکہ بازاری عورت کے نام پر رکھا گیا تھا اس لیے کچھ دنوں بعد محمد قلی اپنے کیے پر نادم ہوا اور اس کا نام بدل کر "حیدر آباد" رکھ دیا مگر اس تبدیلی کا کوئی اثر نہ ہوا لوگ اس شہر کو بھاگ نگر ہی کہتے رہے۔ یہ شہر پانچ کوس کے فاصلے پر پھیلا ہوا تھا' آب و ہوا کے لحاظ سے یہ شہر واقع بے نظیر ہے اور عوام و خواص سبھی کو پسند ہے۔ یہاں کے اکثر بازار ندی کے کنارے واقع ہیں' بازاروں کی دونوں اطراف میں ندیاں بہتی ہیں اور ہر ندی کے دونوں کناروں پر سایہ دار درخت ہیں۔ تمام بازاروں کو چونے اور پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے شاہی محلات اپنی تعمیر کے لحاظ سے بے مثل ہیں۔

تلنگ' دونگ اور دبنگ کے علاقے

اہل ہند کی قدیم کتابوں میں لکھا ہے کہ تین علاقے آب و ہوا کے لحاظ سے آپس میں مشابہ ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ تلنگ' دونگ اور دبنگ۔ تلنگ سے مراد تلنگانہ ہے جو جنوبی ہندوستان میں واقعہ ہے اور قطب شاہیوں کے قبضے میں ہے۔ دونگ بنگال کو کہتے ہیں اور دبنگ سے مراد وہ علاقہ ہے جو ان دونوں ملکوں کے درمیان واقعہ ہے۔ اس علاقے کو کوئی مسلمان فرماں روا آج تک تسخیر نہیں کر سکا۔ محمد قلی قطب شاہ کا ارادہ تھا کہ وہ اس علاقے کو فتح کرے اس وجہ سے یہاں کا حاکم جس کا نام "پاپا بلندرا" تھا اپنی سلطنت کے ایک دور دراز حصے میں پناہ گزیں ہو گیا۔

ایک عجیب و غریب واقعہ

۱۰۱۷ھ میں ایک عجیب و غریب واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کی مثال قطب شاہی خاندان میں نہیں ملتی اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ کہ شہر سے باہر ایک اونچی جگہ پر جسے "نہات گھاٹ" کہتے تھے ایک شاہی محل تھا یہ محل عام طور پر بند رہتا لیکن جب بادشاہ یہاں تشریف لاتا ہے تو اس محل کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

سوداگروں کا قافلہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسافر سوداگروں کا ایک قافلہ چاندنی رات میں نہات گھاٹ کے محل کے قریب سے گزرا۔ سوداگروں کی ایک جماعت نے جس میں عورتیں بھی شامل تھیں محل کا تالا توڑا اور اندر داخل ہو گئے اور آرام سے شراب کی محفل منعقد کی محل کے شاہی محافظوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اہل قافلہ کو نہایت نرمی سے منع کیا لیکن ان لوگوں نے محافظوں کی بات نہ مانی اور محل کے دروازے اندر سے بند کر لیے۔

غریبوں پر ظلم

صبح ہوئی تو محل کے محافظ شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ سے سوداگروں کی شکایت کی۔ محمد قلی قطب شاہ کو سوداگروں پر بہت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ ان سب کو فوراً تہہ تیغ کر دیا جائے۔ چونکہ یہ سوداگر غریب یعنی غیر ملکی تھے اس لیے اہل دکن کو موقع ملا اور انہوں نے احمد نگر کی طرح یہاں بھی خوب ہنگامہ بپا کیا بیچارے غریبوں کو قتل کیا اور ان کا تمام مال لوٹ لیا۔

اہل دکن کا ہنگامہ

محمد قلی قطب شاہ کو جب اس قتل و غارت گری کی اطلاع ملی تو اس نے شہر کے کوتوال سے بڑی سختی سے باز پرس کی۔ بادشاہ نے اپنے مقربین خاص کو بھیج کر اہل دکن کی سرزنش کی' بتایا جاتا ہے کہ صرف آدھ گھڑی میں تقریباً ایک سو غریبوں کو قتل کیا گیا۔ اور ان کے مکانوں کو لوٹا گیا۔ بھاگ نگر میں قیامت کا سا ہنگامہ تھا بیچارے غریبوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ بادشاہ کس وجہ سے ان سے ناراض ہے۔

بھائیوں سے محبت

محمد قلی قطب شاہ میں چند باتیں ایسی تھیں جو بہت کم بادشاہوں میں پائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ اسے اپنے بھائیوں سے بے پناہ محبت تھی وہ انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا اور بغیر کسی خوف و خطر کے ان کے ساتھ ملتا جلتا تھا۔ قطب شاہ کے بھائی بھی اس کا رویہ دیکھ کر بڑی مہربانی اور خلوص سے پیش آتے تھے۔ تیس سال کے عرصہ میں محمد قلی قطب شاہ ایک بار بھی اپنے بھائیوں سے ناراض نہیں ہوا یہ بات ایسی ہے جو ہر بادشاہ میں نہیں پائی جاتی۔

میر محمد مومن استر آبادی

دوسری بات یہ ہے کہ میر محمد مومن استر آبادی پچیس سال تک محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں وکیل السلطنت رہے۔ میر مومن کے بزرگ ایرانی بادشاہوں کے دربار میں معزز و مکرم تھے۔ میر صاحب دنیاوی اور دینوی امور میں فاضل اجل اور بزرگ تھے شعر و شاعری سے انہیں کافی لگاؤ تھا۔ ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کو میر صاحب سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس نے تمام معاملات حکومت میر صاحب کے سپرد کر رکھے تھے اور خود اپنے بھائیوں کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتا رہا۔

حب اہل بیت کا صلہ

تیسری بات یہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کو اہل بیت کی محبت کا پورا پورا صلہ مل گیا۔ قارئین کرام بخوبی جانتے ہیں کہ جب سے برعظیم ہندوستان میں اسلام پھیلا ہے اس وقت سے تمام فرماں رواؤں کو ایرانی بادشاہوں کا قرب حاصل رہا لیکن یہ اعزاز صرف محمد قلی قطب شاہ ہی کے حصے آیا کہ شاہ ایران شاہ عباس نے اپنے بیٹے کی شادی کا پیغام قطب شاہ کی بیٹی کے لیے دیا ہے۔ محمد قلی اس پیغام کو باعث فخر سمجھنے لگا اور شادی کے انتظامات میں پوری طرح مشغول ہوا تاکہ اپنی بیٹی کو ایران روانہ کر کے سعادت دارین حاصل کرے۔

عماد شاہی خاندان

فتح اللہ عماد الملک

دکنی فرماں رواؤں کے حالات کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح اللہ عماد الملک بیجاپور کے کسی غیر مسلم کا بیٹا تھا۔ وہ بچپن ہی کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ملک برار کے سپہ سالار خان جہان کے غلاموں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ وہ نہایت ہی ذہین اور بلا کا محنتی تھا اس وجہ سے اس کا شمار خاں جہاں کے مقربین خاص میں ہونے لگا۔

خان جہاں کے انتقال کے بعد فتح اللہ عماد الملک بہمنی سلاطین کے غلاموں کی جماعت میں داخل ہو گیا سلطان محمد شاہ بہمنی کے عہد حکومت میں اس نے بڑی ترقی کی اور خواجہ کاواں کی عنایت سے عماد الملک کا خطاب حاصل کیا۔ اور ملک برار کا سپہ سالار (سرلشکر) مقرر ہوا ۸۹۲ھ میں عماد الملک نے خود مختاری کا اعلان کر کے برار میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین اس کا جانشین ہوا اور برار پر حکومت کرنے لگا۔

علاؤ الدین عماد الملک

"شاہ" کا خطاب

اسمٰعیل عادل اور برہان نظام کی طرح علاؤ الدین عماد الملک بھی پہلا دکنی فرماں روا ہے جس نے اپنے نام کے ساتھ "شاہ" کا لقب اختیار کیا۔ اس نے کاویل کے قلعے کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

محمد آباد بیدر پر حملہ

سلطان محمود بہمن امیر برید کے موکل کی قید سے نکل کر علاؤ الدین کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ علاؤ الدین نے سلطان محمود کو ساتھ لے کر محمد آباد بیدر پر حملہ کیا تاکہ امیر برید کو شکست دے کر اصل وارث کو تخت نشین کیا جائے۔ اس معرکے میں نظام شاہ نے امیر برید کا ساتھ دیا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ سلطان محمود عین لڑائی کے دوران میں امیر برید سے جا ملا اور عماد الملک ناکام و نامراد واپس کاویل آیا۔

امیر برید کا ہنگامہ

امیر برید نے ۹۲۳ھ میں قلعہ ماہور پر حملہ کیا اور خداوند خاں حبشی کو ہلاک کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ عماد الملک نے خداوند خاں حبشی کے بیٹوں کی مدد کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے لشکر جمع کرنے لگا۔ امیر برید نے مصلحت وقت کے پیش نظر دونوں قلعے خداوند خاں کے بیٹوں کو واپس کر دیے اور انہیں عماد الملک کا مطیع و فرماں بردار بنایا۔

برہان نظام شاہ سے معرکہ آرائیاں

عماد الملک نے رفتہ رفتہ ان دونوں قلعوں پر قبضہ کر لیا اور یہ قلعے اپنے قابل اعتماد امیروں کے سپرد کر دیئے۔ خداوند خاں حبشی کے بیٹے فریاد لے کر برہان شاہ کے پاس گئے اور اپنے قلعوں کی واپسی کے لیے اس سے مدد کی درخواست کی۔ برہان نظام شاہ عماد الملک کے خلاف ہو گیا اور دونوں فرماں رواؤں میں کئی بار معرکہ آرائی ہوئی۔ ان معرکہ آرائیوں میں ہر بار عماد الملک کو شکست ہوئی اس نے میدان جنگ سے بھاگ کر کاویل میں پناہ لی۔

ماہور اور رامگر کے قلعوں پر قبضہ

اسی زمانے میں عماد الملک نے اسمٰعیل عادل کی بہن سے شادی رچائی۔ عادل شاہ ان دنوں راجہ بیجانگر کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں مصروف تھا لہٰذا عماد الملک نے ماہور اور رامگر کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

نظام شاہ سے ایک معرکہ

عماد الملک نے ۹۳۰ھ میں حاکم برہان پور میراں محمد شاہ کی اعانت سے برہان نظام سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا فریقین میں زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں برہان نظام غالب آیا اور اس نے عماد الملک اور میراں محمد شاہ کے ہاتھیوں اور توپ خانے پر قبضہ کر لیا یہ دونوں بادشاہ میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔

برار میں سلطان بہادر کے نام کا خطبہ

عادل شاہ ان دنوں راجہ بیجانگر کے ہنگاموں کی وجہ سے سخت پریشان تھا اس لیے عماد الملک اور میراں محمد شاہ سلطان بہادر گجراتی کے

ساتھ پناہ گزیں ہوئے سلطان بہادر دکن کو فتح کرنے کے خیال میں تھا۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک زبردست لشکر لے کر برہان پور کے راستے سے برار آیا۔ عماد الملک نے جب سلطان بہادر کا یہ رویہ دیکھا تو اس کو اپنے ارادے پر سخت شرمندگی ہوئی۔ عماد الملک کو مجبوراً سلطان بہادر کی اطاعت کا دم بھرنا پڑا اور اس طرح برار میں سلطان بہادر کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا۔

عماد الملک نے برہان پور کے فرماں روا میراں محمد شاہ کی مدد سے جو کچھ کیا اس کا تذکرہ مناسب جگہ پر آ چکا ہے۔ عماد الملک دولت آباد سے برار چلا گیا۔ اور میراں محمد شاہ اپنے ملک واپس آ گیا۔

علاؤ الدین کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا دریا عماد الملک باپ کا جانشین ہوا۔

دریا عماد شاہ

دریا عماد شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی نظام شاہی خاندان سے اچھے تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی بیٹی دولت شاہ کا حسین نظام شاہ کے ساتھ بیاہ کر دیا۔نظام شاہیوں سے دوستی اور خلوص کا رشتہ جوڑا۔ دریا عماد شاہ نے اپنے عہد حکومت میں نہایت اطمینان اور بے فکری سے وقت گزارا اور اسی عالم میں سفر آخرت اختیار کیا۔

دریا عماد شاہ کی وفات کے بعد اس کا کم سن بیٹا برہان شاہ تخت نشین ہوا۔

برہان عماد شاہ

تفال خاں کا اقتدار

برہان عماد شاہ تخت نشینی کے وقت چونکہ کم سن تھا اس لیے تفال خاں دکنی نے جو بہمنی خاندان کا غلام تھا بہت اقتدار حاصل کر لیا اور بادشاہ پر غالب آ گیا۔ تفال خاں نے ابراہیم قطب شاہ اور برہان پور کے فاروقی حکمرانوں کی مدد سے بڑی قوت و شوکت حاصل کی اور برہان عماد شاہ کو قلعہ پر نالہ میں نظربند کر دیا۔ تفال خاں نے ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ وہ بہت ہی بہادر اور فراخ دل انسان تھا۔

مرتضیٰ نظام کا ارادہ تسخیر برار

تفال خاں نے برہان عماد شاہ کو حکومت سے علیحدہ کرنے کے بعد عماد شاہی خاندان کی اس حد تک مخالفت کی کہ مرتضیٰ نظام نے برار کو فتح کرنے کے ارادے سے اس ملک میں قدم رکھا۔ تفال خاں نے مجبور ہو کر علی عادل شاہ سے مدد کی درخواست کی' خوبی قسمت سے اس کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ نظام شاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنی والدہ خونزہ ہمایوں کے مشورے سے واپس آیا۔

برار پر نظام شاہی حملہ اور تفال خاں کی شکست

۹۸۰ھ کے آواخر میں نظام شاہ نے پھر برار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور برہان عماد کو آزاد کروانے کے بہانے سے برار پر حملہ کر دیا۔ تفال خاں بہت پریشان ہوا اور اس نے ابراہیم قطب شاہ سے مدد کی درخواست کی۔ قطب شاہ نے تلنگانہ کا لشکر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا تفال خاں نظام شاہی سپہ سالار چنگیز خاں کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں تفال خاں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

قلعہ پر نالہ کا محاصرہ

شکست کے بعد تفال خاں ایک مدت تک جنگلوں میں آوارہ گھومتا رہا آخر کار اس نے قلعہ پر نالہ میں پناہ لی۔ اس کا بیٹا شمشیر الملک قلعہ کاویل میں پناہ گزیں ہوا نظام شاہ نے قلعہ پر نالہ (جو پہاڑ پر واقع ہے اور جسے فتح کرنا بہت مشکل ہے) کا محاصرہ کر لیا۔ چنگیز خاں نے بادشاہ کو اس ارادے سے منع کیا اور قلعہ کے محافظوں کو روپے پیسے سے اپنا راز دار بنا لیا۔

اہل قلعہ کا اقدام

اہل قلعہ محاصرے کی طوالت اور سختی کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے قلعے کے برج و بارہ سے کمندوں کے ذریعے نیچے اتر کر چنگیز خاں کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کو نظام شاہیوں نے منصبوں اور جاگیروں سے نوازا اہل قلعہ نے جو اپنے ساتھیوں کا یہ حال سنا تو وہ بھی کسی نہ کسی طریقے سے قلعے سے باہر نکل آئے۔ اور چنگیز خاں کے توسط سے نظام شاہی سرکار سے عہدے اور جاگیریں حاصل کرنے لگے۔

تفال خاں کا فرار

اس صورت حال کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل قلعہ کے توپ اندازوں اور آتش بازوں کی تعداد بمشکل بارہ رہ گئی۔ نظام شاہیوں نے اس واقعہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور مورچل کو قلعے کی دیوار کے قریب لے جا کر اپنی توپوں سے دیوار میں شگاف کر دیا۔ قلعے میں کوئی تجربہ کار سپاہی موجود نہ تھا اس لیے چنگیز خاں کے لشکر خاصہ کے اٹھائیس سپاہیوں اور ایک توپچی نے قلعہ کے نیچے جا کر زینہ لگایا اور اوپر چڑھ گئے۔ خاص منصب دار نے بگل بجایا اور خاص منصب دار کا بگل سن کر تفال خاں نے سمجھا کہ چنگیز خاں قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ بہت

پریشان ہوا اس نے قلعے کا پچھلا دروازہ کھولا اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ یہ واقعہ ۹۸۲ھ کا ہے۔

گرفتاری

مرتضیٰ نظام شاہ قلعے کے اندر داخل ہوا اور اس تمام قیمتی سامان اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ باقی سامان لشکر نے بادشاہ کے حکم سے لوٹ لیا۔ سید حسن استر آبادی نے تفال خان کا تعاقب کیا۔ تین روز کی تگ و دو کے بعد اس نے تفال خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور نظام شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

تفال خاں اور اس کے ساتھیوں کی رحلت

اسی دوران میں قلعہ کاویل بھی فتح ہو گیا اور تفال خاں کا بیٹا شمشیرالملک بھی گرفتار کر لیا گیا۔ نظام شاہ نے تفال خان' شمشیرالملک اور برہان عماد شاہ کو مع ان کے متعلقین کے اپنے ملک کے ایک قلعے میں بھجوا دیا جہاں ان سب نے ایک ہی رات میں داعی اجل کو لبیک کہا۔
بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قلعے کے محافظوں نے نظام شاہ کے حکم کے مطابق متذکرہ بالا قیدیوں کو گلہ گھونٹ کر ہلاک کیا۔ بعضوں کا خیال یہ ہے کہ قلعے کے محافظ ان قیدیوں کو تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر کے دروازوں کو مقفل کر دیتے تھے۔ اس کارروائی سے محافظوں کا یہ مقصد تھا کہ قیدیوں سے رقم حاصل کریں لیکن ان لوگوں کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محافظ دن بدن حد سے زیادہ سختیاں کرنے لگے۔

ایک رات جب کہ بہت گرم ہوا چل رہی تھی تمام قیدیوں کو جو تعداد میں چالیس تھے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ گرمی اور ہوا کی کمی کی وجہ سے یہ سب قیدی دم گھٹنے کی وجہ سے مر گئے۔ محافظوں نے صبح جب کوٹھری کا دروازہ کھولا تو انہیں کوئی زندہ نہ ملا۔ قصہ مختصر کہ عماد شاہی اور تفال خانی حکومتوں کا اس طرح خاتمہ ہو گیا اور ان کے خاندانوں کا کوئی فرد بھی باقی نہ رہا۔

برید شاہی خاندان

قاسم برید

زیر نظر تاریخ کی تالیف کے وقت تک برید شاہی خاندان کے سات بادشاہ یکے بعد دیگرے حکومت کر چکے تھے۔ اس خاندان کا بانی قاسم برید تھا جو ترک گرجی غلاموں کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔

غلامی سے امارت تک

قاسم برید ولایت سے خواجہ شہاب الدین علی یزدی کے ہمراہ دکن آیا تھا۔ خواجہ شہاب نے اسے سلطان محمد شاہ فاروقی کے پاس بھیج دیا۔ قاسم بڑا بہادر اور دلیر انسان تھا اسے خوش خطی اور موسیقی سے بھی بڑی دلچسپی تھی' وہ کئی سازوں کے بجانے میں مہارت رکھتا تھا۔ محمد شاہ فاروقی کے عہد میں قاسم امراء کے گروہ میں داخل ہوا۔ اور اسے ولایت پائین اور جالنہ کے درمیانی علاقے کے لوگوں کی ہنگامہ آرائی کو فرو کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔

مرہٹوں سے جنگ

یہ باغی مرہٹہ قوم سے تعلق رکھتے تھے جن کی سرکشی کا زمانہ مشہور تھا۔ قاسم نے باغیوں کو بڑی اچھی طرح دبایا اور اس کامیابی کی وجہ سے اس کی بہت شہرت ہوئی۔ اس معرکے میں مرہٹوں کا سردار ساباجی مارا گیا اس کی لڑکی سے قاسم برید نے اپنے بیٹے امیر علی برید کی شادی کر دی۔

قوت و اقتدار

بادشاہ نے قاسم برید کو ساباجی کے تمام پرگنے عنایت کیے۔ اور اس کی بیٹی کے تمام متعلقین جو تعداد میں تقریباً چار سو کے لگ بھگ تھے۔ قاسم کے حلقہ ملازمت میں داخل ہو گئے ان ملازموں میں سے اکثر مرہٹوں نے رفتہ رفتہ اسلام قبول کر لیا۔ ان لوگوں کی مدد سے قاسم برید نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا اور سلطان محمود بہمنی کے عہد میں اسے بھی خود مختاری کا شوق پیدا ہوا۔

خود مختاری

عادل شاہ' نظام شاہ اور عماد شاہ کے مشورے کے مطابق قاسم برید نے اوسہ قندھار اور اودگیر کے قلعوں میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ دارالسلطنت کو قاسم نے محمود شاہ بہمنی کے لیے چھوڑ دیا۔

قاسم برید نے بارہ سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اور ۹۱۰ھ میں (جب کہ سلطان محمود بقید حیات تھا) انتقال کیا اور اس کا بڑا بیٹا امیر علی برید باپ کا جانشین ہوا۔

امیر علی برید

امیر علی برید اپنے باپ قاسم برید کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اس کے عہد حکومت میں سلطان محمود نے انتقال کیا اور خاندان بہمنی کا آخری بادشاہ سلطان کلیم اللہ احمد نگر میں پناہ گزیں ہوا۔ امیر علی برید کے عہد میں اسمٰعیل عادل نے بیدر پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار امیر برید نے دوبارہ اس شہر کو اپنے قبضے میں کر لیا جن دنوں برہان پور کے حاکم محمد شاہ اور عماد الملک کی درخواست پر سلطان بہادر مملکت دکن میں داخل ہوا۔ انہیں دنوں اسمٰعیل عادل کے حکم سے امیر برید بیجا پور پہنچا۔ عادل شاہ نے چار ہزار غریب سواروں کا ایک لشکر امیر برید کی ماتحتی میں دیا اور اسے نظام شاہ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

بہادری و جرات

امیر برید نے اس مہم میں بہادری اور جرات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اس کی مثال اسفندیار اور رستم کے کارناموں میں بھی نہیں ملتی۔ اس معرکے کا تفصیلی تذکرہ مناسب موقع پر درج ہے۔ اس واقعہ کے بعد امیر برید نے ایک عرصے تک امن و چین سے حکومت کی۔

انتقال

اپنی حکومت کے آخری زمانے میں امیر برید برہان نظام شاہ کی مدد کے لیے احمد نگر گیا اور دولت آباد کے قریب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ امیر برید کا بھائی اس کے جنازے کو لے کر بیدر آیا اسے قاسم برید کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔

گیدڑوں کا خیال

امیر برید کے بارے میں قصہ عام طور پر مشہور ہے کہ سردیوں کے دنوں میں ایک رات اس نے باغ کتانہ میں بادہ نوشی کی محفل گرم کر رکھی تھی کہ چراگاہ میں گیدڑوں کا ایک غول داخل ہوا اور شور و غوغا کرنے لگا۔ امیر برید نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ گیدڑ شور کیوں مچاتے ہیں؟ ایک درباری نے جواب میں کہا چونکہ سردی بہت زیادہ ہے اس لئے وہ بادشاہ کے حضور میں فریاد کر رہے ہیں صبح ہوئی تو امیر برید نے حکم دیا کہ چار ہزار لحاف تیار کروا کے باغ میں ڈال دیے جائیں تاکہ رات کے وقت گیدڑ سردی کی شدت سے محفوظ رہیں۔

علی برید شاہ

"بادشاہ" کا خطاب

علی برید خاندان برید شاہی کا پہلا فرد ہے جس نے اپنے لیے "بادشاہ" کا لقب اختیار کیا۔ شاہ طاہر احمد نگر سے علی برید کے جشن تاجپوشی میں شرکت کے لیے احمد آباد تشریف لے گئے' لیکن علی برید کی بدسلوکی کی وجہ سے وہ پریشان خاطر ہو کر واپس آئے۔

نظام شاہی یورش

اس واقعہ کی وجہ سے برہان شاہ' برید شاہ سے ناراض ہو گیا اور اس پر لشکر کشی کر دی۔ برید شاہ نے پریشانی کی حالت میں قلعہ کلیان ابراہیم عادل شاہ کے سپرد کیا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ اس اقدام سے برید شاہ کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اور نظام شاہ نے اوسہ' اودگیر اور قندھار پر قبضہ کر لیا۔ برید شاہ کے پاس صرف اس قدر ملک رہ گیا کہ اس کا سالانہ محصول صرف چار لاکھ طلائی ہون تھا۔ باقی سارا علاقہ نظام شاہی بادشاہ کے قبضے میں چلا گیا۔

مرتضیٰ نظام کا حملہ

نظام شاہی فرماں روا مرتضیٰ نظام شاہ نے بھی برید شاہی مقبوضات کی طرف توجہ کی اور صاحب خاں کے کہنے پر ۹۸۷ھ میں بیدر پر حملہ کر دیا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہل شہر پر سختیاں کرنی شروع کر دیں۔ برید شاہ نے مجبور ہو کر علی عادل شاہ سے مدد کی درخواست کی۔ علی عادل شاہ نے جواب دیا فلاں فلاں نام کے دو خواجہ سرا جو تمہارے ملازم ہیں اگر تم انہیں میرے پاس بھیج دو تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ برید شاہ نے مجبوراً علی عادل کی شرط منظور کر لی۔

مرتضیٰ نظام کی واپسی

اس کے بعد علی عادل نے ایک ہزار سوار برید شاہ کی مدد کے لیے روانہ کیے۔ نظام شاہ کو اس کی اطلاع ہوئی ان دنوں چونکہ احمد نگر میں بھی فتنہ و فساد برپا تھا اس لیے نظام شاہ نے میرزا یادگار کو بیدر کے محاصرہ میں چھوڑا اور خود احمد نگر واپس چلا آیا۔

علی عادل کا قتل

۹۸۸ھ (یہ واقعہ تفصیل سے علی عادل کے حالات میں لکھا جا چکا ہے) میں علی برید شاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے دونوں خواجہ سراؤں کو علی عادل کی خدمت میں روانہ کر دیا یہ دونوں خواجہ سرا بہت غیرت مند تھے انہوں نے اپنی عزت اور ناموس کی حفاظت کی خاطر علی عادل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علی برید کا انتقال

اسی زمانے میں علی برید نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس نے کل پینتالیس سال تک حکمرانی کی اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا ابراہیم عادل اپنے باپ کا جانشین ہوا۔

علی برید کے جانشین

ابراہیم برید نے سات سال تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد عنان اقتدار قاسم برید کے ہاتھ آئی۔ قاسم نے تین سال تک حکومت کی اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو بوقت تخت نشینی چار سال کا تھا۔

۱۰۱۰ھ میں برید شاہی خاندان کے ایک فرد نے بادشاہ کو معزول کر کے شہربدر کر دیا- بادشاہ فرار ہو کر محمد قلی قطب شاہ کے پاس بھاگ نگر پہنچ گیا- اور امیر برید نے اپنی الگ حکومت قائم کر لی کتاب کی تالیف کے وقت جو ۱۰۱۸ھ ہے بیدر پر یہی حکمران تھا۔

مصنف کا اعتذار

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ عماد شاہی اور برید شاہی فرماں رواؤں کا تذکرہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے- میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے- ضعیف العمر اور کہن سال بزرگوں سے (جو ان بادشاہوں کے ہم عصر یا قریبی زمانے سے تعلق رکھتے تھے) جو کچھ سنا ہے وہ اس کتاب میں درج کر دیا ہے- اگر قارئین کرام میں کسی کو ان بادشاہوں کے سال ہائے جلوس اور روزہائے وفات کے سنین معلوم ہوں یا واقعات کے بارے میں کچھ اور معلوم ہو تو اولین فرصت میں تحریر فرمائیں- تاکہ سنین اور واقعات کی تحقیق کی جائے- ناچیز مولف کتاب اپنی زندگی اور مرنے کے بعد بھی ان کا ممنون رہے گا۔

سلاطین گجرات

فرحت الملک

فرحت الملک کی سپہ سالاری

تاریخ مبارک شاہی اور اسی قسم کی دوسری کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ دہلی سلطان فیروز شاہ نے فرحت الملک (جسے مفرح بھی کہتے ہیں) سپہ سالار مقرر کر کے گجرات کا صاحب اختیار حاکم بنایا تھا۔ سلطان فیروز شاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ نے بھی فرحت الملک کو بحال رکھا۔

غیر مسلم نوازی

فرحت الملک کا ارادہ چونکہ بادشاہ دہلی کی مخالفت کرنے کا تھا اس لیے اس نے گجرات کے زمینداروں اور غیر مسلموں سے بڑا اچھا برتاؤ کیا اور انہیں اپنا بہی خواہ بنا لیا۔ ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے وہ ایسی رسومات کو بھی مروج ہونے دیتا تھا جو اسلام کے خلاف تھیں۔

علماء کا عریضہ

فرحت الملک کے اس رویے سے گجرات کے تمام علماء و فضلاء اس سے ناراض ہو گئے۔ اور انہوں نے ۷۹۳ھ میں سلطان محمد شاہ کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "فرحت الملک اس وقت ہوس پرستی میں مبتلا ہے' خود غرضی اور مطلب پرستی اس کا شیوہ ہے وہ غیر مسلموں اور ان کے مذہب کی اس قدر طرف داری کر رہا ہے کہ اس وقت سومنات مندر بت پرستوں کا ملجا و ماوی بنا ہوا ہے۔ اسلامی اصولوں اور احکامات کی پابندی روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ مسجدوں میں کہیں نمازی نظر نہیں آتے اور منبر اماموں کی صورت دیکھنے کو ترس گئے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضور سے التجا ہے کہ اسلام کی تقویت اور احکام شریعت کے نفاذ کے لیے جلد از جلد کوئی قدم اٹھایا جائے ورنہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اعظم ہمایوں کا حاکم گجرات مقرر ہونا

یہ عریضہ پڑھ کر سلطان محمد شاہ کو بہت دکھ ہوا اور وہ گجرات میں دین اسلام کے احکام کی حفاظت کی تدبیریں سوچنے لگا۔ بہت غور و فکر کے بعد بادشاہ نے گجرات کی حکومت اپنے ایک امیر اعظم ہمایوں ظفر خاں بن وجیہہ الملک کے سپرد کی۔ ۳ ربیع الثانی ۷۹۳ھ کو اعظم ہمایوں کو شاہی بارگاہ سے خلعت خاص عنایت ہوا۔ نیز چتر سفید اور سرخ بارگاہ (جو بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے) سے اسے نوازا گیا تاکہ ان کے مرتبے اور شان و شوکت میں اضافہ ہو۔

اعظم ہمایوں کی روانگی

اعظم ہمایوں نے اسی روز بادشاہ سے اجازت لی اور شہر کے باہر حوض خاص کے کنارے مقیم ہو کر اپنا سامان سفر درست کرنے لگا۔ دوسرے روز سلطان محمد شاہ خود اعظم ہمایوں کو الوداع کہنے کے لیے گیا۔ اور پند و نصائح کی تلقین کرنے کے بعد روانہ ہونے کی اجازت دے دی۔

سلطان مظفر گجراتی

پیدائش

سلطان مظفر شاہ کی پیدائش ۲۵ محرم ۷۴۳ھ کو بروز یک شنبہ دہلی میں ہوئی۔ اس کا باپ سلطان فیروز شاہ کا شراب دار تھا اور اس عہدے سے ترقی کرتا ہوا درجہ امارت تک پہنچ گیا۔ اور سلطان فیروز شاہ کی اولاد کے فرزندوں کے عہد میں بادشاہ کا معتمد علیہ رہا۔

گجرات کی صوبہ داری

سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت میں ظفر خاں اپنی پرہیزگاری اور حسن سلوک کی وجہ سے بہت امین اور دیانت دار مشہور ہوا۔ جب گجرات کے عالموں کا عریضہ سلطان محمد شاہ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ظفر خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا۔

عزت افزائی

وزیروں نے ظفر خاں کے تقرر کا فرمان لکھا اور بادشاہ کے حکم کے مطابق القاب کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ بادشاہ نے خود اپنے قلم سے فرمان پر یہ الفاظ لکھے۔ "برادرم مجلس عالی خان معظم عادل باذل مجاہد سعید الملت والدین، ظہیر الاسلام والمسلمین، عضد السلطنت یمین المملکت قامع الکفرۃ والمشرکین، قاطع الفجرۃ والمتمردین، قطب سماء المعالی، نجم فلک الاعالی صفدر روز وغا تہمتن قلعہ کشا و کشور گیر و آصف تمیز ضابطہ امور ناظم مصالح جمہور ذی المیامن والسعادت صاحب امرائی و الکفایات ناشر العدل والاحسان دستور صاحب قرآن الغ قتلغ اعظم ہمایوں ظفر خاں۔

جشن مسرت

ظفر خاں سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا گجرات روانہ ہوا راستے میں اسے معلوم ہوا کہ تاتار خاں بن ظفر خاں کے گھر جو بادشاہ کا وزیر مقرر ہوا تھا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ظفر خاں نے اس خوش خبری کو نیک فال سمجھا اور ایک عظیم الشان جشن مسرت کا انعقاد کیا۔ ظفر خاں نے اس خوشی کی وجہ سے اپنے امیروں کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔

ظفر خاں کا خط نظام مفرح کے نام

جب ظفر خاں ناگوار پہنچا تو کنبایت کے باشندے نظام مفرح کے مظالم کی شکایات لے کر ظفر خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ظفر خاں نے ان لوگوں کو تسلی دی اور نظام مفرح کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "سلطان محمد شاہ کو یہ خبر ملی ہے کہ تم نے چند سال کا محصول سرکاری خزانے میں جمع کروانے کی بجائے اپنی ذات پر خرچ کیا۔ اس کے علاوہ ایک عرصے سے تم رعایا کو بھی نشانہ ستم بنا رہے ہو۔ یہ مظلوم لوگ کئی بار بادشاہ کی خدمت میں فریاد کر چکے ہیں۔ اب بادشاہ نے اس ملک کی حکومت اور یہاں کا انتظام میرے حوالے کیا ہے لہٰذا تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ محصول کی رقم جو تمہارے پاس موجود ہے جلد از جلد دہلی روانہ کر دو اور اس کے بعد خود بھی دہلی روانہ ہو جاؤ۔

نظام مفرح کا جواب

اس خط کے جواب میں نظام مفرح نے ظفر خاں کے نام لکھا۔ "تم جہاں تک آ گئے ہو ٹھیک ہے، لیکن اس سے ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں دہلی آ کر سارا حساب تمہارے سامنے رکھ دوں گا بشرطیکہ تم مجھے شاہی موکلوں کے سپرد کر دو۔ یہ جواب پا کر ظفر خاں کو نظام مفرح کی بغاوت و سرکشی کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد ظفر خاں باساول جو آج کل احمد آباد کے نام سے مشہور ہے کی طرف چلا گیا۔

نظام مفرح کو پیغام

نظام مفرح نے گجراتیوں اور اس علاقے کے غیر مسلموں سے سازباز کر کے دس بارہ ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر جمع کر لیا اور لڑائی کے لیے آمادہ ہوا۔ ظفر خاں نے لڑائی سے پہلے ایک قاصد نہروالہ (جسے آج کل پٹن کہتے ہیں) میں نظام مفرح کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا۔ "اپنی قوت پر مغرور ہو کر اپنے آقا سے غداری کرنا تمہارے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے' غیر مسلموں اور گجراتیوں کی طاقت پر اعتماد نہ کرو یہ لوگ بہادروں کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ تمہارے لیے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو دہلی چلے جاؤ اور بادشاہ کے پاس زندگی بسر کرو۔ یا میرے پاس آکر گروہ امراء میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے علاوہ اگر تم نے کوئی راستہ اختیار کیا تو پھر تمام نتائج کی ذمہ داری تمہیں پر ہو گی۔

نظام مفرح کی بدبختی

نظام مفرح کی اقبال مندی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا' ادبار کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے تھے اس لیے وہ خود مختاری کے خواب دیکھنے میں منہمک تھا۔ اس نے ظفر خاں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور پیغام کے جواب میں بہت سی الٹی سیدھی باتیں کیں۔

جنگ کی تیاریاں

جب ظفر خاں نے یہ دیکھا کہ نظام مفرح کسی صورت سے راہ راست پر نہیں آتا تو مجبوراً اس نے بھی اپنا لشکر درست کرنا شروع کیا۔ اور شجاع و بہادر لشکریوں کے ہمراہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نہروالہ کی طرف روانہ ہوا۔ نظام مفرح نے جب ظفر خاں کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی اپنے دس بارہ ہزار سپاہیوں کو لے کر نہروالہ سے آگے بڑھا۔

معرکہ آرائی اور ظفر خان کی فتح

موضع کانتھو میں جو شہر سے بارہ کوس کے فاصلے پر آباد ہے فریقین کا سامنا ہوا۔ ظفر خان اور نظام مفرح میں زبردست جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں ظفر خاں کامیاب و کامران ہوا اور نظام مفرح قلعہ میں پناہ گزین ہونے کے لئے نہروالہ کی طرف بھاگ گیا۔ ظفر خان بڑی شان و شوکت کے ہمراہ نہروالہ میں داخل ہوا اس نے اپنے عدل و انصاف سے رعایا کو بہت خوش کیا۔

کنبایت کا سفر

۷۹۵ھ میں ظفر خان کنبایت گیا۔ اس شہر میں زیادہ تر تاجر اور مسافر آباد تھے۔ ظفر خاں نے یہاں کے باشندوں کی تکالیف دور کیں اور حکام اور قاضی مقرر کر کے نہروالہ واپس آگیا۔

ہندو راجہ کی تنبیہہ

۷۹۶ھ ظفر خاں کو معلوم ہوا کہ غیر مسلم راجہ جو ہمیشہ سے حکام گجرات کا مطیع و فرماں بردار چلا آ رہا ہے اب سرکشی و بغاوت کی طرف مائل ہے۔ اس راجہ نے بیچارے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے تھے۔ ظفر خاں نے ایک زبردست لشکر کو ساتھ لے کر اس راجہ کی تنبیہہ کے لیے سفر اختیار کیا۔ راجہ کے ملک میں پہنچ کر ظفر خاں نے قلعہ ایدر کا محاصرہ کر لیا طرفین میں چند زبردست لڑائیاں ہوئیں جن میں ہر بار اہل قلعہ کو شکست ہوئی۔

قتل و غارت گری اور قحط

ظفر خاں نے اہل قلعہ کو بہت زیادہ پریشان کرنا شروع کر دیا اور اس نے ایدر کے آس پاس کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ مندروں کو مسمار کیا گیا اور غیر مسلموں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی اثناء میں قلعے میں

زبردست قحط پڑا' نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتے بلیوں کو کھانے لگے۔

راجہ کی اطاعت و فرماں برداری

یہ صورت حال دیکھ کر راجہ نے اپنی رائے بدلی اور اپنی بدکرداری پر بہت شرمندہ ہوا۔ اسے ظفر خاں کی اطاعت اور فرماں برداری کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہ آیا۔ راجہ نے اپنے بڑے بیٹے کو چند مخصوص درباریوں کے ساتھ بڑے قیمتی تحفے تحائف دے کر قلعے سے باہر نکالا اور ظفر خاں کے پاس بھیجا۔ راجہ نے ظفر خاں کو یہ پیغام دیا "اگر مجھ سے چند باتیں جناب کی مرضی کے خلاف سرزد ہو گئیں اور میں نے قلعے کی چابی روانہ کرنے میں تاخیر سے کام لیا تو اس کا سبب محض عزت اور دولت کی حفاظت ہے تاکہ میں اپنے عزیزوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اگر آپ نے میرے قصور پر نظر کی تو میں مجرم ٹھہروں گا اور اگر اپنے کرم پر نگاہ ڈالی تو پھر میرے بے قصور ہونے میں کیا شک رہ جائے گا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا۔"

ملک راجہ کا فتنہ

ظفر خاں نے راجہ کا قصور معاف کر دیا اور اس کے پیش کردہ تمام تحائف قبول کر کے قلعے کا محاصرہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد ظفر خاں نے سومنات پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' لیکن اسے معلوم ہوا کہ سلاطین فاروقیہ کے جداعلی ملک راجہ المخاطب بہ عادل خاں نے ان دنوں بہت قوت فراہم کر لی ہے اور اپنی جاگیر کی حدود سے باہر نکل کر قلعہ لیز کو سر کر کے تمام خاندیش پر قبضہ کر لیا ہے۔ ظفر خاں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ملک عادل گجرات کے بعض پرگنوں سلطان پور اور ندربار وغیرہ پر بھی قبضہ کرنے کا خواہاں ہے۔

ملک راجہ کی قلعہ میں پناہ گزینی

ظفر خاں نے ملک راجہ یعنی ملک عادل کے فتنے کو فرو کرنا ضروری سمجھا اور سومنات پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ملک راجہ بہت ہی ذہین و عقل مند تھا اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس میں ظفر خاں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے اس لیے وہ قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔

ملک راجہ اور ظفر میں صلح

ملک راجہ نے عالموں اور فاضلوں کی ایک جماعت کے توسط سے ظفر خاں سے دوستانہ مراسم پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور علماء کا ایک گروہ ظفر خاں کے پاس بھیج کر صلح کا خواستگار ہوا۔ ظفر خاں علم و فضل کا متوالا تھا دوسرے یہ کہ وہ خود گجرات پر حکومت کرنے کا خواہاں تھا۔ اس لیے اس نے ان علماء کی بہت عزت کی اور ان کے کہنے کے مطابق ملک راجہ سے صلح کر لی۔ فریقین نے ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجے۔ ظفر خاں نہروالہ میں واپس آ گیا اور اس سے گجراتیوں اور اہل برہان پور میں اتحاد و دوستی کا دور شروع ہو گیا۔

ملک راجہ کی عزت

ملک راجہ کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ فاروقی نسل سے ہے۔ اس لیے ظفر خاں اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور خط و کتابت میں اس سے بڑی نیازمندی کا اظہار کرتا تھا اور اسے معزز و اعلیٰ القابات سے یاد کیا کرتا تھا۔

جھرند کے نواح پر حملہ

۷۷۷ھ میں ظفر خاں نے جھرند کے نواح میں جو مغربی پٹن میں واقع ہے حملہ کیا۔ اس علاقے کے غیر مسلم بہت ہی سرکش تھے ظفر خاں ایک عرصے تک ان کی تباہی و بربادی میں مشغول رہا۔ اس ہنگامے میں مسلمانوں نے بہت سا مال اور دولت حاصل کی۔ اس کے علاوہ

ان گنت خوبصورت قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جرند کے راجہ نے پریشان ہو کر ظفر خاں سے امان طلب کی بہت سے قیمتی تحفے اس کی خدمت میں پیش کیے۔

سومنات پر حملہ

جرند سے دست بردار ہونے کے بعد ظفر خاں نے سومنات پر حملہ کیا بتوں کو توڑنے اور بت پرستوں کو پریشان کرنے میں ظفر خاں نے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ ظفر خاں نے سومنات میں ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ شرعی عہدے داروں کو مقرر کیا' تھانے بنائے اور پھر پٹن واپس آ گیا۔

مندل گور کے راجپوتوں کی سرکشی

۷۹۸ھ میں مخبروں نے ظفر خاں کو اطلاع دی کہ مندل گور کے راجپوتوں نے مسلمانوں کو مغلوب کر کے ان کو بہت پریشان کرنا شروع کر دیا ہے۔ راجپوتوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے مسلمان زندگی سے عاجز ہیں اور ان میں سے اکثر جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ راجپوت اپنے انجام سے بے خبر ہو کر حکام کی اطاعت اور مال گزاری ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔

راجپوتوں کے قلعے کا محاصرہ

یہ اطلاعات ملتے ہی ظفر خاں جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا مندل گور پہنچ گیا۔ وہاں کا غیر مسلم راجہ مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اس لیے قلعہ بند ہو گیا۔ ظفر خان نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور منجنیق نصب کر کے ہر روز راجپوتوں کو سنگسار کرنا شروع کر دیا لیکن قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ منجنیق سے کام نکلتا ہوا نظر نہ آیا تو ظفر خاں نے قلعے کے چاروں طرف ساباط کی تیاری کا حکم دیا۔ ساباط تیار ہوئی لیکن اس سے بھی کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

مسلمانوں کی فتح

محاصرے کی طوالت کی وجہ سے ظفر خاں بہت پریشان ہوا۔ اتنے میں اسے غیبی امداد اس صورت میں پہنچی کہ قلعے میں طاعون کی وبا پھیل گئی' اہل قلعہ کے گروہ کے گروہ موت کی آغوش میں جانے لگے۔ رائے درگانے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس نے اپنے چند مقربین خاص کو ظفر خاں کے پاس بھیجا۔ عورتیں اور بچے برہنہ سر حصار کے اوپر آ کر فریاد کرنے لگے اور ظفر خاں سے امان طلب کرنے لگے۔ ظفر خاں نے فوراً راجپوتوں کی درخواست منظور کر لی اور ان سے پیشکش وصول کر کے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے اجمیر روانہ ہو گیا۔ اور حضرت خواجہ صاحبؒ کی روح سے غیر مسلموں پر غالب آنے کی مدد طلب کی۔

غیر مسلموں سے معرکہ آرائیاں

ظفر خان نے غیر مسلموں سے معرکہ آرائی جاری رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا وہ اجمیر سے جلوارہ اور بلوارہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان شہروں میں ہندو آباد تھے اور بت پرستی کا عام رواج تھا۔ ظفر خاں نے ان شہروں کے باشندوں کو قتل کیا اور ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا۔ مندروں کو مسمار کر دیا اور ان اطراف کے اکثر قلعے فتح کر کے اپنے معتمد امیروں کے سپرد کیے۔

خود مختاری

ظفر خاں نے پورے تین سال اس سفر میں گزارے اور غیر مسلموں سے معرکہ آرائیاں کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ پٹن واپس آ گیا۔
"تاریخ الغی" میں مذکور ہے کہ اس سفر سے واپسی کے بعد ظفر خاں نے خود مختار حکومت قائم کر لی اور اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر کے اپنے آپ کو "مظفر شاہ" کے نام سے مشہور کیا۔

تاتار خاں بن مظفر شاہ

۷۹۹ھ میں مظفر شاہ کے بیٹے کو (جو سلطان محمد شاہ کا وزیر تھا) سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت میں (جیسا کہ سلاطین دہلی کے حال میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے) سارنگ خاں نے معرکہ آرائی کر کے ملتان کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ تاتار خاں کے تیوروں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ دہلی پر حکمرانی کرنے کا خواہاں ہے۔ محمود شاہ کے مطلق العنان وکیل ملو اقبال نے تاتار خاں کے دفیعہ کے لیے پانی پت کا رخ کیا۔

تاتار خاں گجرات میں

تاتار خاں نے ملو اقبال کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک دوسرے راستے سے دہلی جا پہنچا۔ تاتار خاں دہلی کا محاصرہ کرنا چاہتا تھا لیکن ملو اقبال نے پانی پت پر قبضہ کر کے بڑی شان و شوکت سے دہلی کا رخ کیا۔ تاتار خاں نے اس وقت بھی ملو اقبال کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ۸۰۰ھ میں گجرات کی طرف روانہ ہو گیا اور اپنے باپ مظفر شاہ سے جا ملا۔

مظفر شاہ کا دہلی پر حکومت کرنے کا ارادہ

تاتار خاں نے مظفر شاہ کو دہلی پر حکومت کرنے کی ترغیب دی۔ مظفر شاہ اپنے بیٹے کے کہنے میں آ گیا اور اس مقصد کے لیے لشکر جمع کرنے لگا۔ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ امیر تیمور کے نواسے میرزا پیر محمد نے ہندوستان میں داخل ہو کر ملتان پر قبضہ کر لیا ہے۔ مظفر شاہ نے اپنی عقل سے یہ اندازہ کر لیا کہ میرزا پیر محمد کا ہندوستان آنا امیر تیمور کی آمد کا پیش خیمہ ہے۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے دہلی پر حکومت کرنے کے ارادے کو ملتوی کر دیا۔

ایدر پر حملہ

۸۰۱ھ میں مظفر شاہ نے اپنے بیٹے تاتار خاں کو ساتھ لے کر قلعہ ایدر پر حملہ کیا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے اس نے قلعے کا محاصرے کر لیا اور اہل قلعہ پر طرح طرح کی مصیبتیں توڑنا شروع کر دیں۔ ایدر کے راجہ رنمل نے ظفر خاں کے مقابلے پر قطعاً طاقت کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ انتہائی عاجزی اور انکساری سے پیش آیا۔ اور اس نے قاصد بھیج کر ظفر خاں سے پیش کش کا وعدہ کیا چونکہ ان دنوں دہلی میں فتنوں اور فسادات کا بازار گرم تھا۔ اس لیے ظفر خاں نے پیشکش ہی کو بہت کچھ سمجھا اور ۸۰۱ھ میں رمضان کے مہینے میں پٹن واپس آ گیا۔

سومنات پر لشکر کشی

۸۰۴ھ میں مظفر شاہ کو یہ اطلاع ملی کہ غیر مسلموں نے ہنگامہ و فساد برپا کر کے مسلمانوں کے تھانے تباہ و برباد کر دیئے ہیں اور حسب سابق اپنے بت خانوں میں بت پرستی شروع کر دی ہے۔ مظفر شاہ نے فوراً ایک زبردست لشکر سومنات کی طرف روانہ کیا اور پھر خود بھی روانہ ہوا۔ جس روز سومنات کے ہندوؤں اور ان کے راجہ نے دریا کے راستے سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اسی روز مظفر شاہ بھی دشمن کے سر پر پہنچ گیا۔

قلعہ دیب کی فتح

فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ چاروں طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں' نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندوؤں میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور وہ اپنے راجہ کے ساتھ قلعہ دیب میں پناہ گزین ہو گئے۔ مظفر شاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا مسلمانوں کی تکبیروں اور توپوں کی گھن گرج نے قلعے کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا' مسلمانوں نے ایک ہی دن میں قلعے کو فتح کر لیا مظفر شاہ نے دشمن کے سپاہیوں کو

تہہ تیغ کیا اور راجہ کو مع امراء کے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا۔ ہندوؤں کے بیوی بچوں کو مسلمانوں نے قید کر لیا۔ اور ان کا تمام مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا۔

سجدہ شکرانہ

اس عظیم الشان فتح کے بعد سلطان مظفر شاہ نے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کیا اور ایک بہت بڑے مندر کو مسمار کر کے اس کی جگہ ایک عالی شان مسجد تعمیر کی۔ بادشاہ نے اس علاقے کا انتظام اپنے ایک معتمد امیر کے سپرد کیا اور خود بہت سا مال غنیمت لے کر واپس پٹن آگیا۔

دہلی پر حملے کا ارادہ

ایدر کی فتح کے بعد مظفر شاہ کی قوت اور شان و شوکت میں بے حد اضافہ ہوا۔ اس لیے اس نے دہلی پر لشکر کشی کر کے دارالسلطنت کو بھی اپنے قبضے میں کرنے کا ارادہ کیا۔ مظفر شاہ نے اپنے بیٹے تاتار خاں کو غیاث الدولہ والدین سلطان محمد شاہ کا خطاب عطا فرمایا۔

تاتار خاں کا انتقال

تاتار خاں اساول سے نکلا اور قصبہ سنور میں پہنچا وہاں وہ بیمار پڑ گیا بہت علاج معالجہ کیا گیا لیکن شفا نہ ہوئی بلکہ بیماری بڑھتی گئی۔ اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ تاتار خاں کے انتقال کی خبر سن کر مظفر شاہ نے دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اساول واپس چلا آیا۔

تاتار خاں کے انتقال کی صحیح روایت

تاتار خاں کی موت کی صحیح روایت یہ ہے کہ اس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی۔ مظفر خاں چونکہ بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے اسے تاتار نے ایک قلعے میں قید کر دیا۔ تاتار خاں نے اپنے چچا شمس خاں کو وکیل السلطنت مقرر کیا اور خود سلطان ناصرالدین محمد شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھ گیا اس نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

مظفر شاہ کی گرفتاری

اس کے بعد تاتار خاں نے دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے آگے بڑھا۔ مظفر شاہ نے اپنے ایک قابل اعتماد امیر کو اپنے بھائی شمس خاں کے پاس روانہ کیا اور اپنے بیٹے کے ظلم و ستم کی داستان سنا کر اس سے مدد کی درخواست کی نیز اپنی رہائی اور محمد شاہ کو قتل کر دینے کے لیے کہا۔

شمس خاں کی رائے

شمس خان نے مظفر شاہ کو یہ جواب دیا۔ "محمد شاہ تمہارا بیٹا ہے تم اسے دل و جان سے زیادہ چاہتے ہو اگر میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی حرکت پر پشیمان ہو کر بعد میں میرے خلاف ہو جاؤ۔ اور مجھے اپنے ستم کا نشانہ بناؤ مناسب یہی ہے کہ تم اس معاملے میں اچھی طرح غور و فکر کر لو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔"

مظفر خاں کا جواب

مظفر شاہ نے شمس خان کو یہ جواب دیا "تم نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس سے قطعاً اتفاق نہیں ہے محمد شاہ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ کسی بیٹے کو زیب نہیں دیتا ایسا ناخلف بیٹا! اس قسم کی حرکت سے خود بخود عاق ہو جاتا ہے اور فطری محبت اور باپ بیٹے کے تمام رشتے ختم ہو جاتے ہیں اس وقت تمہیں میرے بڑھاپے پر رحم کرنا چاہئے اور محمد شاہ جیسے ناخلف کو کڑی سزا دینی چاہئے۔ میری طرف سے تم کوئی

خیال اپنے دل میں نہ لاؤ میں بعد میں تم سے قطعاً کسی قسم کی باز پرس نہ کروں گا۔"

مظفر شاہ کی دوبارہ تخت نشینی

شمس خاں کو اپنے بھائی مظفر شاہ کی حالت زار پر رحم آ گیا اور اس نے محمد شاہ کو قصبہ سورکھ میں جو دہلی کے راستے میں واقع ہے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ اور مظفر شاہ کو جلد از جلد شاہی مجلس میں لا کر تخت پر بٹھا دیا تمام شاہی ملازمین اور لشکری جو محمد شاہ کی بادشاہت سے آزردہ خاطر تھے اپنے قدیم آقا کو تخت شاہی پر جلوہ افروز دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

مظفر شاہ کا عزم حسن آباد

اسی اثناء میں حاکم مالوہ دلاور خاں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ ہوشنگ شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ ہوشنگ نے حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ مظفر شاہ نے بھی یہ خبر سنی اور ۸۱۰ھ میں بے حد ساز و سامان کے ساتھ حسن آباد دھار کی طرف روانہ ہوا۔

مالوہ پر قبضہ

ہوشنگ نوجوان تھا اس لیے جوشیلا بھی بہت تھا اس نے عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا اور گجراتیوں سے معرکہ آرا ہونے کا ارادہ کر لیا فریقین میں زبردست جنگ ہوئی۔ ہوشنگ نے شکست کھائی اور دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ مظفر شاہ نے مالوہ میں بھی اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا' وہاں کی حکومت اپنے بھائی نصرت خاں کے حوالے کر کے خود واپس اساول آ گیا۔

ہوشنگ کی گرفتاری

مظفر شاہ نے ہوشنگ کو اپنے بھتیجے احمد شاہ کے حوالے کر کے یہ حکم دیا کہ ہوشنگ کو کسی قلعے میں نظر بند کر دیا جائے۔ احمد شاہ نے فوراً مظفر شاہ کے حکم کی تعمیل کی چند ماہ کے بعد احمد شاہ نے ہوشنگ کا لکھا ہوا ایک عریضہ مظفر شاہ کی خدمت میں پیش کیا جس میں بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنے سابقہ قصور کی معافی چاہی گئی تھی اور رہائی کی درخواست کی گئی تھی۔ احمد شاہ نے بھی ہوشنگ کی رہائی کے لیے بادشاہ سے سفارش کی۔

رہائی اور بحالی

اس دوران میں یہ خبر ملی کہ مالوہ میں بغاوت ہو گئی ہے اور اہل شہر نے نصرت خاں کو دھار سے خارج البلد کر دیا ہے۔ احمد شاہ کی سفارش اور مصلحت وقت کا خیال کرتے ہوئے مظفر شاہ نے ہوشنگ کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد مظفر شاہ نے ہوشنگ کو چتر سفید اور سراپردہ سرخ عطا کر کے مالوہ اور مندو کا حکمران بنا دیا۔ ہوشنگ احمد شاہ کے ساتھ مالوہ روانہ ہوا۔ احمد شاہ نے بڑے امن و اطمینان سے ہوشنگ کو مالوہ کے تخت پر بٹھایا اور خود گجرات واپس آ گیا۔

مظفر شاہ کا انتقال

مظفر شاہ ماہ صفر ۸۱۳ھ میں علیل ہوا اور اسی سال ربیع الثانی کے مہینے میں انتقال کر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے بھتیجے احمد شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا کیونکہ وہ اسے اپنے حقیقی بیٹوں سے زیادہ قابل اور ذہین سمجھتا تھا۔ رحلت کے وقت مظفر شاہ کی عمر اکہتر سال تھی اس نے بیس سال حکمرانی کی۔ مرنے کے بعد لوگوں نے اسے "خدایگان کبیر" کے لقب سے یاد کیا۔

بادشاہ جم جاہ سلطان احمد گجراتی

احمد شاہ اپنے چچا کی وصیت کے مطابق گجرات کا حاکم ہوا۔ اس نے بڑی دیانتداری سے اور عدل و اِنصاف سے حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اور اِس طرح رعایا کے دلوں کو پوری طرح اپنے قبضے میں کر لیا۔

احمد آباد گجرات کی بناء

احمد شاہ کا سال پیدائش ۷۹۳ھ ہے نجومیوں نے اس کی ولادت کا زائچہ دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ لڑکا ایک ایسا نیک کام سرانجام دے گا کہ جس کی وجہ سے اس کا نام دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ کا خیال یہ ہے کہ یہ نیک کام مشہور شہراحمد آباد گجرات کی تعمیر ہے جو آج تک احمد شاہ کا نام اُونچا کیے ہوئے ہے۔

فیروز خاں کی بغاوت

۸۱۵ھ میں سلطان مظفر شاہ کے بیٹے فیروز خاں نے احمد شاہ کی تخت نشینی کی خبر سُن کر بغاوت و سرکشی کا ہنگامہ بپا کیا۔ مظفر شاہ کے کئی نامی گرامی امیروں مثلاً حسام الملک، ملک شیر، ملک کریم خسرو، جیون دیو اور بیاگداس کھتری وغیرہ نے فیروز خاں کا ساتھ دیا اور لشکر اور سامان جنگ جمع کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوئے۔

احمد شاہ کے مخالفین کا اتحاد

مفسدوں اور ہنگامہ پروروں نے کنبایت کے حاکم امیر محمود ترک کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے علاوہ سلطان مظفر شاہ کا دوسرا بیٹا ہیبت خاں بھی اپنا لشکر لے کر فیروز خاں کے پاس سورت کے نواح میں آگیا۔ ہیبت خاں کی تقلید میں سعادت خاں اور شیر خاں بن سلطان مظفر شاہ بھی جلد از جلد کنبایت پہنچ گئے۔ احمد شاہ کے تمام مخالفین دریائے نربدہ کے کنارے مقیم ہوئے اور آپس میں صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ یہ سب لوگ تقریباً سات آٹھ ہزار سواروں کے ہمراہ بروج کی طرف روانہ ہوئے۔

سلطان ہوشنگ سے مدد کی درخواست

فیروز خاں نے اپنے سر پر چتر شاہی لگایا بارگاہ سرخ تیار کروائی اور اس طرح اپنی شان و شوکت میں پہلے سے سوگنا اضافہ کیا۔ اس کے بعد اس نے سلطان ہوشنگ کو ایک خط لکھا جس میں امداد و اعانت کی درخواست کی گئی تھی۔ ہوشنگ نے اس شرط پر امداد دینے کا وعدہ کر لیا کہ کامیابی کے بعد فیروز خاں ہوشنگ کو ہر منزل کے معاوضے میں ایک کروڑ ٹنکے دے گا۔

زمینداروں کے لیے خلعت اور گھوڑے

بیاگداس اور جیون دیو کے مشورے کے مطابق فیروز خاں نے زمینداروں کے لیے بھی گھوڑے اور خلعت روانہ کیے اور ان کے نام کے فرمان جاری کر کے انھیں اپنی اطاعت کی ترغیب دی۔

احمد شاہ کی دور اندیشی

سلطان احمد شاہ اگرچہ نوجوان اور ناتجربہ کار انسان تھا لیکن اس نے اس معاملے میں بڑی دور اندیشی اور عقل مندی سے کام لیا اور جنگ کرنے میں تعجیل نہ کی۔ اس نے پہلے تو اپنے چند مخصوص ملازمین کی معرفت فیروز خاں کے نام ایک نصیحت آمیز خط بھیجا لیکن جیون دیو اور بیاگ داس کی فتنہ پردازیوں کی وجہ سے فیروز خاں پر اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا۔

بیاگ داس کا غرور اور تکبر

احمد شاہ نے جب دیکھا کہ سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اس نے ادم بھکر کو اس مہم پر نامزد کیا۔ ایک زبردست جنگ کے بعد ادم بھکر کو شکست ہوئی۔ فیروز خانیوں کی اس فتح کا سہرا بیاگ داس کے سر بندھا اس وجہ سے اس کا دماغ عرش پر جا پہنچا اور وہ اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ و ارفع انسان سمجھنے لگا۔ دوسرے امیروں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

احمد شاہ کا پیغام فیروز خاں کے نام

اس ہنگامے میں فیروز خاں کے اکثر امیر اس سے علیحدہ ہو کر احمد شاہ سے مل گئے۔ احمد شاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بہروج روانہ ہوا۔ دشمن کے قرب و جوار میں پہنچ کر احمد شاہ نے ایک بار پھر فیروز خاں کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا۔ "سلطان مظفر شاہ نے اس ملک کی حکومت میرے سپرد کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری حکومت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم ہے اور رعایا ہر طرح سے میری مطیع و فرماں بردار ہے۔ تمہارے ارد گرد جو کمینے اور بدمعاش جمع ہو گئے ہیں تمہیں ان کی قوت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی حرکات پر نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہونا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بغاوت کا انجام برا ہوتا ہے۔ سلطان مظفر شاہ نے تمہیں جو جاگیریں عنایت کی ہیں انہیں پر قناعت کرو۔

مجرموں کی معافی

فیروز خاں اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ قلعہ بروج میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ اس نے اور اس کے بھائیوں نے احمد شاہ کا پیغام سنا۔ فیروز خاں تو خاموش رہا البتہ اس کے بھائیوں کو سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے ہیبت خاں کو بھیج کر احمد شاہ سے معافی طلب کی۔ احمد شاہ نے ہیبت خاں کو شاہی عنایات سے سرفراز کر کے سب مجرموں کو عام معافی دے دی۔ اس کے بعد ہیبت خاں واپس قلعہ بروج میں گیا اور فیروز خاں، شیر خاں اور سعادت کو ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ احمد شاہ نے ہر ایک کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا اور اپنی اپنی جاگیروں کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

سلطان ہوشنگ کی آمد اور واپسی

احمد شاہ کا پٹن واپس جانے کا ارادہ تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ہوشنگ جو اپنے ملک سے فیروز خان کی مدد کے لیے روانہ ہوا تھا گجرات کی طرف آ رہا ہے۔ احمد شاہ نے پہلے تو عماد الملک کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ہوشنگ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور پھر خود بھی عماد الملک کے پیچھے پیچھے تجربہ کار سپاہیوں اور دیانتدار مصاحبوں کا ایک لشکر لے کر چل پڑا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا ہوشنگ کے قریب پہنچ گیا۔ سلطان ہوشنگ کو جب فریق مخالف کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنے ارادے پر سخت نادم ہوا اور واپس اپنے ملک چلا گیا۔ سلطان احمد شاہ بھی واپس اپنے شہر اساول میں آ گیا۔

احمد آباد کی تعمیر

۸۱۵ھ میں سلطان احمد شاہ نے شیخ احمد کنھورؒ کے مشورے سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام "احمد آباد" رکھا۔ تھوڑے سے عرصے ہی میں یہ شہر آباد ہو گیا اور سلاطین گجرات نے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا سابق پایہ تخت اساول احمد آباد کا ایک قصبہ بنا دیا گیا۔

عمارات و بازار

اگرچہ احمد آباد میں بادشاہوں اور امراء وغیرہ کے محلات و مکانات پختہ ہیں۔ لیکن عام لوگوں کی رہائش گاہیں مٹی کی بنی ہوئی ہیں۔ شہر کے اس حصے میں جو دربار شاہی سے متصل ہے تین بڑے بڑے پختہ ایوان تعمیر کئے گئے انہیں گچ اور چونا سے مستحکم کر کے "ترپولیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس شہر کا بازار بہت وسیع ہے اس کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بازار میں بیک وقت دس چھکڑے پہلو بہ پہلو چل سکتے ہیں بازار کی تمام دکانیں پختہ ہیں۔

دنیا کا خوبصورت ترین شہر

شہر میں ایک قلعہ اور ایک جامع مسجد بھی ہے شہر سے باہر تین سو سات پورے آباد ہیں۔ ہر پورے میں ایک مسجد اور ایک بازار ہے احمد آباد کو آبادی اور دوسری خصوصیات کی بنا پر کل ہندوستان ہی کا نہیں بلکہ ساری دنیا کا خوبصورت ترین شہر کہا جا سکتا ہے۔

فیروز خاں کا نیا ہنگامہ

فیروز خاں بن مظفر شاہ اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جاگیروں پر پہنچنے کے بعد ۸۱۵ھ میں ایک بار پھر فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ ملک علائی بدر نامی ایک امیر جو سلطان مظفر شاہ کا ایک قریبی عزیز تھا اس ہنگامے میں سب سے آگے آگے تھا۔ ان مفسدوں نے ایدر کے راجہ رنمل کو جو پانچ ہزار سواروں کا مالک تھا قلعہ ایدر عطا کرنے کا لالچ دے کر اپنا رفیق کار بنا لیا۔

احمد شاہ کا عزم مہراسہ

مہراسہ کے جاگیردار سید ابراہیم المخاطب بہ رکن خاں نے بھی فیروز خاں کا ساتھ دیا اور اس طرح فیروز خاں کے پاس ایک اچھا خاصہ لشکر جمع ہو گیا۔ احمد شاہ کو جب اس ہنگامے کی اطلاع ہوئی تو اس نے لشکر جمع کر کے مہراسہ کا رخ کیا۔ راستے میں رکن خاں کی ترغیب سے فتح خاں نے بھی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور فیروز خاں سے جا ملا۔ فیروز خاں نے ملک علائی بدر اور رکن خاں کو مہراسہ کے قلعے میں چھوڑا اور خود راجہ رنمل کے ساتھ رنگ پور میں (جو مہراسہ سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے) قیام پذیر ہوا۔

جنگ کی تیاریاں

سلطان احمد شاہ نے اپنے پرانے طریقے پر عمل کیا اور باغیوں کے قریب پہنچ کر علماء فضلاء کے ایک گروہ کو ملک علائی بدر اور رکن خاں کے پاس روانہ کیا۔ ان علماء نے باغیوں کو بغاوت کے نقصانات سے آگاہ کیا اور امن چین سے رہنے کی تلقین کی۔ باغیوں نے علماء کی نصیحت کو قابل اعتناء نہ سمجھا اور ضد پر اڑے رہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر سلطان احمد شاہ نے اپنے لشکر کو درست کیا اور قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ فیروز خاں نے اپنے لشکر کے ایک چنیدہ حصے کو ملک علائی بدر کی مدد کے لیے روانہ کیا اور اسے جنگ کرنے کے لیے اکسایا۔

احمد شاہ کا رعب

ملک علائی بدر، رکن خاں، سیف خاں اور آنکس خاں نے قلعے کو اپنی فوجوں سے مستحکم کیا اور سلطان احمد شاہ سے لڑنے کے لیے باہر نکلے اس سے پہلے کہ کشت و خون کا بازار گرم ہوتا باغیوں پر سلطان احمد شاہ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ حواس باختہ ہو کر واپس قلعے کے اندر بھاگ گئے۔

باغیوں کی مکاری

احمد شاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چند مرتبہ اپنے قاصدوں کو اہل قلعہ کے پاس بھیج کر صلح کی نصیحت کی۔ ملک علائی بدر آنکس خاں

نے ریاکاری اور چالاکی سے یہ جواب دیا کہ "اگر فلاں فلاں امیر قلعہ کے قریب آکر ہم سے عہد و پیاں کریں تو ہم لوگ مطمئن ہو کر قلعے سے باہر نکل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ سلطان احمد شاہ ان مکاروں کی مکاری میں آگیا اور اس نے اپنے نامی گرامی امراء خاں اعظم اژدر خاں' ملک اشرف' عزیز الملک نور بیگ میمنہ' نظام الملک اور سعد الملک' نور بیگ میسرہ وغیرہ کو قلعہ کے قریب روانہ کیا اور ان سے اتنا کہہ دیا کسی حالت میں بھی ملک بدر کے فریب سے غافل نہ ہوں اور قلعے کے اندر نہ جائیں۔

صلح کی بات چیت

سلطان احمد شاہ کے امراء جب قلعے کے قریب پہنچے تو ملک بدر' اور آئنس خاں حصار کے اوپر سامنے آئے اور انہوں نے فیروز خاں کی طرف سے گفتگو شروع کی۔ باغیوں نے بڑے ملائم اور شائستہ انداز سے بات چیت شروع کی لیکن ان لوگوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ احمد شاہی امراء کو گرفتار کرنا مشکل ہے لہذا وہ حصار سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے سے باہر آئے۔ احمد شاہی امراء بھی گھوڑوں پر سوار تھے وہ بھی اسی عالم میں باغیوں کے پاس پہنچے فریقین میں بات چیت شروع ہو گئی۔

نظام الملک اور سعد الملک کی گرفتاری

اسی دوران میں باغیوں کے وہ آدمی جو کمین گاہ میں چھپے تھے باہر نکلے اور احمد شاہی امراء پر حملہ آور ہوئے۔ اژدر خاں اور عزیز الملک نے فوراً اپنے گھوڑوں کو بھگایا اور جلد از جلد سلطان احمد شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن نظام الملک اور سعد الملک اپنا تحفظ نہ کر سکے اور انہیں باغیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور اپنے ساتھ قلعے میں لے گئے ان دونوں احمد شاہی امیروں نے قلعے میں داخل ہوتے وقت بلند آواز سے کہا۔ "اگرچہ ہم دشمن کی مکاری کے دام میں آ گئے ہیں لیکن بادشاہ ہمارا کچھ خیال نہ کرے اور جلد از جلد قلعہ پر حملہ کر دے ہمیں یقین ہے کہ شاہی اقبال سے یہ قلعہ بہت جلد فتح ہو جائے گا۔"

قلعہ مہراسہ کی فتح

سلطان احمد شاہ نے اسی وقت حملہ کیا اور ایک ہی روز میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق تین روز میں) قلعے کو فتح کر لیا۔ ملک بدر آئنس خاں مارے گئے۔ اور نظام الملک اور سعد الملک صحیح و سلامت سلطان احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض تواریخ میں اس فتح کی تفصیلات دوسرے انداز سے مرقوم کی گئی ہیں لیکن ہم نے طوالت کے خوف سے انہیں نظرانداز کر دیا ہے۔

فیروز خاں کا قتل

راجہ رنمل اور فیروز خاں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ رنمل نے فیروز خاں کو مغلوب کر کے اس کے تمام ہاتھی گھوڑے اور دیگر سامان پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ سامان سلطان احمد شاہ کی خدمت میں بطور اظہار خلوص بھجوا دیا۔ فیروز خاں ناگور کی طرف بھاگ گیا جہاں اسے حاکم ناگور نے قتل کر دیا۔

جلوارہ پر لشکر کشی اور چند امراء کی بغاوت

سلطان احمد شاہ نے ۸۱۹ھ میں راجہ جلوارہ پر حملہ کیا راجہ نے سلطان ہوشنگ سے مدد کی درخواست کی۔ احمد سرگنجی اور ملک شہر بن شیخ ملک جو مظفر شاہ کے نامی گرامی امیر تھے ان دوسرے احمد شاہی امراء سے جو صاحب اقتدار تھے حسد کرتے تھے۔ جب احمد شاہ نے جلوارہ پر لشکر کشی کی تو احمد سرگنجی وغیرہ کو کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور انہوں نے علم بغاوت بلند کیا شورش پسندوں کی ایک جماعت باغیوں کی رفیق کار بنی اور ان سب لوگوں نے گجرات کے اکثر شہروں کو تباہ و برباد کیا۔

ہوشنگ کا عزم گجرات

ہوشنگ آباد کو جب راجہ جلوہ کا پیغام ملا تو ساتھ ہی اسے گجرات کے امراء کی بغاوت کا حال معلوم ہوا اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور سلطان احمد شاہ کے تمام سابقہ احسانات کو فراموش کر کے ایک زبردست لشکر کے ہمراہ گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ شہر میں پہنچ کر اس نے تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔

احمد شاہ کا اقدام

سلطان احمد شاہ کو جب ہوشنگ کی فتنہ پردازی کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً جلوارہ کی مہم کو ملتوی کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے واپس آیا۔ سلطان نے خود تو چینا کے قریب قیام کیا اور عماد الملک سمرقندی کو ایک زبردست لشکر کے ہمراہ ہوشنگ کے دفعیے کے لیے روانہ کیا۔ نیز اپنے چھوٹے بھائی لطیف خاں کو نظام الملک کی اتالیقی میں شہہ ملک' احمد سرگنجی اور دوسرے باغی امیروں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔

ہوشنگ کا فرار

ہوشنگ شاہ گجراتیوں کی جنگ جوئی سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ مظفر شاہ کے عہد میں وہ ان سے زور آزمائی کر چکا تھا اسے جب عماد الملک کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فوراً بھاگ نکلا اور دھار جا پہنچا۔

باغیوں کی شکست

شہزادہ لطیف خاں نے ملک شہہ اور احمد سرگنجی سے مقابلہ کیا جو اپنی نفسیاتی خواہشات کی وجہ سے بادشاہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ شہزادہ لطیف نے بہادری کا شاندار مظاہرہ کیا۔ ملک شہہ اور احمد سرگنجی میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ شہزادہ لطیف اور نظام الملک نے ان کا تعاقب کیا اور پہلی ہی منزل پر ان دونوں کا تمام سازو سامان اپنے قبضے میں کر لیا۔

ایک دوسری روایت

اس سلسلے میں ایک دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ملک شہہ دشمن کے تعاقب سے بہت زیادہ پریشان ہوا اور آخر کار اس نے دشمن کے لشکر پر شب خون مارا اسے کامیابی نہ ہوئی اس لیے فرار ہو کر راجہ کرنال کے پاس پناہ گزین ہوا۔ احمد شاہ کامیاب و کامران اپنے پایہ تخت میں واپس آیا۔

احمد شاہ کا عزم کوہ کرنال

سلطان احمد شاہ نے کوہ کرنال کی بڑی تعریفیں سنی تھیں یہاں کا حاکم ایک غیر مسلم راجہ تھا جو کبھی مسلمانوں کا مطیع نہ ہوا تھا۔ بادشاہ نے سیرو تفریح کے بہانے سے لشکر تیار کیا اور کرنال کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ جب کوہ کرنال کے علاقے میں داخل ہوا تو یہاں کے راجہ نے راستے میں چند مرتبہ احمد شاہ کا مقابلہ کیا لیکن ہر مرتبہ شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔

کوہ کرنال کے راجہ کی اطاعت

آخری مرتبہ شکست کھا کر راجہ اپنے ایک قلعے میں جسے آج کل جونا گڑھ کہا جاتا ہے پناہ گزین ہو گیا۔ مسلمانوں کے لشکر نے قلعے کے نیچے پہنچ کر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ اہل قلعہ محاصرے کی سختی کی تاب نہ لا سکے اور سخت پریشان ہوئے۔ جب راجہ نے کوئی راہ نجات نہ دیکھی تو اس نے مجبوراً سالانہ محصول اور لگان ادا کرنے کے وعدے سے سلطان احمد شاہ سے صلح کر لی۔ احمد شاہ نے اپنے دو نامی گرامی امراء سید ابوالخیر اور سید ابوالقاسم کو جو حقیقی بھائی تھے محصول وصول کرنے کے لیے وہیں چھوڑا اور خود احمد آباد واپس آ گیا۔

سید پور کے مندر کی تباہی

واپسی پر راستے میں سلطان احمد شاہ نے سید پور کے مندر کو مسمار کیا۔ اس مندر میں بہت سی دولت اور بے شمار زر و جواہر تھے یہ سب کچھ سلطان احمد شاہ نے اپنے قبضے میں کر کے غرباء میں تقسیم کر دیا۔

نواح گجرات کے غیر مسلموں کی سرکوبی

اسی سال بادشاہ نے ملک تحفہ کو جو تاج الملک کے خطاب سے مشہور تھا نواح گجرات کے غیر مسلم باشندوں کی سرکوبی و سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ تاج الملک نے پوری توجہ اور انہماک سے باغیوں کو درست کیا اور ان پر دوبارہ جزیہ مقرر کیا بہت سے غیر مسلم اس مہم میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غیر مسلموں سے جنگ

بادشاہ نے غیر مسلموں سے جہاد کرنے کے لیے ۸۱۹ھ میں ناگور تک کا سفر اختیار کیا۔ دوران سفر میں بادشاہ یہ معلوم کرتا جاتا تھا کہ غیر مسلموں کے مندر اور عبادت گاہیں کہاں کہاں ہیں۔ جب کسی ایسی عمارت کا سراغ ملتا تو بادشاہ فوراً وہاں پہنچ جاتا اور عمارت کو مسمار کر کے تمام زر و جواہر اور دولت اپنے قبضے میں کر لیتا۔

ناگور کا محاصرہ

ناگور پہنچ کر سلطان احمد شاہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شہر کو فتح کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ دہلی کے حاکم نصرت خاں نے بھی اس طرف کا رخ کیا۔ جب وہ بہت قریب پہنچ گیا تو سلطان احمد شاہ نے ناگور کا محاصرہ اٹھا لیا اور مالوہ کے راستے سے احمد نگر واپس آ گیا۔

سلطان احمد شاہ کا عزم ندربار

یہ اکثر ہوا کرتا تھا کہ اسیر کا حاکم ملک نصیر اور مالوہ کا حاکم سلطان ہوشنگ دونوں ہی سلطان احمد شاہ سے دشمنی کی وجہ سے سلطان پور ندربار کو تباہ و برباد کیا کرتے تھے اور یہاں کی رعایا کو طرح طرح کی تکالیف و مصائب میں مبتلا کیا کرتے تھے۔ سلطان احمد شاہ اس فتنے کا سدباب کرنے کے لیے ۸۲۱ھ میں ندربار کی طرف روانہ ہوا۔

ملک نصیر کا فرار

سلطان احمد شاہ نے منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ایک زبردست لشکر قلعہ تنبول پر متعین کیا جو گجرات دکن اور خاندیش کی سرحد پر واقع ہے۔ بادشاہ جب ندربار کے قریب پہنچا تو ملک نصیر خوف سے بھاگ کر اسیر کی طرف چلا گیا۔ جو لشکر قلعہ تنبول پر متعین ہوا تھا اس نے وہاں کے راجہ کو تسلی دی اور اسے ساتھ لے کر احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

ہوشنگ کو گجرات پر حملہ کرنے کی دعوت

انہیں دنوں برسات کا موسم شروع ہو گیا اس لیے بادشاہ نے احمد آباد واپس جانے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران میں مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ راجہ چینا نیز مندل اور نادوت نے سلطان ہوشنگ کو گجرات پر حملہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک شترسوار ناگور سے ندربار آیا اور اس نے فیروز خاں بن شمس خاں دندانی کا ایک عریضہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اس عریضے کا مضمون یہ تھا۔

فیروز خاں بن شمس خاں کا عریضہ

"سلطان ہوشنگ نے یہ دیکھ کر کہ حضور اس وقت اپنے ملک سے بہت دور ہیں گجرات کو فتح کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس مقصد سے وہ اس طرف آ رہا ہے وہ اپنی خام خیالی کی بناء پر یہ سمجھتا ہے کہ حضور کی ذات سے مجھے عقیدت نہیں ہے اس لیے اس نے مجھے اس

مضمون کا ایک خط لکھا ہے کہ گجرات کے زمینداروں نے ہوشنگ کو عریضے بھیج کر گجرات کا سفر اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہوشنگ نے لکھا ہے کہ وہ خود سفر کے لیے تیار ہے اور مجھے بھی مستعد رہنے کو کہا ہے میری مدد طلب کی ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ گجرات کو فتح کرنے کے بعد وہ نہروالہ کی حکومت میرے حوالے کر دے گا۔ چونکہ حضور میرے قبلہ و کعبہ ہیں اور آپ کے خلاف کچھ کرنا میری وضع داری کے خلاف ہے اس لیے تمام حقائق سے آپ کو باخبر کر رہا ہوں تاکہ آپ کوئی مناسب قدم اٹھائیں۔

ہوشنگ کے فتنے کا سدباب

سلطان احمد شاہ نے برسات کے موسم کی تکالیف کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس علاقے کا سفر اختیار کیا اور دریائے نربدہ کو پار کر کے مہندری میں قیام پذیر ہوا۔ احمد شاہ نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو علیحدہ کر کے اپنے ساتھ لیا اور حملہ کر دیا' ایک ہفتے کے عرصے میں وہ مہراسہ پہنچ گیا۔ سلطان ہوشنگ نے جو احمد شاہ کی یہ مستعدی دیکھی تو وہ بہت پریشان ہوا اور بے نیل و مرام اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔
سلطان احمد شاہ نے فوج جمع کرنے کے لیے چند روز تک مہراسہ میں قیام کیا۔

ہوشنگ اور ملک نصیر کا ہنگامہ

سورت کے راجہ نے یہ خبریں سنیں اور اس نے اطاعت و فرماں برداری سے انکار کر کے مقررہ محصول ادا کرنے میں حیل و حجت شروع کر دی اور اس طرح راجہ نے اپنی حدود سے آگے قدم بڑھایا۔ ملک نصیر نے بھی موقع پا کر یہ ارادہ کیا کہ تھالیز کا قلعہ اپنے بھائی ملک افتخار کے قبضے سے نکال لے۔ اس سلسلے میں ہوشنگ نے ملک نصیر کی مدد کی اور اپنے بیٹے غزنین خاں کو ایک لشکر کے ساتھ سلطان پور بھیجا۔ غزنین خاں سلطان پور کے باشندوں پر ظلم و ستم ڈھانے لگا۔ سلطان پور کا صوبہ دار ملک احمد قلعے میں پناہ گزین ہو گیا اور اس نے سلطان احمد شاہ کے پاس مفسدوں کی شکایت سے بھرے ہوئے خطوط بھیجے۔

محصول کی وصولی

سلطان احمد شاہ نے مہراسہ سے راجہ سورت کی سرزنش کے لیے ملک محمود ترک کی سرکردگی میں ایک زبردست لشکر روانہ کیا تاکہ یہ لشکر سورت پہنچ کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کرے اور راجہ سے مقررہ محصول وصول کرے۔ ملک نصیر اور غزنین خاں کی سرکوبی کے لیے مخلص الملک اور دیگر نامور امراء کو روانہ کیا گیا ان امیروں نے دوران سفر میں نادوت پر حملہ کر کے یہاں کے راجہ سے پیش کش حاصل کی۔

ملک نصیر کے قصور کی معافی

جب یہ امیر سلطان پور پہنچے تو ملک نصیر تھالیز میں پناہ گزین ہو گیا۔ وہاں غزنین خاں نے اس کی مخالفت کی ملک نصیر نے پریشان ہو کر اپنے چند خاص ساتھیوں کو سلطان احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ لوگ کئی بار سلطان احمد شاہ کے پاس آئے اور آخر کار بادشاہ نے ملک نصیر کا قصور معاف کر دیا اور اسے نصیر خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے خود احمد آباد واپس آ گیا۔

سلطان احمد شاہ کا عزم مالوہ

سلطان احمد شاہ نے ۸۲۲ھ میں گجرات میں نظام الملک کو اپنا قائم مقام بنایا اور اسے راجہ مندل کی سرزنش کے لیے نامزد کیا اس کے حد مہراسہ سے مالوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے سلطان ہوشنگ نے بھی قدم بڑھایا اور کالیادہ میں ایک نشیبی مقام پر اپنے خیمے لگوا کر قیام کیا۔ اس نے اپنی پشت پر ایک دیوار کھڑی کروائی اور سامنے کی طرف بڑے بڑے درختوں کو کٹوا کر نصب کیا اور اس طرح سامنے کا راستہ بند کروا دیا۔

سلطان ہوشنگ کی شکست

سلطان احمد شاہ ایک وسیع جنگل میں قیام پذیر ہوا اور اپنی فوج کو مرتب کرنے میں مصروف ہوا۔ اس نے میمنہ پر احمد ترک میسرہ پر ملک فرید اور عماد الملک سمرقندی کے سپرد کیا۔ الغرض دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے سامنے آئے اور سپاہی جوش سے لڑنے کے لیے تیار ہوئے فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی سلطان ہوشنگ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ مندو کی طرف بھاگ نکلا۔

تعاقب

سلطان احمد شاہ نے بڑی کامیابی سے دشمن کا تعاقب کیا۔ ہوشنگ بے تحاشا بھاگتا چلا گیا اس کا بہت سا سامان گجراتیوں کے ہاتھ لگا اور گجرات کا ہر چھوٹا بڑا دیکھتے ہی دیکھتے دولت مند ہو گیا۔ مندو کے نواح میں ہر طرح کے درخت پائے جاتے تھے گجراتیوں نے ان تمام درختوں کو اکھاڑ پھینکا اور تباہی و بربادی کا ایسا بازار گرم کیا کہ الامان والحفیظ۔

احمد آباد کو واپسی اور انعقاد جشن

چونکہ بارشیں شروع ہو گئی تھیں اس لیے سلطان احمد شاہ' احمد آباد کی طرف واپس ہوا۔ راستے میں اس نے نادوت وغیرہ باغی ریاستوں کو تنبیہہ کی اور کامیاب و کامران احمد آباد پہنچا۔ یہاں اس نے ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا اور امراء فقراء اور سادات وغیرہ کو دولت سے مالا مال کیا' ہر سپاہی کو جس نے میدان جنگ میں بہادری کا مظاہرہ کیا تھا خاص نوازشات سے سرفراز کیا۔

مالوہ کی بربادی

اس سال کے آواخر میں سلطان احمد شاہ نے سوانگرہ کا قلعہ تعمیر کیا اور مسجد کی بنیاد ڈالی اس کے بعد بادشاہ اندردان کی طرف روانہ ہوا مالوہ کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا۔ سلطان ہوشنگ نے فوراً اپنے قاصد احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور صلح کی بات چیت کی احمد شاہ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور اپنے ملک کو واپس ہوا۔ راستے میں اس نے ایک بار پھر چنانیر کی ریاست کو تباہ و برباد کیا۔

چنانیر پر لشکر کشی
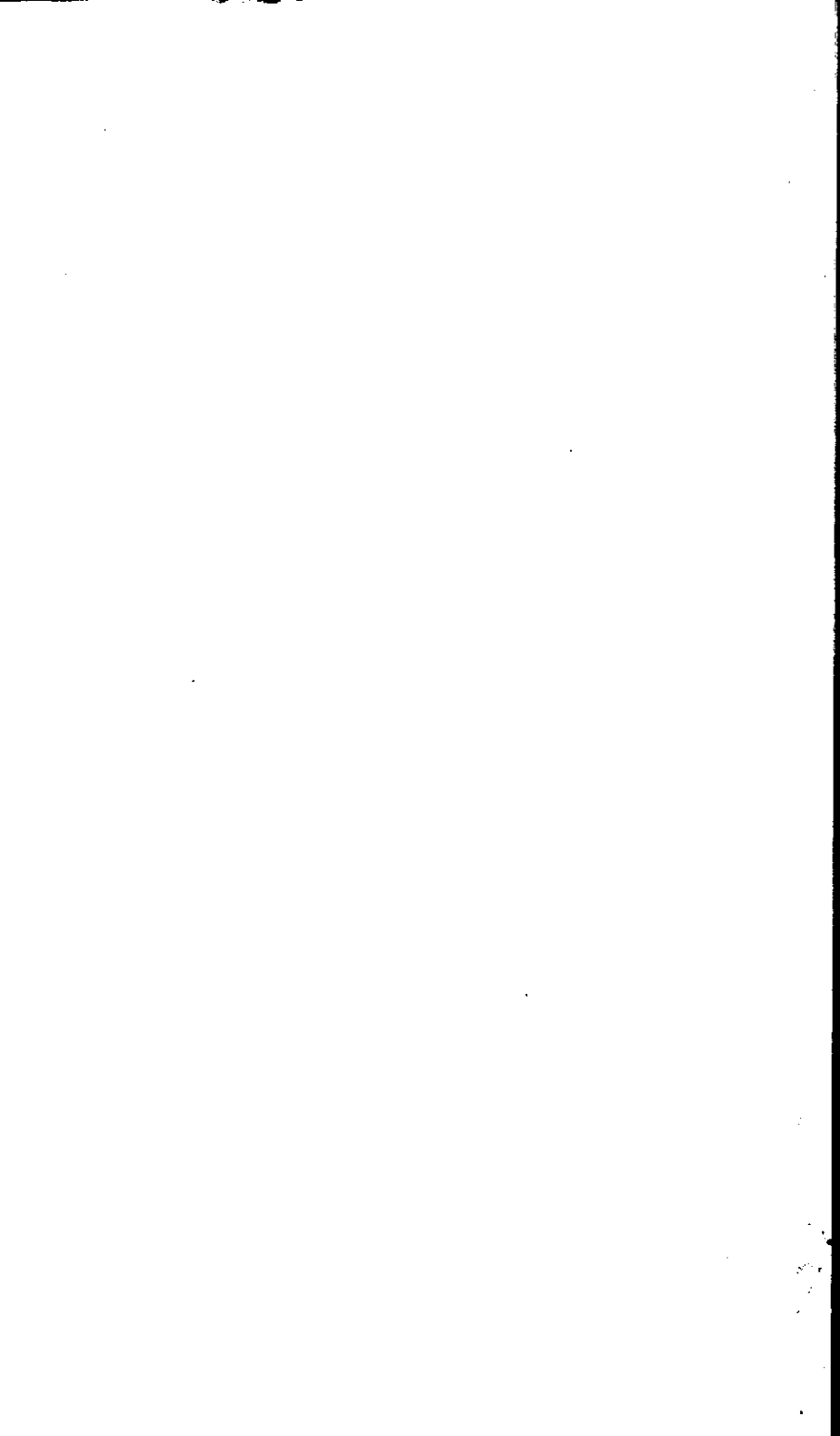
۸۲۳ھ میں سلطان احمد شاہ نے چنانیر کو فتح کرنے کے ارادے احمد آباد سے قدم باہر نکالا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر بادشاہ نے چنانیر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کی شدت کی وجہ سے چنانیر کا راجہ پریشان ہو گیا۔ اور اس نے سلطان احمد شاہ کی اطاعت اور ہر سال پیشکش ادا کرنے کا وعدہ کیا اس کے بعد بادشاہ احمد آباد واپس آ گیا۔

مندو پر سلطان احمد شاہ کا حملہ

سلطان ہوشنگ نے اپنی عاقبت نااندیشی سے سلطان احمد شاہ کو پھر ناراض کر دیا۔ احمد شاہ نے ایک زبردست لشکر تیار کیا اور ۸۲۸ھ میں مالوہ پر حملہ کر دیا اور قلعہ مندو کے نیچے پہنچ گیا اور سارنگ پور کے دروازے کے رخ پر قیام کیا۔ سلطان احمد شاہ نے پوری توجہ اور انہماک سے قلعے کا محاصرہ کیا اور اپنے امیروں میں مورچل تقسیم کیے۔ سلطان ہوشنگ قلعے کی مضبوطی اور استحکام سے پوری طرح مطمئن تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ کوئی ایسا کار مردانہ انجام دے کہ اس کی یاد ایک عرصے تک لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے۔

ہوشنگ کی جاج نگر کو روانگی اور واپسی

سلطان ہوشنگ نے اپنے پایہ تخت کو اپنے ایک قابل اور ذہین امیر کے سپرد کیا۔ اور خود چھ ہزار تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ ناگوری دروازے سے باہر نکلا اور بہترین ہاتھیوں کو گرفتار کرنے کے لیے جاج نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہوشنگ جاج نگر پہنچا جیسا کہ مناسب موقع پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چھ ماہ کے بعد وہ بہت سے قوی ہیکل ہاتھیوں کو گرفتار کر کے واپس مندو میں آیا۔
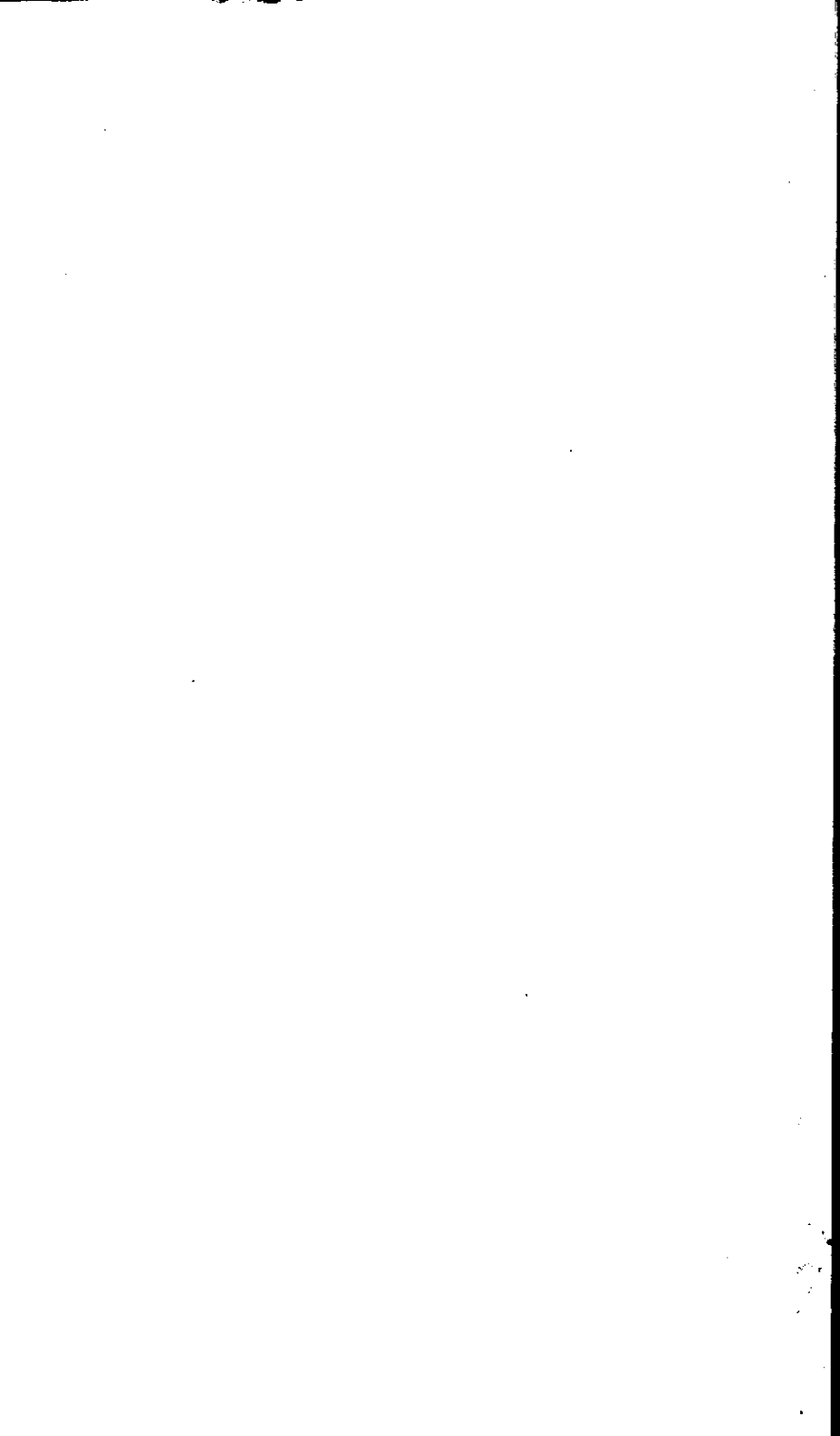
موقع پا کر قلعے سے باہر نکلا اور اس نے سلطان احمد شاہ کا تعاقب کیا۔ دونوں میں پھر ایک بار جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بھی احمد شاہ ہی کو فتح نصیب ہوئی اور جاج نگر کے وہ ہاتھی جنہیں ہوشنگ بہت عزیز رکھتا تھا احمد شاہ کے قبضے میں آ ئے۔

احمد آباد کو واپسی

سلطان احمد شاہ کامیاب و کامران احمد آباد واپس آیا اور حضرت شیخ کینو" کی بہت عزت و توقیر کی کہ جنہوں نے اس فتح کی بشارت دی تھی۔ ان گنت گجراتی شیخ صاحب کے معتقد ہوئے۔ اس سفر میں چونکہ لشکر گجرات نے بہت زیادہ محنت کی تھی اور بے شمار مصیبتوں کا سامنا کیا تھا اس لیے سلطان احمد شاہ نے چند برس امن و اطمینان سے گزارے اور کسی ملک پر لشکر کشی نہ کی۔

شہر احمد نگر کی تعمیر

۸۲۹ھ میں سلطان احمد شاہ نے قلعہ ایدر کا سفر اختیار کیا اور دریائے سابرمتی کے کنارے قیام کر کے ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام "احمد نگر" رکھا گیا۔ اس شہر کے پہلو میں بادشاہ نے ایک قلعہ بھی تعمیر کروایا اور اس علاقے کے مختلف شہروں میں اپنی فوجیں بھیج کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔ ساز و سامان لوٹا گیا اور جو باشندہ نظر آیا اسے تلوار کے گھاٹ اتارا گیا۔ قلعہ احمد نگر کے بعد سلطان احمد شاہ ایدر پہنچ گیا۔

قلعہ ایدر کی فتح

سلطان احمد شاہ نے ایک ہی روز میں نہ صرف قلعہ ایدر کو (جسے سلطان مظفر شاہ نے بھی فتح کیا تھا) بلکہ تین اور قلعوں کو بھی فتح کیا۔ راجہ ایدر بیجا نگر کے جنگلوں میں روپوش ہو گیا اور سلطان احمد شاہ کامران واپس آیا۔

ایدر پر دوبارہ لشکر کشی

۸۳۰ھ میں احمد نگر کا شہر اور قلعہ پوری طرح مکمل و آباد ہو گئے۔ احمد شاہ نے دوبارہ ایدر کا رخ کیا ایدر کے راجہ مسمی پونجا رائے نے اپنے بزرگوں کا جمع کیا ہوا خزانہ صرف کر کے لشکر میں بے حد اضافہ کیا اور احمد شاہ سے نجات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر کار وہ مجبور ہو کر اپنے ملک کی حدود سے باہر چلا گیا اور ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیا۔

راجہ پونجا نے ۵ جمادی الاول ۸۳۱ھ کو گجراتیوں کی ایک جماعت پر جو غلہ فراہم کرنے کو نکلی تھی حملہ کر دیا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ کامیابی ہوئی تو اتنی کہ گجراتیوں کا نامی ہاتھی گرفتار کر کے اپنے ساتھ لیتا گیا۔

راجہ ایدر کی ہلاکت

گجراتیوں کو جب راجہ پونجا کی اس ناشائستہ حرکت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے راجہ کا تعاقب کیا اور پہاڑی علاقے میں ایک تنگ مقام پر اس کو جا پکڑا اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی راجہ نے گجراتیوں کا جو ہاتھی گرفتار کیا تھا اس کا فیل بان بہت ہی ذی عقل اور ہوشیار تھا اس نے موقع پا کر اپنے ہاتھی کو راجہ کے گھوڑے پر چڑھا دیا۔ راجہ کا گھوڑا بھڑکا اور مع سوار کے پہاڑ سے نیچے گر پڑا راجہ اور گھوڑا دونوں ہلاک ہو گئے فیل بان نے ہاتھی کو گجراتیوں کے لشکر میں پہنچا دیا اور راجہ کی فوج پریشان ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی اور کسی نے راجہ کی لاش کی طرف توجہ نہ دی۔

راجہ کے کٹے ہوئے سر کی شناخت

ایک روز کوئی شخص راجہ پونجا کی لاش کے قریب سے گزرا اس نے راجہ کو پہچان لیا اور اس کا سر کاٹ کر سلطان احمد شاہ کی خدمت میں لے آیا۔ بادشاہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ سر واقعی راجہ کا ہے یا نہیں چند آدمیوں کو یہ سر دکھایا اور ان سے شناخت کے لیے

کہا لیکن کسی نے نہ پہچانا آخر ایک ایسا آدمی آیا جو پہلے راجہ کا ملازم تھا اس نے راجہ کا سر دیکھتے ہی پہلے تو ادب و احترام سے اپنا سر جھکا کر سلام کیا اور پھر سلطان احمد شاہ سے کہا کہ "ہاں یہ راجہ ہی کا سر ہے۔" بادشاہ کو اس شخص کی وفاداری کی ادا بہت بھائی اور اسے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

ویراؤ کی اطاعت

دوسرے روز سلطان احمد شاہ ایدر کی طرف روانہ ہوا اور بیل نگر میں ایک زبردست فوج بھیج کر اس کے نواح میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔ پونجا کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا ویراؤ باپ کا جانشین مقرر ہوا تھا اس نے سلطان احمد شاہ کے سامنے بڑی عاجزی و انکساری کا اظہار کیا۔ اور ہر سال تین لاکھ نقرئی تنکے احمد شاہی خزانہ میں جمع کرنے کا وعدہ کیا۔ احمد شاہ نے وعدے پر اس سے صلح کر لی۔ بادشاہ نے صفدر الملک کو احمد نگر کا حاکم مقرر کیا اور ولایت گنگوارہ کو تباہ و برباد کرتا ہوا احمد آباد واپس آیا۔

ایدر پر ایک اور حملہ

۸۳۲ھ میں سلطان احمد شاہ نے ایدر پر ایک بار پھر حملہ کیا اور ۲۶ صفر کو وہاں کا ایک مشہور قلعہ فتح کر کے حصار میں داخل ہوا۔ اور وہاں ایک مسجد تعمیر کر کے خداوند تعالٰی کا شکر ادا کیا اس کے بعد بادشاہ احمد آباد واپس آ گیا۔

حاکم جھالودہ برہان پور میں

۸۳۳ھ میں جھالودہ کے حاکم کانہارائے کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان احمد شاہ نے ایدر کے تمام معاملات طے کرنے کے بعد دوسرے زمینداروں کی طرف توجہ کی ہے۔ یہ سنتے ہی راجہ کانہا تمام مال و اسباب لے کر جالودہ کے باہر نکل گیا جب یہ خبر احمد آباد پہنچی تو احمد شاہ نے ایک لشکر راجہ کے تعاقب میں روانہ کیا بڑی مشکلوں کا سامنا کرتا ہوا راجہ کانہا برہان پور اسیر پہنچا اور اس نے نصیر خاں کی خدمت میں دو ہاتھی بطور نذرانہ پیش کیے۔ ان دنوں برہان پور کا حاکم سلاطین دکن کی دوستی کی وجہ سے بے حد مغرور ہو رہا تھا اس نے سلطان احمد شاہ کے تمام سابقہ احسانات کو فراموش کر کے راجہ کانہا کو اپنے ملک میں جگہ دے دی۔

راجہ کانہا بہمنی دربار میں

کچھ دنوں کے بعد راجہ کانہا نصیر خاں کے مشورے سے اس کا سفارش نامہ لے کر سلطان احمد شاہ بہمنی کے دربار میں حاضر ہوا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ فرمانروائے دکن نے راجہ کی مدد کے لیے ایک لشکر نامہ نامزد کیا تاکہ یہ لشکر سلطان پور ندربار تک کے علاقے کو برباد و تاراج کرے۔

دکنی لشکریوں کی شکست

احمد شاہ گجراتی نے اپنے بیٹے محمد شاہ کو اس مہم پر نامزد کیا۔ سپہ سالار مقرب الملک اور دوسرے فوجی سردار سید ابوالخیر، سید ابوالقاسم، سید عالم اور افتخار الملک وغیرہ شہزادہ محمد شاہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں گجراتیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ ان گنت دکنی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے جو بچے انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور دولت آباد میں پناہ گزین ہوئے۔

نیا دکنی لشکر

سلطان احمد شاہ بہمنی کو اپنے لشکر کی شکست کی خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹوں شہزادہ علاؤ الدین اور خان جہاں کو گجراتی محمد شاہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ احمد شاہ بہمنی نے ایک لشکر جرار کے ہمراہ مشہور امیر قدر خاں دکنی کو بھی شہزادہ علاؤ الدین کے ساتھ کیا۔ شہزادہ علاؤ الدین قدر خاں دکنی کے مشورے سے سفر کی منزلیں جلد از جلد طے کرتا ہوا دولت آباد کے نواح میں جا پہنچا۔ اس جگہ نصیر خاں (جو شہزادہ

کا خسر تھا) حاکم برہان پور، راجہ کانہا کو ساتھ لے کر شہزادہ سے آ ملا۔

دکنی اور گجراتیوں میں جنگ

دکنیوں کو اس تازہ مدد کے پہنچنے سے بڑی تقویت ہوئی اور وہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے سفر کی چند منزلیں طے کرنے کے بعد درہ مانک پونج پر دکنیوں کا شہزادہ محمد شاہ سے سامنا ہوا۔ طرفین میں خون ریز جنگ چھڑ گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ فریقین کے سپہ سالار قدر خاں دکنی اور مقرب خاں ملک ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے۔ گجراتی سپہ سالار غالب آیا اور قدر خاں دکنی ہلاک ہوا۔

دکنی لشکر کی دوسری شکست

افتخار الملک نے شہزادہ علاؤ الدین کے لشکر خاصہ پر حملہ کر کے چند ہاتھیوں کو گرفتار کیا اور دشمن کے سپاہیوں کو پراگندہ کر دیا۔ اس حملے کے بعد دکنی شہزادے میں میدان جنگ میں ٹھہرنے کی ہمت نہ رہی وہ حواس باختہ ہو کر بھاگ نکلا۔ شہزادہ علاؤ الدین دولت آباد میں پناہ گزین ہوا، راجہ کانہا اور نصیر فاروقی خاندیش چلے گئے شہزادہ محمد شاہ اپنے ملک میں واپس آ گیا۔

مہائم پر اہل دکن کا قبضہ

اسی سال قطب نامی ایک گجراتی امیر نے جو جزیرہ مہائم کا حاکم تھا داعی اجل کو لبیک کہا۔ احمد شاہ بہمنی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینے کے لیے اپنے ایک نامی گرامی امیر ملک التجار کو مہائم کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ ملک التجار نے حسن تدبیر سے کام لے کر مہائم کو فتح کر لیا اور اس طرح وہاں دکنی تسلط قائم ہو گیا۔

شہزادہ ظفر خاں کا عزم مہائم

سلطان احمد شاہ گجراتی نے مہائم پر دوبارہ قبضہ کرنے کا ارادہ کیا اس مقصد کے لیے اس نے اپنے چھوٹے بیٹے شہزادہ ظفر خاں کو افتخار الملک کی اتالیقی میں روانہ کیا اور بندر دیو کے کوتوال مخلص الملک کے نام اس مضمون کا ایک فرمان روانہ کیا کہ ممالک محروسہ کی تمام بندرگاہوں کے جہازوں کو تیار کر کے شہزادہ ظفر خان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

دکنی چوکی کا محاصرہ

مخلص الملک نے جلد از جلد شاہی حکم کی تعمیل کی اور دیب، کھوکھہ اور کنبایت کی بندرگاہوں سے سترہ جہاز لے کر مہائم کے قریب شہزادہ ظفر خاں کی خدمت میں پہنچ گیا۔ شہزادے نے امیروں کے مشورے سے جہازوں کو تو الگ روانہ کیا اور خود خشکی کے راستے سے آگے بڑھا گجراتیوں نے دکنی چوکی یعنی قصبہ تھانہ کا محاصرہ کر لیا۔

شہزادہ ظفر خاں سپہ سالار افتخار الملک کو ملک سہراب سلطانی کے ساتھ اپنے سے پہلے روانہ کیا۔ بلدہ تھانہ کا کوتوال گجراتیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں گجراتیوں کے جہاز بھی پہنچ گئے اور تمام راستے مسدود ہو گئے۔

تھانہ پر گجراتیوں کا قبضہ

دو تین روز تک فریقین میں معرکہ آرائی ہوتی رہی لیکن جب ظفر خاں اس جگہ پہنچا تو تھانہ کا حاکم قلعے سے باہر آ کر دشمن سے بڑی بہادری سے لڑا مگر حاکم تھانہ کو کسی طرف سے مدد نہ مل سکی۔ اس وجہ سے اس کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ ظفر خاں نے تھانہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے سپاہیوں کی ایک جماعت قلعے کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود مہائم کی طرف بڑھا۔

ظفر خاں کی فتح

ملک التجار نے بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر ساحل کو بند کر دیا۔ گجراتی فوج جب ساحل پر پہنچی تو اسے میدان میں اترنے کا راستہ مسدود ملا لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور کسی نہ کسی طرح میدان میں پہنچ گئے۔ طرفین میں زبردست لڑائی ہوئی صبح سے شام تک تلواریں چلتی رہیں اگرچہ بہادری و جرات کا مظاہرہ دونوں اطراف سے ہوا۔ لیکن فتح ظفر خاں ہی کو نصیب ہوئی۔

بہمنی فرماں روا کی طرف سے ملک التجار کی مدد

شکست کھانے کے بعد ملک التجار ایک جزیرے میں پناہ گزین ہوا۔ گجراتیوں کے جہاز بھی منزل مقصود پر پہنچ گئے اور اس طرح خشکی و تری دونوں پر گجراتیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ملک التجار نے احمد شاہ بہمنی سے مدد کی درخواست کی۔ احمد شاہ بہمنی نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد خاں کو دس ہزار سواروں اور ساٹھ ہاتھیوں کے ہمراہ روانہ کیا اور خود خواجہ جہاں کو مختار کل مقرر کیا۔

دکنیوں کی ایک اور شکست

دکنیوں کی فوج مہائم کے قریب پہنچی ملک التجار نے محاصرے کی مصیبت سے رہائی پا کر شہزادہ محمد خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ اہل دکن نے پہلے تھانہ پر قبضہ کرنا مناسب سمجھا اور اس خیال سے تھانہ کی طرف بڑھے شہزادہ ظفر خاں بھی اپنی فوج کو تیار کر کے تھانہ پہنچ گیا۔ فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی صبح سے لے کر شام تک خون ریزی ہوتی رہی۔ آخر کار گجراتیوں کو فتح ہوئی۔ ملک التجار جالنہ کی طرف اور شہزادہ محمد خاں دولت آباد کی طرف بھاگ گیا۔

فتح مہائم

ظفر خاں کامیاب و کامران مہائم میں داخل ہوا۔ دکنی عمال جو فرار ہو گئے تھے انہیں جہازوں کے ذریعے گرفتار کیا گیا۔ شہزادے نے بے شمار مال و غنیمت حاصل کیا اور اس کو جہازوں میں لدوا کر اپنے باپ کی خدمت میں احمد آباد گجرات بھجوا دیا۔

فتح خاں بن مظفر شاہ گجراتی کی وفات

شہزادہ ظفر خاں نے مہائم کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنے امیروں اور فوجی سرداروں میں تقسیم کر دیا۔ اسی سال یہ اطلاع ملی کہ سلطان مظفر شاہ گجراتی کا بیٹا فتح خاں جو سلطان مبارک شاہ دہلوی کا بیٹا تھا امیر شیخ علی والی کابل کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا ہے۔ سلطان احمد شاہ نے اس کا سوگ منایا اور اس کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے غریبوں اور محتاجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔

احمد شاہ دکنی کا بگلانہ پر حملہ

سلطان احمد شاہ گجراتی نے ۸۳۵ھ میں شہزادہ محمد خاں کو گجرات کی سرحد کی حفاظت پر بحال رکھا اور خود چینا کا سفر اختیار کیا۔ سلطان احمد شاہ دکنی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنا لشکر مرتب کر کے بگلانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بگلانہ کا راجہ جو گجرات کا باج گزار تھا دکنی فرماں روا کے مقابلے پر نہ جم سکا اور قلعہ بند ہو گیا۔ احمد شاہ دکنی نے سارے ملک کو تباہ و برباد کیا۔

شہزادہ محمد خاں کا عریضہ

شہزادہ محمد خاں نے اپنے باپ سلطان احمد شاہ گجراتی کو ایک عریضہ بھجوایا جس کا مضمون یہ تھا۔ "آپ کا یہ خادم ایک مدت سے ملازمت کی سعادت سے محروم ہے۔ سفر کی طوالت کی وجہ سے تمام امراء اور سرداران لشکر اپنی اپنی جاگیروں کو واپس چلے گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملی ہے کہ سلطان احمد شاہ بہمنی نے بگلانہ پر حملہ کر کے اس علاقے کو برباد کیا ہے اور اب وہ اس طرف آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میرے پاس فی الحال اتنا لشکر موجود نہیں ہے کہ بہمنی فرماں روا کا مقابلہ کر سکوں لہٰذا حضور سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں میری مدد

فرمائیں۔"

احمد شاہ گجراتی ندربار میں

جب سلطان احمد شاہ گجراتی کو شہزادہ محمد خاں کا عریضہ ملا تو اس نے چینا کا محاصرہ اٹھا لیا اور نادوت کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے بعد بادشاہ جلد از جلد ندربار پہنچ گیا۔ شہزادہ محمد خاں اور سرحدی امراء بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے خوشی کے شادیانے بجائے گئے، مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ احمد شاہ گجراتی لڑائی کے ارادے سے قلعہ تنبول کے قریب مقیم تھا۔ لیکن بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا ہے۔

احمد شاہ بہمنی تنبول میں

یہ خبر سن کر احمد شاہ گجراتی بہت خوش ہوا کیونکہ وہ دکنیوں سے لڑائی کرنے کا خواہاں نہ تھا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے پایہ تخت احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جب اس نے دریائے تاپتی کو پار کیا تو اسے یہ اطلاع ملی کہ سلطان احمد شاہ بہمنی نے اپنے ملک جانے کی بجائے دوبارہ قلعہ تنبول کا محاصرہ کر لیا ہے۔ قلعہ تنبول کا حاکم ملک سعادت خاں سلطانی بڑی بہادری اور جرات سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔

احمد شاہ گجراتی کا پیغام احمد شاہ بہمنی کے نام

احمد شاہ گجراتی نے دکنی فرماں روا کے پاس اپنا ایک قاصد روانہ کیا اور اسے پیغام دیا کہ "اگر آپ قلعہ تنبول کا محاصرہ اٹھا لیں اور اہل قلعہ پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں اور اپنے ملک کو واپس چلے جائیں تو یہ امر ہماری باہمی دوستی میں خلل انداز نہ ہو گا۔ اور گجراتیوں اور دکنیوں کے تعلقات خوشگوار رہیں گے۔"

امراء سے مشورہ

سلطان احمد شاہ بہمنی نے اپنے امراء سے اس سلسلے میں مشورہ کیا دکنیوں نے اپنی روایتی دوں فطرتی کے مطابق کہا۔ "قلعے میں غلہ اور دیگر سامان ضرورت بہت کم ہے اس لیے ہم قلعے کو امداد ملنے سے پہلے فتح کر لیں گے لہٰذا ایسی صورت میں محاصرہ اٹھا لینا مناسب نہیں ہے۔"

احمد شاہ گجراتی کی تنبول میں آمد

گجراتی قاصد اہل دکن کے ارادے سے باخبر ہو کر اپنے آقا احمد شاہ گجراتی کے پاس آیا اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ سلطان احمد شاہ گجراتی نے دریا کے کنارے سے ہی رخ بدل لیا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا جلد از جلد تنبول کی طرف روانہ ہو گیا۔

دکنی بہادروں کا قلعے میں داخلہ

احمد شاہ بہمنی نے پایکوں کو بلایا اور ان سے کہا۔ "آج کی رات تم کوئی ایسی چال چلو کہ کامیابی تمہارے ہاتھ رہے میں اس محنت کے صلے میں تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کروں گا۔" جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو پایکوں کی ایک جماعت قلعے کی دیوار کے قریب آئی۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ دیوار کے پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے دیوار کے اوپر چڑھ گئے اور اندر کی طرف نیچے اتر کر قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ دکن کے بہادر سپاہی قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔

ملک سعادت کی مستعدی

حاکم قلعہ ملک سعادت سلطانی کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے فوراً پایکوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو لوگ قلعے کے اندر داخل ہوئے تھے انہیں تو تلوار کے گھاٹ اتارا گیا اور جو ابھی دیوار پر ہی تھے انہیں نیچے گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس احتیاط کے باوجود جیسا کہ پہلے

بیان کیا جا چکا ہے قلعے کا دروازہ کھل گیا۔ ملک سعادت نے اور زیادہ مستعدی سے کام لیا اور دشمن کے اس مورچل پر جو قلعے کے بالکل سامنے تھا شب خون مارا اس مورچل کے تمام سپاہی غافل و بے خبر تھے۔ اس لیے ان میں سے بہت سے ہلاک و زخمی ہوئے۔

دکن کے سلطان کا امیروں سے خطاب

اسی اثناء میں سلطان احمد شاہ گجراتی بھی پہنچ گیا۔ احمد شاہ بہمنی قلعے کے پائین سے آگے بڑھا اور اس نے اپنے امراء اور سرداران لشکر کو بلا کر کہا "کئی بار گجراتیوں نے ہم پر فتح پائی ہے یہاں تک کہ مہائم پر بھی انہوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اگر اس بار بھی گجراتی ہم پر غالب آ گئے تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دکن کا سارا ملک ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جو قدم بھی اٹھائیں سوچ سمجھ کر اٹھائیں۔"

اژدر خاں کی گرفتاری

احمد شاہ دکنی نے معرکہ آرائی کیلئے اپنے لشکر کو مرتب و منظم کیا۔ دوسری طرف احمد شاہ گجراتی بھی لڑنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ دکنی لشکر کی طرف سے ایک نامی گرامی امیر مسمی اژدر خاں میدان میں آیا۔ گجراتیوں کی طرف سے عضد الملک اسکے مقابلے پر نکلا دونوں بہادر ایک دوسرے سے معرکہ آرا ہوئے عضد الملک اپنے حریف پر غالب آیا اور اژدر خاں کو گرفتار کر لیا۔

جنگ مغلوبہ

اس کے بعد جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی' دونوں طرف کے بہادر داد مردانگی دینے لگے' صبح سے لے کر شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ اور جب طبل بازگشت کی آواز بلند ہوئی تو دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں پر آ گئے۔ اس معرکے میں ان گنت دکنی مارے گئے۔ احمد شاہ بہمنی نے اب اور لڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

تانیسر اور نادوت کا سفر

سلطان احمد شاہ گجراتی قلعہ تنبول میں داخل ہوا حاکم قلعہ ملک سعادت سلطانی کو بادشاہ نے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اس کے بعد احمد شاہ نے قلعے کو تو اپنے بہادروں کی ایک جماعت کے حوالے کیا اور خود تانیسر کی طرف روانہ ہوا۔ اس مقام پر ایک قلعہ تعمیر کروانے کے بعد بادشاہ نادوت کی طرف روانہ ہوا۔ اس علاقے کو خوب تباہ و برباد کرنے کے بعد عین الملک کو اس علاقے کا حاکم اعلی مقرر کیا گیا۔
اس کے بعد بادشاہ سلطان پور ندربار کے راستے سے واپس احمد آباد آ گیا۔

کچھ دنوں کے بعد احمد شاہ گجراتی نے مہائم کے راجہ کی لڑکی کی شادی فتح خاں کے ساتھ کر دی۔

دکنی مورخوں کی کذب بیانی

سراج التواریخ دکن میں مذکورہ بالا محاصرے کی روایت مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے' لیکن راقم الحروف مورخ فرشتہ کا خیال ہے کہ دکنی مورخ کی بیان کردہ تفصیل ناقص اور بعید از صداقت ہے۔ اس مہم سے متعلق مورخین گجرات کے بیان کردہ واقعات ہی صحیح ہیں اور انہیں واقعات کو ہم نے اپنی زیر نظر تاریخ میں بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

میوات اور ناگور کا سفر

احمد شاہ گجراتی نے ۸۳۶ھ میں میوات اور ناگور کا سفر کیا۔ بادشاہ دونگر پہنچا یہاں کے زمینداروں سے پیش کش وصول کی اور پھر کیلوارہ اور دیلوارہ کے علاقوں میں داخل ہوا۔ ان دونوں علاقوں سے مراد وہی ممالک ہیں جہاں کولی اور بھیلی رہتے ہیں۔ جو قلعہ چتوڑ کے راجہ رانا موکل کے ماتحت تھے۔ احمد شاہ گجراتی نے ان دونوں علاقوں کو تباہ و غارت کیا۔

فیروز خاں

اس کے بعد بادشاہ نے میوات کی حدود میں پیش قدمی کی اور کوٹہ' بوندی اور تولیے کی ریاستوں سے خراج و باج وصول کیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کا بھتیجا فیروز خاں بن شمس خاں وندانی جو ناگور کا حاکم تھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے ایک گراں قدر رقم بادشاہ کی خدمت میں بطور پیش کش نذر کی۔ بادشاہ نے وہ ساری رقم فیروز خاں کو واپس کر دی اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ بھی دیا اور پھر گجرات واپس آگیا۔

احمد آباد میں پہنچ کر احمد شاہ نے ایک گراں قدر رقم غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کی۔

احمد شاہ گجراتی کا عزم مالوہ

سلطان محمود خلجی نے جو سلطان ہوشنگ کے دائرہ ملازمین میں داخل تھا ۸۳۹ھ میں مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ محمود شاہ گجراتی کے لڑکے مسعود خاں نے گجرات میں پناہ لی۔ احمد شاہ گجراتی نے مسعود خاں کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس شہزادے کو حاکم مالوہ بنانے کے لیے مالوہ کا رخ کیا۔ بادشاہ نے حوض بھکنگ پور (یہ مقام آج کل باسودہ کے نام سے مشہور ہے) پہنچ کر ایک زبردست فوج خان جہاں کے مقابلے کے لیے روانہ کی۔ خان جہاں' چندیری سے مندو جا رہا تھا اسے اس واقعے کی اطلاع ہو گئی اور وہ جلد از جلد اپنے بیٹے محمود شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

دکنی اور گجراتیوں میں جنگ

احمد شاہ بھی مندو پہنچا اور اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اہل قلعہ کی ایک جماعت روزانہ قلعے سے باہر آکر دشمن سے جنگ کرتی اور واپس چلی جاتی۔ سلطان محمود نے شب خون مارنے کا ارادہ کیا اہل قلعہ نے فوراً احمد شاہ کو اس کی اطلاع کر دی۔ سلطان محمود اس واقعہ سے لاعلم رہا جب وہ باہر نکلا تو اسے معلوم ہوا کہ اہل گجرات لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی دونوں طرف کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ صبح کے وقت سلطان محمود قلعے میں پناہ گزین ہو گیا اور احمد شاہ نے شہزادہ محمد خاں کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ سارنگ پور روانہ کیا۔ شہزادے نے سارنگ پور پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود کی مستعدی

انہیں دنوں سلطان ہوشنگ کا بیٹا عمر خاں چندیری چلا گیا اور وہاں اس نے اپنے گرد بہی خواہوں کی ایک اچھی خاصی جماعت جمع کر لی۔ اس صورت حال سے سلطان محمود قطعاً پریشان نہ ہوا اس نے بڑی مستعدی اور مردانگی کا مظاہرہ کیا اور قلعے کو اس طرح مستحکم مضبوط کیا کہ اہل قلعہ کو ضروری سامان اور غلے کی کمی نہ ہوئی۔

قحط

سلطان احمد شاہ کی فوج میں قحط پڑ گیا انسان اور جانور فاقوں کی وجہ سے مرنے لگے۔ سلطان محمود خلجی اس نتیجے پر پہنچا کہ محصور ہو کر بیٹھ رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے لہٰذا اس نے اپنے باپ خاں جہاں کو قلعے میں چھوڑا اور خود دروازہ تارہ پورہ سے نیچے اتر کر سارنگ پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

حاجی علی گجراتی کی شکست

راستے میں قلعہ کنبل کے حاکم حاجی علی گجراتی نے محمود خلجی کو پریشان کیا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی محمود خلجی دشمن پر غالب آیا۔ حاجی علی گجراتی شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہوا اور سلطان احمد شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بادشاہ کو یہ بتایا کہ محمود خلجی فلاں راستے سے سارنگ پور کی طرف جا رہا ہے۔

طاعون کی وبا

سلطان احمد شاہ نے اپنے بیٹے کو سارنگ پور سے اپنے پاس بلا لیا۔ محمود خلجی نے عمر خاں سے جنگ کی اور اسے موت کی آغوش میں سلا دیا۔ اسی دوران میں ہندوستان میں طاعون کی زبردست وبا پھیلی۔ گجراتیوں کے لشکر میں بھی اس مرض نے قدم رکھا ان گنت گجراتی موت کا شکار ہو گئے' ایسی تباہی مچی کہ لاشوں کی تجہیز و تکفین بھی مشکل ہو گئی۔

احمد شاہ کی واپسی

اس صورت حال کے پیش نظر سلطان احمد شاہ کو یقین ہو گیا کہ محمود خلجی کی قسمت کا ستارہ اس وقت بہت بلندیوں پر ہے اور اس کو مغلوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس خیال سے اس نے معرکہ آرائی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے ملک کو واپس ہوا۔

سلطان احمد شاہ کا انتقال

دوران سفر ہی میں مرض الموت نے احمد شاہ پر حملہ کیا اور جس وقت وہ احمد آباد میں پہنچا اس وقت اس کی بیماری بہت شدید صورت اختیار کر چکی تھی۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۴ ربیع الآخر ۸۴۶ھ کو اس حکمران نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اسے موت کے بعد "خدایگان مغفور" کے لقب سے یاد کیا گیا۔

کردار

سلطان احمد شاہ نے چھتیس سال چھ ماہ بیس دن تک حکمرانی کے فرائض انجام دیے۔ یہ بادشاہ تمام عمدہ اور نفیس خصوصیات کا مجموعہ تھا۔ اس کا عہد حکومت۔ ظالموں کے لیے ویسا ہی تھا جیسا کہ چنگیز کا عہد حکومت مظلوم' رعایا کے ساتھ اس کا سلوک نوشیرواں عادل کی طرح تھا وہ بہت ہی خوش اخلاق' بامروت اور صاحب ہمت انسان تھا۔

سلطان محمد شاہ بن احمد شاہ گجراتی

ایدر پر حملہ

سلطان احمد شاہ گجراتی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا گجرات کا بادشاہ ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نوعمر بادشاہ نے انعام و اکرام سے رعایا کے دلوں کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ محمد شاہ نے عنان اقتدار ہاتھ میں لینے کے پہلے سال ہی ایدر پر حملہ کیا۔ راحت الملک نے اطاعت و فرماں برداری ہی میں اپنی بہتری دیکھی اور اپنی بیٹی کا محمد شاہ کے ساتھ نکاح کر دیا اپنی بیوی کی سفارش پر بادشاہ نے ملک کا باقی حصہ بھی راحت الملک کو دے دیا۔

ایدر کے بعد محمد شاہ نے دونگر پور کا رخ کیا۔ یہاں کے حاکم نے بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کش گذاری اور اس طرح اپنے ملک کو بچایا اس کے بعد محمد شاہ واپس احمد آباد آگیا اور پھر ۸۵۳ھ تک اس نے پایہ تخت سے باہر قدم نہ رکھا۔

قلعہ چینا پر حملہ

محمد شاہ نے ۸۵۴ھ میں قلعہ چینا پر لشکر کشی کی یہاں کا راجہ گنگداس' محمد شاہ کے مقابلے پر آیا لیکن شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا جو ایک عرصے تک قائم رہا۔ محاصرے کی طوالت سے تنگ آکر راجہ نے سلطان محمود خلجی کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور اس سے مدد کی درخواست کی اور اسے ہر منزل پر ایک لاکھ تنکہ دینا قبول کیا۔

احمد آباد کو واپسی

سلطان محمود نے دولت کے لالچ اور گجراتیوں سے بدلہ لینے کے خیال سے راجہ گنگداس کی درخواست منظور کر لی اور اسی سال کے آخر میں اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ سلطان محمود کے لشکر کے باربرداری کے جانور کسی بیماری کی وجہ سے مرنے لگے اس کے ساتھ ہی اسے سلطان محمود خلجی کی آمد کی خبر ملی۔ یہ صورت حال دیکھ کر محمد شاہ بہت پریشان ہوا اس نے اپنے خیمے اور تمام سامان نذر آتش کر دیا اور جنگ سے دست بردار ہو گیا۔ اگرچہ اراکین سلطنت نے اسے معرکہ آرائی کے لیے بہت کہا مگر اس نے کسی کے مشورے پر کان نہ دھرے اور جلد از جلد احمد آباد پہنچ گیا۔

دیب کو فرار

سلطان مالوہ نے جب دوبارہ ایک لاکھ مالوی اور مندوی سپاہیوں کے لشکر جرار کے ساتھ گجرات پر حملہ کیا تو تمام اراکین سلطنت اور امراء نے باہمی اتفاق سے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا۔ "سلطان محمود ہمیشہ ہمارے ملک کو نقصان پہنچاتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم بھی لشکر جمع کر کے اس کا مقابلہ کریں۔" محمد شاہ نے یہ رائے قبول نہ کی اور دیب کی طرف بھاگ گیا۔

یہ عالم دیکھ کر تمام امراء سخت پریشان ہوئے انہوں نے بادشاہ کی بیگم سے رجوع کیا۔ یہ خاتون اپنے زمانے کی ایک بہترین ہستی تھی امراء نے اس سے کہا "آپ کو اپنا شوہر عزیز ہے یا یہ امر کہ گجرات کی حکومت اس خاندان میں قائم رہے۔" ملکہ نے یہ سوال سن کر امراء سے پوچھا کہ آخر ان کا مطلب کیا ہے اور انہیں جو کہنا ہے صاف صاف کہیں امراء نے کہا "آپ کا شوہر سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے سے گریز کرتا ہے اس وجہ سے گجرات کا ملک ہاتھ سے نکل جائے گا اگر آپ ہمارا ساتھ دیں اور جو ہم چاہیں آپ ہمیں کرنے دیں

تو معاملہ بخوبی حل ہو سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے شوہر کو معزول کر کے آپ کے بیٹے قطب خاں کو جو بیس سال کا نوجوان ہے بادشاہ تسلیم کر لیں۔

محمد شاہ کی ہلاکت

بیگم نے بہت غور و خوض کے بعد امراء کی رائے کی تائید کی۔ آخرکار امراء کی جماعت نے ۷ محرم ۸۵۵ھ کو زہر دے کر محمد شاہ کو ہلاک کر دیا۔ اس بادشاہ نے آٹھ برس نو مہینے اور چودہ دن حکومت کی۔

مرنے کے بعد محمد شاہ "خدایگان کریم" کے لقب سے یاد کیا گیا۔

سلطان قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی

تخت نشینی

قطب الدین ندر بار میں ۸/ جمادی الثانی ۸۲۵ھ کو بروز دو شنبہ پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ سلطان محمود خلجی نے ملک غلام سہراب ترک (جس سے سلطان پور کا قلعہ بذریعہ امان حاصل ہوا تھا) کو مقدمتہ الجیش بنایا اور بڑی برق رفتاری سے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان محمود خلجی کا ہنگامہ

سلطان قطب الدین دل ہی میں سلطان محمود خلجی کی عظمت و شوکت سے بہت خائف تھا۔ اس نے اپنے ایک مقرب خاص سے جو بقال تھا جنگ کے بارے میں مشورہ کیا۔ بقال نے بادشاہ سے کہا۔ "موجودہ صورت حال کے پیش نظر یہی مناسب ہے کہ حضور سورت میں پناہ گزیں ہو جائیں اور جس وقت سلطان محمود خلجی اپنا لشکر گجرات میں چھوڑ کر واپس مندو چلا جائے تو اس وقت حضور واپس تشریف لے آئیں۔ اور دشمن کے آدمیوں کو ملک سے باہر نکال دیں۔ قطب الدین کی غیرت بیدار ہوئی اور اس نے سلطان محمود سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے آگے بڑھا۔

ملک علائی سہراب کی آمد

ملک علائی سہراب نے موقع پاتے ہی اہل مالوہ کا ساتھ چھوڑا اور اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ قطب الدین، علائی کے اس اقدام پر بہت خوش ہوا، اسے ایک محفل میں سات خلعت انعام میں دیئے گئے اور "علاء الملک" کے خطاب سے نوازا گیا۔ ملک علائی کی آمد گجرات کے ہر چھوٹے بڑے فرد کے لیے باعث مسرت تھی، ہر شخص نے خوشی کے نقارے بجوائے۔

شعر کا جواب شعر میں

جب مالویوں اور گجراتیوں کے لشکروں کا فاصلہ صرف تین کوس کا رہ گیا تو سلطان محمود خلجی نے ایک شعر لکھ کر قطب شاہ کے پاس روانہ کیا جس کا مفہوم یہ تھا۔ "اگر تو مرد ہے تو پھر میدان جنگ میں میرے سامنے آ۔" قطب الدین نے صدر جہاں سے اس کا جواب لکھنے کے لیے کہا، صدر جہاں نے اس شعر کا جواب ایک شعر میں دیا جس کا مطلب یہ تھا ہم مرد میدان ہیں، دشمنوں کے سروں سے چوگان بازی کرنا ہمارا شعار ہے، لیکن اپنے قیدیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے میں ہمیں شرم آتی ہے۔" اس شعر میں اس واقع کی طرف اشارہ ہے کہ جب سلطان محمود کبیر نے سلطان ہوشنگ کو گرفتار کر لیا تھا اور پھر از راہ لطف و کرم اسے رہا کر کے مالوہ کی حکومت عنایت کی تھی (صدر جہان نے بڑی ذہانت سے اس شعر میں ایک تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس سے مالویوں کی سبکی کا پہلو نکلتا ہے۔)

سلطان محمود کی گمراہی

یکم صفر کو سلطان محمود خلجی نے شب خون مارنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ راستہ بھول کر، ایک ایسی جگہ جا پہنچا، جہاں چاروں طرف زقوم کے درخت ہی درخت تھے اور باہر نکلنے کا راستہ نظر نہ آتا تھا۔ صبح تک سلطان محمود کو راستہ نہ ملا اور وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا اور اپنے گھوڑے پر ہی سوار رہا۔

معرکہ آرائی

سلطان قطب الدین کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ اپنے لشکر کو مرتب و منظم کر کے سلطان محمود خلجی کے مقابلے پر آیا۔ گجراتیوں کے میسرہ کو شکست ہوئی اور وہ احمد آباد کی طرف بھاگ گیا' لیکن میمنہ نے اہل مالوہ کے میسرہ کو مغلوب کر لیا۔ شکست خوردہ مالویوں کی یہ جماعت اپنے ملک کی طرف واپس چلی گئی' مگر دونوں فرماں روا لڑائی سے باز نہ آئے اور برابر لڑتے رہے۔ مالویوں کا جو لشکر غالب ہوا تھا اس نے اپنے آپ کو فاتح سمجھا اور گجراتی لشکر کو لوٹنا مارنا شروع کر دیا۔ سلطان قطب الدین کے قول کے لشکری جو قلب لشکر میں جمع ہوئے تھے۔ انہوں نے سلطان محمود خلجی کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا اور دشمن کو سخت پریشان کرنے لگے۔

سلطان محمود کا فرار

سلطان محمود معرکہ آرائی میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے اپنا ہوش تک نہ رہا وہ بے اختیارانہ دشمن سے لڑتا رہا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ نہ تو اس کے پاس کوئی سپاہی رہا اور نہ اس کے ترکش میں کوئی تیر مجبور ہو کر وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ گجراتیوں کے لشکر میں پہنچ کر شاہی سراپردہ کے گرد گھومنے لگا اس نے مرصع تاج' کمربند اور بے شمار زر و جواہر اپنے قبضے میں کیے اور اپنے لشکر سے جو اس کے پیچھے تھا جا ملا مفرور سپاہی بھی اپنے بادشاہ سے آ ملے۔

سلطان محمود کی مالوہ کو واپسی

سلطان محمود نے اسی جگہ قیام کیا اور یہ خبر اڑا دی کہ وہ اس رات گجراتیوں پر شب خون مارے گا۔ گجراتیوں نے یہ خبر سنی تو وہ بہت پریشان ہوئے تمام سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اپنی حفاظت کرنے لگے۔ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو سلطان محمود نے مالوہ کا سفر اختیار کیا۔ صبح کے ہوتے ہوتے اس نے اس قدر فاصلہ طے کر لیا کہ دشمن کے خطرے سے بالکل بے خوف ہو گیا۔

قلعہ سلطان پور پر دوبارہ قبضہ

اس غیبی فتح سے سلطان قطب الدین بہت خوش ہوا۔ اسے خداوند تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت سے تعبیر کیا۔ اسی (۸۰) ہاتھی اور بہت سا مال غنیمت لے کر وہ اپنے پایہ تخت میں واپس آیا اور ایک بہت شاندار محفل عشرت منعقد کی۔ قطب الدین نے ایک زبردست لشکر بھیج کر سلطان پور کا قلعہ اپنے قبضے میں کر لیا اور دشمن کو قلعے سے باہر نکال دیا۔

محمود خلجی اور قطب الدین میں صلح

اس واقعے کے بعد سلطان قطب الدین محمود خلجی میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ غیر مسلموں کا جو علاقہ جو بادشاہ فتح کرے اس پر اسی کا قبضہ ہوا۔ اور دوسرا بادشاہ اس میں مطلق دخل اندازی نہ کرے۔ نیز یہ کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک بادشاہ دوسرے پر حملہ نہ کرے دونوں کا فرض منصبی ہے کیونکہ یہ راجہ انتہائی سرکش اور متکبر ہے۔

حاکم ناگور فیروز خاں کا انتقال

۸۶۰ھ میں یہ اطلاع ملی کہ ناگور کے حاکم فیروز خاں ونداني کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کے بھائی مجاہد خاں نے حکومت کے حقیقی وارث شمس خاں بن فیروز خاں کو مغلوب کر کے عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اور شمس خاں اپنے چچا کے خوف سے جلاوطن ہو کر چتوڑ کے راجہ کمبھو کے پاس پناہ گزین ہو گیا۔ ناگور کے زمینداروں اور راجہ کمبھو کے درمیان ایک قدیم زمانے سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اسی وجہ سے رانا نے شمس خاں سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ شمس خاں کو اس کے باپ کی جگہ ناگور کا حاکم بنا دے گا۔ اس کے لیے رانا نے یہ شرط رکھی تھی کہ فتح کے بعد شمس خاں ناگور کے قلعے کے تین کنگرے مسمار کر دے۔

اس شرط کی وجہ یہ تھی کہ راجہ کنبھو کے اسلاف ایک عرصے تک ناگور کو فتح کرنے کے خواب دیکھتے رہے تھے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تھے۔ راجہ کے باپ راجہ موکل نے فیروز خاں دندانی سے جنگ کی تھی لیکن شکست کھا کر وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا تھا۔ اور اس کے لشکر کے تین ہزار سپاہی لڑائی میں کام آئے تھے۔

شمس خاں کا ناگور پر قبضہ

شمس خاں نے رانا کنبھو کی شرط منظور کر لی اور اس کو ساتھ لے کر ناگور پر حملہ آور ہوا۔ مجاہد خاں ان دونوں کا مقابلہ نہ کر سکا اس لیے اس نے گجرات میں پناہ لی۔ شمس خاں نے قلعے میں داخل ہونے کے بعد اپنی شرط کو پورا کرنے کے لیے قلعے کے کنگروں کو مسمار کرنا چاہا اہل ناگور کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ اور انہوں نے کہنا شروع کیا "اے کاش! شمس خاں جیسے بیٹے کی جگہ فیروز خاں کے گھر لڑکی پیدا ہوئی ہوتی اور وہ لڑکی اپنی عزت کے خیال سے قلعے کو تباہ و برباد نہ ہونے دیتی۔"

رانا کنبھو کی ناکامی و نامرادی

اس لعن طعن کا شمس خاں پر بہت اثر ہوا اور اس نے قلعے کو مسمار کرنے کی بجائے اور زیادہ مضبوط کیا اور رانا کنبھو کو کہلا بھیجا کہ تم نے جس انداز سے اور جس طرح پر میری مدد کی اس کے لیے میں تمہارا ازحد شکرگزار ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری شرط پوری نہیں کر سکتا کیونکہ قلعے کو مسمار کرنا میری قوت سے باہر ہے۔ اگر میں ایسا کروں گا تو شہر کے تمام لوگ میری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ لہٰذا اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ جنگ کرو۔" یہ پیغام سن کر رانا کنبھو کو اپنی حرکت پر بہت افسوس ہوا اور وہ ناکام و نامراد اپنے علاقے کو واپس چلا گیا۔

رانا کنبھو کا ناگور پر حملہ

چتوڑ واپس جا کر رانا کنبھو نے ایک زبردست لشکر فراہم کیا اور ناگور پر حملہ کر دیا۔ شمس خاں نے قلعہ اپنے سرداران لشکر کے سپرد کیا اور خود امداد لینے کے لیے احمد آباد پہنچا۔ سلطان قطب الدین نے شمس خاں کی بے حد خاطر و مدارات کی اور اس کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ بادشاہ نے شمس خاں کو تو اپنے دربار ہی میں روک لیا اور اپنے معزز امراء رائے رام چند اور ملک گدا وغیرہ کو ناگوریوں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

قطب الدین کا عزم ناگور

گجراتی امراء نے ناگور پہنچ کر رانا کنبھو سے معرکہ آرائی کی لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ان کی فوج کا بڑا حصہ لڑائی میں کام آیا اور وہ خود میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ یہ صورت حال دیکھ کر سلطان قطب الدین بہت غصے میں آیا اور لشکر لے کر ناگور کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب وہ قلعہ ابوار کے قریب پہنچا تو اس نے عماد الملک کو دشمن کے مقابلے پر روانہ کیا اور خود راستے میں ٹھہر گیا۔

سروہی کو روانگی

راجہ کنبھو نے عماد الملک کو بھی شکست دی اور یہ امیر بھی نقصان عظیم اٹھا کر اپنے ملک واپس آیا اس شکست کے بعد قطب الدین نے اپنا رخ بدل دیا اور چتوڑ کی بجائے سروہی کے قلعے پر لشکر کشی کی۔ سروہی کا راجہ' رانا کنبھو کا ایک قریبی رشتہ دار تھا قطب الدین نے سروہی کے راجپوتوں سے جنگ کی اور انہیں پسپا کرنے کے لیے بنلمیسر پہنچا۔ بادشاہ نے اس علاقے کو تباہ و برباد کیا اور بہت سے غیر مسلموں کو گرفتار کر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

جنگ اور صلح

فریقین میں کئی مرتبہ معرکہ آرائی ہوئی اور ہر مرتبہ رانا کو شکست ہوئی اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ میدان جنگ میں کام آیا۔ آخر کار رانا خود قلعے سے باہر نکلا اور دشمن سے معرکہ آراء ہوا لیکن شکست کھا کر پھر قلعے کے اندر چلا گیا۔ جب رانا نے یہ دیکھ لیا کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں رہی ہے تو اس نے قطب شاہ سے صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ درخواست منظور کر لی اور رانا سے بہت سا قیمتی سامان اور زر و جواہر لے کر احمد آباد واپس آیا۔

محمود خلجی کا سفیر گجرات میں

انہیں دنوں سلطان محمود خلجی کا سفیر تاج خاں گجرات میں آیا اور اس نے خلجی کا پیغام قطب الدین تک پہنچایا کہ "گزشتہ زمانے میں جو واقعات پیش آئے انہیں فراموش کر دینا ہی بہتر ہے۔ ہمیں اب ایک دوسرے کا دوست اور بہی خواہ بن کر رہنے کی ضرورت ہے تاکہ رانا کو جلد از جلد ٹھکانے لگایا جا سکے۔ اس مقصد کو اس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا لشکر گجرات سے ملحق علاقوں کو تاخت و تاراج کرے اور میری فوج میوات اور اہیڑواڑہ کو فتح کرے۔ اگر اس دوران میں ہمیں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑے تو اس سلسلے میں قطعاً کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔۔۔۔" اس کے بعد طرفین کے علماء و فضلاء یک جا ہوئے اور دونوں فرماں رواؤں میں یہ معاہدہ ہو گیا۔

چتوڑ پر لشکر کشی

سلطان قطب الدین نے ۸۶۱ھ میں ایک زبردست لشکر تیار کیا اور رانا کے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بادشاہ نے قلعہ دیو فتح کر کے اپنے ایک قابل اعتماد امیر کے سپرد کیا اور خود آگے بڑھا۔ انہیں دنوں دوسری طرف سے سلطان محمود خلجی نے بھی رانا کے ملک پر لشکر کشی کی پہلے تو رانا نے سلطان محمود سے معرکہ آراء ہونے کا ارادہ کیا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ قطب الدین سروہی سے ہوتا ہوا کنبایت کی طرف آ رہا ہے تو اس نے سلطان محمود سے جنگ کا ارادہ ترک کیا۔ اور گجراتیوں سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا فریقین میں عظیم الشان جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں رانا شکست کھا کر اپنے ملک کے ایک درمیانی علاقے میں جو قلعہ چتوڑ کے قریب واقع تھا چلا گیا۔

رانا کی شکست

سلطان قطب الدین نے رانا کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس کے تعاقب میں اس کی قیام گاہ تک جا پہنچا۔ یہاں دوبارہ دونوں میں لڑائی ہوئی شام تک لڑائی ہوتی رہی آخر کار بغیر کسی نتیجے پر پہنچنے کے دونوں فریق اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے آئے۔ دوسرے روز پھر لڑائی ہوئی سلطان قطب الدین نے لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہادری و مردانگی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ اپنے پرائے سبھی تعریف کرنے لگے۔ اس معرکے میں بھی رانا کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو کر پہاڑوں کے دامن میں پناہ گزین ہو گیا۔

صلح

مجبور ہو کر رانا نے اپنے قاصدوں کو سلطان قطب الدین کی خدمت میں روانہ کیا اور صلح کا طلب گار ہوا۔ رانا نے چودہ من سونا دو بڑے ہاتھی اور دوسرے بہت سے قیمتی تحفے تحائف پیش کر کے قطب الدین سے صلح کر لی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ناگور پر حملہ نہ کرے گا۔

محمود خلجی اور قطب الدین کے تعلقات

سلطان محمود چونکہ گجراتیوں سے پہلے بھی رانا کے ملک میں آ چکا تھا اس لیے سلطان قطب الدین نے اس کی اس حرکت پر افسوس کا اظہار کیا اور اپنے ملک میں واپس آ گیا۔ اس واقعے کے بعد سلطان محمود خلجی اور سلطان قطب الدین میں جس نوعیت کے تعلقات رہے

اور دونوں ایک دوسرے سے جس قسم کا سلوک کرتے رہے اس کی تفصیلی کیفیت سلطان محمود خلجی کے حالات میں بیان کی جائے گی۔

رانا کا ناگور پر حملہ ----- نقض عہد

۸۸۲ھ میں رانا چتوڑ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور پچاس ہزار سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ ناگور پر حملہ کر دیا۔ حاکم نے فوراً ایک عریضہ لکھ کر سلطان قطب الدین کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ جس رات حاکم ناگور کا قاصد یہ عریضہ لے کر قطب الدین کی بارگاہ میں پہنچا وہ محفل عیش و عشرت میں شراب نوش کر رہا تھا۔ قاصد نے ایسے عالم میں بادشاہ کو زحمت دینی مناسب نہ سمجھی اور وہ عماد الملک کے پاس چلا گیا۔ عماد الملک ایک نہایت قابل اور ذہین وزیر تھا اس نے عریضے کو پڑھا اور فوراً بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اس وقت بھی شراب کے نشے میں دھت تھا عماد الملک نے بادشاہ کے ہوش میں آنے کا انتظار نہ کیا اور اسے محافے میں سوار کر کے شہر کے باہر لے آیا۔

رانا کا فرار

دوسرے روز بادشاہ نے سفر کی ایک منزل طے کی اور لشکر جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے ایک ماہ تک اس جگہ قیام کیا اس دوران میں جاسوس اور مخبروں نے رانا کو یہ اطلاع پہنچا دی کہ قطب الدین ناگور کی طرف آ رہا ہے۔ رانا خوف زدہ ہو کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا۔ رانا کے فرار کی خبر سن کر قطب الدین پھر شہر میں آ گیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

سروہی پر لشکر کشی

اسی سال سلطان قطب الدین نے سروہی پر لشکر کشی کی۔ اس ملک کا راجہ جو رانا کا قریبی رشتہ دار تھا۔ فرار ہو کر کوہستان کنبل میں پناہ گزیں ہو گیا۔ گجراتیوں نے اس ملک کو خوب بری طرح لوٹا اور تباہ کیا۔

رانا کا تعاقب

انہیں دنوں سلطان محمود خلجی نے بھی چتوڑ کے قلعے پر حملہ کیا۔ سلطان قطب الدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور رانا کا تعاقب کر کے ادھر ادھر بھگاتا رہا یہاں تک کہ رانا کنبل کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ بادشاہ نے پہلے تو قلعے کا محاصرہ کر لیا لیکن چند روز کے بعد اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ محاصرے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا لہٰذا اس نے محاصرہ اٹھا لیا چتوڑ اور دوسرے علاقوں کو تباہ و برباد کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر اپنے ملک کو روانہ کیا۔

حضرت سید قطب عالمؒ کی خدمت میں

چند ماہ کے بعد سلطان قطب الدین حضرت سید قطب عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت بادشاہ کے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر خداوند تعالیٰ حضرت قطب عالمؒ کی دعا کی برکت سے مجھے ایک بیٹا عطا کرے۔ جو میرے بعد سلطنت و حکومت کا وارث ہو حضرت سیدؒ اپنے کشف باطنی سے بادشاہ کی نیت بھانپ گئے اور انہوں نے فرمایا۔ "تمہارا چھوٹا بھائی تمہارے بیٹے ہی کے برابر ہے اور وہی شخص تمہارے خاندان کا نام ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھے گا لہٰذا تم یہ فکر نہ کرو کہ تمہارا کوئی وارث نہیں۔ حضرت سید قطب عالم کی زبان سے یہ کلمات سن کر قطب الدین بہت مایوس ہوا اور اس عالم میں ان کی بارگاہ سے اٹھ آیا۔

قطب الدین کا انتقال

اسی دوران میں بادشاہ بیمار پڑ گیا بیماری نے طوالت کھینچی بہت علاج معالجہ کیا گیا لیکن شفا نہ ہوئی اور آخر کار اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ قطب الدین نے ۳ رجب ۸۷۳ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اسے سلطان محمود کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ وفات کے بعد اس فرماں روا کو "سلطان غازی" کے لقب سے یاد کیا گیا۔

شمس خاں کا قتل

فیروز خاں کا بیٹا شمس خاں جس کی بیٹی سے سلطان قطب الدین نے شادی کی تھی۔ وہ احمد آباد ہی میں تھا اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ تمام امراء اور اراکین سلطنت نے باہمی اتفاق رائے سے شمس خاں کو اس جرم کی پاداش میں قتل کروا دیا۔

شمس خاں کی بیٹی کی ہلاکت

شمس خاں کی بیٹی جو سلطان قطب الدین سے بیاہی گئی تھی اس پر بہت سختیاں ہوئیں۔ بادشاہ کی والدہ نے اس خاتون کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور پھر اسے بادشاہ کی بیگموں اور کنیزوں کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے اس بے چاری کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

سلطان قطب الدین کا کردار

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین قہر و غضب کا پتلا تھا ذرا ذرا سی بات پر آگ بگولا ہو جاتا جب وہ شراب پیتا تھا تو اس کے عیب اپنے عروج پر ہوتے تھے اور وہ طرح طرح کی برائیوں کا ارتکاب کرتا رحم اور ہمدردی کا مادہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکتا ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔

سلطان قطب الدین کی مدت حکومت سات سال سات ماہ ہے۔ اس نے یہ سارا عرصہ مستی کے عالم میں گزارا جام شراب اس کے ہاتھوں میں ہر وقت رہتا تھا اور اسی سے اس کی زندگی عبارت تھی۔

سلطان داؤد شاہ بن احمد شاہ گجراتی

بدکرداری و بدچلنی

سلطان قطب الدین کے اِنتقال کے بعد عماد الملک اور دوسرے امراء و اراکین سلطنت نے باہمی مشورے سے بالاتفاق مرحوم بادشاہ کے چچا داؤد شاہ بن احمد شاہ گجراتی کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اِس شخص نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بدمعاشی اور بدچلنی کو اپنا شعار بنایا اور ایک فراش کو "عماد الملک" کا خطاب دے کر اپنا مقرب خاص بنایا۔

اِس بادشاہ کی اکثر حرکات ایسی تھیں جو کسی فرماں روا کے شایان شان نہیں ہو سکتیں۔

معزولی

یہ صورت حال دیکھ کر وزیر عماد الملک اور دوسرے اراکین سلطنت نے داؤد شاہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ سلطان قطب الدین کے چھوٹے بھائی شہزادہ محمود کو تخت پر بٹھایا جس کی عمر اس وقت صرف چودہ سال تھی۔ محمود شاہ کی تخت نشینی کے روز عوام و خواص سبھی کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ تازی، عربی اور ترکی گھوڑے تقسیم کیے گئے خلعت کمربند، شمشیر مرصع اور زریں خنجر بانٹے گئے نیز علما و سادات کو ایک کروڑ تنگہ نقد ادا کیا گیا۔

سلطان محمود شاہ گجراتی المشہور بہ سلطان محمود بیگرہ

عماد الملک کا اقتدار

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود شاہ کی تخت نشینی کے بعد سلطنت کے تمام امور کی باگ ڈور عماد الملک وزیر کے ہاتھ آ گئی۔ اور اس طرح حکومت میں بڑی رونق پیدا ہو گئی۔ ملک کے تمام باشندے خوش ہوئے اور انہوں نے بلا چون و چرا محمود شاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

عماد الملک کی مخالفت

ملک کے بعض نامی گرامی امراء عضد الملک صفی الملک اور حسام الملک' وغیرہ جو گجرات کے بہترین حصوں کے جاگیردار تھے۔ عماد الملک کے اقتدار اور غلبے سے رنجیدہ خاطر ہوئے اور انہوں نے اپنے وزیر کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کر دی۔ ان امراء نے محمود شاہ کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد آپس میں طے کیا کہ اگر بادشاہ نے عماد الملک کو معزول نہ کیا تو ہم خود بادشاہ کو معزول کر کے اس کے چھوٹے بھائی حسن خاں کو بادشاہ بنا دیں گے۔

مخالف امراء کی بادشاہ سے گذارش

نظام الدین حسن کی روایت ہے کہ عماد الملک کے مخالف امراء بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے عرض کیا۔ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عماد الملک اپنے بیٹے شہاب الدین کو بادشاہ بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ ملک مغیث کی پیروی کر کے مالوہ کی طرح گجرات میں بھی شاہی خاندان کو حکومت سے محروم کرنا چاہتا ہے اور "مظفر شاہی" خاندان کے بجائے "عماد شاہی خاندان" میں حکومت منتقل کرنا چاہتا ہے۔ عماد الملک کا یہ منصوبہ انتہائی خطرناک ہے اور اگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو مظفر شاہی خاندان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ عماد الملک کا قدم جلد از جلد درمیان سے اٹھا دینا چاہیے۔

بادشاہ کی ذہانت

محمود شاہ نے امراء کا معروضہ بڑے غور سے سنا اگرچہ وہ کم سن اور ناتجربہ کار تھا لیکن اس نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل کر لی تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ ان امراء کی نیت کو بھانپ گیا اور سمجھ گیا کہ ان لوگوں کا بیان سراسر جھوٹ ہے اور عماد الملک پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے یہ اندازہ بھی کر لیا کہ اگر اس وقت اس نے ان مخالف امراء کی ہاں میں ہاں ملائی تو اسے خود تخت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

امراء کو جواب

ان خیالات کے پیش نظر بادشاہ نے امراء کو جواب دیا۔ تم لوگوں نے جو کچھ کہا' میں خود اس کو محسوس کر رہا ہوں۔ عماد الملک کے تیور آج کل کچھ اور ہی ہیں اور اس کے اعمال و اقوال سے بغاوت و سرکشی کی بو آتی ہے۔ میں اب تک محض اس خیال سے خاموش رہا کہ اگر میں نے عماد الملک کو سزا دی تو تم لوگ مجھے بے مروت اور بد اخلاق سمجھو گے۔ ورنہ میں اس مردود کو کب کا ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تم کو بھی اصل حقائق سے آگاہی ہو گئی ہے لہذا اب اگر میں عماد الملک کو قید کروں گا تو لوگ مجھے برا نہ کہیں گے تم لوگ جو مناسب سمجھو اس سلسلے میں کر گزرو۔

عماد الملک کی گرفتاری

ان امیروں نے عماد الملک کو پا بہ زنجیر کر کے قید کر دینے کی رائے دی- بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور عماد الملک کو قلعہ احمد آباد میں نظربند کر دیا- اس روز تو بادشاہ نے غدار اور دوں فطرت امراء کے مشورے پر عمل کر کے اپنی جان بچائی لیکن بعد میں عماد الملک کی رہائی اور غدار امراء سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا-

بادشاہ کا رویہ

محمود شاہ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ فوج کے تمام سردار اور ارا کین سلطنت غدار امراء کے تابع ہیں لہٰذا اس نے کسی کو اپنا راز دار نہ بنایا- بادشاہ نے یہ اپنا شعار بنا رکھا تھا کہ ہر موقع پر خواہ جلوت ہو خواہ خلوت یہی کہتا تھا کہ "عماد الملک میرا جانی دشمن ہے ایسے شخص کا زندہ رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں میں اس مردود کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا اور اگر کسی امیر نے اس کی سفارش کی تو مجھے بہت بہت افسوس ہو گا- غدار امراء بادشاہ کی یہ بات سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے تھے' ظاہر ہے انہیں سفارش کرنے کی کیا ضرورت تھی-

شب بیداری

ایک رات سلطان محمود شاہ انہیں خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ ساری رات جاگتے جاگتے ہی گزر گئی- صبح جب نوبت سلطان بجائی گئی تو وہ محل کے ایک دریچے میں بیٹھ کر باہر کی پر لطف فضا سے محظوظ ہونے لگا اور چاروں طرف دیکھنے لگا- اچانک بادشاہ کی نظر فیل خانے کے گماشتہ ملک عبداللہ پر پڑی جو محل کے نیچے مودب کھڑا ہوا تھا- عبداللہ بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تھا' لیکن شاہی رعب و دبدبہ کی وجہ سے اس کی ہمت نہ پڑتی تھی- بادشاہ اس کی اس حالت کو بھانپ گیا اور اس نے عبداللہ سے کہا "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بلا خوف و خطر کہو-"

عبداللہ کا معروضہ

عبداللہ نے یہ دیکھ کر اس وقت بادشاہ تنہا ہے عرض کیا- "عماد الملک جیسا عالی دماغ اور ہمدرد امیر سارے ملک میں نہیں ہے- امراء نے اس کے خلاف حضور سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ محض جھوٹ ہے اور اس کی حیثیت ایک بے بنیاد الزام سے زیادہ نہیں ہے یہ حاسد اور دوں فطرت امراء حضور کے حقیقی بدخواہ ہیں اور خاکم بدہن آپ کو معزول کر کے شہزادہ حسن خاں کو والی گجرات بنانا چاہتے ہیں-"

بادشاہ کا جواب

بادشاہ نے عبداللہ کی زبان سے یہ کلمات سن کر اس کی بے حد تعریف کی اور اس سے کہا تم نے بہت اچھا کیا جو اصل حقیقت سے مجھے آگاہ کر دیا- ورنہ میں تو آج عماد الملک کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا بہرحال اب تم کسی سے میری اور اپنی گفتگو کا ذکر نہ کرنا اور صبح صادق کے وقت تمام ہاتھیوں کو مستعد کر کے شاہی بارگاہ میں پہنچا دینا-

امراء سے گفتگو

جب سورج طلوع ہوا تو بادشاہ کے معتمد امراء ملک شرف' ملک حاجی' ملک بہاء الدین' ملک کافور اور ملک عین الدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- سلطان محمود شاہ نے ملک شرف سے کہا عماد الملک کے واقعے نے مجھے اس حد تک پریشان کر رکھا ہے کہ آج رات میں قطعاً نہیں سویا لہٰذا اسے جلد از جلد میرے حضور پیش کرو تاکہ میں اسے خود اپنے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اتاروں-

ملک شرف فوراً اٹھا اور عماد الملک کو بادشاہ کے حضور پیش کرنے کے لیے لینے چلا گیا- قید خانے کے نگہبانوں نے عماد الملک کو ملک

شرف کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "ہم بغیر عضد الملک کی اجازت کے مجرم کو کسی کے سپرد نہیں کر سکتے۔" ملک شرف یہ جواب پا کر آ گیا اور اس نے بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

عماد الملک کی رہائی

بادشاہ خود اٹھا اور برج کے اوپر آ کر اس نے بلند آواز سے نگہبانوں کو کہا مجرم کو جلد از جلد میرے حضور پیش کیا جائے تاکہ میں اسے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلواؤں۔" نگہبانوں کو بھلا اب کیا تامل ہو سکتا تھا انہوں نے فوراً عماد الملک کو بادشاہ کے حضور میں پہنچا دیا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو دیکھتے ہی اس کو رہا کر دیا۔

خوف و ہراس کی لہر

سب لوگ یہ صورت حال دیکھ کر سٹپٹا گئے۔ امرائے حاسد کے حاشیہ بردار جو عماد الملک کی نگہبانی پر مقرر تھے بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ ان میں سے بعض تو ایسے خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے کوٹھوں سے گر کر خود کشی کر لی اور بعضوں نے آہ و فریاد کر کے آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔

امرائے حاسد کا ارادہ جنگ

صبح کے بعد بادشاہ جھروکہ میں آیا تمام امرائے مجری کے لیے شاہی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ سلطان محمود شاہ نے عماد الملک کو اپنے پہلو میں کھڑا کیا اور اسے اپنا رومال دے کر مگس رانی کی خدمت انجام دینے کو کہا غدار امراء یہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ حسد کے مارے ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ حاجی محمد قندھاری کی روایت کے مطابق یہ امراء تین ہزار سواروں اور پیادوں کی جمعیت لے کر شاہی محل کی طرف لڑائی کے ارادے سے بڑھے۔

شاہی جماعت کی پریشانی

ان امیروں نے طبل کی آوازوں سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا اور زمین کو ہلا دیا اور معرکہ آرائی کے لیے تیار ہو گئے۔ بادشاہ کے پاس اس وقت صرف تین سو (۳۰۰) آدمی تھے۔ یہ لوگ سخت پریشان ہوئے ان میں سے کسی نے کہا کہ فلاں محل میں پناہ گزین ہو کر دروازوں کو اچھی طرح مقفل کر لینا چاہیے کسی نے کہا کہ تمام خزانہ ساتھ لے کر یہاں سے چلا جانا چاہیے اور کسی دوسری جگہ قیام کرنا چاہیے۔

بادشاہ کا ارادہ جنگ

سلطان محمود نے متذکرہ بالا آراء میں سے کسی رائے کو پسند نہ کیا اس نے بہت غور و خوض کے بعد باغیوں سے لڑائی کا ارادہ کر لیا اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر تین سو سپاہیوں اور دو سو ہاتھیوں کا مختصر لشکر لے کر باغیوں کی سرکوبی کے لیے نیچے اترا۔ بادشاہ کی یہ ہمت قابل داد ہے ظاہر ہے کہ جو لوگ فرماں روائی کے مستحق ہوتے ہیں اور جن کی قسمت میں حکمرانی لکھی ہوتی ہے وہ دشمن کی کمی یا زیادتی سے قطعاً ہراساں نہیں ہوتے۔

فوجی افسروں کا بروقت اقدام

جب لوگوں میں بادشاہ کے سوار ہونے اور عماد الملک کے ہم رکاب ہونے کی خبر عام ہوئی تو ملک کے تمام فوجی افسروں ارا کین دولت اور امرائے خاصہ خیل نے باغیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان میں سے بعض تو گوشہ نشین ہو گئے اور بعض بادشاہ کے لشکر میں آ گئے۔ احمد آباد میں ایک عجیب و غریب ہنگامہ بپا ہو گیا اور تمام محلے تباہ و برباد ہو گئے۔

باغیوں کا فرار

بادشاہ کے رعب و دبدبہ اور اقبال نے اپنا کام کیا اور بغیر خون ریزی کے باغیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ شہر سے بھاگ گئے۔

برہان الملک کی ہلاکت

برہان الملک بہت بھاری جسم کا آدمی تھا اس میں بھاگنے کی ہمت نہ تھی تھوڑی دور چل کر اس کا سانس پھولنے لگا' اس لیے وہ قصبہ سرکج کے قریب ٹوٹے ہوئے پل اور سابرمتی کے گندے نالوں میں چھپ گیا۔ اتفاق سے اس وقت ایک خواجہ سرا حضرت شیخ کنبو کی زیارت کے لیے جا رہا تھا' اس نے برہان الملک کو دیکھ کر پہچان لیا اور اسے گرفتار کر کے شاہی بارگاہ میں لے آیا۔ سلطان محمود نے اس باغی امیر کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال کر مروا دیا۔

عضد الملک کا قتل

عضد الملک فرار ہو کر اپنے ملازمین کی ایک جماعت کے پاس پناہ گزین ہوا اس نے چونکہ اپنی امارت کے زمانے میں بہت سے بے گناہ ملازموں کو قتل کروایا تھا اس لیے مقتولین کے متعلقین نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس بطور تحفہ روانہ کر دیا۔

بقیہ باغی امراء کا حشر

حسام الملک اپنے بھائی رکن الدین کوتوال کے پاس چلا گیا اور وہاں سے دونوں بھائی مالوہ کی طرف بھاگ گئے۔ صفی الملک کو گرفتار کر لیا گیا چونکہ اس کا جرم کچھ زیادہ نہ تھا اس لیے اسے موت کی سزا نہ دی گئی بلکہ عمر بھر کے لیے قلعہ دیپ میں نظر بند کر دیا گیا۔

عماد الملک کی گوشہ نشینی

اس فتح کے بعد عماد الملک نے دنیا کے حالات پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ بے وفا زمانہ کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتا اس سے علیحدگی ہی میں عافیت ہے یہ سوچ کر وہ بادشاہ کی ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ اور اس نے اپنی بقیہ عمر خداوند تعالیٰ کی عبادت میں گزار دی۔ بادشاہ نے عماد الملک کی درخواست منظور کر لی اور اسے وزارت سے سبکدوش کر کے اس کے بڑے بیٹے شہاب الدین احمد "ملک اشرف" کا خطاب دے کر امرائے کبار میں داخل کیا۔

نظام شاہ بہمنی کا خط

نظام شاہ بہمنی والی احمد آباد بیدر نے ۸۶۶ھ میں سلطان محمود شاہ کے نام ایک خط لکھا جس میں یہ درج تھا سلطان محمود خلجی کا دست ظلم طرح طرح کے فتنے بیدار کر رہا ہے اس نے دکن اور اہل دکن کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ آپ کی بلند ہمتی سے پوری توقع ہے کہ آپ دکنیوں کو اپنی امداد و اعانت سے سرفراز کریں گے۔

امراء کا مشورہ

یہ خط پڑھتے ہی سلطان محمود گجراتی نے سفر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اس پر امراء و اراکین سلطنت نے بادشاہ سے عرض کیا "موجودہ وقت انتہائی نازک ہے۔ داؤد شاہ جو ایک ہفتے تک تخت حکومت پر بیٹھ چکا ہے موقعے کا منتظر ہے اور تاک میں لگا ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام ممالک محروسہ ابھی تک پوری طرح ہمارے زیر نگیں نہیں آئے' لہٰذا حضور کا غیروں کی مدد کے لیے پایہ تخت کو چھوڑ کر ایک طویل سفر کے لیے نکلنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

بادشاہ کا جواب

یہ سن کر نوجوان اور پرجوش بادشاہ نے جواب دیا "اگر افلاک اور عناصر آپس میں اختلاط نہ کریں تو عالم آب و خاک و باد و آتش تباہ و برباد ہو جائے اسی طرح اگر تمام انسان آپس میں میل جول نہ رکھیں اور ایک دوسرے کے کام نہ آئیں تو دنیا کے تمام کام رک جائیں۔ میں ایک نیک ارادے سے یعنی اہل دکن کی مدد کرنے کے لیے سفر اختیار کر رہا ہوں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور میری سلطنت تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گی۔"

امراء کا دوسرا مشورہ

یہ سن کر امرائے سلطنت نے کہا "اگر حضور ہر حالت میں اہل دکن کی مدد کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ آپ ایک زبردست فوج مالوہ کی طرف روانہ کر دیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس لشکر کشی سے محمود خلجی حواس باختہ ہو کر دکن سے دست بردار ہو جائے گا اور اپنے ملک کی راہ لے گا۔"

سلطان محمود گجراتی کی روانگی

بادشاہ کو یہ مشورہ بھی پسند نہ آیا اور اس نے امراء کی باتوں کو اہمیت نہ دی اور اپنا لشکر مع پانچ سو قوی ہیکل ہاتھیوں کو لے کر نکل پڑا۔ سلطان محمود شاہ گجراتی بڑی برق رفتاری سے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا ندربار پہنچا۔ دکن کا مشہور و معروف امیر خواجہ کاواں اس مقام پر بادشاہ سے آملا۔ اور بادشاہ سے امداد حاصل کر کے سلطان محمود خلجی کے مقابلے پر روانہ ہوا۔

محمود خلجی کی پریشانی

سلطان محمود خلجی خوف زدہ ہو کر بیدر کی طرف بھاگ گیا اور اس نے دولت آباد کے راستے سے اپنے ملک جانے کا ارادہ کیا لیکن یہ راستہ تو گجراتیوں نے مسدود کر رکھا تھا اس لیے وہ برار کی طرف روانہ ہوا اور ایلچ پور کی طرف سے ہوتا ہوا جنگلوں اور صحراؤں میں سفر کرتا ہوا مالوہ پہنچا۔

اس کے بعد نظام شاہ بہمنی نے اپنا حاجب بھیج کر محمود گجراتی کا شکریہ ادا کیا اور بادشاہ اپنے ملک واپس آ گیا۔

سلطان محمود گجراتی کا عزم دکن

سلطان محمود خلجی نے ۸۶۷ھ میں دوبارہ دکن پر لشکر کشی کی۔ اس بار بھی بہمنی بادشاہ نے محمود گجراتی سے مدد کی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ درخواست منظور کر لی اور دکن کی طرف روانہ ہوا۔ خلجی بادشاہ نے جب گجراتی فرماں روا کی آمد کی خبر سنی تو اس نے صرف دولت آباد تک کے علاقے ہی میں لوٹ مار کی اور بہت سا مال غنیمت لے کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

محمود گجراتی کا خط محمود خلجی کے نام

اس کے بعد گجراتی فرماں روا، بہمنی بادشاہ کی طرف سے ہدیے اور تحفے وصول کر کے اپنے ملک روانہ ہوا۔ وطن پہنچ کر بادشاہ نے محمود خلجی کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا "بغیر کسی وجہ کے مسلمانوں کے ملکوں کو تباہ و برباد کرنا مذہب اسلام کے قوانین کے سراسر منافی ہے، لیکن اگر مذہب اور اخلاق کو نظر انداز کر کے ایسی حرکت کی جائے تو پھر میدان جنگ سے آنکھیں چرا کر بھاگ نکلنا جرات و مردانگی کے خلاف ہے۔"

محمود خلجی کا جواب

سلطان محمود خلجی نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا۔ اگر آپ نے اہل دکن کی مدد کا ارادہ کر لیا ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ

کبھی دکن پر لشکر کشی نہ کروں گا۔"

قلعہ باور اور بندرگاہ دوں پر حملہ

سلطان محمود گجراتی نے ۸۶۹ھ میں قلعہ باور اور بندرگاہ دوں پر جو گجرات اور مالوہ کے درمیان واقع ہیں لشکر کشی کی۔ قلعے کے حاکم نے چند ایک مرتبہ بادشاہ سے لڑائی کی لیکن ہر بار اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخرکار اس نے مجبور ہو کر بادشاہ سے امان طلب کی۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور حاکم قلعہ نے قلعہ سلطان محمود گجراتی کے سپرد کر دیا۔

قلعہ باور کا استحکام

قلعہ باور ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کی واحد عمارت ہے۔ بلندی میں یہ آسمان کے برابر ہے اور استحکام و مضبوطی میں سد سکندری کی مانند ہے۔ یہ قلعہ سلطان محمود گجراتی کے متذکرہ بالا حملے سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں نہ آیا تھا۔ ملک دوں کا راجہ جو ایک ہزار موضعوں کا مالک تھا اس قلعے میں مضبوطی اور بلندی پر بہت زیادہ نازاں تھا اور بڑے سے بڑے دشمن کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس راجہ نے ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ایک زبردست گروہ کو مختلف راستوں پر متعین کر رکھا تھا اور یہ لوگ مسافروں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔

مال غنیمت

سلطان محمود گجراتی نے قلعہ باور کے تمام خزانوں پر قبضہ کر لیا' راجہ کو خلعت عطا فرمایا اور اس کے ملک کی حکومت پھر اس کو بخش دی۔ اس کے بعد بادشاہ بے شمار دولت اور مال غنیمت لے کر گجرات روانہ ہوا اور وطن پہنچ کر رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف ہوا۔ اس نے عمارات تعمیر کرنے اور ملک کی آبادی بڑھانے کی طرف بھی توجہ کی۔

ایک سلحدار کا قتل

۸۷۰ھ میں بادشاہ شکار کھیلنے کے لیے احمد نگر روانہ ہوا راستے میں بہاء الملک بن الف خاں نے بغیر کسی قصور کے ایک سلحدار کو قتل کر دیا اور قصاص کے خوف سے ایدر کی طرف بھاگ گیا۔ بادشاہ کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے ملک حاجی اور عضد الملک کو بہاء الملک کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان دونوں امیروں نے بہاء الملک کی جان بچانے کی خاطر یہ ترکیب کی کہ بہاء الملک کے دو ملازموں کو دولت دے کر اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ دونوں اپنے آپ کو سلحدار کا قاتل تسلیم کریں۔

بے گناہوں کی سزایابی

ان امیروں نے ملازموں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ بادشاہ بہت رحم دل ہے وہ زیادہ بازپرس نہ کرے گا اور تمہیں معاف کر دے گا۔ نیز ان دونوں سے یہ وعدہ بھی کیا کہ امراء ان دونوں کی سفارش کریں گے اور اس طرح انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔ ان ملازموں نے متذکرہ بالا امراء کی رائے پر عمل کیا اور بادشاہ کے سامنے قتل کا اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے علماء سے فتویٰ لے کر ان دونوں کو قتل کروا دیا۔

عماد الملک اور بہاء الملک کا قتل

شکار کھیلنے کے بعد بادشاہ جب اپنے ملک پہنچا تو اس کو سلح دار کے اصل اور جعلی قاتلوں کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ سلطان محمود گجراتی بہت غصے میں آیا اور اس نے باوجود اس کے کہ عماد الملک اور بہاء الملک دونوں ہی بہت نامی گرامی امیر تھے ان دونوں کی کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروا دیا۔

آنحضرت صلعم کی زیارت

۸۷۲ھ میں بادشاہ نے عالم خواب میں حضرت محمد صلعم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت صلعم نے بادشاہ کو اپنے خوان کرم سے

دو طبق مرحمت فرمائے۔ اس مبارک خواب کی تعبیر یہ کی گئی کہ عنقریب بادشاہ کو دو عظیم الشان نعمتیں حاصل ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بادشاہ نے دون اور کرنال کے دو ملک فتح کیے۔

قلعہ کرنال

کرنال کا قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے جو بہت ہی اونچا ہے۔ دہلی کے تمام بادشاہوں اور ہندوستان کے تمام راجاؤں نے اس قلعے کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ سعادت سلطان محمود شاہ گجراتی ہی کے لیے رکھی تھی اور اسی نے اس قلعے کو فتح کیا۔

محل وقوع

جس پہاڑ پر کرنال کا قلعہ واقع ہے اس پہاڑ کے آس پاس بھی کئی پہاڑ ہیں جو قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں میں ان گنت درے ہیں اور ہر درہ کسی نہ کسی نام سے مشہور ہے۔ ان دروں میں سے ایک کا نام درہ موذری ہے جس کے سامنے وہ مضبوط قلعہ ہے جسے آج کل جوناگڑھ کہا جاتا ہے۔ ایک اور مشہور و معروف درہ بھی ہے جسے درہ "مہابلہ" کہا جاتا ہے۔ اس ملک پر راجہ مندلک اور اس کے بزرگ قابض تھے۔ سلطان محمد تغلق اور سلطان احمد شاہ گجراتی کے علاوہ کسی اور بادشاہ نے کرنال کے ملک پر لشکر کشی نہ کی تھی۔

کرنال پر لشکر کشی

سلطان محمود شاہ نے خداوند تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے اور آنحضرت صلعم کے عطیہ مبارک کی تعبیر سے مطمئن ہو کر کرنال کا سفر اختیار کیا۔ جب بادشاہ کرنال سے چالیس کوس دور رہ گیا تو اس نے اپنے خالو تغلق خاں کے مشورے سے اپنی فوج سے سترہ سو تجربہ کار سپاہی منتخب کئے۔ اور اسی قدر عربی، عراقی اور ترکی گھوڑے ساتھ لیے۔ بادشاہ اپنے ان سپاہیوں کے ہمراہ درہ مہابلہ پہنچ گیا۔

درہ مہابلہ میں داخلہ

راجپوتوں کا ایک گروہ جو برادران کے نام سے مشہور تھا درے کی حفاظت پر متعین تھا۔ اس گروہ کے راجپوت گجراتیوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے آئے۔ ان راجپوتوں نے درے کی حفاظت کی بہت کوشش کی لیکن چونکہ انہیں پہلے سے دشمن کی آمد کی خبر نہ تھی اس لیے وہ لڑائی کے وقت پوری طرح تیار نہ تھے۔ سلطان محمود کے لشکر نے بھی بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ راجپوت اس معرکے میں مارے گئے اور گجراتیوں کا لشکر درے میں داخل ہو گیا۔

راجہ کرنال سے جنگ

کرنال کے راجہ کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو وہ شکار کے بہانے سے اپنے لشکر کے ساتھ قلعے سے نیچے اترا اور درہ مہابلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجپوتوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان تعداد میں بہت کم ہیں تو انہوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر لڑائی شروع کر دی، لیکن راجپوتوں کا خیال صحیح نہ تھا کیونکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مسلمانوں کو امداد پہنچتی رہتی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار راجپوت تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔

مندروں کی دولت پر قبضہ

رائے مندلک کی بری حالت ہوئی وہ پریشان ہو کر اپنے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ مسلمانوں نے درہ مہابلہ سے بہت سے قیدیوں کو گرفتار کیا اور پھر یہاں سے کرنال کے حوالی مندروں کی طرف روانہ ہوئے۔ برہمنوں اور راجپوتوں کی اس جماعت نے جوان مندروں کی

حفاظت پر مامور تھی مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے اس جماعت کو اپنی بہادری سے قتل کیا اور مندروں کی تمام دولت پر قبضہ کر لیا۔ اس روز بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے دو تین غیر مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

رائے مندلک کی امان طلبی اور بادشاہ کی واپسی

سلطان محمود شاہ کا ارادہ تھا کہ اطراف کرنال میں بھی فوج روانہ کی جائے لیکن رائے مندلک نے بادشاہ کے اس ارادے سے مطلع ہو کر اپنے کچھ عزیزوں کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور امان طلب کی۔ سلطان محمود نے یہ سوچ کر کہ ان گنت قیدی اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں نے حاصل کر لیا ہے دوسرے یہ کہ گرمی کی شدت اس علاقے میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتی یہی طے کیا کہ اس سال صرف پیش کش ہی پر اکتفا کی جائے لہٰذا وہ اس کے بعد احمد آباد واپس آگیا۔

مندلک پر لشکر کشی

سلطان محمود کو جو مندلک پر لشکر کشی کرنے کے بہانے کی تلاش میں تھا ۸۷۲ھ میں یہ اطلاع ملی کہ مندلک کا راجہ اپنے آپ کو خودمختار فرماں روا سمجھتا ہے اور بادشاہوں کی طرح سر پر تاج مرصع رکھتا ہے تخت پر بیٹھتا ہے نیز بادشاہی کے دوسرے لوازمہ چتر و دورباش وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے۔ سلطان محمود کو راجہ کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری اس نے فوراً چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر مندلک کی طرف روانہ کیا اور اس لشکر کو یہ حکم دیا کہ اگر راجہ بادشاہت کے لوازم یعنی تاج و تخت وغیرہ تمہارے حوالے کر دے تو تم اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کرنا بہ صورت دیگر اس کے ملک کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

راجہ کی اطاعت

راجہ مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر کی آمد کی خبر سن کر بہت پریشان ہوا اس میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ ان مسلمانوں کا مقابلہ کرتا لہٰذا اس نے اطاعت ہی میں عافیت دیکھی۔ مسلمانوں نے راجہ سے جو کچھ طلب کیا راجہ نے بغیر کہے سنے ان کے حوالے کر دیا اور اس طرح اپنی عزت اور جان کی حفاظت کی۔ نظام الدین احمد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے رائے مندلک سے جس قدر بھی مال غنیمت حاصل کیا وہ ایک محفل عیش و طرب میں ارباب نشاط میں تقسیم کر دیا گیا۔

ملک کی آبادی

۸۷۳ ہجری میں بادشاہ نے شکار کے بہانے سے سفر اختیار کیا اور اپنی سلطنت کے کئی شہروں کا معائنہ کیا۔ اسی سال بادشاہ نے اس امر کی طرف بھی توجہ کی کہ اس کے ملک کا کوئی حصہ غیر آباد اور ویران نہ رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا ملک معمور اور آباد ہو گیا۔

ایک مست ہاتھی کا ہنگامہ

۸۷۴ھ کا واقعہ ہے کہ ایک روز سلطان محمود شاہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر باغ ارم کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک دوسرا ہاتھی مستی کے عالم میں اپنی زنجیر تڑوا کر بھاگا اس کی دیکھا دیکھی دوسرے ہاتھی بھی قابو سے نکل گئے۔ مست ہاتھی بھاگتا ہوا بادشاہ کے ہاتھی کے سامنے آیا اور اسے دو تین ٹکریں ماریں۔ بادشاہ کا ہاتھی ایک دم بھاگ نکلا مست ہاتھی نے تعاقب کیا اور بادشاہ کے ہاتھی کو ایک اور ٹکر ماری۔ اس بار بادشاہ کے پاؤں پر چوٹ آئی اور خون بہنے لگ گیا۔

بادشاہ کی بہادری

بادشاہ نے اپنی چوٹ کی بالکل پروا نہ کی اور اپنی فطری بہادری سے کام لے کر مست ہاتھی کی پیشانی پر ایک نیزہ مارا جس سے ہاتھی بری طرح زخمی ہو گیا اس ہاتھی نے تلملا کر ایک اور ٹکر ماری۔ بادشاہ نے اس بار بھی اسے ایک نیزہ رسید کیا ہاتھی نے تیسری بار پھر ٹکر لگائی

اس بار بادشاہ نے بہت زور سے نیزہ مارا ہاتھی اس ضرب سے بہت بے تاب ہوا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ بادشاہ اس کے بعد اپنے محل میں آیا اور اپنی جان کی سلامتی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور صدقہ و خیرات تقسیم کی۔

کرنال اور جونا گڑھ پر حملے کی تیاریاں

اس واقعے کے بعد بادشاہ نے امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کر کے انہیں کرنال اور جونا گڑھ کے قلعوں کو فتح کرنے کا حکم دیا۔ اس مقصد کے لیے بادشاہ نے ایک دن اور ایک رات میں ایک کروڑ روپیہ سپاہیوں میں تقسیم کیا۔ اس کے علاوہ ڈھائی ہزار عربی گھوڑے بھی سپاہیوں کو دیئے نیز پانچ ہزار تلواریں' سات سو مرصع کمربند اور سترہ سو سونے کے دستے والے خنجر بھی بانٹے گئے۔

رائے مندلک کی درخواست

ان تمام عطیات کی تقسیم کے بعد بادشاہ مہم پر روانہ ہوا۔ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کرنال سے ملحق ملک سورت میں پہنچا۔ رائے مندلک نے بادشاہ سے یہ کہا "میں تمام عمر حضور کا مطیع و فرمانبردار رہا ہوں اور کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جو آپ کی مرضی کے خلاف ہو۔ آپ کو اس وقت جس قدر پیش کش کی ضرورت ہو آپ فرمائیں میں حاضر کرنے کو تیار ہوں۔"

رائے مندلک قلعہ جونا گڑھ میں

بادشاہ نے اس کے جواب میں کہا "مجھے کسی پیش کش کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں اس ملک کو فتح کرنا چاہتا ہوں تاکہ مذہب اسلام کو اس علاقے میں پھیلایا جا سکے۔" یہ جواب پا کر اور مسلمانوں کے لشکر کا اندازہ کر کے رائے مندلک راتوں رات فرار ہو گیا اور جونا گڑھ کے قلعے میں جو راستے میں واقع ہے پناہ گزیں ہوا۔

راجپوتوں سے لڑائیاں

دوسرے روز بادشاہ نے اس مقام سے کوچ کیا اور جونا گڑھ کے قلعے کے نواح میں قیام کیا۔ سلطان محمود شاہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ قلعے کے قریب روانہ کیا۔ راجپوتوں نے حصار سے باہر نکل کر مسلمانوں سے جنگ کی لیکن شکست کھا کر پھر قلعے کے اندر چلے گئے دوسرے روز پھر معرکہ آرائی ہوئی اس میں بھی مسلمانوں نے راجپوتوں کو شکست دی۔

قلعہ کشائی کی تدبیر

تیسرے روز بادشاہ نے خود حملہ کیا صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی' چوتھے روز بادشاہ کی بارگاہ قلعے کے قریب نصب کی گئی اور مسلمانوں نے قلعہ کشائی کا تمام سامان درست کیا۔ راجپوت مسلمانوں سے لڑنے کے لیے قلعے سے بار بار باہر نکلتے اور شکست کھا کر پھر اندر چلے جاتے۔ ایک روز لڑائی میں راجپوتوں نے عالم خاں فاروقی کے مورچے پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔

جونا گڑھ کے قلعے کی فتح

یہ محاصرہ سال کے آخر تک جاری رہا۔ اس وجہ سے رائے مندلک سخت پریشان ہوا' تکالیف سے عاجز آ کر راجہ نے سلطان محمود سے صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ نے اس درخواست کو رد کر دیا ۸۷۵ھ کے شروع میں راجہ نے بادشاہ سے امان طلب کی اور جونا گڑھ کا قلعہ بادشاہ کے سپرد کر کے کرنال کے قلعے میں چلا گیا۔

بادشاہ کا عزم کرنال

اس واقعے کے بعد راجپوتوں نے ایذا رسانی کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور چوری کرنے اور ڈاکے ڈالنے شروع کیے یہ عالم دیکھ کر بادشاہ سخت غصے میں آیا۔ اس نے لشکر کے ایک حصے کو تو قلعہ جونا گڑھ پر متعین کیا اور بقیہ حصے کے ساتھ کرنال کی طرف روانہ ہوا۔

قلعہ کرنال پر قبضہ

کرنال پہنچتے ہی بادشاہ نے لڑائی شروع کر دی۔ رائے مندلک نے اس بار بھی محاصرے کی تکالیف سے تنگ آکر قلعہ کرنال بادشاہ کے سپرد کر دیا۔ قصہ مختصر کہ یہ قلعہ جو ایک ہزار سالوں سے رائے مندلک کے خاندان کے زیر حکومت چلا آ رہا تھا سلطان محمود کے قبضے میں آگیا۔

رائے مندلک کی عاجزی

بادشاہ نے اپنے مشہور و معروف ہم نام فرماں روا کی تقلید کی اور بے شمار بتوں اور مندروں کو توڑ کر غازی و مجاہد کے نام سے مشہور ہوا۔ ان واقعات کے بعد رائے مندلک نے حکمرانی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے متعلقین کی جماعت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی بارگاہ میں ملازمت کی درخواست کی۔

قبولیت اسلام

رائے مندلک بادشاہ کی اچھی عادتوں سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ بادشاہ بہت ہی حلیم الطبع ہے لہٰذا اس نے سلطان محمود سے کہا "پنجاب کے مشہور و معروف ولی کامل حضرت شمس الدین درویشؒ کی محبت کی برکت سے میرے دل میں اسلام کی محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے لہٰذا میرا دل چاہتا ہے کہ میں مشرف بہ اسلام ہو جاؤں" یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اس نے رائے مندلک کو کلمہ شہادت کی تلقین کی اور اسے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔

رائے مندلک کے مسلمان ہونے کی دوسری روایت

بادشاہ نے رائے مندلک کو خان جہاں کا خطاب دے کر اپنے امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔ رائے مندلک کی اولاد گجرات کی حکومت کے آخر تک معزز و مکرم رہی۔ تاریخ گجرات کا مصنف شیخ سکندر بیان کرتا ہے کہ بعض لوگوں نے رائے مندلک کے مشرف بہ اسلام ہونے کی روایت یوں بیان کی ہے کہ بادشاہ نے رائے مندلک کو اپنے ملازمین میں داخل کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر احمد آباد روانہ ہوا۔ راستے میں بادشاہ حضرت شاہ عالمؒ کے وطن اور آستانہ مبارک رسول آباد سے گزرا۔

حضرت شاہ عالمؒ

حضرت شاہ عالم کے آستانے پر ان گنت لوگ تھے راجہ نے یہ ہجوم دیکھا اور دریافت کیا کہ "یہ کس امیر کی بارگاہ ہے" مسلمانوں نے جواب دیا کہ "یہ کسی امیر کی بارگاہ نہیں بلکہ حضرت شاہ عالم کا آستانہ مبارک ہے" راجہ نے پھر یہ سوال کیا "یہ بزرگ کس بادشاہ کے ملازم اور کس فرماں روا کے حلقہ بگوش ہیں؟" مسلمانوں نے راجہ کو بتایا کہ "حضرت شاہ عالم کا کسی دنیاوی بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ خداوند تعالیٰ ہی کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور اسی کے ملازم اور حلقہ بگوش ہیں" یہ سن کر رائے مندلک کو ان بزرگ کی زیارت کا اشتیاق ہوا۔

حضرت شاہ عالمؒ کا فیضان

بادشاہ کچھ دیر کے لیے اس مقام پر ٹھہرا اور راجہ کو ساتھ لے کر حضرت شاہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان بزرگ کے مقدس چہرے پر نظر پڑتے ہی رائے مندلک کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ وہ حضرت شیخ صاحبؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا اور ان کے مریدوں میں داخل ہو گیا۔

مصطفیٰ آباد کا سنگ بنیاد

سلطان محمود شاہ نے اس خیال سے کہ اس علاقے میں اسلام کا نام اونچا ہو مصطفیٰ آباد کے نام سے ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ بادشاہ نے بہت سی بلند عمارات اور مساجد تعمیر کروائیں۔ اور امراء کو بھی حکم دیا کہ وہ اس شہر میں اپنے مکانات تعمیر کروائیں اس حکم شاہی کی فوراً

تعمیل شروع ہو گئی اور بہت جلد یہ شہر آباد ہو گیا۔

احمد آباد کے نواح میں بدامنی

بادشاہ اور امراء مصطفیٰ آباد میں رہنے لگے تو چوروں اور ڈاکوؤں نے احمد آباد کے نواح میں سر اٹھایا اور رعایا کو لوٹنے مارنے لگے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسافروں کا راستہ طے کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ بادشاہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے لشکر کے کوتوال اور سلاح خانے کے محافظ ملک جلال الدین بن شیخ ملک کو "محافظ خاں" کا خطاب عنایت کر کے احمد آباد کا کوتوال مقرر کیا۔

محافظ خاں کی ترقی

محافظ خاں نے بہت تھوڑے عرصے میں اس علاقے کے چوروں اور ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگا دیا اور ملک کو ان بدکرداروں کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔ بادشاہ نے محافظ خاں کی اس مستعدی اور خدمت کو بہت سراہا اور اسے کوتوال کے علاوہ شہر کا صدری سب بھی مقرر کر دیا۔ اس امیر نے بہت جلد ترقی کے مراحل طے کیے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا جب کہ اس کے اصطبل میں ایک ہزار سات سو گھوڑے بندھنے لگے اور اس کے بیٹے ملک خضر نے راجہ سروہی اور دوسرے راجاؤں سے پیش کش وصول کیں۔

کچھ کے ملحدوں کی سرکوبی

جس زمانے میں بادشاہ مصطفےٰ آباد میں مقیم تھا اسے معلوم ہوا کہ مچھیروں کی ایک جماعت جو سندھ کی سرحد یعنی کچھ میں آباد تھی اس نے رہزنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ اور لوگوں کو سخت مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماعت کے افراد ملحد ہیں۔ ۸۷۹ھ میں بادشاہ نے اس قوم پر حملہ کیا اور شور نامی ایک مقام پر پہنچا۔

کافروں کی پریشانی

سلطان محمود نے صرف ایک دن اور ایک رات میں ساٹھ کوس کی مسافت طے کی اور چھ سو (۶۰۰) سواروں کے ہمراہ مچھیوں کے سر پر جا پہنچا۔ کچھی چار ہزار بیس کمان داروں کی ایک جماعت کے ساتھ مقابلے پر آئے۔ دشمن کو آتا دیکھ کر بادشاہ نے حملے کی تیاری کی اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لیکن کافروں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہوں نے معرکہ آرائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ کافروں کے سردار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر بادشاہ سے معافی کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی کوئی ایسا جرم نہ کریں گے۔

کچھ کے لوگوں کا عقیدہ

بادشاہ نے ان لوگوں کا قصور معاف کر دیا اور ان سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے اور تم کس عقیدے کے قائل ہو؟ ان لوگوں کے سرداروں نے جواب دیا" ہم صحرائی اور خانہ بدوش قوم کے افراد ہیں۔ ہماری قوم میں کوئی دانش مند اور عالی فکر انسان نہیں ہے۔ ہماری پہنچ صرف عناصر اربعہ اور آسمان تک ہے اور ہمیں کھانے پینے کے علاوہ کسی اور شے سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے اس لیے ہمیں توقع ہے کہ آپ کے توسط سے ہم یہ جان سکیں گے کہ ہمارا حقیقی مالک کون ہے؟ بادشاہ نے ان لوگوں کا قصور معاف کر دیا اور ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے کر احمد آباد آیا۔

ملک سندھیہ

احمد آباد پہنچ کر بادشاہ نے سرداران شور کو مسلمان علماء کے سپرد کیا اور یہ حکم دیا کہ ان سرداران کو حنفی مذہب کے مطابق اسلام کی تعلیم دی جائے۔ ان سرداروں کی وجہ سے ان کی قوم کے اکثر افراد مصطفےٰ آباد میں آنے جانے لگے۔ انہیں لوگوں سے بادشاہ کو یہ معلوم ہوا

کہ ملک شور کے عقب میں ایک اور ملک بھی آباد ہے جسے "سندھیہ" کہتے ہیں اس ملک کا بادشاہ عام طور پر "بادشاہ سندھیہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سندھیہ میں چار ہزار گھر آباد ہیں یہ سب لوگ بلوچی ہیں۔ اس قوم کے چار ہزار افراد جو کمان داری میں بڑی مہارت رکھتے ہیں خلقت خدا کو ہمیشہ نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

سندھیہ کے بلوچی

اہل شور نے سلطان محمود شاہ کو یہ بھی بتایا کہ بلوچی امامیہ مذہب کے پیرو ہیں اور انہیں کی تقلید میں مچھیروں نے بھی امامیہ مذہب اختیار کر لیا ہے بلوچیوں کی گزر اوقات کا ذریعہ رہزنی ہے۔

بلوچیوں پر لشکر کشی

۸۸۰ھ میں سلطان محمود نے ان سرکش بلوچیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے سندھیہ کا سفر اختیار کیا۔ اتفاق سے کچھ بلوچی اپنے اونٹوں کو چرانے کے لیے جنگل میں آئے ہوئے تھے۔ انہیں سلطان محمود کی آمد کی اطلاع ہو گئی ان میں سے ایک شتر سوار نے فوراً اپنی قوم کو مسلمانوں کی آمد سے مطلع کر دیا۔ بادشاہ کا نام سنتے ہی یہ لوگ اپنے مکانوں سے نکل کر غاروں اور پہاڑوں کے دروں میں روپوش ہو گئے۔

بلوچیوں کا قتل

اس واقعہ کے دوسرے روز بادشاہ نے بلوچیوں کے مکانوں پر حملہ کیا لیکن وہاں کسی انسان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ اتفاق سے چند بلوچ سوار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان سے بادشاہ نے یہ معلوم کر لیا کہ بلوچی کہاں روپوش ہوئے ہیں اس کے بعد بادشاہ نے روپوش بلوچیوں کا سراغ لگا لیا اور ان کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

سندھیہ پر مستقل قبضے کی تجویز

جب بادشاہ واپسی کے لیے تیار ہوا تو چند اراکین سلطنت نے بادشاہ سے عرض کیا ہم نے بڑی محنت کے بعد اس ملک کے دشمنوں کو مغلوب کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس ملک میں اپنی جانب سے حاکم اور داروغہ مقرر کریں اور پھر واپس ہوں۔" بادشاہ نے اس کے جواب میں کہا۔ "مخدومہ جہاں سندھیہ کے بادشاہوں کی نسل سے ہیں اس لیے عفو و رحم سے کام لینا میرا فرض ہے پس اس ملک پر مالکانہ تصرف مجھے زیب نہیں دیتا اور نہ میں ایسا کرنا پسند کرتا ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ واپس مصطفیٰ آباد آ گیا۔

اہل جگت کی فتنہ پردازیاں

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ بندرگاہ جگت میں بہت سے بت پرست آباد ہیں اور اس ملک کے سارے باشندے خاص طور پر برہمن بے حد متعصب ہیں۔ بادشاہ اس ملک پر لشکر کشی کرنا ہی چاہتا تھا کہ اسی زمانے میں مولانا محمد سمرقندی جو اپنے زمانے کے ایک زبردست عالم اور بہمنی دربار میں ایک عرصے تک بہت نمایاں اور ممتاز مقام پر رہ چکے تھے۔ بڑھاپے کے زمانے میں اپنے متعلقین اور اسباب کے ساتھ اپنے وطن ہرموز روانہ ہوئے۔ جب مولانا کی کشتی بندرگاہ جگت پر پہنچی تو وہاں کے باشندوں نے برہمنوں کی ترغیب سے کشتی پر حملہ کیا اور مولانا کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

مولانا محمد سمرقندی کا بیان

مولانا محمد سمرقندی نہایت بدحالی کے عالم میں اپنے دو خورد سال لڑکوں کے ساتھ مصطفیٰ آباد میں آئے اور انہوں نے شاہی بارگاہ میں پہنچ کر کہا۔ "میں اپنا تھوڑا بہت سامان لے کر سمرقند جا رہا تھا میرے ساتھ میرے متعلقین اور دیگر مسلمانوں کی بھی ایک جماعت تھی۔ جب میری کشتی بندرگاہ جگت پر پہنچی تو اس مقام کے ہندو راجہ بھیر نے برہمنوں کے کہنے پر ہماری تباہی و بربادی کا ارادہ کیا۔ اور ہندوؤں کی

ایک جماعت کو چند کشتیوں پر سوار کر کے ہمارے پاس بھیجا۔ ہندوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا اور چند لمحوں ہی میں ہمارے تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے تمام بیوی بچوں کو انہوں نے قید کر لیا میرے ساتھ جو دو بچے ہیں ان کی والدہ بھی ہندوؤں کی قید میں ہے۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ آپ جیسے متقی اور دیندار بادشاہ کے جوار میں مسلمانوں پر ایسے مظالم ہوں۔"

امراء سے مشورہ

یہ سن کر بادشاہ نے مولانا کو تو احمد آباد روانہ کر دیا اور اسی وقت اپنا دربار منعقد کیا اور اپنے امراء اور اراکین سلطنت کو مخاطب کر کے کہا "کیا یہ امر جائز ہے کہ مسلمان فرماں روا کے جوار میں سنگ دل اور ظالم لوگ مسلمانوں پر سختیاں کریں۔ اگر قیامت کے روز خداوند تعالیٰ نے اس بارے میں ہم سے سوال کیا کہ باوجود علم و اطلاع کے تم نے اس ظلم و ستم سے ہمسایہ ملک کے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے کیا کچھ تدبیریں کیں تو ہم کیا جواب دیں گے۔"

جگت پر لشکر کشی

اس کے بعد بادشاہ نے سفر کی تیاریاں کیں اور قلعہ جگت پہنچ کر تکبیر کی آوازوں سے کافروں کو پریشان کر دیا۔ سلطان محمود نے جگت میں قیام کر کے ہندوؤں سے انتقام لینے کی طرف توجہ کی۔

موذی جانوروں کی کثرت

اس علاقے میں چونکہ موذی اور خونخوار جانور بکثرت پائے جاتے تھے اس لیے بہت سے ایسے جانوروں کو ہلاک کیا ایسے موذیوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ صرف شاہی سرپردہ کے قریب ہی ایک پہر میں سات سو سانپ ہلاک کیے گئے۔ اسی طرح دوسرے جانور بہت بڑی تعداد میں مارے گئے۔

غیر مسلموں کا قتل عام

بادشاہ نے جگت کے مندر کو منہدم کر کے اس کی جگہ ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اور اس کے نواح میں مقیم رہا' اس قیام کے دوران میں بہت سی کشتیاں تیار کی گئیں۔ ان کشتیوں کے ذریعہ لشکر و سامان جنگ کو لے کر بادشاہ جزیرہ تبت کی طرف روانہ ہوا۔ گجراتیوں اور غیر مسلموں میں بائیس مرتبہ لڑائی ہوئی' آخر کار مسلمانوں نے اپنے جہازوں کو بندرگاہ پر لنگر انداز کیا اور جزیرے میں داخل ہو کر بے شمار غیر مسلموں کو قتل کیا۔

راجہ کی گرفتاری اور بادشاہ کی واپسی

سلطان محمود نے اپنے ایک مشہور و معروف امیر فرحت الملک کو تبت کا حاکم مقرر کیا۔ اسی دوران میں مسلمانوں نے راجہ کو گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ اس فتح پر بادشاہ نے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا اور واپس مصطفیٰ آباد آیا۔

راجہ کا حشر

مصطفےٰ آباد پہنچ کر بادشاہ نے ایک فرمان کے ذریعہ مولانا سمرقندی کو احمد آباد سے طلب کیا اور ان کی زوجہ اور راجہ کو ان کے سپرد کر کے کہا کہ وہ جو سلوک چاہیں راجہ سے کریں۔ مولانا چونکہ راجہ سے بہت زیادہ نالاں تھے اس لیے انہوں نے کہا کہ "راجہ کو محافظ خاں کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ سارے شہر میں گشت کرا کے قتل کر دے چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔"

کرنال کے نظم و نسق کی طرف توجہ

کہا جاتا ہے کہ جن دنوں سلطان محمود شاہ مصطفیٰ آباد کی تعمیر میں مصروف تھا۔ گجراتی اس وجہ سے بڑے پریشان ہوئے کہ ہر سال انہیں

کہیں نہ کہیں معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے اور یوں احمد آباد سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا اس وجہ سے پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کرے۔ سلطان محمود کو اس کی خبر ہو گئی اس نے ممالک محروسہ کا تمام انتظام اپنے امیروں کے سپرد کیا اور خود ملک کرنال کے استحکام اور نظم و نسق میں مصروف ہوا۔

نئی تقرریاں

بادشاہ نے بہاء الدین عماد الملک کو سونگھر کا حاکم' فرحت الملک کو تبت اور جگت کا اور نظام الملک کو مانیر کا حاکم مقرر کیا۔ بادشاہ نے خداوند خاں کو جو وزیر الممالک تھا شہزادہ مظفر خاں کا اتالیق مقرر کیا اور اسے احمد آباد ہی میں چھوڑا اور خود امراء کی ایک جماعت کے ساتھ مصطفیٰ آباد پہنچا۔ اس شہر میں بادشاہ نے باغات لگوانے اور عمارات تعمیر کرنے کی طرف بہت توجہ کی۔

امراء کی سازش

ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ احمد آباد کے امیروں نے سازشیں شروع کر دیں خداوند خاں اور رائے رایاں وغیرہ نے یہ سازش کی کہ سلطان محمود شاہ کو معزول کر کے شہزادہ احمد کو تخت پر بٹھایا جائے۔ ان سازشیوں نے عید الفطر کے بہانے سے عماد الملک اور دوسرے اراکین سلطنت کو احمد نگر میں بلایا۔ عماد الملک کو (راز فاش نہ کرنے کی قسم لے کر) سازش کی تفصیل سے آگاہ کر کے ہم راز بنایا گیا۔ عماد الملک کا لشکر ان دنوں تھانہ میں تھا اسے احمد آباد طلب کر لیا گیا اور شہزادہ احمد کی تخت نشینی کو عید الفطر کے روز تک ملتوی کر دیا گیا۔

عماد الملک کی کارروائی

عماد الملک کے تمام ساتھی عید سے پہلے ہی حاضر ہو گئے۔ عید کے روز عماد الملک نے اپنی فوج کو مرتب و منظم کیا اور شہزادے ۔ دربار میں حاضر ہوا اور اسے قدیم رسم کے مطابق نماز کے لیے باہر لایا۔ نماز پڑھنے کے بعد عماد الملک' شہزادہ مظفر شاہ کو محل کے اند واپس لے گیا۔ خداوند خاں اور اس کے ساتھی عماد الملک کی نیت کو بھانپ گئے لیکن زبان سے کسی نے کچھ نہ کہا۔

امراء کا امتحان

بادشاہ کے ایک مقرب امیر قیصر خاں نے ان سازشی امراء کے ارادوں سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ سلطان محمود شاہ نے اس اطلاع کی اصلیت کو پہنچنے اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون میرا دشمن ہے اور کون دوست اپنے امیروں سے یہ کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ حج بیت اللہ کے لیے سفر اختیار کروں اس سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی نے بادشاہ کی رائے کی تائید کی تو اس کی دشمنی کھل جائے گی۔ سلطان محمود نے عمال کو چند لاکھ تنکے عطا کیے اور ان کو حکم دیا کہ سفر کے لیے ضرورت کا سامان خریدا جائے اس کے بعد بادشاہ مصطفیٰ آباد سے کوکبہ روانہ ہوا اور بذریعہ کشتی کنبایت پہنچ گیا۔"

بادشاہ کا خیال

اہل احمد آباد کو بادشاہ کی آمد کی خبر ملی تمام امراء شہزادے کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک روز سلطان محمود شاہ نے جب کہ تمام امراء موجود تھے کہا خدا کے فضل و کرم سے اب شہزادہ جوان ہو چکا ہے اسے دنیا کا کچھ تجربہ بھی ہو گیا ہے۔ امراء بھی اس کی ہر طرح سے خدمت کرنے کو تیار ہیں اس لیے میرا ارادہ ہے کہ حکومت کا تمام انتظام شہزادے کے سپرد کر دوں اور خود حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کروں۔"

عماد الملک کی رائے

اس موقع پر عماد الملک نے بادشاہ سے عرض کیا صرف ایک مرتبہ حضور احمد آباد تشریف لے چلیں اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں۔"

یہ سن کر سلطان محمود یہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ بادشاہ شہر احمد آباد میں پہنچا اس نے ایک روز امراء کو طلب کر کے ان سے کہا۔ "جب تک تم مجھ کو حج کی اجازت نہ دو گے میں کھانا نہ کھاؤں گا۔"

بادشاہ اور عماد الملک کی گفتگو

تمام امراء سمجھتے تھے کہ یہ بات بادشاہ نے محض آزمانے کے لیے کہی ہے اس لیے وہ خاموش رہے البتہ عماد الملک نے اس قدر کہا۔ "آپ کے خادم کا بیٹا اب خدا کے فضل سے جوان ہو گیا ہے لہٰذا اس کو میرا عہدہ عطا کیا جائے اور مجھے یہ اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں آپ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کروں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "تمہارا یہ خیال بہت عمدہ ہے تم میرے ساتھ ضرور چلو لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ ملکی معاملات کے سلسلے میں تمہارا یہاں ٹھہرنا بھی لازمی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہیں رہو۔"

نظام الملک کی رائے

اس کے بعد عماد الملک کے اشارے سے نظام الملک نے (جو امیر کبیر تھا) بادشاہ سے عرض کیا۔ "بہتر یہ ہو گا کہ حضور سب سے پہلے اہل حرم اور خزانے کی حفاظت کے لیے جنانیر کا قلعہ فتح کر لیں اس کے بعد حج کے لیے تشریف لے جائیں۔" اس پر بادشاہ نے کہا۔ "انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا" اس کے بعد کھانے کا وقت آ گیا اور بادشاہ نے خاصہ تناول فرمایا۔

افشائے راز

بادشاہ نے جان بوجھ کر چند روز تک عماد الملک سے کوئی بات نہ کی۔ عماد الملک نے ایک روز تنہائی میں بادشاہ سے عرض کیا بندہ بالکل بے گناہ ہے اس عتاب و عذاب کی وجہ کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا۔ جب تک تم تمام باتیں مجھ سے بیان نہ کرو گے میں تم سے صاف نہ ہوں گا۔ عماد الملک نے جواب دیا اگرچہ میں نے راز افشا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے لیکن اب چونکہ مجبوری آ پڑی ہے اس لیے آپ سے صاف صاف بیان کرتا ہوں۔ اصل حقیقت وہی ہے جو آپ نے مصطفیٰ آباد میں سنی ہے۔

کبوتر یا خداوند خاں

یہ سن کر بادشاہ نے بہت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور خداوند خاں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی البتہ اس قدر ضرور کیا کہ اپنے ایک کبوتر کا نام "خداوند خاں" رکھ دیا تاکہ خداوند خاں کی دل آزاری ہو۔

بادشاہ کا عزم پٹن

اس واقعہ کے بعد بادشاہ پٹن روانہ ہو گیا اور وہاں سے عماد الملک اور قیصر خاں کو جالور اور ساجور کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

قیصر خاں کا قتل

یہ دونوں امراء بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے شیخ حاجی رجب کی تربت کے قریب مقیم ہوئے۔ چونکہ خداوند خاں کے زوال کا زمانہ آ چکا تھا اس لیے اس کا بیٹا مجاہد خاں اپنے خالہ زاد بھائی صاحب خاں کے ساتھ رات کے وقت قیصر خاں کے سراپردہ کے قریب آیا اور اسے قتل کر دیا۔

خداوند خاں کی گرفتاری

بادشاہ نے یہ سمجھا کہ قیصر خاں کو اس کے پرانے دشمن اژدر خاں نے قتل کیا ہے۔ لہٰذا اس نے اژدر خاں کو پابہ زنجیر کر کے ایک قید خانے میں ڈال دیا۔ حسن اتفاق سے صاحب خاں اور مجاہد خاں خوف زدہ ہو کر فرار ہو گئے ان کی اس حرکت سے اژدر خاں کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ بادشاہ نے اژدر خاں کو رہا کر دیا اور اس کی جگہ خداوند خاں کو قید کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ احمد آباد واپس آ گیا۔

عماد الملک کا انتقال

انہیں دنوں عماد الملک بیمار پڑا اور کچھ عرصے کے بعد اس نے سفر آخرت اختیار کیا- بادشاہ نے مرحوم کے بیٹے اختیار الملک کو باپ کا جانشین مقرر کیا- اختیار الملک نے تھوڑے سے عرصے ہی میں بہت اقتدار حاصل کر لیا اور ہر خاص و عام میں مقبول ہو گیا- ان واقعات کے بعد بادشاہ مصطفیٰ آباد واپس آ گیا اور ایک عرصے تک یہیں مقیم رہا-

جنانیر کی فتح کا ارادہ

رجب ۸۷۰ھ میں بادشاہ نے امراء کی ایک جماعت کو احمد آباد ہی میں چھوڑ کر خود جنانیر کو فتح کرنے کے لیے سفر کرنے کا ارادہ کیا بادشاہ کوچ کرنے ہی والا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ مالا بار کے باشندوں نے بہت سی کشتیاں جمع کر لی ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ دریا کے راستے سے سفر کرنے والے باشندوں کو لوٹا جائے-

مالا باریوں کی سرزنش

یہ سن کر بادشاہ نے فی الحال جنانیر کی فتح کا ارادہ ترک کیا اور ہنگامہ پرور مالا باریوں کی سرزنش کے لیے روانہ ہوا- سلطان محمود نے چند جہاز فراہم کیے اور ان میں لشکر اور سامان جنگ لے کر دشمن کے سر پر جا پہنچا- مالا باریوں نے جب بادشاہ کو دیکھا تو وہ حواس باختہ ہو گئے ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بادشاہ کا مقابلہ کرتے لہٰذا انہوں نے راہ فرار اختیار کی- بادشاہ نے ان کی چند کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر کنبایت آ گیا-

قحط

سلطان محمود گجرات واپس آ گیا- اسی سال ملک میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زبردست قحط پڑا' ان گنت لوگ ہلاک ہوئے اور چاروں طرف ابتری پھیل گئی-

قلعہ جنانیر

یکم ماہ ذی قعدہ کو بادشاہ نے جنانیر پر حملہ کرنے کی تیاری کی- یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے اور بہت ہی مضبوط اور بلند ہے- جس پہاڑ پر یہ قلعہ واقع ہے- اسی کے ساتھ ایک اور پہاڑ ہے جو پہلے پہاڑ سے بھی بہت اونچا ہے- اس دوسرے پہاڑ پر چونے اور پتھر سے ایک مضبوط فصیل تیار کی گئی ہے اور اس فصیل میں مستحکم اور دل کش برج تعمیر کیے گئے ہیں- ان دونوں قلعوں کا حاکم رائے بنا ہی تھا- جس کے خاندان میں اس قلعے کی حکومت ایک عرصہ دراز سے چلی آ رہی تھی اس خاندان کے راجاؤں کی ملازمت میں ساٹھ ہزار راجپوت سوار اور پیادے تھے- اس وجہ سے یہ راجے بڑے ہی متکبر اور مغرور تھے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے-

جنانیر پر لشکر کشی

جب حکومت راجہ بناہی کے ہاتھ میں آئی تو اس نے اہالی رسول آباد میں جو گجرات کے ملحقات میں سے ہے سخت طوفان بد تمیزی برپا کیا اور بہت سے مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا- جب سلطان محمود جنانیر پر قبضہ کرنے کے خیال سے قصبہ بڑودہ میں پہنچا تو راجہ بناہی کو اپنی حرکتوں پر ندامت ہوئی اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں قاصد بھیج کر نہایت عاجزی و انکساری کا اظہار کیا اور صلح کی درخواست کی- نیز پیش کش حاضر کرنے کا وعدہ کیا-

راجپوتوں سے لڑائیاں

سلطان محمود نے راجہ کی درخواست رد کر دی- عضد الملک اور تاج خاں آگے آگے روانہ ہوا اور ۷/ صفر ۸۸۸ھ کو پہاڑ کے دامن

میں پہنچ کر قیام پذیر ہو گئے۔ ہر روز راجپوتوں کی ایک جماعت قلعے سے نکل کر گجراتیوں سے لڑائی کرتی اور پھر قلعے میں پناہ گزین ہو جاتی۔ اس دوران میں بادشاہ خود بھی قصبہ بڑودہ سے روانہ ہو کر جلد از جلد جناتیر جا پہنچا اور وہاں سے موضع کریاری میں چلا گیا جو مالوہ کے راستے میں واقع ہے۔

صلح کی درخواست

رائے بناہی نے دوبارہ اپنے قاصدوں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا بہت سے گراں قدر تحفے پیش کر کے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ بادشاہ نے اس بار بھی راجہ کی درخواست رد کر دی۔ راجہ نے مجبور ہو کر اپنے لشکر کو جمع کیا۔ دوسرے راجاؤں سے بھی مدد طلب کی اور ساٹھ ہزار سواروں اور بہادروں کی جمعیت لے کر قلعے سے نیچے اترا اور سلطان محمود کے مقابلے پر آیا۔

راجہ کی شکست اور قلعے میں پناہ گزینی

فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ کو شکست ہوئی اور وہ دس بارہ ہزار راجپوتوں کو ساتھ لے کر قلعے میں دوبارہ پناہ گزین ہو گیا۔ سلطان محمود قلعے کے پاس ہی مقیم ہوا۔ اس نے قلعے کی نوعیت اور جنگ کے دوسرے بہت سے پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور سرداران لشکر کو مناسب مقامات پر متعین کر کے خود موضع کریاری میں واپس آ گیا۔ بادشاہ نے سید بدر کو راستے کی حفاظت اور رسد رسانی کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔

سید بدر کا قتل

سید بدر ایک روز رسد لے کر جا رہا تھا کہ راجپوتوں نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ جو سید بدر کے ساتھ تھا اسے بھی تلوار کے گھاٹ اتارا گیا اور راجپوت تمام سامان لوٹ کر لے گئے۔ بادشاہ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ بہت غصے میں آیا اور جناتیر کے قلعے کو فتح کرنے کے لیے پہلے سے بھی زیادہ مستعد ہو گیا۔

قلعے کا محاصرہ اور ساباط کی تیاری کا حکم

اس دوران میں تمام مورچل تیار ہو چکے تھے اس لیے قلعے کا محاصرہ بہت اچھی طرح کر لیا تھا۔ بادشاہ نے خود بھی قلعے کے قریب ہی قیام کیا اور یہ حکم دیا کہ قلعہ کے چاروں طرف ساباط تیار کی جائیں یہ صورت حال دیکھ کر راجہ نباہی سخت پریشان ہوا۔ اس نے اپنے وزیر جنگ کو سلطان غیاث الدین خلجی کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے مدد کی درخواست کی اور ہر منزل کے اخراجات کے لیے ایک لاکھ تنکہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

غیاث الدین خلجی سے جنگ کرنے کا ارادہ

سلطان غیاث الدین خلجی نے اپنا لشکر جمع کیا اور نعلچہ میں فروکش ہوا۔ سلطان محمود کو اس امر کی اطلاع ہو گئی اور اس نے اپنے امیروں کو جا بجا مقیم کر کے بذات خود سلطان خلجی سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے قصبہ دلور جا پہنچا وہاں پہنچ کر بادشاہ کو پتہ چلا کہ سلطان غیاث الدین خلجی نے ایک روز عالموں فاضلوں سے پوچھا کہ "اگر کوئی مسلمان بادشاہ کسی ہندو راجہ پر لشکر کشی کرے تو کیا ایسی صورت میں حملہ آور کے خلاف لشکر کشی کرنا اور ہندو راجہ کی مدد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔"

سلطان خلجی کی واپسی

علماء نے سلطان خلجی کو بتایا کہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا مذہباً ناجائز ہے۔ سلطان خلجی نے مذہبی حکم کے مطابق فوراً راجہ نباہی کی مدد کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے ملک واپس چلا گیا۔

مسجد کی تعمیر

یہ واقعہ سن کر سلطان محمود بہت خوش ہوا اور جنانیر واپس آ گیا۔ قلعے کی فتح سے پہلے ہی بادشاہ نے اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کی۔ بادشاہ کے اس اقدام سے تمام لشکریوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ جب تک قلعہ فتح نہ ہو گا بادشاہ اس ملک سے واپس نہ جائے گا۔ لشکریوں نے ساباط تعمیر کرنے اور اہل قلعہ کو تکالیف پہنچانے کا کام بڑی مستعدی سے شروع کر دیا۔

ساباطوں کی تیاری

سب سے پہلے بادشاہ اور اس کے ایک خاص غلام ایاز سلطانی کی ساباطیں تیار ہوئیں۔ ایک دن گجراتی سپاہیوں نے ساباطوں سے یہ دیکھا کہ صبح کے وقت ہندوؤں کی بیشتر تعداد غسل اور مسواک کرنے کے لیے باہر چلی جاتی ہے اور مورچل میں سپاہیوں کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔

ہندوؤں کا قتل

لشکریوں نے بادشاہ کو جب اس حقیقت سے آگاہ کیا بادشاہ نے حکم دیا کہ۔ ''مسلمانوں کی فوج کا ایک حصہ' صبح کے وقت قلعے کے اندر داخل ہو جائے' ممکن ہے اسی تدبیر سے قلعہ فتح ہو جائے۔ مسلمان سپاہیوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور قوام الملک سرجاندار کی نگرانی میں قلعے میں داخل ہو کر ہندوؤں کی ایک اچھی خاصی جماعت کو قتل کیا۔

معرکہ آرائی اور ہندوؤں کی پسپائی

راجپوتوں کو اس واقعے کی اطلاع ہو گئی انہوں نے بھی جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اس معرکہ آرائی میں مسلمان غالب آئے اور انہوں نے راجپوتوں کو حصار کے دوسرے دروازے تک پسپا کر دیا۔

ایاز سلطانی کی مستعدی

اتفاق کی بات ہے کہ اس واقعے سے صرف چند روز پہلے ہندوؤں نے ایک بہت بڑی توپ قلعہ کی مغربی دیوار پر نصب کی تھی اس دیوار میں ایک شگاف پڑ گیا۔ ملک ایاز سلطانی موقع پا کر سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ شگاف کے قریب آیا۔ اور پھر شگاف کے ذریعہ برج دبارہ سے ہوتا ہوا بام حصار تک جا پہنچا۔ اس وقت بادشاہ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح کے لیے دعا کی اور اپنے سپاہیوں کو ایاز اور اس کے ساتھیوں کی مدد کا حکم دیا۔

راجپوتوں کی پریشانی

راجپوتوں نے جب ایاز سلطانی کو اس طرح بام حصار پر دیکھا تو انہوں نے حیران و پریشان ہو کر بارود کا حقہ بام حصار پر پھینکا لیکن خدا کی قدرت کہ وہ حقہ بام پر گرنے کی بجائے راجہ بناہی کے صحن میں آ گرا یہ عالم دیکھ کر راجپوتوں کو اپنا انجام بد نظر آنے لگا۔ انہوں نے اپنی پرانی رسم کے مطابق آگ جلا کر اپنے بیوی بچوں کو تو شعلوں کے سپرد کر دیا اور خود سامان جنگ سے مسلح ہو کر مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔

ہندوؤں کی شکست

۲ ذیقعدہ ۸۸۹ھ کی صبح کو مسلمانوں نے ہندوؤں پر پوری طرح غلبہ حاصل کیا اور انہیں شکست فاش دی۔ مسلمان بڑے حصار کا دروازہ توڑ کر قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے بے شمار ہندوؤں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ سلطان محمود بھی قلعے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا اور شاہی علم بلند کیا گیا۔ باقی ماندہ ہندو حصار کے حوض کے کنارے جمع ہو گئے اور غسل کے بعد تلوار اور نیزہ ہاتھ میں لے

کر لڑنے کے لیے مستعد ہوئے۔

مسلمانوں کے لشکر کا ایک حصہ راجپوتوں کے مقابلے میں آیا فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ آخر کار ہندوؤں کو شکست ہوئی اور وہ پوری طرح تباہ و برباد ہوئے۔

راجہ کی گرفتاری

راجہ بناہی اور اس کا وزیر دو نکری دونوں زندہ گرفتار ہوئے اور وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ بادشاہ نے پہلے تو اس کامیابی پر خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کیا اور پھر راجہ بناہی سے یہ سوال کیا۔ "تو نے ہمارے مقابلے پر اس قدر جانبازی اور معرکہ آرائی کیوں کی۔

راجہ کی غیرت مندی

راجہ نے جواباً کہا "یہ سلطنت مجھے وراثت میں ملی ہے میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ میں اپنے آباء و اجداد کی اس یادگار کو بغیر کسی پس و پیش کے ضائع کر دوں کیونکہ اس طرح دنیا مجھے بے غیرت اور نامرد کے لقب سے یاد کرتی۔" راجہ کی زبان سے یہ کلمات سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔

محمدؐ آباد کی تعمیر

سلطان محمود نے قلعے کے پائین میں حضرت محمد صلعم کے اسم مبارک پر ایک شہر "محمد آباد" کے نام پر آباد کیا۔ مصطفیٰ آباد کی حکومت بادشاہ نے اپنے چھوٹے بیٹے خلیل خاں کے سپرد کی اور خود محمد آباد کی تعمیر میں مصروف ہوا۔ اس شہر میں بادشاہ نے ایک جامع مسجد کو جو فتح د سے قبل بنوائی تھی بہت سجایا۔ اس میں بے شمار ستون تھے ۹۱۴ھ میں اس مسجد میں ایک نہایت عالی شان منبر تعمیر کیا گیا۔

راجہ نباہی کو پھانسی کی سزا

معرکہ آرائی میں راجہ نباہی زخمی ہو گیا تھا جب راجہ کے زخم اچھے ہو گئے تو سلطان محمود نے راجہ اور اس کے وزیر دو نکری کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان بدقسمتوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ اس پر علماء نے ان دونوں کو قید کرنے کا فتوی دیا لہٰذا یہ دونوں پانچ ماہ تک قید میں رکھے گئے۔ اس دوران میں ان کو روزانہ قتل کی دھمکی دی جاتی رہی کہ شاید اسی خوف سے یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو جائیں لیکن ایسا نہ ہوا۔ آخر علماء کے فتوے کے مطابق ان دونوں کو پھانسی دے دی گئی۔

احمد آباد قلعوں کی تعمیر

اسی سال سلطان محمود نے اپنے ایک معتبر امیر کو احمد آباد روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ اس شہر میں حصار قلعے اور برج وغیرہ تعمیر کیے جائیں۔ تمام اراکین سلطنت اور امراء نے دل و جان سے شاہی حکم کی تعمیل کی اور حصار اور قلعے تعمیر کروائے گئے۔ ایک فاضل شخص نے اس آیت سے "من دخلہ کان امنا" سے ان تعمیرات کی تاریخ نکالی۔

قلعہ ابو کے راجہ کی دست درازی

۸۷۲ھ میں تاجروں کے ایک گروہ نے دارالملک محمد آباد میں بادشاہ سے قلعہ ابو کے راجہ کی شکایت کی کہ ہم لوگ چار سو گھوڑے لے کر آ رہے تھے کہ راجہ نے زبردستی یہ تمام جانور ہم سے چھین لیے اور جو سامان ہمارے ساتھ تھا وہ بھی چھین لیا۔ "یہ سن کر بادشاہ نے افسوس کا اظہار کیا اور حکم دیا گھوڑوں اور سامان کی قیمت شاہی خزانے سے ان تاجروں کو ادا کر دی جائے۔

راجہ ابو کے نام فرمان

اس کے بعد بادشاہ نے سامان سفر درست کیا اور قلعہ ابو کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے دوسری منزل پر قیام کیا اور راجہ ابو کے نام ایک فرمان لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے تاجروں کی ایک جماعت کا تمام سامان اور وہ گھوڑے جو کہ وہ ہمارے لیے لا رہے تھے تم نے اپنے قبضے میں کر لیے ہیں' تمہارا فرض ہے کہ اس فرمان کو دیکھتے ہی وہ تمام سامان اور گھوڑے ہماری بارگاہ میں روانہ کر دو ورنہ نتائج کی تمام ذمہ داری تم پر ہو گی اور تم کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

راجہ ابو کی اطاعت

بادشاہ نے یہ فرمان تاجروں کے ایک گروہ کے حوالے کیا اور انہیں راجہ کے پاس بھیجا۔ راجہ نے فرمان دیکھا اور ان سوداگروں سے بڑی مروت سے پیش آیا۔ اس نے تین سو ستر گھوڑے اور تمام سامان ویسے کا ویسا جو اس کے پاس رکھا ہوا تھا ان سوداگروں کے حوالے کر دیا۔ بقیہ سامان جو ضائع ہو گیا تھا راجہ نے اس کی قیمت ادا کر دی اس کے بعد راجہ نے اپنا قاصد اور پیش کش بھیج کر بادشاہ کی اطاعت کا وعدہ کیا اور اس کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد سلطان محمود' محمود آباد جنانیر میں واپس آ گیا اور شہر کے گرد برج اور قلعہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ یہ کام بادشاہ نے بڑے انہماک اور توجہ سے انجام کو پہنچایا۔

بہادر گیلانی کا فتنہ

۹۰۰ھ میں سلطان محمود بہمنی کے مشہور و معروف امیر بہادر گیلانی نے علم بغاوت بلند کیا اور بندر کوہ وائل اور دکن کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بہادر گیلانی نے تقریباً دس بارہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت تیار کر لی اور بے شمار سپاہیوں کو کشتیوں کے ذریعہ گجرات کی طرف بھیجا اور اس ملک کے باشندوں کو بہت نقصان پہنچایا۔

جوابی کاروائی

بہادر گیلانی نے سلطان محمود کے چند خاصہ کے جہازوں پر بھی قبضہ کر لیا اور بندر مہائم میں لوٹ مار کا بازار گرم کر کے مکانات وغیرہ کو نذر آتش کر دیا اور اس شہر کو اپنے قبضے میں کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔ سلطان محمود نے صفدر الملک کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ بہادر گیلانی کے دفعیے کے لیے نامزد کیا اور خاصہ فیل کے افسر اعلیٰ قوام الملک کو بھی جنگل کے راستے سے مہائم کی طرف روانہ کیا۔

باد مخالف

صفدر جنگ کے ساتھ جو جہاز تھے وہ بخیر و عافیت مہائم پہنچ گئے۔ اسی دوران میں مخالف ہوا کے چلنے کی وجہ سے یہ جہاز ایک جگہ نہ رہ سکے اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ اہل جہاز طوفان سے ڈر گئے اور انہوں نے پریشان ہو کر بہادر گیلانی کے ملازموں سے جو کنارے پر کھڑے تھے امان طلب کی اور باد مخالف کی فتنہ خیزیوں سے نجات پانے کے لیے کنارے کی طرف روانہ ہوئے۔ کنارے پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ بہادر گیلانی کے ملازم لڑائی کے لیے آمادہ ہیں لہٰذا اہل گجرات کے لیے سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں اہل گجرات مغلوب ہوئے۔

صفدر الملک کی گرفتاری

صفدر الملک اور گجراتیوں کے چند دوسرے معتبر افراد کو بہادر گیلانی کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا اور اس طرح تمام جہاز بھی دشمن کے قبضے میں آ گئے۔ قوام الملک جب مہائم پہنچا تو اس وقت بہادر گیلانی کے ملازم اپنا کام پورا کر کے اپنے مالک کے پاس جا چکے تھے۔

قوام الملک کا عریضہ

قوام الملک نے اسی جگہ قیام کیا اور سلطان محمود کے نام ایک عریضہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "آپ کے اس غلام کی یہ رائے ہے کہ بہادر گیلانی سے پورا پورا انتقام لیا جائے لیکن میں اس وقت تک بہادر گیلانی کے پاس نہیں پہنچ سکتا جب تک دکن کے کچھ علاقے تباہ و برباد نہ کر لیے جائیں اس سلسلے میں حضور کے حکم کا میں انتظار کروں گا۔"

دکنی فرماں روا کا اقدام

سلطان محمود کے پاس جب قوام الملک کا قاصد عریضہ لے کر پہنچا تو سلطان نے عریضہ پڑھ کر اسی وقت قاصد کو مع عریضے کے بادشاہ دکن کے پاس روانہ کر دیا۔ دکنی فرماں روا نے عریضہ پڑھا اور فوراً لشکر تیار کر کے بہادر گیلانی پر حملہ آور ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد دکنی فرماں روا نے صفدر الملک کو ان تمام گجراتی جہازوں پر جو بہادر گیلانی نے اپنے قبضے میں کر لیے تھے اور بہت سے گراں قدر تحفوں کے ساتھ گجرات روانہ کیا۔ بادشاہ دکن یہ چاہتا تھا کہ اس کاروائی کے صلے میں سلطان محمود اسے (یعنی شاہ دکن کو) ان بدطینت لوگوں کے چنگل سے نجات دلائے کہ جو اس پر مسلط ہو گئے تھے لیکن شاہ گجرات نے اس معاملے میں کوئی دخل نہ دیا کیونکہ یہ صورت حال اصلاح کے قابل نہ رہی تھی۔

رائے ایدر کی اطاعت

۹۰۱ھ میں سلطان محمود باکری سے ایدر کی طرف گیا۔ جب بادشاہ اس ملک کے قریب پہنچا تو وہاں کا راجہ بغیر کسی پس و پیش کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ راجہ نے چار سو گھوڑے اور چار لاکھ روپیہ کے عمدہ اور خوبصورت تحفے تحائف اور بہت سا اسلحہ سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا نیز جزیہ ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ اس طرح راجہ نے اپنے ملک کو بادشاہ کے قبضے سے بچا لیا۔ اس کے بعد سلطان محمود تمام سامان اپنے ہمراہ لے کر محمد آباد واپس آ گیا۔

عدل و انصاف

۹۰۳ھ میں سلطان محمود نے اپنی رعیت اور ملک کے حالات سے باخبر ہونے کے لیے سیاحت اختیار کی اور ملک کے بہت سے حصوں کا سفر کیا۔ اس دوران میں بادشاہ نے عدل و انصاف کے بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس سلسلے میں نوشیرواں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

الف خاں کی بغاوت

۹۰۴ھ میں شاہی خاندان کے ایک غلام الف خان نے علم بغاوت بلند کیا۔ بادشاہ نے اس باغی کے دفعیے کے لیے قاضی بیربر کو متعین کیا جو ایک نامور بہمنی امیر تھا اور اس زمانے میں گجرات میں مقیم ہو کر صاحب اقتدار ہو چکا تھا۔ قاضی بیربر نے الف خاں کا تعاقب کیا اور اسے جنگلوں میں بھگاتا پھرا۔ آخر کار الف خاں سلطان پور کے راستے مالوہ کی طرف فرار ہو گیا اور اسی دوران میں زہر یا طبعی موت سے اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔

عادل خاں فاروقی کی سرزنش

انہیں دنوں عادل خاں بن مبارک خاں فاروقی نے خراج ادا کرنے میں حیل و حجت سے کام لیا اور سلطان محمود کو ٹالنے لگا۔ بادشاہ نے ۹۰۵ھ میں قاضی بیربر کو چند معتبر امیروں اور لشکر کے ساتھ عادل خاں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ قاضی بیربر نے خاندیش میں داخل ہو کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔ عادل خاں میں اتنی قوت نہ تھی کہ حملہ آور کا مقابلہ کرتا لہٰذا اس نے برار کے حاکم عماد الملک سے مدد

کی درخواست کی۔

عادل خان کی اطاعت

عماد الملک نے عادل خاں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اب عادل خاں کے لیے سوائے اطاعت کے کوئی چارہ کار نہ رہا لہٰذا اس نے چند سال کا خراج اپنے ساتھ لیا اور محمد آباد جنانیر پہنچ کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ایک دوسری روایت

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ سلطان محمود بذات خود عادل خاں کی سرزنش کے لیے روانہ ہوا۔ بادشاہ جب پٹن کے قریب پہنچا تو عادل خاں نے پیش کش روانہ کی اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ بادشاہ نے حقوق دامادی کے پیش نظر عادل خاں کا قصور معاف کر دیا۔

ملک وجیہہ اور ملک اشرف کا عریضہ

انہیں دنوں دولت آباد کے تھانیدار اور کوتوال ملک اشرف اور ملک وجیہہ نے بادشاہ کے نام اس مضمون کا ایک عریضہ روانہ کیا کہ "یہ قلعہ ہم خادمان بارگاہ شاہی کے قبضے میں ہے چونکہ سلطان بیدر پر امیر برید پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ اس لیے احمد نظام الملک اس قلعے کو اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش میں ہے اور ہر سال حملہ کر کے ہمیں نقصان پہنچاتا ہے۔ آج کل بھی اس نے قلعہ دولت آباد کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر حضور اس طرف توجہ فرمائیں اور قلعے کو اپنے قبضے میں کر کے ہمیں احمد نظام الملک کی چیرہ دستیوں سے نجات دلوائیں تو ہم اپنی استطاعت کے مطابق حضور کی خدمت میں بے شمار تحفے پیش کریں گے۔

احمد نظام الملک کا فرار

سلطان محمود کو جب یہ عریضہ ملا تو اس نے اپنے لشکر کا ایک حصہ دکن کی طرف روانہ کر دیا اور خود دو تین منزل پیش قدمی کر کے سرراہ مقیم ہو گیا۔ احمد نظام الملک کو جب سلطان محمود کی پیش قدمی کی خبر ملی تو وہ بدحواس ہو کر دولت آباد سے فرار ہو گیا اور جنیر واپس آ گیا۔ دولت آباد کے باشندے سلطان محمود کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بہت سے قیمتی تحفے تحائف بادشاہ کی نذر کیے۔

رفیع الدین محمد کی آمد

الغرض سلطان محمود نے ایک ہی سفر میں دو مہمات کو سر کیا اور پھر محمد آباد جنیر واپس آ گیا۔ اسی زمانے میں رفیع الدین محمد بن مرشد الدین صفوی جو زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ایک بلند مقام رکھتے تھے اپنے والد کی پیروی کر کے گجرات تشریف لائے اور محمد آباد میں مقیم ہوئے۔

اس زمانے میں بہمنی حکومت میں سخت انتشار برپا تھا اس خاندان کے ہر مقتدر امیر اور غلام نے اپنے آقا سے بغاوت کر کے الگ حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اس صورت حال کے پیش نظر سلطان محمود کو بھی بہمنی امراء سے خطرہ لاحق ہوا۔

امراء کا قتل

سلطان محمود نے ۹۰۹ھ میں محمد آباد کا سفر اختیار کیا اور وہاں پہنچ کر بہت سے ایسے امراء کو جو صاحب اقتدار تھے تلوار کے گھاٹ اتارا' ان مقتولین کی جگہ دوسرے امیروں کا تقرر کیا گیا۔ اس کاروائی کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کو یہ خوف تھا کہ صاحب اقتدار امراء کہیں خود اس کے یا اس کی اولاد کے خلاف علم بغاوت سربلند نہ کریں۔

کفار فرنگ

۹۱۳ھ میں بادشاہ کے دل میں پھر محمد آباد جنانیر کو دیکھنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ اس طرف روانہ ہوا۔ اس واقعہ کو ابھی دو تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ یہ خبر آئی کہ کفار فرنگ ساحل پر جمع ہو گئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ قلعے بنا کر اس جگہ مقیم ہو جائیں۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ سلطان روم نے جو ان فرنگیوں کا سخت دشمن ہے اپنے بے شمار جہازوں کو ان کی تباہی و بربادی کے لیے روانہ کیا۔ سلطان محمود نے بھی ان فرنگیوں سے جنگ کا ارادہ کیا اور دیبی دمن اور مہائم کی طرف روانہ ہوا۔

فرنگیوں سے لڑائی کی تیاریاں

سلطان محمود خطہ دمن میں پہنچ کر اپنے عزیز ترین غلام ایاز سلطانی کو جو امیر الامرائی اور سپہ سالاری کے مرتبے پر فائز تھا۔ بندر دیب سے چند خاص کشتیوں کے ساتھ جو بہادر سپاہیوں اور سامان جنگ سے بھری ہوئی تھیں فرنگیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ سلطان روم کے دس بڑے جہاز بھی جو فرنگیوں سے لڑنے کے لیے آئے ہوئے تھے ایاز کے ساتھ روانہ ہوئے۔

ایاز سلطانی کی فتح

ایاز سلطانی نے بندر چیول تک عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ فرنگیوں کا ایک بڑا جہاز جو ایک کروڑ کی مالیت کا تھا مسلمانوں کی توپوں کی زد میں آکر پاش پاش ہوگیا اور دریا میں ڈوب گیا۔ ایاز کو فتح نصیب ہوئی اور وہ بہت سے فرنگیوں کو قتل کر کے واپس آیا۔ اس لڑائی میں رومیوں کے بھی چار سو افراد مارے گئے لیکن انہوں نے بھی دو تین ہزار فرنگیوں کو قتل کر کے ہی دم لیا۔

سلطان محمود جب بنادر کے نظم و نسق کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہوگیا تو وہ محمد آباد واپس آگیا۔

اسیر میں ہنگامہ

اسی زمانے میں داؤد شاہ فاروقی نے اسیر میں داعی اجل کو لبیک کہا ملک میں چاروں طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عادل خاں بن حسن خان نے جو سلطان محمود گجراتی کا نواسا تھا چند افراد کو سلطان گجراتی کے دربار میں بھیج کر امداد کی درخواست کی۔

سلطان محمود کا عادل خاں کی مدد کے لیے نکلنا

شعبان ۹۱۳ھ میں سلطان محمود تھوڑے سے لشکر کے ساتھ اسیر آیا۔ رمضان کا مہینہ اس نے دریائے نربدا کے کنارے موضع سیلے میں گزارا۔ اور شوال میں ندربار کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ملک حسام الدین مغل زادہ نے نظام الملک بحری اور عماد الملک کاویلی کی اتفاق رائے سے عالم خان کو تخت حکومت پر بٹھا دیا اور نظام الملک اب بھی برہان پور میں قیام پذیر ہے۔

نظام الملک وغیرہ پر لشکر کشی

یہ اطلاع پا کر سلطان محمود تھانیسر کی طرف چلا گیا۔ انہیں دنوں بادشاہ کو کچھ جسمانی کمزوری محسوس ہوئی اور وہ اس جگہ چند روز کے لیے ٹھہر گیا۔ بادشاہ نے آصف خاں اور عزیز الملک کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ نظام الملک حسام الملک اور عالم خاں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔

ملک لاون اور ملک حسام کی ندامت

نظام الملک نے تھوڑے سے لشکر کے ساتھ عالم خاں کی مدد کی اور خود کاویل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لاون خاں نے آصف خاں کا استقبال کیا اور اس سے ملاقات کی۔ آصف خاں نے لاون خاں کو سلطان محمود گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا۔ چند دنوں کے بعد ملک حسام الدین اپنی حرکت پر نادم ہوا اور سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ ملک لاون اور ملک حسام سے بڑی محبت سے پیش آیا۔

عادل خاں کا عنان حکومت سنبھالنا

عیدالاضحی کے بعد سلطان محمود نے عادل خاں کو "اعظم ہمایوں" کا خطاب دیا نیز چار ہاتھی اور خرچ کے واسطے چار لاکھ کی رقم بھی دی اور اسیرو برہان پور کی حکومت عنایت کی۔ ملک لاون کو بھی بادشاہ نے خطاب دیا اور موضع بناس بطور جاگیر کے عطا کیا۔ عماد الملک کے بیٹے ملک مالھا کو "غازی خاں" تھانیسر کے تھانے دار عالم شہ کو "قطب خاں" ملک حافظ کو "محافظ خاں" اور اس کے بھائی ملک یوسف کو "سیف خاں" کے خطابات عنایت کیے اور ان امراء کو اعظم ہمایوں کی مصاحبت کے لیے نامزد کیا۔

حسام الملک کی عزت افزائی

سلطان محمود نے اپنے امیروں میں سے ملک نصرۃ الملک اور مجاہدۃ الملک گجراتی کو بھی عادل خاں فاروقی' المخاطب بہ "اعظم ہمایوں" کی اطاعت کا حکم دیا۔ ۱۷ ذوالحجہ کو بادشاہ اپنے پایہ تخت کی طرف روانہ ہوا۔ سفر کی پہلی منزل پر بادشاہ نے ملک حسام الدین کو "شہریار" کے خطاب سے سرفراز کیا اور دو ہاتھی مرحمت کیے اور اسے مضافات سلطان کے موضع دیئورہ میں جانے کی اجازت دی۔

بادشاہ جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ انہیں دنوں سلطان بہادر نے شہزادہ مظفر بن شہزادہ بہادر کو جو اس مہم میں بادشاہ کے ساتھ تھا عمدہ گھوڑے تحفتاً دیئے۔

ملک حسام الدین کا قتل

سلطان محمود' محمد آباد کے قریب پہنچا اور اپنے پوتے سلطان بہادر کو اپنے ہمراہ لیا اور سلطان مظفر کو برودرہ جانے کا حکم دیا کہ جو مظفر کی جاگیر میں شامل تھا۔ سلطان کی عدم موجودگی میں اعظم ہمایوں نے ملک حسام الدین شہریار کو قتل کر دیا اور اس کے رشتہ داروں اور بہی خواہوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا۔ ربیع الاول ۹۱۴ھ میں یہ خبر سلطان محمود نے سنی اور اس نے کہا جو شخص نمک حرامی کرتا ہے وہ آخر کار مارا جاتا ہے۔

اعظم ہمایوں کا خط سلطان محمود کے نام

اسی دوران میں برہان پور اور اسیر سے اعظم ہمایوں کا ایک خط سلطان محمود کے نام آیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ "شیر خاں" اور سیف خاں نے جو قلعہ اسیر پر قابض ہیں باہمی اتفاق سے نظام الملک کے نام ایک خط لکھا ہے جس کے جواب میں نظام الملک عالم خاں اور راجہ کالینہ کو ساتھ لے کر اپنی سرحد کے قریب قیام پذیر ہوا ہے۔ اگر نظام الملک نے اپنی حدود سے آگے قدم بڑھایا تو میں اس کے ساتھ معرکہ آرائی کروں گا۔"

جواب

یہ خط پڑھتے ہی سلطان محمود نے پانچ لاکھ مزید تنکے اعظم ہمایوں کو بھجوائے اور اپنے نامی گرامی امراء دلاور خاں' قدر خاں اور صفدر خاں وغیرہ کو اس کی مدد کے لیے نامزد کیا۔ بادشاہ نے اعظم ہمایوں کے خط کا جواب اس طرح لکھا۔ "اے فرزند دلبند! تم کسی قسم کا فکر نہ کرو اگر ضرورت ہوئی تو میں بذات خود آؤں گا۔ سلاطین دکن کے غلام نظام الملک میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکے۔"

گجراتی امیر ابھی شہر سے باہر ہی تھے کہ شہزادہ مظفر خاں جس کے حالات آئندہ سطور میں بیان کیے جائیں گے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے سات لاکھ تنکے لے کر اپنے بھانجے "اعظم ہمایوں" کی خدمت میں روانہ کیے۔

نظام الملک کا خط

کچھ دنوں کے بعد نظام الملک بحری کا حاجب محمد آباد آیا اور اس نے سلطان محمود کی خدمت میں خط پیش کیا' جس میں تحریر تھا۔ "خاں

زادہ عالم خاں نے مجھ سے درخواست کی ہے اور آپ سے بھی توقع رکھتا ہے کہ آپ اسے برہان پور و اسیر کا کچھ حصہ مرحمت فرمائیں۔"
یہ خط پڑھ کر بادشاہ سخت غصے میں آیا اور یہ جواب دیا کہ "ایک غلام زادے کی اتنی ہمت کہ بادشاہوں کو خط لکھے اگر اس نے اپنی حد سے آگے قدم رکھا تو بڑی سختی سے اس کو پامال کیا جائے گا۔"

سیف خاں اور شیر خان کی امان طلبی

یہ جواب جب نظام الملک کو ملا تو وہ احمد نگر واپس چلا گیا۔ گجراتی امراء ندربار کے قصبے میں پہنچے' شیر خاں اور سیف خاں نے خوف زدہ ہو کر امان طلب کی اور دکن کی طرف چلے گئے۔ عالم خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ گجراتی لشکر آگیا ہے تو اس نے کالول کے علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا یہاں کے راجہ نے خوفزدہ ہو کر پیش کش بھیجی اور معذرت کا اظہار کیا۔ عادل خاں اسیر میں آیا اور اس نے دلاور خاں کو بے حد عزت و توقیر کے ساتھ گجرات رخصت کیا۔

بادشاہ دہلی کی طرف سے تحفے

سلطان سکندر لودھی بادشاہ دہلی نے ۹۱۶ھ میں محبت و خلوص کے اظہار کے لیے سلطان محمود گجراتی کی خدمت میں بہت سے گراں قدر تحفے تحائف ارسال کیے یہ پہلا موقع تھا کہ دہلی کے کسی بادشاہ نے فرماں روائے گجرات کو تحفے بھیجے۔

نہروالہ کا سفر

اسی سال سلطان محمود نے نہروالہ کا سفر اختیار کیا۔ اس علاقے کے تمام علماء و اکابر کو بادشاہ نے انعام و اکرام سے نوازا اور ان سے کہا۔ میں یہاں اس مقصد سے آیا ہوں کہ آپ حضرات سے آخری بار ملاقات کروں ممکن ہے کہ اس کے بعد موت مجھے اس کی اجازت نہ دے۔" علماء نے اس موقعے پر بادشاہ کے حق میں دعائے خیر کی۔
اس مجلس سے رخصت ہو کر بادشاہ مشائخ پٹن کے مزارات کی زیارت کے لیے روانہ ہوا اور پھر وہاں سے احمد آباد آیا۔ شیخ احمد کھٹو" کے روضہ مقدس کی زیارت کے بعد بادشاہ محمد آباد جانپیر واپس آگیا۔

بادشاہ کی جسمانی کمزوری

انہیں دنوں بادشاہ کے جسم میں کمزوری اور بیماری کے آثار پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے یہ صورت دیکھ کر شہزاد مظفر کو برودرہ سے بلایا اور اسے اعلیٰ نصیحتیں کیں۔ تین چار روز بعد بادشاہ کی صحت قدرے بہتر ہو گئی اور اس نے شہزادے کو برودرہ واپس بھجوا دیا۔
چند دنوں کے بعد سلطان محمود کی صحت پھر خراب ہو گئی۔ اور اس کا مرض عود کر آیا۔ اس بیماری کی وجہ سے بادشاہ بے حد نحیف و ناتواں ہو گیا۔ بادشاہ نے شہزادہ مظفر کو دوبارہ برودرہ سے بلا لیا۔

سلطان محمود کا انتقال

اسی دوران میں فرحت الملک نے معروضہ پیش کیا کہ "بادشاہ ایران شاہ اسمٰعیل صفوی نے یادگار بیگ کو قزلباشوں کی ایک جماعت کو اعلیٰ درجے کے تحفوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں روانہ کیا۔" بادشاہ نے یہ سن کر کہا "خدا نہ کرے کہ میں قزلباشوں کی صورت دیکھوں کیونکہ وہ ظالم و بانی فساد ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یادگار بیگ قزلباش ابھی بادشاہ کی خدمت میں پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ سلطان محمود نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ حادثہ ۲/ رمضان بروز دو شنبہ کو پیش آیا۔

لقب "بیگرا" کی وجہ

سلطان محمود نے ایک مہینہ کم اکسٹھ سال کی عمر پائی۔ اس عرصے میں پچپن سال اور ایک ماہ تک اس نے حکومت کی' حکومت کے

فرامین میں اسے "خدایگان حلیم" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود کو "بیگرا" بھی کہا جاتا ہے بیگرا اس گائے کو کہا جاتا ہے' جس کے سینگ اوپر کی طرف گھومے ہوئے اور حلقہ دار ہوتے ہیں۔ چونکہ سلطان محمود کی مونچھوں کے بال اسی طرح کے تھے' اس لیے اسے "بیگرا" کہا جاتا ہے۔

شاہ جمال الدین کا بیان

شاہ جمال الدین انجوا کا بیان ہے کہ چونکہ سلطان محمود نے دو نہایت ہی مشہور و معروف قلعے کرنال اور جنانیر فتح کیے تھے اس لیے عوام و خواص اسے "بیگرا کہنے لگے۔ جس کا مطلب ہے دو قلعوں والا' یہی توجیہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

کردار

سلطان محمود اپنی خصوصیات و عادات کے لحاظ سے ایک مہذب ترین انسان تھا۔ بہادری دانائی' معاملہ فہمی' سخاوت اور مہربانی کی خصوصیات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جھوٹ بولنے اور سننے کو وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس کی زبان سے کبھی کوئی ایسا جملہ نہیں نکلا جو تہذیب و شائستگی کے معیار سے گرا ہوا ہو۔ مذہب اسلام کے قوانین کا وہ سختی سے پابند تھا' تیراندازی اور شکار کا اسے بہت شوق تھا' شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ خلوت میں بھی نامحرموں سے اپنے پاؤں کو چھپاتا تھا۔

بہادری

"طبقات محمود شاہی" کے مصنف کا بیان ہے کہ اگرچہ سلطان محمود کا ظاہری جسمانی ڈھانچہ کمزور تھا لیکن وہ اپنے بچپن سے لے کر آواخر حیات تک دوران سفر اور معرکہ آرائی کے وقت ایسا جوشن آہنی پہنتا تھا کہ جسے ایک بہادر سے بہادر انسان بھی مشکل سے اٹھا سکتا ہے۔ وہ اپنے ترکش میں ایک سو ساٹھ تیر رکھتا تھا تلوار اور نیزہ بھی ہر وقت وہ لگائے رکھتا تھا۔

سلطان مظفر شاہ بن سلطان محمود گجراتی

تخت نشینی

سلطان محمد شاہ بن محمد شاہ کے انتقال کے بعد شہزادہ مظفر تخت حکومت پر بیٹھا۔ اپنے باپ کے انتقال کے بعد وہ بڑودرہ سے محمد آباد پہنچا اور ۳/ رمضان المبارک کو سہ شنبہ کے روز اس کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ تمام امراء و اراکین سلطنت نے اطاعت و وفاداری کا دم بھرا۔ اسی رات مظفر نے اپنے باپ کی لاش کو "شیخ کھٹو" کے مزار کی طرف روانہ کیا۔ اور عزیز الملک کو دس لاکھ تنگے دیئے تاکہ قصبہ سرکج کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

رشید الملک اور ملک خوش قدم کا تقرر

اس کے بعد مظفر شاہ نے امراء کو خلعت اور خطابات سے نوازا۔ اسی روز مظفر شاہ کے نام کا خطبہ منبروں پر پڑھا گیا۔ مظفر کی تاریخ پیدائش ۲۰/ شوال ۸۷۵ھ ہے۔ اس نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں اپنے خاصے لشکر کے نامور سرداران ملک خوش قدم اور ملک رشید الملک کو بالترتیب عماد الملک اور خداوند خاں کے خطابات دے کر عنان و زارت ان کے سپرد کر دی۔

ایرانی قاصد کی آمد

ماہ شوال میں اسی سال شاہ ایران کا قاصد یادگار بیگ محمد آباد کے نواح میں آیا۔ سلطان مظفر نے اپنے تمام امیروں اور اراکین سلطنت کو یادگار بیگ کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ بادشاہ نے اس ایرانی قاصد سے بہت مہربانی کا برتاؤ کیا۔ یادگار بیگ جو تحفے تحائف اپنے ساتھ لایا تھا اس نے وہ سب سلطان مظفر کی خدمت میں پیش کیے۔ بادشاہ نے یادگار بیگ اور اس کے ساتھیوں کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا اور ان کی رہائش کے لیے ایک عمدہ مکان کا انتظام کر دیا۔

بڑودرہ کا سفر

کچھ دنوں بعد سلطان مظفر قصبہ بڑودرہ گیا اور اس مقام کو "دولت آباد" کے نام سے موسوم کیا۔ اسی روز شادی آباد مندو کے بادشاہ کا بیٹا صاحب خاں اپنے بھائی کے خوف سے بھاگ کر بڑودرہ آ گیا۔ بادشاہ نے اپنے امیروں کو صاحب خاں کے استقبال کے لیے بھیجا اور اس سے ملاقات کی۔ چند روز بادشاہ نے صاحب خاں کی مہمان داری میں بسر کیے اور پھر محمد آباد واپس آ گیا۔

بادشاہ نے قیصر خاں کو قصبہ دہور کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ سلطان محمود خلجی کے بارے میں صحیح خبریں اور مالوہ کے امراء کی تفصیل سے کیفیت دریافت کرے۔

صاحب خاں کا پیغام

ایک روز صاحب خاں نے سلطان مظفر کو پیغام بھیجا کہ بندے کو اس نواح میں آئے ہوئے ایک طویل عرصہ ہو گیا ہے لیکن اب تک میرا مقصد پورا نہیں ہوا۔ "سلطان مظفر نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ آج کل چونکہ بارشیں ہو رہی ہیں اس لیے کچھ کرنا مشکل ہے۔ انشاء اللہ برسات کے بعد مالوہ کا آدھا ملک سلطان محمود خلجی کے قبضے سے نکال کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

ہنگامہ بدتمیزی

بادشاہ کے اس وعدہ کے باوجود صاحب خاں کی بدقسمتی میں کمی نہ ہوئی اتفاق سے یادگار بیگ اور اس کے دوسرے قزلباش ساتھی جو

گجراتیوں میں "کلاہ سرخ" کے نام سے مشہور تھے اہل گجرات کے قریب ہی آباد ہو گئے۔ ایک روز ان کے ملازموں کے مابین جھگڑا ہو گیا اس ہنگامے میں یاد گار بیگ کا مکان لوٹ لیا گیا۔ قزلباشوں نے بھی لڑائی میں حصہ لیا اور کئی ملازم مجروح و ہلاک ہوئے۔

صاحب خاں کی اسیر کی جانب روانگی

گجرات کے لشکر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ قزلباشوں نے صاحب خاں کو قید کر لیا ہے۔ شہزادے نے بھی یہ خبر سنی اور اس سے اپنی یہ ذلت برداشت نہ ہو سکی اور وہ سلطان مظفر کو مطلع کیے بغیر ہی اسیر چلا گیا اور برہان پور کے حاکم اور عماد الملک کی تحریک پر امداد طلب کرنے کے لیے کاویل آیا۔ ان تمام حالات کی تفصیل مالوہ کے فرماں رواؤں کے حالات میں بیان کی جائے گی۔

شہزادہ صاحب خاں کی روانگی کے بعد سلطان مظفر کو راجپوتوں کے غلبے اور سلطان محمود خلجی کی پریشانی اور پراگندہ حالی کی خبریں ملیں۔ سلطان مظفر نے اپنی غیرت سے مجبور ہو کر اس گروہ کی سرزنش کا قوی ارادہ کیا۔

مالوہ کا سفر

بادشاہ نے پہلے احمد آباد کے سفر کا ارادہ کیا تاکہ تھانوں سے اچھی طرح مطمئن ہو جائے بادشاہ نے مالوہ کا سفر اختیار کیا اور راستے میں احمد آباد ٹھہرا اس شہر میں اس نے ایک ہفتے تک قیام کیا اور پھر کودھرہ کی طرف روانہ ہوا۔ کودھرہ میں اس نے لشکر جمع کیا اور آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ایدر کے راجہ رائے بھیم نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سانبرمتی کی حدود پر حملہ کر دیا۔

راجہ ایدر اور عین الملک میں جنگ

یہ خبر سن کر عین الملک ان حدود کی طرف گیا تاکہ راجہ کے فتنے کو فرو کرے اور پھر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا راجہ اپنے لشکر کے ساتھ عین الملک کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ عبدالملک نامی ایک فوجی سردار مع دو سو سپاہیوں کے مارا گیا عین الملک کا ایک ہاتھی جو اس کے ساتھ تھا اس لڑائی میں وہ بھی مارا گیا یہ صورت حال دیکھ کر عین الملک نے راہ فرار اختیار کی۔

بادشاہ کا عزم ایدر

سلطان مظفر نے رائے بھیم راجہ ایدر کی سرزنش کے لیے ایدر کا سفر اختیار کیا۔ جب بادشاہ قصبہ مہراسہ میں پہنچا تو اپنی فوج کے ایک حصے کو اس نے ایدر پر لشکر کشی کرنے کا حکم دیا۔ راجہ ایدر نے فوراً قلعہ خالی کر دیا اور خود بیجانگر کی پہاڑیوں میں چھپ گیا۔ بادشاہ نے ایدر پہنچ کر دس راجپوتوں کو جو راستے میں کھڑے تھے بے حد ذلت و خواری کے ساتھ تلوار کے گھاٹ اتارا۔

راجہ ایدر کی پریشانی

تباہی و بربادی کا ایسا بازار گرم کیا گیا کہ ایدر میں کوئی عمارت باغ' مندر باقی نہ رہا۔ رائے بھیم نے پریشان ہو کر اپنے زنار دار ملک گوپال کو سلطان مظفر کی خدمت میں روانہ کیا اپنے قصور کی معافی چاہی اور یہ پیغام دیا۔ "عین الملک میرا جانی دشمن تھا اس نے میرے ملک کو تباہ و برباد کیا۔ اس لیے پریشانی و اضطرار کے عالم میں میں نے ایسی حرکت کی اگر شروع میں میری غلطی ہوتی تو یقیناً میں آپ کے قہر و غضب کا مستحق تھا۔ میں حضور کی خدمت میں بیس لاکھ تنگے (جو دو ہزار تومان کے برابر ہوتے ہیں) اور ایک سو گھوڑے پیش کرتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا قصور معاف کیا جائے۔ حضور کی رحم دلی اور بندہ نوازی سے مجھے پوری پوری توقع ہے کہ آپ میرے اس معروضے کو قبول فرمائیں گے اور میری پریشان حالی کی لاج رکھ لیں گے۔"

مالوہ کو فتح کرنے کا ارادہ

سلطان مظفر شاہ مالوہ کو فتح کرنا چاہتا تھا اس نے راجہ کی معذرت قبول کر لی اور کودھرہ آ گیا۔ بادشاہ نے لشکر کی تیاری اور ضروری

سامان کی فراہمی کے لیے عین الملک کو بیس لاکھ تنکے اور ایک سو گھوڑے دیئے۔ شہزادہ سکندر شاہ کو بادشاہ نے کودھرہ ہی میں محمد آباد کی حکومت عطا کی اور اسے اس نواح میں جانے کی اجازت دی۔

دھار کی طرف توجہ

اس کے بعد سلطان مظفر دہودرہ نامی قصبے میں پہنچا اور قیصر خاں کو حکم دیا کہ دیولہ نامی قصبہ (جو سلطان محمود خلجی کے ملازمین کے قبضے میں تھا) پر قابض ہو جائے۔ خود بادشاہ نے دھار کی طرف توجہ کی اس جگہ کے باشندے بادشاہ کے استقبال کے لیے آئے اور انہوں نے جان کی امان طلب کی۔ سلطان مظفر نے ان کی درخواست قبول کرلی اور اہل دھار کی حفاظت کے لیے قوام الملک اور اختیار الملک بن عماد الملک کو مقرر کیا۔

سلطان محمود کا چندیری پر حملہ

انہیں دنوں میں یہ خبر ملی کہ سلطان محمود نے چندیری کے باغیوں کی سرزنش کے لیے حملہ کیا ہے۔ سلطان مظفر نے اپنے امیروں کو واپسی کا حکم دیا اور کہا کہ "میرے اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ پوربیہ کے غیر مسلموں کی سرزنش کی جائے۔ اور مالوہ کی حکومت سلطان محمود خلجی اور صاحب خاں بن سلطان ناصرالدین کے درمیان تقسیم کر دی جائے اس وقت چونکہ سلطان محمود خلجی نے چندیری کے امراء کے مقابلے کے لیے راجپوتوں کو ساتھ لیا ہے اس لیے اس ملک کے معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا۔"

سیر و شکار کے لیے دھار کا سفر

اسی دوران قوام الملک سلطان مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے بادشاہ سے دھار کے آہو خانہ کی بے حد تعریف کی۔ یہ سن کر بادشاہ کی طبیعت سیر و شکار کی طرف مائل ہوئی۔ اس نے قوام الملک کو تو لشکر کی حفاظت کے لیے متعین کیا اور خود دو ہزار سواروں اور ڈیڑھ سو ہاتھیوں کو ساتھ لے کر دھار کی طرف روانہ ہوا۔ اسی دن بادشاہ نے میرزا شیخ عبداللہ چنگال اور شیخ کمال الدین مالوی کے مزاروں کی زیارت کی۔

جنانیر کو واپسی

کہا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ چنگال راجہ بھوج پانڈی کے عہد حکومت میں عہدہ وزارت پر فائز تھے ایک خاص وجہ سے آپ مشرف بہ اسلام ہوئے اور عبادات اور ریاضت و مجاہدہ سے آپ نے روحانی کمالات حاصل کیے۔ جب نظام الملک ولاورہ سے قصبہ نعلچہ میں آیا تو واپسی پر راجپوتوں کے ایک گروہ نے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچایا۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے نظام الملک پر عتاب کی اور خود جنانیر واپس آگیا۔

ایدر میں ہنگامہ

انہیں دنوں ایدر کے راجہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ پر اس کا بیٹا راجہ بہادر مل تخت نشین ہوا۔ اس موقع پر رانا سانگا نے اپنے داماد رائے مل پسر سورج مل کا ساتھ دیا اور ایدر کا ملک اور قلعہ بہار مل کے قبضے سے نکال کر رائے مل کے حوالے کر دیا۔ بہار مل نے سلطان مظفر سے مدد کی درخواست کی۔

پٹن کی سیر

سلطان مظفر نے ماہ شوال ۹۲۱ھ میں نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ ایدر کا ملک اور قلعہ رائے مل کے تصرف سے نکال کر بہار مل کے حوالے کر دے۔ خود بادشاہ احمد نگر کی طرف روانہ ہوا راستے میں سلطان مظفر نے لشکر کو خداوند خاں کی نگرانی اور محافظت میں چھوڑا اور

خود پٹن کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ پٹن پہنچ کر بادشاہ نے وہاں کے باشندوں خصوصاً علماء و فضلاء کو اپنی نوازشات سے سرفراز کیا اور پھر واپس اپنے لشکر گاہ میں آ گیا۔

ایدر کی فتح

نظام الملک نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی اور ایدر کو رائے مل کے قبضے سے نکال کر بہار مل کے حوالے کر دیا' رائے مل بیجا نگر کی طرف فرار ہو گیا۔ نظام الملک اس کے تعاقب میں بیجا نگر پہنچا اور لڑائی میں مشغول ہوا۔ دونوں طرف کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ جب سلطان مظفر کو اس کا علم ہوا تو اس نے نظام الملک کو پیغام بھیجا۔ "جب ایدر کا ملک ہمارے قبضے میں آ چکا ہے تو پھر بیجا نگر جا کر معرکہ آرائی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس طرح ہمارے سپاہیوں کی جانیں مفت میں ضائع ہوں گی' بہتر یہی ہے کہ تم جلد از اجلد واپس آ جاؤ۔" نظام الملک نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور احمد نگر میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سلطان مظفر نے نظام الملک کو تو احمد نگر ہی میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود احمد آباد واپس آیا۔

شہزادہ سکندر کی شادی

احمد آباد پہنچ کر بادشاہ نے شہزادہ سکندر کی شادی کی رسومات ادا کیں اور اس سلسلے میں ایک عظیم الشان جشن مسرت بپا کر کے امیروں اور اراکین سلطنت کو خلعت و اسپ سے نوازا۔

ایدر کا سفر

جب برسات کا موسم ختم ہوا تو سلطان مظفر نے ایک بار پھر سیر و شکار کے لیے رخت سفر باندھا اور اس بار ایدر کی طرف روانہ ہوا۔ اسی زمانے میں نظام الملک بیمار پڑ گیا بادشاہ نے اس کے علاج کے لیے قابل طبیبوں کو مقرر کیا۔

رائے مل کا ایدر پر حملہ

۹۲۳ھ کے شروع میں بادشاہ نے جنانیر کا سفر اختیار کیا۔ سلطان مظفر نے نظام الملک کو جو صحت یاب ہو چکا تھا اپنے پاس بلایا اور نصرت الملک کو ایدر کی طرف روانہ کیا۔ نظام الملک نے قدرے عجلت سے کام لیا اور نصرت الملک کے پہنچنے سے پہلے ہی ظہیر الملک کو ایک سو سواروں کے ہمراہ ایدر میں چھوڑ کر خود احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ نصرت الملک ابھی احمد نگر کے نواح ہی میں تھا۔ رائے مل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایدر پر حملہ کر دیا۔

ظہیر الملک کا قتل

ظہیر الملک کے پاس بہت کم سپاہی تھے اس کے برخلاف رائے مل کے پاس زبردست لشکر تھا۔ مگر پھر بھی ظہیر الملک نے اس کثرت و قلت کی پرواہ نہ کی اور دشمن کا مقابلہ کیا نتیجہ تو ظاہر ہی تھا۔ ظہیر الملک مع ستائیس سپاہیوں کی لڑائی میں مارا گیا۔ سلطان مظفر کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اس نے نصرت الملک کے نام اس مضمون کا فرمان روانہ کیا "بیجا نگر کے علاقے تک جو فتنہ پردازوں اور مفسدوں کا مرکز ہے حملہ کیا جائے اور سرکشوں کی مناسب تنبیہہ کی جائے۔

سلطان محمود خلجی گجرات میں

انہیں دنوں شیخ حامد جو اپنے زمانے کے بڑے متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ حبیب خاں کے غلبے سے تنگ آ کر مندو سے سلطان مظفر کی خدمت میں پہنچے اور اپنی آمد کی وجہ بیان کی۔ کچھ دنوں بعد دھور کا داروغہ قیصر خاں بھی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور اس نے کہا۔ "سلطان محمود خلجی پورب کے کافروں کے غلبے اور تسلط کی وجہ سے پریشان ہو کر گجرات کے علاقے میں آ گیا ہے۔ اس کی آمد کی خبر سن کر

موضع بھکور میں اس کے پاس پہنچا اور حسب استطاعت اس کی خدمت گزاری کی۔

محمود خلجی اور سلطان مظفر کی ملاقات

یہ خبر سن کر سلطان مظفر بہت خوش ہوا اس نے تمام لوازمات شاہی اور دوسرے بہت سے تحفے قیصر خاں کو دیئے تاکہ سلطان محمود خلجی کی خدمت میں پہنچا دیئے جائیں۔ قیصر خاں کی روانگی کے بعد سلطان مظفر نے بھی سلطان محمود خلجی کے استقبال کے لیے سفر اختیار کیا۔ دونوں بادشاہوں نے دیوالہ کے نواح میں ایک دوسرے سے ملاقات کی۔

سلطان مظفر کی مالوہ پر لشکر کشی

سلطان مظفر نے محمود خلجی کی بہت خاطرداری اور دل جوئی کی اور اس سے کہا کہ "آپ اپنی حکومت کے چھن جانے کا قطعاً خیال نہ فرمایئے میں عنقریب پوربی کافروں کا خاتمہ کر کے مالوہ کو فتنہ و فساد سے پاک کر دوں گا اور آپ کی سلطنت آپ کے حوالے کر دوں گا۔" اس کے بعد سلطان مظفر نے لشکر کی فراہمی کا حکم دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک زبردست لشکر تیار کر کے مالوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رائے مندلی کی تیاری

رائے مندلی کو جب سلطان مظفر کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے رائے نتھو کو راجپوتوں کے ایک گروہ کے ساتھ قلعے کی حفاظت کے لیے متعین کیا۔ اور خود دس ہزار راجپوتوں اور بے شمار ہاتھیوں کے ساتھ دھار کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے پھر رانا سانگا کے پاس پہنچا تاکہ اس سے مدد حاصل کرے۔

قلعہ مندو کا محاصرہ

سلطان مظفر اپنے لشکر کے ہمراہ مندو کے شہر کے قریب پہنچا تو راجپوتوں نے قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اگرچہ راجپوتوں نے بہادری کا بڑا شاندار مظاہرہ کیا لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کا چراغ نہ جل سکا اور آخر کار وہ پریشان ہو کر قلعے میں واپس چلے گئے۔ دوسرے روز پھر لڑائی ہوئی، قوام الملک نے اس بار سپاہیوں کو جوش دلا کر بہت سے راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا سلطان مظفر نے اس روز نہایت سختی سے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

دام مکر و فریب

اسی دوران میں مندلی رائے نے رائے نتھو کے نام ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا "میں رانا کے پاس گیا تھا اسے مع مارواڑ کے تمام راجپوتوں کے ہمراہ لے کر مدد کے لیے آ رہا ہوں تم یہ کرو کہ سلطان مظفر کو کسی نہ کسی طرح ایک مہینے تک ٹرخاتے رہو۔" یہ خط پا کر رائے نتھو نے مکر و فریب کا دام بچھایا اور قاصدوں کو سلطان مظفر کے پاس بھیج کر اسے یہ پیغام دیا" چونکہ قلعہ مندو ایک عرصے سے راجپوتوں کے قبضے میں ہے اس لیے ان کے بال بچے اسی جگہ قیام پذیر ہیں اگر آپ ایک منزل ہٹ کر قیام کریں تو ہم اپنے بال بچوں کو نکال کر قلعہ خالی کر دیں گے اور آپ کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے بعد بذات خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور آپ کے اطاعت گزاروں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا۔"

سلطان مظفر اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ پیغام محض ایک چال ہے اور دشمن کمک کا انتظار کر رہا ہے لیکن اس نے یہ سوچ کر سلطان محمود خلجی کے بال بچے اس قلعے میں ہیں۔ اس نے رائے نتھو کی درخواست منظور کر لی اور تین کوس پیچھے ہٹ کر قیام پذیر ہوا۔ بادشاہ اپنے طور پر یہ خیال بھی کیے ہوئے تھا کہ رائے نتھو قلعے سے نکل کر اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہو گا اور اس طرح بغیر کسی قسم کے ہنگامے اور معرکہ آرائی کے مقصد حل ہو جائے گا۔

رانا سنگا کے خلاف کاروائی

جب اس واقعہ کو بیس روز گزر گئے تو سلطان مظفر کو یقین ہو گیا کہ رائے نحو نے دھوکہ دیا ہے۔ اس دوران میں مندلی رائے نے چند ہاتھی اور بہت سا روپیہ بھیج کر رانا سنگا کو اپنی مدد کے لیے اجین کے نواح میں بلایا۔ اس صورت حال کے پیش نظر سلطان مظفر کو سخت غصہ آیا اور اس نے اسیرو برہان پور کے حاکم عادل خاں فاروقی کو (جو تین دن قبل ایک زبردست لشکر کے ہمراہ آ چکا تھا) سپہ سالار مقرر کیا اور اسے قوام الملک سلطانی کے ساتھ رانا سنگا سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

قلعہ مندو پر حملہ

اس کے بعد سلطان مظفر نے لشکر کے سرداروں کو مناسب و موزوں مقامات پر متعین کیا اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ مظفری لشکر نے بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اہل قلعہ کو پورے چار دن تک چین سے نہ بیٹھنے دیا اور قلعے پر لگاتار حملے ہوتے رہے۔ پانچویں رات کو سلطان مظفر نے اپنے ہاتھیوں کو روک لیا۔ راجپوت یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں نے حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے بالکل غافل ہو گئے اور انہوں نے دشمن کی حرکات و سکنات پر نظر نہ رکھی، مسلمانوں نے ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھایا۔ جب دوپہر رات گزر گئی تو مسلمانوں کی ایک جماعت قلعے کے نیچے پہنچی۔ اہل قلعہ اس وقت سو رہے تھے مسلمان سیڑھیاں لگا کر قلعے کے اوپر چڑھ گئے۔

راجپوتوں کا قتل

مسلمانوں نے قلعے کے دروازے کے نگہبانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور دروازہ کھول دیا دروازہ کھلتے ہی بے شمار مسلمان لشکری قلعے کے اندر داخل ہوئے۔ راجپوت امراء کو اس وقت ہوش آیا جب کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا آخر کار ان لوگوں نے مجبور ہو کر اپنی قدیم رسم کی پابندی کی یعنی بیوی بچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اور اعلیٰ و قیمتی چیزوں کو جلا کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

۱۴ صفر ۹۲۴ھ کو سلطان مظفر نے صبح ہی صبح انیس ہزار راجپوتوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا۔

محمود خلجی کی بحالی

سلطان مظفر جب پوربی راجپوتوں کے قتل سے فارغ ہو گیا تو سلطان محمود خلجی نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارک باد دی اور پوچھا "میرے بارے میں اب کیا حکم ہے؟ اس موقع پر سلطان مظفر نے ایسے اخلاق اور مروت کا اظہار کیا جس کی مثال بادشاہوں میں بہت کم ملتی ہے۔ اس نے سلطان محمود خلجی سے کہا "میں نے جو یہ محنت و مشقت کی اس سے میری غرض صرف یہ تھی کہ تمہیں تخت حکومت پر بٹھاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، خدا تم کو مندو کی حکومت اور مالوہ کی ولایت مبارک کرے۔
"دوسرے روز بادشاہ یہاں سے اپنے لشکر گاہ میں واپس آ گیا اور رانا سنگا سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا۔

رانا سنگا کی پریشانی

اسی اثناء میں ایک نامی گرامی راجپوت سردار کسی نہ کسی طرح جان بچا کر قلعہ مندو سے بھاگا اور رانا سنگا کے پاس پہنچا۔ اس نے رانا کو بتایا کہ کس طرح سلطان مظفر نے خوفناک طریقے سے ان گنت راجپوتوں کو قتل کیا ہے۔ یہ کیفیت بیان کرتے ہوئے اس راجپوت کی حالت ایسی بگڑی کہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے دم توڑ دیا، یہ دیکھ کر رانا سخت پریشان ہوا۔ راجپوتوں کے قتل عام کی خبر بجلی بن کر اس پر گری۔

جے پور کو فرار

رانا سنگا کو سلطان مظفر کی آمد کی خبر بھی مل گئی لہٰذا بدحواس ہو کر جے پور کی طرف بھاگ گیا۔ عادل خاں فاروقی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے ساتھیوں کو بری طرح قتل کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس کے بعد سلطان مظفر نے ایک قاصد بھیج کر عادل خاں

فاروقی کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔

سلطان مظفر کی مندو کو روانگی

اسی دن سلطان محمود بھی مندو سے دھار آیا اور سلطان مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مظفر سے کہا "آپ کو میں اپنے باپ اور چچا کے برابر سمجھتا ہوں اس لیے میری گزارش ہے کہ حضور میرے غریب خانے میں تشریف لا کر میری عزت افزائی کریں۔" بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کی اور شہزادہ بہادر خاں، لطیف خاں اور عادل خاں فاروقی حاکم اسیرو برہان پور کو ساتھ لے کر مندو روانہ ہوا۔

سلطان محمود کی مہمان داری

سلطان مظفر نے رات کا وقت تو نعلچہ نامی قصبے میں گزارا اور صبح کے وقت ہاتھی پر سوار ہو کر قلعے میں داخل ہوا اور سلطان محمود کے محل میں مقیم ہوا۔ سلطان محمود نے نہایت خلوص اور جاں فشانی سے مہمان داری کے فرائض انجام دیئے کھانے کے بعد محمود نے سلطان مظفر اور شہزادے کی خدمت میں پیش کش نذر کی۔ سلطان مظفر نے پرانے بادشاہوں کی تعمیر کردہ عمارتوں اور منزلوں کی سیر کی اور اس کے بعد دھار کی طرف واپس روانہ ہوا۔ دھار پہنچ کر بادشاہ نے سلطان محمود کو رخصت کیا اور خود واپس گجرات کی طرف روانہ ہوا۔

گجرات کو واپسی

سلطان مظفر نے کچھ دن محمد آباد جتانیر میں قیام کیا۔ گجرات کے تمام اکابر اشراف بادشاہ کی خدمت میں مبارک باد دینے کے لیے حاضر ہوئے۔ انہیں دنوں بادشاہ کے ایک ندیم خاص نے معروضہ پیش کیا کہ جن دنوں حضور نے مالوہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا رائے مل راجہ ایدر نے کوہ بیجا نگر سے باہر آکر پٹن اور اس کے مضافات کو بہت بری طرح تباہ و برباد کیا تھا۔ یہ اطلاع پا کر نصیرت الملک اس سرکش راجہ کی تنبیہہ کے لیے گیا تھا لیکن راجہ فرار ہو کر بیجا نگر کے غاروں میں جا چھپا تھا۔" یہ سن کر سلطان نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ برسات کا موسم گزر جائے تو اس معاملے میں کوئی کاروائی کی جائے۔

ایدر کو روانگی

۹۰۵ھ میں سلطان مظفر ایدر کی طرف روانہ ہوا تاکہ رائے مل اور دوسرے فتنہ پردازوں کا قلعہ قمع کیا جا سکے چونکہ راجہ مل کو پناہ دی تھی اس لیے سلطان مظفر نے اس کے ملک کو تباہ و برباد کرنا اپنا فرض اولین سمجھا۔ چند دنوں میں اس نے اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کچھ دن ایدر میں ٹھہر کر محمد آباد میں قیام پذیر ہوا۔

محمود خلجی اور رانا سنگا کی لڑائی

اس واقعہ کے بعد یہ اطلاع ملی کہ سلطان محمود خلجی نے آصف خاں کی معاونت سے رانا سنگا اور مندلی رائے کے ساتھ سخت لڑائی کی ہے اور مالوہ کے بہت سے امیر اس لڑائی میں مارے گئے ہیں۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ آصف خاں کا بیٹا مع دیگر بہادروں کے اس معرکے میں کام آیا ہے اور سلطان محمود خلجی زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا ہے۔ لیکن رانا سنگا نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے حال پر رحم کھا کر کچھ لشکر کے ہمراہ اسے مندو کی طرف روانہ کر دیا ہے۔

یہ خبر سن کر سلطان مظفر کو بہت ہی افسوس ہوا۔ اس نے اپنے کئی سرداران لشکر کو سلطان محمود کی مدد کے لیے روانہ کیا اور محبت اور ہمدردی کا ایک خط لکھ کر اس کو مطمئن کیا اس کے بعد سلطان مظفر ایدر آیا اور وہاں اس نے کئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ایدر کی حکومت بادشاہ نے ملک مبارز الملک کے سپرد کی۔

ایدر پر رانا سنگا کا حملہ

ایک بار ملک مبارز الملک سے ایک بھاٹ نے رانا سنگا کی بہادری اور جوان مردی کا تذکرہ کیا۔ مبارز الملک نے اس کے جواب میں رانا سنگا کے بارے میں ناشائستہ باتیں کیں اور اپنے ایک کتے کو رانا سنگا کے نام سے موسوم کر کے قلعے ایدر کے دروازے پر بندھوا دیا۔ بھاٹ نے یہ سب کچھ جا کر رانا سنگا سے بیان کیا اسے بہت غصہ آیا اس نے لشکر تیار کیا اور ایدر پر حملہ کر کے یہاں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا اور پھر باکرو کی طرف روانہ ہوا۔

باکرو کا راجہ سلطان مظفر کا مطیع و فرماں بردار تھا لیکن جب رانا سنگا اس کے سر پر جا پہنچا تو وہ اسی کے گن گانے لگا اور اس کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا۔ مبارز الملک نے ان تمام واقعات کی اطلاع سلطان مظفر کو دے دی۔

بادشاہ کے امیروں کی رائے

سلطان مظفر کے امیر مبارز الملک کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس معاملے کی تمام ذمہ داری مبارز الملک پر ہے۔ اگر وہ ایک کتے کو رانا سنگا کے نام سے موسوم نہ کرتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

اس نے خود ہی نادانی کی ہے اور اب حضور سے مدد کی درخواست کر رہا ہے۔" بادشاہ اپنے امیروں کی رائے سے متاثر ہوا اور اس نے مبارز الملک کو مدد بھیجنے میں ذرا سستی سے کام لیا۔

مبارز الملک کی پریشانی

ایدر کی کمک کے لیے جو لشکر فراہم ہوا تھا اس کے بہت سے پیادے اور سوار احمد آباد دیا۔ دیگر مقامات کی طرف روانہ ہو گئے صرف چند گنتی کے سپاہی مبارز الملک کے پاس رہ گئے۔ یہی صورت حال کیا کم تھی کہ اس پر بادشاہ کی طرف سے بھی مدد نہ ملنے پر مبارز الملک بہت پریشان ہوا۔ ادھر رانا سنگا بھی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتا تھا اسے ان حالات کا علم ہو گیا اور اس نے ایدر کا رخ کیا اور راجہ ایدر کے پاس پہنچا۔

لڑائی کی تیاری

مبارز الملک نے جب دیکھا کہ سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اس نے دوسرے سرداروں کی مدد سے لشکر تیار کیا اور رانا سنگا سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا' لیکن دونوں لشکروں کو ایک دوسرے کے سامنے آنے کا موقع نہ ملا۔ اس وجہ سے مبارز الملک واپس ایدر چلا آیا۔

مبارز الملک احمد نگر میں

لشکر کے سرداروں نے مبارز الملک سے کہا ہم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد ہمارے دوستوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں اور احمد نگر پہنچ کر قلعے میں محصور ہو جائیں۔ اور جب تک بادشاہ کی طرف سے مدد نہ آئے وہیں قیام کریں۔ لشکر کے سرداروں نے مبارز الملک کو بھی کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ لے لیا اور احمد نگر جا پہنچے۔

رانا سنگا ایدر میں

مبارز الملک کی روانگی کے دوسرے روز رانا سنگا ایدر میں داخل ہوا اور اس نے مبارز الملک کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے لوگوں سے پوچھا ان گجراتیوں نے جو قوام الملک کا ساتھ چھوڑ کر رانا سنگا سے مل گئے تھے رانا سنگا کو بتایا مبارز الملک ایسا انسان نہیں ہے جو معرکہ آرائی سے ڈرے یا دشمن کے خوف سے میدان جنگ چھوڑ جائے۔ لیکن دوسرے امراء نے اس کی کوئی بات نہیں مانی اور

اسے زبردستی اپنے ساتھ احمد نگر لے گئے ہیں تاکہ کمک کا انتظار کریں۔

مبارز الملک اور ایک بھاٹ

یہ سنتے ہی رانا سنگا جلد از جلد ایدر سے احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق سے وہی بھاٹ جس کا تذکرہ اوپر کی سطور میں آ چکا ہے (جس نے مبارز الملک سے رانا سنگا کی تعریف کی تھی) مبارز الملک سے ملا اور اس سے کہا۔ "رانا سنگا ایک زبردست لشکر لے کر آ رہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ جیسے جواں ہمت اور کام کے لوگ بلاوجہ مارے جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ سب لوگ قلعے میں محصور ہو جائیں رانا سنگا جب یہاں آئے گا اور آپ لوگوں کو محصور دیکھے گا تو وہ اپنے گھوڑے کو قلعے کے نیچے پانی پلا کر واپس ہو جائے گا۔

مبارز الملک کی بلند ہمتی

مبارز الملک نے یہ سن کر جواب دیا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ رانا سنگا یہاں آئے اور اس دریا سے اپنے گھوڑے کو پانی پلائے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مبارز الملک نے اپنے لشکر کو جو رانا کی فوج کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ تیار کیا اور لڑائی کے لیے میدان میں آ کھڑا ہوا۔

معرکہ آرائی

رانا سنگا بھی اپنا لشکر لے کر آ گیا اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی۔ خوب گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کے لشکر کا ایک نامی گرامی امیر اسد خاں مع دیگر امراء کے مارا گیا۔ مبارز الملک اور صفدر خاں نے کئی بار رانا سنگا کے لشکر پر حملہ کیا اور زخمی ہوئے۔ گجراتی لشکر پر بڑی مصیبت نازل ہوئی' بے شمار لشکری تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ جب معاملہ بے حد نازک ہو گیا تو مبارز الملک اور صفدر خاں نے راہ فرار اختیار کی اور احمد نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

رانا ید نگر میں

رانا نے احمد نگر میں تباہ و بربادی کا بازار گرم کیا اس شہر میں ایک روز قیام کرنے کے بعد رانا ید نگر چلا گیا۔ اس جگہ کے باشندے رانا کے پاس آئے اور اس سے کہا۔ "ہم لوگ زنار دار ہیں اور تمہارے باپ دادا نے ہمیشہ ہماری عزت کی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم ہم پر ظلم نہ کرو۔" رانا نے ان لوگوں کی درخواست قبول کی اور ید نگر میں کوئی کاروائی کیے بغیر ہی بیل نگر چلا گیا۔

ملک حاتم کی شہادت

بیل نگر کا تھانیدار ملک حاتم تھا اس نے جب دیکھا کہ رانا کے سامنے اس کا چراغ نہیں جل سکتا تو اس نے بزدلی سے ہار مان لینے پر بہادری سے شہید ہو جانے کو ترجیح دی۔ اس نے اپنا تھوڑا بہت لشکر جمع کیا اور رانا سے جنگ کی اس لڑائی میں ملک حاتم مارا گیا اس کے بعد رانا سنگا اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

مبارز الملک دوبارہ احمد نگر میں

ملک قوام الدین نے مبارز الملک اور صفدر خاں کو ایک لشکر کے ساتھ احمد نگر کی طرف روانہ کیا۔ ان امیروں نے احمد نگر پہنچ کر پہلے مقتولین کی لاشوں کو سپرد خاک کیا کوسی اور کراس جو ایدر کے نواح میں آباد تھے انہوں نے جب مبارز الملک کو تھوڑے سے لشکر کے ساتھ دیکھا تو انہوں نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ مبارز الملک نے قلعے سے باہر نکل کر ان لوگوں سے جنگ کی اور ان کے آٹھ آدمیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر فتح حاصل کی اور واپس قلعے میں آیا۔ رانا سنگا کی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے احمد نگر بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ غلہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں بالکل نایاب تھیں اس لیے وہاں قیام کرنا مشکل تھا۔ اس لیے مبارز الملک اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے

کوچ کر کے بیج نامی قصبے میں آ گیا۔

عماد الملک اور قیصر خاں کی نامزدگی

ان حالات کی اطلاع سلطان مظفر کو بھی ہوئی اور اس نے عماد الملک اور قیصر خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ رانا سنگا کی تنبیہہ و سرزنش کے لیے نامزد کیا۔ یہ دونوں امیر اپنے لشکر اور ایک سو ہاتھیوں کے ہمراہ احمد آباد پہنچے اور قوام الملک کو ساتھ لے کر قصبہ سرکچ میں آ گئے۔ ان امیروں نے سلطان مظفر کو اطلاع دی کہ رانا سنگا اپنے ملک کو واپس چلا گیا ہے اور انھوں نے جے پور کا سفر اختیار کرنے کی اجازت طلب کی۔

رانا سنگا کی سرزنش کا ارادہ

سلطان مظفر نے ان لوگوں کو جواب میں لکھا "فی الحال جے پور جانا مناسب نہیں کیونکہ آج کل بارشیں ہو رہی ہیں اور ایسے عالم میں لشکر کے لیے سفر کرنا مشکل ہو گا۔ جب برسات کا موسم گزر جائے تو پھر سفر کی تیاری کی جائے۔ امراء نے بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور برسات کے موسم کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ چند دنوں بعد سلطان مظفر نے ایک سال کی نقد تنخواہ اپنے لشکر میں تقسیم کی اور احمد آباد آیا۔ اور رانا سنگا کی تنبیہہ کے لیے جے پور جانے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔

ملک ایاز کی آمد

اسی دوران میں ایاز خاص سلطانی (جو مظفر کے باپ کا غلام اور بندر سورت اور دیگر ساحلی مقامات کا جاگیردار تھا) ایک زبردست لشکر لے کر جو بیس ہزار سواروں پیادوں پر مشتمل تھا سلطان مظفر کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور بادشاہ سے عرض کیا جہاں پناہ سے میری درخواست ہے کہ آپ بذات خود رانا سنگا کی تنبیہہ فرمادیں کیونکہ جاہ و جلال سلطانی سے بہت سی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ہم خدمت گار ہر قربانی کے لیے تیار ہیں اور ہمارا اولین فرض یہی ہے کہ اپنے آقا کے کام آویں۔ بادشاہ نے ملک ایاز کی اس بات کا جواب نہ دیا اور ماہ محرم ۹۲۷ھ میں بادشاہ احمد نگر آ گیا۔

ملک ایاز کا رانا سنگا کی سرزنش کے لیے نامزد ہونا

جب تمام لشکر جمع ہو گیا تو ملک ایاز نے ایک بار پھر بادشاہ سے رانا سنگا کی سرزنش کے لیے عرض کیا۔ بادشاہ نے ایک لاکھ سوار اور ایک سو ہاتھیوں کا زبردست لشکر اس کے حوالے کیا اور اسے رانا سنگا سے معرکہ آرائی کی اجازت دے دی۔ ملک ایاز اور قوام الملک اس لشکر جرار کو لے کر روانہ ہوئے اور مہراسہ کی منزل میں قیام کیا۔ سلطان مظفر نے انتہائی دوراندیشی سے کام لے کر تاج خاں اور نظام الملک شاہی کو بھی بیس ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ اسی طرف روانہ کر دیا۔

بادشاہ کے نام ملک ایاز کا عریضہ

ملک ایاز نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ "حضور نے رانا سنگا کی تباہی و بربادی کے لیے جس قدر نامی گرامی اور معتبر امراء کو نامزد فرمایا ہے اس سے حضور کے وقار اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے بہت زیادہ ہاتھی میرے ساتھ کر دیئے ہیں اتنے ہاتھیوں کی ضرورت نہیں میں اس مہم کے تمام امور کو آپ کے حسب منشا بجالاؤں گا۔ ملک ایاز نے بہت سے ہاتھیوں کو واپس کر دیا اور صفدر خاں کو راجپوتوں کی سرزنش کے لیے نامزد کیا۔

لکھا کرت کے راجپوتوں کی سرزنش

صفدر خاں نے لکھا کرت پہنچ کر ان گنت راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور جو باقی بچ رہے ان کو گرفتار کر کے ملک ایاز کے پاس

آیا- ملک ایاز اس مقام سے آگے بڑھا اور ڈونگر پور اور بانسوالہ کے مقامات پر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا اس کے بعد ایاز جے پور کی طرف روانہ ہوا-

راستے کا پتھر

اس جگہ ایک شخص نے اشجع الملک اور صفدر خاں کو اطلاع دی کہ اودے سنگھ' راجہ مال' رانا سنگا کے راجپوتوں اور آکرسین پوربیہ کے ساتھ ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا ہوا ہے ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کی فوج پر شب خون مارا جائے- اشجع الملک' اور صفدر خاں نے ملک ایاز کو اطلاع دیئے بغیر ہی دو سو سواروں کو ساتھ لیا اور جلد از جلد دشمن کے سر پر جا پہنچے- فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی- آکرسین زخمی ہوا' اسی (۸۰) راجپوت مارے گئے اور باقی سب بھاگ گئے-

اشجع الملک اور صفدر خاں کی بہادری

اس سے پہلے کہ فتح کی خبر آتی- ایاز کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ایک زبردست لشکر لے کر اشجع الملک اور صفدر خاں کی مدد کے لیے موقع واردات پر جا پہنچا وہاں جا کر جب اسے ان دونوں امیروں کی بہادری کا علم ہوا تو وہ انگشت بدنداں رہ گیا اور دونوں کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا-

قوام الملک کا کارنامہ

دوسرے دن صبح کے وقت قوام الملک سلطانی مفرور راجپوتوں کے گروہ کی تلاش میں کوہ بانوالہ میں داخل ہوا- اور اس نے اس علاقے میں تباہی و بربادی کا ایسا بازار گرم کیا کہ کہیں بھی آبادی کا نام و نشان نہ رہا- بہت سے لوگ مارے گئے اور بہت سے مکانات جلائے د گئے-

مندسور کا محاصرہ

آکرسین جو متذکرہ بالا معرکے میں زخمی ہوا تھا کسی نہ کسی طرح رانا سنگا کے پاس جا پہنچا اور اسے تمام حالات سے آگاہ کیا انہیں دنوں ایاز سلطانی نے مندسور پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا- یہاں کا تھانیدار رانا سنگا کا ماتحت تھا اس لیے رانا اس کی مدد کے لیے آیا- لیکن مندسور سے بارہ کوس کے فاصلے پر مقیم رہا-

رانا سنگا کا پیغام

رانا سنگا نے اپنے ایک قاصد کو ملک ایاز کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا "میں اپنے ایلچیوں کو سلطان مظفر کے پاس بھیج کر شاہی اطاعت گزاروں میں داخل ہو رہا ہوں- اس لیے تمہیں چاہیئے کہ قلعے کے محاصرہ سے دست بردار ہو جاؤ-" ملک ایاز نے رانا کی یہ بات ماننے کے لئے چند شرائط رکھیں جن کا پورا ہونا محال تھا- ادھر تو ایاز نے رانا کے قاصد سے یہ شرائط بیان کیں اور ادھر قلعے کی تسخیر کا کام جاری رکھا- اور نقب کو ایسی جگہ پہنچا دیا کہ قلعے کا فتح ہونا بہت آسان ہو گیا-

سلطان محمود خلجی کی آمد

اسی دوران میں سلطان محمود خلجی کی طرف سے شرزہ خان شروانی ملک ایاز کے پاس آیا اور اس نے یہ پیغام دیا- "اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں بھی تمہارے پاس پہنچ جاؤں-" ایاز نے سلطان محمود خلجی کو آنے کی دعوت دی اور اس کا انتظار کرنے لگا- سلطان محمود چونکہ سلطان مظفر کے بے پناہ احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اس لیے اس نے سلہدی پوربیہ کو ساتھ لیا اور مندسور کی طرف روانہ ہو گیا-

رانا سنگا کی تدبیر اور ناکامی

سلطان محمود خلجی کی آمد سے رانا سنگا کو بڑی پریشانی ہوئی اس نے مندلی رائے کو سلدی کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا۔ "مجھے تمہاری دوستی اور محبت سے بہت امیدیں ہیں اور یقین ہے تم پرانے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو گے۔ اگر تم صلح کے لیے کوئی کام کر سکو تو ضرور کرو۔ اس وقت میرا مفاد اسی میں ہے۔" سلدی نے صلح کے لیے بہت تدبیریں کیں مگر ان کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

ملک ایاز سے گجراتی امراء کی ناراضگی

چند روز بعد قوام الملک اپنے مورچال کو بڑھا کر آگے لے گیا ممکن تھا کہ وہ قلعے کے اندر داخل ہو جاتا لیکن ملک ایاز نے رشک و حسد سے کہ کہیں فتح قلعہ کا سہرا قوام الملک کے سر نہ بندھے۔ اسے اس دن جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ گجراتی امیروں کو جب ایاز کی نیت کا حال معلوم ہوا تو وہ اس سے ناراض ہو گئے۔

مبارز الملک کا ارادہ

دوسرے روز مبارز الملک (صبح کے وقت) اور چند دوسرے امراء ملک ایاز سے اجازت لیے بغیر رانا سنگا سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ملک تغلق شہ فولادی مبارز الملک کو راستے سے واپس لایا اور بڑی مشکلوں سے اس کو جنگ کرنے سے باز رکھا۔ ان تمام کاروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ سب سے پہلے ملک ایاز کا مورچال اور نقب تیار ہو کر قلعہ میں آگ لگائے اور اس طرح فتح کا سہرا ایاز کے سر رہے۔

راجپوتوں کی ہوشیاری

اگرچہ ان واقعات سے ملک ایاز اور امراء کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے لیکن کوئی امیر ایاز کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بادشاہ کا حکم یہی تھا اور ایاز ہی اس مہم کا نگران اعلیٰ تھا۔ ایاز نے امراء کی مخالفت کے باوجود اپنی نقب کو آگ دے دی۔ اس سے قلعے کا برج پارہ پارہ ہو گیا لیکن پھر بھی کچھ نہ کر سکا۔ کیونکہ راجپوتوں نے اندر کی طرف ایک دیوار کھڑی کر رکھی تھی۔

رانا کا پیغام

دوسرے روز رانا کے ایلچی ملک ایاز کے پاس آئے اسے رانا کا یہ پیغام دیا۔ "میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں بادشاہ کا اطاعت گزار ہو جاؤں' میں وعدہ کرتا ہوں کہ معرکہ احمد نگر میں میں نے جن ہاتھیوں پر قبضہ کیا ہے انہیں اپنے بیٹے کے ہاتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ باوجود میری اطاعت اور فرماں برداری کے آپ اس قدر سخت گیری سے کیوں کام لے رہے ہیں۔"

مخالف امراء کا ارادہ جنگ

چونکہ قوام الملک ایاز سے ناراض تھا اس لیے ایاز نے یہی مناسب سمجھا کہ رانا سنگا سے صلح کی گفت و شنید کی جائے۔ دوسرے امراء کو جب ایاز کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا۔ اور سلطان محمود خلجی کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے لڑائی کرنے کی ترغیب دی۔ ان لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ بدھ کے روز لڑائی شروع کر دی جائے۔ اس مجلس سے ایک شخص اٹھ کر ایاز کے پاس آیا اور اسے تمام کیفیت بیان کی۔

ملک ایاز کا پیغام محمود خلجی کے نام

ملک ایاز نے اسی وقت سلطان محمود خلجی کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا اور اس سے کہا۔ "سلطان مظفر نے اس لشکر کے متعلق ہر قسم کے اختیارات مجھے دیئے ہیں اور یہ ہدایت کی ہے کہ میں جو بات مناسب سمجھوں اس کو عمل میں لاؤں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ امراء

گجرات کی ترغیب سے رانا سنگا سے جنگ کرنے کے لیے مستعد ہیں لیکن یہ ناچیز بندہ اس خیال سے متفق نہیں ہے۔ کیونکہ میری رائے میں باہمی نفاق کی وجہ سے ہم لوگ بذریعہ جنگ اپنا مقصد حل نہیں کر سکتے۔

ملک ایاز کی بندر دیو کو روانگی

بدھ کے روز جب کہ امراء کو جنگ کرنی تھی ملک ایاز نے اس جگہ سے کوچ کیا اور موضع خلجی پور میں قیام پذیر ہوا۔ اور وہاں رانا سنگا کے قاصدوں کو خلعت و انعام دے کر رخصت کیا۔ سلطان محمود خلجی نے جنگ کا ارادہ ترک کیا اور مندو کی طرف چلا گیا۔ ایاز جنانیر میں سلطان مظفر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے بندر دیو جانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ از سرنو فوج کا انتظام کر کے برسات کے بعد دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔

ایاز کا پیغام رانا سنگا کے نام

دوسرے امیروں نے بھی بادشاہ سے بات چیت کی اور ان میں یہ طے پایا کہ برسات کے بعد بادشاہ بذات خود رانا سنگا پر حملہ کرے اور اس نواح کے سرکشوں کو ٹھکانے لگائے۔ ملک ایاز کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے رانا سنگا کو یہ پیغام بھجوایا "چونکہ اب طرفین میں خوشگوار تعلقات پیدا ہو چکے ہیں اس لیے ایک دوسرے کی بہتری کے لیے کوشش کرنا ہمارا فرض اولین ہے چونکہ تمام امیر بغیر مقصد کو حاصل کیے ہوئے واپس لوٹے ہیں۔ اس لیے یہ امر بادشاہ کی طبیعت پر ناگوار گزرا ہے۔ لٰہذا بادشاہ کا ارادہ ہے کہ وہ بذات خود تمہارے ملک پر لشکر کشی کر کے مفسدوں اور ہنگامہ پروروں کا قلع قمع کرے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہی مناسب ہے کہ تم اپنے بیٹے کو پیش کش اور تحفوں کے ساتھ جلد از جلد بادشاہ کی خدمت میں روانہ کرو تاکہ شاہی عتاب سے محفوظ رہو۔"

رانا سنگا کی پیش کش

ماہ محرم ۹۲۸ھ میں سلطان مظفر جنانیر سے احمد آباد آیا تاکہ فوج جمع کر کے جے پور کا سفر کرے۔ احمد آباد میں چند روز قیام کیا اور سفر کا سامان درست کیا۔ پھر بادشاہ کانگڑہ میں مزید لشکر جمع کرنے کے لیے تین دن مقیم رہا اس دوران میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ رانا سنگا نے بہت سے قیمتی تحفے تحائف اور پیش کش دے کر اپنے بیٹے کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔ کچھ دنوں بعد رانا کا بڑا لڑکا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تمام تحفے شاہی بارگاہ میں پیش کیے۔ بادشاہ نے رانا کی خطا معاف کی اور اس کے بیٹے کو خلعت عطا کر کے لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

سیر و شکار

ان واقعات کے بعد بادشاہ سیر و شکار اور دوسری تفریحات میں مشغول ہو گیا۔ احمد آباد آیا وہاں دوبارہ رانا سنگا کے بیٹے کو خلعت سے نوازا اور اسے وطن واپس جانے کی اجازت دی اور خود سرکچ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایاز خاص سلطانی کی وفات

اسی سال ایاز خاص سلطانی نے جو مظفر شاہ کے بہی خواہوں اور قابل اعتماد اطاعت گزاروں میں تھا داعی اجل کو لبیک کہا۔ بادشاہ کو اس کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ ایاز کی جاگیر پر اس کے بیٹے کا تقرر کیا گیا۔

باغیوں کی سرکوبی

۹۳۰ھ میں سلطان مظفر نے مفسدوں اور فتنہ پردازوں کا قلع قمع کرنے کے لیے جنانیر سے کوچ کیا اور مہراسہ اور ہرسول کے درمیان چند روز قیام کیا اس نے حصار مہراسہ کو از سرنو تعمیر کروایا اور پھر احمد آباد روانہ ہو گیا۔ راستے میں بادشاہ کی محبوب بیوی نے وفات پائی۔ اس

عظیم صدمے سے بادشاہ اور شہزادہ دونوں ہی بہت غمگین ہوئے ملکہ کی قبر پر گئے اور تعزیت کے مراسم بجا لائے۔ اسی رنج و غم کے عالم میں بادشاہ احمد آباد واپس آیا۔

ملکہ کی وفات

ملکہ کی وفات سے بادشاہ کو بہت اذیت پہنچی تھی لیکن اس عالم میں بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ خداوند خاں جو دانش مندی اور فراست میں تمام امراء سے آگے تھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بادشاہ کو صبر کے فوائد سے آگاہ کیا اور ایک بہت ہی دل نشین اور سبق آموز تقریر کی۔ خداوند خاں کی اس ہمدردی سے بادشاہ کے دل سے غم کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا۔

محمد آباد جنانیر کا سفر

ان دنوں برسات کا موسم اپنے شباب پر تھا۔ خداوند خاں نے بادشاہ کو محمد آباد جنانیر کی سیر کا مشورہ دیا۔ بادشاہ نے یہ مشورہ قبول کیا اور سیر و تفریح کے لیے محمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

عالم خاں بن سکندر لودھی کی درخواست

ایک روز عالم خاں بن سکندر خاں لودھی بادشاہ دہلی نے سلطان مظفر سے کہا۔ "ابراہیم شاہ بن سلطان سکندر لودھی نے دہلی میں ظلم و ستم کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ بہت سے عالی وقار امراء کو بغیر کسی سبب کے قتل کر دیا اور جو باقی بچے ہیں انہوں نے مجھ کو بارہا خطوط لکھے ہیں اور اپنے پاس بلایا ہے۔ چونکہ اس ناچیز نے محض اس توقع پر کہ آپ کے توسط سے مجھے قدر و منزلت نصیب ہو گی ایک عرصے تک آپ کی اور آپ کے خاندان کی خدمت کی ہے اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ میری خوش طالعی اپنے جوہر دکھائے۔ لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے حال پر کرم فرما کر کوئی ایسی تدبیر کریں کہ میرا موروثی ملک میرے قبضے میں آ جائے۔ سلطان مظفر نے اس کی درخواست قبول کی اور اسے بہت سا روپیہ دے کر ابراہیم شاہ سے لڑنے کے لیے رخصت کیا۔ عالم خاں کے حالات شاہان دہلی سے متعلق باب میں لکھے جا چکے ہیں۔

شہزادہ بہادر خاں کی ناراضگی

۹۳۱ھ سلطان مظفر جنانیر سے ایدر آیا راستے میں شہزادہ بہادر خاں نے بادشاہ کو اپنی آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی کی طرف متوجہ کیا جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا ماہانہ جیب خرچ اس کے بڑے بھائی شہزادہ سکندر کے برابر کر دیا جائے۔ بادشاہ نے اس کی اس درخواست کو ٹال دیا اس سے شہزادہ بہادر خاں بہت رنجیدہ ہوا۔ اور بادشاہ کی اجازت و اطلاع کے بغیر احمد آباد آیا اور یہاں سے راجہ مال کے علاقے میں داخل ہو گیا۔

شہزادہ چیتور میں

راجہ مال نے شہزادہ کی آمد کو اپنے لیے باعث برکت سمجھا۔ اس نے شہزادے کی بہت آؤ بھگت کی اس کے بعد بہادر خاں چیتور میں آیا' یہاں رانا سنگا نے اس کا استقبال کیا اور بہت سے تحفے تحائف پیش کر کے کہا۔ "یہ ملک آپ کے خدمت گزاروں کا ہے۔ اس لیے آپ جسے چاہیں اپنی طرف سے عطا کر دیں۔" شہزادے نے رانا کی بہت دل جوئی کی اور ملک کے متعلق اس کی درخواست کو قبول نہ کیا۔

دہلی میں

پھر بہادر خاں خواجہ معین الدین حسن سنجری ؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا اور وہاں سے میوات چلا گیا۔ حسن میواتی نے س کا شاہانہ استقبال کیا۔ میوات سے شہزادے نے دہلی کا رخ کیا اتفاق سے ان دنوں مشہور مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر ہندوستان کو فتح

کرنے کے خیال سے دہلی کے نواح میں مقیم تھا۔ ابراہیم شاہ کو جب بہادر خاں کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس سے بڑی اچھی طرح پیش آیا۔

شہزادے کی مقبولیت

ایک روز شہزادے نے اپنے گجراتی نوجوانوں کو ساتھ لیا اور افغانیوں کی مدد کے لیے مغلوں سے جنگ کی اور میدان جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ افغانی سردار ابراہیم لودھی سے بے حد دل برداشتہ تھے۔ انہوں نے ابراہیم کو معزول کر کے بہادر خاں کو عنان حکومت سنبھالنے کا ارادہ کر لیا۔ ابراہیم لودھی کو اس ارادے کا علم ہو گیا اس نے شہزادہ بہادر خاں کو امراء کے سامنے پیش کیا اور خود جونپور روانہ ہو گیا۔

محبت پدری

سلطان مظفر کو جب یہ اطلاع ملی کہ شہزادہ بہادر خاں دہلی میں ہے اور ظہیرالدین بابر مع اپنی فوج کے دہلی کے نواح میں قیام پذیر ہے تو اسے بہت تشویش ہوئی۔ بیٹے کے فراق میں بادشاہ بہت ملول رہنے لگا۔ اس نے خداوند خاں کو ہدایت کی کہ وہ شہزادے کو خطوط لکھ کر واپس گجرات بلائے۔

گجرات میں قحط

اسی زمانے میں گجرات میں زبردست قحط پڑا لوگ دانے دانے کو ترس گئے۔ بادشاہ نے ان دنوں قرآن مجید ختم کیا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ مصیبت ختم ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور یہ مصیبت ٹل گئی۔

سلطان مظفر کی بیماری

اسی زمانے میں سلطان مظفر بیمار پڑا اگرچہ بہت علاج معالجہ کیا گیا لیکن مرض روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ ایک روز سلطان مظفر کو بہادر خاں بہت یاد آیا اور اس غم میں وہ دیر تک روتا رہا۔ ایک شخص نے موقع پا کر بادشاہ سے عرض کیا۔ "اس وقت گجراتی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک فریق شہزادہ سکندر کا حامی ہے اور دوسرا شہزادہ لطیف کی وفاداری کا دم بھرتا ہے۔"

بہادر خاں کا خیال

اس کے جواب میں سلطان مظفر نے اس شخص سے کہا۔ "کیا شہزادہ بہادر خاں کی طرف سے کوئی اطلاع آئی ہے؟" اس سوال سے سب لوگ سمجھ گئے کہ بادشاہ بہادر خاں کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہے۔

شہزادہ سکندر کو وصیت

۲ جمادی الاول ۹۳۲ھ (بروز جمعہ) بادشاہ نے شہزادہ سکندر کو بلایا اور اسے اس کے بھائیوں کے بارے میں وصیت کی۔ سکندر کو رخصت کر کے بادشاہ حرم سرا کے اندر داخل ہوا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر میں نماز جمعہ کی اذان کی آواز آئی۔ بادشاہ نے اذان سن کر کہا کہ مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں ہے کہ مسجد میں جاؤں پھر اپنے ہمراہیوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دی۔

انتقال

حاضرین کے جانے کے بعد بادشاہ نے اسی جگہ نماز جمعہ ادا کی اس کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا اسے لیٹے ہوئے ابھی تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ اس کا آخری وقت آ گیا۔ انتقال کے وقت سلطان مظفر کی عمر بیالیس سال تھی اور مدت حکومت چودہ سال نو ماہ۔

کردار

کہا جاتا ہے کہ سلطان مظفر نہایت پارسا اور مذہب اسلام کا شیدائی تھا۔ احکام شرع کی پابندی بہر طور کرتا تھا اور حدیث کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ خطاطی میں اسے کمال حاصل تھا۔ خط ثلث' نسخ اور رقاع میں اسے بڑی مہارت تھی قرآن مجید کی کتابت کرنے کا بھی اسے بہت شوق تھا۔ جب ایک قرآن مجید ختم ہو جاتا تو اسے حرمین شریفین بھیج دیتا اور دوسرا لکھنا شروع کر دیتا۔

ایران' توران' روم اور عرب جیسے ممالک کے شرفاء اور اکابر اس کے عہد حکومت میں گجرات میں آئے۔ سلطان مظفر ان سب مہمانوں پر بے حد نوازش کرتا تھا۔ مشہور و ممتاز خوشنویس ملا محمد سیاوش اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں شیراز سے گجرات آیا اور بے حد عزت اور وقعت کی نظر سے بادشاہ نے اسے دیکھا۔

سلطان سکندر بن سلطان مظفر شاہ گجراتی

بھائیوں میں نفاق

جب سلطان مظفر کی علالت نے طول کھینچا تو اس کے بیٹوں یعنی سکندر خاں اور لطیف خاں میں اختلاف پیدا ہو گئے- ان کی دیکھا دیکھی امیروں میں بھی دو گروہ ہو گئے- ایک گروہ سکندر کی حمایت کرنے لگا اور دوسرا لطیف خان کی چونکہ سکندر خان' سلطان مظفر خان کا بڑا بیٹا تھا نیز بادشاہ اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا- اس لیے تمام بڑے بڑے امراء عماد الملک' خداوند خاں اور فتح خاں وغیرہ اسی کے ساتھ تھے۔ آخر کار جب لطیف نے اپنے لیے کوئی گنجائش نہ دیکھی تو وہ اپنی جاگیر ندربار سلطان پور چلا گیا۔

سکندر کی تخت نشینی

سلطان مظفر کے انتقال کے بعد سکندر خاں تخت حکومت پر بیٹھا اس نے باپ کی لاش کو سرکھج روانہ کر دیا اور خود تعزیت میں معروف ہو گیا- تین روز تک مرحوم بادشاہ کا سوگ منایا گیا۔

شیخ چنو کی مذمت

تیسرے روز باپ کے سوگ سے فارغ ہو کر سکندر خاں محمد آباد جنانیر کی طرف روانہ ہوا- نتوہ نامی قصبے میں پہنچ کر اس نے بزرگان دین کی زیارت کی- یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ قطب عالم سید برہان الدین کے فرزند شیخ چنو کا خیال یہ ہے کہ بادشاہت بہادر خاں کو ملے گی یہ سن کر سکندر خاں کو بہت غصہ آیا اور اس نے شیخ صاحب کو برا بھلا کہا۔

بیجا رعائتیں

اس کے بعد بادشاہ جنانیر پہنچا اور اس نے اپنے خاص خدمت گاروں کو جو شہزادگی کے زمانے میں اس کے بہی خواہ تھے طرح طرح کی عنایتوں سے نوازا- ان کو بے جا طور پر بڑی بڑی جاگیریں دیں اس کے برعکس ان امیروں کو جو اس کے باپ دادا کے وقت سے سلطنت و حکومت کی خدمت کر رہے تھے بالکل نہ پوچھا- اس طرز عمل سے امراء میں ناراضگی اور دیگری کی ایک لہر دوڑ گئی۔

بادشاہ سے بے اطمینانی

عماد الملک حبشی سلطان مظفر کا لے پالک اور بادشاہ کی والدہ کا غلام تھا- وہ سکندر خاں کے طرز عمل سے بہت زیادہ دل برداشتہ ہوا- وہ لوگ جن پر سکندر خاں کی نظر التفات تھی انہوں نے بہت سی الٹی سیدھی حرکتیں کیں- ان وجوہ سے عام رعایا اور لشکر میں بادشاہ کی طرف سے سخت بے اطمینانی پھیل گئی اور سب لوگ خدا سے بادشاہ کے زوال کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔

غلط روی

ایک روز سلطان سکندر نے اپنا دربار منعقد کیا اور تمام امیروں اور اراکین سلطنت کو خلعت سے نوازا- نیز سترہ سو گھوڑے انعام میں تقسیم کیے چونکہ یہ عنایات قطعاً بے محل تھیں اس وجہ سے لوگ اور بھی بادشاہ سے ناراض ہوئے اور شہزادہ بہادر خاں کا انتظار کرنے لگے- لوگوں کا خیال تھا کہ سلطنت کا مستحق صحیح طور پر بہادر خاں ہی ہے اور وہی تمام کاموں کو بہ حسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔

شہزادہ لطیف کے خلاف اقدام

سلطان سکندر نے جب سب کو اپنے خلاف پایا تو وہ اپنے انجام کا خیال کر کے سخت پریشان ہوا- اسی اثناء میں بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ

شہزادہ لطیف جو ندربار سلطان پور میں ہے سلطنت کا دعویدار ہے اور تخت نشینی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بادشاہ نے ملک لطیف باریدار کو "شرزہ خانی" کا خطاب دے کر شہزادہ لطیف کی مدافعت کے لیے روانہ کیا۔

ملک لطیف اور سپاہ کا قتل

جب ملک لطیف ندربار پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شہزادہ لطیف خاں کوہستاں ہورگا میں ہے جو جے پور کے جنگل میں واقع ہے۔ ملک لطیف فوراً جے پور کے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ جے پور کے راجہ نے ملک لطیف کا مقابلہ کیا' فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ جے پور کامیاب ہوا ملک لطیف اور دوسرے نامی گرامی امراء کو قتل کر دیا گیا چونکہ بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا اس لیے راجپوتوں نے عقب سے آ کر سترہ سو سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔

سلطان سکندر کے قتل کی سازش

گجراتیوں نے اس زبردست شکست کو سکندر خاں کے زوال کی سب سے بڑی علامت قرار دیا۔ اس کے بعد سلطان سکندر نے قیصر خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ دشمنوں کی سرزنش کے لیے نامزد کیا۔ اس عرصے میں امیروں کے ایک گروہ نے عماد الملک سے کہا۔ "سلطان سکندر تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے چونکہ ہم تمہارے بہی خواہ ہیں اس لیے یہ راز تمہیں بتائے دیتے ہیں۔" یہ سن کر عماد الملک نے طے کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح سلطان سکندر شاہ کو قتل کر کے سلطان مظفر کے کسی اور بیٹے کو حکمران بنا دیا جائے۔ اور اس طرح تمام قوت و اقتدار کی عنان اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔

بادشاہ کی سادہ لوحی

ایک روز سلطان سکندر سیر و تفریح کے لیے نکلا۔ عماد الملک نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور بادشاہ کو قتل کرنے کے ارادے سے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا لیکن اسے اس کا موقع نہ ملا راستے میں ایک شخص نے سلطان سکندر کو سارا واقعہ بتا دیا لیکن بادشاہ نے اس کا یقین نہ کیا اور جواب دیا۔ "یہ سب بدخواہوں کی اڑائی ہوئی افواہیں ہیں تاکہ میں سلطان مظفر کے امیروں اور غلاموں پر ظلم کروں۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عماد الملک جیسا موروثی نمک خوار میرے خلاف اس قسم کی سازش کرے۔"

پریشان کن خواب

بادشاہ نے یوں تو یہ جواب دے دیا لیکن وہ یہ خبر سن کر رنجیدہ ضرور ہوا اس نے اپنے ایک مقرب خاص سے کہا۔ "جب کبھی عام لوگوں میں یہ افواہ مشہور ہو جاتی ہے کہ شہزادہ بہادر خاں گجرات کو فتح کرنے کے لیے آ رہا ہے تو میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی روز رات کو سلطان سکندر نے خواب میں سید جلال بخاری شاہ عالم اور شیخ چنو کو مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ دیکھا۔ سلطان مظفر بھی اس محفل میں شریک تھا اس نے کہا میرے بیٹے سلطان سکندر کو معزول کیا جائے۔ اس پر شیخ چنو نے سکندر سے کہا اٹھ جاؤ یہ تمہاری جگہ نہیں ہے تخت کا حقیقی وارث بہادر خان ہے۔"

پریشانیوں میں اضافہ

صبح جب بادشاہ نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے ایک مقرب خاص کو بلا کر یہ خواب بیان کیا اس خواب سے بادشاہ سخت پریشان تھا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اس نے اپنے خیال کو بٹانے کے لیے چوگان بازی کا سہارا لیا اور کھیل میں مصروف ہو گیا۔

عماد الملک محل سرا میں

بادشاہ کے اس خواب کی کئی لوگوں کو اطلاع ہو گئی جب چوتھائی دن گزر گیا تو بادشاہ محل سرا میں آیا اور کھانا کھانے کے بعد آرام

کرنے لگا تمام مقربین اپنے اپنے مکانوں میں چلے گئے۔ ۲۹ شعبان ۹۳۲ھ کو عماد الملک محل سرا میں آیا اس کے ساتھ بہاء الملک داور الملک سیف خاں ایک حبشی اور دو ترکی غلام تھے۔ عماد الملک نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ محل عجائبات روزگار میں سے ہے تم اس کی سیر کرو اور دیکھو کہ کس عمدہ طریقے سے اس کو تعمیر کیا گیا ہے۔

نصرت الملک اور ابراہیم بن جوہر کا قتل

عماد الملک اور اس کے ساتھی حوض کے قریب پہنچے وہاں نصرت الملک اور ابراہیم بن جوہر موجود تھے۔ عماد الملک اور اس کے ساتھیوں نے تلواریں سنبھالیں اور ان کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ ان دونوں نے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور وہ مارے گئے۔

سلطان سکندر کا قتل

اس کے بعد عماد الملک اور اس کے ساتھی بادشاہ کی خواب گاہ میں آئے۔ اس وقت سید علیم۔ الدین بادشاہ کے پلنگ پر بیٹھا ہوا اس کی حفاظت کر رہا تھا علیم نے جو یہ صورت حال دیکھی تو وہ سخت بدحواس ہوا اس نے تلوار نکال کر آنے والوں پر حملہ کیا دو آدمیوں کو زخمی کیا۔ اور مارا گیا۔ عماد الملک اور اس کے ساتھیوں نے پلنگ پر لیٹے ہوئے بادشاہ کو تین جگہ سے زخمی کیا بادشاہ گھبرا کر اٹھا اور زمین پر آگرا اس وقت ایک شخص نے تلوار کے ایک ہی وار سے بادشاہ کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ سلطان سکندر نے صرف تین مہینے اور سترہ دن حکومت کی۔

سلطان محمود بن سلطان مظفر شاہ گجراتی

تخت نشینی

سلطان سکندر خاں کے قتل کے بعد عماد الملک نے بہاء الملک کے مشورے سے نصیر خاں کو حرم سرا سے نکال کر "محمود شاہ" کے لقب سے تخت حکومت پر بٹھا دیا۔ سلطان سکندر کے مقربین اور امراء خوف کی وجہ سے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ان لوگوں کے مکانات کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا گیا۔ سکندر شاہ کی لاش ہالوں میں جو جیناتیر کا ایک ضلع ہے سپرد خاک کر دی گئی۔

امراء کی دلجوئی

عماد الملک نے خلعت و انعامات دے کر امیروں کو تسلی دی اور ان کے دل اپنے قابو میں کیے اس نے ایک سو اسی امیروں کو خطابات سے نوازا لیکن کسی کی تنخواہ یا جیب خرچ میں اضافہ نہ کیا۔ گجرات کے اکثر امراء موجودہ صورت حال سے مطمئن نہ تھے وہ بہادر خاں کو گجرات کا بادشاہ بنانے کے حامی تھے اور اس مقصد سے انہوں نے شہزادے کو کئی خطوط بھی لکھے تھے اس سلسلے میں تاج خاں اور خداوند خاں سب سے زیادہ کوشاں تھے۔

شہزادہ بہادر کی گجرات کو روانگی اور عماد الملک کی پریشانی

شہزادہ بہادر خاں کو سلطان مظفر کے انتقال کی خبر اس وقت ملی جب کہ وہ جانی پور میں تھا یہ خبر سنتے ہی وہ جلد از جلد گجرات کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ عماد الملک بہت پریشان ہوا اس نے برہان نظام الملک بحری کو خط لکھا اور بہت سا روپیہ دے کر اسے ندربار اور سلطان پور کی سرحد کی طرف بلایا۔ اسی طرح عماد الملک نے راجہ مال پور کو بھی محمد آباد جنانیر کی سرحد کی طرف بلایا۔

عماد الملک کا خط بابر کے نام

عماد الملک نے بڑی دور اندیشی اور فراست سے کام لیا اور ظہیر الدین بابر کے نام ایک عریضہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "اگر جناب کے لشکر کا ایک حصہ بندر دیو میں آ جائے تو میں آپ کے ملازمین کے اخراجات کے لئے ایک کروڑ تنکہ نقد پیش کروں گا۔" برہان نظام شاہ بحری نے عماد الملک کے بھیجے ہوئے تحفے تحائف تو قبول کر لیے لیکن اس کی فرمائش کو ٹال دیا۔ راجہ مالپور البتہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ اس پر حق ہمسائیگی واجب تھا لہٰذا وہ جنانیر کے نواح میں آ گیا۔

گجراتی امراء کا قاصد بہادر کی خدمت میں

بابر کے نام جو عریضہ عماد الملک نے روانہ کیا تھا اس کی تفصیل دونگر پور کے تھانیدار کو معلوم ہو گئی اس نے تاج خاں اور خداوند خان کو سب کچھ بتا دیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی گجراتی امیروں نے جلد از جلد اپنے ایک آدمی کو شہزادہ بہادر خاں کے پاس دہلی بھیجا۔ یہ قاصد سفر کی منزلیں جلد از جلد طے کرتا ہوا دہلی کے نواح میں شہزادہ بہادر خان کے پاس جا پہنچا اور گجراتی امیروں کے عریضے اس کی خدمت میں پیش کیے۔ اتفاق سے اس وقت جون پور کے افغانوں کی طرف سے پائند خاں بھی آیا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ بہادر خاں کو اپنے ساتھ لے جا کر جون پور کا بادشاہ بنائے مگر شہزادے نے اس درخواست کو منظور نہ کیا کیونکہ اسے گجرات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ بہادر خاں نے پائند خاں کو تو رخصت کر دیا اور خود احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

دانش مند گھوڑا

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت گجرات اور جون پور کے قاصد شہزادہ بہادر خاں کے پاس آئے تو ان میں سے ہر ایک نے شہزادے کو اپنے ساتھ لے جانے کی پوری پوری کوشش کی۔ شہزادہ اس دو طرفہ اصرار سے بہت پریشان ہوا اور آخرکار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ میں جنگل میں جاکر گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں اور اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتا ہوں تاکہ گھوڑا جس طرف چاہے چلا جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا گھوڑے نے اپنا رخ گجرات کی طرف کر لیا اور اس طرح شہزادہ بہادر خاں افغانی قاصد سے معذرت طلب کر کے گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔

بہادر خاں چیتوڑ میں

سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا شہزادہ خاں بہادر چیتوڑ میں آیا اس دوران گجرات کے قاصد برابر اس کے پاس آتے رہے اور گجرات کی خبریں پہنچاتے رہے۔ اسی جگہ شہزادے کو سلطان سکندر کے قتل کی خبر ملی شہزادہ چاند خاں اور شہزادہ ابراہیم بن مظفر شاہ جو رانا سنگا کے پاس تھے انہوں نے شہزادہ بہادر خاں سے ملاقات کی اور بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ چاند خاں تو شہزادے سے رخصت ہو کر اسی مقام پر فروکش رہا البتہ شہزادہ ابراہیم بہادر خاں کے ساتھ ہو لیا۔

گجراتی امیروں کو بہادر خاں کی آمد کی اطلاع

کچھ دنوں بعد شہزادہ بہادر خاں نے چیتوڑ سے کوچ کیا۔ مال پور کا راجہ اودے سنگھ اور سلطان سکندر کے دوسرے حامی بہادر خان کے ساتھ مل گئے۔ بہادر خاں نے بہادر الملک اور تاج الدین کو تاج خاں اور دوسرے امیروں کے پاس روانہ کیا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔ تاج خاں جو عماد الملک سے بہت خائف تھا اپنے لشکر اور قبیلے کے ساتھ وندوقہ میں مقیم ہوا۔ اور بہادر خاں کا انتظار کرنے لگا۔ وندوقہ میں تاج خاں نے بہت سا سامان جمع کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بہادر خاں کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

شہزادہ لطیف کی روانگی

تاج خاں کے ساتھ شہزادہ لطیف بن مظفر شاہ بھی تھا۔ تاج نے شہزادے کو اخراجات کے لیے کچھ روپیہ دیا اور رخصت کر دیا۔ اور کہا کہ چونکہ اب تاج و تخت کا صحیح وارث یہاں آ پہنچا ہے اس لیے میرا اور تمہارا ایک ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم کہیں اور چلے جاؤ۔ شہزادہ لطیف بادل ناخواستہ وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے چچا زاد بھائی شہزادہ فتح خاں کے پاس چلا گیا۔

بہادر خاں دونگر میں

شہزادہ بہادر خاں جب دونگر پہنچا تو خرم خاں اور ملک کے دوسرے نامور امیروں نے اس کا استقبال کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر عماد الملک کی پریشانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور وہ لشکر جمع کرنے کے لیے سرکاری روپیہ بے دریغ صرف کرنے لگا۔

عماد الملک کی کاروائی

عماد الملک نے جب یہ دیکھا کہ لوگ جوق در جوق شہزادہ بہادر خاں کے پاس جا رہے ہیں تو اس نے ایک زبردست لشکر مع پچاس ہاتھیوں کے عضد الملک کی نگرانی میں مہرابیہ روانہ کیا تاکہ راستہ مسدود کر دیا جائے اور کسی شخص کو شہزادہ بہادر خاں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔

سلطان بہادر دونگر سے محمود پور پہنچا وہ تمام امراء جو سلطان سکندر کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ گئے تھے جمع ہو کر بہادر خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عضد الملک نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ محمد آباد میں عماد الملک کے پاس چلا گیا۔

بہادر خاں احمد آباد میں

شہزادہ بہادر خاں قصبہ مہرایہ میں وارد ہوا تو وہاں تاج خاں چتر و امارت شاہی کے ساتھ شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ۲۶ رمضان المبارک ۹۳۲ھ کو شہزادہ مہروالہ پٹن میں آیا اور وہاں سے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ قصبہ سرکچ میں شہزادے نے مشائخ اور صوفیائے کرام کے مزاروں کی زیارت کی اور احمد آباد میں داخل ہوا۔

محمود شاہ کی حکومت کا خاتمہ

عماد الملک کی پریشانی اور بڑھی اور اس نے اپنے لشکریوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ ادا کی اور قاصد شہزادہ لطیف کے پاس بھیجا اور اس سے مدد طلب کی لیکن اس سے پہلے کہ شہزادہ لطیف آتا بہادر خاں محمد آباد جا پہنچا۔ بہت سے امراء جن میں بہاء الملک اور داور الملک (سلطان سکندر کے قاتل) بھی شامل تھے۔ عماد الملک سے ناراض ہو کر شہزادہ بہادر خاں سے آ ملے۔ شہزادے نے مصلحت وقت کے پیش نظر ان لوگوں کی دل جوئی کی اور عماد الملک پر غالب آ کر محمود شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

محمود شاہ صرف چار ماہ تک حکمران رہا۔

سلطان بہادر خاں بن سلطان مظفر شاہ گجراتی

تخت نشینی

نجومیوں نے عیدالفطر ۹۳۲ھ کا مبارک دن بہادر خاں کی تخت نشینی کے لیے تجویز کیا تھا چنانچہ اس دن بہادر خاں نے احمد آباد میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور تمام امراء اور اراکین سلطنت کو انعامات و خلعت سے نوازا۔

محمد آباد جنانیر کا سفر

ماہ شوال کے شروع میں بادشاہ نے محمد آباد جنانیر کا سفر اختیار کیا۔ سفر کی پہلی منزل پر معظم خاں سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ جب بادشاہ اس منزل سے روانہ ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ دریائے باترک میں طغیانی آگئی ہے اور اس وجہ سے لشکر دریا کو عبور نہیں کر سکتا۔

امرائے سارق

بادشاہ نے قصبہ سونج میں قیام کیا اور تاج خاں کو دریا کے کنارے متعین کیا تاکہ وہ لشکر کو بحفاظت دریا کی دوسری طرف اتارنے کا انتظام کرے۔ دوسرے روز وہ تمام امراء جنہوں نے گذشتہ زمانے میں شاہی خزانے سے دولت چرائی تھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام مال مسروقہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان بہادر نے عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ تمام مال انہیں چوروں کو بخش دیا۔

مفسدوں کی کوشش

چاند پور کے راستے میں بادشاہ دریائے مندری کے کنارے پہنچا اور اس کا لشکر گزرنا شروع ہوا۔ عماد الملک اور عضد الملک نے پہلے ہی سے ایک لشکر کو بروده اور دوسرے علاقوں میں اس کام کے لیے متعین کر رکھا تھا کہ جب بادشاہ ادھر سے گزرے تو فساد برپا کر کے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جائے۔ بادشاہ نے ان مفسدوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور ان کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوا اور جلد از جلد دریا عبور کر گیا اور محمد آباد جنانیر کی طرف روانہ ہوا۔

عماد الملک کی گرفتاری کا حکم

جب سلطان بہادر خاں شہر کے قریب پہنچا تو نصیر خاں کا بیٹا ضیاء الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے ضیاء الملک کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی مدد سے عماد الملک کے مکان کا محاصرہ کر کے اسے گرفتار کر لے اس کے بعد بادشاہ آگے روانہ ہوا۔

گرفتاری اور پھانسی

تاج خاں نے جلد از جلد عماد الملک کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ عماد الملک مکان کی دیوار کے ذریعے سے اپنے گھر سے نکل گیا اور شیخ چنو صدیقی کے گھر میں پناہ گزیں ہوا۔ شیخ چنو کا گھر لوٹ لیا گیا اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کر لیا گیا اتفاق سے بادشاہ کا گزر خداوند خاں کے گھر کے سامنے سے ہوا۔ خداوند خاں اگرچہ اس زمانے میں گوشہ نشین ہو چکا تھا لیکن مکان سے باہر آیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی دوران میں خداوند خاں کے ملازم عماد الملک کو شیخ چنو صدیقی کے گھر سے گرفتار کر کے لے آئے۔ بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ عماد الملک سیف الدین اور سلطان سکندر کے دوسرے قاتلوں کو پھانسی دے دی جائے۔

عضد الملک کی گرفتاری کا حکم

سلطان بہادر نے سلطان مظفر کے نامی گرامی غلام رفیع الملک بن توکل کو عماد الملک کا خطاب دے کر عارض الممالک کے عہدے پر فائز کیا۔ عضد الملک کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو وہ بڑودہ سے فرار ہو گیا۔ بادشاہ نے شمشیر الملک اور نظام الملک کو بالترتیب عضد الملک اور محافظ خاں کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ دونوں مجرم فرار ہو کر رائے سنگھ کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ بہادر شاہی سپاہیوں نے ان دونوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور واپس آ گئے۔

سلطان سکندر کے قاتلوں کا قتل

اسی زمانے میں شاہ چنو صدیقی اور عضد الملک کے بیٹے کو سکندر خاں کے قاتلوں کی ایک جماعت کے ساتھ قدر خاں کے گھر میں قتل کیا گیا۔

بہاء الملک کا عبرت ناک حشر

بہاء الملک بھی گرفتار ہوا اس نے سلطان سکندر کو زخمی کیا تھا اور سید علیم الدین کے ہاتھوں خود بھی زخمی ہوا تھا۔ اور اس کا وہ زخم ابھی تک تازہ تھا' بادشاہ نے حکم دیا' اس کی کھال کھینچ کر اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ سلطان سکندر کے قاتلوں میں سے چند اور اشخاص بھی گرفتار ہوئے جو دکن کی طرف فرار ہوئے تھے۔ بادشاہ کے حکم سے انہیں توپ کے آگے ڈال کر اڑا دیا گیا' الغرض سلطان بہادر نے تھوڑے ہی عرصہ میں سلطان سکندر کے تمام قاتلوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

شہزادہ لطیف کی مایوسی

کہا جاتا ہے کہ جس روز سلطان بہادر محمد آباد جانپیر میں آیا اسی روز شہزادہ لطیف بھی عماد الملک اور دوسرے امراء کی دعوت پر شہر میں داخل ہوا اور ایک گوشے میں چھپ گیا۔ قیصر خاں' الغ خاں اور دوسرے امراء نے لطیف خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ "اب زیادہ دیر تک کسی امر کا انتظار نہ کرو اور فوراً گوشہ نشین ہو جاؤ۔ لطیف خاں مایوس ہو کر پالن پور چلا گیا' عضد الملک اور محافظ خاں بھی ولایت مونگا کی طرف چلے گئے۔

رعایا کی فلاح و بہبود

ان تمام واقعات کے بعد سلطان بہادر بڑے امن و اطمینان سے رعایا کی فلاح و بہبود اور لشکر کے انتظامات میں مشغول ہوا' رعایا کو انعام و اکرام سے نوازا۔ سپاہیوں کی تنخواہوں میں کئی کئی گنا اضافہ کیا اور سال بھر کی تنخواہیں یک مشت ادا کر کے انہیں خوش کیا' سرکھج نتوہ اور رسول آباد کے فقیروں کو بھی مالا مال کیا۔

محمد آباد میں دوبارہ تخت نشینی کی رسم

سلطنت گجرات کا پایہ تخت چونکہ محمد آباد جانپیر تھا اور تمام شاہان گجرات نے اسی جگہ تخت بادشاہت پر جلوس کیا تھا اس لیے سلطان بہادر نے بھی اسی مقام پر تخت نشینی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ نجومیوں نے مبارک ساعت تجویز کی اور اس کے مطابق ۹۳۲ھ میں دریائے شرقی کے قریب مرصع تخت رکھ کر یہ رسم عمل میں آئی۔ تمام امراء اکابر اور مشائخ نے بادشاہ کو مبارک باد دی تقریباً ایک ہزار درباریوں کو خلعت عطا کئے گئے۔

عضد الملک کی سرگرمیاں

تمام امراء کو خطابات سے نوازا گیا۔ غازی خاں کے اعزاز و جاگیر میں اضافہ کیا گیا اور ندربار سلطان پور کی حکومت اسے عطا کی گئی۔ اسی

دوران میں یہ اطلاع ملی کہ عضد الملک، محافظ خاں کی ترغیب سے ندر بار سلطان پور کے نواح میں کوہ ادا سن میں ہنگامہ آرائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بادشاہ نے غازی خاں کی نگرانی میں ایک لشکر کو اس فتنے کے فرو کرنے کے لیے نامزد کیا۔

گجرات میں قحط

اسی زمانے میں گجرات میں زبردست قحط پڑا۔ بادشاہ نے ہوشیار الملک کو جو خازن رکاب تھا حکم دیا کہ سواری کے وقت جو شخص سوال کرے اسے ایک مظفری (گجرات کا ایک سکہ) عطا کی جائے۔ ان دنوں بادشاہ دو مرتبہ چوگان بازی کے لیے سوار ہوا اور ان موقعوں پر جتنے لوگوں نے بھی سوال کیا ان کو ایک ایک مظفری دی گئی۔ سلطان بہادر نے ہر شہر میں فقیروں اور محتاجوں کے لیے لنگر خانے قائم کئے اور رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف بہت توجہ کی۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ گجرات کے شہر پہلے سے کہیں زیادہ آباد و معمور ہو گئے۔

مفسدوں کی سرگرمیاں

سلطان بہادر کو عنان اقتدار سنبھالے ہوئے ابھی کچھ مدت ہی گزری تھی کہ مفسدوں اور فتنہ پردازوں کی سرگرمیاں تیز ہونے لگیں۔ شجاع الملک نے راہ فرار اختیار کی اور شہزادہ لطیف خاں سے مل گیا۔ امراء کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بادشاہ سے گزارش کی، حضور نے الغ خاں کو اپنا ہی خواہ سمجھ کر شہزادہ لطیف کی مدافعت کے لیے نامزد کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیصر خاں اور الغ خاں سلطان سکندر کے قتل کے معاملے میں عماد الملک سے متفق تھے اور اب بھی شہزادہ لطیف کو مدد پہنچاتے رہتے تھے۔

گرفتاریاں

سلطان بہادر اس مسئلے پر سوچنے لگا، اسی دوران میں تاج خاں نے قسم کھا کر بادشاہ سے عرض کیا۔ قیصر خاں اور الغ خاں نے ایک غیر معروف راستے سے شہزادہ لطیف کو دعوت بلایا۔ "دوسرے روز صبح جب تمام امراء بادشاہ کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو سلطان بہادر نے حکم دیا کہ قیصر خاں اور الغ خاں کو گرفتار کر لیا جائے۔ انہیں دنوں دار الملک کسی بہانے سے باہر گیا اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ خواجہ باجو اور ضیا الملک کا تعلق بھی مفسدوں کے گروہ سے تھا۔ ان دونوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ہاتھ باندھ کر اور ننگے پیر دربار میں لایا گیا۔ لوگوں نے ہجوم کر کے ان دونوں کے مکانات کو لوٹ لیا۔ ضیاء الملک گلے میں رسی ڈال کر بڑی عاجزی سے رویا۔ خواجہ باجو نے پچاس لاکھ تنکہ خون بہا دے کر معافی چاہی۔ سلطان بہادر نے ان دونوں پر رحم کھایا اور ان کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد سارے ملک میں امن و امان ہو گیا اور کسی قسم کا فتنہ و فساد باقی نہ رہا۔

سلاح داران خاصہ کا ہنگامہ

۹۳۲ھ میں خاصہ کے سلاح داروں نے جو تعداد میں دو ہزار تھے جامع مسجد میں شور اور ہنگامہ کیا اور اس سبب سے خطیب مسجد کو خطبہ پڑھنے سے روک دیا کہ ان سلاح داروں کو تنخواہ نہیں ملی۔ سلطان بہادر اگرچہ جانتا تھا کہ سلحدار شہزادہ لطیف کے حامی ہیں اور اس بہانے سے اس کے پاس جانا چاہتے ہیں لیکن اس نے انسانی ہمدردی اور اخوت کے جذبات میں آ کر حکم دیا کہ ان کی تنخواہ ادا کر دی جائے۔

شہزادہ لطیف کی گرفتاری

انہیں دنوں غازی خاں کا ایک عریضہ پہنچا جس کا مضمون یہ تھا شہزادہ لطیف خاں ایک زبردست لشکر لے کر سلطان پور میں آیا ہے اور یہاں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا ہے۔ میں نے اس کی مفسدانہ حرکات پر کڑی نظر رکھی تو وہ مجھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا۔ میں نے بھی لشکر تیار کیا زبردست لڑائی کے بعد عضد الملک اور محافظ خاں تو میدان جنگ سے بھاگ گئے، رائے بھیم مع اپنے بھائیوں کے مارا گیا اور شہزادہ لطیف زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔

شہزادہ لطیف کی وفات

جونہی بادشاہ نے یہ عریضہ پڑھا اس نے اسی وقت محب الملک کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ سلطان پور بھیجا اور حکم دیا کہ شہزادہ لطیف کے ساتھ انتہائی محبت اور ہمدردی کا سلوک کیا جائے' اس کے زخموں کا علاج کیا جائے اور اسے بڑی عزت اور احترام سے بادشاہ کے حضور لایا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی مگر کاری زخم لگنے کی وجہ سے شہزادہ لطیف نے راستے ہی میں انتقال کیا۔ اسے جنانیر کے ضلع بالول میں سلطان سکندر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

نصیر خاں معروف بہ محمود شاہ کی وفات

اسی سال سلطان سکندر کے دوسرے بھائی نصیر خاں (جو سلطان محمود کے لقب سے تخت گجرات پر بیٹھا تھا) نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بادشاہ نے اپنے بھائیوں کی قبروں پر ایک گروہ کو وظیفہ دے کر متعین کیا اور کھانے اور خیرات کی تقسیم کا حکم دیا۔

رائے سنگھ کا فتنہ

اسی سال یہ خبر ملی کہ رائے سنگھ راجہ بال نے قیصر خاں کے قتل کی اطلاع پانے کے بعد قصبہ دھور کو تباہ اور برباد کیا اور بہت سا مال قیصر خاں کے لڑکے ضیاء الملک سے زبردستی چھین کر لے گیا اور اب رائے سنگھ پورے ملک کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر سلطان بہادر کو بہت تشویش ہوئی اور اس نے بذات خود اس علاقے کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ تاج خاں کو جب بادشاہ کے اس ارادے کا علم ہوا تو اس نے عرض کیا۔

"حکومت کو ابتداء میں اس قسم کے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں حضور کو قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس خدمت پر بندۂ حقیر کو نامزد کیا جائے تو یقین ہے کہ میں فتنہ پردازوں کو اچھی طرح ٹھکانے لگا سکوں گا۔"

تاج خاں کی نامزدگی

سلطان بہادر نے فوراً تاج خاں کو خلعت عطا فرمایا اور اسے ایک لاکھ سواروں کے ساتھ رائے سنگھ کی گوشمالی کے لیے نامزد کیا۔ تاج خاں اس لشکر جرار کے ہمراہ ملک بال میں پہنچا اور تباہی و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ رائے سنگھ نے یہ صورت حال دیکھ کر بڑی انکساری کا اظہار کیا اور عہد مظفری کے ایک مشہور امیر شرف الملک کے نام ایک عریضہ روانہ کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

تاج خاں اور رائے سنگھ میں معرکہ

رائے سنگھ کا جرم ایسا نہ تھا کہ اسے معاف کر دیا جاتا اس لیے تاج خاں نے اس کے علاقے میں اور زیادہ تباہی و بربادی کی اور رائے سنگھ کو سزا دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ رائے سنگھ نے جب دیکھا کہ سوائے لڑائی کے کوئی صورت باقی نہیں رہی تو وہ مجبوراً لڑائی کے لیے تیار ہوا' اس نے ایک تنگ مقام کو جنگ کے لیے منتخب کیا۔ تاج خاں اسی جگہ آیا' فریقین میں لڑائی ہوئی رائے سنگھ کے سپاہیوں میں ایک بڑی تعداد ماری گئی' تاج خاں کا ایک آدمی قتل ہوا۔ کچھ عرصہ تک تاج خاں بال ہی میں رہا۔ آخر بادشاہ کے بلانے پر واپس چلا آیا۔

عامل کنبایت کی معزولی

اسی سال ربیع الاول کے مہینے میں سلطان بہادر سیر و شکار کی غرض سے پایہ تخت سے باہر نکلا۔ بندر کنبایت کے باشندوں کی ایک جماعت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے عامل کے ظلم و ستم کی روداد بیان کی۔ بادشاہ نے اسی وقت کنبایت کے داروغہ کی معزولی کا حکم صادر کیا اور تاج خاں کو اس خدمت پر مقرر کیا۔ اسی سال رانا سانگا کا بیٹا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ دن قیام کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔

ایدر اور باکر کی فتح

سلطان سکندر ۹۳۴ھ میں ایدر اور باکر کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا بہت ہی تھوڑے عرصے میں اس نے ان ولایتوں کو فتح کر لیا اور جنانیر واپس آ گیا۔

بندر دیب میں فرنگیوں کی گرفتاری

چند ماہ بعد بادشاہ نے قلعہ بہروج کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کنپایت میں آیا۔ ایک روز بادشاہ دریا کی سیر کر رہا تھا کہ بندر دیب سے ایک جہاز آیا' جہازیوں نے بادشاہ کو بتایا کہ مخالف ہواؤں اور طوفان کی وجہ سے فرنگیوں کا ایک جہاز بندر دیب میں آ گیا تھا۔ قوام الملک نے اس جہاز کو اپنے قبضے میں کر لیا اور تمام جہازی فرنگیوں کو قید کر لیا ہے۔ سلطان بہادر یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا اس نے فوراً خشکی کے راستے بندر دیب کا سفر اختیار کیا اور قوام الملک کے پاس پہنچا۔ قوام الملک نے فرنگیوں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا' بادشاہ نے ان کافروں کی ایک بڑی تعداد کو مسلمان کیا اور واپس ہوا۔

میراں محمد شاہ کا عریضہ

اسی سال حاکم اسیر میراں محمد شاہ (جو سلطان بہادر کا بھانجہ تھا) کا ایک خط آیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ "علاؤ الدین عماد شاہ نے بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ یہ درخواست کی تھی کہ برہان نظام شاہ بحری اور قاسم ترک بیدری ملک برار میں زبردستی مدافعت کر رہے ہیں اس لیے میں اس کی (عماد شاہ کی) مدد کروں۔ اس درخواست کو میں نے منظور کر لیا اور عماد شاہ کی مدد کے لیے گیا' فریقین میں زبردست جنگ ہوئی میرے مقابلے پر بھی ایک لشکر آیا اور میں نے اس کو شکست دی۔

اسی اثناء میں نظام شاہ بحری جو ایک جگہ چھپا ہوا تھا اس نے علاؤ الدین عماد شاہ پر حملہ کیا اور اسے شکست دے کر میرے چند ہاتھی بھی بطور مال غنیمت کے اپنے ساتھ لے گیا نظام الملک نے قلعہ ماہور پر جو ملک برار کا بہترین حصہ ہے قبضہ کر لیا ہے اس صورت حال کے پیش نظر آپ جو حکم دیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔"

بادشاہ کا جواب

بادشاہ نے میراں محمد شاہ کے عریضے کا یہ جواب دیا۔ "پچھلے سال بھی علاؤ الدین نے اسی قسم کی درخواست کی تھی اور حاکم نہروالہ ملک عین الملک نے جا کر فریقین میں صلح کرا دی تھی' چونکہ پہل نظام الملک کی جانب سے ہوئی ہے اس لیے مظلوم کی حمایت کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔"

دکن پر لشکر کشی کا ارادہ

ماہ محرم ۹۳۵ھ میں سلطان بہادر نے نظام شاہ کے ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے دکن کی جانب روانہ ہوا۔ بادشاہ نے لشکر اور سامان ضرورت کی فراہمی کے لیے کچھ عرصہ تک بردوہ میں قیام کیا۔

حاکم بھٹہ کی آمد

اسی سال بھٹہ کا حاکم جام فیروز مغلوں کی چیرہ دستیوں سے پریشان ہو کر جلا وطن ہوا اور سلطان بہادر کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ سلطان بہادر نے اس کی حالت پر رحم کھایا اور اسے اخراجات کے لیے بارہ لاکھ تنکے مرحمت کیے نیز یہ وعدہ بھی کیا کہ اس کا موروثی ملک مغلوں کے پنجے سے نکال کر اس کے حوالے کر دے گا۔ سلطان بہادر کی عظمت و شوکت کی شہرت دور دور پھیلنے لگی۔ اس سفر میں دور و نزدیک کے تمام راجے اور حاکم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بہی خواہی کا یقین دلایا۔

سلطان بہادر کی ہردلعزیزی

پوربیہ سے راجہ گوالیار کا بھتیجا مع اپنے گروہ کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملازمین خاص کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ رانا سانگا کا بھتیجا بھرون پسر پر تھی راج بھی چند راجپوتوں کے ساتھ بادشاہ کے ملازموں میں داخل ہوئے۔ دکن کے بعض سرداروں نے بھی شاہی ملازمت حاصل کی۔ ان سب لوگوں کو بادشاہ نے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

عماد شاہ کا پیغام

سلطان بہادر کو ایک عرصے تک محمد آباد جنانیر میں قیام کرنا پڑا۔ عماد شاہ چاہتا تھا کہ بادشاہ جلد از جلد اس کی مدد کے لیے آئے۔ اس نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کی آمد میں تاخیر ہو رہی ہے تو اس نے اپنے بیٹے خضر خاں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور کہلوایا۔ "برہان نظام شاہ بحری اس قدر مغرور و سرکش ہے کہ وہ اپنے برابر کسی دوسرے کو سمجھتا ہی نہیں۔ میں نے کئی بار صلح کی بات چیت کی کوشش کی ہے لیکن وہ مانتا ہی نہیں۔ اس لیے آپ دکن تشریف لے آئیں تو خاکسار کا مقصد حل ہو جائے گا۔"

سلطان بہادر برہان پور میں

سلطان بہادر نے عماد شاہ کی درخواست قبول کی اور دکن کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ دریائے نربدا کے کنارے پہنچا تو اس کے استقبال کے لیے میراں محمد شاہ فاروقی آیا اور اپنے ساتھ برہان پور لے گیا۔ وہاں سلطان بہادر کی شاندار ضیافت کی گئی' اس جگہ عماد الملک بھی کاویل سے پہنچ گیا اور اس نے بہت سے گھوڑے اور تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔

برار میں

اس کے بعد بادشاہ برار کی طرف روانہ ہوا۔ جب سلطان بہادر جالنہ پہنچا تو اس نے شہر میں چند روز قیام کیا اور اس شہر پر قبضہ کرنے کی سوچنے لگا۔ عماد الملک کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے برار میں سلطان بہادر کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا۔ عماد الملک نے میراں محمد فاروقی کے ذریعے سلطان بہادر کو برار سے آگے چلنے پر آمادہ کیا اور برار سے رخصت ہوا۔

عماد شاہ کا فرار

سلطان بہادر جب احمد نگر پہنچا تو وہاں اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا یہاں سے وہ دولت آباد آ گیا اور جیسا کہ نظام شاہیوں کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ دولت آباد میں سلطان بہادر نے حوض قتلو کے کنارے قیام کیا' اس نے عماد الملک کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ کے محاصرے پر نامزد کیا۔ کچھ دنوں بعد علاؤ الدین عماد شاہ نے دکنیوں سے سازش کر لی' اسے اس امر پر ندامت ہوئی کہ اس نے کیوں سلطان بہادر کو یہاں مدعو کیا۔ رات کے وقت عماد شاہ اپنا سب سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

سلطان بہادر کی واپسی

دکنیوں نے گجرات کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ اس لیے غلہ اور دیگر سامان ضرورت کی ترسیل بند ہو گئی۔ برہان نظام شاہ گجراتی لشکر کے مقابلے پر آیا اور کچھ فاصلے پر مقیم ہوا۔ برہان نے سلطان بہادر سے یہ وعدہ کیا کہ وہ میراں محمد فاروقی کے ہاتھیوں کو واپس کر دے گا اور احمد نگر میں سلطان بہادر کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ سلطان بہادر نے ان شرائط کو منظور کیا اور ۹۳۶ھ میں وہ گجرات واپس آ گیا۔ برسات کے دن اس نے محمد آباد میں گزارے۔

ایدر کا سفر

سلطان بہادر نے ۹۳۷ھ میں ایدر کا سفر اختیار کیا اس نے موضع جان پور میں خداوند خاں اور رفیع الملک المخاطب بہ عماد الملک کو ایک

زبردست لشکر اور ان گنت ہاتھیوں کے ساتھ پاکر کی مہم پر بھیجا اور خود بندر کنبایت میں آیا۔ یہاں بادشاہ نے ایک روز قیام کیا اور اس کے بعد بذریعہ جہاز بندر دیب کا ارادہ کیا۔ بندر دیب پہنچ کر بادشاہ نے دیکھا کہ مختلف بندر گاہوں سے بہت سے جہاز وہاں آئے ہوئے ہیں اور ان جہازوں میں انواع و اقسام کا سامان بھرا ہوا ہے۔ بادشاہ نے بہت سی اشیاء خریدیں ان خرید کردہ اشیاء میں سولہ سو (۱۶۰۰) من پستہ بھی تھا۔

بانسوالہ اور دونگر پور کی تباہی

مصطفیٰ خاں رومی کے ساتھ رومیوں کی ایک جماعت بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے آئی' بادشاہ ان لوگوں سے بہت خوش ہوا اور ان کے قیام کے لیے ایک موزوں مکان تجویز کیا' اس کے بعد بادشاہ نے ملک ایاز سے غرباء کی سفارش کی اور خود بانسوالہ اور دونگر پور کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان بہادر نے ان علاقوں کو خوب اچھی طرح تباہ و برباد کیا اور یہاں کے راجاؤں سے پیش کش وصول کی۔ اس کے بعد بادشاہ محمد آباد جناتیر واپس آ گیا۔

لودھی امراء کی آمد

اسی اثناء میں سلطان ابراہیم لودھی کے امیر عمر خاں اور قطب خاں وغیرہ ظہیرالدین بابر کے خوف سے فرار ہو کر گجرات میں پناہ گزیں ہوئے۔ سلطان بہادر نے پہلے روز ان امیروں کو تین سو زربفت کی قبائیں/ پچاس گھوڑے اور چند لاکھ تنکے نقد عطا کیے۔

مہرابہ کا سفر

ان امیروں کی خاطرداری کے بعد بادشاہ مہرابہ روانہ ہوا۔ جب بادشاہ وہاں پہنچا تو خداوند خاں اور دوسرے امراء بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان بہادر مہرابہ سے پاکر آیا اور اس علاقے کا عمدہ انتظام کیا ہر جگہ تھانیدار مقرر کیے۔

پاکر کا راجہ بادشاہ کی خدمت میں

پاکر کا راجہ پرس رام مجبوری سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بیٹے نے بادشاہ کے سامنے مذہب اسلام قبول کیا اور بادشاہ کے مقربین کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

پرس رام کے بھائی کی جان بخشی

پرس رام کا بھائی اپنی جان کے خوف سے جنگلوں اور پہاڑوں میں مارا مارا پھرتا تھا آخر کار وہ رانا سنگا کے بیٹے برتمنی کے پاس پہنچا اور اس کے ذریعے سلطان بہادر کی ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اتفاق سے ان دنوں سلطان بہادر شکار کے لیے بانسوالہ آیا ہوا تھا۔ برتمنی نے بادشاہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور بڑی عاجزی اور انکساری سے چکا کا قصور معاف کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے برتمنی کی درخواست منظور کی اور چکا کو اپنے پاس بلا کر اس کا قصور معاف کیا۔

گھاٹ کرجی میں بادشاہ نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی اور اس موضع کو پرتھی راج کی جاگیر میں دے دیا۔ پاکر کا باقی علاقہ پرتھی اور چکا کو برابر تقسیم کر دیا گیا۔

جیتور کے قصبات کی بربادی

بادشاہ نے کچھ دنوں سیر و شکار کے لیے اس جگہ قیام کیا اس دوران میں شاہی جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ سلطان محمود خلجی نے جس پر سلطان مظفر کے بے شمار احسانات ہیں۔ مندو کے حاکم شرزہ خاں کو حکم دے کر جیتور کے بعض قصبے بالکل تباہ و برباد کروا دیئے ہیں' لیکن اب شرزہ خاں اجین میں مقیم ہے۔ سلطان محمود خلجی کی حکم عدولی کر رہا ہے بلکہ بغاوت پر آمادہ ہے اور اس سے برسرمقابلہ ہے

برتنسی کا پیغام

انہیں دنوں رانا سانگا کے بیٹے برتنسی کے قاصد سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ "آپ سلطان محمود خلجی کو بے وجہ مخالفت اور بے مقصد عداوات سے منع فرمائیں۔" قاصدوں کے آنے کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان محمود خلجی' سلہدری پوربیہ کو قتل کرنے کے لیے اجین سے سارنگ پور آیا ہوا ہے۔ سلہدری جو بادشاہ کے ساتھ تھا اسے سلطان محمود کا ارادہ معلوم ہو گیا لہٰذا وہ بھی سکندر خاں میواتی کے بیٹے کے ساتھ جیتور میں چلا گیا اور اس نے برتنسی پر حملہ کیا۔

سکندر خاں اور بھوپت

کچھ دنوں کے بعد سکندر خاں اور بھوپت پسر سلہدری سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہی ملازمین میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کو سات سو خلعت زربفت اور ستر گھوڑے انعام دیئے۔ اسی دوران میں سلطان محمود خلجی کا خط بھی آیا جس میں اس نے لکھا تھا۔ "ایک عرصے سے میں حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا خواہاں ہوں لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر ایسا نہ کر سکا۔ اب انشاء اللہ جلد از جلد آپ کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

سلطان محمود کی آمد کی اطلاع

سلطان محمود خلجی کا خط پڑھ کر سلطان بہادر نے دریا خاں (سلطان محمود خلجی کا قاصد) سے کہا۔ "میں نے سلطان محمود کی آمد کی اطلاع پائی ہے اگر ایسا ہو تو پھر میں اس کے مغرور ملازمین کو پناہ نہ دوں گا۔ سلطان بہادر' سلطان محمود کے قاصدوں سے بہت مہر و محبت سے پیش آیا اور ان کو واپس جانے کی اجازت دی اس کے بعد وہ خود بانسوالہ آ گیا۔

برتنسی اور سلہدری کی آمد

سلطان بہادر نے اس خیال سے کہ ممکن ہے سلطان محمود خلجی ملاقات کے لیے آئے۔ سنبلہ کی جانب روانہ ہوا اور یہ ارادہ کیا کہ اگر محمود آیا تو اس کی دعوت اور مہمانداری سے فارغ ہو کر وہ محمود کو رخصت کرنے کے لیے گھاٹ دیوالہ تک جائے گا اور پھر اپنے پایہ تخت کو واپس جائے گا۔

سلطان محمود کے قاصد کی آمد

سنبلہ پہنچ کر سلطان بہادر نے دس روز تک سلطان محمود خلجی کا انتظار کیا' لیکن وہ نہ آیا۔ اس کے بعد سلطان محمود کا قاصد دریا خاں آیا ور اس نے بتایا "سلطان محمود شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اس لیے وہ اب یہاں آنے سے معذور ہے۔" یہ سن کر سلطان بہادر نے قاصد سے کہا۔ سلطان محمود کئی بار مجھ سے ملاقات کا وعدہ کر چکا ہے لیکن اب تک کوئی وعدہ پورا نہیں ہوا اگر وہ میرے پاس آنا مناسب نہ سمجھتا ہو تو میں اس کے ملک میں آنے کے لیے تیار ہوں۔" اس پر دریا خاں نے بادشاہ سے کہا۔ سلطان محمود کے یہاں نہ آنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ چاند خاں بن مظفر گجراتی اس کے دربار میں ہے اگر سلطان محمود یہاں آیا اور آپ نے چاند خاں کو طلب فرمایا تو بڑی مشکل پڑ جائے گی' نہ تو چاند خاں کو آپ کے حوالے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے آپ سے بچایا جا سکتا ہے۔" یہ سن کر سلطان بہادر نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ چاند خاں کو طلب نہیں کروں گا لہٰذا اب تم جلد از جلد سلطان محمود کو مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بلواؤ۔"

سلطان محمود کا ارادہ

سلطان محمود کے قاصد کی رخصت کے بعد سلطان بہادر بھی سفر کی منزلیں طے کرنے لگا اور سلطان محمود کی آمد کا منتظر رہا۔ جب بادشاہ

دیبال پور پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان محمود خلجی کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے لڑکے کو سلطان غیاث الدین کا خطاب دے کر اسے قلعہ مندو میں مقیم رکھے اور خود قلعے سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو جائے اور سلطان بہادر سے ملاقات کے لیے آئے۔

امراء کا معروضہ

اسی دوران میں بعض ایسے امیر جو سلطان محمود خلجی کی بدسلوکی کی وجہ سے اس سے آزردہ تھے۔ سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔ "سلطان محمود خلجی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اور مختلف بہانے کر کے آپ سے ملاقات کرنے سے بچنا چاہتا ہے جب تک آپ اسے مجبور نہ کریں گے وہ کبھی حاضر خدمت نہ ہو گا۔"

شادی آباد مندو کا محاصرہ

سلطان بہادر منازل سفر قطع کرتا ہوا شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔ نعلچہ پہنچ کر بادشاہ نے اپنے لشکر کو شادی آباد مندو کے محاصرے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے محمد خاں اسیری کو مغربی جانب شاہ پول پر لقمان کو بھل پول پر اور پوربیوں کی جماعت کو سلوانہ پر متعین کیا اور خود محمود پول پر مقیم ہوا۔

قلعے میں داخلہ

۲۹/ شعبان ۹۳۷ھ کی رات کو سلطان بہادر نے بہادروں کی جماعت کو ساتھ لیا اور دو مندوی جاسوسوں کی راہنمائی میں قلعہ میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ قلعے کی فصیل پر اتنی دیر تک ٹھہرا رہا کہ اس کے لشکر کا بڑا حصہ قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔

اہل مالوہ کی پریشانی

سلطان بہادر صبح کی نماز کے وقت سلطان محمود خلجی کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے لشکروں کو اپنی آمد کی اطلاع دی بات دراصل یہ تھی کہ اہل قلعہ یہ سمجھتے تھے کہ جس جانب سے قلعہ کی فصیل بہت اونچی ہے اس طرف سے کبھی کوئی غیر لشکر اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ مالویوں کو گجراتی لشکر کی آمد کی اطلاع اس وقت ملی جب کہ سارا قلعہ غیروں سے بھر چکا تھا اہل قلعہ سخت پریشان ہوئے۔ چاند خاں بن سلطان مظفر قلعے سے نکل کر بھاگ گیا۔ سلطان محمود خلجی اپنے تھوڑے بہت لشکر کو لے کر سلطان بہادر کے مقابلے پر آیا' لیکن اس نے یہ دیکھا کہ گجراتیوں کے مقابلے میں لڑنا کوئی آسان بات نہیں ہے تو وہ شہر سے باہر چلا گیا۔

شاہی محل کا محاصرہ

تھوڑی دیر بعد سلطان محمود خلجی اپنے امراء اور اراکین سلطنت کے مشورے سے اپنے متعلقین کی حفاظت کے لیے واپس لوٹا اور محل کی طرف چلا۔ سلطان بہادر کے لشکر نے محل کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ سلطان بہادر نے سب کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ شاہی محل' حرم اور امیروں کو امان حاصل ہے اور کوئی شخص ان کی عزت' جان اور مال پر بری نظر نہ ڈالے۔

سلطان محمود خلجی کی گرفتاری

اسی دوران میں سلطان بہادر شاہی محل کے کوٹھے پر گیا اور ایک معتبر شخص کو سلطان محمود خلجی کے بلانے کے واسطے روانہ کیا سلطان محمود خلجی اپنے سات امیروں کے ہمراہ سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ سلطان محمود کا قصور معاف کر دے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب سلطان محمود' سلطان بہادر کے سامنے آیا تو ثانی الذکر نے پوچھا تم اب تک مجھ سے کس لیے منہ چھپاتے رہے ہو اور مجھ سے ملنے سے انکار کیوں کرتے رہے ہو؟" محمود نے اس کے جواب میں کچھ سخت باتیں کیں جن کی وجہ سے سلطان بہادر کو اس پر بہت غصہ آیا اس غصے کے عالم میں بادشاہ نے محمود کو مع اس کے بیٹوں کے گرفتار کر لیا اور قیدیوں

کو آصف خاں کے ہمراہ محمد آباد جنانیر روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے فی الحال خود مندو ہی میں قیام کرنا مناسب سمجھا۔

امراء پر لطف و کرم

سلطان بہادر نے گجرات کے امیروں کو مالوہ میں اور مالوہ کے امیروں کو گجرات میں جاگیریں عطا فرمائیں اور میراں محمد شاہ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ برہان پور کی طرف روانہ کیا۔

نظام شاہ بحری کی عزت افزائی

۹۳۸ھ میں برسات کے موسم کے بعد بادشاہ اسیر اور برہان پور کی طرف سیر کے لیے روانہ ہوا۔ برہان نظام شاہ بحری نے اسمٰعیل عادل شاہ کے برخلاف لفظ "شاہ" کو اپنے نام میں داخل کر لیا تھا۔ اس لیے وہ (نظام) میراں محمد شاہ فاروقی کے کہنے سے برہان پور آیا اور شاہ طاہر جنیدی کی معرفت سلطان بہادر سے ملا۔ سلطان بہادر نے اس کو چتر سفید' آفتاب گیر اور سراپردہ' سرخ جو سلطان محمود خلجی سے چھینا گیا تھا عطا کیا اور کہا میں تمہیں "نظام شاہ بحری" کا خطاب دیتا ہوں۔ میں نے دشمنوں کو بادشاہت کے مرتبے سے معزول کیا اور دوستوں کو اس مرتبے پر فائز کیا۔

برہان نظام شاہ کی احسان فراموشی

سلطان بہادر نے برہان نظام شاہ کا جو اس قدر خیال کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بہادر یہ چاہتا تھا کہ جب آئندہ بادشاہ دہلی کے ساتھ اس کی جنگ ہو تو احمد نگر اور برہان پور کے حاکم اس کا ساتھ دیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ برہان نظام شاہ نے نہ صرف یہ کہ مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کا ساتھ دیا بلکہ چند سال قبل اس نے ہمایوں کے پاس اپنا حاجب بھیج کر گجرات کو فتح کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔

شاہ طاہر جنیدی

کہا جاتا ہے کہ سلطان بہادر' شاہ طاہر جنیدی (جنہیں گجرات' برہان پور' مندو اور اہل دہلی وغیرہ کے علماء فضلاء نے ایک زبردست عالم تسلیم کیا ہے) کا بہت احترام کرتا تھا اس سلسلے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ کبھی شاہ صاحب کے سامنے تخت پر نہیں بیٹھتا تھا اور کبھی بیٹھتا بھی تھا تو انہیں اپنے سامنے ایک مرصع کرسی پر بٹھاتا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان بہادر کو شاہ صاحب سے کس قدر عقیدت تھی۔

شاہ صاحب کا کارنامہ

سلطان بہادر نے برہان پور قیام کے دوران میں بے حد کوشش کی کہ وہ شاہ طاہر کو نظام شاہ سے حاصل کرے اور انہیں اپنا وکیل السلطنت بنائے لیکن شاہ صاحب نے یہ کہہ کر کہ ان کا مکہ معظمہ جانے کا ارادہ ہے اس خدمت سے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے احمد نگر پہنچ کر تھوڑے سے عرصے میں اسے شیعہ مذہب کی طرف راغب کر لیا اور احمد نگر میں اس مذہب کی بہت ترویج و اشاعت کی۔ انہوں نے چتر و سرپردہ کا رنگ سبز کروا دیا کیونکہ یہ بارہ اماموں کا نشان ہے۔ اس سلسلے کی تمام تفصیلات نظام شاہی خاندان کے حالات میں قلم بند کی جا چکی ہیں۔ قارئین کرام اس باب میں ان واقعات کو پڑھ سکتے ہیں۔

سلہدی پوربیہ کی ناشائستہ حرکت

نظام شاہ سے ملاقات کر کے اور اسے احمد نگر کے لیے رخصت کر کے سلطان بہادر بہت ہی خوش خوش شادی آباد مندو سے دھار آیا۔ انہیں دنوں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ سلہدی پوربیہ نے سلطان محمود خلجی کے عہد حکومت میں بہت سی مسلمان عورتوں کو جن میں سلطان ناصر

الدین کے حرم بھی شامل تھے' اپنے محل میں داخل کر لیا تھا یہ خواتین اب بھی سلہدی کے محل ہی میں ہیں اور اسی وجہ سے وہ سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے سے کتراتا ہے۔

سلہدی کی سرزنش کا ارادہ

یہ اطلاعات ملنے کے بعد سلطان بہادر نے کہا۔ "اب مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ سلہدی پوربیہ میرے دربار میں حاضر ہوتا ہے کہ نہیں' اب میرا فرض یہی ہے کہ میں ان مسلمان خواتین کو جنہیں اس نے اپنے محل میں مقید کر کے ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا ہے نجات دلاؤں اور اسے اس نازیبا حرکت کی معقول سزا دوں۔

اختیار خاں کی آمد

سلطان بہادر نے مقبل خاں کو محمد آباد جانیر جانے کا حکم دیا اور وہاں جا کر قلعے کی حفاظت کرنے کی ہدایت کی۔ محمد آباد سے اختیار خاں کو لشکر' توپ خانہ اور خزانے کے ساتھ اپنے پاس بلوا بھیجا۔ مقبل خاں نے محمد آباد پہنچ کر اختیار خاں کو سلطان بہادر کی خدمت میں بھیج دیا۔ اختیار خاں بہت سا لشکر لے کر ۲۱ ربیع الآخر ۹۳۸ھ کو قصبہ دھار میں سلطان بہادر کی خدمت میں پہنچ گیا۔

عزم شادی آباد

سلطان بہادر نے چاروں طرف یہ خبر مشہور کر دی کہ وہ گجرات واپس جا رہا ہے' لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور جلد از جلد شادی آبا مندو پہنچ گیا اور یہاں کی حکومت اختیار خاں کے سپرد کر دی۔ ۱۵ جمادی الاول کو بادشاہ قصبہ نعلچہ میں پہنچا اور وہاں اپنے خیمے گاڑ دیئے سلہدی پوربیہ کا لڑکا بھوپت جو بادشاہ کے ساتھ تھا اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔ "جب حضور پایہ تخت گجرات کی طرف روانگی کا ارادہ فرمائیں تو اس وقت خادم کو اجین جانے کی اجازت دیں تاکہ میں سلہدی کو آپ کی خدمت میں لے کر آؤں۔"

بھوپت کا اپنے باپ کے پاس جانا
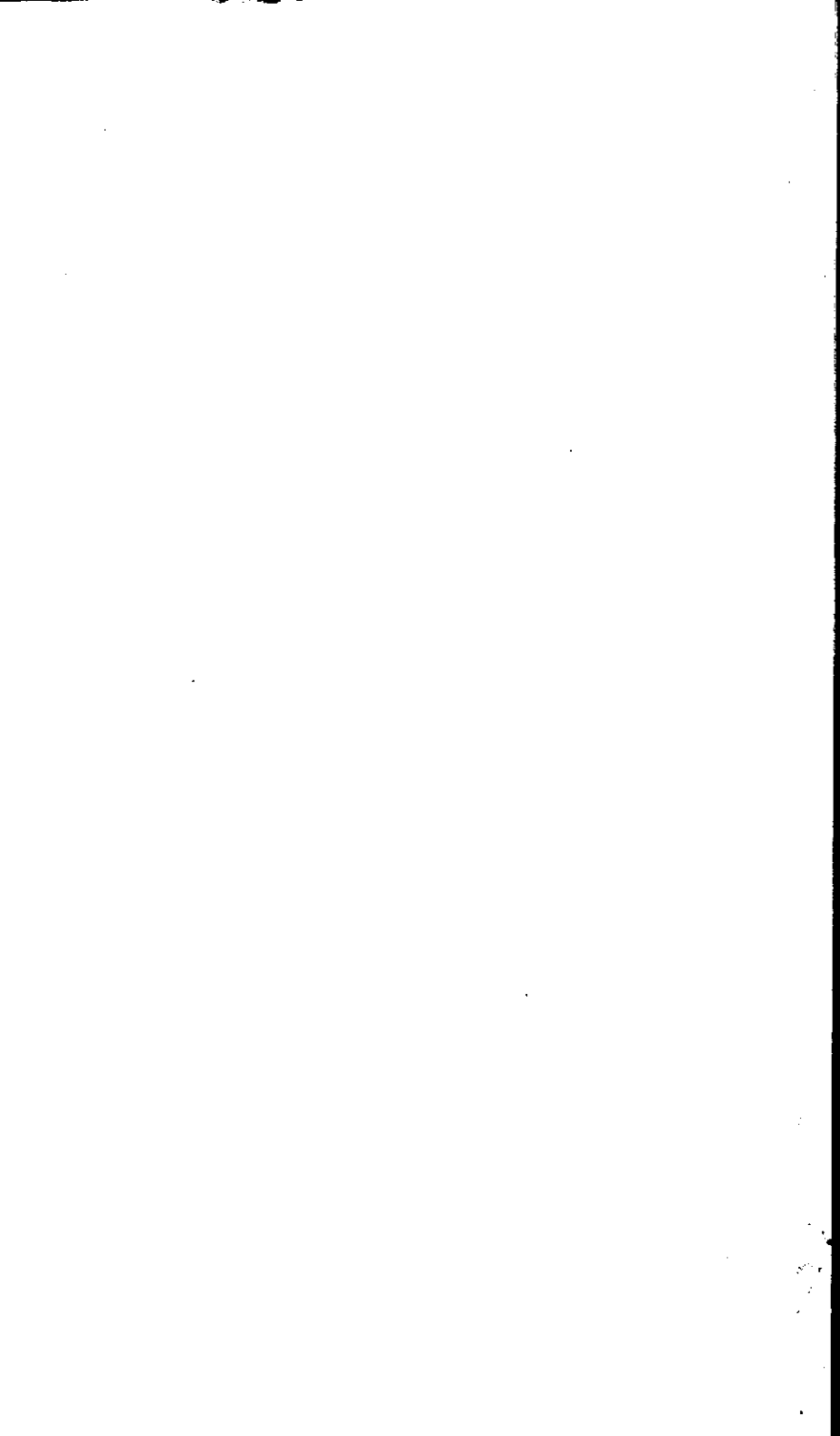
بادشاہ نے انتہائی دور اندیشی سے کام لے کر بھوپت کو سفر کی اجازت دے دی خود بھی سفر کرتا ہوا اجین کی طرف روانہ ہوا۔ قصبہ دھار میں پہنچ کر بادشاہ نے لشکر کو تو یہیں چھوڑا اور خود شکار کھیلنے کے لیے دیپال پور اور سعدل پور کی طرف روانہ ہوا۔

سلہدی پوربیہ کی آمد

سلہدی پوربی کو جب سلطان بہادر کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے بھوپت کو تو اجین ہی میں چھوڑا اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا امیر نصیر نے' جو سلہدی کو بلانے کے لیے گیا تھا' بادشاہ سے تنہائی میں کہا۔ "سلہدی کے اطوار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضور کی اطاعت کرنے پر تیار نہیں ہے اس کو میں یہاں بڑے فریب سے لایا ہوں کنبایت کا علاقہ اور ایک کروڑ تنکہ نقد دینے کا وعدہ کیا تب کہیں یہ میرے ساتھ چلنے پر تیار ہوا ورنہ اس نے قلعے کو چھوڑ کر میوات چلے جانے کا طے کر لیا تھا' اب بہتر یہی ہے کہ اس کو یہاں سے جانے کا موقع نہ دیا جائے ورنہ اب اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر اس کا ملنا دشوار ہو گا۔"

سلہدی کی گرفتاری

سلطان بہادر سعدل پور سے دھار کی جانب روانہ ہوا اور اس نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت سے سلہدی پوربیہ کو گرفتار کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔ لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو تو لشکر گاہ ہی میں چھوڑ دیا اور خود مع سلہدی کے قلعہ دھار میں داخل ہو گیا' جس وقت سلطان بہادر قلعے کے اندر داخل ہوا گجراتی موکلوں نے سلہدی کو مع اس کے دو ملازموں کے گرفتار کر لیا۔

سلہدی کے چھوٹے بیٹے کا قتل

سلہدی واپس آگیا اور لکھمن نے قلعے کے استحکام کا کام تیز سے تیز کر دیا۔ رات کے وقت اس نے سلہدی کے چھوٹے بیٹے کو دو ہزار پوربیوں کے ساتھ بھوپت کو بلانے کے لیے روانہ کیا۔ سلہدی کا بیٹا باہر نکلا چونکہ اس کا آخری وقت آچکا تھا اس لیے گجراتی لشکر سے اس کا سامنا ہو گیا۔ سلہدی کا بیٹا لڑائی پر آمادہ ہوا گجراتیوں نے بھی کمی نہ کی انہوں نے بے شمار راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا سلہدی کا بیٹا بھی مارا گیا۔ گجراتیوں نے اس کا سر اور دوسرے راجپوت سرداروں کے سر سلطان بہادر کی خدمت میں روانہ کیے۔

سلہدی کی نظر بندی

سلہدی کو جب اپنے بیٹے کے قتل کی خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہوا اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ سلطان بہادر پر یہ راز کھل گیا کہ سلہدی درپردہ اپنے ہم قوموں سے ملا ہوا ہے لہٰذا اس نے برہان الملک کو حکم دیا کہ سلہدی کو شادی آباد مندو کے قلعے میں قید کر دیا جائے۔

بھوپت کی آمد کی خبر

اسی دوران میں یہ اطلاع ملی کہ بھوپت (یہ جان کر کہ سلطان بہادر تنہا ہے اس لیے اسے مغلوب کرنا آسان ہے) رانا کو ساتھ لے کر جلد از جلد اس طرف آ رہا ہے۔ بادشاہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور اس نے کہا۔ "یہ صحیح ہے کہ میں تنہا ہوں لیکن فرمان خداوندی کے بموجب ایک مسلمان دس کافروں کے لیے کافی ہوتا ہے اس لیے میں بھوپت کو سمجھ لوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

بھوپت کی سرزنش کے لیے امراء کی روانگی

سلطان بہادر نے فوراً میراں محمد شاہ اور رفیع الملک عرف عماد الملک کو بھوپت اور رانا کی سرزنش کا حکم دیا ان دونوں نے اپنی فوج کو جلد از جلد مرتب و منظم کیا اور روانہ ہو گئے۔ جب یہ دونوں امراء کھیرار کے قریب پہنچے تو سلہدی کا بیٹا پورن مل دو ہزار راجپوتوں کا لشکر لے کر ان کے مقابلے پر آیا۔

عماد الملک کی عرض داشت

میراں محمد شاہ فاروقی اور عماد الملک نے بادشاہ کو اس مضمون کی عرض داشت لکھی کہ "سلہدی کا بیٹا پورن مل راجہ سے مل گیا ہے۔ راجہ بھی قریب آ پہنچا ہے اگرچہ اس کے لشکر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا' تاہم ہمیں خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور کے اقبال پر پورا پورا اعتماد ہے اس لیے ہم کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔"

بادشاہ کھیرار میں

بادشاہ نے یہ عرض داشت پڑھی تو اس نے فوراً اختیار خاں اور دوسرے امیروں کو محاصرے پر چھوڑا اور خود کھیرار کی طرف روانہ ہوا بادشاہ بجلی کی طرح سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا جلد از جلد ستر کوس کا فاصلہ طے کر کے کھیرار پہنچ گیا۔ میراں محمد شاہ فاروقی والی برہان پور بادشاہ کے استقبال کے لیے آیا اور اسے اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ پر لے گیا۔

راجہ کی پریشانی

راجہ چیتور اور بھوپت کو ان کے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان بہادر رات کے وقت کھیرار پہنچ کر اپنے لشکر سے مل چکا ہے نیز بے شمار سپاہی چیونٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں کی طرح چلے آ رہے ہیں۔ راجہ یہ اطلاع پا کر ایک منزل پیچھے ہٹ کر فروکش ہو گیا اور سلطان بہادر کھیرار سے ایک منزل آگے بڑھ کر مقیم ہوا۔

راجہ کا پیغام

اس منزل میں راجہ کے دو قاصد تحقیق حالات کے لیے سلطان بہادر کی لشکر گاہ میں آئے اور انہوں نے بادشاہ کو راجہ کا یہ پیغام دیا۔ "میں حضور کی بارگاہ کا ایک حقیر غلام ہوں میرے یہاں آنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ حضور سے سلہدی کی سفارش کروں تاکہ اس کی جان بخشی کی جائے۔" سلطان نے اس کے جواب میں کہا۔ "چونکہ تمہاری شان و شوکت اس وقت ہم سے زیادہ ہے اس لیے اگر تم پہلے سے لڑائی نہ کرنے کا معروضہ پیش کرتے تو اس وقت اس پر غور کیا جا سکتا تھا مگر اب یہ امر دشوار ہے۔

بھوپت اور راجہ چیتور کی بزدلی

دونوں قاصد اپنا مقصد حاصل کیے بغیر ہی واپس چلے گئے۔ انہوں نے راجہ کے پاس پہنچ کر اسے سلطان بہادر کا جواب سنایا۔ اگرچہ راجہ کے پاس بے شمار سپاہی تھے اور اس کی شان و شوکت بھی بہت زیادہ تھی لیکن پھر بھی اس نے حوصلہ ہار دیا۔ راجہ اور بھوپت دونوں ہی ہمت ہار بیٹھے اور بادشاہ کے سامنے سے بھاگ گئے۔

راجہ کا تعاقب

اسی دوران میں یہ اطلاع ملی کہ الغ خاں تیس ہزار سواروں اور توپ خانے کے ساتھ گجرات کے قریب آ پہنچا ہے۔ سلطان بہادر نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور الغ خاں کے آنے کا انتظار نہ کیا اور اپنے موجودہ لشکر ہی پر قناعت کر کے ستر کوس تک راجہ کا تعاقب کیا راجہ چیتور میں پناہ گزیں ہو گیا۔ سلطان بہادر نے اس کی سرزنش کا ارادہ فی الحال ملتوی کیا اور اس کام کو آئندہ سال کے لیے اٹھا رکھا اس کے بعد بادشاہ رائسین میں واپس آ گیا اور قلعے کے محاصرے میں پہلے سے زیادہ سختی شروع کی۔

لکھمن کی مایوسی

لکھمن کو جب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اب اسے کسی طرح مدد نہیں پہنچ سکتی تو وہ سخت مایوس ہوا موت کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ آخر انتہائی مایوس ہو کر اس نے ماہ رمضان سنہ مذکور میں بڑی عاجزی اور انکساری سے بادشاہ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی جس کا مضمون یہ تھا۔

لکھمن کی عرض داشت

اگر حضور سلہدی کو بلا کر اس کا قصور معاف کر دیں تو میں قلعہ خالی کر کے آپ کے ملازمین کے حوالے کر دینے کے لیے تیار ہوں۔"

بادشاہ نے اپنے طور پر سوچا کہ یہاں آنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان خواتین کو ان ظالموں کے پنجے سے نکالا جائے اگر میں نے اس وقت لکھمن کی درخواست منظور نہ کی تو ممکن ہے کہ وہ ان مظلوم عورتوں کو ہلاک کر دے اور اس طرح میرے آنے کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔

یہ سوچ کر سلطان بہادر نے لکھمن کی درخواست منظور کر لی اور سلہدی پوربیہ کو شادی آباد مندو سے اپنے پاس بلا بھیجا۔ برہان الملک سلہدی کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلہدی نے جان بخشی کا فرمان حاصل کیا اس کے بعد لکھمن تمام راجپوتوں کو مع ان کے متعلقین کے قلعے سے نیچے لایا اور اس نے بادشاہ کو بتایا کہ تقریباً چار سو عورتیں سلہدی کے متعلقین میں شامل ہیں۔

سلہدی قلعہ رائسین میں

رانی درگاوتی (بھوپت کی ماں اور سلہدی کی بیوی) نے بادشاہ سے کہلوایا۔ "اب سلہدی بادشاہ کے خاص ملازمین کے زمرے میں شامل ہو چکا ہے اگر وہ خود قلعے میں آ کر اپنے بیوی بچوں کو باہر نہ نکالے گا تو لوگ زندگی بھر اسے طعنہ دیتے رہیں گے۔" سلطان بہادر نے ملک

علی شیر کے ساتھ سلہدی کو قلعے میں روانہ کیا۔ سلہدی جب قلعے میں پہنچا تو لکھمن اور تاج خاں نے پوچھا کہ بادشاہ کا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس نے کس غرض سے قلعہ پر قبضہ کیا ہے؟"

پھر وہی سازش

سلہدی نے اس کے جواب میں کہا "فی الحال بادشاہ نے بردورہ کا قصبہ مع مضافات کے میری جاگیر میں مقرر کیا ہے مجھے امید ہے کہ آئندہ بادشاہ مجھ پر اور زیادہ لطف و کرم کرے گا۔" رانی درگاوتی، لکھمن اور تاج خاں نے سلہدی سے کہا۔ "یہ صحیح ہے کہ سلطان بہادر ہمارے حال پر بہت مہربانی کرے گا، لیکن ہمیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اس سرزمین پر ایک عرصے تک حکمرانی کی ہے۔ اب زمانے کی گردش نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا ہے اس لیے ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے خود بھی جان کی بازی لگا دیں تاکہ ہماری بہادری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔

موت کی خواہش

رانی درگاوتی کے اکسانے سے سلہدی ایک بار پھر بادشاہ سے باغی ہو گیا۔ ملک علی شیر نے اگرچہ اسے بہت سمجھایا بجھایا لیکن سلہدی پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے یہ کہا۔ "میرے حرم میں روزانہ ایک کروڑ پان اور چند سیر کافور صرف ہوتا ہے۔ ہر روز تین سو عورتیں نیا لباس پہنتی ہیں مجھے توقع نہیں ہے کہ یہ عیش و عشرت کے سامان مجھے دوبارہ میسر ہو سکیں۔ اس لیے میں بہت کچھ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عزت و آبرو سے مرجانا ہی بہتر ہے۔"

سات سو پری پیکر عورتوں کا جل مرنا

اس کے بعد قلعے میں "جوہر" کی رسم ادا کی گئی اور رانی درگاوتی سات سو خوبصورت عورتوں کے ساتھ جلتی ہوئی آگ میں کود پڑی اور اس طرح یہ عورتیں ہلاک ہو گئیں۔ اس کے بعد لکھمن، تاج خاں اور سلہدی اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو تعداد میں ایک سو تھے ہتھیار بند ہو کر قلعے سے باہر نکلے اور ان مسلمان پیادہ سپاہیوں سے جو قلعہ کے اوپر مقیم تھے معرکہ آراء ہوا۔

راجپوتوں کا قتل

یہ خبر جب سلطان بہادر کے لشکر میں پہنچی تو گجراتی سپاہی جلد از جلد قلعہ کی طرف بھاگے۔ انہوں نے تھوڑی سی دیر میں تمام راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس ہنگامے میں سلطان بہادر کے چند سپاہیوں نے بھی جام شہادت پیا۔

حاکم کالپی کی آمد

انہیں دنوں کالپی کا حاکم سلطان عالم مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں سے شکست کھا کر سلطان بہادر کی پناہ میں آ گیا۔ سلطان بہادر نے سلطان عالم کو قلعہ رائسین اور قلعہ چندیری مع مضافات کا نگران مقرر کیا۔

کاکرون کی تسخیر کا خیال

کاکرون کا قلعہ سلطان محمود خلجی کے زمانے ہی سے راجہ کے قبضے میں تھا۔ سلطان بہادر نے میراں محمد فاروقی کو اس قلعے کی تسخیر کے لیے نامزد کیا اور خود ہاتھیوں کا شکار کھیلنے میں مصروف ہوا۔ بادشاہ نے کوہ کالو کے باغیوں کی سرزنش کی اور یہ علاقہ الغ خاں کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد سلطان بہادر نے اسلام آباد، ہوشنگ آباد اور مالوہ کے تمام شہروں کو جن پر زمین دار قابض ہو گئے تھے اپنے قبضے میں کیا اور یہ علاقے اپنے خاص امیروں کو جاگیر میں دیئے۔

فتح اور جشن مسرت

کاکرون کی تسخیر کے لیے جب میراں محمد شاہ فاروقی روانہ ہو گیا تو اس کے بعد سلطان بہادر خود بھی اس طرف روانہ ہوا۔ کاکرون کے راجہ نے رام جی نامی ایک شخص کو اس قلعے کا حاکم بنا رکھا تھا۔ جونہی بادشاہ اس علاقے میں پہنچا' رام جی قلعہ خالی کر کے بھاگ گیا۔ بادشاہ نے چار دن تک اس قلعے میں جشن عیش و عشرت منعقد کیا اور تمام امراء اور مقربین کو خلعت اور انعام عطا کیا۔

قلعہ رسور کی فتح

بادشاہ نے اس کے بعد رفیع الملک عرف عماد الملک اور اختیار خاں کو (یہ دونوں نہایت ہی قابل اور بہادر امیر تھے) رسور کے قلعے کی فتح کا حکم دیا اور خود شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔ اس قلعے کا حاکم بھی راجہ کا ماتحت تھا اسے جب معلوم ہوا کہ گجراتی لشکر قلعے کو فتح کرنے کے لیے آ رہا ہے تو وہ حواس باختہ ہو کر قلعہ خالی کر کے بھاگ گیا۔ الغرض اس طرح ایک ہی مہینے میں کاکرون اور رسور دونوں قلعے فتح ہو گئے۔

فرنگیوں کی سرکوبی

شادی آباد مندو پہنچ کر سلطان بہادر نے فرنگیوں کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور اس مقصد سے بندر دیب کے قریب پہنچا۔ فرنگیوں کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ملی تو وہ خوف کے مارے بھاگ گئے۔ فرنگیوں کی ایک بہت بڑی توپ بادشاہ کے ہاتھ لگی' ایسی توپ سارے ہندوستان میں کسی بادشاہ کے پاس نہ تھی۔ سلطان بہادر نے جر ثقیل کے ذریعہ اس توپ کو محمد آباد جنانیر بھجوا دیا۔

چیتور کو روانگی

چیتور کو فتح کرنے کے خیال سے سلطان بہادر بندر دیب سے کنبایت میں آیا اور اپنے بزرگوں اور صوفیائے کرام کے مزاروں کی زیارت کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے فراہمی لشکر کی طرف توجہ کی اور بے شمار سپاہی جمع کر کے مع توپ خانے کے چیتور کی طرف روانہ ہوا۔

محمد زمان میرزا کی آمد

محمد زمان میرزا قلعہ بیانہ میں نظربند تھا' ۹۴۰ھ میں وہ نصیرالدین ہمایوں کے خوف سے بھاگ نکلا اور سلطان بہادر کے پاس پناہ گزین ہوا۔ ہمایوں نے سلطان بہادر کے پاس ایک قاصد بھیج کر محمد زمان میرزا کو طلب کیا۔ سلطان بہادر نے غرور اور تکبر کی وجہ سے کوئی جواب ہی نہ دیا اور نصیرالدین ہمایوں کے قاصد کو بغیر کچھ کہے سنے لوٹا دیا۔

ہمایوں سے سلطان بہادر کا ناشائستہ سلوک

ہمایوں نے دوبارہ اس معاملے کی طرف توجہ کی اور سلطان بہادر کے نام ایک خط لکھا۔ "اگر تم محمد زمان میرزا کو میرے پاس بھیجنا پسند نہیں کرتے تو پھر یہ کرو کہ اسے اپنے ملک سے نکال دو۔ مگر سلطان بہادر نے اس بار بھی ہمایوں کو مایوس کیا چونکہ اس کے برے دن آ چکے تھے اس لیے اس نے اصل معاملے کے بارے میں تو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ شہنشاہ ہمایوں کے متعلق چند ناشائستہ باتیں زبان سے نکالیں۔

قلعہ چیتور کا محاصرہ

سلطان بہادر' ہمایوں کے برخلاف محمد زمان میرزا کا بہت احترام کرتا تھا اس کا یہی فعل آخر کار اس کی تباہی و بربادی کا سبب ہوا۔ انہیں دنوں سلطان بہادر چیتور پہنچا اور راجہ قلعے میں محصور ہو گیا' یہ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں طرفین کے گروہ اکثر ایک دوسرے سے لڑتے رہے ان لڑائیوں میں عام طور پر گجراتیوں ہی کو فتح ہوتی۔

راجہ کی عاجزی

آخر کار راجہ بہت پریشان ہوا اس نے انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا اس نے پیش کش قبول کی اور ایک تاج اور مرصع کمر بند جو اس نے سلطان محمود خلجی سے حاصل کیا تھا۔ سلطان بہادر کی خدمت میں پیش کیا اس کے علاوہ راجہ نے چند گھوڑے اور ہاتھی اور بہت سے قیمتی تحفے بھی دیئے اور بادشاہ کو اس کے ملک واپس کیا۔

دہلی پر حکمرانی کا خیال

ان واقعات کے بعد سلطان بہادر کے غرور اور تکبر میں اور اضافہ ہوا۔ چیتور کی فتح محمد زمان میرزا کی آمد اور بہلول لودھی کی اولاد کا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا ایسے امور تھے جنہیں سلطان بہادر کے غرور کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ اس غرور کی وجہ سے اس کے دل میں دہلی پر حکومت کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اسی مقصد سے اس نے ہمایوں سے جنگ کرنے کی کوشش کی۔

عملی کوشش

سلطان بہادر نے بہلول لودھی کے ایک بیٹے علاؤ الدین کا بہت احترام کیا اور تاتار خاں بن علاؤ الدین کو اپنے امیروں کی جماعت میں داخل کیا۔ سلطان بہادر نے دہلی کو فتح کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تاتار خاں (جو اپنی بہادری اور جرات کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا) مدد کی اور حاکم امیر برہان الملک کو تین کروڑ مظفری اس غرض سے دیں کہ وہ تاتار کے مشورے سے لشکر فراہم کرے۔

تاتار خاں کی تگ و دو

کچھ عرصے میں تاتار خاں نے چالیس ہزار سوار فراہم کر لیے اور ان کو ساتھ لے کر ہمایوں کی سلطنت کے اطراف میں ہنگامہ خیزی کرنے لگا۔ ۹۴۱ھ میں تاتار خاں نے قلعہ بیانہ پر جو آگرہ کے قریب واقعہ ہے قبضہ کر لیا۔

ہندال کا بیانہ میں پہنچنا

نصیر الدین ہمایوں نے تاتار خاں کی سرکوبی کے لیے اپنے چھوٹے بھائی ہندال میرزا کو نامزد کیا۔ ہندال بیانہ کی طرف روانہ ہوا جب وہ بیانہ کی حدود میں پہنچا تو تاتار خاں کے افغان ساتھی مارے ڈر کے ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ تاتار خاں کا سارا لشکر پراگندہ ہو گیا اور اس کے پاس بمشکل دو ہزار سپاہی رہے۔

افغانوں کی بے وفائی

تاتار خاں کے افغان ساتھی دولت کے یار تھے۔ تاتار خاں نے ان پر بہت سا روپیہ صرف کیا تھا۔ جب تک حالات ٹھیک رہے یہ افغان اس کے ساتھ رہے اور جب مصیبت پڑی تو بھاگ نکلے افغانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے تاتار خاں کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ وہ نہ تو سلطان بہادر کے پاس جا سکتا تھا اور نہ ہی اس سے مدد طلب کر سکتا تھا آخر کار مجبور ہو کر وہ دانیال سے لڑائی کرنے پر تیار ہوا۔

تاتار خاں کی ہلاکت

تاتار خاں اور دانیال کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ تاتار خاں نے ہندال کے قلب لشکر پر حملہ کیا فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں تاتار خاں مع تین سو افغانوں کے میدان جنگ میں کام آیا اور اس طرح بیانہ پر ہندال میرزا کا قبضہ ہو گیا۔

گجرات پر ہمایوں کا حملہ

ہمایوں نے اس فتح کو فال نیک سمجھا اور اس کے بعد سلطان بہادر کی طرف متوجہ ہوا۔ جن دنوں ہمایوں نے گجرات پر حملہ کیا اس

زمانے میں سلطان بہادر راجہ پر لشکر کشی کیے ہوئے تھا۔ اور قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا بہادر کو جب تاتار خاں کی ہلاکت اور ہمایوں کے حملے کی خبریں ملیں تو وہ تلملا اٹھا اور اس سلسلے میں اپنے امیروں سے مشورہ کرنے لگا۔

امراء سے مشورہ

اکثر امیروں نے یہ مشورہ دیا کہ قلعے کا محاصرہ ترک کر دینا چاہیے اور ہمایوں کے مقابلے کے لیے جانا چاہیے۔ ایک نامی گرامی امیر حیدر خاں نے اس موقع پر بادشاہ سے عرض کیا۔ "ہم اس وقت کافروں سے لڑائی کر رہے ہیں اور ہم نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے ایسے عالم میں اگر کوئی مسلمان بادشاہ ہم پر حملہ کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صریحاً کافروں کی مدد کی ایسے حملہ آور کو ہمیشہ برے الفاظ میں یاد کیا جائے گا۔ اس لیے میری ناچیز رائے یہ ہے کہ ہم قلعے کے محاصرے سے دستبردار نہ ہوں مجھے توقع ہے کہ ہمایوں ہم پر حملہ کرنے سے باز رہے گا تاکہ بعد میں اسے مسلمان برے لفظوں سے یاد نہ کریں۔"

ہمایوں کی دانش مندی

کہا جاتا ہے کہ ہمایوں سارنگ پور تک آیا تو اسے حیدر خاں کی کہی ہوئی بات کا علم ہوا۔ ہمایوں نے غور کیا تو یہ بات دل کو لگی اور اس نے محسوس کیا کہ واقعی ایسے عالم میں گجرات پر حملہ کرنا جب کہ سلطان بہادر کافروں سے معرکہ آرا ہے اسلامی اخوت کے منافی ہے۔ ہمایوں چند روز تک سارنگ پور ہی میں مقیم رہا اور اس نے سلطان بہادر کے ملک میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی اس واقعہ سے ہمایوں کے تدبر اور دانشمندی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سلطان بہادر نے ساباط تیار کر کے کسی نہ کسی طرح قلعہ فتح کر لیا اس معرکے میں بے شمار راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر سلطان بہادر ہمایوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اپنے فوجیوں میں بے شمار روپیہ تقسیم کیا تاکہ وہ پوری جانفشانی سے لڑائی کریں۔

ہمایوں اور سلطان بہادر کی جنگ

ہمایوں بھی پوری طرح تیار ہو کر آیا اور مندسور کے قلعہ کے قریب فریقین میں آمنا سامنا ہوا۔ سلطان بہادر کے ہراول سید علی خراسانی نے غداری کی اور وہ گجراتی فوج سے علیحدہ ہو کر ہمایوں سے مل گیا اس واقعہ سے گجراتیوں کو سخت پریشانی ہوئی۔

امراء سے مشورہ

سلطان بہادر نے اس موقعے پر اپنے امیروں سے جنگ کے بارے میں مشورہ کیا۔ حیدر خاں نے رائے دی "بہتر یہی ہے کہ ہم کل جنگ کریں کیونکہ اس وقت چیتوڑ کی فتح سے ہماری فوج میں خود اعتمادی بدرجہ اتم موجود ہے اور ابھی اس پر مغل لشکر کا رعب نہیں بیٹھا۔" توپ خانے کے افسر رومی خاں نے کہا "ہمارے پاس توپ و تفنگ کا ذخیرہ اس قدر جمع ہو گیا ہے کہ اس سلسلے میں قیصر روم کے علاوہ شاید ہی کوئی ہماری ہمسری کر سکے۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ ہمیں اپنے لشکر کے گرد خندق کھود لینی چاہیے اور ہر روز جنگ کرنی چاہیے تاکہ توپ و تفنگ سے روزانہ مغل سپاہیوں کو ہلاک کیا جا سکے۔"

سلطان عالم کی آمد

یہ مشورہ سلطان بہادر کو پسند آیا اور اس نے لشکر کے گرد خندق کھدوا دی۔ اسی دوران میں سلطان عالم جسے سلطان بہادر نے رائسین اور چندیری کے قلعے عنایت کیے تھے ایک زبردست لشکر کے ساتھ آن پہنچا اور سلطان بہادر کے لشکر سے مل گیا۔

ہمایوں اور سلطان بہادر کی فوجیں پورے دو ماہ تک ایک دوسرے کے سامنے جمی رہیں۔ فریقین کے بہادر سپاہی اکثر اوقات ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے لیکن ہمایوں نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کے سپاہی توپ و تفنگ کے سامنے جانے سے احتراز کریں۔

گجراتی لشکر میں قحط کے آثار

تین چار ہزار مغل تیراندازوں نے گجراتی لشکر کے اطراف پر حملہ کر کے غلہ اور دیگر ضروری سامان کی ترسیل کی راہیں مسدود کر دیں۔ چند روز جب اسی عالم میں گزر گئے تو گجراتیوں کی فوج میں قحط کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ مغل تیرانداز پوری طرح غالب تھے اس لیے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ غلہ وغیرہ لا سکے۔

سلطان بہادر کا فرار

یہ صورت حال دیکھ کر سلطان بہادر بہت پریشان ہوا اور وہ سمجھ گیا کہ اب اگر اس نے زیادہ دیر اس جگہ قیام کر لیا تو اس کی گرفتاری ناگزیر ہے۔ اس نے اپنے پانچ امرائے مقرب کا جن میں مالوہ اور برہان پور کے حاکم بھی شامل تھے ساتھ لیا اور سراپردہ شاہی کے پیچھے سے نکل کر شادی آباد مندو کی طرف بھاگ گیا۔

تعاقب

ہمایوں نے شادی آباد مندو کے قلعے تک سلطان بہادر کا تعاقب کیا اور راستے میں ان گنت گجراتی سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ حیدر خاں ایک جرار لشکر کے ساتھ اپنے آقا کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا اس میں اور مغل سپاہیوں میں آمنا سامنا ہو گیا۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی حیدر خاں زخمی ہوا اور اس نے بھی راہ فرار اختیار کی۔

قلعہ مندو میں قیام اور فرار

سلطان بہادر قلعہ مندو میں پناہ گزیں ہوا مغلوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا تھوڑی مدت میں کئی مغل امراء جن میں بندو بیگ بھی شامل تھا سات سو سپاہیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئے۔ اس وقت سلطان بہادر سو رہا تھا شور سن کر وہ اٹھا تو اس نے دیکھا کہ گجراتی بدحواس ہو کر بھاگ رہے ہیں۔ ایسے عالم میں اس نے قلعے میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی بھاگ نکلا۔ پانچ یا چھ سواروں کے ہمراہ وہ محمد آباد جینانیر جا پہنچا۔

سلطان عالم کا قتل

حیدر خاں اور سلطان عالم حاکم رائسین قلعہ سونگر میں پناہ گزین ہوئے۔ دو روز بعد انہوں نے امان طلب کر کے ہمایوں کی خدمت میں حاضری دی۔ ہمایوں نے حیدر خاں کو جو زخمی تھا اپنے ملازموں میں داخل کیا لیکن سلطان عالم کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس سے کئی ناشائستہ حرکات سرزد ہو چکی تھیں۔

محمد آباد میں لوٹ مار

سلطان بہادر کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے محمد آباد جنانیر سے تمام خزانہ اور جواہرات بندر دیب میں بھجوا دیے اور خود کنبایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہمایوں نے مندو کو اپنے امراء کے سپرد کیا اور خود محمد آباد جنانیر کی طرف روانہ ہوا محمد آباد کو لوٹ لیا گیا مغلوں نے اس لوٹ مار میں خوب ہاتھ رنگے اور بے شمار چیزیں اپنے قبضے میں کیں۔ اس کے بعد ہمایوں جلد از جلد کنبایت کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان بہادر دیب کی طرف بھاگ گیا۔

قلعہ محمد آباد پر ہمایوں کا قبضہ

جب ہمایوں کنبایت پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان بہادر وہاں موجود نہیں ہے تب وہ محمد آباد جنانیر واپس آ گیا۔ ہمایوں نے قلعے کا محاصرہ کر کے اس کو اپنے قبضے میں کر لیا' اس معرکے کی تمام روداد ہمایوں کے حالات میں بیان کی جا چکی ہے اس لیے یہاں اس کے اعادہ

کی ضرورت نہیں۔

اختیار خاں سے ہمایوں کا سلوک

محمد آباد جنانیر کے قلعے کا حاکم اختیار خاں بھاگ گیا اور قلعہ ارک میں جو مولیا کے نام سے موسوم ہے پناہ گزیں ہوا لیکن بعد میں اس نے امان طلب کر کے ہمایوں کی خدمت میں حاضری دی۔ اختیار خاں چونکہ اپنے ذاتی کمالات اور علم و فضل کی وجہ سے تمام گجراتی امیروں کی جماعت میں نمایاں مقام رکھتا تھا اس لیے اپنے امراء میں داخل کیا۔

گجراتیوں کے خطوط سلطان بہادر کے نام

ہمایوں نے گجراتی بادشاہوں کے خزانوں کو جن میں سال ہا سال کی جمع کردہ دولت موجود تھی اپنے قبضے میں کر لیا اور اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ ۹۴۳ھ میں اگرچہ ہمایوں محمد آباد ہی میں مقیم تھا لیکن رعایا ابھی تک سلطان بہادر ہی کو حکمران سمجھتی تھی۔ اور اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے سلطان بہادر کے نام خطوط لکھے کہ اگر وہ کسی آدمی کو مالگذاری جمع کرنے کے لیے متعین کر دے تو مال گزاری سرکاری خزانے میں جمع کر دی جائے۔

تحصیل مالگذاری

سلطان بہادر نے عماد الملک نامی اپنے ایک غلام کو جو عقل و دانش میں اپنی مثال آپ تھا اس کام کے لیے مقرر کیا اور اسے ایک زبردست لشکر کے ساتھ مالگذاری وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عماد الملک نے بہت سا لشکر فراہم کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ احمد آباد اور یہاں سے اپنے عاملوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر مالگذاری وصول کرنی شروع کر دی۔

میرزا عسکری اور عماد الملک میں جنگ

ہمایوں کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو اس نے خزانوں کی حفاظت پر اپنے ایک امیر نیرے بیگ خاں کو متعین کیا اور خود محمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے میرزا عسکری' یادگار ناصر' میرزا بندو بیگ کو اپنے سے ایک منزل آگے روانہ کیا۔ عسکری میرزا اور عماد الملک محمد آباد میں جو کہ احمد آباد سے بارہ کوس کے فاصلے پر ہے ایک دوسرے کے سامنے آئے اور ان میں زبردست لڑائی ہوئی' عماد الملک اپنے بے شمار سپاہیوں کے ہمراہ مارا گیا۔

حکومتوں کی تقسیم

اس واقعہ کے بعد ہمایوں احمد آباد میں آیا اور یہاں کی حکومت میرزا عسکری کے حوالے کی۔ پٹن گجرات کا حاکم یادگار ناصر میرزا کو اور بروچ کا حاکم قاسم حسین میرزا کو بنایا۔ محمد آباد جنانیر کی حکومت نیروے بیگ خاں کو عطا کی۔ اس کے بعد ہمایوں برہان پور آیا اس نے اس جگہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہاں سے شادی آباد مندو کی طرف چلا گیا۔

گجراتی امراء کی سرگرمیاں

اسی اثناء میں سلطان بہادر کے ایک امیر خاں جہاں شیرازی نے ایک فوج فراہم کر کے قصبہ نوساری پر قبضہ کر لیا۔ رومی خاں جو بندر سورت میں تھا وہ بھی نوساری میں آ گیا اور خان جہاں شیرازی سے مل گیا۔ یہ دونوں امیر باہمی اتفاق سے بھروچ پر حملہ آور ہوئے۔ حاکم بھروچ قاسم حسین میرزا نے ان دونوں کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور نیروے بیگ خاں کے پاس محمد آباد جنانیر میں چلا گیا۔

مغلوں کے اقتدار میں کمی

اس صورت حال کا یہ نتیجہ نکلا کہ تمام گجرات میں انتشار پھیل گیا۔ مغلوں کے قدم اکھڑنے لگے ان کے تھانے اٹھ گئے اور جیسا کہ

مناسب مقام پر تحریر کیا جا چکا ہے۔ عسکری میرزا کا ایک امیر غضنفر بیگ بھاگ کر سلطان بہادر کے پاس آ گیا اور اسے احمد آباد آنے کی دعوت دی۔

مغل امیروں کا فیصلہ

سوائے نیروئے بیگ خاں کے بقیہ تمام مغل امیر احمد آباد میں جمع ہوئے سلطان بہادر اپنا لشکر تیار کر کے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ عسکری میرزا اور مغل امیروں نے آپس میں طے کیا کہ چونکہ سلطان بہادر کا مقابلہ کرنا دشوار ہے اور ہمایوں شادی آباد مندو میں مقیم ہے اور بنگالے میں شیر خاں افغان نے آفت مچا رکھی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ محمد آباد جنانیر کا خزانہ اپنے ساتھ لے کر آگرہ کا رخ کیا جائے اور اس علاقہ پر قابض ہو کر عسکری میرزا کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور مندو بیگ کو وزیر بنا دیا جائے۔ یہ سب امیر اس رائے پر متفق ہو گئے۔

میرزا عسکری کے حواریوں کی عاقبت نااندیشی

ان باغی امیروں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ باقی مغل امراء اپنی مرضی کے مطابق جاگیروں پر قبضہ کر لیں۔ الغرض گجرات کا علاقے بہت محنت و مشقت سے فتح ہوا تھا اسے میرزا عسکری کے حواریوں نے اس طرح تباہ و برباد کر دیا اور پھر محمد آباد جنانیر میں آئے۔

مغل امراء کی روانگی

نیروئے بیگ خاں کو باغی امیروں کے ارادے کا علم ہو گیا تھا اس نے اپنے قلعے کو مضبوط کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ مغل امراء بڑی ذلت اور خواری سے آگرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سلطان بہادر نے جب یہ دیکھا کہ گجرات دشمن کے قدموں سے خالی ہو چکا ہے تو اس نے نیروئے بیگ کے دفیعے کے لیے محمد آباد جنانیر کی طرف قدم بڑھایا۔

سلطان بہادر محمد آباد جنانیر میں

نیروے بیگ کو جب سلطان بہادر کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے جلد از جلد جس قدر خزانہ وہ سمیٹ سکا اپنے ساتھ لے کر آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان بہادر نے چند روز تک محمد آباد جنانیر میں قیام کیا اور ملکی انتظامات کی طرف متوجہ ہوا۔

فرنگیوں سے خطرہ

جن دنوں ہمایوں نے گجرات میں غلبہ حاصل کر لیا تھا ان دنوں سلطان بہادر نے انتہائی کس مپرسی کے عالم میں بندر کو دہ' بندر چیول' بیگ اور بندہ کے فرنگیوں سے امداد طلب کی تھی لیکن اب اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرنگی گجرات پر جو مغلوں سے خالی ہو چکا تھا قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ اس وجہ سے سلطان بہادر جلد از جلد سورت اور جونا گڑھ کی طرف روانہ ہوا تا کہ ان کو (جب وہ اس طرف آئیں) واپس لوٹا دے۔ چند روز تک سلطان بہادر اس علاقے میں سیر و شکار میں مصروف رہا۔ ایک روز پانچ چھ ہزار فرنگی کشتیوں کے ذریعے بندر دیب میں آ گئے۔

فرنگیوں کی چال

فرنگیوں کو جب ہمایوں کی واپسی اور سلطان بہادر کے عزم و استقلال کا پتہ چلا تو انہیں اپنے آنے پر ندامت ہوئی انہوں نے آپس میں طے کیا جس طرح بھی ممکن ہو سکے بندر دیب پر قبضہ کر لیا جائے۔ فرنگیوں کے سردار نے ایک چال چلی اس نے اپنے آپ کو بیمار مشہور کر دیا۔ سلطان بہادر نے اپنا قاصد سردار کے پاس بھیجا لیکن اس نے جواب دیا کہ بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہوں اس لئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

سلطان بہادر کا قتل

سلطان بہادر نے سوچا کہ فرنگی جب اس کا اتنا ادب و احترام کرتے ہیں تو اسے بھی ان کا خیال کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر بادشاہ فرنگیوں کو تسلی دینے کے واسطے کشتی میں سوار ہو کر اس جگہ پہنچا کہ جہاں فرنگیوں کی کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بادشاہ ان کی ایک بڑی کشتی میں داخل ہو گیا۔ وہاں اسے یہ احساس ہوا کہ جیسے فرنگی اس کے خلاف کچھ کرنے والے ہوں یہ خیال آتے ہی بادشاہ ان کی کشتی سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب وہ اپنی کشتی میں واپس جانے لگا تو فرنگیوں نے بیچ کی کشتی کو ہٹا دیا اور بادشاہ پانی میں گر گیا اس نے غوطہ کھایا لیکن جلد ہی ابھر آیا اوپر سے ایک فرنگی نے بادشاہ کے سر پر نیزہ مارا وہ ایسا زخمی ہوا کہ پھر نہ ابھر سکا۔

بندر دیب پر فرنگیوں کا قبضہ

گجراتی لشکر نے جب یہ صورت دیکھی تو وہ احمد آباد واپس آ گیا اس طرح ۹۴۳ھ میں رمضان کے مہینے میں بندر دیب پر فرنگی دوبارہ قابض ہو گئے۔

سلطان بہادر نے پندرہ سال تین ماہ تک حکومت کی۔ "تاریخ بہادر شاہی" اسی بادشاہ کے نام سے معنون کی گئی ہے لیکن اس کتاب میں مولف نے اس قدر غلطیاں کی ہیں کہ اس کے واقعات کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

میراں محمد شاہ فاروقی

محمد زمان میرزا احمد آباد میں

سلطان بہادر کی وفات کے بعد گجرات کے امیر مع سلطان بہادر کی والدہ مخدومہ جہاں کے بندر دیب سے گجرات آئے۔ راستے میں مخدومہ جہاں کو معلوم ہوا کہ محمد زمان میرزا احمد آباد آیا ہوا ہے۔ واضح رہے کہ محمد زمان میرزا کو سلطان بہادر نے مغلوں کو پریشان کرنے کے لیے ایک لشکر جرار کے ساتھ دہلی اور لاہور کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہ ہندوستان کی مملکت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کرے۔

سلطان بہادر کا ماتم

یہ اطلاع بھی مخدومہ جہاں اور امرائے گجرات کو ملی کہ محمد زمان میرزا کے آنے کا سبب سلطان بہادر کی وفات ہے۔ جب اس کو لاہور میں سلطان بہادر کی ہلاکت کی خبر ملی تو وہ اسی وقت روتا پیٹتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا اور ماتمی لباس پہن کر احمد آباد آ پہنچا۔ کچھ دنوں بعد محمد زمان مخدومہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملکہ نے ہر ممکن طریقے سے اس کی مہمان داری کی اس ماتمی لباس کو تبدیل کروایا اور اس کی دل جوئی کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

محمد زمان میرزا کی کم ظرفی

محمد زمان نے مخدومہ جہاں کی تمام خوش خلقی اور مروت کے جواب میں بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اس نے اپنے ملازمین کی ایک جماعت کے ساتھ گجرات کے خزانے پر حملہ کر دیا اور سات سو سونے سے بھرے ہوئے صندوق نکال کر اپنے قبضے میں کر لیے اور خود روپوش ہو گیا۔ اس کے بعد محمد زمان میرزا نے بارہ ہزار مغل اور ہندوستانی سپاہیوں کا لشکر جرار فراہم کیا اور گجرات کا فرماں روا بننے کے خواب دیکھنے لگا۔

میراں محمد شاہ کے نام کا خطبہ و سکہ

گجراتی امراء اس نئی ہنگامہ آرائی سے سخت پریشان ہوئے اور بادشاہ کی نامزدگی کے بارے میں آپس میں مشورے کرنے لگے۔ میراں محمد شاہ فاروقی سلطان بہادر کا بھانجا تھا اور آخر الذکر نے اپنی زندگی میں کئی بار اس امر کا اشارہ بھی کیا تھا کہ اول الذکر اس کا ولی عہد ہے۔ مخدومہ جہاں نے میراں محمد شاہ کو بادشاہ بنانے کی تجویز پیش کی تمام امراء نے اس تجویز کی تائید کی اس کے بعد میراں محمد شاہ کی عدم موجودگی میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا گیا۔

گجراتی امیروں نے پہلے تو اپنے تیز رفتار قاصد میراں محمد شاہ فاروقی کو بلانے کے لیے روانہ کیے اور پھر محمد زمان میرزا کے دفعیے کے لئے عماد الملک کو بے شمار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ نامزد کیا۔ محمد زمان میرزا بنیادی طور پر شیر قالین تھا جنگ جوئی سے اس کی طبیعت کچھ زیادہ مناسبت نہ رکھتی تھی بہرحال اس نے عماد الملک کے ساتھ تھوڑی بہت جنگ کی لیکن آخر کار میدان جنگ سے فرار ہو کر سندھ کی طرف بھاگ گیا اور پھر اس کے بعد اس نے کبھی کسی جنگ میں حصہ نہ لیا۔

محمد شاہ فاروقی کی وفات

میراں محمد شاہ فاروقی ان دنوں مالوہ میں تھا اسے وہاں سلطان بہادر نے مغلوں کے لشکر کے تعاقب میں بھیجا تھا۔ گجرات میں فاروقی کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد مالوہ میں ہی اس نے طبعی موت سے دنیا کو خیرباد کہا اور اس طرح صحیح معنوں میں اسے گجرات پر حکومت کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

سلطان محمود شاہ ثانی بن لطیف بن سلطان مظفر گجراتی

قرعہ فال

جب میراں محمد شاہ فاروقی کا انتقال ہو گیا تو پھر سوائے محمود خاں کے کوئی اور وارث تخت باقی نہ رہا۔ محمود شہزادہ لطیف کا بیٹا اور سلطان مظفر کا پوتا تھا۔ چونکہ محمود خاں نے سلطان بہادر کے عہد حکومت میں حکومت کا دعویٰ کیا تھا اس لیے اس کو برہان پور میں میراں محمد شاہ کے پاس قید کر دیا گیا تھا۔ میراں محمد شاہ کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے اختیار خاں کو بلانے کے لیے روانہ کیا۔

تخت نشینی

میراں محمد شاہ کے بھائی میراں مبارک نے محمود خاں کو روانہ کرنے میں حیل و حجت سے کام لیا۔ گجراتی امیروں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فوج مرتب کر کے برہان پور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ میراں مبارک کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ڈر کر محمود خاں کو گجرات روانہ کر دیا۔ جب محمود خاں گجرات پہنچا تو امراء نے ۱۰ ذی الحجہ ۹۴۴ھ کو اسے تخت پر بٹھا دیا اور اسے سلطان محمود کے نام سے مشہور کیا۔ اختیار خاں نے ملکی معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور وہ اپنے نام کی رعایت سے صاحب اختیار ہوا۔

امراء میں خانہ جنگی

سلطان محمود کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ۹۴۵ھ میں امراء میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دریا خاں اور عماد الملک نے آپس میں مل کر اختیار خاں کو قتل کر دیا۔ اس کے نتیجے میں دریاں خاں وزیر اور عماد الملک امیرالامراء مقرر ہوا اسی سال کے آخر میں ان دونوں امیروں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔

عماد الملک اور دریا خاں کی مخالفت

شکار کے بہانے سے دریا خاں نے سلطان محمود کو اپنے ساتھ لیا اور محمد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جواب میں عماد الملک نے بھی لشکر جمع کیا اور محمد آباد کی طرف چل دیا۔ جب وہ سفر کی دو تین منزلیں طے کر چکا تو گجراتی لشکر جو عماد الملک سے بڑی بڑی رقمیں وصول کر چکے تھے اس سے منحرف ہو گئے اور بادشاہ سے مل گئے۔ اس سے عماد الملک بہت پریشان ہوا اور اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ خود تو اپنی جاگیر سرم گاؤں اور سورت کی طرف چلا جائے اور بادشاہ واپس احمد آباد جائے۔

معرکہ آرائی

۹۴۷ھ میں دریا خاں نے عماد الملک کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے بادشاہ کو لے کر مع ایک لشکر جرار کے سورت کی طرف روانہ ہوا۔ عماد الملک مقابلے پر آیا طرفین میں لڑائی ہوئی شاہی لشکر کا پلہ بھاری رہا اور عماد الملک میدان جنگ سے فرار ہو کر میراں مبارک حاکم اسیر کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ میراں مبارک نے عماد الملک کی مدد کا وعدہ کیا اور شاہی لشکر سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔

سلطان محمود اور میراں مبارک کی جنگ

میراں مبارک نے گجراتی لشکر سے جنگ کی لیکن شکست کھا کر واپس اسیر آ گیا۔ اس کے بعد عماد الملک حاکم مالوہ ملو خاں عرف قادر شاہ کے پاس چلا گیا۔ سلطان محمود نے خاندیش میں آ کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میراں مبارک نے اس عہد کے بارسوخ لوگوں کو بیچ میں ڈالا اور صلح کر کے سلطان محمود کے ملازموں میں شامل ہو گیا۔

سلطان محمود محض ایک شطرنج کا بادشاہ

عماد الملک کے چلے جانے کے بعد دریا خاں کو اطمینان ہو گیا اور اس نے تمام ملکی و مالی معاملات کو خوب اچھی طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا اور باقی تمام امیروں کو ان امور سے علیحدہ رکھا رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان محمود کی حیثیت محض شاہ شطرنج کی سی رہ گئی اور اصل قوت عماد الملک کے ہاتھ میں آ گئی اور صحیح معنوں میں ملک کا حکمران وہی ہوا۔

سلطان محمود اور عالم خاں لودھی کا اتحاد

ایک رات سلطان محمود جرجیو کبوتر باز کے ساتھ قلعہ ارک سے باہر آیا اور عالم خاں لودھی سے جو دولقہ اور وندوفہ کا جاگیردار تھا ملاقات کی۔ عالم خاں بادشاہ سے بڑی نیازمندی سے ملا اور بے حد تعظیم و تکریم کی لودھی نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور تھوڑی سی دیر میں اس نے چار ہزار سپاہی فراہم کر لیے۔

مظفر شاہ---- ایک نیا بادشاہ

دریا خاں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ اس کے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے تو اس نے محافظ اور دوسرے امراء کے مشورے سے ایک لڑکے کو جس کے نسب کا صحیح طور پر کچھ علم نہ تھا مظفر شاہ کے نام سے موسوم کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور تمام امیروں کو جاگیریں اور خطابات دے کر اپنا ہم خیال بنا لیا۔

دریا خاں اور عالم خاں لودھی میں جنگ

عالم خاں لودھی نے سلطان محمود کو تو ایک زبردست لشکر کے ساتھ وہیں چھوڑا اور خود دشمن کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ دریا خاں بھی لشکر لے کر آیا فریقین میں جنگ ہوئی عالم خاں لودھی امیر نے پہلے ہی حملہ میں دریا خاں کو شکست دی اور اس کے لشکر خاصہ پر دھاوا کر دیا۔ اس موقعے پر بھی لودھی امیر نے جرات و بہادری کا شاندار مظاہرہ کیا اور میدان جنگ سے صحیح و سلامت نکل آیا۔

امید و بیم

اس معرکے کے بعد عالم خاں لودھی کے ساتھ صرف پانچ سو سوار باقی رہ گئے اور اسے اپنے انجام کی طرف سے سخت تشویش ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے اسے خیال آیا کہ پہلے حملے میں دریا خاں کے مقدمہ لشکر کے سپاہی احمد آباد کی طرف فرار ہو گئے تھے اس لیے ممکن ہے کہ تمام شہر میں دریا خاں کی شکست کی خبر مشہور ہو گئی ہو۔ یہ سوچ کر دریا خاں نے جلد از جلد شہر میں پہنچنے کا ارادہ کیا۔

عالم خاں شہر میں

عالم خاں لودھی شہر میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو فتح یاب مشہور کیا اور شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ احمد آباد کے باشندے کچھ دیر پہلے ہی دریا خاں کے مقدمہ لشکر کے سپاہیوں کو پریشان و درماندہ دیکھ چکے تھے۔ اس لیے انہیں دریا خاں کی شکست اور عالم خاں لودھی کی فتح کا یقین آ گیا۔

دریا خاں کی پریشانی

اس کے بعد عالم خاں لودھی نے دریا خاں کے گھر کو لوٹنے اور شہر کے دروازوں کو مستحکم کرنے کا حکم دیا نیز ایک قاصد بھیج کر سلطان محمود کو اپنے پاس بلا لیا۔ دریا خاں لودھی معرکہ آرائی کے بعد اپنی جگہ پر ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی دوران میں احمد آباد سے جاسوسوں نے آ کر اسے اصل حالات سے مطلع کیا۔ یہ سنتے ہی دریا خاں شہر کی طرف روانہ ہوا۔

فرار

امیروں میں سے اکثر کے بال بچے شہر میں تھے اس لیے انہوں نے اپنی خیریت عالم خاں لودھی سے مل جانے ہی میں دیکھی لہٰذا وہ دریا خاں کا ساتھ چھوڑ کر عالم خاں کے پاس چلے گئے۔ دریا خاں کے شہر میں پہنچنے کے بعد ہی سلطان محمود بھی وہاں آگیا۔ دریا خاں کو جب یہ خبر ملی تو وہ حواس باختہ ہو کر برہان پور کی طرف بھاگ گیا لیکن برہان پور میں وہ زیادہ دیر قیام نہ کر سکا اور شیر شاہ کے پاس چلا گیا۔ شیر شاہ نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔

عالم خاں کی پریشانی

اس کے بعد میدان جنگ چونکہ حریف سے خالی ہو گیا تھا اس لیے سلطان محمود نے عالم خاں کو اپنا وزیر بنا لیا۔ عالم خاں چاہتا تھا کہ دریا خاں کی طرح بادشاہ پر چھا جائے اور تمام ملکی و مالی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ سلطان محمود کو عالم خاں کے اس ارادے کا علم ہو گیا اس نے دوسرے امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر عالم خاں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ دریا خاں کی طرح وہ بھی شیر شاہ کے پاس چلا گیا۔ شیر شاہ اس سے بھی بڑی مہربانی سے پیش آیا۔

انتظام سلطنت

سلطان محمود نے ایک ایک کر کے جب تمام بدنیت امیروں سے نجات حاصل کر لی تو وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے انتظام سلطنت میں کئی بنیادی تبدیلیاں کیں اور تمام کام پہلے سے بہتر ہونے لگے۔ زراعت کی طرف توجہ کی اور زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے کے سامان فراہم کیے۔ سپاہیوں کو انعامات و تنخواہ کی بروقت ادائیگی سے خوش کیا اور ان کے دلوں کو اپنے قابو میں لیا۔

محمود آباد کی تعمیر

الغرض سلطان محمود کی مستعدی سے بہت تھوڑے سے عرصے میں گجرات کی حالت بدل گئی۔ بادشاہ نے اپنے تمام امیروں' اراکین سلطنت اور اکابر شہر کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا اور انہیں انعامات سے نوازا۔ احمد آباد سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک نیا شہر "محمود آباد" بھی تعمیر کروانا شروع کیا لیکن اس کی تکمیل محمود کی حیات میں نہ ہو سکی۔

سورت میں ایک نئے قلعے کی تعمیر

سلطان محمود کے عہد حکومت میں ۹۴۹ھ میں بحر عمان کے ساحل پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا اس کی تکمیل غضنفر آقا ترک عرف خداوند خاں کے اہتمام سے ہوئی۔ اس قلعے کی تعمیر سے پہلے فرنگیوں کا یہ شیوہ تھا کہ وہ سورت کے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے رہتے تھے یہ صورت حال دیکھ کر سلطان محمود نے خداوند خاں کو یہاں کی حکومت پر متعین کیا اور اسے حکم دیا کہ سورت میں ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ خداوند خاں نے حکم کی تعمیل میں قلعے کی تعمیر کا کام شروع کروا دیا۔ اس دوران میں فرنگیوں نے دوبارہ حملہ کر کے قلعے کی تعمیر کو رکوانا چاہا لیکن ہر دوبار انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

قلعہ سورت کا استحکام

سورت کا قلعہ بہت ہی مضبوط اور مستحکم ہے اس کی دو اطراف میں خشکی ہے جہاں خندق بنی ہوئی ہے۔ خندق بیس گز چوڑی ہے اور دونوں جانب سے پانی سے بھری رہتی ہے اس خندق کی دیواریں پتھر اور چونے سے بنائی گئی ہیں ان دیواروں کی چوڑائی پچیس گز اور بلندی بیس زرع ہے۔ قلعے کی مضبوطی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ پتھروں کو لوہے کے کڑوں سے جوڑ کر چنا گیا ہے اور بعد میں سوراخوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر تمام درزوں کو بند کر دیا گیا۔ الغرض یہ سب کچھ بہت اعلیٰ طریقے سے کیا گیا ہے۔

عیسائیوں کی کوشش

کہا جاتا ہے کہ جب عیسائیوں کو معرکہ آرائی سے اپنا مقصد حاصل نہ ہوا تو انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور نہایت نرمی اور ملائمت سے پیش آنے لگے۔ انہوں نے خداوند خاں کو ایک خاصی رقم بطور رشوت پیش کرنے کی کوشش بھی کی تاکہ انہیں کھیل کھیلنے کا موقع مل سکے لیکن ان کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔

رشوت دینے کی کوشش

فرنگیوں نے گجراتیوں سے کہا اگر تم ہماری بات نہیں مانتے تو صرف اس قدر مان لو کہ چند کنگری کو پرتگال کی طرح تعمیر نہ کرو۔ ہم نے تمہیں جو رقم قلعہ تعمیر نہ کرنے کے لیے دی تھی وہی اب ہم پھر تم کو دیں گے اگر تم ہماری التماس قبول کر لو۔" خداوند خاں نے اس کے جواب میں کہا۔ "اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور بادشاہ کی عنایات کی وجہ سے مجھے تمہارے روپے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چند کنگری بناؤں گا اور ضرور بناؤں گا۔ اس کے بعد خداوند خاں نے جوناگڑھ سے ان گنت توپیں اور ضرب زن (جو رمیوں نے وہاں جمع کر رکھی تھیں اور جن کو سلیمانی کہا جاتا ہے۔) منگوائیں اور انہیں سورت کے قلعے میں جگہ جگہ نصب کر کے قلعے کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔

بادشاہ کو قتل کرنے کی کوشش

ابتدائے ۹۹۱ھ تک سلطان محمود بڑے امن و اطمینان سے حکومت کرتا رہا اور کسی طرف اس کا کوئی دشمن نہ رہا۔ اسی سال بادشاہ کے خاص ملازم برہان نامی نے (جو اپنے آپ کو بڑا نیک اور پارسا ظاہر کرتا تھا اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا شکار میں بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا اور اس دوران میں نماز میں امامت کرتا تھا) بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

برہان کا واقعہ

ایک مرتبہ سلطان محمود نے کسی غلطی کی وجہ سے برہان کو دیوار میں چنوا دیا لیکن اس طرح سے کہ اس کا چہرہ کھلا تھا اس واقعے کے تھوڑے دنوں کے بعد سلطان محمود اس طرف سے گزرا جہاں سے برہان کا چہرہ نظر آتا تھا۔ بادشاہ نے اس کے چہرے پر جب نظر ڈالی تو اس نے آنکھوں کے اشارے سے سلام کیا بادشاہ کو اس پر رحم آ گیا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔ برہان کا سارا جسم گل سڑ گیا تھا اس لیے دیر تک اس کا علاج ہوتا رہا آخرکار وہ شفایاب ہوا اور دوبارہ مقربین میں شامل ہو گیا۔ تجدید تعلقات کے بعد بھی برہان کا دل بادشاہ کی طرف سے صاف نہ ہوا۔

برہان سے بدسلوکی

ایک بار پھر برہان بادشاہ کے ساتھ شکار گاہ میں گیا اور اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے برہان کو بہت گالیاں دیں اور سخت سست کہا۔ شکار سے واپسی کے بعد شام کے وقت بادشاہ نے نشہ آور اشیاء بہت زیادہ استعمال کیں اور آرام کے لیے بستر پر لیٹ گیا۔

سازباز

سلطان محمود کی شکاری جماعت کے بیس آدمی "شیر کش" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایک بار شیر سے مقابلہ کر کے اسے ہلاک کیا تھا یہ بیس آدمی برہان کی نگرانی میں رہتے تھے تاکہ وہ انہیں شکار گاہ میں نازک مقامات پر تیار رکھے۔ برہان نے ان آدمیوں کو امارت اور بڑے بڑے عہدوں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ کر لیا اور بادشاہ کو قتل کرنے کے موقع کا منتظر رہا۔

برہان کو کسی نہ کسی طرح علم ہو گیا کہ شکار سے واپسی کے بعد بادشاہ نے نشہ آور اشیاء کے استعمال میں بہت زیادہ بے اعتدالی کی ہے

اس نے اپنے بھانجے کو جس کا نام دولت تھا اور جو بادشاہ کی خدمت میں مامور تھا سلطان محمود کو قتل کرنے پر آمادہ کر لیا۔

سلطان محمود کا قتل

دولت بادشاہ کے سر کے بالوں کو جو بہت بڑھے ہوئے تھے خشک کرنے کے بہانے سے بادشاہ کے پاس گیا۔ سلطان محمود اس وقت نشے میں دھت تھا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ دولت نے بادشاہ کے لمبے لمبے بالوں کو پلنگ کی لکڑی کے ساتھ خوب کس کر باندھ دیا اس کے بعد بادشاہ کی تلوار کو نیام سے نکالا اور سلطان محمود کی گردن پر رکھ دیا۔ اب بادشاہ کو احساس ہوا کہ معاملہ دگرگوں ہے بادشاہ نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنے دونوں ہاتھ تلوار کی باڑھ پر رکھ دیئے۔ دولت نے گردن کے ساتھ بادشاہ کے ہاتھ بھی کاٹ دیئے۔

دولت کی مکاری

جب دولت اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو برہان نے مکاری اور چالاکی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ بادشاہ کے کمرے کے دروازے کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا فوراً اندر چلا گیا۔ برہان نے سوچا اگر بادشاہ کی طرح امیروں کو بھی ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے تو سلطنت باسانی اس کے ہاتھ آ جائے گی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ بادشاہ کے کمرے سے باہر آ کر یونہی جھوٹ موٹ بادشاہ کی طرف سے مختلف احکامات صادر کرنے لگا۔ پہلا حکم اس نے یہ دیا کہ مغنی بلند آواز سے گائیں اور دوسرا حکم یہ دیا کہ دس "شیر کش" بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہیں۔

امراء کا قتل

دولت نے شیر کش چوکیداروں کو بلا کر انہیں ہتھیار دیئے اور مناسب جگہوں پر متعین کر دیا۔ آدھی رات کے وقت غضنفر آقا المعروف بہ خداوند خاں اور آصف خاں' وزیر بادشاہ سے ملنے کے لیے آئے۔ دولت ان دونوں کو خلوت میں لے گیا اور قتل کر دیا اس کے بعد دوسرے امیروں کو بھی دولت نے بلا کر قتل کر دیا۔

اعتماد خاں کی دور اندیشی

اس کے بعد دولت نے اپنے قاصد کو اعتماد خاں کے پاس بھیجا اور اسے طلب کیا۔ اعتماد خاں نے سوچا کہ بادشاہ کا یہ معمول نہیں ہے کہ وہ اتنی رات گئے مجھ جیسے مقتدر امیر کو زحمت دے اس لیے ضرور کوئی خاص بات ہے وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں دولت کا بھیجا ہوا ایک قاصد آ گیا اب تو اعتماد خاں کا شک یقین میں بدل گیا اور اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا۔

عبدالصمد شیرازی کی طلبی

برہان نے مشہور و معروف گجراتی امیر عبدالصمد شیرازی عرف افضل خاں کو بلایا اور اس سے کہا "بادشاہ خداوند خاں سے کسی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے اور اسے معزول کر دیا گیا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ تجھے اس کی جگہ پر مقرر کرے لہٰذا بادشاہ نے تیرے لیے یہ خلعت وزارت بھیجا ہے۔" عبدالصمد نے اس کے جواب میں کہا۔ "جب تک میں بادشاہ کو نہ دیکھوں گا یہ خلعت ہرگز نہ پہنوں گا۔" دولت نے بہت اصرار کیا کہ عبدالصمد اس خلعت کو پہن لے لیکن عبدالصمد نے اپنا ایک ہاتھ تو خلعت کی آستین میں ڈال لیا اور قسم کھا کر کہا "میں دوسرا ہاتھ آستین میں اس وقت تک نہ ڈالوں گا کہ جب تک بادشاہ کو دیکھ نہ لوں گا۔"

عبدالصمد کا قتل

دولت' عبدالصمد شیرازی کو اس جگہ لے آیا جہاں سلطان محمود کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ دولت نے عبدالصمد سے کہا میں نے بادشاہ اور تمام امیروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا ہے اب میں تجھے اپنا وزیر مقرر کرتا ہوں اور تمام امور سلطنت تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔" بادشاہ کی

لاش دیکھ کر عبدالصمد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس نے دولت کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ دولت نے اسی وقت اس امیر کو جو ستر سالہ بوڑھا تھا تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

برہان کی تخت نشینی

دولت نے اسی رات ان تمام بدمعاشوں اور سرکشوں کو جو اس کے گرد جمع ہو گئے تھے خطاب دے کر امارت کا امیدوار بنایا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ صبح تک وہ لوگوں میں زر و جواہر تقسیم کر کے انہیں اپنا حلیف بناتا رہا۔ برہان نے بدمعاشوں اور دیگر آوارہ مشرب لوگوں کو گھوڑے اور ہاتھی بھی عطا کیے اور اس طرح اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کر لیا۔

برہان کا قتل

سلطان محمود کے قتل کی خبر چھپی نہ رہ سکی اور بہت جلد مشتہر ہو گئی۔ عماد الملک ترک پدر چنگیز خاں' الغ خاں حبشی اور دوسرے امیروں نے باہمی اتحاد سے برہان پر حملہ کر دیا۔ برہان نے چتر شاہی سر پر سایہ فگن کیا اور اپنے لشکر کو لے کر ان امیروں کے مقابلے پر آیا پہلے ہی حملے میں برہان کا لشکر پراگندہ ہو گیا شیروان خاں نے برہان کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو رسی سے باندھ کر گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔

سلطان محمود کی مدت حکومت

سلطان محمود شاہ ثانی نے اٹھارہ سال دو مہینے اور چند روز تک حکومت کی۔ اتفاق سے اسی زمانے میں (یعنی ۹۶۱ھ میں) سلیم شاہ بن شیر شاہ حاکم دہلی اور حاکم احمد نگر نظام الملک بحری نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

عادات و کردار

سلطان محمود شاہ ثانی نہایت عمدہ عادات کا انسان تھا۔ اس کا زیادہ وقت عالموں اور فاضلوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ خاص خاص موقعوں پر مثلاً آنحضرت صلعم کے روز مولود اور اپنے بزرگوں کے ایام وفات وغیرہ میں غریبوں اور محتاجوں وغیرہ میں کھانا تقسیم کرتا تھا اور طشت و آفتابہ لے کر مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کی خدمت خود انجام دیتا تھا۔ جو کپڑا وہ اپنے لباس کے لیے خریدتا تھا اس میں سے پہلے فقیروں اور محتاجوں کے دستار و جامہ بنوا دیتا تھا۔

آہو خانے کی تعمیر

سلطان محمود ثانی نے ندی کے کنارے ایک عظیم الشان آہو خانہ بنوایا جس کی دیوار سات کوس طویل تھی اس آہو خانے کی عمارتیں اور باغات نہایت ہی خوبصورت اور دلکش تھے باغبانی کی خدمت پر صاحب جمال اور پری چہرہ عورتوں کو متعین کیا گیا۔ بادشاہ نے ہر طرح کے جانور اس آہو خانے میں جمع کیے۔ توالد و تناسل کی وجہ سے ان جانوروں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ یہ آہو خانہ سلطان محمود کے دور کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

عورتوں سے دلچسپی

سلطان محمود شاہ ثانی کو عورتوں کی صحبت میں رہنے کا بہت زیادہ شوق تھا شکار اور چوگان بازی کھیلنے کے وقت وہ اپنے حرم کی تمام عورتوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ شکار گاہ کے اندر جو درخت تھے ان پر سبز اور سرخ مخمل لپیٹ دی جاتی تھی تاکہ فضا کی زیب و زینت دوبالا ہو جائے۔

اعتماد خاں پر اعتماد

اس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں اس وجہ سے سلطان محمود نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کے حرم میں کوئی عورت حاملہ ہو تو اس کا حمل ساقط کر دیا جائے۔ اعتماد خاں' سلطان محمود ثانی کا ہندی غلام تھا۔ بادشاہ کو اس پر بہت اعتماد تھا بادشاہ نے اسے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ محلات کی آرائش کا انتظام کر سکے۔ اعتماد خاں نے اس خیال سے کہ کہیں بادشاہ کو کبھی شک کا موقع نہ ملے کافور کھا کر اپنی قوت مردانگی کو زائل کر لیا تھا۔

بدکاری کا انسداد

سلطان محمود کے عہد حکومت میں معاشرہ طرح طرح کی خرابیوں سے دوچار ہو گیا تھا۔ عورتیں مزاروں اور لوگوں کے گھروں پر اکثر جمع رہتی تھیں اور اس طرح بدکاریوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ اس قسم کی رسوم کا اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ فسق و فجور لوگوں کی عادت بن گیا تھا۔ سلطان محمود نے اس قسم کی تمام رسموں کا سختی سے انسداد کیا اس قسم کے کئی لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ جاسوسوں اور مخبروں کو مقرر کر کے بداطوار لوگوں کو بادشاہ اپنے حضور میں طلب کرتا اور سزا دیتا۔ اس قسم کے لوگوں کو انتظامی و سیاسی معاملات سے قطعاً بے تعلق کر دیا گیا۔ الغرض اس طرح سلطان محمود ثانی نے برائیوں کا بڑی اچھی طرح قلع قمع کیا۔

سلطان احمد شاہ ثانی

تخت نشینی

جب سلطان محمود شاہ ثانی کا قتل ہوا تو اس کا کوئی بیٹا نہ تھا جسے تخت پر بٹھایا جاتا۔ اعتماد خاں نے فتنہ و فساد کو رفع کرنے کی غرض سے سلطان شاہ کی اولاد میں سے ایک کم عمر لڑکے کو سید مبارک بخاری اور دوسرے امیروں کے مشورے سے تخت پر بٹھا دیا۔ اس لڑکے کا نام رضی الملک تھا اور سلطان احمد شاہ کے لقب سے اسے تخت پر بٹھایا گیا۔

بادشاہ کی بے کسی

اعتماد خان نے تمام ملکی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور احمد شاہ ثانی کو صرف نام کا بادشاہ رہنے دیا۔ پانچ سال اسی عالم میں گزر گئے احمد شاہ دیکھتا رہتا تھا کہ وہ کس طرح بے دست و پا ہے اور ہر کام اعتماد خاں کے حکم سے سرانجام پاتا ہے اور اصل حاکم وہی ہے۔ آخر کار سلطان احمد شاہ زیادہ صبر نہ کر سکا اور وہ سید مبارک بخاری کے پاس گیا اور تمام ماجرا اس سے بیان کیا۔ سید مبارک بخاری نے بادشاہ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اسی کے ایماء پر دوسرے مشہور گجراتی امراء مساوات خاں' موسیٰ خاں فولادی اور عالم خاں لودھی وغیرہ بھی بادشاہ کے ساتھ ہو گئے۔

اعتماد خاں کا فرار

اسی دوران میں عماد الملک اور تاتار خاں غوری نے اعتماد خاں کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور توپیں لگا کر سرکرنی شروع کر دیں۔ اعتماد خاں ان لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور پال نامی مقام کی طرف جو محمد آباد جنانیر کے قریب واقع ہے فرار ہو گیا۔

اعتماد خاں کی واپسی اور امراء میں صلح

اس کے بعد اعتماد خاں نے لشکر جمع کیا اور اپنے مخالفین سے لڑنے کے لیے آیا دوسرے فریق نے بھی لڑائی کی تیاری کی لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور چند مخلص لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے فریقین میں صلح کروا دی۔ وکالت کا عہدہ بدستور اعتماد خاں کے پاس رہا۔

سلطان احمد شاہ ثانی کی کم عقلی

بھروچ محمد آباد جنانیر نادوت اور دوسرے کئی پر گنے جو دریائے مہندری اور نربدا کے درمیان واقع ہیں اعتماد خاں کی جاگیر میں دیئے گئے۔ احمد شاہ ثانی کے لیے بھی جاگیر خاصہ مقرر کی گئی۔ سلطان احمد شاہ ثانی کم عقلی اور نادانی کی وجہ سے اکثر اوقات کھلے بندوں اپنے ساتھیوں سے اعتماد خاں کے قتل کے بارے میں مشورہ کرتا رہتا تھا۔ بعض اوقات وہ کیلے کے درخت کو اپنی تلوار کی ضرب سے دو ٹکڑے کر کے کہا کرتا تھا "میں اسی طرح اعتماد خاں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

احمد شاہ کا قتل

اعتماد خاں کو ان تمام حالات کی اطلاع ہو گئی اور اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ بادشاہ کوئی وار کرے اسے خود ہی کچھ کر گزرنا چاہیے۔ اعتماد خاں بادشاہ کے خون کا پیاسا ہو گیا اور اسے قتل کرنے کے منصوبے باندھنے لگا۔ آخر کار وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا اور ایک رات اس نے سلطان احمد شاہ ثانی کو قتل کر دیا۔

قتل کے بعد اعتماد خاں نے بادشاہ کی لاش کو وجیہہ الملک کے گھر کے سامنے دریا کی طرف پھینکوا دیا اور یہ مشہور کر دیا کہ بادشاہ ایک

لونڈی کو حاصل کرنے کے لیے گیا نادانستہ طور پر اسے قتل کر دیا گیا۔
سلطان احمد شاہ ثانی نے آٹھ سال حکومت کی۔

سلطان مظفر شاہ ثانی گجراتی بن محمود شاہ ثانی گجراتی

اعتماد خاں کا حلفیہ بیان

۹۶۹ھ کے آخر میں اعتماد خاں گجراتی امیروں کی مجلس میں ایک لڑکے کو لے کر آیا اور قسم کھا کر کہنے لگا۔ "یہ لڑکا سلطان محمود شاہ ثانی کا حقیقی بیٹا ہے جن دنوں اس لڑکے کی ماں حاملہ ہوئی تھی سلطان محمود ثانی نے اس خاتون کو میرے حوالے کر دیا تاکہ میں اس کا حمل ساقط کرا دوں اس وقت پانچ ماہ کا حمل ہو چکا تھا اس لیے میں نے گوارا نہ کیا کہ اس کا اسقاط کیا جائے۔ اعتماد خان نے اتنی قسمیں کھائیں کہ امراء نے اعتماد خاں کے بیان کو تسلیم کر لیا اور اس لڑکے کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ یہ بادشاہ سلطان مظفر شاہ ثانی کے نام سے مشہور ہوا۔

مملکت کی تقسیم

امراء نے تمام مملکت کو آپس میں اس طور پر تقسیم کیا کہ پٹن سے پرگنہ کدلی تک کا علاقہ موسیٰ خاں اور شیر خاں فولادی کو ملا۔ رادھن پور، ترادرہ، ہور جیور اور دوسرے پرگنوں پر فتح خاں بلوچ نے قبضہ کر لیا۔ دریائے سابرمتی اور مہندری کے درمیان کے پرگنے اعتماد خاں کے پاس رہے۔ عماد الملک کے بیٹے چنگیز خاں نے نادوت اور محمد آباد جناتیر پر قبضہ کر لیا۔ پھروچ چنگیز خاں کے بھانجے رستم خاں کو جاگیر میں ملا۔ سید میراں ولد سید بخاری نے دونقہ اور وندوقہ کو سنبھالا، سورت میں امین خاں غوری نے قبضہ کر لیا۔

اعتماد خاں کا اقتدار

امین خاں غوری نے گجراتی امیروں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اعتماد خاں نے سلطان مظفر کو اپنا قیدی بنا رکھا تھا دربار کے دن اسے برائے نام تخت پر بٹھایا جاتا۔ اعتماد خاں خود تخت پر بادشاہ کے پیچھے بیٹھتا اسی عالم میں تمام امراء سلام کے لیے حاضر ہوتے۔

فتح خاں اور شیر خاں فولادی میں جنگ

کچھ عرصہ اسی طرح گذر گیا چنگیز خاں اور شیر خاں فولادی مبارک باد دینے کے لیے احمد آباد آئے اس واقعہ کے ایک سال بعد فتح خاں اور شیر خاں فولادی میں (جن کی جاگیریں ایک دوسرے سے پیوستہ تھیں) باہمی مخالفت پیدا ہو گئی نوبت معرکہ آرائی تک پہنچی۔ فتح خاں نے شیر خاں فولادی سے شکست کھائی اور میدان جنگ سے فرار ہو کر اعتماد خاں کے پاس آ گیا۔

فولادیوں پر حملہ

اعتماد خاں کو شیر خاں فولادی پر سخت غصہ آیا اس نے لشکر جمع کر کے فولادیوں پر حملہ کر دیا فولادی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور قلعہ پٹن میں محصور ہو گئے فولادیوں نے بڑی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا لیکن اعتماد خاں نے ان کا کوئی خیال نہ کیا اور قلعہ کے محاصرے کی کوشش کرنے لگا۔

فولادی جوانوں کا عزم

فولادی افغان بہت ہی مجبور اور پریشان ہو کر رہ گئے آخر کار فولادی نوجوانوں کا ایک گروہ موسیٰ خاں فولادی کے پاس آیا ان جوانوں نے اپنے امیروں سے کہا۔ "ہم نے بے حد عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کر کے دیکھ لیا لیکن حریف کا دل بالکل نہیں پسیجا لہذا اب سوائے

جنگ کرنے اور جان دے دینے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

مقابلہ

اس کے بعد تقریباً پانچ سو فولادی سپاہی قلعے سے باہر نکل آئے یہ دیکھ کر موسیٰ خاں اور شیر خاں فولادی کو بھی اپنے لشکر کے ساتھ جو تین ہزار سواروں پر مشتمل تھا قلعے سے باہر نکلنا پڑا۔ اعتماد خاں ان لوگوں کے مقابلے پر آیا۔ اس کا گجراتی لشکر تعداد میں تیس ہزار سے زیادہ تھا فریقین میں معرکہ آرائی ہونے لگی۔

حاجی خاں کی اعتماد خاں کے لشکر سے علیحدگی

فولادیوں نے اعتماد خاں کے خاصہ کے لشکر پر حملہ کیا اور غالب آئے۔ حاجی خاں (جو سلیم شاہ بن شیر شاہ کا غلام اور اعتماد خاں کے لشکر کا ایک بہترین فوجی سردار تھا) فولادیوں سے مل گیا۔ فولادیوں نے اعتماد خاں کو یہ پیغام دیا "حاجی خاں ہمارے پاس چلا آیا ہے لہٰذا اس کی جاگیر اس کے حوالے کر دو۔" اعتماد خاں نے فولادیوں کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور یہ جواب دیا کہ حاجی خان میرا ملازم تھا اور اسی وجہ سے اسے جاگیر عطا کی گئی تھی۔ اب جب کہ وہ میرا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا ہے اس لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اسے اس کی جاگیر دے دی جائے۔"

اعتماد خاں کی شکست اور فرار

موسیٰ خاں اور شیر خاں فولادی نے لشکر جمع کیا اور حاجی خاں کی جاگیر میں داخل ہو کر قصبہ جو تھانہ میں مقیم ہوئے۔ اعتماد خاں نے بھی لشکر جمع کر کے ان دونوں کا مقابلہ کیا دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ڈٹے رہے۔ آخر کار چار مہینے بعد معرکہ آرائی کی نوبت آئی۔ اعتماد خاں کو اس مرتبہ بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو کر بھروچ میں چنگیز خاں کے پاس چلا گیا۔

اعتماد خاں اور فولادیوں میں صلح

بھروچ پہنچ کر اعتماد خاں نے چنگیز خاں کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر فولادیوں کے لشکر کے مقابلے پر آیا' لیکن اعتماد خاں کا لڑنے کو جی نہ چاہا کیونکہ وہ دوبار فولادیوں سے شکست کھا چکا تھا۔ اعتماد خاں نے صلح کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے حاجی خان کی جاگیر اس کے حوالے کی اور خود احمد آباد واپس آ گیا۔

چنگیز خاں کا پیغام اعتماد خاں کے نام

چنگیز خاں حالات کا بغور جائزہ لیتا رہا وہ ملک گجرات کی موجودہ حالت اور اعتماد خاں کی روش سے مطمئن نہ تھا اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اعتماد خاں کو پیغام بھیجا۔ "میں بھی شاہان گجرات کے خاندان کا خانہ زاد اور سلطانی حرم کے تمام امور سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ محمود شاہ ثانی کے کوئی بیٹا نہ تھا تو نے اس لڑکے کو یعنی مظفر شاہ ثانی کو مرحوم بادشاہ کا بیٹا بنا کر تخت پر بٹھا دیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تو تو اس کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور تیرے ملازم اس کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں۔ جب تک تو موجود نہیں ہوتا تو کوئی شخص بادشاہ کو سلام کرنے کے لیے اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ اگر سلطان مظفر واقعی سلطان محمود کا بیٹا ہے تو پھر تجھے بھی چاہیے کہ تو بھی باقی امیروں اور اراکین سلطنت کی طرح اس کی خدمت کرے۔ اور جس وقت تمام امراء دربار میں بیٹھیں تو تو بھی ان کا اتباع کرے۔"

اعتماد خاں کا جواب

اعتماد خاں نے اس کے جواب میں کہا۔ "میں نے تخت نشینی کے روز تمام اکابر امراء کے سامنے قسم کھا کر یہ بیان کیا تھا کہ سلطان مظفر

سلطان محمود کا بیٹا ہے۔ تمام امراء نے میرے قول کا اعتبار کیا اور اتفاق رائے سے مظفر کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور اس کی بیعت کی۔ حیرت ہے کہ تو عوام کی طرح مجھ سے بے کار سوال کرتا ہے۔ تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سلطان محمود ثانی کے زمانے میں دوسرے امیروں سے میری عزت و وقعت زیادہ تھی تو اس زمانے میں طفل نوخیز تھا تیرا باپ عماد الملک اگر اس وقت زندہ ہوتا تو وہ تجھے بتاتا کہ مرحوم بادشاہ کے حضور میں میرا کیا مرتبہ تھا۔ سلطان مظفر شاہ میرا اور تمہارا دونوں کا بادشاہ ہے تیری بہتری اس میں ہے کہ تو بادشاہ کی خدمت گزاری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے تاکہ تو دین دنیا دونوں میں سرخرو ہو۔"

شیر خاں فولادی کا خط چنگیز خاں کے نام

شیر خاں فولادی کو چنگیز خاں اور اعتماد خاں کی اس مراسلت کا علم ہو گیا اس نے چنگیز خاں کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "حالات کا اقتضا ہے کہ تم ذرا چند روز تک صبر کرو اور صلح کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ مسند عالی سے بلا وجہ مخالف کا اظہار کرنا سود مند نہ ہو گا۔"

قصبہ بردورہ چنگیز خاں کی نظر

چنگیز خاں نے شیر خاں فولادی کے مشورے کو قابل اعتنا نہ سمجھا وہ چونکہ قصبہ بردورہ کو اپنی جاگیر میں شامل کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اعتماد خاں کو ایک اور پیغام بھجوایا۔ "اگرچہ میرا لشکر کافی بڑا ہے لیکن دشمن کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے لہٰذا آپ مجھے بتائیں کہ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

اعتماد خاں کا مشورہ

اعتماد خاں یہ چاہتا تھا کہ چنگیز خاں اور حکام میں پھوٹ پڑ جائے تاکہ وہ برہان پور پر قبضہ کرنے کے خیال سے اور باقی تمام خیالات سے بے تعلق ہو جائے۔ متذکرہ خط کے جواب میں اعتماد خاں نے چنگیز خاں کو لکھا "قصبہ ندربار ہمیشہ گجراتی امیروں کے قبضے میں رہا ہے۔ جس زمانے میں سلطان محمود ثانی میراں مبارک کے زیر نگرانی قلعہ اسیر میں مقیم تھا تو اس نے میراں مبارک سے وعدہ کیا تھا کہ "اگر خداوند تعالیٰ نے گجرات کی حکومت مجھے عطا کر دی تو میں اس کے صلہ میں تجھے قصبہ ندربار دوں گا۔"

ندربار پر چنگیز خاں کا قبضہ

چنگیز خاں اعتماد خاں کے فریب میں آ گیا اس نے لشکر جمع کیا اور ۹۷۴ھ میں ندربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ چنگیز خاں نے ندربار کا قصبہ فتح کرنے کے بعد آگے قدم بڑھایا اور تھالنیر تک بڑھتا چلا گیا۔

محمد شاہ اور تغال خاں کی آمد کی خبر

اتفاق سے انہیں دنوں یہ خبر مشہور ہوئی کہ میراں شاہ حاکم برار تغال خاں کو ساتھ لے کر جنگ کے لیے آ رہا ہے یہ خبر سن کر چنگیز خاں مع اپنے لشکر کے ایک ایسی جگہ مقیم ہو گیا کہ جو بہت ہی ناہموار اور خراب تھی جس طرف زمین ذرا ہموار تھی چنگیز خاں نے اس طرف اپنے ارابوں کو زنجیر سے باندھ دیا۔

چنگیز خاں کا فرار

محمد شاہ اور تغال خاں چنگیز خاں سے لڑنے کے لیے آئے اور شام تک اپنے حریف کے سامنے کھڑے رہے۔ چنگیز خاں اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا رات ہوئی تو اس نے سوچا کہ دو قوی دشمنوں سے مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے لہٰذا چپکے سے اس نے راہ فرار اختیار کی اور بھروچ میں چلا گیا۔ محمد شاہ فاروقی نے بہت سا مال غنیمت اپنے قبضے میں کیا اور چنگیز خاں کا دور تک تعاقب کر کے قصبہ ندربار پر قبضہ کر لیا۔

سلطان محمد میرزا کے بیٹوں کی آمد

انہیں دنوں سلطان محمد میرزا کے چھ بیٹے ۱- محمد حسین ۲- میرزا الغ ۳- میرزا حسین ۴- میراز مسعود ۵- حسین میرزا ۶- شاہ میرزا- مغل بادشاہ اکبر کے خوف سے بھاگ کر سنبھل سے مالوہ میں پناہ گزیں ہوئے- ۹۷۵ھ میں اکبری لشکر مالوہ میں آیا' متذکرہ شہزادے پریشان ہو کر چنگیز خاں کے پاس چلے گئے اور اس سے پناہ مانگی-

قصبہ بردورہ پر چنگیز خاں کا قبضہ

چنگیز خاں نے ان شہزادوں کی آمد کو اپنے لیے فال نیک سمجھا اور ان کی موجودگی کو اپنی تقویت کا باعث گردانا غائبانہ طور پر چنگیز خاں نے ان شہزادوں کو سلطان مظفر کے امراء میں شامل کیا اور اپنی جاگیر سے چند پرگنے ان کو عنایت کیے- اسی سال چنگیز خاں نے شہزادوں کی مدد سے اعتماد خاں پر حملہ کیا اور بغیر جنگ کے قصبہ بردورہ پر قبضہ کر لیا-

اعتماد خاں کے نام چنگیز خاں کا پیغام

اس کے بعد چنگیز خاں محمود آباد آیا اور یہاں سے اعتماد خاں کو یہ پیغام بھیجا- "ساری دنیا اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ شکست تھانیسر کا اصل سبب تمہاری کج روی ہے' اگر تم اپنے لشکر کو میری مدد کے لیے روانہ کرتے تو مجھے ہرگز میدان جنگ سے فرار نہ ہونا پڑتا اور میرے دامن پر بزدلی کا یہ دھبہ کبھی نہ لگتا- اب میں بادشاہ کو مبارک باد دینے کے لیے احمد آباد آنا چاہتا ہوں اس دوران میں اگر تم شہر میں موجود ہوئے تو دشمنی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم شہر سے باہر چلے جاؤ اور دوسرے امیروں کی طرح اپنی جاگیر میں قیام کرو- بادشاہ کی پاسبانی کا کام اب ختم کرو اور اسے آزاد کر دو تاکہ وہ آزادی کے ساتھ ملکی معاملات کا اپنی مرضی کے مطابق انتظام کرے-"

اعتماد خاں کی تیاری

اعتماد خاں اس پیغام کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنا لشکر جمع کر چکا تھا اور جب یہ پیغام پہنچا تو وہ سمجھ گیا کہ چنگیز خاں کا مقصد کیا ہے- اعتماد خاں سلطان مظفر شاہ کو مع چتر کے شہر کے باہر لایا اس کے ہمراہ سادات خاں بخاری' اختیار الملک' ملک شرف' الغ خاں' جھاز خاں' سیف الملک اور دوسرے اکابر امراء بھی تھے-

دشمن سے سامنا اور اعتماد خاں کا فرار

محمود آباد سے چھ کوس کے فاصلے پر موضع کاوری میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے- اعتماد خاں نے جونہی چنگیز خاں کے لشکر پر نظر ڈالی اس کا دل دہل گیا- چونکہ وہ میرزاؤں کی شجاعت و بہادری کے بہت قصے سن چکا تھا اس لیے چنگیز خاں کے لشکر سے جنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی- اس سے پہلے کہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے جنگ کرتے اعتماد خاں حواس باختہ ہو کر دونگر پور کی طرف بھاگ گیا-

سلطان مظفر کی احمد آباد کو واپسی

دوسرے امیروں نے بھی اعتماد خاں کی تقلید کی اور جس کا منہ جس طرف اٹھا ادھر روانہ ہو گیا- سادات خاں بخاری نے دندوقہ اور اختیار الملک نے معمور آباد کا رخ کیا الغ خان' جھاز خاں اور دوسرے حبشی امیروں نے سلطان مظفر شاہ کو اپنے ساتھ لیا اور جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے احمد آباد واپس آئے-

چنگیز خاں احمد آباد میں

چنگیز خاں اپنی اس اتفاقی فتح سے بے انتہا خوش ہوا اور اس نے میوہ میں قیام کیا اس کے بعد چنگیز خاں احمد آباد اور اعتماد خاں کے مکان میں فروکش ہوا۔ شیر خاں فولادی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ اس وقت قصبہ کری کے نواح میں تھا اس نے وہیں سے چنگیز خاں کو پیغام بھجوایا۔ "تو نے اعتماد خاں کی جاگیر پر قبضہ کر لیا ہے یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ جاگیر بادشاہ کے مصارف کے لیے ہے اس پر تیرا تنہا قبضہ نازیبا ہے۔" اس کے بعد شیر خاں فولادی بہت سا لشکر لے کر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

چنگیز خاں اور شیر خاں فولادی میں مصالحت

چنگیز خاں نے محسوس کیا کہ موجودہ صورت حال میں شیر خاں فولادی کی دشمنی مول لینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے اس نے شیر خاں سے مصالحت کر لی۔ فریقین میں طے پایا کہ دریائے سابرمتی کے اسی طرف کا تمام علاقہ شیر خاں کے قبضے میں رہے اس وجہ سے احمد آباد کے کئی دیہاتوں عثمان پور اور خان پور وغیرہ شیر خاں کے قبضے میں آ گئے۔

میراں محمد شاہ کا حملہ گجرات پر

میراں محمد شاہ ولد میراں مبارک شاہ اپنی پہلی فتح کی وجہ سے بہت دلیر ہو چکا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ گجراتی امراء خانہ جنگی میں مبتلا ہیں تو اس نے گجرات کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس خیال سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس نے احمد آباد تک کسی مقام پر قیام نہ کیا بلکہ بغیر توقف کیے آگے بڑھتا رہا۔

میراں محمد شاہ کی شکست

چنگیز خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور میرزاؤں کو جن کا وہ بہت احترام کرتا تھا اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر آیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی میراں محمد شاہ مغلوب ہوا اور اس کا بہت سا سامان چنگیز خاں کے ہاتھ آیا۔ محمد شاہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

میرزاؤں کی دل جوئی

اس فتح کا سہرا چونکہ میرزاؤں کے سر رہا تھا۔ اس لیے چنگیز خاں نے ان کی بہت دل جوئی کی اور معمور آباد اور بھروچ کے چند پرگنے ان کی جاگیر میں دیئے اور انہیں ان کی جاگیر کی طرف روانہ کر دیا۔

میرزاؤں کا اقدام

جب یہ میرزا شہزادے اپنی جاگیر میں آئے تو بہت سے اوباش اور فتنہ پرداز ان کے گرد جمع ہو گئے۔ شرف الدین حسین میرزا، جو خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد میں سے تھا اور نصیر الدین ہمایوں کا داماد تھا اکبر کا ساتھ چھوڑ کر میرزاؤں سے آ کر مل گیا۔ ان اسباب کی بناء پر میرزاؤں کے اخراجات بہت بڑھ گئے ان کی موجودہ جاگیر ان اخراجات کی متحمل نہ ہو سکی تو میرزاؤں نے چنگیز خاں کی اجازت کے بغیر ہی بہت سے دوسرے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

چنگیز خاں کی میرزاؤں سے جنگ

چنگیز خاں کو جب میرزاؤں کے اس اقدام کی خبر ہوئی تو اسے بہت برا معلوم ہوا اور اس نے یہ خیال کیا کہ اگر اس وقت میرزاؤں کو روکا نہ گیا تو وہ پھر رفتہ رفتہ بہت زیادہ قوت حاصل کر لیں گے یہ سوچ کر اس نے تین ہزار حبشیوں اور پانچ چھ ہزار گجراتیوں کو میرزاؤں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا میرزاؤں نے اس لشکر کا مقابلہ کیا اور غالب آئے انہوں نے چنگیزی لشکر کے بہت سے سپاہیوں کو تلوار

کے گھاٹ اتارا باقی ماندہ سپاہی بھاگ نکلے۔

گجراتی امیروں سے سلوک

میرزاؤں نے گجراتیوں کے بہت سے سپاہیوں کو گرفتار بھی کیا ان قیدیوں میں سے جو کم سن تھے ان کو تو اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور جو پختہ عمر کے تھے ان کی ناک میں تیر پھنسا کر ہاتھوں کو پیچھے کی طرف باندھ کر اور گردن میں مدور لکڑیاں ڈال کر چھوڑ دیا۔

میرزا شہزادے مالوہ و برہان پور میں

میرزاؤں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ چنگیز خاں کو جب اپنے سپاہیوں کی حالت معلوم ہو گئی تو وہ خود جنگ کرنے کے لیے آئے گا۔ اس خیال سے وہ برہان پور کی طرف چلے گئے اور اس مملکت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ بعد ازاں مالوہ آئے اس ملک میں جو واقعات پیش آئے ان کو مغل بادشاہ اکبر کے حالات میں ضمناً بیان کیا جا چکا ہے۔

سلطان مظفر دونگر پور میں

الغ خاں اور جہاز خاں وغیرہ سلطان مظفر کو لے کر دریائے مہندری کے قصبہ کانٹہ میں مقیم تھے ان کا خیال تھا کہ شاید اعتماد خاں بھی اس طرف آئے یا شیر خاں فولادی اپنے بیٹے کو بھیج کر بادشاہ کو اپنے پاس بلا لے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی عمل میں نہیں آئی تو انہوں نے اس جگہ زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور سلطان مظفر کو لے کر دونگر پور آ گئے اور بادشاہ کو اعتماد خاں کے حوالے کر دیا۔

اعتماد خاں سے حبشی امیروں کی ناراضگی

اس واقعے کے کچھ دنوں بعد الغ خاں وغیرہ نے اعتماد خاں سے اپنی فوج کے اخراجات کے لیے روپیہ طلب کیا۔ اعتماد خاں نے اس کے جواب میں کہا۔ "روپیہ تو جاگیر سے ملتا تھا سو اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں تم کو کسی سے قرض لے دیتا لیکن یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس سے قرض مانگا جا سکے اس لیے میں مجبور ہوں۔" یہ جواب پا کر الغ خاں اور دوسرے تمام حبشی آزردہ خاطر ہوئے۔

حبشی امیروں کی احمد آباد کو روانگی

چنگیز خاں کو اس واقعے کا علم ہو گیا اس نے الغ خاں اور دوسرے حبشی امیروں کے نام دوستی اور محبت کے خطوط لکھے اور انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ الغ خاں جہاز خاں اور سیف الملک وغیرہ اعتماد خاں کی اجازت کے بغیر ہی معمور آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اختیار الملک گجراتی سے ملاقات کی اور پھر اسے ساتھ لے کر احمد آباد کی طرف چل دیئے۔ احمد آباد کے قریب حوض کاکریہ پر پہنچ کر یہ لوگ سلطان محمود کے باغ میں لباس تبدیل کرنے کی غرض سے داخل ہوئے۔

استقبال

چنگیز خاں ان سب لوگوں کے استقبال کے لیے آیا ان لوگوں سے ملاقات کر کے چنگیز خاں نے بہت سی محبت آمیز باتیں کیں اور پھر کہا "یہ حقیقت سب لوگوں پر واضح ہے کہ ہم لوگ سلطان محمود ثانی کے خانہ زاد غلام ہیں اس لحاظ سے ہم سب آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں اور اگر ہم میں سے کسی ایک کو حکومت مل جائے تو تب بھی اس تعلق میں کوئی نہیں آ سکتا۔ ہم لوگوں کو چاہئے کہ جب کبھی ایک دوسرے سے ملنے جائیں تو حاجبان دروازہ ہمارے مانع نہ ہوں۔"

الغ خاں اور جہاز خاں کے قتل کی سازش

اس کے بعد چنگیز خاں ان تمام امیروں کو اپنے ساتھ لے کر شہر میں آیا اور کچھ مکانات خالی کروا کے ان کے سپرد کیے کچھ عرصے بعد

الغ خاں کو ایک جاسوس نے یہ اطلاع دی۔ "چنگیز خاں تمہارا اور جہاز خاں کا سخت دشمن ہے اس نے یہ طے کیا ہے کہ کل صبح تمہیں اور جہاز خاں کو چوگان بازی کے لیے میدان میں بلا کر عالم بے خبری میں قتل کرڈالے۔ اگر کل چنگیز خاں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چوگان بازی کے لیے کاکریہ کے حوض کی طرف جائے تو کوئی فکر کی بات نہیں کیونکہ اس مقام پر بہت بڑا جنگل ہے اور انسان جس طرف چاہے بچ کر نکل سکتا ہے لیکن اگر وہ تم لوگوں کو لے کر بھدر کے میدان میں گیا تو پھر جان بچانا سخت مشکل ہے کیونکہ یہ میدان قلعے کے اندر واقع ہے۔

چوگان بازی کی دعوت

جاسوس یہ اطلاع دے کر ابھی گیا ہی تھا کہ الغ خاں کے پاس چنگیز خاں کا قاصد آیا اور اس نے کہا "کہ چنگیز خاں نے سلام و دعا کے بعد یہ پیغام دیا ہے کہ میں کل چوگان بازی کے لیے بھدر کے میدان میں جاؤں گا آپ لوگ بھی میرے ساتھ چلیں اور اس مقصد سے صبح سویرے میرے پاس پہنچ جائیں۔"

حبشی امیروں کا مشورہ

یہ دعوت پا کر الغ خاں بہت پریشان ہوا اور اسی وقت سیف الملک کے مکان پر پہنچا جہاز خاں' رشیدی بدر شاہی' محل دار خاں اور خورشید خاں کو بھی وہیں بلا لیا گیا اور ان لوگوں نے اس معاملے پر غور و خوض کرنا شروع کیا بہت سوچ بچار کے بعد ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ اس سے پہلے چنگیز خاں وار کرے اسی کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔

چنگیز کے قتل کی سازش

دوسرے روز صبح سویرے الغ خاں اور جہاز خاں اپنے دوستوں کے ہمراہ چنگیز خاں کے دربار میں پہنچے۔ اس وقت چنگیز خاں کے لشکری حاضر نہیں ہوئے تھے حبشیوں نے ایک آدمی بھیج کر چنگیز خاں کو پیغام دیا کہ آپ کے حکم کے مطابق ہم لوگ حاضر ہیں اگر آپ جلد از جلد چوگان بازی کے لیے روانہ ہوں تو اچھا ہے۔ چنگیز خاں اس وقت شراب کے نشے میں دھت تھا اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ حبشی امیروں کا پیغام پاتے ہی وہ مکان سے باہر آیا اور اکیلا ہی ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

چنگیز کا قتل

الغ خاں' چنگیز خاں کی داہنی طرف تھا اور جہاز خاں بائیں طرف دونوں اسی طرح کچھ دیر تک چنگیز خاں کے ساتھ چلتے رہے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو جہاز خاں نے الغ خاں کے اشارے پر تلوار نکالی اور چنگیز خاں پر ایک بھرپور وار کیا۔ چنگیز خاں کا سر اور ایک ہاتھ اسی وقت بدن سے علیحدہ ہو گیا۔

جنگ کی تیاریاں

اس کے بعد دونوں امیر اپنے اپنے مکانوں پر واپس آئے اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ اختیار الملک بھی ان دونوں کی حمایت کے لیے اٹھا چنگیز خاں کا بھانجا رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ شہر کی طرف آ رہا تھا راستے میں جو اسے اپنے ماموں کی لاش ملی تو اس نے لاش کو ایک ہاتھی پر رکھا اور بھروچ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حبشی امراء قلعہ ارک میں

شہر کے اوباشوں اور لچوں نے موقعے کو غنیمت سمجھا اور چنگیز خاں کے ملازموں کا مال و اسباب لوٹنے لگے۔ جب اس بات کی تحقیق ہو گئی کہ رستم خاں بھروچ کی طرف چلا گیا ہے تو الغ خاں' جہاز خاں اور دوسرے حبشی امراء قلعہ ارک میں جو بھدر کے نام سے مشہور ہے

داخل ہوئے۔

اعتماد خاں کے نام خط

حبشی امیروں نے اعتماد خاں کے نام ایک خط لکھا اور اسے تمام واقعات سے مطلع کر کے احمد آباد آنے کی دعوت دی اسی روز شیر خاں فولادی کے بیٹے بدر خاں اور محمد خاں بھی مبارک باد دینے کے لیے شہر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے تمام امرائے لشکر کو ایک ایک ہاتھی بطور پیشکش کے دیا۔ الغ خاں اور جہاز خاں نے اس روز تمام جاگیریں از سرنو تقسیم کیں اور دوسرے امراء اپنے مکانات کو واپس آئے۔

قلعہ بھدر پر شیر خاں کا قبضہ

دوسرے دن شیر خاں فولادی کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ امراء کے ملازمین میں سے کوئی شخص بھدر کی حفاظت کے لیے موجود نہیں ہے۔ چنگیز خاں کے قتل کے تیسرے روز شیر خاں نے اپنے ایک امیر سادات خاں کو مع تین سو سپاہی قلعہ بھدر کی طرف روانہ کیا۔ سادات خاں نے خان پور کی جانب سے قلعہ کی دیوار کو توڑ کر قبضہ کر لیا۔

سلطان مظفر اور اعتماد خاں احمد پور میں

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد اعتماد خاں سلطان مظفر کو لے کر احمد آباد آ گیا چونکہ قلعہ بھدر شیر خاں کے قبضے میں تھا اس لیے اعتماد خاں نے بادشاہ کو فی الحال اپنے گھر ہی میں رکھا اور قلعہ خالی کروانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے شیر خاں کے نام ایک خط لکھا "قلعہ بھدر بادشاہوں کی ملکیت ہے جب بادشاہ یہاں نہ ہوں تو ان کے ملازموں کا یہ فرض ہے کہ وہ قلعے کی حفاظت کریں نہ یہ کہ قبضہ کر کے مالکانہ حقوق جتائیں۔ اب چونکہ سلطان مظفر شاہ شہر میں آ گیا ہے اس لیے تم سادات خاں سے کہہ کر قلعہ خالی کروا دو۔"

میرزا شہزادے بھروچ و سورت میں

اعتماد خاں کی بات چونکہ معقول تھی اس لیے شیر خاں نے فوراً قلعہ خالی کروا دیا۔ سلطان مظفر اعتماد خاں کے گھر سے اٹھ آیا اور اپنے محل میں مقیم ہوا۔ اسی اثناء میں مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ میرزا شہزادے فرار ہو کر مالوہ سے باہر نکل گئے تھے لیکن جب انہیں چنگیز خاں کے قتل کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اب ان امیروں نے بھروچ اور سورت کا رخ کیا ہے تاکہ ان علاقوں پر قبضہ کریں۔

گجراتی امراء کے باہمی مشورے

اختیار الملک اور الغ خاں اعتماد خاں کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ میرزاؤں نے بھروچ کا رخ کیا ہے اور اس وقت ہمارا کوئی حاکم وہاں موجود نہیں ہے اس لیے ان کا بھروچ پر قابض ہو جانا یقینی ہے۔ اس فتنے کے سدباب کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم لوگ جلد از جلد بھروچ پہنچ جائیں اور میرزاؤں کو جلد وہاں سے نکال باہر کریں ورنہ اگر انہوں نے ایک بار بھروچ پر قبضہ کر لیا تو پھر وہاں سے نکالنے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"

بھروچ کی روانگی کا مسئلہ

اعتماد خاں نے ایک قاصد شیر خاں کے پاس بھیجا اور اس سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا۔ شیر خاں نے کہا "میرے خیال میں صورت حال پر قابو پانے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ بھروچ کا سفر اختیار کیا جائے۔ اس کے بعد امراء نے آپس میں مزید بات چیت کر کے روانگی کا فیصلہ کر لیا۔

لشکر کی تنظیم

یہ قرار پایا کہ فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک حصہ تو الغ خاں اور دوسرے حبشی امیروں کے لشکر پر مشتمل ہو اور یہ حصہ

سب سے پہلے روانہ ہو۔ دوسرا حصہ اعتماد خاں، اختیار الملک اور دوسرے امیروں کے لشکر پر مشتمل ہو اور تیسرا حصہ شیر خاں اور دیگر امراء پر مشتمل ہو۔ جب پہلا حصہ روانہ ہو جائے تو ایک منزل کے فاصلے سے دوسرا حصہ روانہ ہو اور اس کے بعد اسی قدر فاصلے سے تیسرا حصہ روانہ ہو۔

حبشی امراء کی روانگی

ان معاملات کے طے ہونے کے بعد حبشی امراء الغ خاں، سیف الملک اور جہاز خاں وغیرہ روانہ ہو گئے اور سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے محمود آباد جا پہنچے۔ قرارداد کے مطابق اعتماد خاں بھی اپنے لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلا لیکن کچھ دور جا کر اس کی نیت بدل گئی اور اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اعتماد خاں کی ناشائستہ حرکت

الغ خاں اور اس کے ساتھیوں کو جب اعتماد خاں کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو وہ بہت افسوس کرنے لگے۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم نے تو اعتماد خاں کے ساتھ ہر طرح بھلائی کی ہے لیکن اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ ہم نے تو چنگیز خاں جیسے شخص کو جو اس کا بہت بڑا دشمن تھا تلوار کے گھاٹ اتارا ہے لیکن وہ ہمیں کو فریب دیتا ہے لہٰذا اب اس کی سزا یہی ہے کہ ہم اس کی جاگیر پر قبضہ کر کے اس کے پرگنوں کو آپس میں تقسیم کریں۔

جیناتیر، بندر سورت اور بھروچ وغیرہ پر میرزاؤں کا قبضہ

اس کے بعد حبشی امیروں نے پرگنے کنبایت اور جلاد وغیرہ پر قبضہ کر لیا اس صورت حال سے میرزاؤں نے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے قلعہ جیناتیر، بندر سورت اور دیگر مقامات پر قبضہ کر لیا۔ رستم خاں قلعہ بیروج میں محصور ہو گیا اور اس نے میرزاؤں سے جنگ کی لیکن آخر کار پریشان ہو کر امان طلب کی اور اس طرح قلعہ بھروچ پر بھی میرزاؤں کا قبضہ ہو گیا۔

الغ خاں اور جہاز خاں میں مخالفت

گجرات کے باشندے پریشان حال ہو کر شہر سے نکلے اور الغ خاں سے مل گئے۔ الغ خاں نے جہاز خاں سے کہا چونکہ لشکر شہر سے باہر آ گئے اور ہم سے مل گئے ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اعتماد خاں کی جاگیر میں سے ایک پرگنہ ان کے حوالے بھی کر دینا چاہیے۔ جہاز خاں نے اس کے جواب میں کہا "جو علاقہ تم ان لوگوں کو دینا چاہیے وہ میرے حوالے کر دو اور جو توقع تم ان سے رکھتے ہو وہ میں پوری کر دوں گا۔" اس وجہ سے الغ خاں اور جہاز خاں میں مخالفت پیدا ہو گئی۔

شیر خاں کی قوت میں اضافہ

اعتماد خاں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جہاز خاں کو سبز باغ دکھا کر اپنے پاس بلا لیا۔ اس صورت حال سے حبشیوں کی قوت منتشر ہو گئی۔ الغ خاں حبشی اور سادات خاں بخاری شیر خاں فولادی سے، اس طرح شیر خاں فولادی کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

سلطان مظفر کا فرار

سلطان مظفر سخت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ ایک دن اس نے موقع پا کر بھاگ نکلنے کی ٹھانی اور مغرب کے وقت سے ذرا پہلے کھڑکی کے راستے سے اپنی قیام گاہ سے باہر نکل کر عنایت پور میں جو قصبہ سرکیج میں واقع ہے جا پہنچا۔ وہ سیدھا الغ خاں کے مکان پر گیا لیکن الغ خاں نے ملاقات سے انکار کر دیا۔

الغ خاں کا رویہ

الغ خاں' شیر خاں کے پاس گیا اور اسے بتایا سلطان مظفر مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر میرے مکان پر آیا ہے' لیکن میں نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ شیر خاں فولادی نے الغ خاں کو سمجھایا اور کہا "سلطان مظفر تمہارا مہمان ہے اس لیے اس کی خدمت کرنا تمہارا فرض ہے لہٰذا تم واپس جاؤ اور اس کی خاطر و مدارت کرو۔"

مغلوں کی طلبی

دوسرے روز شیر خاں فولادی کے نام اعتماد خاں کا ایک خط آیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "سلطان مظفر سلطان محمود کا بیٹا نہیں ہے اس لیے میں نے اسے ملک سے باہر نکال دیا ہے اور مغلوں کو گجرات میں آنے کی دعوت دی ہے تاکہ ملک ان کے حوالے کر دیا جائے۔

سید حامد کا بیان

شیر خاں فولادی نے یہ خط پڑھا اور اسی وقت سید حامد کے گھر پہنچا اور اس سے پوچھا کہ جس روز سلطان مظفر کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی تھی اس روز اعتماد خاں نے امراء کی جماعت کے سامنے سلطان مظفر کے بارے میں کیا کہا تھا سید حامد اور دوسرے سادات نے جواب دیا۔ "اعتماد خاں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ یہ لڑکا سلطان محمود کا بیٹا ہے" لہٰذا اب وہ جو کچھ کہتا ہے وہ محض بربنائے عداوت ہے۔

شیر خاں اور سلطان مظفر میں ملاقات

سید حامد کے مکان سے اٹھ کر شیر خاں فولادی' الغ خاں کی قیام گاہ پر گیا اور سلطان مظفر سے ملاقات۔ وہ کمان اپنے ہاتھ میں لے کر جس طرح ملازم اپنے آقا کے سامنے جاتا ہے۔ سلطان مظفر سے ملا اور اسے الغ خاں کے گھر سے لے کر اپنے گھر میں آگیا اور اس کی خدمت گزاری میں معروف ہو گیا۔

مغلوں کی آمد اور حبشیوں سے لڑائی

اعتماد خاں نے مغلوں کو حدود بھروچ سے بلا لیا۔ مغل امراء پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ احمد آباد میں پہنچے اعتماد خاں نے مغلوں کو سیف الملک کے لشکر کے ہمراہ حبشیوں سے لڑنے کے لیے روانہ کرنا شروع کر دیا اس کاروائی سے رفتہ رفتہ حالات بگڑنے شروع ہو گئے اور فیصلہ کن امر ظہور میں نہ آیا۔

بادشاہ اکبر کے نام اعتماد خاں کا خط

اعتماد خاں نے جب یہ دیکھا کہ اس طریقے سے مقصد حل نہیں ہوتا تو اس نے جلال الدین اکبر کو ایک خط لکھا اور اسے گجرات پر قبضہ کرنے کے لیے اکسایا۔ اس زمانے میں یعنی ۹۸۰ھ میں اکبر ناگور میں تھا اور اس نے پیر محمد خاں عرف خان کلاں کو بڑے بڑے امیروں کے ساتھ سروہی کی فتح کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ جب پیر محمد خاں سروہی کے راجہ کے قاصد کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تو اکبر بذات خود لشکر گاہ میں پہنچا اس وقت اکبر کو اعتماد خاں کا خط ملا۔

بادشاہ اکبر کا عزم گجرات

اکبر ناگور سے گجرات کی طرف روانہ ہوا (اس سلسلے کے تمام واقعات اکبر کے حالات میں بہ تفصیل بیان کیے جا چکے ہیں) جب اکبری فوج پٹن گجرات میں پہنچی تو شیر خاں فولادی جو احمد آباد کا محاصرہ کیے ہوئے تھا' بدحواس ہو کر ایک طرف بھاگ گیا۔ ابراہیم حسین میرزا اور اس کے بھائی بڑودہ اور بھروچ کی طرف چلے گئے اعتماد خاں' میرزا ابو تراب شیرازی' الغ خاں حبشی' جہاز خاں اور اختیار الملک احرام

باندھ کر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مغل بادشاہ کے بہی خواہوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

سلطان مظفر بادشاہ اکبر کی خدمت میں

سلطان مظفر نے بھی موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا اور شیر خاں فولادی کا ساتھ چھوڑ کر اکبر بادشاہ کی خدمت میں ہو گیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہان گجرات کے عہد حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور گجرات اکبر کے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۴ رجب ۹۸۱ھ کا ہے۔

بندر سورت پر بادشاہ اکبر کا قبضہ

انہیں دنوں اکبر بادشاہ نے بندر سورت کے قلعے کو بھی محمد حسین میرزا کے آدمیوں کے قبضے سے نکال کر اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ واپسی پر جب اکبر بھروچ میں آیا تو وہاں چنگیز خاں کی والدہ روتی ہوئی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ "میرے بیٹے چنگیز خاں کو جہاز خاں نے بغیر کسی قصور کے قتل کیا ہے لہٰذا اس معاملے میں انصاف کیا جائے۔

سلطان مظفر آگرہ اور بنگالہ میں

جہاز خاں اکبر کے ساتھ تھا بادشاہ نے اس پر حکم قصاص صادر فرمایا اور سلطان مظفر کو اپنے ساتھ لے کر آگرہ چلا آیا۔ ان دنوں منعم خاں بنگالہ کی طرف جا رہا تھا اکبر نے سلطان مظفر کو اس کے حوالے کر دیا اور اس طرح منعم خاں سلطان مظفر کو اپنے ساتھ بنگالہ لے گیا۔ وہاں اس نے اپنی بیٹی شہزادی خانم کی شادی مظفر کے ساتھ کر دی۔

سلطان مظفر دوبارہ گجرات میں

کچھ دنوں بعد منعم خاں' سلطان مظفر سے بدگمان ہو گیا اور اسے نظربند کر دیا۔ ایک روز سلطان مظفر موقع پا کر قید خانے سے بھاگ نکلا اور کسی نہ کسی طرح ۹۸۱ھ میں گجرات پہنچ گیا۔

سلطان مظفر کی حکومت گجرات میں

یہاں پہنچ کر سلطان مظفر نے ایک بہت بڑا لشکر فراہم کیا اور گجرات کے حاکم قطب الدین خاں سے جنگ کر کے اسے قتل کیا۔ اس طرح سلطان مظفر نے نو سال کے بعد گجرات میں دوبارہ اپنی حکومت قائم کی اور اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

گجرات پر (دوبارہ) اکبر بادشاہ کا قبضہ

کچھ دنوں تک سلطان مظفر امن و اطمینان سے حکومت کرتا رہا لیکن یہ امن زیادہ دیر تک اس کی قسمت میں نہ رہا۔ ۹۹۱ھ میں اکبر بادشاہ بیرم خاں کے بیٹے عبدالرحیم کو گجرات روانہ کیا۔ سلطان مظفر کو جب اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ جونا گڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ اس واقعہ کے بعد گجرات پر اکبر کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور جب تک کہ یہ بلند مرتبت بادشاہ حکمران رہا انہی کی عمل داری میں رہا۔ سلطان مظفر نے تخت نشینی سے لے کر معزول حکومت تک سترہ سال اور چند ماہ تک حکومت کی۔

شاہان مالوہ و مندو

دلاور خاں غوری

مالوہ کی عظمت

قارئین کرام اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مالوہ ایک وسیع سلطنت ہے اور اس پر بڑے بڑے ذی شان فرماں رواؤں نے فرماں روائی کی ہے' بڑے بڑے راجہ مثلاً بکرما جیت اور راجہ بھوج وغیرہ جو ہندوستان کی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں مالوہ ہی کے حاکم تھے۔

دلاور خاں غوری کی خودمختاری

سلطان محمود غزنوی کی مبارک کوششوں سے ہندوستان میں مذہب اسلام کی اشاعت و ترویج کو فروغ ہوا اور سلاطین دہلی نے سلطان محمد بن فیروز شاہ تک مالوہ پر حکومت کی۔ سلطان محمد فیروز شاہ کے قتل کے بعد دلاور خاں غوری جس کا اصلی نام حسین تھا مالوہ کی حکومت پر فائز ہوا اور رفتہ رفتہ یہاں کا مستقل بادشاہ بن گیا۔

شاہان مالوہ

دلاور خاں غوری کی خودمختاری کے بعد مالوہ کی سلطنت دہلی کی حکومت کی اطاعت سے آزاد ہو گئی۔ مالوہ پر اس خودمختاری کے بعد یکے بعد دیگرے گیارہ بادشاہوں نے حکومت کی ان کے علاوہ کچھ عرصے کے لیے نصیرالدین ہمایوں اور سلطان بہادر نے بھی اس مملکت کو اپنے قبضے میں رکھا۔

محمد شاہی امراء

کہا جاتا ہے کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد اپنے امیروں پر بے حد نوازشات کیں جنہوں نے آوارہ گردی کے زمانے میں بادشاہ کا ساتھ دیا تھا۔ محمد شاہ نے خواجہ سرور کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزیر کل بنایا۔ گجرات' ملتان اور مالوہ کی حکومتیں بالترتیب ظفر خاں بن وجیہہ الملک' خضر خاں اور دلاور خاں کے سپرد کیں۔ یہ چاروں امیر بعد کو بادشاہی کے مرتبے تک پہنچے۔

دلاور کی مستعدی

دلاور خاں غوری نے دھار میں قیام کیا اور اپنی فہم و فراست اور انتظامی صلاحیتوں سے مالوہ کا معقول اور مناسب انتظام کیا اس علاقے کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک کر کے غیروں کو یہاں سے باہر نکال دیا۔ دلاور خاں شادی آباد مندو کو اپنا دارالحکومت بنانا چاہتا تھا اس غرض سے وہ کبھی کبھار اس شہر میں جاتا رہتا تھا اور تعمیرات کی نگرانی کر کے واپس دھار آ جاتا تھا۔

سلطان محمود مالوہ میں

۸۰۱ھ میں امیر تیمور کے خوف سے دہلی کا بادشاہ سلطان محمود بھاگ کر گجرات آیا۔ والی گجرات سلطان مظفر نے سلطان محمود کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہ کیا اس لیے وہ کبیدہ خاطر ہو کر دھار کی طرف روانہ ہوا۔ دلاور کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے اپنے امیروں کو سلطان محمود کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔

استقبال

دلاور خاں کے امیروں نے بڑے شاہانہ طریقے سے سلطان محمود کی آؤ بھگت کی اور جب یہ فرماں روا دھار سے آٹھ کوس کے فاصلے پر پہنچا تو دلاور خاں خود بھی اس کے استقبال کے لیے گیا۔ دلاور خاں کا بیٹا ہوشنگ اپنے باپ کے اس اقدام سے ناراض ہوا اور مالوہ کے لشکر

کا ایک بڑا حصہ اپنے ساتھ لے کر شادی آباد مندو چلا گیا۔

عزت اور احترام

دلاور خاں نے بڑی اچھی طرح سلطان محمود بادشاہ دہلی کا استقبال کیا اور اسے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ شہر میں لایا۔ دلاور خاں کے پاس جس قدر نقدی اور جواہرات تھے وہ سب اس نے سلطان محمود کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اور کہا "میں آپ کا غلام ہوں اور تمام اہل حرم آپ کی کنیز ہیں۔" سلطان محمود نے دلاور خاں کے حق میں دعائے خیر کی اور نقدی اور جواہرات میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر باقی سب کچھ دلاور خاں کو واپس کر دیا۔

سلطان محمود کی واپسی

۸۰۴ھ میں سلطان محمود' دلاور خاں سے علیحدہ ہوا اور دہلی کے امیروں کی درخواست پر دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ ہوشنگ کو جب یہ پتہ چلا کہ سلطان محمود دھار سے چلا گیا ہے تو وہ اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہوشنگ نے تین سال کے عرصے میں مندو میں ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ چونے اور پتھر سے تعمیر کیا گیا تھا اور بہت زیادہ مستحکم تھا۔ شہر مندو کے بارے میں تفصیلات آئندہ سطور میں لکھی جائیں گی۔

دلاور خاں کا اعلان بادشاہت

سلطان ناصر الدین کے انتقال کے بعد دہلی کی سلطنت میں سخت انتشار پھیلا۔ دلاور خاں نے مالوہ میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور چتر اور سراپردہ سرخ تیار کروایا۔

دلاور کا خاندان

کہا جاتا ہے کہ دلاور کے بزرگوں میں سے ایک شخص غور سے دہلی میں آیا اور شاہی ملازمت حاصل کر کے نام پیدا کیا۔ اس شخص کا بیٹا ترقی کرتے کرتے امارت کے درجے تک پہنچا اور اس کا پوتا دلاور خاں فیروز شاہ کے عہد حکومت میں مقتدر امیر ہوا۔

دلاور کا انتقال

دلاور خاں نے کئی سال تک بڑے تزک و احتشام سے حکومت کی۔ ۸۰۸ھ میں اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دلاور کی مدت حکومت بیس سال ہے اور اس میں اس کی بادشاہت کے چار سال بھی شامل ہیں۔ بعض تاریخی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ دلاور کی ہلاکت زہر سے ہوئی' اس کا الزام اس کے بیٹے ہوشنگ کو دیا جاتا ہے۔

سلطان ہوشنگ بن دلاور خاں غوری

مظفر گجراتی کی مالوہ پر لشکر کشی

دلاور خاں کے بعد اس کا بیٹا الپ خاں سلطان ہوشنگ کے لقب سے تخت پر بیٹھا اور تمام امیروں اور ارا کین سلطنت نے اس کی بیعت کی اور اطاعت گزاری کا وعدہ کیا۔ ہوشنگ کو عنان حکومت ہاتھ میں لیے ہوئے ابھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اس کے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ شاہ مظفر گجراتی اپنا لشکر لے کر حدود مالوہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سلطان مظفر گجراتی اور دلاور خاں غوری میں بہترین دوستانہ مراسم تھے اور دونوں ایک دوسرے کو بھائی کہتے تھے مظفر گجراتی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہوشنگ نے اپنے باپ کو زہر دے کر حکومت اپنے قبضے میں کر لی ہے تو اس نے مالوہ پر لشکر کشی کی ٹھان لی تا کہ ہوشنگ کو اس کے جرم کی سزا دے سکے۔

معرکہ آرائی

یہ اطلاع پاتے ہی ہوشنگ نے اپنا لشکر تیار کیا اور سلطان گجراتی کا مقابلہ کرنے کے لیے قلعہ دھار سے باہر نکلا۔ ۸۱۰ھ میں گجراتی اور مالوی حکمران ایک دوسرے کے سامنے آئے اور زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں لشکروں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا سلطان مظفر زخمی ہوا اور ہوشنگ لڑتے لڑتے اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اس کے باوجود بھی جنگ ہوتی رہی آخر کار سلطان مظفر کی خوش قسمتی کام آئی اور اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ سلطان ہوشنگ شکست کھا کر قلعہ دھار میں پناہ گزیں ہو گیا۔

سلطان ہوشنگ کی گرفتاری

سلطان ہوشنگ نے جب یہ دیکھا کہ اب سلطان مظفر کے ہاتھوں بچ نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تو اس نے امان طلب کی اور مظفر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ مظفر نے ہوشنگ کو مع اس کے امیروں کے قید کر لیا اور اپنے موکلوں کے حوالے کر دیا اس کے بعد سلطان مظفر نے اپنے بھائی خان اعظم نصرت خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ قلعہ دھار کی حفاظت پر متعین کیا اور خود واپس گجرات آیا۔

نصرت خاں کی دھار سے بے دخلی

نصرت خاں ایک ناتجربہ کار انسان تھا اس نے پہلے ہی سال رعایا سے بڑا بھاری محصول طلب کیا رعایا میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ اتنا محصول ادا کرتی۔ لوگوں نے ادائیگی میں تاخیر کی تو نصرت خاں طرح طرح کی سختیاں کرنے لگا۔ لوگوں میں بددلی کی عام فضا پائی گئی۔ مالوے کا لشکر بھی خاموش نہ رہ سکا' سپاہیوں نے جب دیکھا کہ سلطان مظفر گجرات چلا گیا ہے تو انہوں نے نصرت خاں کو دھار سے نکال دیا۔

نصرت خاں قلعہ مندو میں

نصرت خاں مالوہ کے نواحی علاقے میں ٹھہرا رہا۔ مالوی لشکر نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے ساتھیوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ سلطان مظفر کے خوف سے نصرت خاں کی یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ وہ گجرات واپس آ جاتا البتہ اس نے شادی آباد مندو کی راہ لی اور وہاں کے قلعے میں جو اپنے استحکام کی وجہ سے بہت مشہور تھا مقیم ہوا۔

ہوشنگ کا عریضہ مظفر گجراتی کے نام

اس کے بعد مالوہ کی رعایا نے سلطان ہوشنگ کے چچازاد بھائی موسیٰ خاں کو اپنا حکمران بنانے کے لیے چنا۔ ہوشنگ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے سلطان مظفر گجراتی کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ "جناب والا! میرے باپ کے برابر ہیں اور میں آپ کی بے انتہا

عزت کرتا ہوں میرے متعلق فتنہ پردازوں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے میں نے سنا ہے کہ ان دنوں مالوہ کے امیر' خان اعظم کے ساتھ گستاخی کے ساتھ پیش آئے ہیں اور اس سے ناروا سلوک کیا ہے نیز اہل مالوہ نے موسیٰ خاں کو اپنا سردار منتخب کر لیا ہے اور وہ اس ملک پر قابض ہو گیا ہے۔ اگر حضور مجھے رہا کر دیں تو ممکن ہے میں دوبارہ مالوہ پر قابض ہو جاؤں۔"

ہوشنگ کی رہائی

ایک سال بعد سلطان مظفر نے ہوشنگ کو رہا کر دیا اور اس سے عہد لے کر ۸۲۱ھ میں احمد شاہ کو اس کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ احمد شاہ نے دھار اور اس کے نواحی علاقوں کو باغی امیروں کے قبضے سے نکال کر ہوشنگ کے سپرد کر دیا اور خود واپس گجرات آ گیا۔

امرائے مندو کی طلبی

سلطان ہوشنگ نے کچھ دنوں دھار میں قیام کیا۔ خاصہ خیل کے تمام سپاہی بادشاہ کے گرد جمع ہو گئے اور اس نے شادی آباد مندو کے امیروں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیج کر اپنے پاس بلایا۔ تمام امیر بادشاہ کے اس اقدام سے خوش ہوئے مگر وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے کیونکہ ان کے تمام بال بچے قلعے ہی میں تھے انہیں چھوڑ کر بادشاہ کے پاس جانا کچھ مناسب نہ تھا۔

جنگ

سلطان ہوشنگ نے امراء کے نہ آنے کو بغاوت و سرکشی کے مترادف سمجھا۔ ہوشنگ نے اپنا لشکر تیار کیا اور دھار سے قصبہ مہر میں آیا اور جنگ کرنی شروع کی۔ ہوشنگ کے سپاہی روزانہ زخمی ہوتے لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوتا آخرکار اس نے یہی طے کیا کہ یہاں سے فوراً ہی چلا جانا چاہیے اور اپنی مملکت میں ٹھہرنے کا بندوبست کیا جائے۔

ملک خضر اور ملک مغیث کا مشورہ

ہوشنگ نے اپنے امیروں کو قصبوں اور پرگنوں پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا اسی دوران میں ہوشنگ کے پھوپھی زاد بھائی ملک مغیث نے ملک خضر عرف میاں خان سے یہ کہا کہ "اگر موسیٰ خاں ایک نیک سیرت جوان ہے اور میرا چچازاد بھائی ہے لیکن سلطان ہوشنگ اس کے مقابلے میں حکمرانی کے لیے کہیں بہتر ہے۔ ہوشنگ نہ صرف یہ کہ عقل مند اور بہادر ہے بلکہ وہ سلطنت کا حقیقی وارث بھی ہے نیز اس کی پرورش و تربیت میری ماں کی آغوش میں ہوئی ہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ حکومت جو کہ اس کا حق ہے اس کو سونپ دی جائے۔" ملک خضر نے مغیث کی تائید کی اور اسی رات یہ دونوں امیر قلعے سے نیچے اترے اور ہوشنگ سے جا کر مل گئے۔

قلعہ مندو پر قبضہ

سلطان ہوشنگ نے ملک مغیث سے وعدہ کیا کہ وہ اسے اپنا نائب بنائے گا اس وعدہ سے ملک مغیث بہت خوش ہوا۔ موسیٰ خاں کو جب ان امور کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اس کے خوابوں کے تمام شیش محل چکنا چور ہو گئے۔ اس نے یہ اچھی طرح جان لیا کہ اب عنان اقتدار کو ہاتھ میں لینا ناممکن ہے تو وہ قلعہ خالی کر کے باہر چلا گیا۔

ملک مغیث کی عزت افزائی

اس کے بعد ہوشنگ نے قلعہ مندو پر قبضہ کر لیا وہ قلعے میں داخل ہوا اور دارالامارت میں قیام پذیر ہوا۔ ہوشنگ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ملک مغیث کو "ملک شرف" کا خطاب دے کر وزارت کے عہدے پر فائز کیا اور تمام امور میں اس کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا۔

گجرات میں مظفر شاہ کے بیٹوں کا ہنگامہ

۸۱۰ھ میں سلطان مظفر کا انتقال ہوا اور حکومت احمد شاہ بن محمد شاہ بن مظفر شاہ کے ہاتھ آئی۔ مظفر شاہ کے بیٹوں فیروز خاں' ہیبت خاں

نے بھروچ میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا اور سلطان ہوشنگ سے مدد کی درخواست کی۔ ہوشنگ نے مظفر شاہ مرحوم اور احمد شاہ کے تمام احسانات کو بالائے طاق رکھا اور ملک گجرات میں داخل ہو کر بدامنی پھیلانے کا ارادہ کیا۔ سلطان احمد شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ایک زبردست لشکر لے کر بھروچ میں آیا۔

قلعہ بھروچ کا محاصرہ

سلطان احمد شاہ نے قلعہ بھروچ کا محاصرہ کر لیا۔ فیروز خاں اور ہیبت خاں کے پاس احمد شاہ کے مقابلے کے لیے فوج بہت کم تھی اس لیے وہ دونوں بہت پریشان ہوئے آخر کار انہوں نے امان طلب کی اور احمد شاہ سے مل گئے۔ سلطان ہوشنگ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ راستے ہی سے واپس آگیا۔ اس سلسلے میں سلطان ہوشنگ نے جو کچھ کیا وہ اس کی ایک بڑی غلطی تھی اس کے بعد اس نے ایک اور غلطی کی جس کی تفصیل یہ ہے۔

راجہ مالوہ کی مدد

۸۲۲ھ میں سلطان ہوشنگ کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے راجہ جالوارہ پر لشکر کشی کی ہے راجہ نے سلطان ہوشنگ کو مدد کے لیے لکھا۔ ہوشنگ نے تمام قدیم واقعات کو فراموش کر کے لشکر تیار کیا اور راجہ کی مدد کے لیے گجرات کی طرف روانہ ہو گیا اور گجراتی علاقے کو بہت نقصان پہنچایا۔

ہوشنگ کی واپسی

سلطان احمد شاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سلطان ہوشنگ کی مدافعت کے لیے کمربستہ ہوا۔ اس سے پہلے کہ ہوشنگ راجہ جالوارہ کی مدد کرتا سلطان احمد شاہ اس کے (ہوشنگ کے) سر پر پہنچ گیا اور ہوشنگ پریشان ہو کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا۔

نصیر خاں کی مدد

انہیں دنوں نصیر خاں فاروقی نے قلعہ تھالیز کو اپنے قبضے میں کرنا چاہا یہ قلعہ اس کے چھوٹے بھائی ملک افتخار کی تحویل میں تھا جو اسے اس کے باپ نے دیا تھا۔ نصیر خاں فاروقی نے سلطان ہوشنگ سے مدد کی درخواست کی۔ ہوشنگ نے اس کی درخواست قبول کی اور اپنے بیٹے غزنین خاں کو پندرہ ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ نصیر خاں کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ نصیر خاں غزنین خاں کی مدد سے قلعہ کالیز پر قبضہ کر لیا اور سلطان پور کے نواح میں چلا آیا۔

زمینداران گجرات کی عرض داشتیں

سلطان احمد شاہ گجراتی نے نصیر خاں کی سرزنش کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے روانہ ہوا۔ گجرات کے زمینداروں خاص طور پر راجہ جالوارہ' راجہ محمد آباد جیناتیر' راجہ نادوت اور ایدر نے موقع پا کر سلطان ہوشنگ کی خدمت میں عرض داشتیں روانہ کیں جن کا مضمون یہ تھا۔ "اگرچہ پہلی مرتبہ آپ کی خدمت گزاری میں کوتاہی ہوئی لیکن اس بار ہم آپ کی جاں نثاری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ اگر آپ گجرات پر لشکر کشی کریں تو یہ امر موقع و محل کے لحاظ سے انتہائی مناسب ہو گا۔ اگر آپ فرمائیں تو ہم چند آدمی راستے دکھانے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج دیں جو آپ کو ایسے راستے سے گجرات لے جائیں کہ جب تک آپ کا لشکر گجرات میں پہنچ نہ جائے سلطان احمد شاہ کو بالکل اس کا علم نہ ہو۔"

ہوشنگ کا عزم گجرات

یہ خطوط پا کر سلطان ہوشنگ نے لشکر تیار کرنا شروع کر دیا اور ۸۲۱ھ میں مہراسہ کے راستے سے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق سے

انہیں دنوں سلطان احمد شاہ سلطان پور ندربار کے نواحی میں آیا ہوا تھا۔ غزنین خاں مالوہ کی طرف بھاگ گیا اور نصیر خاں آہیر چلا گیا۔

سلطان احمد مہراسہ میں

سلطان احمد شاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان ہوشنگ مہراسہ میں آگیا ہے تو اس نے ہوشنگ کی مدافعت کو تمام امور پر مقدم سمجھا اور جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا مہراسہ پہنچا۔ مخبروں نے ہوشنگ کو سلطان احمد کی آمد کی اطلاع دی ہوشنگ بہت پریشان ہوا اور اس نے ان تمام زمینداروں کو جنہوں نے اسے عرض داشتیں لکھ کر بلایا تھا اپنے حضور طلب کیا۔

ہوشنگ کی واپسی

سلطان ہوشنگ کو معلوم ہو گیا کہ اسے بلانے میں زمینداروں کی بدنیتی کارفرما تھی لہٰذا اس نے تمام زمینداروں کو لعنت ملامت کی اور جس راستے سے یہاں آیا تھا اسی راستے سے واپس چلا گیا۔

سلطان احمد گجراتی کا عزم مالوہ

سلطان احمد گجراتی نے چند روز تک مہراسہ میں قیام کیا تاکہ اس کا لشکر اس سے یہاں آکر مل جائے۔ جب لشکر آگیا تو اس نے ماہ صفر ۸۲۲ھ میں مالوہ کی فتح کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے دن رات سفر کرتا ہوا جلد از جلد کالیادہ کے نواح میں پہنچ کر قیام پذیر ہوا۔

ہوشنگ کی شکست

سلطان ہوشنگ نے لشکر تیار کیا اور جنگ کے ارادے سے گجراتی لشکر کے سامنے آیا۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی اس معرکے میں سلطان احمد غالب آیا اور ہوشنگ شکست کھا کر قلعہ شادی آباد مندو میں محصور ہو گیا۔ سلطان احمد نے قلعے کے دروازے تک ہوشنگ کا تعاقب کیا اور مفرور فوج کا بہت سا سامان اپنے قبضے میں کیا۔

سلطان احمد گجراتی کی واپسی

سلطان احمد گجراتی نے اپنے امیروں کو اطراف مالوہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ شادی آباد مندو کا قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے احمد گجراتی نے اسے فتح کرنے کا خیال ترک کر دیا اور دھار میں آگیا۔ یہاں سے اس کا ارادہ چین کی طرف جانے کا تھا لیکن اسی زمانے میں بارشیں شروع ہو گئیں گجراتی امیروں نے سلطان احمد کو مشورہ دیا۔ "اس سال بہتر یہی ہے کہ حضور اپنے پایہ تخت کو واپس تشریف لے چلیں اور ان فتنہ پردازوں کو سزا دیں کہ جو اس ہنگامے کا باعث ہیں۔ مالوہ کی فتح کو اگلے سال کے لیے اٹھا رکھیں۔" احمد نے اس مشورے کو قبول کیا اور گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔

محمود بن ملک مغیث کا اعزاز

اسی سال سلطان ہوشنگ نے ملک مغیث کے بیٹے ملک محمود کو جو بہت نیک اور شریف الطبع تھا محمود خاں کا خطاب عطا کیا اور اسے اس کے باپ کے ہمراہ مہمات ملکی میں شریک کر دیا۔ سلطان جب کبھی کہیں جاتا تو وہ ملک مغیث کو قلعے میں چھوڑ جاتا تاکہ وہ ملکی معاملات کو طے کرے اور محمود خاں کو بادشاہ اپنے ساتھ لے جاتا۔

سلطان احمد اور ہوشنگ میں صلح

اسی سال کے آخر میں سلطان احمد گجراتی نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مملکت مالوہ میں داخل ہو کر فتنہ و فساد کا بازار گرم کرے۔ سلطان ہوشنگ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے قاصدوں کو بہت سے گراں قدر تحفے تحائف دے کر سلطان احمد گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا اور صلح کی درخواست کی۔ سلطان احمد نے ہوشنگ کے ارسال کردہ تحفے قبول کیے اور صلح کی درخواست منظور کر کے ارادہ لشکر

کشی ترک کر دیا۔

کھیرالہ پر حملہ اور فتح

۸۲۳ھ میں سلطان ہوشنگ قصبہ کھیرالہ پر جو برار کی سرحد پر واقع ہے لشکر کشی کی۔ کھیرالہ کا حاکم پچاس ہزار سوار اور پیادے لے کر ہوشنگ کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی' حاکم کھیرالہ نرسنگ راؤ مارا گیا اور میدان جنگ ہوشنگ کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد ہوشنگ نے نرسنگ راو کا قلعہ سارنگ گڑھ فتح کیا اور چوراسی ہاتھیوں اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ نرسنگ کے بیٹے کو جو کھیرالہ کے قلعے میں مقیم تھا ہوشنگ نے اپنا مطیع و باج گزار بنا لیا اور خود شادی آباد مندو میں واپس آیا۔

جاج نگر کا سفر

سلطان ہوشنگ ۸۲۵ھ میں ایک ہزار سواروں کے ہمراہ بھیس بدل کر سوداگروں کے لباس میں جاج نگر کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے سفید گھوڑوں کو جنہیں جاج نگر کا راجہ بہت پسند کرتا تھا اور دوسری بہت سی چیزوں کو جنہیں یہاں کے لوگ خوشی خوشی خریدتے تھے اپنے ساتھ لیا۔ اس سفر سے سلطان ہوشنگ کا مقصد یہ تھا کہ وہ گھوڑوں اور دوسرے سامان کو بیچ کر جاج نگر سے ہاتھی خریدے اور اس طرح اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کر کے سلطان احمد شاہ گجراتی سے انتقام لے۔

راجہ جاج نگر کو اطلاع

سلطان ہوشنگ نے جاج نگر پہنچ کر ایک شخص کو راجہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ایک سوداگر آیا ہے جو ہاتھی خریدنا چاہتا ہے اس کے پاس بہت سے سفید اور دوسری قسم کے گھوڑے اور دیگر سامان ہے جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے۔" راجہ نے اس شخص سے پوچھا "یہ سوداگر شہر سے اتنی دور کیوں ٹھہرا ہے شہر کے اندر کیوں نہیں آیا؟" اس شخص نے جواب دیا۔ "چونکہ اس سوداگر کے ساتھ اور بھی بہت سے سوداگر ہیں اس لیے اس نے اہل شہر کو زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا اور ایسی جگہ جہاں پانی باسانی دستیاب ہو سکتا ہو قیام کیا ہے۔"

جاج نگر کا دستور تجارت

اس شہر کا دستور تھا کہ جب کوئی بڑا سوداگر یہاں آتا تو اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے یہ حکم دیتا کہ وہ گھوڑوں پر زین کسے اور سامان کو زمین پر ترتیب سے رکھ دے۔ اس کے بعد راجہ گھوڑے پر سوار ہو کر بکاؤ مال اور گھوڑوں کا معائنہ کرتا اور جو چیز یا گھوڑا پسند آتا اس کو خرید لیتا' معاوضے میں وہ ہاتھی یا نقد روپیہ ادا کر دیتا۔

راجہ کا پیغام ہوشنگ کے نام

اس دستور کے مطابق جاج نگر کے راجہ نے ہوشنگ کو یہ پیغام دیا میں فلاں روز تمہارے قافلے میں آؤں گا تم اپنے سوداگروں سے کہہ دو کہ وہ گھوڑوں کو تیار رکھیں اور تمام دوسرے سامان کو ترتیب سے زمین پر سجا دیں جو چیز مجھے پسند آئے گی اسے خرید لوں گا اس کی قیمت ہاتھیوں میں یا نقدی کی صورت میں جو بھی تم لوگوں کو پسند ہو ادا کر دی جائے گی۔" راجہ کا قاصد جب واپس چلا گیا تو ہوشنگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ راجہ جو کچھ کہے اس کے برخلاف کچھ نہ کیا جائے اور اس کی ہر بات مانی جائے۔ راجہ نے جس روز آنے کے لیے کہا تھا ہوشنگ بڑی بے تابی سے اس روز کا انتظار کرنے لگا۔

راجہ کا پیغام

جس روز راجہ کو آنا تھا اس نے اپنے آنے سے پہلے چالیس ہاتھی سوداگروں کے قافلے میں بھجوا دیئے تاکہ سوداگر انہیں اچھی طرح دیکھ لیں اس کے بعد راجہ نے یہ پیغام بھجوایا۔ "تم لوگ اپنا تمام سامان زمین پر ترتیب سے سجا دو اور گھوڑوں کو تیار رکھو میں خریداری

کے لیے آ رہا ہوں۔" ہوشنگ نے عذر کیا کہ آج بارش کا امکان ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارا سامان ضائع ہو جائے لیکن راجہ کے ملازموں نے ہوشنگ کی بات نہ مانی اور اس کا تمام سامان زبردستی سے کھلوا دیا۔

بارش سے سامان تجارت کی تباہی

اسی دوران میں راجہ پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ قافلے میں آیا اور سامان دیکھنے میں معروف ہو گیا۔ ہوشنگ کا خیال صحیح ثابت ہوا اور بہت زور کی بارش ہونے لگی بجلی چمکنے لگی اور بادل گرجنے لگا اس فضا سے ہاتھی قابو سے نکل گئے' بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے ہراساں ہو کر وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ تمام سامان تجارت ان کے پاؤں کے نیچے آ کر خراب ہو گیا تمام مالوی سپاہی یعنی سوداگر شور و غل مچانے لگے۔

ہوشنگ کا ارادہ جنگ

سوداگروں کی رسم کے مطابق سلطان ہوشنگ نے اپنی داڑھی کے کچھ بال اکھیڑے اور کہا "جب میرا تمام سامان ضائع ہو گیا تو اب میرا زندہ رہنا بھی بے کار ہے۔ اس کے بعد ہوشنگ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور راجہ کے سامنے آیا۔ راجہ پریشان ہوا اور مجبوراً لڑنے کے لیے تیار ہوا۔

راجہ جاج نگر کی شکست اور گرفتاری

پہلے ہی حملے میں راجہ کو شکست ہوئی اس کے کئی ساتھی مارے گئے اور جو بچے وہ شہر کی طرف بھاگ گئے راجہ زندہ گرفتار ہوا۔ سلطان ہوشنگ نے راجہ سے کہا۔ "میں مالوہ کا حکمران ہوشنگ ہوں اور یہاں ہاتھیوں کی خریداری کے لیے آیا ہوں۔ میں تجھے گرفتار نہ کرتا مگر چونکہ میرا تمام سامان تجارت تباہ ہو گیا ہے اس لیے مجبوراً مجھے ایسا قدم اٹھانا پڑا۔

ہوشنگ کی واپسی

راجہ نے ہوشنگ کی ہمت و جرات پر تعجب کا اظہار کیا اور ایک شخص کو اپنے امیروں کے پاس بھیج کر یہ پیغام دیا کہ وہ تمام بہترین ہاتھیوں کو یہاں بھجوا دیں۔ راجہ کے امیروں نے پچہتر ہاتھی سلطان ہوشنگ کی خدمت میں روانہ کیے اور معذرت کا اظہار کیا۔ ہوشنگ نے ہاتھیوں اور راجہ جاج نگر کو اپنے ہمراہ لیا اور واپس روانہ ہوا۔ جاج نگر کی سرحد سے باہر آ کر ہوشنگ نے راجہ کو رخصت کر دیا' راجہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ وہ ہوشنگ کی جرات اور بہادری سے بہت متاثر ہوا' اس نے شہر پہنچ کر چند اور عمدہ ہاتھی ہوشنگ کی خدمت میں بھجوائے اور معذرت طلب کی۔

احمد گجراتی کا مالوہ پر حملہ

راستے میں سلطان ہوشنگ کو یہ اطلاع ملی کہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے یہ دیکھ کر کہ حاکم مالوہ اپنے ملک سے باہر ہے مالوہ پر حملہ کر دیا۔

قلعہ کھیرالہ پر قبضہ

سلطان ہوشنگ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کھیرالہ پہنچا اور بطور حفظ ماتقدم یہاں کے راجہ کو نظربند کر دیا اور قلعہ کھیرالہ پر قبضہ کر لیا۔ ہوشنگ نے اس قلعے کو اپنے امیروں کے سپرد کیا اور اس لشکر کے ہمراہ جو مالوہ سے آیا تھا شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔

ہوشنگ شادی آباد مندو میں

جب سلطان ہوشنگ شادی آباد مندو کے قریب پہنچا تو سلطان احمد گجراتی نے اپنے امیروں کو مورچل سے طلب کر لیا اور جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ ہوشنگ نے جنگ کی قطعاً پروا نہ کی اور تارا پور دروازے کی طرف سے قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔

کچھ قلعہ شادی آباد مندو کے بارے میں

شادی آباد مندو کا قلعہ عجائبات روزگار میں سے ہے۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ اپنی واقفیت کے مطابق اس قلعے کے بارے میں چند باتیں لکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ کے اوپر واقع ہے جس کا دور انیس کوس سے بھی زیادہ ہے اس دور پر خندق کی بجائے ایک بہت بڑا غار ہے۔ اس وجہ سے اس قلعے کا محاصرہ کر کے جنگ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے قلعے کے اندر پانی اور دیگر اشیائے ضرورت بکثرت ہیں۔ ایسی زمین بھی ہے جس پر کاشت بآسانی ہو سکتی ہے اس قلعے کو چاروں طرف سے محصور کر لینا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

اس قلعے کے اکثر مقامات ایسے ہیں کہ جہاں سکونت اختیار نہیں کی جا سکتی اس تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے' اس کا دروازہ دکن کی طرف کھلتا ہے اور یہ مقام تارا پور کے نام سے مشہور ہے۔ اگر لوگ چاروں طرف سے قلعے میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو ایک بلند پشتہ طے کرنا پڑے گا اور یہ کام انتہائی مشکل اور محنت طلب ہے۔ اگر راستے کی حفاظت کے لیے لشکر مقرر کیا جائے تو راستے کی طوالت اور بیچ میں پہاڑیاں ہونے کی وجہ سے سپاہی ایک دوسرے کے حال سے باخبر نہیں رہ سکتے۔ اس قلعے کا وہ دروازہ جو دہلی کے راستے کی طرف ہے۔ بقیہ تمام دروازوں کے راستوں سے آسان ہے۔

سلطان ہوشنگ کا عزم سارنگ پور

قصہ مختصر یہ کہ احمد شاہ گجرات نے قلعہ شادی آباد مندو کے محاصرہ میں کوئی فائدہ نہ دیکھا اس نے مجبوراً محاصرہ اٹھایا اور ملک کی تباہی و بربادی کی طرف توجہ کی۔ وہ اجین سے ہوتا ہوا سارنگ پور آیا' سلطان ہوشنگ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ جلدی سے ایک دوسرے راستے سے سارنگ پور پہنچ گیا۔

ہوشنگ کی عیاری

سلطان ہوشنگ نے ایک چال چلی اور یہ پیغام سلطان احمد کو بھجوایا کہ چونکہ ہم دونوں مذہب اسلام کے پیرو ہیں' اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ملک کو تباہ کرنا اور خون ریزی کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ امر شرع اسلام کی رو سے ناجائز ہے' بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں۔ آپ کے جانے کے بعد میں اپنا قاصد آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا اور پیش کش بھجواؤں گا۔"

گجراتی لشکر پر شب خون

سلطان احمد شاہ گجراتی نے ہوشنگ کی بات کا اعتبار کر لیا اور اس رات اپنے لشکر کی حفاظت سے بے پروا ہو کر سو رہا۔ ہوشنگ تو اسی بات کا منتظر تھا اس نے ۸۲۶ھ میں محرم کی بارھویں رات کو گجراتی لشکر پر شب خون مارا۔ اہل گجرات بالکل بے خبر تھے انہیں اس حملے کی توقع نہ تھی۔ اس لیے ان کا بہت نقصان ہوا اور بے شمار گجراتی مارے گئے۔

تباہی و بربادی

اس ہنگامے میں ونده کا راجہ رائے سامت (اس راجہ کو عوام "کری" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نام زیادہ مشہور بھی ہے۔) مع پانچ سو راجپوتوں کے سلطان احمد گجراتی کی بارگاہ کے سامنے مارا گیا۔ سلطان احمد کو جب اس ناگہانی آفت کا علم ہوا تو وہ سراپردہ شاہی سے باہر نکل آیا اور جنگل میں آکر کھڑا ہو گیا اس وقت اس کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا۔

ہوشنگ کے لشکر پر حملہ

صبح ہوئی تو سارا بچا کھچا گجراتی لشکر سلطان احمد کے گرد جمع ہو گیا۔ احمد گجراتی نے جلد از جلد اس لشکر کو مرتب کیا اور ہوشنگ کے لشکر

پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں ایسی زبردست جنگ ہوئی کہ الامان والحفیظ! نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں بادشاہ بذات خود لڑائی میں شریک ہوئے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہے آخرکار اس معرکے میں سلطان ہوشنگ کو شکست ہوئی اور اس نے میدان جنگ سے فرار ہو کر قلعہ سارنگ پور میں پناہ لی۔ گجراتیوں نے مالویوں کا بہت سا سامان مع سات ہاتھیوں کے اپنے قبضے میں کیا۔

سلطان احمد کی فتح اور واپسی

۱۴ ربیع الثانی کو سلطان احمد گجراتی نے سامان سفر درست کیا اور فتح و شادمانی کے شادیانے بجاتے ہوئے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ ہوشنگ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بڑے غرور و تکبر سے قلعہ سارنگ پور سے باہر نکلا اور گجراتیوں کا تعاقب کرنے لگا۔

معرکہ آرائی

سلطان ہوشنگ نے ان گجراتی سپاہیوں کو جو پیچھے رہ گئے تھے موت کے گھاٹ اتارا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سلطان احمد گجراتی واپس لوٹا اور اس طرح ایک بار پھر دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ہوشنگ نے پہلے ہی حملے میں دشمن کے مقدمہ لشکر کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ سلطان احمد گجراتی نے یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوا۔ بہت سوچ بچار کے بعد وہ بذات خود میدان میں آیا اور حریف پر غالب آنے کی کوشش کرنے لگا نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

احمد گجراتی کی واپسی

سلطان ہوشنگ آخر کہاں تک لڑتا آخرکار وہ سخت محنت کی وجہ سے تھک گیا اور قلعہ سارنگ پور میں پناہ گزین ہو گیا اس روز ہوشنگ کے چار ہزار سپاہی میدان جنگ میں اور دوران فرار میں مارے گئے اور ہوشنگ کے تمام سامان پر گجراتیوں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان احمد شاہ گجراتی اپنے ملک کی طرف سلطان ہوشنگ شادی آباد مندو کی طرف چلا گیا۔

ایک دوسری روایت

سلطان ہوشنگ کے جاج نگر جانے اور شادی آباد مندو میں واپس آنے کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ یہ روایت راقم الحروف مورخ فرشتہ کے نزدیک ضعیف ہے پھر بھی ہم نے یہ روایت سلاطین گجرات کے حالات لکھتے ہوئے ضمناً بیان کر دی ہے اس لیے اس کو اس جگہ دوبارہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔

قلعہ کاکرون کی فتح

اسی سال سلطان ہوشنگ نے قلعہ کاکرون کو فتح کرنے کی تیاری کی اور تھوڑی سی مدت میں اس قلعے پر قبضہ بھی کر لیا۔ انہیں دنوں ہوشنگ نے قلعہ گوالیار کو دوبارہ فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے سفر کرتا ہوا قلعے کے قریب پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

قلعہ گوالیار کا محاصرہ

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد سلطان مبارک شاہ بن خضر خاں بیانہ کے راستے سے گوالیار کے راجہ کی مدد کے لیے آیا۔ جب سلطان ہوشنگ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے قلعے کے محاصرے سے ہاتھ اٹھا لیا اور یہاں سے روانہ ہو کر دبل پور کے تالاب پر پہنچا جس کا انجام مسرت انگیز ہوا۔ دونوں بادشاہوں نے ایک دوسرے کو تحفے پیش کیے اور آئندہ دوستی اور محبت کا برتاؤ رکھنے کے وعدے کیے اس کے بعد دونوں حکمران اپنے پایہ تخت کو واپس ہوئے۔

کھیرالہ پر احمد بہمنی کا حملہ

۸۳۶ھ میں سلطان احمد شاہ بہمنی نے قلعہ کھیرالہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے لشکر تیار کر کے کھیرالہ پہنچ گیا۔ یہاں کا حاکم

سر پر رکھ کر اپنے پایہ تخت کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس طرح مالویوں اور جونپوریوں میں جنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔

کالپی پر ہوشنگ کا قبضہ

سلطان شرقی کے جانے کے بعد سلطان ہوشنگ نے جنگ و جدال کے بغیر ہی کالپی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ہوشنگ نے کچھ عرصہ کالپی میں قیام کیا اور پھر وہاں کی حکومت سابق حاکم عبدالقادر ہی کے سپرد کر کے خود واپس مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔

سرکشوں کی حرکات

راستے میں سلطان ہوشنگ کو تھانیداروں کے اس مضمون کے عریضے ملے کہ "کچھ باغیوں اور فتنہ پردازوں نے کوہ جابیہ کی طرف سے مالوہ میں داخل ہو کر بعض قصبوں اور دیہاتوں پر حملہ کر دیا اور یہ لوگ حوض بھیم میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

حوض بھیم

اس جگہ حوض بھیم کے بارے میں بھی کچھ بتا دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ حوض رائے بھیم نے اپنے عہد حکومت میں بنوایا تھا۔ اس راجہ نے اپنے ملک کے درمیان اس حصے کو جو پہاڑوں کے بیچ واقع تھا پتھروں کو تراش کر بند باندھ دیا تھا اس بند کی لمبائی اور چوڑائی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اگر اس کی ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو دوسری سمت نظر نہیں آتی' اس حوض کی گہرائی بھی بہت زیادہ ہے۔

ہوشنگ کی اولاد میں لڑائی

جن دنوں ہوشنگ کے تھانیداروں کے عریضے موصول ہوئے انہیں دنوں ہوشنگ کی اولاد کے درمیان جھگڑا ہو گیا جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ سلطان ہوشنگ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ تین بیٹے عالم خاں حاکم اسیر کی بیٹی کے بطن سے تھے ان کے نام یہ ہیں ۱۔ عثمان خاں ۲۔ فتح خاں اور ۳۔ ہیبت خاں باقی بیٹوں کے نام یہ ہیں ۴۔ غزنین خاں ۵۔ احمد خاں ۶۔ عمر خاں ۷۔ ابو اسحاق۔ غزنین خاں سب سے بڑا تھا۔

عثمان اور غزنین کا اختلاف

فتح خاں' ہیبت خاں' احمد خاں اور ابو اسحاق کو غزنین خان سے بے حد خلوص تھا اور یہ سب شہزادے اپنے بڑے بھائی کے فرماں بردار تھے لیکن عثمان خاں کی غزنین خاں سے نہ بنتی تھی ان دونوں میں زبردست مخالفت تھی۔ اس وجہ سے امراء اور سپاہی بھی دو جماعتوں میں بٹ گئے ایک جماعت غزنین خاں کے ساتھ تھی اور ایک عثمان خاں کے ساتھ۔

محمود خاں کی عقل مندی

سلطان ہوشنگ نے جب اپنے بیٹوں کی یہ حالت دیکھی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ ملک مغیث اور اس کا بیٹا محمود خاں دونوں باپ بیٹے بہت ہی دانشمند اور ذی فہم تھے وہ دونوں عام طور پر کوشش کرتے رہتے تھے کہ کسی طرح سلطان ہوشنگ کی پریشانی ختم ہو۔ سلطان ہوشنگ محمود سے بہت خوش تھا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ "یہ نوجوان اس قابل ہے کہ میرا ولی عہد ہو۔" اس پر مغیث کہتا تھا "خدا شہزادوں کی عمر دراز کرے ہم تو محض بندگان در و دولت ہیں ولی عہدی ہمارا منصب نہیں۔"

عثمان کی حماقت

ایک روز کالپی کے راستے میں عثمان خاں نے اپنے بڑے بھائی غزنین خاں کے ساتھ بڑی بے ادبی کی۔ عثمان نے اپنے ایک ملازم کو غزنین کے حرم میں بھیجا اور اس ملازم نے غزنین کو گالیاں دیں۔ اگرچہ غزنین کے ملازموں اور خواجہ سراؤں نے عثمان کے ملازم کو بہت

نرسنگ رائے کا بیٹا تھا جسے سلطان ہوشنگ نے مقرر کیا تھا۔ اس نے ہوشنگ کی خدمت میں اپنا ایک قاصد بھیج کر مدد کی درخواست کی۔

دکنی لشکر کا تعاقب

سلطان ہوشنگ نے اپنا لشکر جمع کیا اور کھیرالہ کی طرف روانہ ہوا جب وہ وہاں پہنچا تو دکنی اس کے خوف سے بھاگ نکلے اور اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوشنگ نے اس بات سے یہ نتیجہ نکالا کہ دکنی بہت کمزور ہیں۔ کھیرالہ کے حاکم نے ہوشنگ کے اس خیال کی تائید کی اور اسے دکنی لشکر کے تعاقب کے لیے اکسایا۔ ہوشنگ نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور ان کے تعاقب میں مصروف ہوا۔

حریف کی چال

سلطان احمد شاہ بہمنی اپنے امیروں اور خاصے کے لشکر کے ہمراہ کمین گاہ میں چھپ گیا اور بقیہ لشکر کو اس نے سلطان ہوشنگ کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ ہوشنگ لشکر دکن کے تعاقب میں سرگرم تھا اور اسے قطعاً خبر نہ تھی کہ کیا چال چل رہا ہے راستے میں اسے دکنیوں کی فوج ملی جو لڑائی کے لیے تیار تھی' مگر تعداد میں کم نہ تھی۔ ہوشنگ نے اپنے اس لشکر کا انتظار نہ کیا کہ جو اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور لڑائی شروع کر دی۔

ہوشنگ کی نئی شکست

سلطان احمد شاہ بہمنی نے جب یہ دیکھا کہ اس کی تدبیر تقدیر کے موافق ہے تو وہ کمین گاہ سے نکل کر سلطان ہوشنگ کے پیچھے آیا اور اس نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہوشنگ دشمن کی اس چال سے قطعاً بے خبر تھا جب حملہ ہوا تو بڑا پریشان ہوا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس نے جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ ہوشنگ نے اپنے تمام عزیزوں اور سامان وغیرہ کو یہیں چھوڑا اور خوف سے بھاگ نکلا۔

سلطان احمد بہمنی کا قیدیوں سے سلوک

دکنیوں نے ہوشنگ کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا۔ سلطان احمد شاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اسے ان بے گناہوں پر بہت ترس آیا۔ اس نے ازراہ کرم ان لوگوں کی مہمانداری کی اور ان سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور کوئی ایسی بات نہ کی جس سے ان لوگوں کو یہ محسوس ہو کہ وہ دشمن کے قیدی ہیں۔ اس کے بعد احمد دکنی نے ان لوگوں کو ایک اعلیٰ درجے کا لباس عنایت کیا اور پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ حفاظت سے ہوشنگ کے پاس روانہ کر دیا۔

فتح کالپی کا ارادہ

۸۳۰ھ میں سلطان ہوشنگ نے کالپی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' یہ علاقہ عبدالقادر نامی ایک امیر جو شاہ دہلی سلطان مبارک شاہ کا ملازم تھا کے زیر نگین تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے سلطان ہوشنگ مندو سے روانہ ہوا اور کالپی کے نواح میں پہنچا یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ جونپور سے سلطان ابراہیم شرقی بھی کالپی کو فتح کرنے کے ارادے سے اس طرف آ رہا ہے۔

سلطان ابراہیم شرقی کی آمد

سلطان ہوشنگ نے طے کیا کہ سلطان ابراہیم شرقی کی مدافعت کالپی کی فتح سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے پہلے اسی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ سلطان شرقی کی آمد کے بعد ہوشنگ نے اس سے جنگ کرنے کی تیاری کی اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

سلطان شرقی کی واپسی

فریقین میں لڑائی کی نوبت نہ آئی اور یہ معاملہ آج کل پر ٹلتا رہا۔ اسی دوران میں سلطان ابراہیم شرقی کو یہ اطلاع ملی کہ دہلی کے بادشاہ سلطان مبارک شاہ نے موقع پا کر جونپور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان شرقی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ پاؤں

منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا آخرکار نوبت مارپیٹ تک پہنچی۔ شہزادہ عثمان اور غزنین کے ملازم آپس میں خوب لڑے۔ سلطان ہوشنگ کو بھی اس جھگڑے کا علم ہو گیا عثمان باپ کے خوف سے لشکر گاہ سے باہر چلا گیا اس سے چند ناشائستہ حرکات بھی سرزد ہوئیں۔

لشکر گاہ سے علیحدگی

شہزادہ عثمان نے چند عاقبت نااندیش امیروں کو اپنے ساتھ ملا لیا ان سے دل خوش کن وعدے کیے اور ان امیروں کے بھروسے بادشاہ سے بے وفائی کرنے لگا۔ سلطان ہوشنگ کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے ملک مغیث سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ مغیث نے بادشاہ سے کہا "چونکہ عثمان سے اس قسم کی حرکتیں پہلے بھی سرزد ہو چکی ہیں اور آپ نے اسے معاف کر دیا ہے لہٰذا اس بار بھی درگزر سے کام لیا جائے تاکہ شہزادہ دوبارہ لشکر میں آ جائے۔" سلطان ہوشنگ نے ملک مغیث کے مشورے پر عمل کیا اور شہزادے کے اعمال سے چشم پوشی کی۔

عثمان کی گرفتاری

آخرکار شہزادہ عثمان لشکر گاہ میں واپس آ گیا۔ اجین پہنچ کر بادشاہ نے دربار منعقد کیا اور موقع پر عثمان فتح خاں اور ہیبت خاں کو بہت برا بھلا کہا اور انہیں موکلوں کے سپرد کر دیا۔ اس واقعے کے تیسرے روز ان تینوں بھائیوں کو پا بہ زنجیر کر کے ملک مغیث کے حوالے کیا گیا اس نے انہیں شادی آباد مندو کے قلعے میں قید کر دیا۔

کوہ جابیہ پر لشکر کشی

اس کے بعد سلطان ہوشنگ نے کوہ جابیہ کے باغیوں اور مفسدوں کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور وہاں پہنچ کر حوض بھیم کے بند کو توڑ ڈالا اور اس علاقے کے بدمعاشوں کو سخت سزا دی۔ یہاں کا راجہ خوفزدہ ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گیا اس کا تمام مال اور اہل و عیال سلطان ہوشنگ کے ہاتھ آئے۔ بادشاہ نے شہر کو تباہ و برباد کیا اور رعایا سے بہت سوں کو قید کیا۔

لعل بدخشانی کی گمشدگی

بادشاہ پھر قلعہ ہوشنگ آباد میں آیا اور موسم برسات کے اختتام تک یہیں مقیم رہا۔ برسات کے دنوں میں بادشاہ سیر کے لیے ایک روز باہر نکلا اتفاق سے اس کے تاج سے بدخشانی لعل نکل کر گر پڑا۔ تین روز بعد یہ لعل ایک سپاہی کو ملا اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا بادشاہ نے اس سپاہی کو پانچ سو تنکے انعام میں دیئے۔

زندگی سے مایوسی

اس موقع پر سلطان ہوشنگ نے ایک حکایت بھی بیان کی کہ ایک بار سلطان فیروز شاہ کے تاج سے ایک لعل گر پڑا تھا ایک سپاہی اس کو ڈھونڈھ کر لے آیا۔ بادشاہ نے اسے انعام دیا اور کہا کہ اس لعل کا گم ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اب میری زندگی کا پیمانہ بھر چکا ہے چنانچہ کچھ دنوں کے بعد سلطان فیروز شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اب ایسا ہی واقعہ میرے ساتھ بھی گزرا ہے اس لیے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی کا آفتاب بھی غروب ہونے والا ہے۔

موت کا خیال

یہ حکایت سن کر اہل مجلس نے عرض کیا۔ سلطان فیروز شاہ کے ساتھ جب ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو تب اس کی عمر نوے (۹۰) سال کی ہو چکی تھی لیکن حضور تو ابھی جوان اور بادشاہت کے قابل ہیں اس لیے آپ کو ایسا خیال دل میں نہیں لانا چاہیے۔ اس کا جواب بادشاہ نے یہ دیا "موت کے لیے عمر کی کمی یا بیشی کی قید نہیں ہوتی وہ بڑھاپا ہو یا جوانی ہر زمانے میں آ سکتی ہے۔"

ہوشنگ کی بیماری

اتفاق سے اس واقعے کے چند روز بعد بادشاہ بیمار پڑ گیا اور موت کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اسی عالم میں بادشاہ ہوشنگ آباد سے شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بادشاہ نے دربار عام منعقد کیا اور امراء اور اراکین سلطنت کی موجودگی میں شہزادہ غزنین کو مہر سلطنت عطا کیا۔

امیروں کو بادشاہ کی نصیحت

سلطان ہوشنگ نے شہزادہ غزنین کا ہاتھ ملک محمود عرف محمود خاں کے ہاتھ میں دیا' محمود آداب بجا لایا اور اس نے عرض کیا "جب تک میرے جسم میں جان ہے میں ہر ممکن طریقے سے خدمت گزاری اور جاں نثاری کروں گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے امیروں وزیروں کو نصیحت کی کہ آپس کی مخالفت کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہی وہ امر ہے جس سے سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔"

محمود خاں کو نصیحت

سلطان ہوشنگ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ محمود خاں چاہتا ہے کہ حکومت اس کے ہاتھ آئے۔ اس لیے بادشاہ نے اس کو خاص طور پر مخاطب کر کے کہا سلطان احمد شاہ گجراتی ایک زبردست حکمران ہے اور وہ ایک عرصے سے ملک مالوہ کو حریص نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اگر ملک کے نظم و نسق میں باقاعدگی کو روا نہ رکھا گیا اور فوج اور رعایا کی مناسب تربیت نہ کی گئی نیز شہزادے کے حقوق کا خیال نہ رکھا گیا تو پھر سلطان شاہ گجراتی کو کھیل کھیلنے کا موقع ملے گا اور مالوہ کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

غزنین کا پیغام محمود خاں کے نام

اس کے بعد شہزادہ غزنین نے اپنے ایک امیر عمدۃ الملک کو محمود خاں کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ اگر آپ اپنی بیعت کو ایمان و قسم سے موکدہ کریں تو بڑا احسان ہو۔ مجھے اس طرح دلی اطمینان ہو جائے گا محمود خاں نے شہزادے کی درخواست قبول کی اور اپنے عہد و پیمان کو قسم کھا کر مستحکم کر دیا۔

عثمان کی رہائی کی کوشش

بعض امیروں نے سلطان ہوشنگ سے کہا "خدا کے فضل و کرم سے شہزادہ عثمان بھی عقل مند اور شائستہ نوجوان ہے اس لیے اگر اسے رہا کر دیا جائے اور مالوہ کا ایک حصہ اس کی جاگیر مقرر کر دیا جائے تو مناسب ہو گا۔ سلطان ہوشنگ نے اس کے جواب میں کہا "میرے دل میں بھی یہ خیال کئی بار آ چکا ہے لیکن افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر میں نے اس کو آزاد کر دیا تو اس طرح ملک میں زبردست انتشار پیدا ہو جائے گا۔"

عہد و پیمان کی تجدید

شہزادہ غزنین کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض امراء شہزادہ عثمان کی رہائی کے لیے کوشاں ہیں تو اس نے دوبارہ عمدۃ الملک کو محمود خاں کے پاس بھیجا اور اس سے یہ کہلوایا اگر تم میرے سامنے آ کر اپنے عہد و پیمان کی دوبارہ تجدید کرو تو مجھے اطمینان کلی ہو جائے۔ محمود خاں نے شہزادے کی خواہش پوری کی اور اس کے سامنے جا کر وفادار رہنے کی قسمیں کھائیں۔

ملک عثمان خاں جلال کا محمود خاں کے پاس آنا

امراء کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک مقتدر امیر ملک عثمان خاں جلال کو ملک مبارک غازی کے ہمراہ محمود خاں کے پاس بھیجا۔ اتفاق سے اس وقت عمدۃ الملک بھی محمود خاں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ محمود خاں نے عمدۃ الملک کو خیمے کے اندر ہی چھوڑا

اور خود باہر آ کر عثمان خاں جلال اور مبارک غازی سے باتیں کرنے لگا۔ محمود خاں کا اس اقدام سے مطلب یہ تھا کہ اندر بیٹھا ہوا عمدۃ الملک بھی تمام باتیں سن سکے۔

عثمان کے طرف دار امراء کا پیغام

ملک مبارک غازی نے گفتگو شروع کی اور دعا کے بعد شہزادہ عثمان اور امراء کی جانب سے یہ پیغام دیا۔ "ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ منصب وزارت کے لیے آپ سے زیادہ موزوں شخص کا ملنا ناممکن ہے آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اس عہدے کے لیے موزوں ترین ہستی ہیں۔ لیکن ہمیں تعجب ہے کہ آپ نے ولی عہدی کے معاملے میں غزنین خاں کا ساتھ کس طرح دیا حالانکہ شہزادہ عثمان اپنی بہادری رعیت نوازی اور بلند کرداری کی وجہ سے سلطنت کا صحیح حق دار ہے۔"

"اس کے علاوہ شہزادہ عثمان ملک مغیث کا داماد بھی ہے اور اس طرح اس کے بیٹے ملک مغیث کے بیٹوں کے برابر ہیں۔ شہزادہ سے جو کچھ ہوا اس کی وجہ محض یہ تھی کہ سلطان بیمار پڑ گیا تھا ورنہ وہ کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔ اب تمام امراء آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ شہزادہ عثمان کی طرفداری کریں اور اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھیں۔"

محمود خاں کا جواب

محمود خاں یہ چاہتا تھا کہ شہزادہ عثمان ولی عہدی کے سلسلے میں درمیان میں نہ پڑے اس لیے کہا "ان معاملات سے مجھے کیا تعلق۔ میں تو بندہ ہوں اور میرا کام بندگی ہے۔ خواجگی کے معاملات وہ جانیں جنہیں خدا نے اس کا مستحق کیا ہے میں نے کبھی اپنی زندگی میں ایسے امور کو قابل غور نہیں سمجھا۔"

غزنین کی آگاہی

اس کے بعد ملک مبارک غازی خاں اور ملک خاں جلال رخصت ہو گئے۔ محمود خاں نے عمدۃ الملک کو باہر بلایا اور اس سے کہا تم نے اس وقت جو کچھ سنا ہے یہ سب کچھ ابھی جا کر شہزادہ غزنین کو بتا دو۔" عمدۃ الملک غزنین کے پاس گیا اور تمام روداد اس کو سنا دی۔

شہزادہ عثمان کی رہائی کی کوشش

یہ واقعہ سن کر شہزادہ غزنین بہت خوش ہوا اور اسے محمود خاں کی وفاداری اور جاں نثاری کا یقین آ گیا' سلطان ہوشنگ کی بیماری طول پکڑ گئی۔ ملک عثمان خاں جلال کے وکیل مظفر خاں نے یہ ارادہ کیا کہ شہزادہ عثمان کے محافظوں سے ساز باز کر کے شہزادے کو قید سے نکال لیا جائے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ لشکر گاہ سے فرار ہو گیا۔

حفاظتی تدابیر

محمود خاں کو اس کی اطلاع ہو گئی اس نے فوراً شہزادہ غزنین کو آگاہ کر دیا۔ غزنین فوراً حفاظتی تدابیر کو عمل میں لایا اس نے ملک احسن اور ملک برخوردار کو حکم دیا کہ اصطبل سے گھوڑے مہیا کیے جائیں۔ میر آخور شہزادہ عثمان کا طرفدار تھا اس نے گھوڑے دینے سے انکار کر دیا اور کہا ابھی سلطان ہوشنگ زندہ ہے اس لیے میں اس کے حکم کے بغیر ایک گھوڑا بھی نہ دوں گا۔

شہزادہ غزنین کی شکایت

میر آخور نے یہ بات ایک خواجہ سرا کو بتائی یہ خواجہ سرا بھی شہزادہ عثمان کا بہی خواہ تھا اس نے میر آخور کو مشورہ دیا تم سلطان ہوشنگ کے پلنگ کے قریب جاؤ اور بلند آواز سے تمام واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کرو تاکہ بادشاہ کو یہ معلوم ہو کہ شہزادہ غزنین اس کی زندگی ہی میں شاہی اشیاء پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔" میر آخور نے خواجہ سرا کے مشورے پر عمل کیا اور بادشاہ کو شہزادہ غزنین کے خلاف

بھڑکایا۔

غزنین کا کاکرون کو فرار

بادشاہ کی طبیعت جب ذرا بحال ہوئی تو اس نے اپنا ترکش منگوایا اور پھر تمام امیروں کو حاضری کا حکم دیا۔ امیروں نے یہ خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کا انتقال ہو چکا ہو اور ہمیں شہزادہ غزنین نے بہانے سے قتل کرنے کے لیے بلایا ہو لہٰذا انہوں نے انکار کر دیا اور بادشاہ کے پاس نہ گئے۔ جب شہزادہ غزنین کو اس کا علم ہوا تو وہ ڈر کر کاکرون میں جو لشکر گاہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا چلا گیا۔

غزنین کا پیغام محمود کے نام

غزنین نے عمدۃ الملک کو محمود خاں کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا اس وقت تمام امراء شہزادہ عثمان کو بادشاہ بنانے کے حق میں ہیں اور میرا طرف دار تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ نے ترکش منگوایا تھا میں اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ مجھے گرفتار کر کے دوسرے شہزادوں کے ساتھ قید میں نہ ڈال دے یہاں چلا آیا ہوں۔"

محمود کا جواب

محمود خاں نے اس کے جواب میں شہزادہ غزنین کو کہلوایا تم نے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کی جو سلطان ہوشنگ کی مرضی کے خلاف ہو۔ حریفوں نے بادشاہ کو ورغلایا ہے میں انشاء اللہ بادشاہ سے مل کر سب معاملات درست کر دوں گا اور پچاس گھوڑوں والے واقعے کی اصل حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔"

غزنین خاں نے دوبارہ عمدۃ الملک کو محمود خاں کے پاس بھیجا اور یہ کہلوا دیا۔ "اگرچہ تم ہر طرح میرا ساتھ دے رہے ہو لیکن اس کا کیا علاج کہ خواجہ سراؤں نے بادشاہ سے میری جھوٹی شکایتیں کی ہیں اس لیے میں بہت خوف زدہ ہوں۔ محمود خاں نے اس کے جواب میں کہا۔ "آپ بالکل بے فکر رہیں اور جلد از جلد لشکر گاہ میں چلے آئیں میں سب معاملات سلجھا لوں گا۔"

محمود کا خط ملک مغیث کے نام

عمدۃ الملک کے سامنے ہی محمود خاں نے ملک مغیث کے نام اس مضمون کا ایک خط روانہ کیا۔ "بادشاہ نے شہزادہ غزنین کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے چونکہ اس وقت بادشاہ کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہی اس لیے آپ شہزادہ عثمان پر کڑی نگرانی رکھیں۔ عمدۃ الملک نے واپس آ کر شہزادہ غزنین کو سب حال بتایا شہزادہ بہت خوش ہوا اور اسی وقت لشکر گاہ میں واپس آ گیا۔

عثمان کے طرف داروں کی سازش

خواجہ سراؤں اور خاں جہاں عارض الملک نے جو شہزادہ عثمان کے طرف دار تھے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ کی زندگی اب بہت کم رہ گئی ہے تو انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ دوسرے روز صبح کے وقت محمود خاں کو اطلاع کیے بغیر ہی سلطان ہوشنگ کو پالکی میں سوار کر کے جلد از جلد شادی آباد مندو کی طرف روانہ کر دینا چاہیے تاکہ شہزادہ عثمان کو قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھایا جا سکے۔

ہوشنگ کا انتقال

دوسرے روز عثمان کے بہی خواہوں نے اپنے کل کے فیصلے پر عمل کیا اور محمود کو بتائے بغیر ہی بادشاہ کو پالکی میں بٹھا کر روانہ ہوئے لیکن بادشاہ ابھی تھوڑا سا راستہ ہی طے کر پایا تھا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

محمود کو اطلاع

محمود خاں کو کسی نہ کسی طرح اس کی اطلاع ہو گئی اس نے اپنے کچھ ملازمین کو اسی وقت روانہ کیا تاکہ وہ خواجہ سراؤں اور امراء کو

لعنت ملامت کر کے بادشاہ کی پالکی کو روک لیں۔ شہزادہ غزنین اور محمود خاں بذات خود بھی اس جگہ گئے اور انہوں نے خواجہ سراؤں کو سخت سست کہا۔

خواجہ سراؤں نے اس کے جواب میں کہا۔ "بادشاہ اپنی زندگی ہی میں شادی آباد مندو جانے کے لیے بے تاب تھے اور اس سلسلے میں تعمیل کا حکم دیا تھا ہم لوگ انہیں کے حکم کے مطابق روانہ ہوئے تھے۔" یہ سن کر شہزادہ غزنین اور محمود خاں خاموش ہو گئے۔

محمود خان کا اعلان

اس کے بعد محمود خاں نے بارگاہ سلطانی اسی جگہ نصب کی اور مرحوم بادشاہ کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا دوسرے تمام امیروں نے اس معاملے میں علیحدگی اختیار کی۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر محمود خاں نے بلند آواز سے کہا خداوند تعالیٰ کے حکم سے سلطان ہوشنگ کا انتقال ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے اپنی زندگی ہی میں شہزادہ غزنین کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا اس لیے جو شخص شہزادے کا حامی ہو وہ اس کی بیعت کرے اور جو اس کا مخالف ہو وہ لشکر سے علیحدہ ہو جائے۔

امراء کی بیعت

سب سے پہلے خود محمود خاں نے شہزادہ غزنین کی بیعت کی اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اس کے بعد باری باری دوسرے امراء شہزادے کے پاس آئے اور اس کے قدموں کو بوسہ دینے لگے۔ یہ سب لوگ بوسہ دیتے اور بیعت کرتے وقت بے اختیار روتے رہے امیروں کی بیعت سے غزنین کی قوت میں بہت اضافہ ہوا اور اس کی سلطنت مستحکم ہوتی گئی اس کے بعد سلطان ہوشنگ کی لاش شادی آباد مندو میں لے جائی گئی اور ۹ ذی الحجہ کو دفنا دی گئی۔

سلطان ہوشنگ کو دفنانے کے بعد شاہی محل میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں تمام امراء ملک مغیث عرف ملک شرف اور خان جہان وغیرہ نے غزنین خاں کی بیعت کی۔

سلطان ہوشنگ کی کرامت

سلطان ہوشنگ نے تیس (۳۰) سال حکومت کی۔ مندو میں بادشاہ کو ایک خطیرہ کے اندر دفن کیا گیا جو چونہ اور پتھر سے بنایا گیا ہے اس خطیرہ میں سے ہر وقت پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ نے اس خطیرہ کو دیکھا ہے اس میں سوراخ ہیں۔ ہوا ان سوراخوں میں داخل ہوتی ہے اور پھر پانی بن کر ٹپکتی ہے لیکن ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ یہ سلطان ہوشنگ کی کرامت ہے۔

سلطان غزنین المخاطب بہ محمد شاہ بن سلطان ہوشنگ غوری

تخت نشینی

سلطان ہوشنگ غوری کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا غزنین خاں ۸۳۸ھ میں ملک مغیث المخاطب ملک شرف اور اہتمام الملک المخاطب بہ محمود خاں کی کوششوں سے تخت نشین ہوا' اس نے تخت نشینی کے بعد سلطان محمد شاہ کا لقب اختیار کیا- تمام امیروں اور اراکین سلطنت نے نئے بادشاہ کی بیعت کی اور ان کا سابقہ وظیفہ اور جاگیرات بحال رہیں- اس سلسلے میں کسی قسم کی تبدیلی عمل میں نہ آئی-

مغیث اور محمود کی عزت افزائی

ملک مغیث عرف ملک شرف اور محمود خاں کی مخلصانہ حکمت عملی سے ملک میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور رعایا نے محمد شاہ کو دل و جان سے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا- بادشاہ نے ملک مغیث کو مسند عالی کے خطاب سے نوازا اور عہدہ وزارت پر فائز کیا- مغیث کے بیٹے محمود خاں کو امیر الامراء نامزد کیا-

بھائیوں کا قتل

تخت نشینی کے چند روز بعد سلطان غزنین نے اپنے بھائیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا اس کے علاوہ بادشاہ نے اپنے بھتیجے اور داماد نظام خاں اور اس کے تینوں بیٹوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں- یہ ظلم و ستم دیکھ کر لوگ غزنین سے نفرت کرنے لگے اور اس کے خلاف ہو گئے-

ملک میں فتنہ و فساد

بھائیوں کا یہ قتل سلطان غزنین کے حق میں بہت برا ثابت ہوا- اس خونریزی کو ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ سارا ملک فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا- ولایت ناودنی کے راجپوتوں نے موقع پا کر علم بغاوت سربلند کیا اور ملک کے ایک حصہ پر لشکر کشی کر دی- بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے خان جہان کو دس ہاتھی اور ایک خلعت عطا کر کے ۱۵ ربیع الاول ۸۳۸ھ کو باغیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا-

غزنین کی شراب نوشی

محمد شاہ نے بڑی عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کیا اس نے ملکی انتظامات سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے آپ کو شراب نوشی اور عیش کوشی کے حوالے کر دیا اس سلسلے میں اس نے انتہا پسندی کو اپنا شعار بنایا اور ایسا مدہوش ہوا کہ اسے سوائے شیشہ و ساغر اور ساقی کے اور کچھ یاد نہ رہا-

محمود خاں کا اقتدار

محمود خاں کے ملازمین اپنی ثروت و مقدرت کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور ان کی جاگیریں نہایت اعلیٰ درجے کی تھیں وہ تمام امراء اور اکابر جو کسی لحاظ سے محمود خاں کی برابری کا دعویٰ کر سکتے تھے- خان جہان کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے چلے گئے تھے اور پایہ تخت میں محمود خاں سے زیادہ کوئی مقتدر امیر باقی نہ رہا تھا-

محمود خاں کی بادشاہ سے شکایت

پایہ تخت میں ایک گروہ ایسا تھا کہ جسے بادشاہ سے بہت زیادہ ہمدردی تھی اس گروہ کے افراد خاندان غوری سے بڑی عقیدت رکھتے

تھے ان لوگوں نے محمود خاں کے اقتدار کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا اور یہ اندازہ کیا کہ محمود' غزنین خاں کو معزول کر کے بادشاہت کرنے کا خواہاں ہے ان لوگوں نے ایک شاہی حرم کے ذریعے بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا۔ "اپنے اثر و اقتدار کی وجہ سے محمود خاں بہت زیادہ مغرور ہو گیا ہے اور اب آپ کو معزول کر کے اپنی بادشاہت کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

محمود کے قتل کا منصوبہ

بادشاہ نے یہ اطلاع پا کر اپنے بہی خواہوں سے مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے قبل کے محمود خاں کوئی قدم اٹھائے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ محمود خاں کو بھی کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے اس ارادے کی اطلاع ہو گئی اور اس نے کہا "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے عہد شکنی نہیں کی۔"

بادشاہ کی پریشانی

اس کے بعد محمود خاں بہت محتاط ہو گیا اور لشکر فراہم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ محمود نے خفیہ طور پر بہت قوت فراہم کر لی لیکن ظاہری طور پر بادشاہ کے ہاں اپنی آمد و رفت جاری رکھی۔ وہ بادشاہ کے ہاں جب بھی کبھی جاتا بڑی احتیاط برتتا محمود کی اس احتیاط سے بادشاہ اور زیادہ پریشان ہوا۔

بادشاہ اور محمود کی گفتگو

بادشاہ محمود خاں سے بہت خائف تھا ایک روز اس کا خوف یہاں تک بڑھا کہ اس نے محمود خاں کا ہاتھ پکڑا اور اسے حرم سرا کے اندر لے گیا۔ وہاں اس نے اپنی بیگم مخدومہ بیگم کو جو محمود خاں کی بہن تھی بلایا اور اس سے کہا "میں تمہارے سامنے محمود خاں سے کہتا ہوں کہ یہ میرا قصور معاف کر دے اور مجھے جانی نقصان نہ پہنچائے۔ میں سلطنت کے تمام امور بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اس کے حوالے کرتا ہوں۔"

اپنی صفائی میں محمود کا بیان

اس کے جواب میں محمود خاں نے بادشاہ سے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ میرے قول و قرار کو بھول چکے ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی ایسی گفتگو نہ کرتے کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی مفسد نے آپ کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو گا۔ اگر آپ کو میری طرف سے کوئی خطرہ ہے تو اس کا سدباب کر لیجئے میں یہاں تنہا ہوں اور میرا کوئی ساتھی یہاں موجود نہیں ہے آپ جو چاہیں کریں۔

بادشاہ کی کم عقلی

محمود خاں کی زبان سے یہ کلمات سن کر بادشاہ بہت نادم ہوا اور اس نے معذرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے سے "محبت اور خلوص" کی باتیں کیں چونکہ سلطان محمد میں عقل کی کمی تھی اور وہ ہر وقت شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا تھا اس لیے وہ اکثر ایسی حرکتیں کرتا رہتا تھا جن سے محمود خاں کی مخالفت کی بو آتی تھی۔

سلطان محمد کی ہلاکت

یہ صورت حال دیکھ کر محمود خاں نے اپنی کوششیں تیز سے تیز کر دیں۔ محمود بادشاہ کو ہلاک کرنے کے منصوبے بنانے لگا اس نے بادشاہ کے ساقی سے سازباز کی اور اسے بادشاہ کو ہلاک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ساقی نے شراب میں زہر ملا کر بادشاہ کو دوسرے جہاں میں پہنچا دیا۔

شہزادہ مسعود کی تخت نشینی

امیروں کو بادشاہ کی ہلاکت کی اطلاع ہو گئی خواجہ نصراللہ وزیر مشیر الملک' لطیف ذکریا اور دوسرے امیروں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ بادشاہ کے انتقال کی خبر فی الحال مخفی رکھی جائے۔ یہ امراء مرحوم بادشاہ کے بیٹے شہزادہ مسعود خاں کو جس کی عمر تیرہ سال تھی حرم سرا سے باہر لائے اور اسے تخت پر بٹھا دیا۔

امراء کی سازش

اس کے بعد امیروں نے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے محمود کا کام تمام کر دیا جائے۔ امیروں نے بایزید شیخا کو محمود خاں کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا "سلطان محمد تمہیں جلد از جلد آنے کے لیے کہہ رہا ہے تاکہ تمہیں قاصد بنا کر گجرات روانہ کرے۔" محمود خاں نے اس کا جواب کہلوایا "میں اب دنیا کے تمام کاموں سے کنارہ کش ہو چکا ہوں اور اپنے تمام مشاغل کو ترک کر چکا ہوں۔ اب میرا ارادہ ہے کہ باقی عمر سلطان ہوشنگ کے مزار کی جاروب کشی میں ہی گزاروں لیکن اس ارادے کے باوجود چونکہ میں سلطان ہوشنگ کا پروردہ پر داختہ ہوں اس لیے اس امر پر تیار ہوں کہ آپ حضرات میرے غریب خانے پر تشریف لائیں اور مجھ سے جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ سن لیں اور پھر سلطان محمد کو مطلع کر دیں۔"

ملک شیخا کی رائے

ملک بایزید شیخا یہ جواب لے کر امراء کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا "محمود خاں کو اس وقت تک سلطان محمد کے انتقال کی اطلاع نہیں ہے اور وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ بادشاہ زندہ ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ سب لوگ مل کر محمود کے مکان پر جائیں اس کے بعد آپ اسے باسانی سلطانی بارگاہ میں لا کر اس کا کام تمام کر سکتے ہیں۔

امراء کی گرفتاری

امیروں نے ملک شیخا کا مشورہ قبول کیا اور سب مل کر محمود خاں کے مکان پر گئے۔ محمود نے پہلے ہی سے اپنے ملازموں کو مکان کے گوشوں میں چھپا رکھا تھا جس وقت امراء محمود کے مکان میں داخل ہوئے اس وقت محمود نے ان سے سوال کیا۔ "بادشاہ ہوشیار ہے یا مست پڑا ہے۔" امراء اس سوال کا مطلب سمجھ گئے اور ٹھٹک گئے لیکن محمود کے ملازموں نے انہیں سوچنے کی مہلت ہی نہ دی انہوں نے گوشوں سے نکل کر ان تمام امیروں کو گرفتار کر لیا اور موکلوں کے سپرد کر دیا۔

شہزادہ مسعود کے حامیوں کی تیاری

امیروں کی گرفتاری کی خبر جب عام ہو گئی تو شہزادہ مسعود کے حامیوں کو سخت غصہ آیا انہوں نے اپنا نیز شاہی لشکر تیار کیا اور سلطان ہوشنگ کے مزار سے چتر شاہی اتار کر شہزادہ مسعود کے سر پر سایہ افگن کر دیا۔

محمود اور مسعود کے حامیوں میں جنگ

محمود خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے بھی اپنے لشکر کو تیار کیا اور شہزادہ مسعود کو گرفتار کرنے کے لیے شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ محل کے قریب پہنچا تو شہزادہ کے طرف داروں نے مزاحمت کی اور دونوں طرف سے تیر اندازی اور نیزہ بازی ہونے لگی شام تک لڑائی ہوتی رہی غروب آفتاب کے بعد شہزادہ عمر قلعے سے نکل کر بھاگ گیا اور شہزادہ مسعود نے شیخ جابلاہ کے ہاں پناہ لی اس طرح تمام امیر بھی اپنی جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر چھپ گئے۔

محمود شاہی محل میں

صبح تک محمود خاں اپنا لشکر لے کر شاہی محل کے قریب کھڑا رہا جب سورج نکلا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہی محل خالی ہو چکا ہے۔ اور اب وہاں کوئی نہیں ہے اور تمام مخالفین ادھر ادھر چھپ گئے ہیں۔ محمود شاہی محل میں داخل ہو گیا اور اس نے اسی وقت اپنے باپ خان جہان کے نام ایک خط لکھا کہ جلد از جلد یہاں تشریف لائیے اور حکومت سنبھالیے بادشاہت آپ ہی کا حق ہے آپ جلد از جلد تشریف لائیں کیونکہ شاہی تخت کا زیادہ دیر تک خالی رہنا فتنہ و فساد کا باعث ہے آپ جانتے ہیں کہ مالوہ ایک وسیع سلطنت ہے اگر یہاں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے تو پھر انہیں بجھانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک فتنہ پرداز غافل ہیں اور انہیں ہنگامہ آرائی کا موقع نہیں ملا ہے۔"

محمود خاں کی تخت نشینی

خان جہاں نے اس کے جواب میں محمود خاں کو لکھا۔ "خدا کے فضل و کرم سے تم میں بھی فرماں روائی کی اہلیت بدرجہ اتم موجود ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم ہی تخت پر بیٹھو" اس رائے کی محمود خاں کے امراء نے بھی تائید کی۔ محمود خاں نجومیوں کی بتائی ہوئی مبارک گھڑی میں تخت شاہی پر بیٹھ گیا اور تمام امیروں اور اراکین سلطنت نے اس کی بیعت کی۔

سلطان محمد شاہ غوری نے ایک سال اور چند ماہ تک حکومت کی۔

سلاطین خلجیہ

سلطان محمود خلجی

تخت نشینی

قارئین کرام اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہندوستان کی تاریخی کتابوں میں عموماً اور ملا احمد تتوی کی تالیف "تاریخ الفی" میں خصوصاً یہ لکھا ہے کہ سلاطین غوری کی حکومت کے اختتام کے بعد ۲۹ شوال ۸۳۹ھ بروز دوشنبہ محمود خلجی نے مالوہ کی بادشاہت اختیار کی- اس وقت اس کی عمر چونتیس (۳۴) سال تھی سارے ملک میں محمود کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا۔

امراء سے سلوک

سلطان محمود اپنے امیروں پر طرح طرح کی عنایات کرنے لگا ہر ایک کے منصب اور جاگیر میں اضافہ کیا۔ بہت سوں کو خطابات سے نوازا۔ مشیر الملک کو "نظام الملک" کا خطاب دے کر عہدہ وزارت پر فائز کیا۔ ملک برخوردار کو عارض ممالک کا عہدہ "تاج خاں" کا خطاب دیا۔ امیر الامرائی کے منصب پر خان جہان کو فائز کیا اور مالوہ کے بہترین حصے اس کی تحویل میں دیئے۔ نیز "اعظم ہمایوں" کا خطاب چتر اور سفید ترکش مرحمت کیے کہ جو اس وقت بادشاہوں کی شان سمجھے جاتے تھے۔

خان جہان کا احترام

سلطان محمود نے خان جہان کے احترام کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا اور اس کی سواری کو بادشاہوں کے برابر بنا لیا- اس کے نقیب دیساول' سونے چاندی کے عصا ہاتھ میں رکھتے تھے اور جس وقت خان جہان سوار ہوتا تھا تو وہ بلند آواز سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہتے تھے۔

علم پرستی

جب سلطان محمود کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں تو اس نے اہل علم و فضل کی طرف توجہ کی اور ملک کے تمام عالموں فاضلوں کو مالا مال کر کے اپنے گرد جمع کر لیا۔ سارے ملک میں جگہ جگہ مدرسے قائم کئے علماء' فضلاء اور طلباء کے وظیفے مقرر کیے الغرض بادشاہ کی علم پرستی کی وجہ سے مالوہ کا ملک شیراز اور سمرقند کا ہم پلہ ہو گیا۔

امراء کی بغاوت

سلطان محمود کے پاؤں اچھی طرح جم گئے تو سلطان ہوشنگ مرحوم کے امیروں کی ایک جماعت نے جن میں ملک قطب الدین سمنانی اور ملک نصیر الدین دبیر جرجانی بھی شامل تھے۔ رشک و حسد سے بغاوت کا ارادہ کیا ان باغی امیروں نے ایک روز بڑی ناشائستہ حرکت کی۔ شاہی محل سے متصل ایک مسجد تھی' یہ امراء سیڑھیاں لگا کر اس مسجد کے بام پر چڑھ گئے اور وہاں سے محل سرا کے صحن میں اتر آئے۔ اس جگہ پہنچ کر امیروں کو کچھ اور نہ سوجھا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔

بادشاہ کی دلیری

باغی امراء ابھی سوچ بچار ہی میں تھے کہ سلطان محمود کسی کام سے اس طرف آیا اس نے جو ان امیروں کو اپنے محل سرا کے سامنے صحن میں دیکھا تو بہت حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ امیروں کا مقصد کیا ہے۔ بادشاہ اس وقت صرف ترکش لگائے ہوئے تھا اس نے بڑی جرات کا مظاہرہ کیا اور تمام امیروں پر اکیلے ہی حملہ کر دیا اور تیراندازی کر کے چند باغیوں کو زخمی کیا۔

باغیوں کا فرار

اسی اثناء میں مشیر الملک المخاطب بہ نظام الملک اور ملک محمد خضر کو اس امر کی اطلاع ہوئی اور وہ سلاحداروں کی ایک مسلح جماعت کے ہمراہ موقع واردات پر پہنچے۔ باغی امیروں نے جب مصیبت کو سر پر دیکھا تو وہ جس راہ سے آئے تھے اسی راہ سے واپس چلے گئے۔ البتہ ایک شخص جو بہت زیادہ زخمی ہوا تھا' بھاگ نہ سکا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا' اس شخص نے ان تمام لوگوں کے نام بتا دیئے کہ جنہوں نے اس حرکت ناشائستہ کا ارتکاب کیا تھا۔

باغیوں کو سزائیں

سلطان محمود خلجی نے باغیوں کو بلا کر انہیں مناسب سزائیں دیں اگرچہ اس بغاوت میں شہزادہ احمد خاں بن ہوشنگ' ملک یوسف قوام الملک اور ملک نصیر دبیر نے بھی حصہ لیا تھا لیکن اعظم ہمایوں نے سفارش کر کے ان تینوں کو بچا لیا۔ شہزادہ احمد خاں تو برہان پور سے آیا تھا قلعہ اسلام آباد کی حکومت پر متعین کیا گیا۔ ملک یوسف قوام الملک کو "قوام خاں" کا خطاب دے کر بھیلسہ کی جاگیر عطا کی گئی۔ ملک نصیر الدین کو "نصرت خاں" کا خطاب اور چندیری کی جاگیر بخشی گئی۔ ان تینوں کو ان کی جاگیروں پر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔

شہزادہ احمد کی بغاوت

اسلام آباد پہنچ کر شہزادہ احمد خاں نے باغیانہ حرکتوں کا ارتکاب کیا اور اس کی طاقت روز بروز بڑھتی چلی گئی اور وہ اپنے علاقے میں ہنگامے بپا کرتا رہا۔ سلطان محمود کے کہنے سے اعظم ہمایوں نے شہزادہ احمد کو نصیحت کی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخرکار مجبور ہو کر سلطان محمود خلجی نے تاج خاں کو شہزادہ احمد کی شورش کے دفیعے کے لیے نامزد کیا۔

قلعہ اسلام آباد کا محاصرہ

تاج خاں نے اسلام آباد کے قلعے کا محاصرہ کر دیا۔ یہ محاصرہ ایک عرصے تک قائم رہا لیکن اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخرکار تاج خاں نے سلطان محمود کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر مدد کی درخواست کی۔

ملک جہاد اور نصرت خاں کی بغاوت

انہیں دنوں سرکاری مخبروں اور جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ ملک جہاد نے ہوشنگ آباد میں اور نصرت خاں نے چندیری میں بادشاہ کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ سلطان محمود خلجی نے ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے ملک مغیث عرف اعظم ہمایوں کو روانہ کیا۔

اعظم ہمایوں کی لشکر کشی

اعظم ہمایوں اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اور اس نے قلعہ اسلام آباد سے دو کوس کے فاصلے پر قیام کیا۔ تاج خاں اور دوسرے امراء اعظم ہمایوں سے ملاقات کرنے کے لیے آئے اور اس کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ دوسرے روز اعظم ہمایوں نے اس مقام سے کوچ کر کے اسلام آباد کی اطراف کا محاصرہ کر لیا اور مورچلوں کو تقسیم کیا۔

شہزادہ احمد کو راہ راست پر لانے کی کوشش

اعظم ہمایوں نے علماء اور مشائخ کی جماعت کو شہزادہ احمد کے پاس روانہ کیا تاکہ یہ مقدس لوگ بدبخت شہزادے کو صحیح راستے پر چلنے کی نصیحت کریں اور اسے یہ سمجھائیں کہ عہد شکنی بہت بڑا گناہ ہے۔ نیز اس سے یہ عہد لیں کہ وہ آئندہ اپنے دل میں بغاوت کا خیال نہ لائے گا' لیکن احمد خاں نے ان علماء اور شیوخ کی باتوں پر توجہ نہ کی اور ان سے الٹی سیدھی باتیں کر کے ان کو قلعے سے باہر نکال دیا۔

شہزادہ احمد کی ہلاکت

قوام خاں بھی ایک مقتدر امیر تھا اس نے جب شہزادہ احمد کو مصیبت میں گھرے ہوئے دیکھا تو اس نے اعظم ہمایوں کی مخالفت کی وجہ سے شہزادے کو کچھ اسباب اور اسلحہ بطور امداد کے بھجوایا اور آئندہ مدد دینے کا وعدہ کیا۔ شہزادہ احمد خاں کے ایک مطرب نے اعظم ہمایوں کے اثر یا کسی دوسری وجہ سے شہزادے کو شراب میں زہر ملا کر پلا دیا۔ اس سے شہزادے کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اعظم ہمایوں نے باسانی قلعے کو فتح کر لیا۔

قوام کا فرار

اسلام آباد کے قلعے کی فتح کے بعد اعظم ہمایوں ہوشنگ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ قوام خاں جس نے شہزادہ احمد کی مدد کی تھی دل ہی دل میں اپنے قصور کی وجہ سے خائف تھا۔ اس لیے اس نے راستے ہی سے لشکر سے علیحدگی اختیار کی اور بھیلسہ کی طرف بھاگ گیا۔ اعظم ہمایوں نے قوام خاں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور ملک جہاد کی سرزنش کو اس امر پر ترجیح دی۔

ملک جہاد کا قتل

اعظم ہمایوں جب ہوشنگ آباد پہنچا تو ملک جہاد سخت پریشان ہوا۔ اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اعظم ہمایوں کا مقابلہ کرتا' لہذا حواس باختہ ہو کر وہ اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر کوہ پایہ گونڈواڑہ کی طرف بھاگ گیا۔ گونڈواڑہ کے لوگوں کو یہ علم تھا کہ ملک جہاد باغی امیر ہے اس لیے انہوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔

اعظم ہمایوں کی چندیری کو روانگی

اعظم ہمایوں کو جب ملک جہاد کے قتل کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا اور ہوشنگ آباد کے قلعے میں داخل ہوا۔ شہر کا انتظام اعظم ہمایوں نے اپنے ایک معتمد امیر کے سپرد کیا اور خود نصرت خاں کو راہ راست پر لانے کے لیے چندیری کی طرف روانہ ہوا۔

نصرت خاں کی معزولی

چندیری پہنچ کر اعظم ہمایوں نے نصرت خاں کی طرف توجہ کی نصرت خاں نے جب یہ دیکھا کہ اعظم ہمایوں کے سامنے اس کا کچھ بس نہیں چل سکتا تو اس نے خوشامد کا راستہ اختیار کیا اور اعظم ہمایوں کے استقبال کے لیے آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنانے لگا تاکہ اعظم ہمایوں اسے بادشاہ کا بہی خواہ سمجھے اور اس کی بدکرداریوں سے چشم پوشی کرے۔ لیکن اعظم ہمایوں کوئی بچہ تو تھا نہیں جو اس کی باتوں میں آ جاتا اس نے شہر کے اکابر کو جمع کر کے نصرت کے حالات کی تحقیق کی۔ اس تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ نصرت نے اپنے غرور کی وجہ سے اس علاقے میں باغیانہ حرکتوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اعظم ہمایوں نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ حاجی کالو کو چندیری کا حاکم مقرر کیا۔

قوام الملک کی سرزنش

اس کے بعد اعظم ہمایوں بھیلسہ کی طرف روانہ ہوا اور اپنے چند آدمیوں کو قوام الملک کے پاس بھیج کر اس کو راہ راست پر آنے کی ہدایت کی لیکن اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور قوام الملک اپنے موقف پر ڈٹا رہا اس کے بعد اعظم ہمایوں نے سختی شروع کی قوام الملک ڈر کر بھاگ گیا۔ اعظم ہمایوں نے چند روز بھیلسہ میں قیام کیا اور یہاں کے انتظامات ٹھیک کر کے اور اس علاقے میں امن بحال کر کے شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان احمد گجراتی کی مالوہ پر لشکر کشی

راستے میں اعظم ہمایوں کو معلوم ہوا کہ حاکم گجرات سلطان احمد مالوہ کو فتح کرنے کے لیے ایک زبردست لشکر لے کر آ رہا ہے۔ یہ بھی

معلوم ہوا کہ شہزادہ مسعود خاں جو سلطان محمود خلجی سے امان حاصل کر کے گجرات چلا گیا تھا۔ ایک زبردست لشکر اور بیس ہاتھیوں کے ہمراہ سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ اعظم ہمایوں نے سفر کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کرنا شروع کر دیں اور سلطان احمد گجراتی کو چھ کوس پیچھے چھوڑ کر دروازہ تارا پور سے قلعہ مندو میں داخل ہو گیا۔

قلعہ مندو کا محاصرہ

سلطان احمد گجراتی نے قلعہ مندو کے نیچے آ کر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان محمود خلجی اپنے باپ اعظم ہمایوں کی آمد سے بہت خوش ہوا۔ بادشاہ نے ہر روز اپنے لشکر کو گجراتی فوج سے لڑنے کے لیے قلعے سے باہر بھیجنا شروع کر دیا۔ محمود خلجی قلعے سے باہر نکل کر خود بھی جنگ میں حصہ لینا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ اسے ہوشنگ شاہی امراء پر اعتماد نہ تھا اور یہ شک تھا کہیں یہ امراء موقع پا کر علم بغاوت بلند نہ کر دیں۔ حالات کا بادشاہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی دشمن سمجھنے لگا۔

محمود خلجی کی دریا دلی

سلطان محمود خلجی بہت ہی سخی اور فراخ دل انسان تھا اس محاصرہ کے زمانے میں بھی اس نے رعایا کو ہر طرح سے خوش رکھا۔ سرکاری گودام سے وہ غریبوں اور محتاجوں کو غلہ تقسیم کرواتا تھا اس نے لنگر خانے بھی قائم کئے جہاں غریبوں کو پکا ہوا کھانا ملتا تھا۔ بادشاہ کی اس دریا دلی کی وجہ سے رعایا سلطان محمود خلجی سے بے پناہ محبت کرنے لگی۔

گجراتی امراء کی اپنے بادشاہ سے علیحدگی

محمود خلجی کی سخاوت کی وجہ سے قلعہ مندو میں سلطان احمد گجراتی کے لشکر کی نسبت غلہ بہت سستا تھا۔ محمود نے بعض گجراتی امیروں مثلاً سید احمد، صوفی خاں ولد عماد الملک، ملک شرف ملک محمود بن احمد سلحدار، ملک قاسم اور ملک نیام الدین وغیرہ کو جو سلطان احمد شاہ گجراتی کے سخت مخالف تھے۔ جاگیر اور دولت کا لالچ دے کر توڑ لیا اور اپنے پاس بلا لیا۔ اس واقعے سے سلطان محمود خلجی کے تدبر اور دانش مندی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

گجراتی لشکر میں انتشار

گجراتی امیروں کی علیحدگی کی وجہ سے سلطان احمد گجراتی کے لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ محمود خلجی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گجراتی لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا، لیکن سلطان ہوشنگ مرحوم کے ایک امیر نصیر الدین نے سلطان احمد گجراتی کو سلطان محمود کے اس منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

شب خون

منصوبے کے مطابق سلطان محمود خلجی کا لشکر قلعے سے نیچے اترا، لیکن گجراتی لشکر نظر نہ آیا۔ نیز تمام راستے بھی بند تھے اس کے باوجود بھی فریقین میں مقابلہ ہو گیا اور لڑائی شروع ہوئی۔ صبح ہونے تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے لڑتے رہے بہت سے سپاہی مارے گئے صبح ہوئی تو سلطان محمود خلجی قلعے میں واپس آیا۔

چندیری اور سارنگ پور میں ہنگامے

کچھ دنوں بعد شاہی جاسوسوں نے چندیری سے یہ اطلاع دی کہ شہزادہ عمر خاں مالوہ کے موجودہ ہنگاموں کی خبر سن کر چندیری پر حملہ آور ہوا ہے اور وہاں کے لشکر اور رعایا نے حاجی کالو کے خلاف بغاوت کر کے شہزادہ عمر کو اپنا حاکم بنا لیا ہے اس کے علاوہ یہ اطلاع بھی ملی کہ سلطان احمد شاہ گجراتی کا بیٹا شہزادہ محمود خاں پانچ ہزار سواروں اور تین سو ہاتھیوں کا لشکر لے کر سارنگ پور میں آیا ہے اور اس نے

حاکم شہر سے جنگ کر کے اسے قتل کر ڈالا ہے۔
سلطان محمود خلجی نے ان خبروں کو سنا اور اپنے امیروں اور اراکین دولت سے مشورہ کیا بہت سوچ بچار کے بعد یہ طے کیا گیا کہ اعظم ہمایوں تو قلعہ مندو میں قیام کر کے شہر کی حفاظت کرے اور سلطان محمود خلجی قلعہ سے باہر آکر ملک کے درمیانی حصے کی حفاظت کرے۔

محمود خلجی کی سارنگ پور کو روانگی

اس کے بعد سلطان محمود خلجی سارنگ پور کی طرف روانہ ہوا اور اس نے تاج خاں اور منصور خاں کو اپنی روانگی سے پیشتر ہی روانہ کر دیا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے ملک حاجی علی کے راستے کی حفاظت کے لیے اس جگہ متعین کر دیا تھا۔ تاج اور منصور نے اس جگہ پہنچ کر ملک حاجی علی سے جنگ کی اور وہ بھاگ گیا۔

احمد گجراتی کی حفاظتی تدابیر

ملک حاجی علی نے سلطان احمد شاہ گجراتی کے پاس پہنچ کر اس کو یہ بتایا کہ سلطان محمود خلجی مندو سے روانہ ہو کر سارنگ پور کی طرف چلا گیا ہے سلطان احمد گجراتی نے فوراً شہزادہ محمود خاں کے پاس ایک قاصد بھیجا تا کہ شہزادہ سلطان محمود کے سارنگ پور پہنچنے سے پہلے اجین آ جائے۔ شہزادہ محمد کے پاس قاصد بروقت پہنچ گیا اور شہزادہ جلد از جلد اجین میں سلطان احمد گجراتی سے جا ملا۔

ملک اسحاق کا خط محمود خلجی کے نام

سارنگ پور کے حاکم ملک اسحاق بن قطب الملک نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ اس نے اس عریضے میں یہ بھی لکھا کہ "شہزادہ محمد آپ کے آنے کی اطلاع پا کر یہاں سے اجین چلا گیا ہے' لیکن شہزادہ عمر نے سارنگ پور کو فتح کرنے کی غرض سے اپنا لشکر پہلے ہی سے روانہ کر رکھا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے وہ خود بھی آ رہا ہے۔" الغرض ملک اسحاق بن قطب الملک نے اپنے تمام حالات بالتفصیل مرقوم کیے۔

محمود خلجی سارنگ پور میں

یہ خط پڑھ کر سلطان محمود بہت خوش ہوا اور اس نے ملک اسحاق کا قصور معاف کر دیا۔ بادشاہ نے اپنی روانگی سے پہلے تاج خاں کو ملک اسحاق کی مدد کے لیے روانہ کیا اور پھر خود بھی روانہ ہوا۔ ملک اسحاق نے اکابر شہر اور امراء کے ہمراہ سلطان محمود خلجی کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے ملک اسحاق کو دولت خاں کے خطاب اور علم و مورچل سے نوازا۔ نیز ایک خلعت خاص اور دس ہزار تنگے عطا کیے۔ اس کے علاوہ دوسرے امیروں کو بھی انعامات دیئے۔

شہزادہ عمر کی مداخلت

سلطان محمود کے سارنگ پور پہنچنے کے بعد سلطان احمد بھی اجین سے سارنگ پور کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ تیس ہزار سواروں اور تین سو ہاتھیوں کا ایک زبردست لشکر تھا۔ سلطان محمود خلجی نے پہلے عمر خاں کی مدافعت کی طرف توجہ کی اور رات کے پچھلے پہر روانہ ہوا۔ جب دونوں لشکروں میں چھ کوس کا فاصلہ رہ گیا تو بادشاہ نے اپنے کچھ سپاہیوں کو دشمن کی قوت کا اندازہ اور جنگ کا وقت مقرر کرنے کے لیے روانہ کیا۔

اس کے بعد محمود خلجی نے نظام الملک' ملک احمد اور دوسرے امیروں کو میدان جنگ کے انتخاب اور معائنہ کے لیے روانہ کیا۔ اور صبح ہوتے ہی چار لشکروں کو مرتب و منظم کر کے شہزادہ سے جنگ کے لیے چل پڑا۔

جنگ کی تیاریاں

شہزادہ عمر خاں کو بھی سلطان محمود خلجی کی روانگی کی اطلاع ملی اور وہ جنگ کی تیاری کر کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا شہزادے نے اپنے لشکر کو تو محمود خلجی سے جنگ کے لیے بھیج دیا۔ اور خود فوج کے ایک دستے کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے کمین گاہ میں مقیم ہوا۔ اور سلطان محمود خلجی کی فوج کا انتظار کرنے لگا۔

شہزادہ عمر کا عزم

اتفاق سے ایک شخص نے سلطان محمود خلجی کو بتایا کہ شہزادہ عمر اپنی فوج کے ایک حصے کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ محمود خلجی اپنے لشکر کو لے کر شہزادہ کی جانب بڑھا۔ شہزادے کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ "محمود ایک ملازم ہے اور اس کے سامنے سے بھاگنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ میدان میں ثابت قدمی سے لڑتے ہوئے جان دے دینا ہی بہادری کا تقاضا ہے۔"

شہزادے کا قتل

اس کے بعد شہزادے نے سلطان محمود خلجی کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا اور عین لڑائی کے دوران میں دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ محمود خلجی کے حکم سے شہزادے کو قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ایک نیزے پر لٹا کر اس کے لشکر کو دکھایا گیا۔ شہزادے کے لشکر کے سردار شہزادے کا سر دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے سلطان محمود خلجی کو پیغام دیا۔ "آپ آج ازراہ کرم جنگ ملتوی کر دیں۔ ہم انشاء اللہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔"

شہزادے کے لشکر کی اپنے ملک کو روانگی

اس کے بعد فریقین کے لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں میں چلے آئے اور جنگ ملتوی کر دی گئی۔ رات کے وقت مقتول شہزادے کا لشکر اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا اور اہل لشکر نے ملک سلیمان بن مشیر الملک غوری کو جو شہزادہ عمر کا رشتہ دار تھا اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ ملک سلیمان نے "سلطان شہاب الدین" کا لقب اختیار کیا۔

سلطان احمد سے مقابلے کا ارادہ

سلطان محمود خلجی نے فوج کے ایک حصے کو سلطان شہاب الدین کی مدافعت کے لیے نامزد کیا اور خود سلطان احمد شاہ گجراتی سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابھی فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے بھی نہ آئے تھے کہ سلطان احمد گجراتی کے لشکر کے کچھ پاک باطن لوگوں نے حضرت محمد صلعم کو خواب میں دیکھا کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ "آسمانی بلا نازل ہو چکی ہے اس لیے سلطان احمد کو کہو کہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جائے۔"

گجراتی لشکر میں وبا اور سلطان احمد کی واپسی

یہ خواب سلطان احمد گجراتی سے بیان کیا گیا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی اس بے ادبی کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجراتی لشکر میں وبائی امراض پھیل گئے اور لشکری دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ اموات اس قدر کثرت سے ہوئیں کہ مرنے والوں کو دفن کے لیے قبریں کھودنا مشکل ہو گیا آخر پریشان ہو کر احمد گجراتی نے اپنے ملک کی راہ لی۔

چندیری کو روانگی

سلطان احمد گجراتی نے شہزادہ مسعود سے یہ وعدہ کیا کہ میں اگلے سال یہ ملک فتح کر کے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ "سلطان محمود خلجی بھی مندو کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر اس نے سات دن تک اپنے لشکر کو درست کیا۔ اور اہل چندیری کی بغاوت کو دبانے کے لیے

روانہ ہوا۔

شہاب الدین کی وفات

ملک سلیمان المخاطب بہ سلطان شہاب الدین قلعے سے باہر آیا اس نے سلطان محمود خلجی سے بڑی جرات و بہادری سے جنگ کی۔ محمود خلجی کی قوت شہاب الدین سے کہیں زیادہ تھی اس لیے آخر الذکر کے قدم میدان میں جم نہ سکے اور وہ پریشان ہو کر قلعے کی طرف بھاگ گیا اور وہاں پناہ گزین ہوا۔ تین دن کے بعد شہاب الدین اپنی طبعی اجل سے قلعے کے اندر وفات پا گیا۔

اہل چندیری کی معرکہ آرائی

اہل قلعہ نے ایک دوسرے شخص کو سلطان شہاب الدین کے لقب سے اپنا بادشاہ چن لیا اور اس کی نگرانی میں جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ چندیری کے امراء موقع پا کر قلعے سے باہر آئے اور سلطان محمود خلجی سے معرکہ آرا ہوئے لیکن پہلے کی طرح میدان جنگ سے فرار ہو کر پھر قلعے میں پناہ گزین ہوئے۔

محمود کا قلعہ چندیری میں داخلہ

سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ یہ محاصرہ تقریباً آٹھ ماہ تک جاری رہا لیکن کامیابی کی صورت کوئی نظر نہ آئی۔ محمود خلجی اس تمام عرصے میں قلعے کے اندر داخل ہونے کا موقع ڈھونڈتا رہا۔ آخر کار بہت کوششوں کے بعد اسے یہ موقع مل ہی گیا اور ایک رات چپکے سے وہ قلعے کے اندر داخل ہو گیا اس کے پیچھے پیچھے اس کے لشکری بھی قلعے کے اندر چلے آئے۔ ان لوگوں نے اہل قلعہ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا جو لوگ بچ گئے وہ پہاڑ کے ایک حصہ میں پناہ گزین ہو گئے۔

اہل قلعہ کی امان طلبی

پناہ گزین زیادہ دیر تک محمود کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکے بادشاہ نے ان کا پتہ لگا ہی لیا۔ اہل قلعہ نے جب دیکھا کہ اب بچاؤ کی صورت نہیں رہی ہے تو انہوں نے سلطان محمود خلجی سے جان کی امان طلب کی۔ سلطان محمود نے ان کی یہ درخواست اس شرط پر منظور کی کہ تمام اہل قلعہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کے ساتھ اردو کے بازار سے گزریں تاکہ عام لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ بادشاہ خوش کردار اور اپنے عہد کا پابند ہے۔

دونگر سین کی بغاوت

اہل قلعہ نے یہ شرط منظور کر لی اور اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کے ہمراہ قلعے سے باہر نکل آئے۔ سلطان محمود خلجی نے چندیری کی حکومت کا نیا انتظام کیا اور مندو واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ اس سلسلے میں تیاری کر ہی رہا تھا کہ جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ دونگر سین نے راجہ گوالیار کے تعاون سے محاصرہ کر لیا ہے یہ خبر سنتے ہی سلطان محمود خلجی نے مندو جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

محمود خلجی گوالیار میں

ان دنوں سخت بارشیں ہو رہی تھیں دوسرے چندیری کے طویل محاصرے کی وجہ سے سلطان محمود کا لشکر بہت تھک گیا تھا لیکن سلطان محمود نے ان باتوں کی پروا نہ کی اور گوالیار کی جانب روانہ ہو گیا۔ گوالیار پہنچ کر بادشاہ نے اس علاقے میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا۔

راجپوتوں سے جنگ

راجپوتوں کا ایک لشکر سلطان محمود سے جنگ کرنے کے لیے قلعے سے باہر آیا۔ سلطان محمود کی فوج راجپوتوں کی فوج سے کہیں زیادہ

تھی- اس لیے راجپوت زیادہ دیر تک میدان جنگ میں نہ ٹھہر سکے اور موقع پاکر واپس قلعے میں چلے گئے- دونگر سین کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اطراف شہر سے روانہ ہوا- اور گوالیار کی طرف آیا اس کے بعد سلطان محمود خلجی نے مندو کی طرف رخ کیا اور گوالیار کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کا مقصد شہر نو کو دونگر سین کے قبضے سے نکالنا تھا اور یہ مقصد بخوبی پورا ہو گیا تھا-

جامع مسجد اور مقبرہ سلطان ہوشنگ کی تعمیر

سلطان محمود خلجی نے ۸۴۴ھ میں سلطان ہوشنگ مرحوم کے مقبرے اور جامع مسجد کو جو راموی دروازہ کے قریب ہے اور اٹھائیس ستونوں پر مشتمل ہے تعمیر کروانا شروع کیا- تھوڑی سی مدت میں یہ عمارتیں مکمل ہو گئیں-

دہلی کے امراء و اکابر کے خطوط

۸۴۴ھ میں سلطان محمود خلجی کے نام میوات کے امراء اور دہلی کے اکابر کے بہت سے خطوط وصول ہوئے جن میں یہ لکھا تھا- "سلطان مبارک شاہ بادشاہت کے قابل نہیں ہے اور وہ امور سلطنت کو بخوبی انجام نہیں دے سکتا- ملک ظلم و فساد کا مرکز بنا ہوا ہے- غریبوں پر شب و روز ظلم ہوتے ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہے- چونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کی تمام صفات عطا کی ہیں اس لیے آپ ہماری طرف توجہ فرمائیں- اس ملک کی رعایا آپ کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے جان و دل سے تیار ہے-

دہلی فتح کرنے کا ارادہ

اسی سال کے آخر میں سلطان محمود نے لشکر تیار کر کے دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے روانہ ہوا- جب بادشاہ قصبہ بندون کے نواح میں پہنچا تو یوسف خاں بندونی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا- اس مقام سے کوچ کر کے سلطان محمود خلجی آگے بڑھا سامنے کی طرف سے مبارک شاہ بھی فوج لے کر مقابلے کے لیے آیا-

سلطان مبارک شاہ کی پست ہمتی

سلطان مبارک شاہ کا لشکر سلطان محمود خلجی کی فوج سے کہیں زیادہ تھا لیکن جب مبارک محمود کے قریب پہنچا تو کچھ پریشان سا ہو گیا- اس کو معرکہ آرائی کی ہمت نہ ہوئی اور اس نے جنگ کا خیال ترک کرنے اور دہلی کو خیرباد کہہ کر پنجاب کی طرف چلے جانے کا ارادہ کیا-

سلطان مبارک کا احساس ندامت

سلطان مبارک کا یہ ارادہ پست ہمتی کی ایک بہت بڑی مثال تھا- اس نے اپنے اس ارادے پر جب غور کیا تو اسے احساس ہوا کہ اگر اس نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو اس کی سخت بدنامی ہو گی- نیز اپنے امیروں سے بھی اسے شرم آئی لہٰذا اس نے اپنے ارادے میں ترمیم کی اور یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ کو سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے کی ضرورت ہے اور امراء کو شہزادے کے ہمراہ میدان جنگ میں جانا چاہیے-

جنگ کی تیاریاں

دہلوی امراء اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے کے لیے دہلی سے باہر نکلے- ملک بہلول لودھی جو اس زمانے میں سلطان مبارک کا ملازم اور تیراندازوں کے بہترین لشکر کا سردار تھا مقدمہ لشکر کے ساتھ ساتھ چلا- محمود خلجی کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان مبارک دہلوی لشکر کے ساتھ نہیں ہے تو اس نے بھی فوج کا کچھ حصہ اپنے ساتھ رکھ کر باقی لشکر اپنے دو بیٹوں غیاث الدین اور قدیر خاں کی ماتحتی میں روانہ کر دیا-

جنگ

دو لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے اور ظہر کے وقت سے رات تک لڑائی جاری رہی دونوں طرف کے بہادر داد شجاعت دیتے

رہے اور اپنی جانوں کی بازی لگاتے رہے۔ اس کے بعد دونوں اطراف سے طبل بازگشت کی آواز آئی اور دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں پر چلے گئے۔

محمود خلجی کا پریشان کن خواب

اتفاق سے سلطان محمود خلجی نے اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ چندیری کے چند مفسدوں اور بدمعاشوں نے قلعہ شادی آباد مندو پر حملہ کیا ہے اور سلطان ہوشنگ کے مزار سے چتر اتار کر ایک مجہول النسب شخص کے سر پر سایہ فگن کر دیا ہے۔ صبح کو جب سلطان محمود بیدار ہوا تو اس کے چہرے سے فکر اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

سلطان مبارک سے صلح اور محمود کی واپسی

سلطان محمود پریشانی کے عالم میں دیر تک یہ سوچتا رہا کہ ایسی کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ وہ محفوظ و سلامت مالوہ پہنچ جائے۔ سلطان محمود ابھی اسی سوچ بچار ہی میں مستغرق تھا کہ سلطان محمد مبارک شاہ نے بھی جو بہت ڈرپوک اور بے عقل تھا پریشانی کا اظہار کیا اور علماء کی ایک جماعت کو صلح کی گفتگو کرنے کے لیے سلطان محمود خلجی کے پاس بھیجا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں' سلطان محمود نے فوراً صلح کی شرائط تسلیم کیں اور ظاہری طور پر سلطان مبارک شاہ کو ممنون احسان کر کے مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔

محمود خلجی مندو میں

راستے میں سلطان محمود خلجی کو یہ اطلاع ملی کہ جس رات اس نے خواب دیکھا تھا اسی رات شادی آباد مندو میں چند فتنہ پردازوں نے ہنگامہ و فساد برپا کیا تھا لیکن اعظم ہمایوں نے اپنی دانش مندی سے اس فتنے کو دبا دیا۔ بعض تاریخی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود خلجی اس وجہ سے مالوہ کی طرف روانہ ہوا تھا کہ اسے سلطان احمد گجراتی کی مالوہ پر لشکر کشی کی اطلاع ملی تھی۔ یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ سلطان محمود خلجی نے مندو پہنچ کر امیروں اور اراکین سلطنت وغیرہ کو اعزاز و انعام سے نوازا۔

ظفر آباد کا سفر

اسی سال سلطان محمود ظفر آباد نعلچہ میں آیا اور اس نے اس جگہ ایک عظیم الشان باغ کی بنیاد ڈالی اور اس باغ میں ایک گنبد اور چند بہترین عمارتیں تعمیر کروائیں۔ کچھ مدت کے بعد بادشاہ نے اپنے لشکر کو نئے سرے سے مرتب و منظم کیا اور ۸۴۶ھ میں راجپوتوں کی سرزنش کے لیے چیتور کی طرف روانہ ہوا۔

حاکم کالپی کی بدعنوانیاں

سلطان محمود خلجی کو کالپی کے حاکم نصیر ولد عبدالقادر کی مفسدانہ حرکتوں کی اطلاع ہوئی۔ یہ امیر اپنی حد سے تجاوز کر کے نصیر شاہ کا لقب اختیار کر کے مستقل بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ کالپی کی رعایا اور اکابر نے بادشاہ کے نام بہت سے خطوط روانہ کیے کہ جن میں نصیر شاہ کی بدعنوانیوں کی شکایت کی گئی تھی۔ اور بادشاہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس ظالم شخص کو راہ پر لائے۔

محمود کی کالپی کو روانگی

سلطان محمود نے چیتور جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور نصیر شاہ کی سرزنش کی طرف توجہ کی اور اس مقصد سے وہ کالپی کی طرف روانہ ہوا۔ نصیر شاہ کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اپنے معلم علی خاں کو بہت سے تحفے تحائف دے کر سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا۔ اور یہ گزارش کی "میرے مخالفوں نے آپ سے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے آپ اپنے کسی معتمد امیر کو بھیج کر اصل حالات کی تحقیق فرما سکتے ہیں۔ اگر آپ میری ذرا سی بھی کوئی بدعنوانی دیکھیں تو مجھے جو سزا چاہیں دیں۔" سلطان محمود چند روز

تک نصیر شاہ کے قاصد سے ملنے سے انکار کرتا رہا اور بلاتوقف سفر کی منزلیں طے کرتا رہا۔

نصیر خاں کی معافی

شاہی لشکر جب سارنگ پور کے نواح میں پہنچا تو اعظم ہمایوں اور دوسرے ارا کین نے بادشاہ سے نصیر شاہ کی سفارش کی اس وجہ سے سلطان محمود نے نصیر شاہ کا قصور معاف کر دیا اور اس کے قاصد علی خاں کو بازیابی کا شرف بخشا۔ بادشاہ نے نصیر شاہ کے ارسال کردہ تحفے قبول کیے اور اس کے نام ایک نصیحت آمیز خط لکھا اور آئندہ راہ راست پر چلنے کی ہدایت کی۔

سلطان محمود چیتور میں

اس کے بعد سلطان محمود نے سارنگ پور سے چیتور کا رخ کیا اور دریائے بھیم کو پار کر کے چیتور کے علاقے کو تباہ و برباد کرنا شروع کیا۔ بادشاہ ہر روز اپنے لشکر کو دشمن کے علاقے میں بھیجتا اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتا۔ اس نے چیتور کی رعایا کو بہت تنگ کیا۔ بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کیا' مندر مسمار کروا دیئے اور ان جگہوں پر مسجدیں تعمیر کروائیں۔ بادشاہ ہر منزل میں تین تین چار چار دن قیام کرتا آخر کار اس نے چیتور کے سب سے بڑے قلعے سلمیر کے قریب قیام کیا۔

قلعے کا محاصرہ

سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا راجہ کونبھا محصور ہو کر جنگ کرنے لگا راجپوتوں نے قلعے کے سامنے ایک مندر بنوا رکھا تھا۔ اس مندر سے دور ایک حصار بھی تھا جس میں راجپوتوں نے سامان جنگ جمع کر رکھا تھا سلطان محمود نے پہلے اسی بت خانے کو فتح کرنے کی کوشش کی اور ایک ہفتے کی محنت کے بعد آخر کار اس مندر کو فتح کر لیا۔ بہت سے راجپوت مارے گئے اور ان کی بھاری تعداد گرفتار ہوئی۔

ایک مندر کی تباہی

سلطان محمود خلجی نے یہ حکم دیا کہ مندر کے اندر لکڑیوں کا ڈھیر کر کے اسے آگ لگائی اور اس کی دیواروں پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم الشان عمارت جسے راجپوتوں نے سالہا سال کی محنتوں سے تعمیر کروایا ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئی۔ بتوں کو توڑ توڑ کر قصابوں میں تقسیم کیا گیا تاکہ وہ سنگ ترازو بنا لیں۔ ایک بڑا بت جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اسے پیس کر چونا بنایا گیا اور پھر یہ چونا پانوں میں ڈال کر راجپوتوں کو کھلایا گیا گویا راجپوت اپنے معبود کو نوش کر گئے۔

سلطان محمود کی خوشی

سلطان محمود اپنی اس کامیابی پر بے انتہا خوش ہوا اس نے ایک ایسے عظیم الشان مندر کو مسمار کیا تھا کہ سلاطین گجرات ایک عرصے کی کوششوں کے باوجود بھی جس کا محاصرہ تک نہ کر سکے تھے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ اصل شہر چیتور کی جانب روانہ ہوا۔

راجہ کونبھا کا فرار

سلطان محمود چیتور کے نواح میں آیا اور اس نے اس قلعے کو جو پہاڑ کے دامن میں واقع تھا جنگ کر کے فتح کر لیا اور بہت سے راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بادشاہ چیتور کے محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ راجہ کونبھا قلعے میں موجود نہیں ہے اور آج ہی قلعے سے باہر نکل کر کوہ پایہ کی جانب بھاگ گیا ہے۔

راجہ کی قلعہ چیتور میں واپسی

سلطان محمود نے راجہ کونبھا کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی فوج کے ایک حصے کو اس مقصد کے لیے روانہ کیا شاہی فوج نے راجہ کو جا لیا۔ راجہ کے ساتھ بھی اچھا خاصہ لشکر تھا لہٰذا فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی۔ راجہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ میدان جنگ سے

فرار ہو کر دوبارہ قلعہ چیتور میں پناہ گزین ہو گیا۔

قلعہ چیتور کا محاصرہ

سلطان محمود نے اپنے لشکر کے حصے کو قلعہ چیتور کے محاصرے پر متعین کیا اور خود ملک کی سرحد پر قیام پذیر ہوا۔ اور وہاں سے روزانہ اپنے لشکر کے مختلف حصوں کو تباہی و بربادی کا بازار گرم کرنے کے لیے روانہ کرنے لگا۔ محمود خلجی نے اعظم ہمایوں کو طلب کیا اور اسے چیتونا کے علاقے پر جو مندسور میں واقع ہے قبضہ کرنے کے لیے کہا۔

اعظم ہمایوں کا انتقال

بادشاہ کے حکم کے مطابق اعظم ہمایوں مندسور پہنچا وہاں وہ بیمار پڑ گیا اور اسی بیماری کے سبب اس کا انتقال ہو گیا۔ سلطان محمود کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت غمگین ہوا اور گریہ و زاری کرتا ہوا مندسور پہنچا۔ یہاں اس نے اپنے باپ کی لاش کو مالوہ روانہ کر دیا۔

تاج خاں کا اعزاز

سلطان محمود نے اپنے داماد اور عارض لشکر تاج خاں کو اعظم ہمایوں کا خطاب عطا کیا۔ اور وہ لشکر جو مرحوم اعظم ہمایوں کی ماتحتی میں تھا وہ اس جدید اعظم ہمایوں کی ماتحتی میں دے دیا۔ اور پھر بادشاہ لشکر گاہ میں واپس آ گیا اس زمانے میں بارشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اس لیے سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ یہ زمانہ کسی اونچی جگہ پر گزار لیا جائے اور جب برسات کا موسم ختم ہو جائے تو پھر قلعہ جیسور کا دوبارہ محاصرہ کر لیا جائے۔

محمود کے لشکر پر شب خون

راجہ کونبھا نے اس سے قبل کہ سلطان محمود اس پر حملہ کرے خود ہی سلطان محمود پر ۸۴۶ھ میں جمعے کی رات کو شب خون مارا اس کے ساتھ بارہ ہزار سواروں اور چھ ہزار پیادوں کا ایک جرار لشکر تھا۔ سلطان محمود نے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے لشکر کی حفاظت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی اور الٹا اسی کا نقصان ہوا اور بہت سے راجپوت مارے گئے۔

راجہ کے لشکر پر شب خون، فتح اور واپسی

دوسرے روز سلطان محمود خلجی نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ راجہ کونبھا کے لشکر پر شب خون مارا راجہ کونبھا زخمی ہو کر بھاگ گیا۔ اور اس کے بے شمار راجپوت سپاہی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ سلطان محمود نے راجہ کا بہت سا سامان اپنے قبضے میں کر لیا اور اس کامیابی پر خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ بادشاہ نے اس کامیابی پر اکتفا کی اور قلعہ جیسور کی فتح کو آئندہ سال پر اٹھا رکھا اس کے بعد بادشاہ مندو میں واپس آ گیا اور وہاں مذکور بالا سال میں ماہ ذی الحجہ کے آخر میں ایک مدرسہ اور ہوشنگ شاہ کی جامع مسجد کے سامنے ایک ہفت منظری مینار تعمیر کروایا۔

ابراہیم شرقی کے سفیر کی آمد

۸۴۷ھ میں سلطان ابراہیم شرقی کا سفیر بہت سے تحفے اور ہدیے لے کر سلطان محمود خلجی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ گراں قدر اشیاء بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے ابراہیم شرقی کا یہ پیغام زبانی دیا۔ "نصیر شاہ بن عبدالقادر مذہب اسلام سے کنارہ کش ہو کر زندیق و ملحد ہو گیا ہے اس نے نماز و روزہ اور دیگر ارکان اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ مسلمان عورتوں کو وہ ہندو سازندوں کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ انہیں رقص و سرور کی تعلیم دی جائے۔"

انہوں نے سلطان محمود خلجی اور سلطان محمود شرقی میں ان شرائط پر صلح کروا دی کہ سلطان شرقی قصبہ راتبہ اور موجہ فوراً نصیر خاں کے حوالے کر دے۔ اور سلطان محمود خلجی اپنے پایہ تخت کو واپس چلا جائے جب اس واقعہ کو چار ماہ گزر جائیں تو محمود شرقی کالپی سے بھی دست بردار ہو جائے۔ اس سلسلے میں چار ماہ کی مدت اس لیے رکھی گئی کہ اس دوران میں نصیر خاں کی اسلام دوستی کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ اس کے بعد سلطان محمود خلجی مندو کی طرف روانہ ہوا۔

ایک عظیم الشان شفا خانے کا قیام

۸۴۹ھ میں سلطان محمود خلجی نے ایک شفاخانہ قائم کیا اور اس میں اس زمانے کے بہترین حکیم مولانا فضل اللہ کو مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے متعین کیا۔ اس شفا خانے کے اخراجات کے لیے چند قصبے وقف کیے گئے۔

قلعہ منڈل گڑھ پر لشکر کشی

۸۵۰ھ میں بادشاہ نے قلعہ منڈل گڑھ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا۔ سلطان محمود بڑی تیز رفتاری سے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دریائے بیاس کے کنارے پہنچا۔ راجہ کونبھا میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ خلجی فرماں روا کا مقابلہ کرتا اس لیے وہ قلعہ منڈل گڑھ میں محصور ہو گیا۔

راجپوتوں سے لڑائی

اس واقعہ کے دو تین روز بعد راجپوتوں کا ایک لشکر قلعے سے باہر نکلا اور سلطان خلجی کے لشکر سے لڑا اگرچہ ان راجپوتوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن سلطان محمود کے سامنے ان کا چراغ نہ جلا۔ آخرکار راجپوتوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی اور پیش کش دینا قبول کیا۔ سلطان محمود نے مصلحت وقت کے لحاظ سے اس درخواست کو منظور کیا اور اپنے پایہ تخت کو واپس آ گیا۔

قلعہ بیانہ پر لشکر کشی

کچھ مدت بعد بادشاہ نے پھر اپنے لشکر کو تیار کیا اور قلعہ بیانہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے قلعہ بیانہ سے دو کوس کے فاصلے پر قیام کیا اس قلعے کے حاکم محمود خاں نے اپنے بیٹے واحد خاں کو ایک سو گھوڑوں اور ایک لاکھ تنکوں کے ساتھ سلطان خلجی کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کی اطاعت و وفاداری کا وعدہ کیا۔

حاکم بیانہ کی اطاعت

سلطان محمود خلجی نے محمد خاں کی پیش کش قبول کی اور واحد خاں کو خلعت خاص عطا کیا اور واپسی کی اجازت دی۔ اس کے بعد سلطان محمود نے محمد خاں کے لیے ایک زردوزی قبا اور دوسری اشیا بھجوائیں۔ محمد خاں نے اس قبا کو زیب تن کیا اور سلطان محمود خلجی کی بے حد تعریف کی۔ بیانہ میں دہلی کے بادشاہ کے نام کا خطبہ و سکہ جاری تھا محمد خاں نے اس کو منسوخ کیا اور اس کی جگہ سلطان محمود خلجی کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔

قصبہ بنور کی فتح اور واپسی

اس کے بعد بادشاہ نے مراجعت کی راستے میں بادشاہ نے قصبہ بنور کو جو رنتھنبور کے قریب واقع ہے فتح کیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے تاج خاں سپہ سالار کو آٹھ ہزار سواروں اور پچیس ہاتھیوں کے ساتھ قلعہ چیتور کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ سلطان محمود نے راجہ کوٹہ سے ایک لاکھ پچیس ہزار تنکے بطور پیش کش وصول کیے اور شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔

راجہ گنگ داس کا معروضہ

۸۴۵ھ میں قلعہ جینانیر کے حاکم راجہ گنگ داس نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں پیش کش ارسال کی اور یہ معروضہ پیش کیا۔ ان دنوں سلطان محمد شاہ بن احمد گجراتی نے قلعہ جینانیر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ چونکہ میں ہمیشہ آپ ہی سے امداد طلب کرتا ہوں لہٰذا اس بار بھی ملتمس ہوں کہ میری مدد کی جائے۔

جینانیر کو روانگی

سلطان محمود نے گنگ داس کی مدد کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے لشکر جمع کر کے جینانیر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں محمود خلجی کو یہ خبر ملی کہ سلطان محمد شاہ گجراتی پیش کش وصول کرنے کے لیے ایدر کی طرف چلا گیا۔ اس وجہ سے محمود خلجی واپس لوٹا اور دریائے مہندری کے کنارے قیام پذیر ہوا۔

واپسی

راجہ گنگ داس تیرہ لاکھ تنکے اور چند گھوڑے لے کر مہندری دریا کے کنارے پر آیا اور اس نے سلطان محمود سے ملاقات کر کے پیش کش نذر کی۔ بادشاہ نے راجہ کو خلعت فاخرہ عطا کی اور پھر وہاں سے شادی آباد مندو میں واپس آیا۔ راستے میں بادشاہ نے ایدر کے راجہ کو تین لاکھ تنکے پانچ ہاتھی اور اکیس گھوڑے انعام میں دیئے اور اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد سلطان خلجی ایک عرصے تک مندو ہی میں مقیم رہا اور ملکی انتظامات میں مشغول رہا۔

فتح گجرات کا ارادہ

۸۵۵ھ میں سلطان محمود نے گجرات کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہیوں کا لشکر تیار کر کے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے قصبہ کاتی نوالہ سے گزر کر سلطان پور کا محاصرہ کر لیا۔ اس علاقے میں سلطان محمد شاہ گجراتی کا گماشتہ ملک علاؤ الدین سہراب تھا اس نے پہلے تو چند روز تک قلعے سے باہر نکل کر سلطان خلجی کے لشکر سے جنگ کی لیکن جب اسے اپنے گجراتی فرماں روا کی طرف سے امداد ملنے کی توقع نہ رہی تو اس نے سلطان محمود خلجی سے امان طلب کی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضری دی۔

احمد آباد کو روانگی

سلطان محمود خلجی نے علاؤ الدین سہراب کے بال بچوں کو تو شادی آباد مندو روانہ کر دیا اور اس سے وفاداری کا وعدہ لے کر اپنے مقدمہ لشکر پر نامزد کیا۔ بادشاہ نے سہراب کو "مبارز خاں" کا خطاب دیا۔ اس کے بعد بادشاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

محمد شاہ گجراتی کا انتقال

راستے ہی میں سلطان محمود خلجی کو یہ اطلاع ملی کہ سلطان محمد شاہ گجراتی کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا سلطان قطب الدین اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا ہے۔ سلطان محمود خلجی اگرچہ گجرات پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس موقعے پر اس نے انسانی ہمدردی سے کام لیا اور سلطان قطب الدین کے نام ایک خط لکھا جس میں اس کو تخت نشینی کی مبارک باد دی گئی تھی۔ اور سلطان محمد شاہ گجراتی کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا تھا۔

قصبہ برودرہ کی تباہی

اس کے بعد سلطان خلجی نے قصبہ برودرہ میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا اور کئی ہزار ہندوؤں اور مسلمانوں کو گرفتار کر کے چند روز

اسی جگہ قیام کیا۔ محمود خلجی نے اس قصبے کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور خوب جی بھر کے لوٹ مار کی اس کے بعد وہ احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔

علاؤ الدین سہراب کی غداری

بادشاہ جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ علاؤ الدین سہراب موقع و محل کا منتظر تھا اور اپنے قدیم آقا سے ملنے کے لیے بے قرار تھا۔ آخر کار اس نے سلطان محمود خلجی سے غداری کی اور سلطان قطب الدین گجراتی کے پاس چلا گیا۔

گجراتی اور مالوی لشکر کی تیاری

سلطان محمود خلجی احمد آباد سے پانچ کوس کے فاصلے پر قصبہ سرکچ میں مقیم ہوا۔ قطب الدین گجراتی نے بھی جنگ کی تیاری کی اور اپنا لشکر لے کر قصبہ سرکچ سے تین کوس کے فاصلے پر قیام پذیر ہوا۔ چند روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ڈٹے رہے اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

گجراتی لشکر پر شب خون کی ناکام کوشش

یکم صفر ۸۵۵ھ کو سلطان محمود خلجی نے دشمن کی فوج پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا اور اپنی لشکر گاہ سے باہر نکلا جو شخص راستے بتانے پر متعین تھا وہ خود ہی راستہ بھول گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان محمود کو ساری رات ایک بہت بڑے جنگل میں گزارنی پڑی۔

مالوی لشکر کی تنظیم

دوسرے دن صبح کو سلطان محمود خلجی نے اپنے میمنہ کو سارنگ پور کے لشکر سے تنظیم کیا اور اسے اپنے بڑے بیٹے غیاث الدین کی نگرانی میں دیا۔ میسرہ پر چندیری کے امراء کو مقرر کیا اور اس حصہ لشکر کا نگران اپنے چھوٹے بیٹے فدائی خان کو بنایا۔ بادشاہ نے خود قلب لشکر میں قیام کیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔

معرکہ آرائی

سلطان قطب الدین نے بھی گجراتی لشکر کو مرتب و منظم کیا اور معرکہ آرائی کے لیے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ گجراتی اور مالوی لشکروں کے مقدمے ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ گجراتی مقدمہ لشکر شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ چندیری کے مقتدر امیر ملک اشرف مظفر ابراہیم نے مالوی لشکر کے میسرہ سے علیحدہ ہو کر گجراتی لشکر کے میمنہ پر حملہ کیا۔ گجراتی میمنہ اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔

ملک اشرف کی بہادری

ملک اشرف نے سلطان قطب الدین گجراتی کی بارگاہ تک گجراتی میمنہ کا تعاقب کیا۔ اس نے دشمن کی فوج کو بڑی بری طرح تباہ و برباد کیا نیز سلطان قطب الدین کے خزانے پر قبضہ کر لیا۔ ملک اشرف کے پاس جس قدر ہاتھی تھے ان پر جتنا بھی خزانہ لادا جا سکا لادا گیا اور یہ خزانہ وہ مالوی لشکر میں چھوڑ آیا۔ وہ دوبارہ اپنے ہاتھیوں کو دشمن کا بقیہ خزانہ لادنے کے لیے لانا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ یہ خبر ملی کہ گجرات کی فوج کے ایک حصے نے شہزادہ فدائی خاں پر شدید حملہ کر کے اسے پریشان کر رکھا ہے۔ شہزادہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

سلطان خلجی کی دلاوری

ملک اشرف نے اپنے ہاتھیوں اور فوج کو ساتھ لیا اور ایک گوشے میں مقیم ہو گیا۔ سلطان محمود خلجی اپنے لشکر کی پراگندگی اور میسرہ کی شکست پر بہت متعجب ہوا لیکن اس صورت حال سے وہ قطعاً شکستہ خاطر نہ ہوا اور صرف چالیس سواروں کے ساتھ نہایت استقلال اور

جواں ہمتی سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب تک سلطان محمود خلجی کے ترکش میں تیر رہے اس نے اپنی فوج کی کمان داری میں کوتاہی نہ کی۔

محمود خلجی کا شاندار کارنامہ

سلطان قطب الدین گجراتی مع ایک زبردست لشکر کے ایک گوشے میں چھپا ہوا تھا اس نے جب صورت حال کو اپنے موافق پایا تو وہ اس گوشے سے باہر نکلا اور سلطان محمود خلجی کی طرف بڑھا۔ اس موقعے پر سلطان محمود نے بہادری کا شاندار مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ تیرہ سوار تھے وہ ان کو لے کر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میدان جنگ سے نکل گیا۔ اور سلطان قطب الدین کی لشکر گاہ میں جو میدان جنگ کے پیچھے تھی جا پہنچا۔ اس نے دشمن کے سراپردہ خاص میں داخل ہو کر شاہی تاج اور کمربند مرصع کو حاصل کیا اور جلد از جلد اپنے لشکر میں واپس آگیا۔

مندو کو واپسی

سلطان محمود کے ارد گرد تقریباً پانچ چھ ہزار سوار جمع ہو گئے اور اس نے یہ مشہور کر دیا کہ آج رات وہ دشمن پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتا ہے جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو سلطان محمود شب خون کے بہانے سے روانہ ہوا اور شادی آباد مندو کی طرف چل دیا۔

محمود خلجی کی شکست

گجراتیوں نے سلطان محمود کو یقیناً شکست فاش دی اس کار فرماں روا خلجی کو بہت افسوس ہوا۔ واضح رہے کہ سلطان محمود نے اپنے عہد حکومت میں اس شکست کے علاوہ کبھی کسی جنگ میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ اس نے جب بھی کبھی کسی سے لڑائی کی ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران رہا البتہ گجراتیوں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ شکست کیا ہوتی ہے۔

باغیوں کو سزائیں

شادی آباد مندو پہنچ کر سلطان محمود خلجی نے اپنے لشکر کی ترتیب و تنظیم اور سپاہیوں کی ترتیب کی طرف توجہ کی۔ اسی دوران میں شہزادہ غیاث الدین بندر سورت کے چند مقامات پر حملہ کر کے واپس مندو آیا۔ انہیں دنوں مشیر الملک المخاطب بہ نظام الملک اور اس کے بیٹوں کے بارے میں بادشاہ کو اطلاعات ملیں کہ یہ لوگ علم بغاوت بلند کرنے کے منتظر ہیں اور کئی مفسدانہ حرکات کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ بادشاہ نے ان باغیوں کو مناسب سزائیں دیں۔

گجراتی بادشاہ سے صلح کا خیال

۸۵۷ھ میں سلطان محمود خلجی نے مارواڑ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کو سلطان قطب الدین گجراتی کی طرف سے خطرہ تھا اس لیے اس نے طے کیا کہ مارواڑ پر حملہ کرنے سے پہلے سلطان قطب الدین سے صلح کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ نے اپنے اس خیال کا کسی سے اظہار نہ کیا اور لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور مندو سے قصبہ دھار میں پہنچا۔ یہاں سے تاج خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ گجراتی سرحد کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ وہ صلح کی گفتگو کرے۔

گجراتی وزیروں کے نام تاج خاں کے خطوط

تاج خاں نے قطب الدین گجراتی کے وزیروں کے نام خطوط لکھے اور اپنے قاصدوں کو گجرات کی طرف روانہ کیا۔ اس نے ان خطوط میں یہ لکھا۔ "سلطان گجرات اور سلطان مالوہ کی باہمی عداوت خداوند تعالیٰ کی مخلوق کے لئے ایک بہت بڑا عذاب ہے اس لئے فریقین میں صلح کا ہونا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں ہر ممکن کوشش کریں تاکہ یہ نیک امر

جلد عمل میں آئے۔

گجراتیوں اور مالویوں میں صلح

سلطان قطب الدین نے بھی اس سلسلے میں وسیع المشربی کا ثبوت دیا اور صلح کی بات چیت شروع کرنے کی اجازت دے دی اس کے بعد دونوں طرف کے اکابر یکجا ہوئے اور انہوں نے صلح کے لیے یہ شرط قرار دی۔ "راجہ کونبھا کے وہ شہر جو گجرات کی سرحد سے متصل ہیں ان پر اہل گجرات قبضہ کریں۔" اس شرط کو طرفین نے تسلیم کر لیا اور ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کیا۔

مہونی کے راجپوتوں کا قتل

ہاروتی کے نواح میں بہت سے باغی راجپوتوں نے فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ۸۵۸ھ میں سلطان محمود ان باغیوں کی سرزنش کے لیے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے قصبہ مہونی میں بہت سے راجپوتوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے مندو بھجوا دیا۔

محمود خلجی بیانہ میں

اس کے بعد سلطان محمود گوالیار سے ہوتا ہوا بیانہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب بادشاہ بیانہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے حاکم داؤد خاں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کش بھیج کر اپنی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلایا۔ بادشاہ نے داؤد خاں کو بیانہ کی حکومت پر بحال رکھا۔ داؤد خاں اور یوسف خاں ہندونی میں ایک عرصے سے مخالفت چلی آ رہی تھی سلطان محمود خلجی نے ان دونوں کو بلا کر سمجھایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے بہترین دوست بن گئے۔ بادشاہ نے ہاروتی' شہرنوا' اور اجمیر کی حکومت پر شہزادہ فدائی کو متعین کیا اور خود مندو واپس آ گیا۔

ماہور کی فتح کا خیال

اسی سال سلطان علاؤ الدین بہمنی کے دو ممتاز امیروں سکندر خاں اور جلال خاں بخاری نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں عریضے روانہ کیے اور اسے قلعہ ماہور جو برار کا بہترین حصہ ہے فتح کرنے کی ترغیب دی سلطان محمود ایک زبردست لشکر لے کر ہوشنگ آباد کے راستے سے ماہور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود آباد کے نواح میں سکندر خاں سلطان محمود خلجی سے آ ملا اور اس کی ملازمت حاصل کی۔

قلعہ ماہور کا محاصرہ

سلطان محمود خلجی نے قلعہ ماہور کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان علاؤ الدین بہمنی ایک عظیم الشان لشکر لے کر اہل قلعہ کی مدد کے لیے آیا۔ سلطان محمود نے جب یہ دیکھا کہ بہمنی بادشاہ کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے تو اس نے ملک عالی شان' تاج خاں اور سکندر خاں بخاری کو قلعے کے محاصرے پر متعین کیا اور خود واپس ہوا۔ (اس واقعہ کی تفصیلات بہمنی فرماں رواؤں کے حالات میں بیان کی جا چکی ہیں)

محمود خلجی کی بگلانہ کو روانگی

سلطان محمود خلجی کو راستے میں یہ اطلاع ملی کہ اسیر کے حاکم مبارک خاں نے بگلانہ کی ولایت پر جو گجرات اور دکن کے درمیان واقع ہے حملہ کر دیا بگلانہ کا راجہ سلطان محمود خلجی کا مطیع و باج گزار تھا۔ اس لیے سلطان محمود نے اس کی مدد کرنا ضروری سمجھا اور راستے سے بگلانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی روانگی سے پہلے اقبال خاں اور یوسف خاں کو روانہ کیا۔

میراں مبارک سے مقابلہ اور محمود کی فتح

میراں مبارک فاروقی کو جب سلطان محمود خلجی کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ ایک زبردست لشکر لے کر آخر الذکر کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی فاروقی فرماں روا زیادہ دیر میدان جنگ میں ٹھہر نہ سکا اور اسیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود خلجی نے اسیر کے

بعض نواحی مقامات کو تباہ و برباد کیا اور شادی آباد مندو کی طرف واپس آیا۔

میراں مبارک فاروقی کا بگلانہ میں داخلہ

اس سال سلطان محمود خلجی کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ بگلانہ رائے بالو کا لڑکا بادشاہ کے حضور میں آنے کا خواہاں ہے لیکن میراں مبارک فاروقی اس امر کے خلاف ہے لہٰذا اس کو روکنے کے لیے وہ بگلانہ میں داخل ہو گیا۔ سلطان محمود خلجی نے فوراً شہزادہ غیاث الدین کو میراں مبارک فاروقی کی مدافعت کے لیے نامزد کیا۔

راجہ بگلانہ کا لڑکا سلطان محمود کی خدمت میں

میراں مبارک کو جب شہزادہ غیاث الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ خوفزدہ ہو کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ اس کے بعد راجہ بگلانہ کا لڑکا پیش کش لے کر سلطان محمود خلجی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس پر بڑی نوازش کی اور اسے اعزاز و اکرام سے نوازا اور واپسی کی اجازت دی۔

چیتور پر لشکر کشی

شہزادہ غیاث الدین رہتور میں آیا انہیں دنوں سلطان محمود خلجی چیتور میں گیا۔ چیتور کا راجہ بادشاہ سے بڑی اچھی طرح پیش آیا۔ اور اس کی بہت خاطر و مدارات کی۔ راجہ کونبھا نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے تھوڑے سے روپے اور اشرفیاں بھی بھیجیں۔ ان سکوں پر راجہ کونبھا کی مہر لگی ہوئی تھی یہ دیکھ کر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے راجہ کی پیش کش اسی وقت واپس کر دی اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ چیتور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ شاہی لشکر نے خوب لوٹ مار مچائی اور بے شمار لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس قتل و غارت گری کا یہ نتیجہ ہوا کہ دور دور تک آبادی کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

راجہ کونبھا کی انکساری

سلطان محمود خلجی نے منصور الملک کو مندسور پر حملہ کرنے کا حکم دیا تاکہ اس مملکت میں تھانیداروں کو متعین کیا جا سکے۔ اس ملک کے بیچ میں سلطان محمود خلجی نے "خلجی پور" کے نام سے ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا۔ راجہ کونبھا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بادشاہ کو پیغام بھجوایا۔ "آپ جس قدر پیش کش چاہیں میں دینے کو تیار ہوں میں کبھی آپ کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا اور ہمیشہ آپ کا بہی خواہ رہوں گا۔ آپ سے اس قدر درخواست ہے کہ آپ "خلجی پور" کے نام سے جو شہر آباد کرنا چاہتے ہیں اس کا خیال دل سے نکال دیں۔"

بادشاہ کی مندو کو واپسی

ان دنوں چونکہ برسات کا موسم شروع ہو گیا اور مالوی لشکر کا غیر ملک میں ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے سلطان محمود خلجی نے راجہ کونبھا کی درخواست منظور کی اور اس سے حسب خواہش پیش کش وصول کر کے شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔

مندسور کی فتح کا ارادہ

۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی نے دوبارہ مندسور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک زبردست لشکر لے کر روانہ ہوا اس نے اپنے لشکر کو تو مختلف اطراف کی طرف بھیجا اور خود وسط ولایت میں قیام کیا۔ روزانہ بادشاہ کو تازہ ترین خبریں پہنچتی رہتی تھیں اور وہ اس طرح حالات سے پوری طرح باخبر رہتا۔

اجمیر کی حالت

شاہی لشکر کا وہ حصہ جو ہارونی کے نواح میں مقیم تھا اس کا ایک عریضہ بادشاہ کی خدمت میں آیا جس میں یہ لکھا تھا۔ "ہندوستان میں مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کی ابتدا اجمیر سے ہوئی۔ یہ شہر خواجہ معین الدین سنجری" کی خواب گاہ ہے لیکن آج کل یہاں کفر کا دور دورہ ہے' ہر طرف کفار ہی کفار نظر آتے ہیں' مذہب اسلام کا اب کوئی اثر یہاں نظر نہیں آتا۔

محمود خلجی اجمیر میں

جس روز سلطان محمود خلجی نے یہ عریضہ پڑھا اسی روز وہ اجمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جلد از جلد سفر طے کر کے بادشاہ اجمیر پہنچا اور حضرت خواجہ غریب نواز" کے روضے کے سامنے قیام پذیر ہوا۔ بادشاہ نے خواجہ خواجگان" کی روح پر فتوح سے امداد طلب کی اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ قلعے کو اچھی طرح دیکھ کر مورچل تقسیم کر لیں۔

قلعہ اجمیر پر محمود خلجی کا قبضہ

قلعے کا حاکم گجادھر راجپوتوں کی ایک جماعت کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اور مسلمانوں کے لشکر سے جنگ کرنے لگا۔ سلطان خلجی کی فوج نے جرات اور بہادری کا بڑا شاندار مظاہرہ کیا۔ راجپوتوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ حواس باختہ ہو کر پھر قلعے کے اندر چلے گئے چار روز تک راجپوت مسلمانوں سے لڑتے رہے پانچویں روز پھر گجادھر اپنے لشکر کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اس بار مسلمانوں نے اپنی ساری قوت صرف کر دی۔ گجادھر مارا گیا اور قلعہ اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

خواجہ نعمت اللہ کا تقرر

اس عظیم الشان فتح پر سلطان محمود خلجی نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر خواجہ خواجگان" کے روضے کی زیارت کی۔ بادشاہ نے اجمیر ہی میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی۔ خواجہ نعمت اللہ کو سلطان محمود خلجی نے "سیف خاں" کا لقب دیا اور اجمیر کی حکومت اس کے حوالے کی۔ بادشاہ نے خواجہ اجمیر" کے مزار کے مجاوروں کو انعام سے نوازا اور پھر منڈل گڑھ کی طرف روانہ ہوا۔

راجہ کونبھا سے جنگ

بادشاہ نے بیاس ندی کے کنارے قیام کر کے اپنے امیروں کو قلعے کی اطراف پر متعین کیا۔ راجہ کونبھا نے بھی اپنے لشکر کو تیار کر کے سلطان محمود سے لڑائی کرنے کے لیے قلعے سے باہر بھیجا۔ دونوں لشکروں میں بڑی زبردست لڑائی ہوئی سلطان محمود کے لشکر کے بے شمار آدمی مارے گئے بہت سے راجپوت بھی کام آئے۔ رات کو لڑائی ختم کر دی گئی اور دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں پر آ گئے۔

مندو کو واپسی

دوسرے روز صبح کے وقت تمام امراء اور اراکین سلطنت سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا اسی سال دوسری بار لشکر کشی کی گئی ہے اس لیے لشکر بہت تھکا ہوا ہے دوسرے برسات کا موسم شروع ہو گیا ہے اس لیے بہتر ہے کہ حضور اب پایہ تخت کو واپس تشریف لے چلیں جب بارشیں ختم ہو جائیں تو پھر اسے قلعے کو فتح کرنے کے لیے نکلنا چاہیے۔" بادشاہ نے امیروں کا معروضہ قبول کیا اور مندو کی طرف روانہ ہوا۔

منڈل گڑھ پر لشکر کشی

سلطان محمود خلجی نے منڈل گڑھ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد سے بادشاہ ۲۶ محرم ۸۶۱ھ کو روانہ ہوا۔ اس نے ملک کے ہر مندر کو مسمار کروا دیا اور اس طرح ملک سے کفر کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ منڈل گڑھ پہنچ کر سلطان محمود نے یہ حکم دیا کہ تمام درختوں کو جڑ سے کاٹ ڈالا جائے اور عمارتوں کو ڈھایا جائے نیز آبادی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہنے دیا جائے۔ لشکر نے شاہی حکم کی تعمیل میں کوئی

دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

قلعے کی فتح

بادشاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور مورچل کو خندق سے پار کر کے قلعہ کے متصل کر دیا بہت معمولی مدت میں بادشاہ نے قلعے کو فتح کر لیا
اور راجپوتوں کی ایک بڑی تعداد کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ باقی ماندہ راجپوت ایک دوسرے قلعے میں چلے گئے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔

راجپوتوں کی امان طلبی

اوپر جا کر راجپوت یہ سمجھے کہ اب وہ دشمن کے چنگل سے نکل آئے ہیں اس وجہ سے انتہائی غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے لگے اوپر کے
قلعے میں پانی کم تھا کچھ دنوں میں ختم ہو گیا اور وہاں کے تمام تالاب خشک ہو گئے۔ اس بلائے ناگہانی کی وجہ سے راجپوت بہت پریشان ہوئے
آخر کار مجبور ہو کر انہوں نے سلطان محمود سے امان طلب کی۔ راجپوتوں نے دس لاکھ روپیہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور قلعہ خالی کر
دیا۔

کفر کی بیخ کنی

یہ واقعہ ۲۵ ذی الحجہ ۸۶۲ھ کا ہے۔ سلطان محمود خلجی نے اس روز خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دوسرے روز قلعے میں داخل ہو گیا۔
بادشاہ نے تمام مندرون کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کروائیں۔ اور قاضیوں، محتسبوں اور خطیبوں اور موذنوں کا تقرر کیا۔

بھیلوارہ کی تباہی

۱۵ محرم ۸۶۳ھ کو سلطان محمود خلجی نے چیتور کو فتح کرنے کے ارادے سے سفر اختیار کیا چیتور کے نواح میں پہنچ کر بادشاہ نے شہزادہ
غیاث الدین کو ولایت بھیلوارہ کی تباہی و بربادی کے لیے روانہ کیا۔ شہزادے نے اس ولایت کو خوب جی کھول کر تباہ و برباد کیا اور بہت سے
لوگوں کو قید کر کے اپنے ساتھ لایا۔

قلعہ کوندی کی فتح

اس کے کچھ دنوں بعد بادشاہ نے تاج خاں اور فدائی خاں کو قلعہ کوندی کی تسخیر کے لیے نامزد کیا۔ شہزادہ فدائی خاں ایک زبردست لشکر
لے کر قلعہ کوندی کے نواح میں پہنچا۔ دوسری طرف سے راجپوت بھی قلعے سے باہر نکلے فریقین میں زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے
میں راجپوتوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ بے شمار راجپوت مارے گئے راجپوتوں کی ایک جماعت جو اپنی جان بچانے کی خاطر خندق میں اتر گئی
تھی شہزادہ فدائی نے اسے گرفتار کر لیا۔ الغرض شہزادے نے اپنی جرات و بہادری کی وجہ سے پہلے ہی دن قلعے کو فتح کر لیا اس نے خداوند
تعالیٰ کی بارگاہ میں اس فتح کا شکرانہ ادا کیا اور اپنے ایک معتمد امیر کو قلعے کا نگران بنا کر خوشی خوشی اپنے شہر شادی آباد مندو میں آیا اور
بادشاہ کی خدمت میں حاضری دی۔

راجپوتوں کی مزید گوشمالی

۸۶۶ھ میں سلطان محمود خلجی نے ایک بار پھر راجپوتوں کی سرزنش کے لیے لشکر تیار کیا اور اپنے پایہ تخت سے باہر نکلا اور موضع ابار
میں قیام پذیر ہوا۔ بادشاہ نے شہزادہ غیاث الدین کو ان شہروں کی تباہی و بربادی کے لیے مقرر کیا۔ شہزادے نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور
اس ولایت میں قیامت برپا کر کے نواح کوتلمیر پر بھی حملہ کر دیا۔

کوتلمیر کی فتح کے لیے روانگی

اس کے بعد شہزادہ غیاث الدین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے بادشاہ سے قلعہ کوتلمیر کی بہت تعریف کی۔ دوسرے ہی روز

بادشاہ کو تلمیر کی طرف روانہ ہو گیا- راستے میں جتنے بھی مندر ملے انہیں مسمار کر دیا گیا بادشاہ نے کو تلمیر کے نواح میں پہنچ کر قیام کیا۔

دو نگر پور پر حملہ

ایک روز بادشاہ قلعے سے ایک کوس کے فاصلے پر مشرق کی جانب سوار ہو کر نکلا اور اس نے شہر کو دیکھ کر کہا۔ "اس قلعے کو آسانی سے فتح کرنا مشکل ہے جب تک چند سال تک اس کا محاصرہ جاری نہ رکھا تب تک مقصد پورا کرنا مشکل ہے۔" ظاہر ہے بادشاہ کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ کئی سال اس قلعے کی فتح میں صرف کرتا۔ لہٰذا دوسرے روز اس نے اس مقام سے کوچ کیا اور دو نگر پور پہنچ گیا اس مقام کا راجہ فرار ہو کر کونہ بیاشہ میں پناہ گزین ہوا۔ راجہ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے دو لاکھ تنکے اور بیس گھوڑے بادشاہ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیے۔ بادشاہ نے یہ پیش کش قبول کی اور شادی آباد مندو کی طرف چل دیا۔

محمود خلجی دکن میں

ماہ محرم ۸۶۶ھ میں دکن کے تخت پر ایک کمسن لڑکا نظام شاہ جلوہ افروز ہوا۔ چونکہ بادشاہ کمسن تھا اس لیے دکنی امیر پوری طرح بادشاہ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ نظام الملک غوری کی ترغیب سے سلطان محمود خلجی لشکر تیار کر کے دکن میں گیا۔ جب بادشاہ نے دریائے نربدہ کو پار کر لیا تو اس کے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ اسیر کے حاکم مبارک خاں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کا بیٹا غازی خاں "عادل خاں" کے لقب سے باپ کا جانشین ہوا ہے۔

عادل خاں والی اسیر کی ستم شعاری

عادل خاں نے تخت پر بیٹھتے ہی ظلم و ستم کو اپنا شعار بنایا اور سید کمال الدین اور سید سلطان جیسے امیروں کو بغیر کسی قصور کے قتل کر کے ان کے مکانوں کو تباہ کر دیا۔ اس خبر کے پہنچنے کے چند روز بعد سید جلال (سید کمال الدین اور سید سلطان کا بھائی) سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بھائیوں کے قتل کی دکھ بھری داستان سنا کر بادشاہ کو عادل خاں کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا۔

عادل خاں کی معافی

سلطان محمود کو عادل خاں کی ناشائستہ حرکتوں پر بہت غصہ آیا اور اس نے عادل خاں کو سزا دینے کا پورا ارادہ کر لیا اور اس مقصد سے اسیر کی طرف روانہ ہوا۔ عادل خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے حضرت شکر گنجؒ کے نواسے کو مع پیش کش کے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں روانہ کیا اور اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ محمود خلجی اچھی طرح جانتا تھا کہ قلعہ اسیر کو فتح کرنا مشکل کام ہے دوسرے اس کے اس سفر کا اصل مقصد دکن کو فتح کرنا تھا لہٰذا اس نے عادل خاں کا قصور معاف کر دیا اور اس کو آئندہ کے لیے سلامت روی سے کام لینے کی نصیحت کر کے سلطان محمود برار اور ایلچپور کی طرف روانہ ہو گیا۔

دکنی امیروں کی تیاری

سلطان سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا مالا پور پہنچا۔ یہاں شاہی جاسوسوں نے بادشاہ کو یہ اطلاع دی کہ نظام شاہی امراء اپنے لشکر کو سرحدی مقامات سے طلب کر کے ایک جگہ جمع کر رہے ہیں۔ نیز شاہی خزانہ سے دو کروڑ تنکے نکال کر اہل لشکر میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ اور وہ ڈیڑھ سو قوی ہیکل ہاتھیوں کو لے کر شہر کے باہر مقیم ہیں۔

محمود خلجی نظام شاہی لشکر کے مقابلے میں

سلطان محمود خلجی نے اس خبر کو سنا اور اس نے اپنے لشکر کو مرتب و منظم کیا اور نظام شاہ بہمنی کے مقابلے پر آیا۔ دکنی وزیروں نے آٹھ سالہ نظام شاہ کے سر پر چتر شاہی سایہ فگن کیا۔ خواجہ جہاں ملک شہ ترک کو بادشاہ کا مشیر مقرر کیا۔ میمنہ، محمود گیلانی ملک التجار کی

نگرانی میں اور میسرہ' ملک نظام الملک ترک کی نگرانی میں دیا۔

لشکر مالوہ کی شکست

ملک التجار نے پیش دستی کی اور سلطان محمود خلجی کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ محمود کے میمنہ کے سردار مہابت خاں حاکم چندیری اور ظہیر الملک وزیر مارے گئے اس وجہ سے مالوی میمنہ منتشر ہو گیا اور مالویوں کو زبردست شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

نظام شاہ پر محمود خلجی کا حملہ

نظام شاہی لشکر نے دس کوس تک مالویوں کا تعاقب کیا اور سلطان محمود خلجی کی لشکر گاہ کو بالکل تباہ کر دیا۔ محمود خلجی ایک گوشے میں چھپ گیا اور موقع کا انتظار کرنے لگا اس نے دیکھا کہ نظام شاہی سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد اس وقت لوٹ مار میں مصروف ہے اور نظام شاہ چند سپاہیوں کے ساتھ میدان میں کھڑا ہوا ہے۔ محمود خلجی نے دو ہزار سواروں کو لے کر نظام شاہ پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔

نظام شاہی لشکر کی تباہی

نظام شاہی قلب لشکر کے سردار خواجہ جہاں نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے کام لیا اور نظام شاہ کو ساتھ لے کر احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمود خلجی کے اس حملے سے صورت حال بالکل برعکس ہو گئی بے شمار نظام شاہی سپاہی جو لوٹ مار میں مصروف تھے تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ نظام شاہ کی والدہ ملکہ جہاں اپنے امیروں کی عیاری سے اچھی طرح واقف تھی لہٰذا اس نے ملو خاں کو شہر بیدر کی حفاظت کے لیے مقرر کیا اور خود نظام شاہ کو لے کر فیروز آباد میں قیام پذیر ہوئی۔

بیدر کا محاصرہ

ملکہ جہاں نے فیروز آباد سے سلطان محمود گجراتی کے نام ایک خط لکھا اور اس سے امداد طلب کی۔ محمود خلجی نے نظام شاہی لشکر کا تعاقب کیا اور شہر بیدر کا محاصرہ کر لیا۔ وہ نظام شاہی سپاہی جو میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے جوق در جوق فیروز آباد میں بادشاہ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ اطلاع ملی کہ ملک التجار ایک لشکر جرار لے کر نظام شاہ کی مدد کے لیے آ رہا ہے اور یہ توقع ہے کہ وہ جلد اپنے بادشاہ کے پاس پہنچ جائے۔

سلطان محمود کی واپسی

یہ صورت حال دیکھ کر سلطان محمود خلجی نے اپنے امیروں سے مشورہ کیا۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر یہ طے کیا گیا کہ چونکہ موسم گرما شروع ہو چکا ہے اور رمضان کا مہینہ بھی آنے والا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تسخیر دکن کے معاملے کو آئندہ سال تک کے لیے ملتوی کیا جائے۔ اس کے بعد سلطان محمود خلجی اپنے ملک کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں جو واقعات پیش آئے وہ پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

دکن پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری

دکن کو فتح کرنے کا خیال سلطان محمود خلجی کو رہ رہ کر ستاتا تھا۔ ملک التجار کے ہاتھوں بادشاہ کو جس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا انتقام لینے کے لیے بھی محمود خلجی کا دل مچلتا تھا۔ ۸۶۷ھ میں بادشاہ نے دوبارہ لشکر تیار کیا اور دکن کو فتح کرنے کے خیال سے روانہ ہو کر ظفر آباد نعلچہ میں قیام پذیر ہوا۔

تھانیدار کھیرلہ کا عریضہ

سلطان محمود ابھی ظفر آباد ہی میں مقیم تھا کہ سراج الملک تھانیدار کا عریضہ آیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ "نظام شاہ بہمنی نے نظام الملک کو ایک لشکر جرار کے ساتھ کھیرلہ فتح کرنے کے لیے نامزد کیا ہے۔ اور چند دنوں کے اندر اندر یہاں پہنچنے والا ہے۔

کھیرلہ کو روانگی

یہ عریضہ وصول کرتے ہی سلطان محمود تھانیدار کھیرلہ کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں اسے یہ اطلاع ملی کہ نظام الملک نے ایسے وقت میں جب کہ سراج الملک غریق دریائے مئے ناب تھا کھیرلہ پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔

نظام الملک کا قلعہ کھیرلہ پر قبضہ

سراج الملک کا بیٹا قلعے سے باہر آیا اور نظام الملک سے معرکہ آرا ہوا لیکن وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکا اور حواس باختہ ہو کر قلعے میں واپس چلا گیا۔ نظام الملک بھی قلعے میں داخل ہوا اور قلعے پر قابض ہو گیا۔ اتفاق سے اسی روز راجپوت پیادوں نے موقع پا کر نظام الملک کا کام تمام کر دیا۔

محمود کی دولت آباد کو روانگی

یہ خبر جب سلطان محمود کو پہنچی تو اس نے مقبول خاں کو چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ کھیرلہ کی طرف روانہ کیا اور خود انتقام لینے کے لیے دولت آباد کی طرف چل دیا۔ راستے میں راجہ سر کچہ اور راجہ جاج نگر کے ملازمین پانچ سو تیس ہاتھی لے کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ہاتھی بطور پیش کش بادشاہ کے حوالے کیے۔ ان ملازموں کو بادشاہ نے انعام دے کر رخصت کیا۔

خلیفہ عباسی کی طرف سے فرمان و خلعت

اسی زمانے میں جب کہ سلطان محمود خلجی موضع خلیفہ آباد میں مقیم تھا۔ مصر سے امیرالمومنین یوسف بن محمد عباسی کا ایک قاصد فرمان سلطنت اور خلعت لے کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے انتہائی مسرت سے فرمان اور خلعت کا استقبال کیا۔ اور خلیفہ کے قاصد کی بہت عزت کی اور اسے طرح طرح کے انعام و اکرام سے نوازا۔

محمود خلجی کی واپسی

جب سلطان محمود خلجی دولت آباد کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان محمود گجراتی دکنی فرماں روا کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ محمود خلجی یہ سن کر بالکندہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند علاقوں پر اس نے حملہ کیا اور کونڈوارہ کے راستے سے شادی آباد مندو میں واپس آیا۔

مقبول خاں کا ایلچپور پر حملہ

ماہ ربیع الاول ۸۷۱ھ میں سلطان محمود خلجی نے مقبول خاں کو ایک لشکر کے ہمراہ ایلچپور پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا مقبول خاں نے ایلچپور کے نواح پر قبضہ کر کے شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایک روز رات کے وقت ایلچپور کے حاکم نے اپنے ہمسایہ حاکموں قاضی خاں اور پیر خاں کو ساتھ لیا اور پندرہ سو سواروں اور بے شمار پیادوں کے ہمراہ جنگ کے ارادے کے لیے آیا۔

مقبول اور قاضی خاں کی جنگ

مقبول خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے مال غنیمت اور دوسرے سامان کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ روانہ کر دیا اور خود اپنی فوج کے چنیدہ سپاہیوں کے ساتھ وہیں رہا۔ مقبول نے اپنے سپاہیوں کی ایک جماعت دشمن کے مقابلے پر بھیجی اور خود بقیہ سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ میں چھپ گیا۔

مقبول کی فتح

جب فریقین میں جنگ شروع ہو گئی تو مقبول خاں نے کمین گاہ سے نکل کر دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ دشمن اس ناگہانی مصیبت کا مقابلہ نہ کر سکا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی خاں کو شکست ہوئی اور وہ ایلچپور کی طرف بھاگ گیا۔ مقبول خاں نے بیس معتبر سرداروں کو

قتل اور تیس سرداروں کو گرفتار کیا۔ اس کے بعد مقبول خاں واپس لوٹا اور کامیاب و کامران محمود آباد پہنچا۔

شاہان دکن و مالوہ میں صلح

ماہ جمادی الاول ۸۷۱ھ میں مالوہ اور دکن کے فرماں رواؤں نے ایک دوسرے کے دربار میں اپنے اپنے قاصد روانہ کیے اور صلح کی بات چیت شروع کی۔ آخرکار بہت حیل و حجت کے بعد اس شرط پر صلح کی کہ دکنی فرماں روا ایلچپور اور کونڈوارہ یعنی کھیرلہ تک کا علاقہ سلطان محمود خلجی کے حوالے کر دے۔ اور سلطان محمود خلجی آئندہ کبھی پھر دکن پر حملہ نہ کرے اور دکنیوں کے لیے باعث زحمت نہ ہو۔ سلطان محمود نے یہ شرط بھی منوائی کہ دکن میں دفتری حساب تاریخ قمری کے اعتبار سے مندرج ہوں اور شمسی تاریخ کا رواج موقوف کر دیا جائے۔

شیخ علاؤ الدین کی آمد

اسی سال ماہ ربیع الاول میں ایک مشہور اور زبردست عالم شیخ علاؤ الدین شادی آباد مندو میں آئے۔ محمود خلجی نے بڑے شاہانہ طریقے سے ان کا استقبال کیا اور بوقت ملاقات بغل گیری کی۔

مولانا عماد الدین کی آمد

ماہ ذی الحجہ ۸۷۱ھ میں سید نور محمد بخشی کے قاصد مولانا عماد الدین سلطان محمود خلجی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے شیخ کا خرقہ جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ مولانا عماد الدین سے بہت محبت سے پیش آیا ایک خاص تقریب منعقد کر کے بادشاہ نے اس خرقہ کو زیب تن کیا اور ملک کے تمام عالموں فاضلوں کو انعامات دیئے۔

محمود آباد میں مسلمانوں کا قتل

ماہ محرم ۸۷۲ھ میں مخبروں نے بادشاہ کو یہ اطلاع دی کہ "مقبول خاں نے محمود آباد کو جو اس وقت کھیرلہ کے نام سے مشہور ہے تباہ و برباد کیا ہے اور اب فرماں روائے دکن سے امداد کا طالب ہوا ہے۔ مقبول خاں نے چند ہاتھی جو اس کے ساتھ تھے کھیرلہ کے رائے زادہ کے حوالے کئے اور رائے زادہ نے قصبہ محمود آباد پر حملہ کر کے ان تمام مسلمانوں کو جو قلعے میں مقیم تھے قتل کر دیا ہے اور تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔

محمود خلجی ظفر آباد میں

سلطان محمود خلجی نے یہ خبر سنی اور تاج خاں اور احمد خاں کو اس صورت حال کی اصلاح کے لیے محمود آباد روانہ کیا اور خود بھی اسی سال ربیع الآخر کے مہینے میں ظفر آباد نعلچہ میں قیام پذیر ہوا۔

تاج خاں محمود آباد میں

چند دنوں کے بعد سلطان محمود خلجی بھی محمود آباد کی طرف روانہ ہوا راستے میں بادشاہ کو تاج خاں کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ تاج خاں جب محمود آباد پہنچا تو وہ دسہرہ کا دن تھا۔ راجہ کا بیٹا اس وقت کھانا کھانے میں مصروف تھا اور تاج خاں کی آمد سے بالکل بے خبر تھا۔ تاج خاں چاہتا تو وہ اس وقت رائے زادہ پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر سکتا تھا لیکن تاج نے دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کو مردانگی کے خلاف سمجھا اور اپنے ایک ملازم کو بھیج کر رائے زادہ کو اپنے ارادے سے مطلع کر دیا۔

محمود آباد پر تاج خاں کا حملہ

رائے زادہ اسی وقت کھانے سے اٹھ پڑا اور اپنے ملازمین کے ہمراہ میدان جنگ میں آیا۔ تاج خاں اور رائے زادہ کے لشکروں میں

جنگ شروع ہوئی فریقین نے ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی لیکن فتح تاج خاں کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔ اس لیے وہی غالب آیا بے شمار راجپوت مارے گئے اور رائے زادہ ننگے سر اور ننگے پاؤں میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ تاج خاں نے مقبول خاں کے ہاتھیوں اور دیگر سامان پر قبضہ کر لیا۔ محمود آباد بھی تاج خاں کے قبضے میں آ گیا۔

گروہ گونداں کی سرزنش

اسی دوران میں تاج خاں کا عریضہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا جس میں تمام حالات مرقوم تھے۔ سلطان محمود خلجی یہ عریضہ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے ملک الامراء ملک داور کو گروہ گونداں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ جب گروہ گونداں کو یہ خبر ملی تو انہوں نے رائے زادہ کو جو ان کے پاس آ گیا تھا گرفتار کر کے تاج خاں کے پاس روانہ کر دیا۔

خواجہ جمال الدین کی آمد

اس کے بعد سلطان محمود خلجی محمود آباد کی طرف روانہ ہوا اور ۶ رجب کو سارنگ پور میں فروکش ہوا۔ کچھ دنوں بعد خواجہ جمال الدین استر آبادی میرزا سلطان ابو سعید کے سفیر کی حیثیت سے ہندوستان آئے اور سلطان محمود خلجی سے انہوں نے ملاقات کی۔ محمود خلجی خواجہ جمال الدین سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔

خواجہ کی عزت افزائی

بادشاہ نے خواجہ جمال الدین کو طرح طرح کے انعامات سے نوازا ان کے ساتھ ہندوستان کے بہت سے تحفے (کپڑا' کنیزیں' ہاتھی اور دیگر سامان) ایران کے بادشاہ کے لیے بھجوائے۔ راستے کے اخراجات کے لیے نقد روپیہ بھی دیا۔ اس کے علاوہ شاہ ایران کی مدح میں ایک ہندی قصیدہ بھی لکھ کر خواجہ صاحب کو دیا۔ بادشاہ ایران اس قصیدے کو پڑھ کر بہت خوش ہوا۔

کچھوارہ کے زمینداروں کی بغاوت

۸۷۳ھ میں سلطان محمود خلجی کی خدمت میں غازی خاں نے اس مضمون کی ایک عرض داشت روانہ کی کہ "کچھوارہ کے زمیندار حضور کی اطاعت سے منحرف ہیں اور باغیانہ حرکتوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔"

جلال پور ------ ایک نیا حصار

یہ عریضہ پہنچتے ہی سلطان محمود نے ان زمینداروں کی سرکوبی کا انتظام کیا اور ایک زبردست لشکر کچھوارہ کی جانب روانہ کیا۔ بادشاہ خود بھی اس مملکت کے وسط میں مقیم ہوا۔ اس مقام پر محمود خلجی نے ایک حصار کی بنیاد رکھی جو چھ روز میں بن کر تیار ہو گیا۔ اس حصار کا نام "جلال پور" رکھا گیا اور میرزا خاں کو اس کی حکومت پر متعین کیا گیا۔

شاہ دہلی کے سفیروں کی آمد

۷ شعبان ۸۷۳ھ میں شیخ محمد حرلی اور راجہ گوالیار کپور چند کا بیٹا دہلی کے بادشاہ سلطان بہلول لودھی کے سفیر بن کر سلطان محمود خلجی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سفیروں نے بہت سے تحفے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے اور یہ پیغام دیا۔ "سلطان محمود شرقی ہر دم مائل بہ فتنہ و فساد رہتا ہے اور ہمیں تکلیف پہنچانے میں بڑا مستعد رہتا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں' دہلی کے نواح میں تشریف لا کر محمود شرقی کو راہ راست پر لے آئیں تو ہم قلعہ بیانہ مع اس کے مضافات کے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے اور جب آپ اپنے پایہ تخت کو جانے لگیں گے تو چھ ہزار گھوڑے بھی ہم آپ کی نذر کریں گے۔

اس کے جواب میں محمود خلجی نے کہا۔ "جب سلطان حسین دہلی کی طرف روانہ ہو گا میں بھی جلد از جلد تمہاری مدد کے لیے پہنچ جاؤں

گا۔" محمود نے ان سفیروں پر طرح طرح کی مہربانیاں کیں اور انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

محمود خلجی کی وفات

اس کے بعد سلطان محمود خلجی شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔ رات کی ہوا بہت گرم تھی بادشاہ کا مزاج ٹھکانے پر نہ رہا۔ اور وہ بیمار پڑ گیا یہ بیماری رفتہ رفتہ بڑھتی ہی چلی گئی اور آخرکار وہ وقت آ ہی گیا کہ جب انسان اور اس دنیا کا باہمی تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ سلطان محمود خلجی نے ولایت کھوارہ میں ۱۹ ذیقعدہ ۸۷۳ھ کو وفات پائی۔

مدت حکومت

سلطان محمود خلجی نے چوبیس سال تک حکومت کی جب وہ تخت نشین ہوا تھا اس وقت اس کی عمر بھی چوبیس سال تھی۔ یہ مطابقت ایک تعجب خیز امر ہے امیر تیمور کے ساتھ بھی یہی اتفاق پیش آیا تھا وہ چھتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اور چھتیس سال ہی تخت نشینی کی تھی۔

کردار

سلطان محمود خلجی کی اور بہت سی فتوحات بھی ہیں لیکن راقم الحروف مورخ فرشتہ نے طوالت کے خوف سے انہیں نظرانداز کر دیا ہے۔ وہ نہایت ہی بہادر اور بلند اخلاق انسان تھا اس کے عہد حکومت میں رعایا کا ہر طبقہ خوش حال تھا ہندو اور مسلمان سبھی بادشاہ پر جان چھڑکتے تھے بادشاہ بھی اپنی رعایا سے اپنے بچوں جیسا سلوک کرتا تھا۔

ذوق جنگ و جدل

سلطان محمود خلجی نے دوسرے فرماں رواؤں کی طرح شراب نوشی کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنایا۔ اس نے زندگی بھر توسیع سلطنت اور باغیوں کی سرزنش کی کوشش کی۔ اس کا حقیقی عیش اگر کچھ تھا تو وہ ذوق جنگ و جدل تھا۔ اس کے آغاز حکومت سے لے کر وفات کے زمانہ تک شاید ہی کوئی ایسا سال گزرا ہو کہ جس میں کسی نہ کسی مقام پر لشکر کشی نہ کی ہو۔ اس نے ہمیشہ اپنی راحت و آسائش کو میدان کارزار ہی میں پایا اور زندگی بھر اسی روش پر چلتا رہا۔

تاریخ سے دلچسپی

سلطان محمود خلجی میں ایک یہ عادت بہت ہی اچھی تھی کہ وہ تجربہ کار مورخوں اور جہاں دیدہ سیاحوں سے گزشتہ زمانے کے حالات سنا کرتا تھا۔ وہ مختلف بادشاہوں اور حکومتوں کے آغاز و انجام کے اسباب و اثرات پر اکثر غور کیا کرتا تھا اور پھر ان کی روشنی میں اپنے لیے صحیح راستے کا تعین کیا کرتا تھا۔ وہ عہد ماضی کے بادشاہوں کے واقعات سے مفید نتائج اخذ کر کے اپنے لیے بادشاہت کے قواعد وضع کیا کرتا تھا۔ اور پھر حتی الامکان ان پر عمل کیا کرتا تھا۔

عاقبت اندیشی

گزشتہ بادشاہوں کے عبرت انگیز اور مفید مطلب واقعات کو وہ ہمیشہ یاد رکھتا تھا اور اپنی مجلسوں میں اکثر اپنے امیروں سے یہ واقعات بیان کیا کرتا تھا۔ سلطان محمود خلجی کا یہ دستور تھا کہ وہ ان اسباب و علل پر گہری نظر رکھتا کہ جو شاہان سلف کی تباہی و بربادی اور زوال کا باعث ہوئے اور پھر اپنے اعمال و اطوار میں ان تمام خطرناک امور سے پرہیز کرتا تھا۔ یہ امر اس کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ ہے۔

امن و امان

محمود خلجی کے عہد میں چوری اور ڈاکہ زنی بالکل نہ ہوتی تھی اگر کہیں اس قسم کی واردات ہوتی تو بادشاہ بعد تحقیق جو مال چوری ہو

جاتا اس کی قیمت شاہی خزانے سے ادا کر دیتا اور اس مال کو مقامی حکام سے وصول کرتا یہی وجہ تھی کہ لوگ بلا خوف و خطر زندگی بسر کرتے تھے۔ تاجر اور بیوپاری جنگلوں میں بھی اپنے سامان کو اتنا ہی محفوظ سمجھتے تھے جتنا کہ اپنے گھروں پر۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو ایک شیر نے مار ڈالا اس شخص کی عورت بادشاہ کے پاس فریاد لے کر آئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جب کوئی شیر کہیں نظر آئے اس کو مار ڈالا جائے۔ اس حکم کے بعد بے شمار شیروں کو مارا گیا یہاں تک کہ مالوہ میں اس موذی جانور کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

سلطان غیاث الدین بن سلطان محمود خلجی

تخت نشینی

سلطان محمود خلجی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ نے رعایا کو خوش کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی۔ اس کے چتر پر جو رقم نثار کی گئی تھی بادشاہ نے وہ رقم مستحقین میں تقسیم کر دی۔ بادشاہ کا چھوٹا بھائی فدائی خاں سلطان محمود خلجی کے عہد حکومت سے شہر نو اور دوسرے پرگنوں پر قابض تھا۔ بادشاہ نے اسے بحال و برقرار رکھا اور اس سلسلے میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا۔

شہزادہ عبدالقادر کی ولی عہدی

سلطان غیاث الدین نے اپنے بڑے بیٹے عبدالقادر کو ناصرالدین کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اسے عہدہ وزارت عطا کیا نیز چتر اور بارہ ہزار سواروں کی جاگیر مرحمت فرمائی۔

عیش پرستی

تخت نشینی کی رسم کے بعد غیاث الدین نے تمام عہدے اپنے تجربہ کار امیروں میں تقسیم کیے اور ان سے کہا کہ میں نے سلطان محمود خلجی کے عہد حکومت میں پورے چوبیس سال تک لشکر کشی کی ہے۔ اس زمانے میں میرا بہت سا وقت میدان جنگ میں ہی گزرا ہے لہذا اب میری آسائش کا وقت آیا ہے۔ مجھے یہ سلطنت جو اپنے باپ سے ترکے میں ملی ہے میں اس میں مزید توسیع کی خواہش نہیں کرتا اسی پر قانع رہوں گا اور اس کی حفاظت کروں گا۔ اس کے بعد بادشاہ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ عیش و عشرت کا جو سامان بھی مہیا ہو سکے فراہم کیا جائے۔

عورتوں میں دلچسپی

اس کے بعد بادشاہ کے حرم میں بہت سی خوبصورت اور پری چہرہ کنیزیں جمع ہو گئیں۔ کوئی ان میں ساز بجانے میں مہارت رکھتی تھی اور کوئی فن رقص میں اپنی مثال آپ تھی۔ ان کنیزوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا' تھوڑے ہی عرصے میں بادشاہ کے حرم میں دس ہزار کے قریب کنیزیں اور راجاؤں کی بیٹیاں جمع ہو گئیں۔

عورتوں میں عہدوں کی تقسیم

بادشاہ نے راجاؤں اور امیروں کی بیٹیوں کو عہدے عطا کیے۔ جس طرح شاہی حرم کے باہر امراء میں عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں اسی طرح حرم کے اندر بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ ان عورتوں میں سے کسی کو وکیل وزیر' دبیر' مشرف' خبردار' نوسندہ اور منجم مقرر کیا اور کسی کو صدر مدرس' حکم' ندیم' محتسب' مفتی' حافظ اور موذن بنایا اسی طور سے کنیزوں کو ہنر اور صنعتی تعلیم دلوائی۔ یہ کنیزیں مختلف کاموں مثلاً آہن گری' مخمل بافی' زرگری' تیرگری' کمان گری' کوزہ گری' جامہ بافی' ترکش دوزی' کفش دوزی' نجاری اور شعبدہ بازی میں ماہر تھیں۔ شاہی حرم میں یہ اس قسم کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں۔

عورتیں لشکر میں

سلطان غیاث الدین نے پانچ سو ترکی کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر تیر اندازی اور نیزہ بازی کی تعلیم دلوائی۔ اس جماعت کو "سپاہ ترک"

کا لقب دیا گیا اور شاہی لشکر کے میمنہ میں داخل کیا۔ اسی طرح پانچ سو حبشی کنیزوں کو بھی شمشیر بازی اور تفنگ اندازی کی تعلیم دی گئی اور میسرہ میں داخل کیا گیا۔

حرم سرا میں بازار کا قیام

بادشاہ نے اپنے حرم سرا میں ایک بازار بھی تعمیر کیا اور حکم دیا کہ اس بازار میں تمام چیزیں انہیں قیمتوں پر فروخت کی جائیں جن قیمتوں پر شہر میں فروخت ہوتی ہیں۔ بوڑھی اور بدشکل عورتوں کو شاہی حرم سرا میں داخل نہ کیا جاتا تھا اور نہ ہی وہ کسی خدمت پر فائز رہ سکتی تھیں۔ اگر اتفاق سے اس قسم کی کوئی عورت شاہی حرم میں آ جاتی تو اسے بادشاہ کے سامنے جانے کی اجازت نہ تھی۔

مساوات

یہ ایک تعجب خیز امر ہے کہ شاہی حرم کی تمام عورتوں کو ایک ہی جتنا غلہ اور یکساں جیب خرچ دیا جاتا تھا۔ ہر عورت خواہ وہ بہت خوبصورت ہو یا محض قبول صورت منصب دار ہو یا غیر منصب دار اسے دو تنکے اور دو من غلہ دیا جاتا تھا۔ بقیہ جانداروں سے بھی جو حرم سرا میں موجود تھے یہی سلوک کیا جاتا تھا یہاں تک کہ طوطوں' میناؤں اور کبوتروں کا روزینہ بھی یہی مقرر تھا۔

چوہے کا روزینہ

اس سلسلے میں ایک دلچسپ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار بادشاہ کو شاہی حرم میں ایک چوہا نظر آیا۔ بادشاہ نے اسی وقت اس چوہے کا روزینہ دو تنکے اور دو من غلہ مقرر کر دیا۔ اور ایک کنیز کو یہ حکم دیا کہ روزانہ وہ چوہے کی بل کے پاس غلہ رکھ دیا کرے۔

حسینوں سے رعایت

جن عورتوں اور کنیزوں کو بادشاہ بہت پسند کرتا تھا ان کو بھی روزینہ دوسری عورتوں کے برابر ہی دیا جاتا تھا لیکن ان سے دوسری قسم کی مراعات برتی جاتی تھیں مثلاً یہ کہ انہیں طلائی اور مرصع زیورات اور دیگر گراں قدر اشیاء مرحمت کی جاتی تھیں۔

سخاوت و دریا دلی

بادشاہ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر رات اپنے تکیے کے نیچے ایک سو اشرفیاں رکھ کر سوتا تھا اور صبح ہوتے ہی ان اشرفیوں کو محتاجوں اور مستحقوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب کبھی وہ اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو لفظ "شکر" جونہی زبان سے نکلے اسی وقت غریبوں میں پچاس تنکے تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ بادشاہ کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی وہ دربار کرتا یا سوار ہوتا تو اس وقت جس کسی سے گفتگو ہوتی اس کو ایک ہزار تنکے مرحمت کیے جاتے۔

خوف خدا

شاہی حرم میں ایک ہزار کنیزیں ایسی تھیں کہ جنہوں نے قرآن حفظ کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے یہ حکم کر رکھا تھا کہ جب وہ لباس تبدیل کرے اس وقت تمام کنیزیں قرآن مجید ختم کر کے شاہی لباس پر دم کریں۔ جب ایک گھڑی رات باقی رہ جاتی تھی تو بادشاہ بیدار ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتا تھا۔ اس نے اہل حرم کو تاکید کر رکھی تھی کہ تہجد کی نماز کے لیے اسے بہر قیمت جگایا کریں۔ اگر ضرورت ہو تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دیا کریں۔ اگر وہ گہری نیند میں مستغرق ہو تو اسے زور سے جھنجوڑا کریں۔ اور اگر اس سے بھی اس کی نیند نہ کھلے تو اس کا بازو پکڑ کر اٹھا دیا کریں۔ الغرض عیش پرستی کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے دل میں خدا کا خوف بھی جاگزیں تھا۔

آخرت کا خیال

بادشاہ نے یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ جب وہ عیش پرستی میں مشغول ہو یا دنیاوی امور میں مصروف ہو تو اس کے سامنے ہر ایسی چیز

لائی جائے کہ جس پر کفن کا اطلاق ہو سکے۔ تاکہ وہ اپنے انجام سے بے خبر نہ رہے اور اسی وقت مجلس سے اٹھ کر وضو کرے اور خداوند تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

نشہ آور چیزوں سے نفرت

شاہی مجلس میں غیر شرعی باتوں اور غیر اخلاقی امور پر گفتگو کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ سلطان غیاث الدین نشہ آور چیزوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ایک بار بادشاہ کے لیے معجون تیار کی گئی جس پر ایک لاکھ تنکہ خرچ ہوا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس معجون کے اجزاء کی تفصیل بتائی جائے۔ اس میں تین سو سے زیادہ ادویات شامل تھیں ان دواؤں میں ایک نشہ آور دوا بھی تھی جونہی بادشاہ نے اس کا نام سنا تو یہ حکم دیا۔ "اس معجون کو آگ میں ڈال کر ضائع کر دیا جائے۔" ایک مقرب نے عرض کیا "چونکہ اس پر بہت صرفہ آیا ہے اس لیے یہ بہتر ہو گا کہ حضور یہ معجون کسی اور شخص کو عنایت فرما دیں تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔" بادشاہ نے اس کے جواب میں کہا "جو چیزیں اپنے لیے ناجائز سمجھتا ہوں وہ میں کسی دوسرے کے لیے کیسے جائز سمجھ سکتا ہوں۔"

انسانی ہمدردی

ایک بار ایک شخص سلطان غیاث الدین کے حاجب شیخ لقمان کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ "میں بادشاہ کی سخاوت اور دریا دلی کی داستان سن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ تاکہ تمہارے ذریعے سے بادشاہ تک پہنچوں اور اس سے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے مدد مانگوں۔" شیخ لقمان نے اس شخص سے کہا۔ "میں تیری ضرورت کو اپنے ذاتی مال سے پورا کر سکتا ہوں اس لیے بادشاہ سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس شخص نے کہا "میں تم سے کسی قسم کی مدد لینا نہیں چاہتا میری خواہش ہے کہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے مجھے عطیہ دے کر میری عزت افزائی کرے۔" شیخ نے اس شخص کو بہت سمجھایا اور کہا۔ "میں دوسرے لوگوں کو بادشاہ تک اس وجہ سے پہنچا دیتا ہوں کہ ان میں ذاتی قابلیت یا خاندانی بلند نامی ہوتی ہے۔ لیکن تجھ میں یہ دونوں باتیں ہی نہیں ہیں پھر بھلا میں کس طرح تجھے بادشاہ تک پہنچاؤں۔" اس شخص نے جواب دیا "میں نے اپنے آپ کو تجھ تک پہنچا دیا ہے اب یہ تیرا کام ہے کہ تو مجھ کو بادشاہ تک پہنچا دے۔"

آخر کار مجبور ہو کر شیخ لقمان اس شخص کو شاہی دربار میں لے گیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ وہ گیہوں کے اس ذخیرے میں سے جو فقیروں کے لیے تولا جا رہا ہے ایک مٹھی گیہوں لے کر اپنے پاس محفوظ رکھے۔ شیخ لقمان اور وہ سائل دونوں بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ بادشاہ نے لقمان سے پوچھا کہ "وہ شخص کون ہے؟" لقمان نے جواب دیا۔ "یہ اہل استحقاق میں سے ہے اور آپ کے لیے ایک ہدیہ لے کر آیا ہے۔" اس پر بادشاہ نے کہا تو اسے یہاں کیوں لے آیا یہ تو میرا فرض تھا کہ میں اس کے پاس خود جاتا اور ملاقات کرتا۔" اس کے جواب میں لقمان نے عرض کیا اس شخص میں اتنی لیاقت اور قابلیت نہیں ہے کہ حضور اس سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اگر یہ شخص اس قابل نہ تھا تو اس کا ہدیہ تو ضرور اس قابل تھا کہ میں اس کے پاس خود جاتا" اس کے بعد بادشاہ نے ہدیہ پیش کرنے کے لئے اصرار کیا۔ اس پر حاجب نے کہا "یہ شخص چاہتا ہے کہ اپنا ہدیہ جمعہ کے روز مجلس میں آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ جمعہ کے روز اس شخص نے بادشاہ کے حکم سے منبر پر چڑھ کر وہی گیہوں بادشاہ کے دامن میں ڈال دیئے یہ اس کا ہدیہ تھا اس کے عوض بادشاہ نے اس شخص کو طرح طرح کے انعامات سے نوازا۔

خوب سے خوب تر کی تلاش

ایک روز سلطان غیاث الدین نے اپنے مقربین سے کہا۔ "میرے حرم میں کئی ہزار عورتیں ہیں اگرچہ ان میں حسن و جمال کی کمی نہیں۔ اور ایک سے ایک عورت میرے سامنے رہتی ہے لیکن جس حسن کو میری نگاہیں ڈھونڈتی ہیں وہ مجھے آج تک نہیں ملا کاش! مجھے کوئی ایسی صورت مل جاتی جس سے میرے دل و نگاہ مطمئن ہو جاتے۔"

حسن کا معیار

اس موقعے پر ایک مقرب نے بادشاہ سے عرض کیا "جو لوگ عورتوں کی فراہمی پر مامور ہیں وہ عقل کے کچے ہیں انہیں یہ علم نہیں ہے کہ حسن کیا ہے؟ اسی وجہ سے اب تک وہ آپ کو مطمئن کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اگر یہ خدمت میرے سپرد کی جائے تو ممکن ہے کہ آپ کی پسند کے موافق کوئی عورت مجھے مل جائے۔ بادشاہ نے اس درباری سے پوچھا "تمہارے نزدیک حسن کا معیار کیا ہے؟" درباری نے جواب دیا "میرے نزدیک کمال یہ ہے کہ اگر کسی حسین کے جسم کا ایک حصہ نظر آجائے تو دیکھنے والا اس حصے کے حسن میں اتنا محو ہو جائے کہ اس کو دوسرے حصوں کو دیکھنے کی تمنا نہ رہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی حسین کا قامت دیکھے تو اس پر اس حد تک فریفتہ ہو جائے کہ پھر حسین کا چہرہ دیکھنے سے بے نیاز ہو جائے۔" بادشاہ کو حسن کی یہ تعریف بہت پسند آئی اور اس نے اپنے اس درباری کے ذوق جمال کو سراہا اور اجازت دی کہ وہ حسن کی تلاش کرے۔

ایک مثالی حسین کی تلاش

اس درباری نے تمام ملک محروسہ کا سفر کیا اور سارے ملک کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن اسے کوئی عورت حسب خواہش دستیاب نہ ہو سکی آخرکار وہ درباری مایوس ہو کر واپس آگیا۔ اتفاق سے ایک روز اس درباری نے ایک لڑکی کو دیکھا جو خراماں جا رہی تھی اس لڑکی کا قامت اور طرز رفتار بڑی دلکش تھی۔ درباری نے اسے دیکھا اور بہت خوش ہوا اور جب لڑکی سے اس کا سامنا ہوا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ جس صورت کا تصور کیے ہوئے تھا اس سے یہ لڑکی ہزار گناہ زیادہ خوبصورت تھی۔

گوہر مراد

درباری نے جس طرح بھی ہو سکا اس لڑکی کو حاصل کر لیا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ اس لڑکی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے لڑکی کے حسن و جمال اور درباری کی نظر انتخاب کی بے حد تعریف کی۔ درباری نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے اس لڑکی کو کئی ہزار تنکوں میں خریدا ہے۔

لڑکی کے والدین کی فریاد

درباری اس لڑکی کو چوری چھپے اغوا کر کے لایا تھا۔ لڑکی کے ماں باپ بڑے پریشان تھے اور اس کی تلاش میں سرگرداں تھے آخرکار انہوں نے پتہ چلا لیا کہ لڑکی کہاں ہے۔ لڑکی کے والدین بادشاہ سے فریاد کرنے کے لئے آئے ایک روز جب کہ سلطان غیاث الدین کی سواری گزر رہی تھی تو ان لوگوں نے راستے میں کھڑے ہو کر فریاد کی۔ بادشاہ نے اسی وقت اپنی سواری روک لی اور اسی مقام پر بیٹھ کر علماء کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔

سلطان غیاث الدین کا انصاف

علماء جب آگئے تو سلطان غیاث الدین نے ان سے کہا "مجھ پر شرعی حکم جاری کیا جائے۔" داد خواہوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے کہا "ہمارا منشا یہ تھا کہ لڑکی اگر اغوا کرنے والے کے پاس ہوتی تو اسے سزا دی جاتی لیکن اب جب کہ لڑکی آپ کے پاس ہے تو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ یہ امر ہمارے لیے باعث فخر ہے اور ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا۔"

یہ سن کر بادشاہ نے علماء سے کہا "اگرچہ لڑکی کے والدین کے اس بیان کے بعد وہ لڑکی مجھ پر مباح ہو گئی ہے لیکن ایام گذشتہ کی تلافی میں جو حکم شرعی ہو اسے پورا کرو' خواہ اس سلسلے میں مجھ کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔" علماء نے کہا "جو کام نادانستہ طور پر عمل میں آئے' وہ معافی کے قابل ہوتا ہے اور کفارہ سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔" اس واقعے سے بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور اس نے حکم دے دیا کہ آئندہ سے تمام اشخاص عورتوں کی فراہمی کا کام بالکل بند کر دیں۔

بادشاہ کی سادہ لوحی

سلطان غیاث الدین کی سادہ لوحی اور حسن اعتقاد کے بارے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز ایک شخص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گدھے کا ایک سم بادشاہ کو دکھا کر کہنے لگا۔ "یہ سم حضرت عیسیٰ کے گدھے کا ہے۔" بادشاہ نے اسی وقت اپنے عاملوں کو حکم دیا کہ پچاس ہزار تنکہ سیاہ دے کر اس سم کو خرید لیا جائے۔

خوش اعتقادی

اس کے بعد تین دوسرے اشخاص بھی حضرت عیسیٰ کے گدھے کا سم لے کر آئے اور بادشاہ نے ان تینوں سے پچاس ہزار تنکے پر وہ سم خرید لیے۔ اس کے بعد ایک شخص آیا اس کے پاس بھی ایک سم تھا بادشاہ نے وہ سم بھی اسی قیمت پر خرید لیا اس پر ایک درباری نے بادشاہ سے کہا "کیا حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کے پانچ سم تھے جو آپ نے پانچواں سم بھی پچاس ہزار تنکوں کے عوض خرید لیا۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ سچ بول رہا ہو اور اس سے کسی اور نے کذب بیانی کی ہو۔"

شکار کا شوق

سلطان غیاث الدین کو شکار سے بہت دلچسپی تھی اس نے بہت سے آہو خانے بنوائے اور ان میں انواع و اقسام کے جانور اور پرندے جمع کیے۔ بادشاہ عورتوں کو ہمراہ لے کر سوار ہوتا اور آہو خانے میں شکار کھیلتا تھا۔

عیش و عشرت میں انہماک

بادشاہ کو خوبصورت اور پری چہرہ عورتوں کی صحبت اور نغمہ و رقص سے بے انتہا انسیت تھی۔ اسی وجہ سے اس کا زیادہ وقت حرم سرا کے اندر ہی گزرتا تھا۔ عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ بادشاہ تھوڑی سی دیر کے لیے دربار میں آتا تخت پر بیٹھتا امراء و اراکین سلطنت کا سلام لیتا اور چند بہت ہی ضروری اور اہم امور کا تصفیہ کرکے فوراً حرم سرا کے اندر چلا جاتا۔ باقی تمام امور وکیلوں اور وزیروں کے سپرد کر دیئے جاتے اور یہی لوگ ان کا تصفیہ کرتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بادشاہ کئی کئی ہفتوں تک حرم سرا سے باہر نہ نکلتا۔ ایسے ایام میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی بہت اہم ضروری کام آپڑے یا سرحدی مقامات سے کوئی عرض داشت آئے تو اس سے بادشاہ کو مطلع کیا جائے۔ اس کے علاوہ دیگر امور وزیر خود ہی انجام دے لیا کریں۔ اس طرح بادشاہ کے عیش و عشرت میں سلطنت کی ذمہ داریاں دخل انداز نہیں ہوتی تھیں۔

پالن پور میں بہلول لودھی کا ہنگامہ

سلطان غیاث الدین کا عہد حکومت بہت ہی پرامن تھا اس زمانے میں کسی قسم کا انتشار پیدا نہ ہوا اس قسم کا صرف ایک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ یعنی ۸۸۹ھ میں دہلی کے بادشاہ سلطان بہلول لودھی نے پالن پور کے مضافات رنتھنبور یعنی شہر نو میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ یہ خبر مندو میں پہنچی لیکن کسی شخص کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ سلطان غیاث الدین کو اس بدنظمی سے آگاہ کرتا۔

سلطان غیاث الدین کا مطلع ہونا

آخرکار احسن خاں نے جرات کی اور ایک روز موقع پا کر بادشاہ سے عرض کیا۔ "سلطان بہلول لودھی سلطان محمود خلجی کے عہد حکومت میں پیش کش کی ایک بھاری رقم بھجوایا کرتا تھا لیکن اب وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگا ہے۔ اور اس نے قصبہ پالن پور میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔"

بہلول کی مدافعت

یہ سنتے ہی سلطان غیاث الدین نے چندیری کے حاکم شیر خاں بن مظفر خاں کو لکھا۔ "سعیلہ اور سارنگ پور کا لشکر لے کر سلطان بہلول

لودھی کی تادیب کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ جب شیر خاں کے پاس شاہی فرمان پہنچا تو وہ لشکر تیار کر کے بیانہ کی طرف روانہ ہوا۔

بہلول کا فرار

سلطان بہلول لودھی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ شیر خاں کا مقابلہ کرتا اس لیے وہ بیانہ سے کوچ کر کے دہلی کی طرف چلا گیا۔ شیر خاں بھی اس کے تعاقب میں دہلی کی طرف چل دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہلول لودھی نے صلح کا ہاتھ بڑھایا اور شیر خاں کو پیش کش دے کر واپس کر دیا۔ شیر خاں نے پالن پور کو از سرنو آباد کیا اور پھر چندیری چلا آیا۔

نحوست کا اثر

نظام الدین احمد بخشی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۸۸۷ھ میں زحل اور مشتری برج عقرب میں ایک ہی درجہ و دقیقہ میں یک جا ہوئے اور پانچوں کواکب بھی ایک ہی برج میں جمع ہو گئے۔ اس وجہ سے نحوست کا اثر بہت سے ملکوں پر پڑا خاص طور پر خلجی ممالک میں تو زبردست انتشار پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان بہلول لودھی کی آمد اور پالن پور کی تباہی کا سبب یہی نحوست ہے۔

شیخ سعداللہ لاری کا انتقال

۱۱ جمادی الآخر ۹۰۳ھ میں اس کے عہد کے مشہور محدث مفسر اور محقق شیخ سعداللہ لاری المشہور بہ مندوی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انہیں سلطان محمود خلجی کے گنبد میں دفن کیا گیا۔

شہزادوں کی مخالفت

۹۰۳ھ میں سلطان غیاث الدین کی صحت جواب دے چکی تھی بڑھاپے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو چکا تھا۔ باپ کی یہ حالت دیکھ کر شہزادوں میں سخت مخالفت ہو گئی۔ ایک طرف شہزادہ ناصرالدین تھا اور دوسری طرف شجاعت خاں المعروف بہ علاؤ الدین ان دونوں کی والدہ رانی خورشید (جو راجہ بگلانہ کی بیٹی تھی) نے اپنے بیٹے شہزادہ شجاعت خاں کا ساتھ دیا اور تمام امیروں کو شجاعت خاں کا بہی خواہ بنا دیا۔

شہزادہ ناصرالدین کا فرار

ملک خورشید نے سلطان غیاث الدین کو شہزادہ ناصرالدین سے سخت بدظن کر دیا' بادشاہ نے شہزادے کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ یہ خبر جب شہزادے کو معلوم ہوئی تو ۹۰۵ھ میں مندو سے بھاگ گیا۔

ناصرالدین کے قتل کی سازش

شہزادہ ناصرالدین کے تمام مال و اسباب پر شہزادہ شجاعت خاں نے قبضہ کر لیا اور پھر آخر الذکر ناصرالدین کو قتل کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ ناصرالدین کو جب اس سے آگاہی ہوئی تو وہ وسط مملکت میں چلا گیا۔ وہاں آس پاس کے تمام امراء اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس نے بہت قوت حاصل کر لی۔

ناصرالدین مندو میں

ناصرالدین نے لشکر تیار کیا اور مندو میں آ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہزادہ چونکہ ایک عرصے تک وزارت کے منصب پر فائز رہ چکا تھا اس لیے بہت سے لوگ اس کے بہی خواہ بن گئے۔ ان لوگوں نے ایک دم قلعے کا دروازہ کھول دیا اور ناصرالدین قلعے میں داخل ہو گیا۔

شجاعت خاں اور اس کے بیٹوں کا قتل

شجاعت خاں قلعے کی حفاظت پر متعین تھا اس نے فرار ہو کر سلطان غیاث الدین کے محل میں پناہ لی۔ ناصرالدین نے بڑی بے ادبی کا

مظاہرہ کیا اور ایک جماعت کو رانی خورشید اور شہزادہ شجاعت خاں کی گرفتاری کے لیے نامزد کیا۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور شجاعت خاں اور اس کے بیٹوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ناصر الدین نے باقاعدہ بادشاہت شروع کر دی۔

سلطان غیاث الدین کی وفات

سلطان غیاث الدین امور سلطنت سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو چکا تھا۔ بیماری اور بڑھاپے کے بعد اس نئے غم نے اس کو ختم کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ناصر الدین نے غیاث الدین کو زہر دے کر ہلاک کیا۔ اس وجہ سے ناصر الدین ساری دنیا میں بدنام ہے۔

سلطان غیاث الدین نے تینتیس سال تک حکومت کی۔

سلطان ناصرالدین بن سلطان غیاث الدین خلجی

ولادت

ناصرالدین جن دنوں پیدا ہوا تھا ان دنوں سلطان محمود خلجی بقید حیات تھا۔ اس کی پیدائش کی محمود خلجی کو بہت خوشی ہوئی تھی اور اس نے ایک عظیم الشان جشن مسرت منعقد کیا تھا جو ایک مہینے تک جاری رہا تھا۔ محمود نے چوتھے پوتے کی ولادت کو خداوند تعالیٰ کا ایک گرانقدر عطیہ سمجھا اور سجدہ شکرانہ ادا کیا۔ اس نے تمام رعیت کو اور خاص طور پر عالموں اور فاضلوں کو طرح طرح کے انعامات سے نوازا۔

ابتدائی حالات

نجومیوں نے نومولود شہزادے کے مستقبل کے حالات وضاحت سے بیان کیے اور ساتویں روز سلطان محمود خلجی نے اس کو گود میں لیا بزرگان دین کی خدمت میں آیا۔ شہزادے کا نام اس وقت عبدالقادر رکھا گیا۔ جب ناصرالدین سن بلوغ کو پہنچا تو سلطان غیاث الدین نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور وزارت کا عہدہ اس کے حوالے کیا۔ الغرض بچپن سے جوانی تک ناصرالدین کی تربیت بڑے عمدہ طریقے سے ہوئی۔

شجاعت خاں کی مخالفت

ناصرالدین کا چھوٹا بھائی شجاعت خاں (المشہور بہ علاؤ الدین) اگرچہ ظاہری طور پر تو اپنے بڑے بھائی کا حامی اور فرمانبردار تھا لیکن باطنی طور پر وہ ناصرالدین کے بہت خلاف تھا اور اس سلسلے میں وہ ہمیشہ موقع و محل کا منتظر رہتا تھا تاکہ کسی وقت بھی اپنے بھائی کی مخالفت سے غافل نہ ہو۔

غیاث الدین سے شکایت

سلطان غیاث الدین خلجی کے عہد حکومت کے آخر میں ایک روز شہزادہ شجاعت خاں نے بادشاہ سے کہا۔ "ناصرالدین آج کل کسی اور ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے اس نے بدمعاشوں اور لفنگوں کی ایک جماعت جمع کر رکھی ہے اور ابھی سے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے ہیں وہ آپ کو معزول کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے اگر آپ نے اس وقت اس کو درست نہ کیا تو پھر نتائج بڑے خطرناک ہوں گے۔"

غیاث الدین کا اقدام

یہ سن کر سلطان غیاث الدین کو بہت غصہ آیا اور اس نے شہزادہ ناصرالدین کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا لیکن شہزادے کی خوش قسمتی سے اس کی نوبت نہ آئی۔ اور غیاث الدین نے یہ ارادہ ترک کر کے شہزادے کو لطف و کرم سے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ناصرالدین کے منصب اور جاگیر میں گراں قدر اضافہ کیا اور عارض ممالک کو یہ حکم دیا کہ وہ ہر صبح کو تمام امیروں اور لشکر کے سرداروں کے ساتھ ناصرالدین کی قیام گاہ میں آیا کرے۔

ناصرالدین کی قوت میں اضافہ

اس صورت حال سے شہزادے کی قوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور وہ بڑی ثابت قدمی سے ملکی و مالی امور کا تصفیہ کرنے لگا۔ اس نے

ہر مقام پر اپنے گماشتے مقرر کیے۔ خاصہ کے پرگنوں کے عمال مولی خاں اور مکھن خاں کو معزول کر کے اس کی جگہ شیخ حبیب اللہ اور خواجہ سہیل کو نامزد کیا۔

ملکہ خورشید کی روش

ملکہ خورشید کو اپنے چھوٹے بیٹے شہزادہ شجاعت خاں سے بہت زیادہ محبت تھی اور بڑے بیٹے یعنی ناصرالدین سے کبیدہ خاطر تھی ایک روز رانی خورشید نے شجاعت خاں کے مشورے سے سلطان غیاث الدین سے کہا۔ "ملک محمود کوتوال اور سونداس بقال بڑے دون فطرت اور غدار ہیں۔ اور یہ دونوں شہزادہ ناصرالدین سے مل گئے ہیں ان کے ارادے بڑے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔"

محمود کوتوال کا قتل

سلطان غیاث الدین چونکہ عورتوں میں زیادہ وقت بسر کرتا تھا لہٰذا ان کی ہر بات کو صحیح سمجھ لیا کرتا تھا۔ ملکہ خورشید کے بیان کو بھی اس نے صحیح سمجھا اور فوراً محمود کوتوال اور سونداس بقال کے قتل کا حکم جاری کر دیا ان دونوں گھروں کو تباہ و برباد کرنے کا حکم بھی دیا۔ اس واقعے سے ناصرالدین کو بہت تکلیف پہنچی اور اس نے شاہی محل میں آنا جانا ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ دربار میں بادشاہ کے سلام کے لیے بھی نہ جاتا۔

ملکہ خورشید اور شہزادہ شجاعت کی نئی چال

ملکہ خورشید اور شہزادہ شجاعت خاں نے اس کے بعد ایک چال چلی اور معزول شدہ عمال مکھن خاں اور مولی خاں سے سازباز کی اور ان دونوں کے ذریعے بادشاہ کے کان بھرے۔ ملکہ اور شجاعت نے ملکی و مالی معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا اور خزانے پر بھی قبضہ کر لیا۔

مولی خاں بقال کا قتل

شیخ حبیب اللہ اور سہیل خواجہ سرا نے جب یہ دیکھا کہ مولی خاں بقال کا وجود فتنہ و فساد کی جڑ ہے تو انہوں نے اس جڑ ہی کو کاٹ دیا۔ ان دونوں نے مولی خاں کو شاہی حرم سرا کے اندر لے جا کر مار ڈالا۔ ملکہ خورشید نے بادشاہ سے اس واقعے کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ بادشاہ نے مکھن خاں کو حکم دیا کہ شہزادہ ناصر خاں کے مکان سے شیخ حبیب اللہ اور سہیل خواجہ سرا کو گرفتار کر کے لائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ "ناصرالدین کی عزت کا پورا پورا خیال رکھنا۔ اس کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہ کرنا ورنہ شہزادہ یہ کہے گا کہ بادشاہ اپنے ملازموں سے ولی عہد کی بے عزتی کرواتا ہے۔"

شیخ حبیب اللہ اور خواجہ سہیل کا فرار

کسی نہ کسی طرح شیخ حبیب اللہ اور خواجہ سہیل کو اس واقعے کی اطلاع ہو گئی وہ ناصرالدین کے مکان سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے راستے میں یہ دونوں بلند آواز سے کہتے جاتے تھے۔ "ہم قاضی کے مکان کی طرف جا رہے ہیں جس کو مولی خاں کے خون کا دعویٰ ہو وہ قاضی کے مکان پر آئے۔"

ناصرالدین سے قاتلوں کی طلبی

مکھن خاں ناصرالدین کے مکان پر آیا اور یہ پیغام بھجوایا "مولی خاں کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دیا جائے۔" ناصر خاں نے جواب دیا خواجہ سہیل اور شیخ حبیب اللہ نے میرے حکم یا ارشاد سے مولی خاں کو قتل نہیں کیا ہے مجھے قطعاً معلوم نہیں ہے کہ یہ دونوں اشخاص کس طرف بھاگ گئے ہیں۔

ناصر الدین کے مکان کا محاصرہ

بادشاہ نے اگرچہ مکھن خاں کو کہہ دیا تھا کہ ناصر الدین سے کسی قسم کی بے ادبی نہ کی جائے لیکن مکھن خاں بقال نے ملکہ خورشید کے کہنے پر ناصر الدین کے مکان کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ تین روز تک جاری رہا۔

ناصر الدین کے نام سلطان غیاث الدین کا پیغام

انہیں دنوں سلطان غیاث الدین اپنی بیماری کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اس نے ناصر الدین کو یہ پیغام دیا۔ "اگر تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اسے فراموش کر دو میں بہرحال تمہارا باپ ہوں اور ہم دونوں میں جو رشتہ ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا میرے دل میں تمہاری بڑی محبت ہے اس لیے میں زیادہ دیر تک مفارقت برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تم پہلے کی طرح میرے پاس آ جاؤ۔"

باپ بیٹے میں صلح

ناصر الدین کو اچھی طرح معلوم تھا کہ موجودہ حالات میں شاہی محل میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن اس نے اپنے باپ کو مایوس نہ کیا اور اس کی قدم بوسی کے لیے محل میں گیا۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے سے ملے۔ ادھر ادھر کی بہت سی باتیں ہوئیں اور اس طرح دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو کچھ کہہ سن رکھا تھا اسے فراموش کر دیا۔ ناصر الدین دوبارہ اپنی قدیم خدمت پر بحال ہوا اور ملکی و مالی مہمات کو انجام دینے لگا۔ اور سلطان غیاث الدین بھی پہلے کی طرح اسے شاہی عنایات کا سب سے بڑا مستحق سمجھنے لگا۔

ملکہ خورشید کی ایک اور چال

ناصر الدین نے شاہی محل سرا کے قریب ہی ایک عمارت بنوائی تاکہ وہ جب بھی چاہے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو سکے۔ ملکہ خورشید اس عمارت کو دیکھ کر جل گئی اور اس نے بادشاہ سے کہا۔ "ناصر الدین نے اپنے مکان کو کوشک جہاں نما کی چھت سے ملا دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غداری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

ناصر الدین اور غیاث الدین میں دوبارہ ناراضگی

سلطان غیاث الدین بڑھاپے کی وجہ سے ایک بڑی حد تک مخبوط الحواس ہو چکا تھا۔ اس نے پھر ملکہ کی بات کو مبنی برصداقت سمجھ لیا اور ۹۰۵ھ میں غالب خاں کوتوال کو حکم دیا کہ وہ ناصر الدین کے مکان کو مسمار کر دے۔ ناصر الدین کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بہت آزردہ خاطر ہوا۔ اس نے اپنے بال بچوں اور ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور دھار (جو ایک جنگل میں واقع ہے) کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیخ حبیب اللہ اور خواجہ سہیل بھی دھار پہنچ کر ناصر الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حریفوں کا ایک نیا حربہ

ملکہ خورشید اور شہزادہ شجاعت خاں نے شہزادہ ناصر الدین کو پایہ تخت سے نکلوانے پر ہی اکتفا نہ کی اور ناصر الدین کے خلاف ایک اور قدم اٹھایا انہوں نے غیاث الدین کو بتائے بغیر ہی تاتار خاں کو یہ حکم دیا کہ وہ ناصر الدین کی دل جوئی کر کے اسے شہر میں لے آئے۔ تاتار خاں نے اپنے لشکر کو کمین گاہ میں چھپا دیا اور ملک فضل اللہ میر شکار کو ساتھ لے کر ناصر الدین کے پاس پہنچا۔

ناصر الدین کی مدافعت کے لیے تاتار خاں کی نامزدگی

ناصر الدین نے سلطان غیاث الدین کے نام ایک خط لکھ کر تاتار خاں کو دیا اور اس سے یہ کہا کہ وہ یہ خط لے جائے اور خود بادشاہ کو پڑھ کر سنائے۔ تاتار خاں یہ خط لے کر جلد از جلد شادی آباد مندو کی طرف پہنچا اور بادشاہ کو یہ خط سنایا۔ بادشاہ نے ابھی اس خط کا کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ ملکہ خورشید نے جو بادشاہ پر بہت حاوی تھی۔ بادشاہ سے یہ حکم صادر کروا دیا کہ تاتار خاں ناصر الدین کی مدافعت

کرے۔

تاتار خاں کی پریشانی

تاتار خاں یہ حکم پا کر بڑا پریشان ہوا لیکن مرتا کیا نہ کرتا وہ نیچے اتر کر کمبا پور میں آیا۔ یہاں پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ اگر اس نے ناصر الدین سے جنگ کی تو ناصر الدین بادشاہ ہو کر اس سے سخت انتقام لے گا اگر وہ بغیر جنگ کے واپس لوٹ گیا تو ملکہ خورشید اس سے باز پرس کرے گی۔ تاتار خاں ابھی انہیں خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ سلطان غیاث الدین کے دو مقتدر امراء ملک مہتہ اور ملک ہیبت ناصر الدین سے مل گئے اور اس کی قوت و شوکت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔

ناصر الدین قصبہ حاویہ میں

ناصر الدین نے اپنا لشکر مرتب و منظم کیا اور قصبہ حاویہ میں آیا۔ مولانا عماد الدین افضل خاں اور کئی زمینداروں نے ناصر الدین کا ساتھ دیا اور اس نے عید کا دن اسی قصبے میں گذارا۔ ناصر الدین نے چتر شاہی کو اپنے سر پر سایہ فگن کیا اور اپنے امیروں کو خلعت سے نوازا۔

ملک محمود اور شہزادہ شجاعت کے لشکر میں جنگ

اسی اثناء میں یہ خبر آئی کہ شہزادہ شجاعت خاں کا لشکر جنگ کرنے کے لیے آ رہا ہے اور وہ قصبہ کنکانوے سے بڑھ کر قصبہ کندوبر تک آ گیا ہے۔ ناصر الدین نے ملک محمود کو ایک فوج کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ ملک محمود نے بڑی جانفشانی سے دشمن کا مقابلہ کیا اسے شکست دی' دشمن کا لشکر شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ محمود بہت سا مال غنیمت لے کر قصبہ حاویہ میں ناصر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ناصر الدین اجین میں

۲۷ شوال ۹۰۵ھ میں ناصر الدین نے قصبہ حاویہ سے کوچ کیا اور اجین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بہت سے امیر اور حاکم شہزادے سے آ کر ملتے گئے۔ جب ناصر الدین اجین میں پہنچا تو اس کے پاس سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔

سلطان غیاث الدین کا پیغام ناصر الدین کے نام

شہزادہ شجاعت خاں اور ملکہ خورشید کو جب یہ خبریں ملیں تو انہوں نے سلطان غیاث الدین سے کہا "ہم کو یہ اطلاع ملی ہے کہ ناصر الدین نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور وہ عنقریب مندو میں آ کر قلعے کا محاصرہ کرنے والا ہے۔" غیاث الدین نے اپنے زمانے کے مشہور و مقبول بزرگان دین شیخ اولیاء اور شیخ برہان کو اپنا پیغامبر بنا کر ناصر الدین کے پاس روانہ کیا اور اسے یہ پیغام دیا۔ "میں ایک مدت سے امور سلطنت سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور تمام معاملات کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گرد بدمعاشوں اور لفنگوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا ہے۔ اگر تم ان لوگوں کو رخصت کر کے میرے پاس آ جاؤ تو میں تمام اختیارات دوبارہ تمہیں سونپ دوں گا۔"

ناصر الدین کی مکھن خاں سے جنگ

ناصر الدین نے سلطان غیاث الدین کو کوئی جواب نہ بھجوایا اور اسی سال ذیقعدہ کے مہینے میں اجین سے قصبہ دھار میں آیا۔ اس نے چند روز تک اس قصبے میں قیام کیا ناصر الدین کو اسی مقام پر یہ اطلاع ملی کہ مکھن خاں جو فتنہ و فساد کا اصل بانی ہے تین ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر جنگ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ ناصر الدین نے ملک عطا کو پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ مکھن خاں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا موضع ہانس پور میں لڑائی ہوئی۔ ملک عطا نے مکھن خاں کو شکست دی اور اس کے ایک سو سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ مکھن خاں

شکست کھا کر مندو کی طرف بھاگ گیا۔

مکھن خاں سے دوسری جنگ

ملکہ خورشید نے دوبارہ مکھن خاں کو ایک زبردست لشکر دے کر ناصرالدین سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس بار بھی ناصرالدین کے لشکر نے مکھن خاں کو شکست فاش دی اور واپس قلعہ مندو میں چلا گیا۔

ناصرالدین کوشک جہاں نما میں

اسی سال ۲۲ ذی الحجہ کو ناصرالدین کوشک جہاں نما میں قیام پذیر ہوا۔ اسے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان غیاث الدین بذات خود اس کے پاس آ کر صلح کی بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ ناصرالدین یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اپنے باپ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ ملکہ خورشید اور شجاعت خاں معانہ اٹھا کر ظفر آباد نعلچہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ناصرالدین اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے بہانے سے قلعے میں داخل ہو تو اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

بادشاہ کی واپسی

سلطان غیاث الدین دہلی دروازے کے قریب پہنچا چونکہ بادشاہ بہت ہی کمزور تھا اس لیے اس نے اپنے مقربین سے یہ پوچھا کہ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" کچھ لوگوں نے بادشاہ کو اصل واقعہ بتا دیا اس پر بادشاہ نے کہا "آج رہنے دو میں کل چلوں گا۔ اس وقت شاہی محل میں واپس چلو" خدمتگاروں کو سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا لہٰذا وہ بادشاہ کو لے کر واپس آ گئے۔

ملکہ کی ناراضگی

ملکہ خورشید کو جب بادشاہ کی واپسی کا علم ہوا تو وہ بہت جزبز ہوئی اس نے خدمت گاروں کو بلا کر انہیں بہت ڈانٹا اور بادشاہ کی واپسی کا سبب پوچھا۔ خدمت گاروں نے بتایا "بادشاہ اپنی مرضی سے واپس ہوا۔" یہ واقعہ کسی اور شخص کی مرضی سے ظہور پذیر نہیں ہوا لیکن ملکہ یہی سمجھتی رہی کہ ناصرالدین کے حامیوں نے بادشاہ کو واپس بھیج دیا ہے۔

قلعے کا محاصرہ

شہزادہ شجاعت اور ملکہ خورشید نے قلعے کی مرمت کروائی اور مورچل تقسیم کیے۔ ناصرالدین نے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ اور دونوں طرف کے لشکر داد شجاعت دینے لگے۔ روزانہ اہل قلعہ کا ایک لشکر باہر آتا اور ناصرالدین سے لڑائی کرتا اور اس طرح ہر روز دونوں طرف کے سپاہی مارے جاتے۔

اہل قلعہ کی پریشانی

محاصرہ طویل ہوتا گیا لیکن کوئی واضح نتیجہ نہ نکلا۔ قلعے میں غلہ اور دیگر سامان ضرورت ختم ہو گیا اس وجہ سے اہل قلعہ سخت پریشان ہوئے۔ بعض بڑے بڑے امیروں (مثلاً موافق خاں اور ملک فضل اللہ میر شکار وغیرہ) نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے ناصرالدین کا ساتھ دینا ہی مناسب سمجھا اور موقع پا کر قلعہ سے باہر نکل آئے اور ناصرالدین سے مل گئے۔

ملکہ کا ظلم و ستم

ملکہ خورشید جب امیروں کی اس روش سے مطلع ہوئی تو اس نے علی خاں کو قلعے کی حکومت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ ملک بیارہ کو "علی خان" کا خطاب دے کر شہر اور قلعے کی حفاظت پر متعین کیا۔ اس کے علاوہ ملکہ نے محافظ خاں اور سورج مل کو قتل کر ڈالا کیونکہ ان دونوں پر اسے ناصرالدین سے سازباز کرنے کا شک تھا۔ اہل شہر اور امراء نے جب ملکہ کے ظلم و ستم کا یہ حال دیکھا تو وہ بہت

آزردہ خاطر ہوئے اور انہوں نے ناصرالدین سے درخواست کی کہ اس فتنے کا جلد از جلد سدباب کیا جائے۔ ناصرالدین نے امیروں کے نام تسلی آمیز خط لکھے جنہیں پڑھ کر یہ امراء بہت متاثر ہوئے اور ناصرالدین سے مل گئے۔

قلعے کو فتح کرنے کی کوشش

۱۷ صفر ۹۰۶ھ میں ناصرالدین نے قلعہ کو فتح کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی اہل قلعہ بھی ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے ناصرالدین کے لشکر پر تیر اور منجنیقیں چلائیں۔ اس وجہ سے ناصرالدین کے لشکر کے بہت سے تجربہ کار سپاہی زخمی ہو گئے لیکن اس کے باوجود ناصر الدین نے ہمت نہ ہاری اور سات سو زینے مورچل کی جانب آگے بڑھا کر قلعے میں داخل ہو گیا اسی دوران میں شجاعت خاں بہادروں کا ایک لشکر لے کر قلعے کے برج پر آ گیا۔ اور جنگ آزمائی میں مشغول ہوا۔ ناصرالدین نے بڑی ثابت قدمی کا ثبوت دیا اور تیر اندازی میں مشغول رہا اور اس نے دشمن کے بہت سے بہادروں کو مار گرایا۔ شجاعت خاں کو ہر لمحہ تازہ کمک پہنچ رہی تھی اس لیے ناصرالدین نے زیادہ دیر قلعے میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی لشکر گاہ میں واپس چلا آیا۔ جن لوگوں نے اس معرکے میں بہادری کا ثبوت دیا تھا انہیں ناصر الدین نے انعام و اکرام سے نوازا۔

لشکر چندیری کی آمد

کچھ دنوں کے بعد حاکم چندیری مظفر خاں کا لڑکا شیر خاں ایک ہزار سواروں اور گیارہ ہاتھیوں کی جمعیت کے ساتھ ناصر خاں سے آ ملا۔ اس لشکر کے آ جانے کی وجہ سے ناصرالدین بہت خوش ہوا اور اس کے سپاہیوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اس موقعے پر ناصرالدین نے اپنے بڑے بیٹے "شیر خاں" کو مظفر خاں اور چھوٹے بیٹے کو "سعید خاں" کا خطاب دیا۔

محافظان دروازہ بالا پور کی اطاعت

اہل قلعہ میں بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی ناصرالدین کی بہی خواہی کا اعلان کیا۔ دروازہ بالا پور کے محافظوں نے بھی اپنی اطاعت کا یقین دلایا اور ناصرالدین کو پیغام بھیج کر اس دروازے کی طرف بلایا۔ ناصرالدین نے ۲۴ ربیع الثانی کو شیخ حبیب اللہ موافق خاں خواجہ سہیل کو دروازہ بالا پور کی جانب روانہ کیا۔ شہزادہ شجاعت کو اس کا علم ہو گیا وہ اپنا تھوڑا بہت لشکر لے کر بالا دروازے کی طرف آیا لیکن شکست کھا کر سلطان غیاث الدین کے محل میں پناہ گزین ہو گیا۔

ناصرالدین کا قلعے میں داخلہ

جب شیخ حبیب اللہ وغیرہ قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ تو انہوں نے بادشاہ کو بھی وہیں بلا لیا اس کے بعد تمام امراء ناصرالدین کو مبارک باد دینے کے لیے اس کے گرد جمع ہو گئے اسی دوران میں لوگوں نے شہر کی تباہی و بربادی کی طرف بھی توجہ کی۔ بہت کچھ لوٹ مار کی گئی یہاں تک کہ شاہی عمارتوں کو بھی نذر آتش کر دیا۔

ملکہ خورشید اور شہزادہ شجاعت خاں کو ناصرالدین کے حکم سے سلطانی محل سرا سے نکالا گیا اور سلطان غیاث الدین بھی ایک دوسرے محل میں جو اس نے عیش و عشرت کے لیے بنایا تھا منتقل ہو گیا۔

ناصرالدین کی تخت نشینی

۲۷ ربیع الثانی بروز جمعہ ناصرالدین تخت سلطنت پر بیٹھا اور ملک میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہوا۔ امیروں اور دوسرے لوگوں نے بادشاہ پر جس قدر بھی زر و جواہر اور نقد دولت نثار کی وہ سب کی سب غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دی گئی۔

مخالفین کی سزائیں

ناصرالدین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے مخالف امیروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور اس طرح مکھن خاں بقال محافظ خاں اور مفرح حبشی وغیرہ اپنی سزا کو پہنچے انہیں دنوں شہزادہ شجاعت کو بھی قتل کیا گیا۔ سلطان ناصرالدین نے ملکہ خورشید کو موکلوں کے سپرد کر دیا۔

ولی عہد کا تقرر اور انعامات کی تقسیم

جب سلطان ناصرالدین کو مخالفین کی طرف سے اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنے منجھلے بیٹے کو جو منجھلے میاں کے نام سے مشہور تھا اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اسے "شہاب الدین" کا خطاب دیا۔ شیخ حبیب اللہ کو "عالم خاں" کا خطاب دیا گیا اور اسے امراء کی جماعت میں داخل کیا گیا۔ خواجہ سہیل خواجہ سرا کو سپہ سالار بنایا گیا۔ بادشاہ نے اپنے دوسرے بہی خواہوں کو بھی انعامات و جاگیرات سے نوازا۔

باپ بیٹے کی ملاقات

۱۳ جمادی الثانی کو سلطان ناصرالدین اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان غیاث الدین نے بیٹے کو آغوش میں لے لیا اور اس کے سر اور چہرے کو بوسہ دے کر دیر تک روتا رہا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین نے سلطان ناصرالدین کو سید محمد نور بخشی کی عطا کردہ قبا جو دربار عام اور اس قسم کی دوسری اہم تقریبات پر پہنی جاتی تھی مرحمت کی تاج سلطنت اس کے سر پر رکھا اور خزانے کی چابیاں اس کے ہاتھ میں دیں۔ اس کے بعد غیاث الدین نے بیٹے کو تخت نشینی کی مبارک باد دی اور محل سرا میں جانے کی اجازت دی۔

ولی عہد پر شاہانہ عنایات

اسی سال ۱۶ رجب کو سلطان غیاث الدین نے ایک قبائے خاص کلاہ دولت' بیس ہاتھی' سو گھوڑے گیارہ چتر' دو پالکیاں' نقارہ' سراپردہ سرخ اور بیس لاکھ تنکے نقد اپنے ولی عہد شہاب الدین کو مرحمت فرمائے۔

حاکم مندسور کی بغاوت

اسی سال یہ اطلاع ملی کہ مندسور کا حاکم مقبل خاں بغاوت پر آمادہ ہے اور مخالفانہ حرکتوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ سلطان ناصرالدین نے مہابت خاں کو مقبل خاں کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ مہابت خاں مندسور پہنچا لیکن مقبل خاں ہاتھ نہ آیا اور چندیری کے حاکم شیر خاں کے پاس چلا گیا۔ دوسرے کئی امراء (مثلاً علی خاں وغیرہ) جو اپنی سابقہ بداعمالیوں کی وجہ سے سلطان ناصرالدین سے خائف تھے وہ بھی شیر خاں کے پاس چلے گئے۔

شیر خاں کا اعلان بغاوت

شیر خاں اچھی طرح جانتا تھا کہ ناصرالدین شراب کے نشے میں وحشت ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور پھر اس عالم میں اپنے باپ کے عہد حکومت کے امیروں اور اکابر کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس قسم کا ظلم و ستم ناصرالدین ہر روز ہی کرتا ہے اس وجہ سے شیر خاں بھی بادشاہ سے بہت سخت خائف تھا اور اس وجہ سے اس نے اپنی مخالفت کا اعلان بھی کر دیا۔

شورش انگیزی

سلطان ناصرالدین نے مبارک خاں اور شیخ حبیب اللہ المخاطب بہ عالم خاں کو چندیری بھیجا تاکہ یہ دونوں امیر شیر خاں کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں۔ مگر شیر خاں راہ راست پر نہ آیا بلکہ اور زیادہ شورش انگیزی کرنے لگا۔ اس نے مبارک خاں اور عالم خاں کو گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا عالم خاں تو اس کے ہاتھ نہ آیا البتہ مبارک خاں کو شیر خاں نے گرفتار کر لیا۔

بادشاہ کا غصہ

عالم خاں واپس پایہ تخت میں آیا اور اس نے سلطان ناصر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ سنایا- بادشاہ کو شیر خاں کی نازیبا حرکت پر سخت غصہ آیا اسی سال بادشاہ کوشک جہاں نما میں قیام پذیر ہوا- شیر خاں اجین چلا گیا اور پھر مہابت خاں کے اغوا سے واپس ہو کر دیپال پور پہنچا اس نے قصبہ ہدیہ میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا- سلطان ناصر الدین کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً کوچ کر کے کوشک دھار میں مقیم ہوا-

غیاث الدین کا قاتل؟

اسی اثناء میں سلطان غیاث الدین نے داعی اجل کو لبیک کہا چونکہ تمام مقتدر امراء سلطان غیاث الدین کے بہی خواہ اور سلطان ناصر الدین کے مخالف تھے- اس لیے ان کو یقین ہو گیا کہ ناصر الدین نے زہر دے کر اپنے باپ کو ہلاک کیا ہے اس بارے میں راقم الحروف مورخ فرشتہ کا خیال یہ ہے کہ جو بادشاہ اپنے باپ کو قتل کرتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہتا ہے اور اس دوران میں بھی وہ کامیابی سے حکومت نہیں کرتا لیکن سلطان ناصر الدین اس کے بعد ایک عرصے تک زندہ رہا اور حکومت کرتا رہا- اس لیے یہ کہنا کہ سلطان غیاث الدین کا قاتل وہی ہے ایک ناقابل یقین امر ہے- اگر ناصر الدین اس ناشائستہ حرکت کا ارتکاب کرتا تو یقیناً اس پر وبال پڑتا لیکن ایسا نہیں ہوا- اس لیے اس سلسلے میں سلطان ناصر الدین کو مجرم قرار دینا محض ایک تہمت ہے یہ محض ایک رائے ہے اصل حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے-

شیر خاں کی مدافعت

سلطان ناصر الدین اپنے باپ کی وفات حسرت آیات پر بہت رویا تین روز تک اس نے تعزیت کی رسم ادا کی اور اس کے بعد چندیری کی طرف روانہ ہوا تاکہ شیر خاں کا مزاج درست کرے- عین الملک اور دوسرے سرداروں نے شیر خاں کا ساتھ چھوڑ دیا اور بادشاہ سے آ ملے- شیر خاں سلطان ناصر الدین کے خوف سے سارنگ پور کی طرف بھاگ گیا' بادشاہ نے اس کا تعاقب کیا- آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی اور شیر خاں شکست کھا کر ایرجہ کی طرف چلا گیا- بادشاہ چندیری پہنچا اور چند روز تک اسی جگہ مقیم رہا-

چندیری کے شیخ زادوں کا خط شیر خاں کے نام

چندیری کے شیخ زادوں نے شیر خاں کے نام ایک خط لکھا کہ "بادشاہ کے اکثر سپاہی اور امراء اپنی جاگیروں پر چلے گئے ہیں آج کل بارشیں ہو رہی ہیں اس وجہ سے بادشاہ بہ عجلت لشکر فراہم نہیں کر سکتا- اگر تم چندیری چلے آؤ تو ہم یہاں کے عوام کو اپنے ساتھ ملا کر بادشاہ کو بڑی آسانی سے قید کر سکتے ہیں اگر آنا ہے تو جلد آؤ- ورنہ یہ کام پورا نہ ہو سکے گا-"

معرکہ آرائی اور شیر خاں کی وفات

سلطان ناصر الدین کو شیخ زادوں کی سازش کی اطلاع ہو گئی اس نے اقبال خاں اور ملو خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ شیر خاں کی مدافعت کے لیے روانہ کیا ان دونوں سرداروں نے چندیری سے دو کوس کے فاصلے پر شیر خاں سے معرکہ آرائی کی' دوران جنگ میں شیر خاں زخمی ہوا اور اس کا بہترین ساتھی سکندر خاں مارا گیا- اس کے بعد مہابت خاں نے اس کی لاش کو دفن کیا اور خود اطراف ممالک کی طرف چلا گیا-

بادشاہ سعد الپور میں

سلطان ناصر الدین میدان جنگ میں آیا اور اس نے شیر خاں کی لاش کو قبر سے نکلوا کر چندیری بھجوا دیا تاکہ اس کو وہاں پھانسی پر لٹکا دیا

جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے چندیری کی حکومت بہجت خاں کے حوالے کی اور خود سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سعد الپور میں پہنچا۔

عالم خاں کی گرفتاری

سلطان ناصر الدین کو یہ اطلاع ملی کہ شیخ حبیب اللہ المخاطب عالم خاں کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور بغاوت کا ارادہ کیے ہوئے ہے بادشاہ نے عالم خاں کو قید کر لیا اور اپنی روانگی سے پہلے ہی اس کو مندو کی طرف بھجوا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ خود بھی واپس مندو میں آیا۔

سلطان ناصر الدین کی عاقبت اندیشی

سلطان ناصر الدین کو اپنے باپ کے قدیم ملازمین سے ہمیشہ بوئے بغاوت آتی تھی اس لیے وہ ان سے کچھ خوش نہ تھا اسی وجہ سے اپنے خاص ملازمین کی طرف توجہ کی اور ان کو ہر طرح سے لطف و کرم کا سزاوار سمجھا۔ بادشاہ نے اپنی والدہ ملکہ خورشید کے ساتھ بھی بڑی بے ادبی کی اور اپنے باپ کا خزانہ جو ملکہ کے پاس تھا بہ جبر اس سے چھین لیا۔

بادشاہ کی مے نوشی اور خون ریزی

اس واقعہ کے بعد بادشاہ کا سارا وقت شراب نوشی اور خون ریزی میں گزرتا تھا وہ اکثر اوقات شراب کے نشے میں کھویا رہتا یا اپنے باپ کے پرانے ملازموں کو شراب پلا کر دھوکے سے قتل کرتا رہتا تھا۔ بادشاہ کی ان بری عادتوں کی وجہ سے ملک میں سخت انتشار پھیل گیا اور رعایا سلطان ناصر الدین سے نفرت کرنے لگی۔

ناصر الدین کے ظلم و ستم کا ایک واقعہ

ایک روز بادشاہ نے حرم سرا کے اندر حوض کالیادہ کے کنارے محفل عیش و عشرت بپا کی۔ اس محفل میں اس نے اس قدر شراب نوشی کی کہ وہ اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اسی جگہ سو گیا سوتے میں اس نے کروٹ لی اور حوض میں جا گرا اس وقت چار کنیزیں وہاں موجود تھیں انہوں نے بادشاہ کو بڑی مشکلوں سے پانی سے باہر نکالا اور اس کا لباس جو گیلا ہو گیا تھا اتار کر دوسرا خشک لباس اسے پہنایا۔ جب بادشاہ کو ہوش آیا تو اس نے درد سر کی شکایت کی کنیزوں نے اسے حوض میں گرنے کا واقعہ سنایا۔ بادشاہ کے جی میں خدا جانے کیا آیا کہ اس نے اسی وقت تلوار نکال کر ان چاروں بے گناہوں کو قتل کر دیا۔ اس واقعے سے ناصر الدین کے ظلم و ستم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کچھوارہ پر لشکر کشی

۹۰۸ھ میں سلطان ناصر الدین نے کچھوارہ پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے قصبہ نعلچہ میں آیا۔ یہاں سے بادشاہ قصبہ آگرہ پہنچا اس مقام کی آب و ہوا سلطان ناصر الدین کو بہت پسند آئی اور اس نے یہاں ایک عظیم الشان محل تعمیر کیا جو فن تعمیر کے نقطہ نظر سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ولایت کچھوارہ میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا اور کچھ دنوں بعد واپس لوٹا۔

چیتور کا سفر

۹۰۹ھ میں سلطان ناصر الدین نے چیتور کا سفر کیا۔ راجہ رنمل اور تمام زمینداروں سے پیش کش وصول کی۔ راجہ رنمل کے ایک رشتہ دار جیون مل نے بادشاہ کی خدمت میں اپنی بیٹی پیش کی۔ بادشاہ نے اس لڑکی کا نام رانی چیتوری رکھا اور واپس لوٹا۔

احمد نظام شاہ کا برہان پور پر حملہ

راستے میں سلطان ناصر الدین کو یہ اطلاع ملی کہ احمد نظام شاہ بحری نے کچھ واقعات سے برافروختہ ہو کر برہان پور پر حملہ کر دیا ہے۔ اور اس مملکت کو تباہ و برباد کر رہا ہے حاکم برہان پور داؤد خاں فاروقی قلعہ اسیر میں محصور ہے کیوں کہ وہ احمد نظام شاہ بحری کا مقابلہ نہیں کر

سکا۔

داؤد خاں فاروقی کی مدد

داؤد خاں فاروقی حاکم امیر سے سلطان ناصر الدین کے بہت خوشگوار تعلقات تھے۔ داؤد خاں کو جب بھی کبھی ضرورت پڑتی تھی وہ ناصر الدین سے امداد حاصل کیا کرتا تھا۔ اس بار بھی سلطان ناصر الدین نے دوستی کا حق ادا کیا اور اقبال خاں اور ملو خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ برہان پور روانہ کیا۔ احمد نظام شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ لشکر مالوہ کے خوف سے اپنے پایہ تخت احمد نگر کو واپس چلا گیا۔ اقبال خاں نے برہان پور میں سلطان ناصر الدین کے نام کا خطبہ جاری کیا اور مندو واپس آ گیا۔

شہزادہ شہاب الدین کی ناصر الدین سے ناراضگی

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ناصر الدین نے اپنے باپ غیاث الدین کے خلاف سرکشی کی تھی اس وجہ سے اسے اپنے بیٹے شہاب الدین سے خطرہ رہتا تھا کہ کہیں وہ بغاوت نہ کر بیٹھے۔ شہاب الدین بھی اپنے باپ کی اس احتیاط سے واقف ہو گیا تھا اسی لیے وہ شاہی بارگاہ میں ذرا کم ہی جاتا تھا وہ اپنے باپ کے ظلم و ستم سے بھی بخوبی واقف تھا۔ اور اس وجہ سے اس سے ناخوش تھا۔ اس طرح دوسرے ارا کین سلطنت بھی بادشاہ سے سخت تنگ آئے ہوئے تھے اور ہر وقت اس کی موت کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔

ناصر الدین کی مخالفت

۹۱۶ھ میں بعض مالوی امیروں نے سلطان شہاب الدین سے بات چیت کر کے اسے بادشاہ کی مخالفت کی ترغیب دلائی۔ وہ تو پہلے ہی سے اپنے باپ کے خلاف بھرا بیٹھا تھا اب جو اسے امراء کی تائید حاصل ہوئی تو اس کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ پایہ تخت سے کوچ کر کے وسط مملکت میں چلا آیا اور اس نے باپ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا۔ لوگ تو ناصر الدین کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہی ہوئے تھے لہٰذا وہ سب شہاب الدین کے گرد جمع ہو گئے۔

باپ بیٹے میں جنگ

سلطان ناصر الدین کو جب اپنے بیٹے کی بغاوت کا حال معلوم ہوا تو وہ لشکر تیار کر کے اس سے جنگ کرنے کے لیے نکلا باپ بیٹے میں ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ اگرچہ سلطان ناصر الدین کے پاس بہت کم لشکر تھا مگر اس نے شہاب الدین کو شکست دے دی۔ شہاب الدین شکست کھا کر دہلی کی طرف فرار ہو گیا۔ ناصر الدین اگر چاہتا تو شہاب الدین کو تعاقب کر کے اسے گرفتار کر سکتا تھا لیکن محبت پدری نے اسے ایسا نہ کرنے دیا اور وہ واپس آ گیا۔

باپ کا بلاوا' بیٹے کا انکار

سلطان ناصر الدین نے اپنے چند قابل اعتبار آدمیوں کو شہاب الدین کے پاس بھیجا تاکہ اسے نصیحت کر کے واپس لائیں۔ شہاب الدین نے باپ کے اس پیغام کو فریب اور مکاری پر محمول کیا اور جان کے خوف سے آنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ کو جب بیٹے کا یہ جواب ملا تو بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

تخمے کہ در ہوائے تو کشتیم' خاک خورد

ناصر الدین کی بیماری

شراب نوشی بادشاہ کے جسم کو گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی آخر کار اس بری عادت کا برا نتیجہ نکلا اور وہ تپ محرقہ میں مبتلا ہو گیا ایک روز بخار بہت تیز ہو گیا۔ بادشاہ کو بے حد گرمی محسوس ہوئی باوجود اس کے ان دنوں سردی کا موسم تھا بادشاہ نے ٹھنڈے پانی سے

غسل کیا اس وجہ سے اس کی حالت بہت بگڑ گئی اور جان کے لالے پڑ گئے۔

وفات

حکیموں اور طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن بادشاہ کا مرض بڑھتا ہی گیا اسی حالت میں ایک روز بادشاہ نے اپنے تمام امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کیا اور ان کی موجودگی میں اپنے تیسرے بیٹے سلطان محمود کو موضع بہشت پور میں اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ اس واقعے کے بعد بادشاہ نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور دوسرے ہی لمحے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ناصر الدین خلجی گیارہ سال چار مہینے اور تین دن تک حکمران رہا۔

سلطان محمود ثانی بن ناصرالدین خلجی

شہاب الدین کی تگ و دو

سلطان ناصرالدین کے انتقال کی خبر جب عام ہوئی تو شہاب الدین جو دہلی کی طرف جا رہا تھا اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور راستے ہی میں سے لوٹ آیا۔ شہاب الدین جلد از جلد منڈو آیا اور سلطان محمود ثانی کے پہنچنے سے پہلے ہی ظفر آباد نعلچہ میں پہنچ گیا۔ محافظ خاں خواجہ سرا اور خواص خاں نے قلعے کا دروازہ بند کر دیا شہاب الدین کو راستہ نہ دیا۔ اسی دوران میں سلطان محمود بھی شہاب الدین کے قریب پہنچ گیا اب تو آخر الذکر بڑا خوف زدہ ہوا اور اسیر کی طرف بھاگ گیا۔

محمود کی تخت نشینی

سلطان محمود ثانی بغیر کسی روک ٹوک کے قلعے میں داخل ہوا اور تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا اسی روز محمود کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ سات سو ہاتھی دربار میں لائے گئے کہ جن پر مخمل اور زربفت کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں تمام امراء اور اکابر جمع ہوئے اور شاہی چتر پر سے بے شمار زر و جواہر نچھاور کیے گئے بادشاہ نے یہ رقم غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دی۔

بسنت رائے کا قتل

بسنت رائے سلطان محمود کا منہ چڑھا امیر تھا اسے بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ محمود کی خدمت میں اس وقت سے تھا جب کہ بادشاہ بہت کم سن تھا۔ امیروں نے بسنت رائے کے اس اقتدار کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا اور اسے قتل کر دیا پھر بادشاہ سے آ کر کہا۔ "بسنت رائے باغیانہ خیالات رکھتا تھا وہ امیروں اور سپاہیوں کو ورغلا کر ملک میں انتشار پیدا کرنا چاہتا تھا اس لیے ہم نے اسے قتل کر دیا۔

امیروں کا ناروا طرز عمل

اگرچہ بادشاہ نے اس امر کو پسند نہ کیا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ اس کے بعد امیروں نے بادشاہ سے عرض کیا "نقد الملک بسنت رائے کا پیرو ہے وہ بھی بہت ہی چالاک اور مکار ہے اس لیے اس کا وجود بھی مملکت کے لیے ایک مستقل خطرے کی حیثیت رکھتا ہے بہتر ہے کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے۔ "سلطان محمود نے مجبور ہو کر نقد الملک کو امیروں کے پاس بھیج دیا اور کہا "اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ خارج البلد کر دیا جائے امیروں نے نقد الملک کو شہر سے باہر نکال دیا امیروں کے اس طرز عمل سے بادشاہ کو بہت تکلیف پہنچی۔

محافظ خواجہ سرا کی فتنہ انگیزی

شہر کا حاکم محافظ خاں خواجہ سرا بڑا دوں فطرت انسان تھا اس نے جب مہمات سلطنت کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے پر نکالے اور اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کی۔ ایک روز محافظ خاں نے موقع پا کر بادشاہ سے کہا "آپ کے دو بھائی قلعہ میں نظربند ہیں اور یہ دونوں ہی موقع و محل کے منتظر ہیں تاکہ رہائی حاصل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں۔ اگر آپ کو سلطنت کرنا مقصود ہے تو بہتر یہی ہے کہ آپ ان دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیں ورنہ بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔"

بادشاہ کے حضور محافظ خاں کی گستاخی

محافظ خاں خواجہ سرا کا یہ طرز تکلم بادشاہ کو قطعاً پسند نہ آیا اور وہ محافظ خاں کی اس بے ادبی سے سخت آزردہ ہوا اور یہ کہا "تم اپنی

حقیقت کو سمجھو تم جیسے معمولی اشخاص کا یہ کام نہیں ہے کہ شاہی خاندان کے افراد کو قتل کرنے کا مشورہ دیں اور شاہی بارگاہ میں اس گستاخی اور بے ادبی سے گفتگو کریں۔" اس کے جواب میں محافظ خاں نے کچھ ناشائستہ کلمات زبان سے نکالے۔

محافظ خاں پر بادشاہ کا حملہ

یہ دیکھ کر سلطان محمود کو سخت غصہ آیا اور اس سے ایک ملازم کی گستاخی برداشت نہ ہو سکی اس نے محافظ خاں کے ہاتھ سے اسی کی تلوار چھین کر اس پر حملہ کر دیا۔ محمود نے محافظ خاں کے سر پر ایک وار کیا اسے اچھا خاصہ زخم آیا اور اس کے سر میں خون کا فوارہ نکل پڑا' محافظ اسی عالم میں باہر چلا گیا۔

بادشاہ کے قتل کی سازش

محافظ خاں نے اپنے بہی خواہوں اور دوستوں کو اکٹھا کیا اور بادشاہ کو قتل کرنے کے ارادے سے شاہی قیام گاہ کی طرف آیا۔ بڑے بڑے امیروں نے اس موقع پر غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا اور خاموش تماشائیوں کی حیثیت سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ سلطان محمود نے اپنے لشکر خاصہ کی ایک جماعت (جس میں عراقی' خراسانی اور حبشی سپاہی شامل تھے) اور اپنے مقربین کو تیار کیا اور محافظ سے جنگ کرنے کے لیے اپنی قیام گاہ سے باہر نکلا۔

صاحب خاں کی بادشاہت

محافظ خاں نے سلطان محمود خلجی ثانی کے بھائی صاحب خاں کو قید سے باہر نکالا اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ محمود خلجی نے وسط مملکت میں قیام کیا اور لشکر فراہم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ سب سے پہلے امراء میں سے میدنی رائے بادشاہ کے ساتھ آ کر ملا اس کی قوم اور رشتہ داروں نے بھی بادشاہ کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد حاکم چندیری بہجت خاں کا لڑکا شرزہ خاں بادشاہ کی خدمت میں آیا اس کے بعد اور بہت سے امیر بادشاہ کے پاس آ گئے اور اس طرح سلطان محمود کی قوت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

صاحب خاں اور سلطان محمود میں جنگ

صاحب خاں اور محافظ خاں نے بھی بہت کوشش کی اور بے شمار دولت صرف کر کے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ سلطان محمود اپنے لشکر جرار کے ساتھ دولت آباد مندو آیا۔ فریقین میں جنگ شروع ہو گئی بڑا گھمسان کا رن پڑا دونوں لشکروں نے میدان مارنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

صاحب خاں کا قلعہ مندو میں محصور ہونا

صاحب خاں نے بڑی جرات سے سلطان محمود کے لشکر پر پے در پے کئی حملے کئے۔ اسی دوران میں صاحب خاں کا ایک ہاتھی سلطان محمود کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ سلطان محمود نے مہاوت کے سینہ کا نشانہ باندھ کر تیر پھینکا اور وہ مہاوت اور ہاتھی دونوں کی پشت پر سے گزر گیا۔ اسی دوران میں میدنی رائے نے راجپوتوں کے گروہ کے ہمراہ جو برچھا اور جمدھر کے استعمال میں اپنی مثال آپ تھا دشمن پر شدید حملہ کیا۔ صاحب خاں اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور پریشان ہو کر قلعہ مندو میں پناہ گزین ہو گیا۔

صاحب خاں کے نام سلطان محمود کا پیام

سلطان محمود نے حوض حسین تک صاحب خاں کا تعاقب کیا اور پھر اسی مقام پر قیام پذیر ہو گیا۔ سلطان محمود نے اپنے بھائی کے نام یہ پیغام بھجوایا "کچھ ہوش کرو اور سوچو کہ تم کس قدر نازیبا حرکت کا ارتکاب کر رہے ہو تجھے جس قدر دولت چاہیے میں دینے کو تیار ہوں ور جو مقام تجھے پسند ہے اسے تیرے حوالے کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن بادشاہت کا خیال دل سے نکال دو۔"

قلعے کا محاصرہ

صاحب خاں قلعے کی مضبوطی اور استحکام پر نازاں تھا اس نے سلطان محمود کے پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔ سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ پر طرح طرح کی سختیاں کرنے لگا۔

محافظ خاں کا فرار

قلعے کے اندر بعض امیر ایسے بھی تھے جو محافظ خاں کے خلاف تھے اور اس کے اقتدار کو سخت ناپسند کرتے تھے انہوں نے سلطان محمود کو پیغام بھجوایا کہ "اگر آپ قلعے میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو آپ فلاں راستے سے آیئے ہم ہر ممکن طریقے سے خدمت کے لیے تیار ہیں۔" محافظ خاں کو اس کا علم ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب معاملہ نازک ہے لہٰذا اس نے بہت سا مال و دولت' زر و جواہر وغیرہ ساتھ لیے اور صاحب خاں کو تنہا چھوڑ کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔

محافظ خاں کی آوارہ گردی

گجرات پہنچ کر محافظ خاں کی فتنہ انگیزی نے ایک نیا گل کھلایا اور وہاں اس نے شاہ اسمٰعیل بادشاہ ایران کے سفیر سے لڑائی کر لی اس وجہ سے گجرات میں بھی اس کا رہنا مشکل ہو گیا اور وہاں سے سلطان مظفر کی اجازت کے بغیر ہی اسیر چلا گیا اسیر سے محافظ خاں نے تین سو سواروں کے ہمراہ کاویل کا رخ کیا اور عماد الملک کے پاس جا پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ عماد الملک نے چند دیہات اس کو اخراجات کے لیے عطا کیے اور مدد کا وعدہ کیا۔

اقبال خاں اور مخصوص خاں کی مندو کی طرف آمد

سلطان محمود نے صاحب خاں کے فرار کے بعد قلعہ شادی آباد مندو میں داخل ہو کر امور سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اقبال خاں اور مخصوص خاں کسی وجہ سے مذکورہ بالا واقعے سے پہلے ہی اسیر چلے گئے۔ انہیں جب صاحب خاں کے ہنگامے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے شہاب الدین کے سر پر چتر شاہی سایہ فگن کیا اور گرمیوں کے موسم میں جب کہ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی برہان پور اسیر سے شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔

شہاب الدین کا قتل

ان دونوں نے بڑی تیزی سے سفر طے کیا اور ایک دن ایک رات میں تیس کوس کی مسافت طے کی۔ ان دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ صاحب خاں اور محافظ خاں سلطان محمود کے مقابلے کی تاب نہ لا کر مندو سے فرار ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے اقبال خاں اور مخصوص خاں نے توقف کیے بغیر ہی سفر کی منزلیں طے کیں۔ شہاب الدین شدید گرمی کی وجہ سے بیمار پڑ گیا اور کچھ ہی عرصے میں اس نے انتقال کیا۔

اقبال اور مخصوص کا فرار

شہاب الدین کے انتقال کے بعد مخصوص خاں اور اقبال خاں نے شہاب الدین کے بیٹے کے سر پر چتر شاہی سایہ فگن کیا اور اسے سلطان ہوشنگ کا خطاب دے کر اسے اپنا بادشاہ تسلیم کیا' یہ دونوں امیر سلطان ہوشنگ کو لے کر مالوہ میں آئے۔ سلطان محمود نے ان دونوں کا مقابلہ کیا۔ طرفین میں زبردست جنگ ہوئی' اقبال خاں اور مخصوص خاں زیادہ دیر تک سلطان محمود کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور پہاڑیوں میں چھپ گئے۔

اقبال اور مخصوص خاں کی معافی

کچھ دنوں بعد ان دونوں امیروں نے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی اور سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کی بہی خواہی اور

وفاداری کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے ان کی خطا معاف کی اور انعام و اکرام سے نوازا۔

افضل خاں اور اقبال کا قتل

میدنی رائے' اقبال خاں اور افضل خاں کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ اور ان کے وجود کو اپنی ترقی کے راستے کا سنگ گراں سمجھتا تھا اس نے سلطان محمود کو ان دونوں امیروں کے خلاف بھڑکایا اور کہا "یہ دونوں امیر صاحب خاں کے بہی خواہ ہیں اور انہوں نے اس کے نام خطوط لکھ کر اسے مندو پر حملہ کرنے کی دعوت دی ہے۔" سلطان محمود یہ سن کر بہت غصے میں آیا اور اس نے حکم دیا کہ جب یہ امیر بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور اس طرح ان دونوں امیروں کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

حاکم چندیری کی طلبی

میدنی رائے نے اس کے بعد بادشاہ کو چندیری کے حاکم بہجت خاں کے خلاف بھڑکایا۔ بادشاہ نے بہجت خاں کو پایہ تخت میں طلب کیا۔ بہجت خاں کو معلوم ہو چکا تھا کہ میدنی رائے اس کا دشمن ہے اور ضرور اس نے کوئی چال چلی ہو گی' لہٰذا بہجت نے برسات کا بہانہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذوری کا اظہار کیا۔

سکندر خاں کی بغاوت

سلطان محمود نے حاکم بھیلسا منصور خاں کو سکندر خاں کی مدافعت کے لیے نامزد کیا۔ سکندر خاں ان دنوں مندو سے بھاگ کر ملک میں بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے تھا اور اس نے گندوبر سے شہاب آباد تک کے علاقے پر قبضہ کر رکھا تھا سکندر خاں کو جب منصور خاں کی اطلاع ہوئی تو اس نے بہت سا لشکر جمع کر لیا نیز گوندوانہ کے راجے بھی اس کی مدد کے لیے آ گئے۔ اس وجہ سے منصور خاں میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ سکندر کا مقابلہ کرتا۔

سکندر کی مدافعت

منصور خاں نے بادشاہ کو حقیقت حال کی اطلاع دی اور کہا کہ موجودہ صورت حال میں سکندر خان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ میدنی رائے (جو قدیم ملازموں کی تباہی و بربادی کا دل و جان سے خواہاں تھا) نے منصور کو پیغام بھجوا دیا "تمہیں دشمن کی کثرت کا قطعاً خیال نہ کرنا چاہیے بادشاہ کا اقبال دشمن کی تباہی کے لیے کافی ہے لہٰذا تم قدم آگے بڑھاؤ اور دشمن سے جنگ کرو۔"

منصور خاں کا فرار

یہ جواب پاکر منصور خاں بہت پریشان ہوا اور اس نے جہاز خاں جو ایک مقتدر امیر تھا سے مشورہ کیا۔ ان دونوں امیروں نے کافی غور و فکر کے بعد بہجت خاں کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور جلد ہی چندیری کی طرف روانہ ہو گئے۔

سکندر خاں کی امان طلبی

سلطان محمود کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ لشکر تیار کر کے دھار کی طرف روانہ ہو گیا اور میدنی رائے کو ایک زبردست لشکر اور پچاس ہاتھیوں کے ساتھ سکندر خاں کی مدافعت کے لیے نامزد کیا۔ میدنی رائے کے ساتھ تقریباً دس ہزار راجپوت سپاہی تھے۔ اس نے سکندر خاں کو ناک چنے چبوا دیے۔ آخر کار اس نے مجبور ہو کر امان طلبی کی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ میدنی رائے نے اس کی خطا معاف کی اور اسے قدیم جاگیر پر بحال کر دیا۔

ایک نیا فتنہ

رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچی کہ میدنی رائے کا اقتدار اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ انہیں دنوں جب کہ سلطان محمود شادی آباد مندو سے باہر تھا مفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی ایک جماعت نے ایک مجہول النسب شخص کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور سلطان غیاث الدین کی قبر سے چتر شاہی اتار کر اس کے سر پر سایہ فگن کر دیا۔ داروغہ شہر نے اس موقع پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور مفسدوں کو مار بھگایا۔

بہجت خاں کا اقدام

بہجت خاں کو میدنی رائے کے اقتدار اور سلطان محمود کی بے کسی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے چند آدمیوں کو کاویل بھیج کر صاحب خاں کو طلب کیا اور سلطان سکندر لودھی بادشاہ دہلی کے نام سے اس مضمون کا خط لکھا۔ "مالوہ میں راجپوت کافروں نے مسلمانوں پر پوری طرح غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ میدنی رائے جو ان کافروں کا سردار ہے بہت ہی صاحب اقتدار ہو گیا ہے وہ اب تک ان گنت قدیم ملازموں کو قتل کروا چکا ہے اور جو لوگ اس کی زد سے بچے ہوئے ہیں وہ ملک کے اطراف و جوانب میں پریشان حال ہیں۔"

سلطان محمود کی بے دست وپائی

"سلطان محمود میدنی رائے کو ہر طرح کے اختیارات سونپ کر خود بے دست و پا ہو چکا ہے اور وہ اپنی اس عاقبت نا اندیشی سے اب بہت نادم ہے۔ اس کے باوجود وہ عجیب گوکو حالت میں ہے ہم قدیم جاں نثاروں پر اسے قطعاً اعتماد نہیں ہے اور اس وجہ سے ابھی تک میدنی رائے کا دست نگر ہو کر اس کی ہر رائے پر عمل کرتا ہے۔

بے دینی کا دور دورہ

سلطان محمود میدنی رائے کے کہنے سے قدیم ملازمین بارگاہ کے خون کا پیاسا ہے اور ان کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے سارے ملک میں سخت انتشار پھیلا ہوا ہے مذہبی احکامات کی سخت توہین ہو رہی ہے مسجدوں اور مدرسوں میں نمازی اور طالب علم نام کو بھی نہیں رہے۔ اور یہ مقدس مقامات بے دینوں کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔

بادشاہ دہلی سے مدد کی درخواست

اس وقت میدنی رائے اتنا اقتدار حاصل کر چکا ہے کہ وہ باسانی سلطان محمود کو معزول کر کے خود بادشاہ بن سکتا ہے۔ ایسے موقعے پر آپ کی مدد کی ضرورت ہے آپ اپنے لشکر کو اس طرف بھیجئے تاکہ صاحب خاں کو تخت نشین کیا جا سکے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ چندیری وغیرہ میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا جائے گا۔"

محافظ خاں دہلی میں

صاحب خاں اور محافظ خاں دونوں گجرات سے دکن کی طرف جا رہے تھے راستے میں محافظ خاں نے اپنے ساتھی سے علیحدگی اختیار کی اور دہلی جا پہنچا۔ اس نے بادشاہ دہلی سلطان سکندر لودھی سے تعلقات پیدا کئے اور بادشاہ دہلی نے اسے "سلطان محمد" کا خطاب عطا کیا اور عماد الملک اور سعید خاں لودھی کی نگرانی میں بارہ ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر مالوہ کی مہم کے لیے نامزد کیا۔

مالوہ میں بدامنی

انہیں دنوں سلطان گجراتی بھی زبردست لشکر اور بہت سے ہاتھی لے کر دھار میں آیا اس کے علاوہ سکندر خاں نے بھی دوبارہ علم بغاوت بلند کیا۔ اور ان وجوہ کی بنا پر سارے ملک میں سخت بدامنی پھیل گئی میدنی رائے نے اس بدامنی کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور فتنہ پردازوں کی مدافعت پر کمر باندھی۔

سلطان مظفر کی واپسی

میدنی رائے سلطان محمود کو قلعے سے باہر لایا اور راجپوتوں کا ایک لشکر گجراتی فوج کے مقابلے پر روانہ کیا۔ حاکم کھندونی ملک لودہ کو سکندر خاں کا مقابلہ کرنے کے لیے نامزد کیا۔ اتفاق سے گجراتی لشکر کے ایک حصے کو راجپوتوں نے شکست دی۔ سلطان مظفر گجراتی نے اس امر کو فال بد سمجھا اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

سکندر اور ملک لودہ کی جنگ

ملک لودہ نے سکندر خاں سے جنگ کی اور اسے شکست دی۔ جس وقت ملک لودہ دشمن کے لشکر کو تباہ و برباد کر رہا تھا اس وقت سکندر خاں کا ایک سپاہی جس کے بال بچوں کو ملک لودہ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا تھا ملک لودہ کے پاس آیا قدم بوسی کے بہانے سے یہ سپاہی آگے بڑھا اور خنجر سے ملک لودہ پر حملہ کر دیا۔ ملک لودہ کے پہلو میں شدید زخم آیا اور وہ وہیں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سکندر خاں نے شاہی لشکر کو خوب پراگندہ کیا اور چھ قوی ہیکل ہاتھیوں کو بطور مال غنیمت کے اپنے ساتھ لے کر سواس چلا گیا۔

دہلی کے لشکر اور صاحب خاں کی آمد

سلطان محمود نے میدنی رائے کے مشورے سے اس مہم کو فی الحال موقوف کیا اور خود بہجت خاں کی سرکوبی کے لیے چندیری کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں سلطان محمود خلجی کو یہ معلوم ہوا کہ صاحب خاں قریب آ پہنچا ہے۔ منصور خاں نے اس کا استقبال کر کے چتر شاہی اس کے سر پر سایہ فگن کر دیا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ لشکر دہلی سعید خاں محافظ خاں اور عماد الملک لودھی کی نگرانی میں صاحب خاں کی مدد کے لیے قریب پہنچ چکا ہے۔

صدر خاں اور مخصوص خاں کی علیحدگی

یہ تمام خبریں سن کر سلطان محمود خلجی سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ آخر وہ کون سی تدابیر اختیار کی جائیں کہ ان مصیبتوں سے نجات ملے۔ اسی اثنا میں اس کے دو نمایاں امیر صدر خاں اور مخصوص خاں اس کے لشکر سے علیحدہ ہو کر صاحب خاں کے پاس چلے گئے اور اس کی ملازمت کر لی۔

لشکر دہلی کی واپسی

عماد الملک اور سعید خاں نے محافظ خاں کے مشورے سے بہجت خاں کو یہ پیغام دیا۔ "تم ملک سلطان سکندر کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کرو۔" بہجت خاں نے اس پیغام کا کوئی جواب نہ دیا۔ عماد الملک وغیرہ نے اس امر کو بہانہ بنایا اور روانہ ہوئے اور چندیری سے چود کوس کے فاصلے پر مقیم ہوئے اس کے لئے کسی جنگ کی نوبت نہ آئی کیونکہ سلطان سکندر نے دہلی سے فرمان بھیج کر اپنے لشکر کو واپس بلا لیا۔

یک دوسری روایت

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چندیری میں سلطان سکندر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا لیکن سلطان سکندر نے اپنے شکر کو چندیری میں زیادہ دیر ٹھہرنے نہ دیا کیونکہ سلطان سکندر کے لشکر میں چالیس ہزار راجپوت تھے اور ان کی بہادری اپنی مثال آپ تھی۔

حافظ خاں کی آمد

لشکر دہلی کی واپسی پر سلطان محمود نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس مصیبت سے چھٹکارا پا کر دل بہلاوے کے لیے شکار میں

معروف ہوا۔ چند روز تک یہی مشغولیت رہی اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ محافظ خاں بہجت خاں کے کہنے پر ایک لشکر جرار لے کر دہلی سے شادی آباد مندو کی طرف آ رہا ہے۔ بادشاہ نے حبیب خاں اور فخر الملک کو امیروں کی ایک جماعت کے ہمراہ جو سب راجپوت تھے محافظ خاں کی مدافعت پر نامزد کیا۔

لڑائی اور محافظ خاں کی ہلاکت

ظفر آباد کے نواح میں محمود شاہی لشکر اور محافظ خاں کی فوج میں مقابلہ ہوا۔ فریقین میں بڑے زور کی جنگ ہوئی محمود کا اقبال کام آیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی محافظ خاں مارا گیا۔ اس وجہ سے بہجت خاں اور مخصوص خاں بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے صاحب خاں سے مشورہ کر کے بادشاہ سے صلح کی درخواست کی۔

صلح

صاحب خاں نے سلطان محمود کے پاس شیخ اولیاء نامی ایک عالم کو روانہ کیا اور صلح کی بات چیت کی۔ سلطان محمود تو اس امر کا دل و جان سے خواہاں تھا اس نے شیخ اولیاء کی آمد کو خداوند تعالیٰ کا کرم خیال کیا اور اسی وقت فرمان امان بہجت خاں کے نام روانہ کیا۔ اس کے بعد وہ قلعہ رائسین' قصبہ بھیلسا اور ہار موتی بھی ان کو دیئے۔ نیز دس لاکھ تنکے اور بارہ ہاتھی بھی ان کو عنایت کیے۔ محافظ نے تمام ہاتھی اور دو لاکھ تنکے لے لیے اور باقی سب کچھ صاحب خاں کے حوالے کر دیا۔

سلطان محمود کی واپسی

کچھ مفسدوں اور فتنہ پردازوں نے صاحب خاں کو بہجت خاں کے خلاف بھڑکایا اور اس سے کہا کہ بہجت خاں تجھے قید کرنا چاہتا ہے' صاحب خاں یہ سن کر ڈر گیا اور چپکے سے سلطان سکندر لودھی کے پاس بھاگ گیا۔ بہجت خاں اور دوسرے تمام امیر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان محمود ہنسی خوشی اپنے پایہ تخت کو واپس آیا۔

سلطان محمود کی ستم کشی

میدنی رائے کا اقتدار بدستور قائم تھا اور سلطان محمود اس کے اشارے سے حسب معمول امیروں اور لشکر کے سرداروں پر ظلم کرتا تھا۔ تقریباً ہر روز کوئی نہ کوئی بے گناہ کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں تلوار کے گھاٹ اتارا جاتا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان محمود تمام امیروں بلکہ تمام مسلمانوں سے نفرت کرنے لگا۔

ہندو نوازی

بادشاہ نے ان تمام مسلمان عاملوں کو جو سلطان غیاث الدین اور سلطان ناصر الدین کے وقت سے دیوانی کی خدمات بجا لاتے رہے تھے معزول کر دیا اور ان کی جگہ میدنی رائے کے ہم مذہبوں اور رشتہ داروں کو مقرر کیا۔ بادشاہ کا یہ اقدام تمام امیروں کے لیے انتہائی مایوس کن تھا لہٰذا انہوں نے اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر ترک وطن کرنا شروع کر دیا۔

مسلم آزار حرکات

ایک وقت وہ تھا کہ شادی آباد مندو علم و فن کا گہوارہ تھا یہاں ایسے علماء اور فضلاء تھے کہ جنہیں بجا طور پر انتخاب روزگار کہا جا سکتا ہے لیکن سلطان محمود کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے یہ لوگ اس جگہ سے کوچ کر کے دوسرے مقامات پر چلے گئے اور یہ شہر پوری طرح ہندوؤں کے قبضے میں آ گیا۔ ہندوؤں کا اقتدار یہاں تک بڑھا کہ دربانی اور فیل بانی کی خدمت بھی انہیں کو سونپ دی گئی ہندوں نے موقع پا کر مسلمانوں کو خوب ذلیل و خوار کیا یہاں تک کہ مسلمانوں کی کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کرنے لگے۔

قلعہ مندو پر علی خاں کا قبضہ

علی خاں ایک پرانا امیر اور شہر کا حاکم تھا اس سے یہ مسلم آزار حرکتیں نہ دیکھی گئی لہٰذا اس نے بادشاہ کی مخالفت شروع کر دی ایک روز سلطان محمود خلجی ثانی شکار کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا علی خاں نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا اور قلعہ مندو پر قبضہ کر لیا شہر کے وہ تمام لوگ جو راجپوتوں کے غلبے کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے علی خاں کا ساتھ دیا۔

علی خاں کا فرار اور قتل

سلطان محمود کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ جلد از جلد واپس آیا اور اس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا بادشاہ نے محصورین کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں علی خاں ان تکالیف کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قلعے سے نیچے اتر کر فرار ہو گیا۔ بادشاہ قلعے میں داخل ہو گیا اور اس نے راجپوتوں کے ایک لشکر کو علی خاں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ راجپوتوں نے علی خاں کو گرفتار کر کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

سلطان محمود کی پریشانی

اس واقعے کے بعد میدنی رائے کے اقتدار میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور اس نے مالوہ کے تمام امیروں اور منصب داروں کو اپنا ہی خواہ بنا لیا۔ بادشاہ بارگاہ کے ملازمین بارگاہ میں صرف دو سو باقی رہ گئے اور باقی تمام ہندو تھے۔ سلطان محمود نے جب راجپوتوں کا یہ اقتدار دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلیں اور وہ کچھ پریشان ہوا اور میدنی رائے کے اقتدار کو ختم کرنے اور راجپوتوں کے غلبے سے نجات پانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

میدنی رائے کی ملازمت سے برطرفی

اہل ہند کا یہ دستور ہے کہ جب وہ اپنے ملازمین یا مہمانوں کو رخصت کرتے ہیں انھیں پان پیش کرتے ہیں۔ سلطان محمود نے میدنی رائے سے چھٹکارا پانے کے لیے یہی انداز اختیار کیا۔ اس نے آرائش خاں کے ہاتھ میدنی رائے کو پان کا بیڑہ بھجوایا اور یہ پیغام دیا "میں تمہیں اپنی ملازمت سے علیحدہ کرتا ہوں لہٰذا تم میری مملکت سے باہر چلے جاؤ۔"

راجپوتوں کا پیغام بادشاہ کے نام

راجپوتوں نے اس کے جواب میں بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ "ہم راجپوت سپاہی تعداد میں چالیس ہزار ہیں اور ہم سب نے ہر ممکن طریقے سے حضور کی خدمت کی ہے اور بڑی جانفشانی سے اپنے فرائض ادا کیے ہیں ہم نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو حضور کے مزاج کے خلاف ہو آخر ہمارا قصور کیا ہے جو ہمیں اتنی بڑی سزا دی جا رہی ہے۔

میدنی رائے کی دور اندیشی

راجپوتوں نے آپس میں طے کیا کہ جس طرح بھی ہو سلطان محمود خلجی کو قتل کر دیا جائے اور اس کی برائے نام بادشاہت کو ختم کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔ میدنی رائے بہت ہی چال باز اور ہوشیار آدمی تھا اس کی دور رس نظریں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں اس لیے اس نے راجپوتوں کو اس ارادے سے روکا اور کہا "ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے ورنہ گجراتی ہم پر حملہ کر دے گا جس طرح بھی ہو ہمیں سلطان محمود کو خوش رکھنا چاہیے تاکہ اقتدار بدستور ہمارے ہاتھ میں رہے۔

میدنی رائے کی خطاؤں کی معافی

میدنی رائے سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خطاؤں کی معافی طلب کی۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر اس کو ان شرائط پر معاف

کر دیا۔ ۱۔ ان تمام کاموں پر پہلے کی طرح مسلمانوں کو متعین کیا جائے جن پر اب تک راجپوت کام کرتے رہے ہیں۔ ۲۔ میدنی رائے ملکی مہمات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ ۳۔ تمام ہندو مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں سے نکال دیں اور بے گناہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے باز آ جائیں۔

سالباہن کی مخالفانہ روش

میدنی رائے نے ان شرائط کو مان لیا اور سلطان محمود خلجی کو اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا۔ سالباہن جو ربیہ ایک صاحب اقتدار امیر تھا اس نے ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور بادشاہ کی اطاعت سے منحرف ہو کر حسب سابق برے کاموں میں مشغول رہا۔

بادشاہ کی بلند ہمتی

بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو سخت غصہ آیا اور اس نے میدنی رائے اور سالباہن کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اگرچہ بادشاہ کے پاس صرف دو سو سوار تھے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے چند معتمد سواروں کو یہ حکم دیا کہ جب بادشاہ شکار کے لیے جائے اور واپسی پر سالباہن اور میدنی رائے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوں' تو انہیں قتل کر دیا جائے۔

سالباہن کا قتل

دوسرے روز قرارداد کے مطابق بادشاہ شکار پر روانہ ہوا میدنی رائے اور سالباہن اس کے ساتھ تھے۔ واپسی پر بادشاہ ان دونوں امیروں کو رخصت کر کے خود اپنے محل پر چلا گیا۔ منصوبے کے مطابق بادشاہ کے خاص آدمی ان دونوں امیروں کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے جب یہ دونوں جا رہے تھے تو پیچھے سے بادشاہ کے آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ سالباہن تو اسی وقت واصل بہ جہنم ہوا۔ البتہ میدنی رائے صرف زخمی ہوا اسے اس کے ملازموں نے بچا لیا اور اس کے گھر پر لے آئے۔

راجپوتوں کا اشتعال

راجپوتوں کو جب اس حادثے کا علم ہوا تو وہ جوق در جوق میدنی رائے کے مکان پر جمع ہونے لگے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ حادثہ بادشاہ کے اشارے سے عمل میں آیا لہذا انہوں نے میدنی رائے کو بتائے بغیر ہی جنگ کا ارادہ کر لیا اور شاہی دربار کی طرف روانہ ہوئے۔

راجپوتوں سے بادشاہ کی جنگ

سلطان محمود خلجی اگرچہ عقل کا کچا تھا لیکن بہادری اور جرات میں اپنی مثال آپ تھا اسے جب راجپوتوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ چند مسلمان پیادوں اور سولہ سواروں کے ساتھ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اپنے خلوت خانے سے باہر آیا اور کئی ہزار راجپوتوں سے جنگ کرنے میں مشغول ہو گیا۔

بادشاہ کی بہادری

ایک راجپوت سپاہی جو اپنی بہادری کی وجہ سے بہت مشہور تھا سب سے پہلے میدان میں آیا۔ اور اس نے بادشاہ پر تلوار کا وار کیا۔ بادشاہ نے بڑی پھرتی سے اس کے وار کو روکا اور حریف پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وہ وہیں دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا راجپوت بادشاہ کے مقابلے پر آیا اور حملہ آور ہوا۔ بادشاہ نے اس کے وار کو بھی روکا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

راجپوتوں کو میدنی رائے کا مشورہ

راجپوتوں نے جب بادشاہ کو اس جرات اور دلاوری سے لڑتا دیکھا تو انہوں نے جنگ مغلوبہ کیے بغیر ہی واپسی کی ٹھان لی اور میدنی رائے کے مکان کے وسیع احاطے میں آ کر جمع ہو گئے۔ راجپوتوں نے دوبارہ فوج تیار کی اور میدنی رائے سے جنگ کی اجازت طلب کی

اس موقع پر میدنی رائے نے کہا "سلطان محمود نے اگرچہ مجھے قتل کروانے کی کوشش کی' لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ میرا آقا اور ولی نعمت ہے اور اس کا ہر فعل عین حق ہے۔ لہٰذا تم لوگ اس معاملے میں قطعاً مشتعل نہ ہو میری حمایت تمہیں ترک کر دینا چاہیے۔ بہتر یہی ہے کہ تم جنگ کا خیال دل سے نکال کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔"

میدنی رائے کا پیغام بادشاہ کے نام

میدنی رائے کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر سلطان محمود خلجی مارا گیا تو گجرات' خاندیش اور برار وغیرہ کے فرماں روا انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ میدنی رائے نے ایک طرف تو راجپوتوں کو سمجھایا اور دوسری طرف سلطان محمود کو پیغام بھیجا "چونکہ میں نے اب تک حضور کی نمک حرامی نہ کی تھی اس لیے باوجود ان زخموں کے زندہ رہا اگر میری ہلاکت سے سلطنت کو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو میں اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"

بادشاہ کا مصالحانہ جواب

سلطان محمود کو بخوبی علم تھا کہ میدنی رائے کو جو زخم آئے ہیں وہ ایسے کاری نہیں ہیں کہ وہ ہلاک ہو سکے۔ اس لیے اس نے بھی صلح و نرمی کی روش اختیار کی اور اسے پیغام بھیجا۔ "اب میں نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ تو ہر طرح سے میرا خیرخواہ اور وفادار ہے تو نے اپنی نیک چلنی سے راجپوتوں کو فتنہ و فساد سے باز رکھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سالباہن جو انتہائی مغرور اور بدمزاج انسان تھا مارا گیا۔ اب توقع ہے کہ تمام امور سلطنت اچھی طرح انجام پائیں گے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے گا۔

میدنی رائے کی احتیاطی تدابیر

اس کے بعد میدنی رائے نے ظاہری طور پر بادشاہ کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرنا شروع کیا۔ وہ کبھی گذشتہ واقعات کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالتا۔ جب بھی وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بطور احتیاط کے پانچ سو مسلح سپاہیوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا کیونکہ اسے یہ خطرہ تھا کہ نہ جانے کب کیا واقعہ پیش آ جائے۔

سلطان محمود گجرات میں

بادشاہ میدنی رائے کی اس حرکت سے اور زیادہ پریشان ہوا۔ ایک روز اس نے شکار کے بہانے سے راجپوتوں کو بہت ڈرایا بھگایا۔ اور پھر اسی رات کو اپنی پیاری رانی کنیا کے ساتھ ایک سوار اور چند پیادوں کو لے کر قلعے سے باہر نکلا اور گجرات کی سرحد کی طرف چلا گیا۔ گجراتی حکام سلطان محمود کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے اور اس کو بہت سی ضرورت کی چیزیں بطور تحفہ پیش کیں۔ ان حاکموں نے بعد ازاں سلطان مظفر گجرات کو سلطان محمود کی آمد سے مطلع کیا۔

سلطان مظفر اور سلطان محمود کی ملاقات

سلطان مظفر' سلطان محمود کی آمد سے بہت خوش ہوا اور اس نے قیصر خاں' تاج خاں قوام الملک اور دوسرے نامی گرامی امیروں کو فرماں روائے مالوہ کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ اور وہ تمام سامان (مثلاً عربی گھوڑے' چند ہاتھی' توش خانے کا سامان' سراپردہ سرخ وغیرہ) جو بادشاہوں کے لیے ضروری ہوتا ہے روانہ کیا۔ سلطان مظفر خود بھی چند منزل تک بادشاہ کے استقبال کے لیے آیا۔ دونوں بادشاہوں نے آپس میں ملاقات کی اور مجلس میں ایک ہی تخت پر بیٹھ کر بات چیت کی۔

سلطان محمود کی مدد کا وعدہ

سلطان مظفر' سلطان محمود سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور اس سے پرسش حالات کی۔ سلطان محمود نے گجراتی فرماں روا کو تمام حالات

سے آگاہ نہ کیا اور اس مقصد سے لشکر کی فراہمی کے لیے کوشاں ہوا۔

سلطان مظفر گجراتی کی مالوہ پر لشکر کشی

۹۲۳ھ میں سلطان مظفر گجراتی' سلطان محمود خلجی کے ہمراہ مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔ میدنی رائے کو جب ان دونوں بادشاہوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے قلعہ شادی آباد مندو کو اپنے بیٹے نتھو رائے کے سپرد کیا۔ اور بارہ ہزار سپاہیوں اور بے شمار پیادوں کو اس کے ساتھ رہنے دیا۔ میدنی رائے خود قلعہ دھار میں چلا آیا اور اس قلعے کے استحکام و مضبوطی کی کوشش کرنے لگا۔

میدنی رائے کا فرار

سلطان مظفر کا لشکر جب قریب پہنچا تو میدنی رائے سخت پریشان ہوا اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کرتا۔ اس نے اپنے لشکر کا ایک بڑا حصہ تو نتھو رائے کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ اور خود رانا سنگا کے پاس جے پور چلا گیا۔

دھار کی فتح اور مندو کا محاصرہ

سلطان مظفر قلعہ دھار کے سامنے مقیم ہوا اور اس نے تھوڑی سی مدت میں اس قلعے کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد مظفر گجراتی نے شادی آباد مندو میں داخل ہو کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے اسیر کے حاکم عادل خاں کو بہت سے گجراتی امیروں کے ہمراہ رانا سنگا اور میدنی رائے کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔

قلعہ مندو کی فتح

جیسا کہ سلاطین گجرات کے تذکرے میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ۹۲۴ھ میں سلطان مظفر گجراتی نے قلعہ مندو کو فتح کر لیا فتح کے روز نوے ہزار راجپوتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا گیا اس کے علاوہ بہت سے راجپوتوں نے جوہر کی رسم ادا کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

قلعہ مندو سلطان محمود کی تحویل میں

سلطان محمود خلجی پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ عین فتح کے وقت مندو میں پہنچا اور اس نے سلطان مظفر کو اس عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد دی اور بڑے اشتیاق سے یہ سوال کیا۔ "اب میرے متعلق جناب کا کیا خیال ہے؟" سلطان مظفر نے بڑی منصف مزاجی کا ثبوت دیا اور کہا۔ مالوہ کی حکومت تم کو مبارک ہو۔" اس کے بعد سلطان مظفر نے قلعہ سلطان محمود کے سپرد کر دیا اور خود اپنے لشکر میں آ گیا۔

سلطان مظفر دھار میں

سلطان مظفر میدنی رائے اور رانا سنگا کی سرزنش کے لیے مندو سے روانہ ہوا۔ بادشاہ جب دھار میں پہنچا تو جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ "عادل خاں اور گجراتی امراء ابھی دیپالپور سے آگے بھی نہ بڑھے تھے کہ دشمنوں نے فتح کی خبر سن لی اور وہ چندیری کی طرف بھاگ گئے۔

سلطان مظفر کی مندو میں واپسی

ایک روز جب کہ سلطان مظفر دھار ہی میں تھا۔ سلطان محمود اس کے پاس آیا اور اسے ایک دن کے لیے مندو چلنے کی دعوت دی۔ سلطان مظفر نے اس دعوت کو قبول کیا اور اپنے لشکر کو اسی جگہ چھوڑ کر خود قلعہ مندو میں واپس آیا۔ محمود نے بڑے پرتپاک انداز سے مظفر گجراتی کا خیر مقدم کیا اور اس کے اعزاز میں ایک شاندار تقریب منعقد کی۔ بہت سے گراں قدر تحفے اس کی خدمت میں پیش کیے اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو کچھ دور تک چھوڑنے گیا۔

سلطان مظفر کی گجرات کو روانگی

سلطان مظفر گجراتی نے اپنے جاں باز اور مقتدر امیر آصف خاں گجراتی کو چند ہزار سواروں کے ہمراہ سلطان محمود کی مدد کے لیے مندو ہی میں چھوڑا اور خود اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا۔

کاکرون پر محمود کا حملہ

چندیری اور کاکرون پر میدنی رائے کا قبضہ تھا اور قلعہ رائسین' بھیلسہ اور سارنگ پور سلہدی پوربیہ کی تحویل میں تھے۔ ان مقامات کو سلطان محمود خلجی نے اپنے قبضے میں کرنے کا ارادہ کیا سب سے پہلے اس نے قلعہ کاکرون پر حملہ کیا۔ میدنی رائے نے اس بار بھی رانا سنگا سے مدد طلب کی' رانا سنگا ایک لشکر جرار لے کر اس کی مدد کو آگیا۔

رانا سنگا کی تیاریاں

سلطان محمود سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دشمن کی جانب بڑھتا چلا گیا جب وہ رانا سنگا کے لشکر سے سات کوس کے فاصلے پر رہ گیا تو وہاں اس نے قیام کرنے کے ارادے سے اپنے خیمے لگا دیئے۔ رانا سنگا کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے سرداران لشکر کو جمع کر کے ان سے کہا۔ "اس وقت ہمارا دشمن سفر کی تھکان سے چور ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم فوراً اس پر حملہ کر دیں۔ تاکہ اسے تازہ دم ہونے اور اپنے لشکر کو منظم و مرتب کرنے کا موقع نہ ملے۔ تمام سرداران لشکر نے رانا سنگا کی اس رائے کی تائید کی اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رانا سنگا' سلطان محمود کے مقابلے پر

رانا سنگا نے اپنا لشکر تیار کیا اور سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا اور مسلمانوں کے لشکر کے قریب پہنچ گیا۔ سلطان محمود کو رانا سنگا کی آمد کی قطعاً اطلاع نہ تھی لیکن بعض امیروں کو اس کا علم ہو گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو مطلع کیا بادشاہ نے دشمن سے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ اگرچہ آصف خاں گجراتی اور دوسرے امیروں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ "آج کے دن جنگ کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ہمارا لشکر غیر منظم ہے۔" لیکن کم عقل بادشاہ کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات بھی نہ آئی اور اس نے دشمن سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

مالوی لشکر کی تباہی

فریقین میں جنگ شروع ہو گئی تھوڑی سی دیر میں سلطان محمود خلجی کے لشکر کا صفایا ہو گیا اور اس کی فوج کے بتیس نامی گرامی سردار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ آصف خاں گجراتی بھی اس جنگ میں مع پانچ سو گجراتی سپاہیوں کے ہلاک کر دیا گیا۔ الغرض مالوی لشکر پر ایسی تباہی آئی کہ الامان و الحفیظ۔ سارے لشکر میں سے صرف گیارہ آدمی زندہ بچے۔ ایک سلطان محمود اور دس سوار' باقی سارا لشکر ہندوؤں کی تلوار کا نشانہ بن گیا یہ ایسی زبردست تباہی تھی کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

دشمن پر سلطان محمود کا حملہ

سلطان محمود نے دیکھا کہ اب اس کے سپاہیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور اس موقع پر لاجواب بہادری کا ثبوت دیا اور اپنے سواروں کو ساتھ لے کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن کی تعداد پچاس ہزار تھی اور حملہ آور صرف گیارہ۔ اس تفاوت کے باوجود بادشاہ کی ہمت ہر لحظہ جوان ہوتی چلی گئی۔

محمود کی عدیم المثال بہادری

سلطان محمود کے ساتھی تو فوراً ہی دشمن کے ہاتھوں مارے گئے لیکن سلطان اپنی بہادری کی وجہ سے دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ بادشاہ نے اپنے گھوڑے کو بڑھایا اور دشمن کی صفیں چیرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے بجلی کی سی رفتار کے ساتھ بے شمار راجپوتوں کو قتل کیا۔ راجپوت سلطان محمود کی بہادری پر عش عش کر اٹھے جب تک بادشاہ کے جسم میں طاقت رہی وہ لڑتا رہا۔ اس کے جسم پر بے شمار زخم آئے لیکن اس نے ان کی پروانہ کی اور برابر تیغ آزمائی کرتا رہا۔ آخر کار راجپوتوں نے اس کو گھیر کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا وہ لوگ بادشاہ کی بہادری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے قتل نہ کیا اور زندہ گرفتار کر کے رانا سنگا کے پاس لے آئے۔

رانا سنگا کا سلطان محمود سے اچھا برتاؤ

راجپوت لشکریوں نے اپنے سردار اعلیٰ رانا سنگا سے سلطان محمود کی بے انتہا تعریف کی اور اس کی بہادری کو بہت سراہا۔ رانا نے بھی بادشاہ کی بڑی تعظیم کی اور اسے ایک مناسب جگہ پر بٹھا کر خود اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوا۔ رانا سنگا نے بادشاہ کا علاج کروایا جب اس کے زخم مندمل ہو گئے تو اسے چھ ہزار راجپوتوں کے ہمراہ بہت ہی عزت سے شادی آباد منڈو کی طرف روانہ کر دیا۔

مالوہ میں بدامنی اور انتشار

سلطان محمود خلجی اب تیسری بار مالوہ کے تخت پر بیٹھا اور اس نے حکومت کے انتظامات کی طرف توجہ کی۔ ان دنوں ملک میں سخت بدامنی اور انتشار پھیلا ہوا تھا اکثر شہروں پر باغی امیروں نے قبضہ کر رکھا تھا رعایا بہت نڈر اور بے خوف ہو گئی تھی اور بادشاہ کی وفاداری نہ کی جاتی تھی۔

امراء کی سرکشی

امراء کی بغاوت اور سرکشی اپنے شباب پر تھی۔ سکندر سیواجی نے بہت سے پرگنوں پر قبضہ کر کے اپنی مستقل حکومت قائم کر رکھی تھی۔ میدنی رائے چندیری کاکرون اور دوسرے بہت سے پرگنوں کا مالک بنا بیٹھا تھا اور بادشاہ کے خلاف مختلف حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ اس طرح دوسرے امراء بھی من مانی کر رہے تھے، جس کی سمجھ میں جو آتا کرتا۔ جس علاقے پر جس کی نظر پڑتی اسی کو اپنے قبضے میں کر لیتا۔

زوال کے آثار

امراء کی بغاوت نے ملک میں جو بدامنی اور انتشار پیدا ہوا اس نے سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا اور زوال کے آثار جابجا نظر آنے لگے۔ اس صورت حال کا اصل سبب یہ تھا کہ سلطان محمود ثانی نے سلطان محمود اول کی طرح دور اندیشی اور معاملہ فہمی کو کبھی اپنا شعار نہ بنایا اور ہمیشہ ہر کام کو بہ نوک شمشیر پورا کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق کار کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔

سلطان محمود کا سلہدی پوربیہ پر حملہ

۹۲۶ھ میں سلطان محمود نے سلہدی پوربیہ کی سرزنش کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے لشکر تیار کر کے روانہ ہوا۔ سلہدی پوربیہ نے ان بت راجپوتوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور میدنی رائے سے بھی مدد طلب کر کے اپنے لشکر کی تعداد میں اضافہ کیا اور سارنگ پور میں بادشاہ سے لڑنے کے لئے مقیم ہوا۔

سلہدی پوربیہ کی شکست

فریقین میں جنگ شروع ہوئی پہلے تو راجپوتوں نے مسلمانوں کو شکست دی اور لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ سلطان محمود اس شکست سے ہراساں نہ ہوا اور چٹان کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جب بادشاہ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ دشمن لوٹ مار میں مشغول ہے تو

اس نے راجپوتوں پر بڑے زور شور سے حملہ کر دیا۔ سلہدی کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ بادشاہ نے سلہدی کے چوبیس ہاتھی گرفتار کیے اور سارنگ پور کو اس کے قبضے سے نکال لیا۔ سلہدی پوربیہ نے اپنی قدیم جاگیر پر قناعت کیا اور سلطان محمود کی اطاعت قبول کی۔ سلطان محمود نے اس امر کو خدا کی نعمت تصور کیا اور شادی آباد مندو میں واپس آ گیا۔

شہزادہ چاند خاں گجراتی مندو میں

۹۳۲ھ میں گجرات کی حکومت سلطان بہادر شاہ کے قبضے میں آئی تو شہزادہ چاند خاں بن مظفر شاہ گجراتی فرار ہو کر شادی آباد مندو میں آ گیا چونکہ سلطان محمود پر مظفر گجراتی کے بے شمار احسانات تھے اس لیے مرحوم گجراتی فرماں روا کے بیٹے چاند خاں کا شایان شان استقبال کیا اور اس سے بہت خلوص و محبت سے پیش آیا۔

رضی الملک گجراتی کی کوششیں

انہیں دنوں ایک مشہور و معروف گجراتی امیر سلطان بہادر شاہ گجراتی کے خوف سے ظہیرالدین بابر کے پاس چلا گیا۔ اس امیر نے سلطان بہادر کو معزول کر کے شہزادہ چاند خاں کو گجرات کے تخت پر بٹھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس مقصد سے وہ ایک بار آگرہ سے شادی آباد مندو میں بھی آیا اور اس نے شہزادہ چاند خاں سے مشورہ کیا اور پھر واپس گجرات چلا گیا۔

سلطان بہادر کا خط محمود کے نام

سلطان بہادر گجراتی کو اس واقعے کا علم ہو گیا۔ اس نے سلطان محمود کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا "آپ میں اور مجھ میں جو مخلصانہ تعلقات ہیں ان کا تقاضا ہے کہ آپ میرے دشمنوں کی سرپرستی نہ کریں۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ نے رضی الملک جیسے نمک حرام کو کیونکر شادی آباد مندو میں آنے کی اجازت دی۔ نیز اسے شہزادہ چاند خاں سے سازباز کرنے کا موقع دیا مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ اس سلسلے میں احتیاط برتیں گے تاکہ آپ کے اور میرے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہیں۔

بہادر گجراتی کی مالوہ پر حملے کی تیاریاں

اتفاق سے انہیں دنوں رضی الملک نے بابر کے امراء سے کچھ بات چیت کی اور دوبارہ شادی آباد مندو میں آ کر شہزادہ چاند خاں سے آ ملا۔ اس مرتبہ پھر سلطان بہادر کو پتہ چل گیا اسے بہت غصہ آیا۔ اب کی بار اس نے سلطان محمود سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ کی اور مالوہ پر لشکر کشی کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ چونکہ مالوہ میں خلجی حکومت کے خاتمے کا وقت آ چکا تھا اس لیے سلطان محمود نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس سلسلے میں کسی قسم کی تگ و دو نہ کی اور آنے والے فتنے کے تدارک کے لیے کچھ سوچ بچار نہ کی۔

جے پور کے بعض پرگنوں پر لشکر کشی

اسی اثنا میں سلطان محمود خلجی کو رانا سنگا کے انتقال کی خبر ملی اور یہ معلوم ہوا کہ اس کی جگہ اس کا بیٹا رتنسی تخت نشین ہوا ہے۔ بادشاہ نے شرزہ خاں کو رتنسی پر لشکر کشی کرنے کے لیے روانہ کیا۔ شرزہ خاں نے جے پور کے بعض پرگنوں پر حملہ کر کے انہیں تباہ و برباد کیا۔

محمود خلجی سارنگ پور میں

رتنسی کو سلطان بہادر گجراتی اور سلطان محمود خلجی کی ناراضگی کا علم ہو چکا تھا اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا اول الذکر اپنے ملک سے کوچ کر کے مالوہ کی طرف چل دیا ہے۔ رتنسی نے اپنا لشکر فراہم کیا اور وہ بھی مالوہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ سلطان محمود نے سلطان بہادر گجراتی کے استقبال کا ارادہ کیا اور سارنگ پور پہنچ گیا۔ ان دنوں سکندر خاں میواتی کا انتقال ہو چکا تھا۔ محمود خلجی نے اس کے منہ بولے بیٹے معین خاں کو (جو حقیقت میں ایک روغن فروش کا بیٹا تھا) کو سیواس سے بلوایا' اسے مسند عالی کا خطاب اور سراپردہ سرخ (جو بادشاہوں کے لیے

مخصوص ہوتا ہے) عطا کیا۔

محمود خلجی کی بہادر گجراتی سے شکایت

سلطان محمود نے سلہدی پوربیہ کو بھی بلوایا اور اس کی جاگیر میں چند پرگنوں کا اضافہ کیا۔ سلہدی پوربیہ کو بادشاہ کی نیت پر شک گزرا اور وہ معین خاں کو ساتھ لے کر رتنسی کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے اس نے اپنے بیٹے بھوپت کو ساتھ لیا اور سلطان بہادر گجراتی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے سلطان محمود خلجی کی شکایت کی۔

محمود خلجی کا پیغام بہادر گجراتی کے نام

سلطان محمود خلجی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے دریا خاں لودھی کو سلطان بہادر گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھجوایا۔ "آپ کے خاندان کے مجھ پر بہت زیادہ احسانات ہیں چونکہ آپ اس طرف تشریف لا رہے ہیں اور اب مسافت بہت کم باقی رہ گئی ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطنت کی مبارک باد پیش کروں۔"

سلطان بہادر کی شرافت

سلطان بہادر نے جیسا کہ اس کے حالات میں لکھا جا چکا ہے اس پیغام کا نہایت ہی معقول اور مخلصانہ جواب دیا اور وہ دریائے کرخی کے کنارے فروکش ہو کر سلطان محمود کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اس جگہ سے رتنسی تو اپنے مکان کو واپس چلا گیا البتہ سلہدی پوربیہ سلطان بہادر کی لشکر گاہ ہی میں ٹھہرا رہا۔

سلطان محمود کی کم عقلی کا ایک اور مظاہرہ

سلطان محمود کی کم عقلی نے ایک اور گل کھلایا اور اس نے سلطان بہادر سے ملاقات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سکندر خاں کے ملازموں کی سرزنش کا بہانہ کر کے سیواس کی طرف چلا گیا۔ راستے میں اس نے شکار کھیلنے کا ارادہ کیا اور اسی مشغولیت میں وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹ گیا اس واقعے کو بادشاہ نے فال بد سمجھا اور اپنا ارادہ ترک کر کے قلعہ مندو میں واپس آ گیا اور قلعے کے استحکام کی طرف متوجہ ہوا۔

قلعہ مندو کا محاصرہ

سلطان بہادر گجراتی نے بھی سلطان محمود کا انتظار ترک کر دیا اور شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمود کے بہت سے ملازمین گجراتی فرماں روا سے آ کر ملتے رہے۔ یہاں تک کہ دھار کا حاکم شرزہ خاں بھی سلطان بہادر سے مل گیا۔ سلطان بہادر گجراتی نے مظفر آباد نعلچہ میں آ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچل تقسیم کیے۔

دم واپسیں

سلطان محمود خلجی تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ قلعے میں محصور ہو گیا۔ وہ ہر رات کو تمام مورچوں کا معائنہ کرتا اور سلطان غیاث الدین کے مدرسے میں آرام کرتا۔ جب بادشاہ کو اہل قلعہ کے باہمی نفاق کا علم ہو گیا تو وہ مدرسہ کی بجائے اپنے محلات میں رہنے لگا اور عیش و عشرت میں غرق ہو گیا۔ بعض دور اندیش اور معاملہ فہم لوگوں نے اشارتاً بادشاہ سے کہا کہ یہ موقع عیش و عشرت کا نہیں ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ "اب میرا آخری وقت آ پہنچا ہے اس لیے جو لمحہ بھی عیش و عشرت میں گزرے وہ غنیمت ہے۔"

قلعہ مندو پر بہادر گجراتی کا قبضہ

۹ شعبان ۹۳۷ھ کو صبح کو سلطان بہادر گجراتی نے قلعہ مندو کو فتح کر لیا اور شہزادہ چاند خاں جو تمام جھگڑے کی بنیاد تھا قلعے سے نکل کر

دکن کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان محمود خلجی نے تھوڑے سے لشکر کو ہمراہ لیا اور سلطان بہادر سے لڑائی کرنے کے لیے باہر نکلا لیکن اس میں گجراتی فرماں روا کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ واپس لوٹ آیا۔

محمود کا اپنے اہل و عیال کو قتل کرنے کا ارادہ

سلطان محمود اگر اس موقعے پر چاہتا تو قلعے سے نکل کر وسط مملکت میں جا سکتا تھا' لیکن اس کی کم عقلی نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس نے ایک ہزار سواروں کو ساتھ لیا اور اپنے بال بچوں کو قتل کرنے کے ارادے سے شاہی حرم کی طرف بڑھا۔ مگر کچھ لوگوں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا اور یہ کہا۔ سلطان بہادر گجراتی ایسا شخص نہیں ہے کہ آپ کے اہل و عیال کے ساتھ برا سلوک کرے اسی لیے آپ اس خیال کو دل سے نکال دیں' اس وقت بہتر یہی ہے کہ ہم قلعہ سے باہر نکل کر لشکر فراہم کریں اور دشمن کی مدافعت کریں۔"

دونوں بادشاہوں کی ملاقات

بادشاہ اور اس کے ساتھیوں میں یہ بات چیت ہو ہی رہی تھی کہ سلطان بہادر گجراتی بھی اس طرف آ گیا۔ وہ لعل محل کے بام پر گیا اور وہاں سلطان محمود کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔ محمود خلجی نے اپنے تمام ساتھیوں کو اسی جگہ چھوڑا اور خود سات سواروں کے ہمراہ سلطان بہادر گجراتی کے پاس آیا۔ گجراتی فرماں روا محمود سے بہت اچھی طرح پیش آیا' بغل گیر ہونے کے بعد اسے اپنے پاس بٹھایا۔

تغیر مزاج

اس کے بعد سلطان بہادر گجراتی نے اپنے حریف بادشاہ سے کچھ گفتگو بڑے سخت اور درشت لہجے میں کی۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا دل سخت مضطرب ہے اور وہ نہ جانے کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس غصے پریشانی کے عالم میں سلطان بہادر گجراتی نے کہا۔ "میں تمام مالوی امیروں کو جان کی امان دیتا ہوں لہٰذا وہ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔"

محمود خلجی کی گرفتاری

بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ گفتگو میں سلطان محمود خلجی نے سختی اور درشتی سے کام لیا اور سلطان بہادر گجراتی جو اپنے حریف بادشاہ کو معاف کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا اس سے مشتعل ہو گیا اس نے سلطان محمود کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ جمعہ کے روز شادی آباد منڈو کی تمام مسجدوں میں سلطان بہادر گجراتی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان محمود کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں اور اسے مع اس کے ساتوں بیٹوں کے آصف خاں کے حوالے کیا گیا تاکہ ان کو قلعہ چینانیر میں نظربند کر دیا جائے۔

محمود خلجی کا قتل

راستے میں کول اور بھیل قوم کے دو ہزار افراد نے آصف خاں کے لشکر پر شب خون مارا۔ سلطان محمود اس وقت نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں شور و غل کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے فرار ہونے کا ارادہ کیا اور اپنے پاؤں کی زنجیر کو توڑا۔ پاسبانوں کو اس کی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے اس خیال سے کہ کہیں یہ شب خون سلطان محمود کے بہی خواہوں نے مارا ہو بادشاہ کو قتل کر دیا۔

سلطنت خلجیہ کا خاتمہ

صبح ہوئی تو آصف خاں نے سلطان محمود کو حوض دھور کے کنارے دفن کر دیا اور اس کے لڑکوں کو چینانیر لے جا کر قید کر دیا کچھ عرصے بعد اس خاندان کا سوائے محمد شاہ بن سلطان ناصرالدین کے (جو بابر بادشاہ کا ملازم تھا) کوئی وارث نہ رہا۔ الغرض اس طرح خلجی خاندان کی

بادشاہت ختم ہو گئی اور مالوہ کی حکومت گجراتی فرماں رواؤں کے ہاتھ میں آ گئی۔

گجراتیوں نے ۹۴۱ھ تک مالوہ پر حکمرانی کی۔ اس کے بعد زمانے کے دستور کے مطابق یہ حکومت دست بدست منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ ۹۶۸ھ میں جلال الدین اکبر نے اس پر قبضہ کر لیا اور ہر شخص نے دنیا کی بے وفائی اور زمانے کے انقلاب کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

سلاطین خلجیہ کے بعد مالوہ کی حالت

سلطان بہادر گجراتی کا غلبہ

بعض تاریخی کتابوں میں یہ امر پوری تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے کہ سلطان محمود خلجی کے بعد مالوہ پر سلطان بہادر گجراتی کا مکمل قبضہ ہو گیا اور تمام مالوی امیروں نے گجراتی فرماں روا کی اطاعت قبول کر لی۔ بادشاہ نے بھی ان امیروں کو انعامات و اکرام سے نوازا اور انہیں ہر طرح سے اپنا بہی خواہ اور اطاعت گزار بنانے کی کوشش کی۔

سلہدی پوربیہ کا حشر

سلہدی پوربیہ' مالوہ کے امیروں میں پہلا شخص تھا جو سلطان بہادر گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وجہ سے سلطان بہادر اس سے بہت خوش تھا لہٰذا اسے اجین سارنگ پور اور رائسین کے پرگنے عطا کیے لیکن سلطان بہادر اس امیر سے زیادہ خوش نہ رہ سکا جیسا کہ سلاطین گجرات کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ سلہدی پوربیہ نے سلطان بہادر کے خوف سے قلعہ رائسین میں خودکشی کر لی اور اس کا بیٹا بھوپت فرار ہو گیا۔ اس واقعے کی تفصیل چونکہ پہلے بیان کی جا چکی ہے اس لیے اسے اس جگہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

سلطان بہادر کی جیناتیر کو واپسی

اس کے بعد سلطان بہادر گجراتی نے دریا خاں لودھی کو اجین کا حاکم بنایا۔ رائسین کی حکومت عالم خاں حاکم کالپی کے سپرد کی اور شادی آباد مندو پر اختیار خاں کو نامزد کیا۔ سلطان بہادر خود جیناتیر واپس آ گیا۔

مندو پر ہمایوں کا قبضہ

ان واقعات کے بعد نصیر الدین ہمایوں نے گجرات کو فتح کر لیا اور سلطان بہادر گجراتی بندر دیب کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد ہمایوں شادی آباد مندو میں بھی آیا اور یہاں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ ہمایوں نے مندو کو اپنے معتمد امیروں کے سپرد کیا اور خود واپس آگرہ چلا گیا۔

سلطان عبدالقادر

ملو خاں' نصیرالدین ہمایوں کا ایک خلجی غلام تھا اس نے اپنی محنت سے بہت اقتدار حاصل کر لیا- اس نے مالوہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور اپنا نام سلطان عبدالقادر رکھا- اس نے بھیلسہ سے دریائے نربدہ تک کے علاقے پر قبضہ کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور سلہدی پوربیہ کے بیٹوں بھوپت اور پورن مل نے قلعہ جے پور سے نکل کر رائسین پر قبضہ کر لیا- اور سلطان عبدالقادر کی اطاعت کر کے اس کی خدمت میں پیش کش روانہ کی-

شیر شاہ سوری کا پیغام عبدالقادر کے نام

کچھ ہی عرصے میں سلطان عبدالقادر کا اقتدار اس حد تک بڑھ گیا کہ شیر شاہ سوری نے اس زمانے میں جب کہ بنگالہ میں نصیرالدین ہمایوں سے اس کی معرکہ آرائی ہو رہی تھی- عبدالقادر کو یہ پیغام بھیجا "مغلیہ لشکر بنگالہ میں داخل ہو گیا ہے اس لیے تم آگرہ کی طرف توجہ کرو یا اس نواح میں اپنا لشکر بھیج کر کچھ فتنہ و فساد برپا کرو تاکہ مغل بے چین ہو کر آگرہ کی طرف واپس چلے جائیں اور میں بنگالہ میں اطمینان سے حکومت کر سکوں-"

عبدالقادر کی خفگی

یہ پیغام شیر شاہ سوری نے ایک فرمان کی صورت میں روانہ کیا تھا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کی تھی- عبدالقادر نے جب اس فرمان کو دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا- اس نے اپنے منشی کو حکم دیا کہ اس فرمان کے جواب میں فرمان ہی بھیجا جائے اور اس پر عبدالقادر کی مہر ثبت کی جائے اس موقعہ پر عبدالقادر کے ایک مقرب سیف خاں دہلوی نے اس سے کہا- شیر شاہ جون پور کا بادشاہ ہے اور اس کے پاس اس قدر لشکر موجود ہے کہ وہ بادشاہ دہلی کا مقابلہ کر سکتا ہے- اس لیے اگر اس نے آپ کے نام فرمان بھیجا تو اس میں غصے کی کوئی بات نہیں ہے-"

شیر شاہ کے نام جوابی فرمان

عبدالقادر نے اس کے جواب میں کہا- "اگر شیر شاہ بنگالہ جون پور کا بادشاہ ہے تو میں بھی مالوہ کا فرماں روا ہوں- جب وہ میرا ادب نہیں کرتا تو میں کیوں اس کا احترام کروں- الغرض عبدالقادر نے شیر شاہ کو جواب میں فرمان ہی بھجوایا- جب یہ فرمان شیر شاہ کو ملا تو اس کو بھی سخت غصہ آیا اور اس نے کہا کبھی موقع ملا تو عبدالقادر کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤں گا-"

شیر شاہ کا مالوہ کو فتح کرنے کا ارادہ

شیر شاہ سوری جب بادشاہ دہلی ہو گیا اور اس نے ہندوستان کو فتح کر لیا- ۹۴۹ھ میں اس نے مالوہ کو فتح کرنے کے ارادے سے کوچ کیا- جب شیر شاہ سارنگ پور کے قریب پہنچا تو سلطان عبدالقادر بہت پریشان ہوا اسے خوف تھا کہ کہیں شیر شاہ اس سے اس کی گستاخی کا انتقام نہ لے- اس موقعے پر سیف خاں دہلوی نے عبدالقادر کو یہ مشورہ دیا- "ہم شیر شاہ کے مقابلے کی ہمت قطعاً نہیں رکھتے لہٰذا اب یہی بہتر ہے کہ آپ جلد از جلد سارنگ پور پہنچ کر شیر شاہ سے ملاقات کریں-"

شیر شاہ سوری اور عبدالقادر کی ملاقات

سلطان عبدالقادر کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اسی وقت روانہ ہو گیا- اور سارنگ پور پہنچ کر شیر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا- شیر شاہ

کے ملازموں نے اپنے آقا کو عبدالقادر کے آنے کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے عبدالقادر کو اپنے حضور طلب کیا۔ شیر شاہ عبدالقادر سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور اس کو خلعت خاص سے نوازا۔ دوسرے روز شیر شاہ اجین کی طرف روانہ ہو گیا' اور اس نے شجاع خاں کو یہ تاکید کر دی کہ وہ عبدالقادر کے آرام اور آسائش کا خیال رکھے۔

شیر شاہ کا اجین پر قبضہ کرنے کا ارادہ

اجین پہنچ کر شیر شاہ نے اس مملکت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ عبدالقادر کو اس کی توقع نہ تھی شیر شاہ نے وقتی مصلحتوں کا خیال کر کے عبدالقادر کو لکھنوتی کی حکومت پر نامزد کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو وہاں بھیج کر خود بادشاہ کی خدمت میں رہے۔

عبدالقادر کا سارنگ پور میں قیام

عبدالقادر نے جب سارا معاملہ دگرگوں دیکھا تو اس نے اپنے بال بچوں کو اجین سے بلا لیا اور ایک باغ میں جو قصبہ سارنگ پور اور لشکر گاہ کے درمیان واقع تھا مقیم ہو گیا۔ انہیں دنوں سکندر خاں میواتی کا منہ بولا بیٹا معین خاں بھی شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیر شاہ نے اسے سکندر خاں کا خطاب دیا اور عمدہ جاگیر سے نوازا۔

شیر شاہ کی رفاقت------ایک مہنگا سودا

ایک روز عبدالقادر اپنی قیام گاہ سے شیر شاہ کے دربار کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے دیکھا کہ مغل قوم کے بہت سے افراد جنہیں افغانیوں نے گرفتار کر رکھا تھا بیلداری اور گل کاری میں مشغول تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ لشکر گاہ کے گرد خندق کھودنے کا کام کرتے رہتے تھے۔ جب عبدالقادر ان لوگوں کے قریب سے گزرا تو ایک مغل نے یہ مصرعہ باآواز بلند پڑھا۔

"مرا بی بیں بدیں احوال و فکر خویشتن می کن"

یہ مصرعہ سن کر عبدالقادر چوکنا ہو گیا اور فوراً اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر میں شیر شاہ کے ساتھ رہا تو وہ یقیناً گل کاری کا حکم دے گا۔

شیر شاہ کی معاملہ فہمی

عبدالقادر نے شیر شاہ سے علیحدہ ہونے کا ارادہ کر لیا اور فرار ہونے کے ذرائع پر غور کرنے لگا۔ شیر شاہ بہت ہی فہیم و دانشمند انسان تھا اس نے عبدالقادر کی نیت بھانپ لی اور شجاع خاں سے کہا "میں عبدالقادر کی مشتبہ حرکات سے پوری طرح باخبر ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ میرے ساتھ وفاداری نہ کرے گا کیونکہ میرے بلائے بغیر ہی یہ میری خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ میں فی الحال اسے سزا نہیں دینا چاہتا ورنہ یہ بھاگ جائے گا کچھ عرصے بعد اسے گرفتار کر کے معقول سزا دوں گا۔"

عبدالقادر کا فرار

ادھر عبدالقادر اپنی کوششوں میں پوری سرگرمی سے منہمک تھا۔ ایک روز اسے موقع مل گیا اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ شیر شاہ نے اپنے کچھ سپاہیوں کو عبدالقادر کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ یہ سپاہی عبدالقادر کے پیچھے بھاگے' لیکن اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ اور ناکام و نامراد واپس لوٹے۔ اس موقعے پر شیر شاہ نے فی البدیہہ یہ مصرعہ پڑھا۔

"باجاچہ کرد دیدی ملو غلام گیری"

اس مجلس میں شیخ جمال شاعر کا بیٹا شیخ عبدالحئی (جو بادشاہ کا مصاحب تھا) بھی موجود تھا اس نے فوراً دوسرا مصرعہ موزوں کر دیا۔

"تو یست مصطفیٰ را لا خیر فی العبیدی"

شجاع خاں

عبدالقادر کے فرار کے بعد شیر شاہ نے چند روز تک اجین میں قیام کیا اور مالوہ کو اپنے امیروں میں تقسیم کر دیا۔ اجین' سارنگ پور اور دوسرے کئی پرگنے شجاع خاں کی جاگیر میں دیے گئے اور اس کو اس مملکت کا سپہ سالار مقرر کیا۔ شیر شاہ خود رنتھنبور چلا گیا' اس نے اس خیال سے کہ کہیں سکندر خاں بھاگ نہ جائے اسے قید کر دیا۔

نصیر خاں کا شجاع پر حملہ

سکندر خاں کے بیٹے نصیر خاں کو جب اپنے باپ کی گرفتاری کا علم ہوا تو اس نے سیواس میں لشکر فراہم کرنا شروع کر دیا اور ایک بھاری جمیعت لے کر شجاع خاں سے جنگ کرنے کے لیے آیا۔ نصیر خاں نے اپنے ساتھیوں سے یہ کہا کہ "شجاع خاں کو زندہ گرفتار کرنا چاہیے تاکہ میں اسے اپنے باپ کے معاوضے میں اپنے پاس رکھوں اور اس طرح سکندر خاں کو دشمن کی قید سے رہائی دلاؤں۔"

معرکہ آرائی

فریقین میں جنگ شروع ہو گئی تو نصیر خاں اور اس کے بعض ساتھی کسی نہ کسی طرح شجاع خاں کے پاس پہنچ گئے اور اسے بالوں اور گریبان سے پکڑ کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ مبارک خاں شیروانی نے جب شجاع خاں کو اس حالت میں دیکھا تو وہ اس کے بچاؤ کے لیے آیا اور بہت بہادری سے جنگ کر کے شجاع خاں کو دشمن کے پنجے سے نکال لیا۔

اس لڑائی میں مبارک خاں کا ایک پاؤں کٹ گیا اور وہ کمزوری کی وجہ سے اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ نصیر خاں کے سپاہی فوراً اس کی طرف لپکے اور اسے قتل کرنا چاہا لیکن راجہ گوالیار نے عین موقع پر اس کو بچا لیا۔

نصیر خاں کو شکست

نصیر خاں نے اس معرکے میں بے پناہ جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا مگر قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا اور اپنے دشمن کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ نصیر خاں میدان جنگ سے فرار ہو کر کواندارہ میں پناہ گزیں ہوا۔ شجاع کے چہرے اور بازو پر پانچ چھ زخم آئے تھے اس کے بہی خواہ اسے اٹھا کر اپنی لشکر گاہ میں لے گئے۔

سلطان عبدالقادر کا دھار پر حملہ

شجاع خاں کے زخم ابھی اچھے بھی نہ ہوئے تھے کہ دھار کے جاگیردار حاجی خاں کا خط اس مضمون کا آیا۔ "سلطان عبدالقادر ایک زبردست لشکر لے کر میرے مقابلے پر آ گیا ہے اور آج کل ہی میں جنگ ہونے والی ہے" یہ خط ملتے ہی شجاع خاں اسی بیماری کی حالت میں پالکی میں سوار ہوا اور دھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے آخری حصہ میں وہ ڈیڑھ سو سواروں کے ہمراہ دھار پہنچ گیا۔

عبدالقادر کی شکست

جس وقت شجاع خاں حاجی خان کی لشکر گاہ میں پہنچا تو حاجی خاں سو رہا تھا' شجاع نے اسے جگایا اور اس وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تھوڑی سی دیر میں جب لشکر تیار ہو گیا تو سلطان عبدالقادر پر حملہ کر دیا گیا۔ فریقین میں بڑی خونریزی ہوئی جس کے نتیجے میں عبدالقادر شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ اس واقعے سے وہ ایسا تباہ حال ہوا کہ پھر اسے کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

شجاع خاں کے اقتدار میں اضافہ

اس واقعے کے بعد شجاع خاں کی قوت اور شوکت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ تمام مملکت مالوہ پر اس کا پرچم لہرانے لگا اور کوئی حریف باقی نہ رہا۔ انہیں دنوں کالنجر میں شیر شاہ سوری نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا سلیم شاہ تخت نشین ہوا۔

سلیم شاہ اور شجاع خاں کے تعلقات

سلیم شاہ' شجاع خاں کو سخت ناپسند کرتا تھا لیکن ظاہری طور پر وہ التفات و خلوص کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شجاع خاں کا منہ بولا بیٹا دولت خاں' سلیم شاہ کے مقربین خاص میں شامل تھا۔ سلیم شاہ نے باوجود شجاع خاں سے نفرت کرنے کے اپنے باپ کی طرح مالوہ کی حکومت شجاع خاں کے ہاتھوں ہی میں رہنے دی۔

ایک شرابی کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عثمان خاں نامی ایک شخص شراب پی کر شجاع خاں کے دیوان خانہ میں آگیا۔ عثمان نے اس قدر شراب چڑھا رکھی تھی کہ اس کے منہ سے لعاب گرتا جا رہا تھا اور دیوان خانے کا فرش خراب ہو رہا تھا' فراش نے عثمان کو ٹوکا۔ عثمان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فراش کے منہ پر بڑے زور سے ایک گھونسہ رسید کیا۔ شجاع خاں کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا۔ "عثمان خاں سے تین جرم سرزد ہوئے ہیں' اول یہ کہ اس نے شراب پی' دوسرے یہ کہ نشے کے عالم میں دیوان خانے میں آیا' تیسرے یہ کہ فراش کو مارا۔ اس لیے اس کی سزا یہی ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔"

سلیم شاہ سے شجاع کی شکایت

شجاع خاں کے حکم کی تعمیل کی گئی اور عثمان خاں کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ یہ عبرت ناک سزا پانے کے بعد عثمان خاں زندہ رہا اور سلطان سلیم شاہ کے پایہ تخت گوالیار پہنچا وہاں اس نے بادشاہ سے شکایت کی اور اسے تمام ماجرا سنایا۔ سلیم شاہ نے فریادی سے کہا۔ "جو سلوک شجاع خاں نے تجھ سے کیا ہے' تو بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کر۔"

شجاع خاں پر حملہ

سلیم شاہ کا یہ جواب شجاع خاں کو برا معلوم ہوا اور اسے سخت غصہ آیا۔ اس غصے کے عالم میں اس نے سلیم شاہ کو برا بھلا بھی کہا۔ ایک روز شجاع خاں' سلیم شاہ کو سلام کرنے کے لیے قلعہ گوالیار کی جانب روانہ ہوا۔ جب اس کی پالکی دروازہ ہتیاپول کے قریب پہنچی تو اس نے عثمان خاں (شرابی) کو ایک دکان پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ عثمان نے اپنے آپ کو پرانی بکتر سے چھپا رکھا تھا۔ شجاع خاں نے عثمان کو تسلی دینے اور اس کا حال پوچھنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں عثمان بجلی کی سی تیزی کے ساتھ شجاع کی پالکی پر چڑھ آیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ شجاع خاں کے محافظوں نے اسی وقت عثمان خاں کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا۔

شجاع خاں کا زخمی ہونا

عثمان خاں کے جسم کو شجاع خاں کے محافظوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے اپنا ایک ہاتھ لوہے کا بنوا رکھا ہے اور اسی مصنوعی ہاتھ سے اس نے شجاع خاں پر حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد شجاع خاں بادشاہ سے ملے بغیر ہی اپنے گھر واپس آگیا۔ شجاع کے متعلقین نے اس کا لباس اتار کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عثمان خاں کے حملے سے شجاع کا ایک پہلو زخمی ہو گیا ہے۔ سب لوگوں نے اشاروں کنایوں میں سلیم شاہ کو برا بھلا کہا کیونکہ یہ حملہ اس کی ترغیب سے ہوا تھا۔

پرسش حال

سلیم شاہ کو جب شجاع خاں کے زخمی ہونے کی خبر ملی تو اس نے اپنے امیروں اور اراکین دولت کو شجاع خاں کی پرسش حال کے لیے روانہ کیا اور خود بھی اس کی عیادت کے لیے اس کے مکان پر جانے کا ارادہ کیا لیکن شجاع خاں نے بادشاہ کو منع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شجاع خاں کے ملازم اور مقربین سبھی عثمان خاں کے حملے کو سلیم شاہ کی درپردہ شہ کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اس لیے اس امر کا امکان تھا کہ اگر سلیم شاہ شجاع خاں کے گھر آتا تو ضرور کوئی نہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا۔

شجاع کا پیغام' سلیم شاہ کے نام

شجاع خاں نے بادشاہ کے نام پیغام بھجوایا۔ "میں حضور کا خانہ زاد غلام ہوں' میں نے آپ کی خدمت کرنے میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی کبھی اپنی زندگی اور موت کے بارے میں کچھ سوچا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ میں نے صرف چھتیس سواروں کو ساتھ لے کر آپ کی سلطنت قائم کی ہے اور اگر اب بھی میں زندہ رہ گیا تو ایک نہ ایک دن آپ پر اپنی جان نثاری کر دوں گا۔ آپ غریب خانے پر تشریف لانے کی زحمت نہ کریں صحت کے بعد میں خود ہی حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

سلیم شاہ کا شجاع کے گھر جانا

شجاع خاں نے واقعی سلیم شاہ کی بہت خدمت کی تھی اور سلیم شاہ پر اس کے بہت زیادہ احسانات تھے۔ سلیم شاہ نے شجاع خاں کے پیغام اور امراء کی گفتگو سے جان لیا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور شجاع خاں کسی وجہ سے اس سے ناراض ہے دوسرے روز بادشاہ شجاع کی عیادت کے لیے اس کے گھر گیا۔

بادشاہ کے قتل کی ناکام سازش

شجاع خاں کا ہم زلف فتح خاں اپنی جسمانی قوت اور پنجہ کشی کے لحاظ سے تمام لوگوں میں ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ سلیم شاہ اکیلا ہی شجاع خاں کے سراپردہ میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے بادشاہ کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اس معاملے میں شجاع خاں کے بیٹے بایزید کو جو باز بہادر کے نام سے مشہور تھا اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ شجاع خاں کو اس کا پتہ چل گیا اس نے اسی وقت فتح خاں کو اس بہانے سے کہ وہ پیش کش کے گھوڑوں کو تیار رکھے باہر بھیج دیا اور اس طرح فتح خاں کی سازش ناکام ہو گئی۔

صاف گوئی

اس کے بعد شجاع خاں نے سلیم شاہ سے کہا۔ "آپ آئندہ کبھی میرے غریب خانے پر تشریف لانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرے مقربین کوئی ایسی ناشائستہ حرکت نہ کر بیٹھیں جس کے دور رس نتائج آپ کی سلطنت کے لیے نقصان دہ ہوں۔"

شجاع خاں کی سارنگ پور کو روانگی

اس واقعے کے چند روز بعد شجاع خاں نے غسل صحت کیا اور سلیم شاہ کی خدمت میں سلام کے لیے گیا۔ بادشاہ نے شجاع خاں کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے طرح طرح کے انعام و اکرام سے نوازا۔ ایک سو گھوڑے اور ریشمی کپڑوں کی اتنی ہی گٹھڑیاں شجاع خاں کو بطور تحفہ دی گئیں۔ شجاع خاں نے محسوس کیا کہ بادشاہ کے اس خلوص کے پس پردہ نفرت کا جذبہ کارفرما ہے وہ کچھ دیر وہاں ٹھہرا اور پھر اٹھ کر اپنے مکان پر چلا آیا۔ اس نے اسی روز اپنے مقربین کو یہاں سے کوچ کی تیاری کا حکم دیا اور کہا کہ یہ جگہ بہت غلیظ ہو گئی ہے اس لیے یہاں رہنا مناسب نہیں۔ اس کے بعد شجاع خاں اپنے تمام سامان اور ملازمین کے ہمراہ سارنگ پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

شجاع خاں کا تعاقب

سلیم شاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت برہم ہوا' اس نے شجاع خاں کے اس اقدام کو گستاخی اور بے ادبی سمجھ کر اپنے لشکر کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور پھر خود بھی اپنے لشکر کے پیچھے چل دیا۔ سارنگ پور پہنچ کر شجاع خاں نے لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ جب اسے سلیم شاہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی قیام گاہ بدل دینے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے اسے سلیم شاہ سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے جواب میں شجاع خاں نے کہا۔ "سلیم شاہ میرے آقا کا بیٹا ہے میں کسی طرح بھی اس سے جنگ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس کے باپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں اس قسم کا کوئی مشورہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوں لہٰذا آئندہ مجھ سے ایسی بات نہ کی جائے۔

شجاع کی بانسوالہ کو روانگی

شجاع خاں شہر سے باہر آ گیا۔ پہلے تو اس نے اپنے اہل و عیال کو روانہ کیا پھر خود بھی بانسوالہ کی طرف چل دیا۔ سلیم شاہ نے مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے عیسیٰ خاں سوری کو دو ہزار سواروں اور بیس ہاتھیوں کے ساتھ اجین کی حکومت پر نامزد کیا اور خود گوالیار میں آیا۔

شجاع کی معافی اور بحالی

شجاع خاں کے پاس لشکر بھی تھا اور اقتدار بھی۔ وہ چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا' مگر اس نے اپنی وضع داری کا خیال کیا' اور مملکت مالوہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا اسی دوران میں دولت خاں نے سلیم شاہ سے شجاع خاں کی سفارش کی اور اس کی خطا معاف کرنے کے لئے کہا۔ سلیم شاہ نے دولت خان کی درخواست منظور کی' شجاع خاں' سلیم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔ بادشاہ نے شجاع کو ایک سو گھوڑے اور بے شمار ریشمی کپڑے عنایت کیے' رائسین' سارنگ پور' اور بعض دوسرے پرگنے اس کی جاگیر میں دیئے اور اسے مالوہ کا سپہ سالار مقرر کر کے مالوہ جانے کی اجازت دی۔

سلیم شاہ کا انتقال

انہیں دنوں سلیم شاہ سوری نے اپنی طبعی اجل سے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی اور حکومت مبارز خاں عدلی کے ہاتھ آئی۔ عدلی نے اپنے بزرگوں کی پیروی کی اور شجاع خاں کو مالوہ کی حکومت پر بحال رکھا۔

مملکت کی تقسیم

شجاع خاں نے مملکت مالوہ کو اپنے بیٹوں اور بہی خواہوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ اجین اور نواحی کی حکومت دولت خاں کو دی۔ اپنے چھوٹے بیٹے ملک مصطفیٰ کو رائسین اور بھیلسہ کا حاکم بنایا اور خود سارنگ پور میں مقیم ہوا۔ سالہاسال تک وہ اسی طرح ہنسی خوشی دن بسر کرتا رہا۔

بادشاہت کے خواب

جس زمانے میں دہلی کی سلطنت میں انتشار پیدا ہوا اور چاروں طرف بدامنی کا دور دورہ ہوا تو ہر شخص خودمختاری اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ شجاع خاں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر مالوہ میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کرنا چاہا' لیکن موت کے ظالم ہاتھوں نے اسے مہلت نہ دی۔

وفات

۹۶۲ھ میں شجاع خان نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس نے بارہ سال تک مالوہ پر حکومت کی۔ اجین کے قریب شجاول پور نام کا قصبہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ مالوہ میں اس قصبہ کے علاوہ شجاع خاں کے اور بھی بہت سے آثار ہیں۔

شجاع خاں کے بعد اس کا بیٹا بایزید' باز بہادر' کے نام سے اپنے باپ کا جانشین ہوا۔

باز بہادر

دولت خان سے جنگ اور صلح

شجاع خاں کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا بایزید ہندویہ سے سارنگ پور آیا اور اس نے اپنے باپ کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ دولت خاں جو سلطان سلیم شاہ کے دربار کا ایک معزز امیر تھا۔ اس نے بایزید کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور جنگ کا ارادہ کیا۔ مالوہ کے سارے لشکر نے دولت خاں کا ساتھ دیا۔ بایزید نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اپنی والدہ کو معزز امراء کی ایک جماعت کے ساتھ دولت خاں کے پاس بھیجا اور یہ طے پایا کہ اجین' مندو اور بعض دوسرے علاقوں پر دولت خاں قابض ہو جائے' سارنگ پور' سیواس سروہی' براہمہ اور بھلوارہ وغیرہ ملک بایزید کے قبضے میں رہیں' رائسین اور بھیلسہ وغیرہ ملک مصطفیٰ کی جاگیر میں دیئے جائیں۔

دولت خاں کا قتل

اس صلح کے بعد بایزید نے ایک نہایت ہی مکارانہ چال چلی اور اجین کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سب میں تو یہی مشہور کیا کہ وہ دولت خاں کے پاس شجاع خاں کی تعزیت کے لئے جا رہا ہے' لیکن اصل معاملہ کچھ اور ہی تھا وہ دولت خاں کو قتل کر کے اس کے پرگنوں اور علاقوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ دولت خاں کو بایزید کی مکاری کا علم نہ ہوا اور وہ بے خبری اور غفلت کے عالم میں اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ ملک بایزید نے دولت خاں کا سر علیحدہ کر کے سارنگ پور روانہ کیا جو شہر کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد بایزید مالوہ کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گیا۔

بادشاہت

۹۶۳ھ میں ملک بایزید نے چترشاہی اپنے سر پر سایہ فگن کیا اور ملک میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اس نے اپنا نام بدل کر "باز بہادر" رکھ لیا اپنے علاقوں کے انتظام کے بعد باز بہادر نے رائسین کی طرف نظریں ڈالیں۔ اس کے چھوٹے بھائی ملک مصطفیٰ نے جو اس علاقے کا جاگیردار تھا' باز بہادر کا مقابلہ کیا۔

رائسین اور بھیلسہ پر قبضہ

دونوں بھائیوں میں زبردست جنگ چھڑ گئی اگرچہ مصطفیٰ بہت ہی دلیر اور جان باز نوجوان تھا لیکن متعدد معرکہ آرائیوں کی وجہ سے وہ ہمت ہار بیٹھا۔ مصطفیٰ کو شکست ہوئی اور اس طرح رائسین اور بھیلسہ پر باز بہادر کا قبضہ ہو گیا۔

کدوالہ کی فتح

اس کے بعد باز بہادر نے کدوالہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ باز بہادر کے کئی فوجی سردار اس کے ساتھ بے ادبی سے پیش آیا کرتے تھے۔ باز بہادر نے ان سب کو گرفتار کر کے کنوئیں میں پھینکوا دیا اس طرح یہ لوگ اپنی موت آپ مر گئے۔ حریف سے دیر تک جنگ کرنے کے بعد باز بہادر نے کدوالہ کو فتح کر لیا۔ اسی زمانے میں دوران جنگ باز بہادر کے خالو فتح خاں کو ایک گولہ لگا اور وہ مر گیا۔ باز بہادر نے فتح خاں کی جگہ اس کے بیٹے کو نامزد کیا اور واپس سارنگ پور آیا۔

رانی درگاوتی سے جنگ

کچھ دنوں کے بعد باز بہادر نے راجہ کھنبکہ کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور لشکر کو مرتب کر کے روانہ ہو گیا۔ جب باز بہادر وہاں

پہنچا تو رانی درگاوتی نے (جس نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی) گونڈوں کو جمع کیا اور گھاٹی پر باز بہادر کا مقابلہ کیا۔ رانی کے پیادے تعداد میں بہت زیادہ تھے' ان پیادوں نے باز بہادر کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

باز بہادر کی شکست

باز بہادر اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس کے لشکر کا ایک حصہ اس لڑائی میں مارا گیا۔ باز بہادر بڑی مشکلوں سے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سارنگ پور پہنچا۔ اس نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی طرف مطلق دھیان نہ دیا اور اپنی تھکن دور کرنے کے لئے عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

موسیقی سے دلچسپی

باز بہادر کو فن موسیقی سے بے انتہا دلچسپی تھی' اس نے بہت سی گانے والی عورتوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔ اس دلچسپی کی وجہ باز بہادر امور سلطنت سے بالکل بیگانہ ہو گیا اور اس کا تمام وقت موسیقی کے شغل میں ہی گزرنے لگا۔

روپ متی سے عشق

ایک گانے والی عورت جس کا نام روپ متی تھا باز بہادر کی نظروں میں سما گئی۔ اس عورت نے اپنے حسن اور موسیقی میں کمال کی وجہ سے باز بہادر کے دل کو لبھا لیا۔ باز بہادر کو اس عورت سے بے پناہ محبت تھی' روپ متی بھی اپنے عاشق سے سچی محبت کرتی تھی' نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہ ہوتے تھے ان دونوں کے عشق کی سارے ہندوستان میں شہرت پھیل گئی۔

مالوہ پر اکبر کی نظریں

باز بہادر جب امور سلطنت سے بیگانہ ہوا تو مالوہ کے لشکر میں بھی کچھ ترتیب و تنظیم باقی نہ رہی۔ اس کی خبر جب جلال الدین اکبر کو ملی اس نے مالوہ کو فتح کرنے کی ٹھان لی۔ اکبر نے ۹۶۸ھ میں اپنے امیروں کی ایک جماعت کو ادھم خاں کی نگرانی میں مالوہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔

مغل فوج مالوہ میں

باز بہادر تو عشق و عاشقی اور موسیقی کے اشغال میں اس قدر گم تھا کہ اسے کچھ معلوم ہی نہ ہوا کہ اکبر بادشاہ کے کیا ارادے ہیں۔ اس کی آنکھیں تو اس وقت کھلیں کہ جب مغلوں کا لشکر مالوہ پہنچ چکا تھا۔ باز بہادر نے جلدی جلدی جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ بے سروسامان لشکر فراہم کیا اور عورتوں کی صحبت سے اٹھ کر انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں دشمن کی طرف روانہ ہوا جو سارنگ پور سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔

باز بہادر کا فرار

باز بہادر نے جنگ کا ارادہ تو کر لیا' لیکن طاقت ور حریف کے سامنے ٹھہرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ مغلوں کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور مالوہ کے ایک انتہائی دور دراز گوشے میں چلا گیا۔ باز بہادر کی زندگی بھر کا سرمایہ یہی گانے بجانے والی عورتیں تھیں جنہیں ہندوؤں کی اصطلاح میں پاتر کہا جاتا ہے۔ باز بہادر نے اپنے آدمیوں کے ایک گروہ کو اس کام پر متعین کیا تھا کہ اگر اسے مغلوں کے مقابلے پر شکست ہو جائے تو ان گانے والیوں کو فوراً قتل کر دیا جائے۔

گانے والیوں کا حشر

جب باز بہادر کو شکست ہو گئی تو مقررہ آدمیوں نے اپنے آقا کے حسب ہدایت ان گانے والیوں پر تلواریں اٹھائیں۔ ان قاتلوں نے

روپ متی اور دوسری گانے والیوں کو پریشانی کے عالم میں زخمی کیا۔ چونکہ ان عورتوں نے روپ متی اور اس کی سہیلیوں کا حشر دیکھ لیا تھا اس لئے وہ قاتلوں سے ڈر کر ادھر ادھر بھاگ گئیں۔ قاتلوں کو اتنی فرصت کہاں تھی وہ یہ تحقیق کرتے کہ کون عورت زندہ ہے اور کون قتل ہوئی۔ جو عورتیں زندہ تھیں وہ ایک ٹولی کی صورت میں باز بہادر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئیں۔

روپ متی کی تلاش

مغل سپہ سالار ادھم خاں شہر میں داخل ہوا تو اس نے تمام مفرور عورتوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور ان سے پوچھا کہ روپ متی کہاں ہے؟ ان عورتوں نے بتایا کہ روپ متی فلاں محل میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ قتل کر دی گئی ہے۔ ادھم خاں نے اس بیان کی تصدیق کے لئے چند آدمیوں کو روپ متی کے محل میں بھیجا۔ ان آدمیوں نے جا کر دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ روپ متی اور اس کی سہیلیاں زخمی ہو گئی ہیں اور تاحال زندہ ہیں۔

ادھم خاں کا پیغام روپ متی کے نام

ادھم خاں کو جب یہ خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا اس نے بہت پہلے سے روپ متی کا نام سن رکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ادھم خاں نے روپ متی کو سبز باغ دکھایا اور اسے پیغام دیا۔ "تم اچھی طرح اپنا علاج کرواؤ جب تم کو کامل صحت ہو جائے گی تو میں تمہیں باز بہادر کے پاس پہنچا دوں گا۔"

روپ متی کی صحت یابی

یہ مژدہ جاں فزا سن کر روپ متی کی جان میں جان آگئی اور اس نے ادھم خاں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد روپ متی اپنی صحت کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے نہایت تندہی سے اپنا علاج کروایا۔ جب اس کے زخم اچھے ہو گئے تو روپ متی نے ادھم خاں کو مطلع کیا کہ میں اب خدا کے فضل و کرم سے صحت یاب ہو گئی ہوں۔ لہٰذا آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے اور مجھے باز بہادر کے پاس بھجوا دیجئے میں آپ کا احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی اور تا عمر دعا گو رہوں گی۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا

ادھم خاں کے سر پر تو ہوس کا بھوت سوار تھا اس نے وعدہ ہی کون سے سچے دل سے کیا تھا جو اب ایفاء کرتا۔ اس نے روپ متی کو یہ جواب بھجوایا۔ "باز بہادر بادشاہ کا باغی ہے اگر وہ اطاعت گذاری کرتا اور شاہی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگتا تو میں فوراً تجھ کو اس کے پاس بھجوا دیتا' لیکن اب معاملہ دوسرا ہے' اگر اس وقت میں نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر تجھے باز بہادر کے پاس روانہ کر دیا تو بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گا اور پھر مجھ پر شاہی عتاب نازل ہو گا۔"

پیت کی ماری روپ متی

اس کے بعد ادھم خاں نے اپنے ایک راز دار مقرب کو روپ متی کے پاس آدھی رات کے وقت بھیجا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ روپ متی بڑی ذہین عورت تھی وہ فوراً ادھم خاں کی نیت کو بھانپ گئی اور اس نے سوچا کہ اگر اس نے ادھم خاں سے ملنے سے انکار کیا تو وہ زبردستی تصرف میں لائے گا اور اگر اقرار کیا تو اس سے عشق کی آبرو جائے گی۔ روپ متی باز بہادر کو دل و جان سے چاہتی تھی اور اس سے وعدہ کر چکی تھی کہ وہ زندگی بھر کسی دوسرے سے کوئی تعلق پیدا نہ کرے گی اور کسی اور سے محبت نہ کرے گی۔

ادھم خاں کو روپ متی کا جواب

بہت سوچ بچار کے بعد روپ متی نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہئے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یہ سوچ

کر اس نے ادھم خاں کے قاصد سے کہا میں تو ادھم خاں کی کنیز ہوں- وہ جو کہیں میں کرنے کو تیار ہوں- ان کے پاس جانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن وہ اگر خود یہاں تشریف لے آئیں تو یہ امر میری عزت افزائی کا باعث ہو گا۔"

ادھم خاں روپ متی کے مکان پر

ادھم خاں کا قاصد یہ جواب پا کر اپنے آقا کے پاس واپس آیا اور اسے روپ متی کا جواب سنایا- یہ سن کر ادھم خاں جو ایک ہوس کار نوجوان تھا بہت خوش ہوا اور روپ متی سے ملاقات کرنے کی تیاریاں کرنے لگا- ادھم خاں کو یہ خوف تھا کہ اس کی اس حرکت کا کہیں بادشاہ کو علم نہ ہو جائے لہذا وہ اپنا حلیہ بدل کر صرف دو تین ساتھیوں کے ہمراہ روپ متی کے مکان پر پہنچا۔

عشق و ہوس کا فرق

ادھم خاں نے کنیزوں سے دریافت کیا کہ روپ متی کہاں ہے' جواب ملا کہ وہ سو رہی ہے- ادھم خاں اس کے پلنگ کے قریب گیا اور چادر کو اس کے منہ سے ہٹایا- اس وقت روپ متی ان گنت خوشبوؤں میں بسی ہوئی تھی- اس کے گلے میں پھولوں کے ہار تھے اور وہ بڑی تمکنت سے بستر خواب پر دراز تھی- ادھم خاں نے روپ متی کے جسم کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا جسم بے جان ہے۔

کشتہ عشق

روپ متی کو اس حالت میں دیکھ کر ادھم سخت حیران ہوا اور اس نے خدمت گاروں سے اس بارے میں استفسار کیا ملازموں نے بتایا آپ کا قاصد روپ متی کو بلانے کے لئے آیا تو اس نے جواب دے کر قاصد کو رخصت کر دیا- بعد ازاں وہ باز بہادر کو یاد کر کے روتی رہی اور اسی رنج و الم کی حالت میں اس نے کافور اور روغن کنجد کھا لیا- جب اس کی حالت بگڑنے لگی تو وہ پلنگ پر جا لیٹی اور اب وہ جیسی ہے آپ کے سامنے پڑی ہے۔"

ادھم خاں کی معزولی

یہ سن کر ادھم خاں روپ متی کے عشق صادق اور ایفائے عہد سے سخت متاثر ہوا اور مرحومہ کی ہمت پر آفرین کہا' اسی دوران میں ادھم خاں معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ پیر محمد خاں شیروانی کو مالوہ کی حکومت پر مقرر کیا گیا۔

باز بہادر کے استیصال کی کوشش

۹۶۹ھ میں پیر محمد خاں شیروانی نے باز بہادر کے استیصال کے لئے جو سرحد مالوہ میں مقیم تھا لشکر کشی کی- باز بہادر نے حاکم برار تفال خاں اور والی برہان پور میراں مبارک فاروقی سے مدد طلب کی ان دونوں فرماں رواؤں نے باز بہادر کی درخواست منظور کی اور اس کی مدد کے لئے لشکر فراہم کرنے میں مصروف ہوئے۔

مالوی' براری اور برہان پوری فرماں رواؤں کا اتحاد

پیر محمد خاں شیروانی کو باز بہادر میراں مبارک شاہ فاروقی اور تفال خاں کی باہمی مشورت کا علم ہو گیا اور اس نے مملکت میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا- اس نے برہان پور پہنچ کر بھی اسی قسم کا ہنگامہ بپا کیا- اسی دوران میں متذکرہ بالا تینوں فرماں رواؤں نے پیر محمد شیروانی کے دفعیے پر کمر باندھی اور اپنے زبردست لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے۔

مالوہ سے مغلوں کا اخراج

پیر محمد ان تینوں کی مجموعی قوت سے سخت پریشان ہوا اور جلد واپس لوٹا- تینوں فرماں رواؤں نے اس کا تعاقب کر کے اس کے لشکر کو بہت نقصان پہنچایا- جیسا کہ سلاطین دہلی کے تذکرے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پیر محمد خاں فرار کی حالت ہی میں دریائے نربدہ میں ڈوب کر

ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد مغل امیروں کے لئے مالوہ میں رہنا دوبھر ہو گیا اور وہ یہاں سے چلے گئے۔

باز بہادر کی دوبارہ تخت نشینی اور جلاوطنی

باز بہادر دوبارہ تخت نشین ہوا اور لشکر کی فراہمی کی طرف متوجہ ہوا ابھی اس کی حالت پوری طرح سنبھلی بھی نہ تھی کہ جلال الدین اکبر کے ایک امیر عبداللہ خان نے ۹۷۰ھ میں ایک زبردست لشکر کے ساتھ مالوہ پر حملہ کر دیا۔ باز بہادر عیش و آرام کا عادی تھا وہ مغلوں کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور بغیر کسی معرکہ آرائی کے مالوہ سے باہر چلا گیا۔

باز بہادر اکبری بارگاہ میں

ایک مدت تک باز بہادر' مالوہ' خاندیش اور دکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں آوارگی کی زندگی بسر کرتا رہا اور گاہے گاہے مغلوں سے معرکہ آرائیاں بھی کرتا رہا لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی آخر کار اس نے مجبور ہو کر اکبر بادشاہ سے امان طلب کی اور اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ اکبر نے باز بہادر کو دو ہزاری منصب پر فائز کر کے اپنے امیروں کے گروہ میں داخل کر لیا۔ باز بہادر کی بقیہ عمر اسی امارت میں عیش و عشرت سے گزری۔

باز بہادر کا چھوٹا بھائی ملک مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ اکبر کے دربار میں حاضر ہوا۔ جن دنوں حکیم ابوالفتح یوسف زئی افغانوں سے جنگ کرنے گیا تو ملک مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ تھا اور وہ اس معرکے میں مارا گیا۔

باز بہادر نے ابتدائے حکومت سے لے کر معزولی کے زمانے تک کل سترہ سال حکومت کی۔ ۹۷۸ھ سے لے کر ۱۰۱۸ھ تک مالوہ کا ملک بادشاہ دہلی کی سلطنت میں شامل ہے۔

برہان پور کے فاروقی سلاطین

ملک راجہ فاروقی

خاندانی حالات

خاندیش پر جس شخص نے سب سے پہلے اپنی حکومت قائم کی وہ ملک راجہ فاروقی تھا۔ اس کے باپ کا نام خان جہاں فاروقی تھا' اس کے بزرگ علاؤ الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے درباروں میں نامی گرامی امیر تھے' زمانے کی گردش کے ہاتھوں' ملک راجہ فاروقی اپنے اسلاف کی طرح درجہ امارت پر فائز نہ ہو سکا اور بڑی پریشانی اور مفلسی کی حالت میں اپنی زندگی کے دن گزارتا رہا۔ اس کو شکار سے بہت دلچسپی تھی' باوجود مفلسی اور بے سروسامانی کے وہ کبھی کبھی اس شغل سے دل بہلا ہی لیتا تھا۔

سلطان فیروز شاہ کا ایک واقعہ

ایک بار سلطان فیروز شاہ مندو کے راستے گجرات آیا اور اپنے چند خاص ساتھیوں کے ہمراہ شکار کی تلاش میں چودہ پندرہ کوس تک بھاگتا چلا گیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو بھوک نے خوب ستایا' لیکن نہ تو اس کے ساتھیوں کے پاس ہی کچھ تھا اور نہ ہی کوئی آبادی نزدیک تھی کہ کھانے کی اشیاء منگوالی جائیں۔ بھوک سے نڈھال ہو کر فیروز شاہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔

فیروز شاہ اور ملک راجہ میں ملاقات

سلطان فیروز اسی پریشانی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ معاً اس کی نظر ایک سوار پر پڑی جس کے ساتھ دو شکاری کتے اور کچھ دوسرے جانور تھے اور جو ایک شکار کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ بادشاہ نے اشارے سے اس سوار کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ اس سوار کے پاس روکھا سوکھا جو کچھ بھی تھا وہ اس نے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا اور خود بادشاہ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

لطف شاہانہ

جب بادشاہ نے کھانا کھا لیا تو وہ اس سوار کے حسن خدمت اور انداز گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور اس سے سوال کیا "تو کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟" سوار نے بڑے ادب کے ساتھ جواب دیا "میرا نام ملک راجہ فاروقی ہے اور میں خان جہاں فاروقی کا بیٹا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ بادشاہ کے ملازمین خاصہ میں داخل ہو کر سرفرازی حاصل کروں۔" بادشاہ خان جہاں فاروقی کو اچھی طرح جانتا تھا' دوسرے ملک راجہ کے حسن خدمت سے بھی فیروز شاہ بہت خوش ہوا تھا اس لئے اس نے اپنے ایک مقرب سے کہا۔ "جس روز دربار عام منعقد ہو ملک راجہ کو میری خدمت میں پیش کیا جائے۔"

ملک راجہ مرتبہ امارت پر

ملک راجہ دربار عام میں بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ سلطان فیروز شاہ نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس شخص کے مجھ پر دو حق ہیں' اول تو یہ کہ یہ میرے ایک واقف کار کا بیٹا ہے اور دوسرے یہ کہ اس نے ایک روز شکار گاہ میں میری خدمت کی تھی۔ اس مجلس میں سلطان فیروز شاہ نے ملک راجہ فاروقی کو دو ہزاری منصب داروں میں شامل کیا اور تھالیز اور کروند کی جاگیر جو مملکت خاندیش میں ہے اور دکن کی سرحد میں واقع ہے اسے عطا کی۔

راجہ بہارجی پر حملہ

۷۷۶ھ میں راجہ فاروقی اپنی جاگیر پر گیا اور اس علاقے کے انتظامات اور دیکھ بھال میں معروف ہوا۔ اس نے راجہ بہادر جی پر لشکر

کشی کی کیونکہ یہ راجہ سلطان فیروز شاہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل نہ ہوا تھا۔ ملک راجہ نے راجہ بہارجی کو باجگذار بنایا اور اس سے پانچ قوی ہیکل ہاتھی' دس چھوٹے ہاتھی اور بہت سی دوسری گراں قدر چیزیں بطور پیش کش وصول کیں۔ اس کے علاوہ بہت سا نقد روپیہ بھی وصول کیا۔

ملک راجہ کی خوش اسلوبی

ملک راجہ نے اہل دکن کی تقلید میں ہاتھیوں کو سونے کی زنجیروں میں باندھا اور مخمل کی شاندار جھولیں ان پر ڈالیں۔ تمام اشیائے پیش کش اور روپے کو اونٹوں پر لادا اور ان اونٹوں کو بھی مخمل سے مزین کیا۔ ملک راجہ نے یہ اونٹ اور ہاتھی سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ کئے۔ جب راجہ بہارجی کی پیش کش اس خوبصورت انداز سے بادشاہ کے سامنے آئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے ملک راجہ فاروقی کی خوش اسلوبی کو بہت سراہا اور کہا جو خدمت دکنی حکام کے سپرد تھی اس کو ملک راجہ فاروقی نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔"

ملک راجہ کی ترقی اقبال

سلطان فیروز شاہ نے ملک راجہ فاروقی کو سہ ہزار منصب عطا کیا اور اسے خاندیش کا سپہ سالار بنا دیا۔ رفتہ رفتہ ملک راجہ فاروقی کی قسمت کا ستارہ عروج پر پہنچتا گیا اور اس نے کچھ ہی عرصے میں بارہ ہزار سواروں کا ایک لشکر جمع کیا۔ چونکہ ولایت خاندیش کا محصول اس لشکر کے اخراجات کے لئے کافی نہ تھا۔ اس لئے ملک راجہ فاروقی کو ندوارہ اور آس پاس کے دوسرے راجاؤں پر لشکر کشی کر کے ان سے پیش کش وصول کرتا رہتا تھا۔

مرتبہ بادشاہت

تھوڑے سے عرصے میں ملک راجہ نے یہاں تک اپنی قوت کو بڑھایا اور اپنے اقتدار کو ترقی دی کہ جاج نگر کے راجہ نے بھی باوجود بہت دور ہونے کے دوستی محبت کا ہاتھ بڑھایا' الغرض ملک راجہ فاروقی نے اپنی محنت اور دانشمندی سے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو مرتبہ بادشاہت تک پہنچا دیا۔

ملک راجہ اور دلاور خان میں برادرانہ تعلقات

سلطان فیروز شاہ کے انتقال کے بعد مالوہ کی حکومت دلاور خاں غوری کے ہاتھ آئی۔ یہ دونوں فرماں روا ایک دوسرے کو بہت عزیز رکھتے تھے' ان میں بھائیوں جیسے تعلقات تھے آخر میں رشتہ داری بھی ہو گئی وہ اس طرح کہ ملک راجہ کی بیٹی ہوشنگ کے ساتھ بیاہی گئی اور دلاور خاں غوری کی بیٹی کی شادی نصیر خاں ولد ملک راجہ فاروقی سے کر دی گئی۔

سلطان پور اور اندربار پر حملہ

انھیں دنوں گجرات میں سلطان مظفر نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وجہ سے ملک راجہ فاروقی کی مملکت میں کسی قدر انتشار پیدا ہوا۔ ملک راجہ فاروقی نے موقع پا کر دلاور خاں غوری کی مدد سے سلطان پور اور اندربار پر لشکر کشی کر دی اور سلطان مظفر گجراتی کے مقرر کردہ حاکموں کو معزول کر دیا۔

ملک راجہ اور مظفر گجراتی میں صلح

سلطان مظفر گجراتی ان دنوں ہندوؤں سے معرکہ آراء تھا اس نے فوراً اس جنگ کو ملتوی کر دیا اور جلد از جلد سلطان پور پہنچ گیا۔ ملک راجہ فاروقی گجراتی فرماں روا کا مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ تھالیز میں پناہ گزیں ہو گیا۔ ملک راجہ فاروقی نے چند عالموں اور مذہبی بزرگوں کے ذریعے سے سلطان مظفر سے صلح کی بات چیت کی۔ سلطان مظفر نے یہ درخواست منظور کر لی اور صلح کے بعد واپس چلا آیا۔

ان واقعات کے بعد ملک راجہ فاروقی نے مملکت اور رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی اس نے تعمیرات اور زراعت کی ترقی کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا اس نے اس کے بعد پھر بھی کسی جانب سفر نہ کیا۔

ملک راجہ فاروقی کا انتقال

آخر کار وہ دن بھی آ گئے جب ملک راجہ فاروقی کی صحت خراب ہونے لگی اور وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے ملک نصیر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور وہ خرقہ ارادت جو اسے اپنے مرشد شیخ زین الدین سے ملا تھا' ملک نصیر کے حوالے کر دیا۔ ملک راجہ فاروقی نے اپنے چھوٹے بیٹے ملک افتخار کو قلعہ تھالیز مع اس کے مضافات کے عطا کیا۔ ۲۲ شوال بروز جمعہ ۸۰۱ھ میں راجہ نے سفر آخرت اختیار کیا اور اسے تھالیز میں دفنایا۔

مورخ فرشتہ کی تحقیق

۱۰۱۳ھ میں راقم الحروف محمد قاسم فرشتہ مولف کتاب ہذا کو عادل شاہ کی بیٹی سلطان بیگم کی پالکی کے ساتھ بیجا پور جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں نے خواجہ میرزا علی اسفر آئینی سے ملاقات کی۔ جس نے قلعہ اسیر کی فتح کے بعد فاروقی سلاطین کے کتب خانے کا معائنہ کیا تھا۔ میں نے خواجہ میرزا اسفر آئینی سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا جس میں خاندان فاروقی کے حالات درج تھے۔ خواجہ نے اس کتاب کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ مجھے وہ کتاب نظر آ گئی اس کے ایک ورق پر ملک راجہ کا نسب مع تخت نشینی اور وفات کی تاریخوں کے درج تھا میں نے اس کتاب کی نقل حاصل کر لی اور اس خاص ورق کو غور سے دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک راجہ فاروقی اپنے آپ کو حضرت عمرؓ کی اولاد سے بتاتا ہے۔

ملک راجہ فاروقی کا سلسلہ نسب

مذکورہ کتاب میں یہ نسب نامہ یوں درج ہے' ملک راجہ بن خان جہاں بن علی خاں بن عثمان بن شمعون شاہ بن اشعث شاہ بن سکندر شاہ بن دانیال شاہ بن اشعث شاہ بن ارمیانہ شاہ بن سلطان التارکین برہان العارفین ابراہیم شاہ بلخی بن ادہم شاہ بن محمود شاہ بن احمد شاہ بن محمود شاہ بن اعظم شاہ بن اصغر بن محمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ۔

شیخ زین سے ارادت

ملک راجہ فاروقی شیخ الاسلام شیخ زین دولت آبادی کا مرید تھا اور اس نے ان سے خرقہ ارادت بھی حاصل کیا تھا یہی خرقہ اس نے اپنے بیٹے نصیر خاں کو ولی عہدی کے وقت عطا کیا تھا۔ دو سو سال تک اسی طرح یہ خرقہ ہر بادشاہ اپنے ولی عہد کو دیتا رہا یہاں تک کہ اس خاندان کے آخری بادشاہ بہادر خاں فاروقی نے یہ خرقہ اپنے باپ علی خاں سے وراثت میں پایا۔ ملک راجہ فاروقی کی مدت حکومت انتیس (۲۹) سال ہے۔

نصیر خاں فاروقی بن ملک راجہ فاروقی

علم دوستی

نصیر خاں کے عہد حکومت میں فاروقی خاندان نے بڑی ترقی کی اور اس کی عزت و شان پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔ نصیر خاں نے دوسرے بادشاہوں کی طرح اپنے دربار میں بہترین لوگوں کو جمع کیا۔ اہل علم کی اس نے اس قدر عزت افزائی کی کہ خاندیش اہل علم و ارباب کمال کا مرکز بن گیا۔ نصیر خاں نے ہر ایک کو حتی الامکان وظیفے اور جاگیر سے نوازا۔

خاندیش میں نصیر کے نام کا خطبہ

نصیر خاں کو سلطان احمد گجراتی نے سلطنت کا اثاثہ اور نصیر خاں کا خطاب عطا کیا۔ نصیر نے خاندیش میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور اس طرح وہ آرزو جو ملک راجہ فاروقی کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی' اس کے بیٹے نے پوری کر دی۔ اس طرح فاروقی خاندان کا شمار بھی بادشاہوں کے خاندانوں میں ہونے لگا۔

نصیر خاں نے سراپردہ سرخ تیار کروایا اور چتر اپنے سر پر سایہ فگن کیا۔ اس نے قلعہ اسیر کو آسااہیر کے قبضے سے نکال کر شہر برہان پور کو آباد کیا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ ذیل کی سطور میں دیا جاتا ہے۔

قلعہ اسیر

آسااہیر کے آباؤ اجداد نے خاندیش کے پہاڑ پر پتھر اور مٹی کا ایک حصار تعمیر کیا تھا اور یہ خاندان جس کا پیشہ زمینداری تھا' ایک عرصے سے اسی قلعے میں آباد تھا۔ اس قلعے کی تعمیر کے ایک سو سال بعد آسااہیر اپنے بزرگوں کا قائم مقام ہوا اس نے بڑی ترقی کی اس کے پاس پانچ ہزار بھینسیں' پانچ ہزار گائیں' بیس ہزار بکریاں اور بھیڑیں اور ایک ہزار گھوڑیاں تھیں۔

آسااہیر

اس کے ملازموں کی تعداد جو ان مویشیوں کی نگہداشت پر مقرر تھے دو ہزار سے زیادہ تھی۔ خاندیش اور گونڈوارہ کے لوگوں کو جب کبھی ضرورت پڑتی تھی وہ آسااہیر سے نقد رقم بطور قرض لیتے تھے تاکہ غلہ اور دیگر سامان ضرورت خرید سکیں۔ امراء کو بھی جب کبھی کسی عمدہ گھوڑے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ آسااہیر کے ذریعے ہی اپنی ضرورت پوری کرتے تھے اگرچہ یہ شخص (آسا) قوم کا اہیر تھا لیکن اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔

آسااہیر کا اقتدار

آسااہیر کا اقتدار اس حد تک بڑھ گیا کہ جب کبھی لوگوں میں جھگڑا ہو جاتا یا کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ اس کا فیصلہ کروانے یا اس کا حل تلاش کرنے کے لئے آسااہیر ہی کے پاس آتے کیونکہ انہیں اس کی دانش مندی اور فہم و فراست پر پورا پورا بھروسہ تھا۔

زبردست قحط

ملک راجہ فاروقی کی آمد سے کچھ عرصہ پہلے خاندیش' مالوہ' برار اور سلطان پور ندربار میں زبردست قحط پڑا۔ خوراک نہ ملنے کی وجہ سے بہت سے انسان ہلاک ہو گئے۔ گونڈ واڑہ وغیرہ میں تو ایسی تباہی مچی کہ ساری رعایا بمشکل دو تین ہزار کولی اور بھیل زندہ رہے اسی طرح خاندیش کے باشندے بھی ہلاک ہوئے ان میں جو بچے وہ آسااہیر کے پاس چلے گئے۔

کونڈواڑہ میں آسااہیر کے غلے کے دو ہزار انبار موجود تھے اس کے گماشتوں نے غلہ بیچ بیچ کر رقم اپنے مالک کے پاس بھیجنی شروع کر دی۔ آسااہیر کی بیوی بڑی نیک اور پارسا تھی اس نے اپنے شوہر سے کہا "خدا نے ہم کو بہت کچھ دیا ہے اس لئے دنیاوی مال کی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں سے غلے کی قیمت وصول کریں' ہمیں کوئی ایسا کام کرنا چاہئے کہ یادگار رہے۔" آسااہیر نے اپنی بیوی سے اس اجمال کی تفصیل پوچھی تو اس نے کہا۔ "میری رائے یہ ہے کہ اس پر ایک حصار چونے اور پتھر سے تعمیر کیا جائے اور ایک لنگر خانہ کھولا جائے۔ جس میں فقیروں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے۔"

آسااہیر نے اپنی بیوی کے مشورے پر عمل کیا اور خاندیش اور اس کے نواح میں لنگر خانے تعمیر کروائے۔ پرانی چار دیواری کو توڑ کر چونے اور پتھر کا ایک پختہ قلعہ تعمیر کروایا۔ پہلے پہل اس قلعے کا نام قلعہ آسااہیر رکھا گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے اسے قلعہ اسیر کہا جانے لگا۔

سلطان فیروز شاہ کو جب اس قلعے کی تعمیر کا علم ہوا تو اس نے حاکم اسیر کو ایک خط لکھا اور اس سے پوچھا کہ ایک اہیر کو ایسا مضبوط قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کے بعد ملک راجہ فاروقی جب خاندیش کا حاکم مقرر ہوا تو آسااہیر نے ملک راجہ کی اطاعت گذاری کو اپنا شعار بنایا' اگرچہ ملک راجہ قلعہ اسیر کو فتح کرنا چاہتا تھا' لیکن قلعے کی مضبوطی دیکھ کر اس کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

نصیر خاں کا ارادہ تسخیر قلعہ اسیر

جب خاندیش کی حکومت نصیر خاں فاروقی کے ہاتھ میں آئی تو اس نے قلعہ اسیر کو تسخیر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اس نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں ایک تدبیر سوچی اور آسااہیر کو یہ پیغام دیا۔ "راجہ بگلانہ رنتھنبور نے بہت سا لشکر جمع کر لیا ہے اور یہ دونوں راجے پہلے کی طرح ہمارے بہی خواہ نہیں رہے۔ بلکہ راجہ کھیرالہ کے اکسانے پر آمادہ بغاوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے میرے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے قلعہ تھالیز پر میرے باپ کی وصیت کے مطابق ملک افتخار قابض ہے اور قلعہ تلنگ کے استحکام پر مجھے بھروسہ نہیں ہے کیونکہ وہ دشمنوں سے قریب ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے بال بچوں کو تمہارے پاس قلعہ اسیر میں بھیج دوں تاکہ وہ وہاں امن و اطمینان سے رہ سکیں۔ اور میں پوری توجہ کے ساتھ دشمن کی مدافعت کر سکوں۔"

تسخیر قلعہ کا پر فریب طریقہ

آسااہیر نے بڑی خوشی سے نصیر خاں کا پیغام قبول کیا اور اس کو اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا۔ نیز قلعہ اسیر میں شاہی خاندان کے افراد کے لئے ایک مکان مخصوص کر دیا۔ نصیر خاں نے پہلے تو عورتوں کی چند ڈولیاں قلعہ اسیر کو روانہ کیں اور ان عورتوں کو یہ ہدایت کی کہ اگر آسااہیر کی عورتیں تمہارے پاس آئیں تو تم ان سب سے بہت اچھی طرح پیش آنا اور ان کا بہت احترام کرنا۔

اس کے بعد نصیر خاں نے دوسرے روز کچھ اور ڈولیاں منگوائیں اور ان میں دو سو سواروں کو برقع پہنا کر سوار کر دیا گیا اور یہ خبر مشہور کر دی کہ نصیر خاں کی والدہ اور حرم کی دوسری معزز خواتین قلعہ اسیر کو جا رہی ہیں۔ جب یہ ڈولیاں قلعے کے پاس پہنچیں تو آسااہیر نے حکم دیا کہ وہ دروازہ کھول کر دربان ایک طرف ہو جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور یہ سب ڈولیاں قلعے کے احاطے میں پہنچ گئیں۔

آسااہیر کا قتل

ڈولیوں کے اندر جو مسلح نوجوان بیٹھے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں تو وہ تلواریں سونت کر ڈولیوں سے باہر نکل آئے اور آسااہیر کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت آسااہیر اور اس کے سب بیٹے جنہیں اصل صورت حال کا قطعاً علم نہ تھا' مبارک باد دینے کے لئے آ رہے تھے نصیر خاں کے سپاہیوں نے فوراً ان سب کو قتل کر دیا۔

قلعہ اسیر کی فتح

اہل قلعہ نے جب آسااہیر اور اس کے بیٹوں کو قتل ہوتے دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے نہایت عجز و انکساری سے امان طلب کی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ قلعے کے باہر چلے گئے اس طرح قلعہ اسیر فتح ہو گیا۔ اس فتح کی خبر نصیر خاں کو جب ملی تو وہ قلعہ تنگ میں تھا وہ فوراً قلعہ اسیر میں پہنچا اور اس قلعے کو از سرنو تعمیر کروانے کا حکم دیا۔

فاروقی عمال کی دیانت داری

واضح رہے کہ اس واقع سے ایک سو تیس سال بیشتر شیر شاہ سوری نے قلعہ رہتاس کو اسی طریقے سے فتح کیا تھا۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ فاروقی عمال نے آسااہیر کے سامان و مال کو قطعاً ہاتھ نہ لگایا اور بطور امانت کے اسے ویسے ہی رہنے دیا کہ جیسا تھا یہاں تک کہ ایک زمانے میں اکبر بادشاہ نے اس قلعے کو فتح کیا تو وہ تمام مال و اسباب کو اپنے تصرف میں لایا۔ اکبر نے تمام مشکوک اور غیر مشکوک چاندی سونا اور دارالضرب بھجوا کر حکم دیا کہ اس کو گلا کر اکبری سکہ تیار کیا جائے۔

شیخ زین الدین کی آمد

اس عظیم الشان فتح کی خوشخبری میں شیخ زین الدین دولت آباد سے خاندیش میں آئے تاکہ نصیر خاں کو مبارک باد دیں۔ نصیر خاں اپنے امیروں ارا کین سلطنت اور لشکر کے ہمراہ شیخ صاحب کا استقبال کرنے کے لئے قلعے سے باہر آیا اور اس نے شیخ صاحب سے دریائے تپتی کے کنارے اس جگہ جہاں آج کل قصبہ زین آباد واقع ہے ملاقات کی اور انہیں قلعہ اسیر میں چلنے کی دعوت دی۔ شیخ صاحب نے فرمایا "مجھے دریائے تپتی کو عبور کرنے کا حکم نہیں ہے ورنہ میں قلعہ اسیر میں ضرور چلتا۔"

فیض صحبت

نصیر خاں' شیخ صاحب سے اجازت لے کر واپس ہوا اور دریائے تپتی کے کنارے پر جہاں آج کل برہان پور آباد ہے' مع اپنے لشکر کے مقیم ہوا وہ روزانہ شیخ صاحب سے پانچ بار ملاقات کرتا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتا۔ دو ہفتے اسی طرح سے گزر گئے اور پھر شیخ صاحب نے دولت آباد واپس جانے کا ارادہ کیا۔ نصیر خاں نے ہر ممکن طریقے سے شیخ صاحب کی خدمت کی اور ان سے التماس کی کہ وہ خانقاہ کے مصارف کے لئے کوئی قصبہ یا پرگنہ قبول فرمائیں۔ شیخ صاحب نے اس کے جواب میں کہا۔ "فقیروں اور درویشوں کو قصبوں اور پرگنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ دنیاوی چیزیں اہل دنیا ہی کو زیب دیتی ہیں۔ ہم فقیر بھلا ان تکلفات میں پھنس کر کیا کریں گے۔"

شیخ زین الدین کی خواہش

نصیر خاں نے دوبارہ یہی درخواست کی۔ اس پر شیخ صاحب نے فرمایا۔ "میں اس مملکت میں صرف اپنے نام کی بقاء چاہتا ہوں اس دریا کے کنارے پر جہاں تمہارا قیام ہے تم ایک شہر آباد کرو اور اس کا نام شیخ برہان الدین کے نام پر رکھو یہاں تم ایک عظیم الشان مسجد بھی بناؤ اور اس شہر کو اپنا پایہ تخت قرار دو۔ دریا کے دوسرے کنارے پر کہ جہاں میں مقیم ہوں یہاں بھی ایک قصبہ آباد کرو اور اس کا نام زین آباد رکھو۔"

زین آباد اور برہان پور کی تعمیر

شیخ زین الدین کی زبان سے یہ الفاظ سن کر نصیر خاں بہت خوش ہوا اور اس نے اسی وقت اپنے ارا کین سلطنت کو حکم دیا کہ برہان پور اور زین آباد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے۔ شیخ صاحب دوسرے روز دولت آباد رخصت ہو گئے۔ یہ دونوں مقامات قلیل مدت میں تعمیر و آباد ہو گئے اور نصیر خاں نے برہان پور کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

ارادہ تسخیر قلعہ تھالیز

وہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ ایک گودڑی میں دو فقیر تو سما سکتے ہیں لیکن ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ اس کے مصداق نصیر خاں نے اپنے بھائی کے قبضے سے قلعہ تھالیز کو نکالنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ سارے ملک پر بلاشرکت غیرے حکمرانی کرے۔ اس مقصد سے نصیر خاں نے مالوہ کے فرماں روا سلطان ہوشنگ سے جو اس کا برادر نسبتی تھا مدد طلب کی کیونکہ اکیلے طور پر قلعہ تھالیز کو فتح کرنا ذرا مشکل کام تھا۔

قلعہ تھالیز کی فتح

۸۲۰ھ میں نصیر خاں نے قلعہ تھالیز کا محاصرہ کر لیا۔ ملک افتخار نے سلطان احمد شاہ گجراتی سے مدد کی درخواست کی۔ گجراتی فرمانروا نے یہ درخواست منظور کی اور لشکر فراہم کر کے سفر کی تیاری کرنے لگا۔ وہ روانہ ہونے ہی والا تھا کہ سلطان ہوشنگ کا لڑکا غزنین خاں پندرہ ہزار سواروں کو ساتھ لے کر نصیر خاں کی مدد کے لئے آگیا۔ اور سلطان احمد گجراتی کے پہنچنے سے پہلے ہی غزنین خاں اور نصیر خاں نے قلعہ تھالیز کو فتح کر لیا۔ ملک افتخار کو قید کر کے قلعہ اسیر میں روانہ کر دیا گیا۔

سلطان پور ندربار پر لشکر کشی

اس کے بعد غزنین خاں اور نصیر خاں نے سلطان پور اور ندرباد کو گجراتی عمال کے قبضے سے نکال کر مملکت مالوہ میں شامل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے سلطان پور پہنچے' ملک حبیب جاگیردار نے فوراً سلطان احمد گجراتی کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

سلطان احمد گجراتی کا اقدام

سلطان احمد گجراتی کو جب یہ خبر ملی تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اس نے ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا اور جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سلطان پور کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے اپنے سے پہلے ملک محمود ترک کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ روانہ کر دیا۔ غزنین اور نصیر خاں کو جب ملک محمود ترک کی آمد کی خبر ملی تو اول الذکر اسی رات کو مندو کی طرف بھاگ گیا اور ثانی الذکر قلعہ تھالیز میں پناہ گزین ہو گیا۔

نصیر خاں کی معافی

ملک محمود نے تھالیز پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور سلطان احمد گجراتی سلطان پور میں قیام پذیر ہوا۔ نصیر خاں اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا۔ جب اسے رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے گجراتی امیروں کو نقد رقم دے کر انہیں سلطان گجراتی کو شیشے میں اتارنے کے لئے کہا۔ گجراتی امیروں نے موقع و محل دیکھ کر اپنے بادشاہ سے نصیر خاں کی سفارش کی اور اس کی خطا معاف کرا دی۔

عزت افزائی

نصیر خاں کو اس وقت تک ملک نصیر کہا جاتا تھا "نصیر خاں" کا خطاب اسے سلطان احمد گجراتی نے دیا۔ اس کے علاوہ گجراتی فرماں روا نے نصیر خاں کو سرخ سراپردہ شاہی اور چتر شاہی بھی عطا کیا۔ نصیر خاں نے پانچ مست ہاتھی چالیس عربی و عراقی گھوڑے اور دوسری بہت سی گراں قدر اشیاء احمد گجراتی کی خدمت میں پیش کیں اور اسے اس کے پایہ تخت کو رخصت کیا۔

شہزادی زینب کا عقد

کچھ عرصے بعد دکنی فرماں روا احمد شاہ بہمنی نے اپنے چند نامی گرامی امیروں کو برہان پور روانہ کیا اور اپنے بیٹے کے لئے نصیر خاں کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ نصیر خاں نے اس امر کو اپنی تقویت اور عزت افزائی کا باعث سمجھ کر اس پیغام کو قبول کر لیا۔ اور ایک عظیم الشان جشن منعقد کرنے کے بعد اپنی بیٹی زینب کی پالکی محمد آباد بیدر روانہ کر دی۔

راجہ کانہا پر احمد گجراتی کا حملہ

۸۳۴ھ میں جالوارہ کے راجہ کانہا پر گجراتی فرماں روا نے لشکر کشی کی۔ راجہ کانہا فرار ہو کر اسیر آباد آیا اور اس نے نصیر خاں سے مدد کے لئے درخواست کی۔ نصیر خاں نے تنہائی میں راجہ سے کہا مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ بادشاہ گجرات کی دشمنی مول لوں۔ اگر تو دکنی فرماں روا احمد شاہ بہمنی کی بارگاہ میں یہ درخواست لے کر جائے تو مناسب ہے وہ ضرور تیری مدد کرے گا اور تیرے ملک کو گجراتیوں کے قبضے سے نکال کر تیرے حوالے کر دے گا۔ اگر تو کہے تو اس بارے میں ایک سفارشی خط میں بھی بہمنی فرماں روا کے نام لکھ دوں۔" یہ جواب پا کر راجہ کانہا بظاہر نصیر خاں سے ناراض ہوا لیکن کیا ہو سکتا تھا نصیر خاں نے حقیقت حال بیان کی تھی مکر و فریب سے کام نہ لیا تھا۔ خیر راجہ کانہا سلطان احمد شاہ بہمنی کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ احمد شاہ نے راجہ کی بہت دل جوئی کی اور اپنے چند امیروں کو مع لشکر کے راجہ کے ساتھ جالوارہ کی طرف روانہ کر دیا۔

دکنیوں اور گجراتیوں کی لڑائی

راجہ کانہا بہمنی امراء کو لے کر ندربار کے نواح میں پہنچا اور وہاں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ اسی دوران میں گجراتی لشکر بھی آ گیا اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ بہمنی لشکر مغلوب ہوا اور اکثر دکنی سپاہی میدان جنگ سے فرار ہوتے ہوئے مارے گئے۔ اس معرکہ آرائی میں گجراتیوں کا پلہ بھاری رہا اور انہوں نے خوب دل کھول کر دکنیوں کو قتل کیا۔

دوسری شکست

سلطان احمد شاہ بہمنی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے لشکر کے اس نقصان کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور اس غرض سے شہزادہ علاؤ الدین کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ شہزادہ دولت آباد میں آیا اور وہاں راجہ کانہا اور نصیر خاں فاروقی بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس بار بھی گجراتیوں نے بہمنیوں کو شکست دی اور راجہ کانہا میدان جنگ سے بھاگ کر کوہستان کلید میں پناہ گزیں ہو گیا۔ گجراتیوں نے خاندیش کو خوب بری طرح تباہ کیا اور اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نصیر خاں اپنے برہان پور واپس آ گیا اور امور سلطنت میں مشغول ہوا۔

نصیر خاں کی بیٹی کی بے کسی

۸۴۰ ہجری میں نصیر خاں فاروقی کی بیٹی زینب نے اپنے شوہر سلطان علاؤ الدین بہمنی کی بدسلوکی کی اپنے باپ سے شکایت کی اور یہ بتایا کہ وہ بے کسی کے عالم میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔ اس معاملے میں نصیر خاں نے جب علاؤ الدین سے پوچھ گچھ کی تو دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔

نصیر خاں کا ارادۂ تسخیر برار

نصیر خاں فاروقی نے سلطان احمد شاہ گجراتی کے مشورہ سے برار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ برار کے امراء اپنے بہمنی آقا سے کبیدۂ خاطر تھے انہیں جب نصیر خاں کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اسے پیغام بھجوایا۔ "آپ حضرت عمر فاروق کی اولاد میں سے ہیں آپ کی خدمت کرنا ہمارے لئے باعث فخر ہو گا۔ خدا وہ دن لائے کہ ہم آپ کی خدمت گزاری میں مرتبہ شہادت حاصل کریں۔"

برار میں نصیر خاں کے نام کا خطبہ

خان جہاں، دکن اور برار کا سپہ سالار تھا اور بہمنی سلطنت کا رکن اعظم تھا۔ جب اسے براری امراء کی حکومت کا علم ہوا تو وہ قلعہ پرنالہ میں پناہ گزین ہو گیا اور اس نے سلطان علاؤ الدین کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ براری امیروں نے ملک میں نصیر خاں کے نام کا خطبہ

جاری کر دیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

نصیر خاں کا برار سے اخراج

علاؤ الدین نے فوراً ملک التجار حاکم دولت آباد کو سپہ سالار مقرر کیا اور اسے مغل امیروں اور بہمنی سپاہیوں کے ایک لشکر جرار کے ساتھ برار روانہ کیا۔ نصیر خاں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ملک التجار کا مقابلہ کرتا' لہٰذا وہ براری امراء کے ساتھ برار سے باہر نکل گیا۔ ملک التجار' نصیر خاں کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ نصیر خاں نے چونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی سے مدد طلب کی تھی اس لیے اس نے قلعہ تلنگ کا رخ کیا۔

ملک التجار کی آمد

ملک التجار برہان پور میں آیا اور اس نے تمام اچھی اچھی عمارتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان پور اور ندر باد کا لشکر اور مالوہ کی فوج خاندیش میں آنے ہی والی ہے تو وہ فوراً قلعہ تلنگ کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ فوجی امداد ملنے سے پہلے ہی دشمن سے معرکہ آرائی کرے۔

ملک التجار اور نصیر خاں میں جنگ

تین ہزار سواروں کے ساتھ ملک التجار نے طویل راستہ بہت کم وقت میں طے کر لیا اور بہت ہی تھکا ہوا قلعہ تلنگ کے نواح میں پہنچا۔ نصیر خاں فاروقی نے کمک کا انتظار نہ کیا اور ایک زبردست لشکر کے ہمراہ میدان جنگ میں آ گیا۔ اس معرکہ آرائی میں نصیر خاں کو شکست ہوئی اور اس کا تمام سامان مع بیس ہاتھیوں کے دشمن کے قبضے میں آ گیا۔ بڑی مشکلوں سے نصیر خاں نے جان بچائی اور قلعہ تلنگ میں پناہ گزیں ہوا۔

وفات

نصیر خاں کو اس شکست کا اتنا غم ہوا کہ وہ آخر کار بیمار پڑ گیا یہ بیماری چند ہی دنوں میں مرض الموت بن گئی اور اسی سال ۱۳/ ربیع الاول کو نصیر خاں کا انتقال ہو گیا۔ نصیر خاں کے بیٹے عادل خاں نے باپ کی لاش تھالیز روانہ کی۔ اور نصیر خاں کو ملک راجہ فاروقی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

نصیر خاں کی مدت حکومت چالیس سال چھ مہینے اور چھبیس روز ہے۔

میراں عادل خاں بن نصیر خاں فاروقی

میراں عادل فاروقی سلطان ہوشنگ کی بہن کے بطن سے تھا۔ عادل اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور ملک التجار کی مدافعت میں مشغول ہوا۔ میراں عادل نے چند آدمی بھیج کر سلطان پور سے امدادی لشکر منگوایا۔ ملک التجار کو جب اس کا علم ہوا تو وہ واپس دکن چلا گیا۔ اس کے بعد عادل خاں سلطنت کے کاموں میں مشغول و منہمک ہو گیا۔ اس نے تین سال چھ ماہ تینتیس دن حکومت کی۔ اس کا انتقال ۹/ ذی الحجہ ۸۴۴ ہجری جمعہ کو ہوا۔

میراں عادل خاں فاروقی کے تفصیلی حالات راقم الحروف مورخ فرشتہ کو دستیاب نہ ہو سکے لہٰذا مختصر سے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عادل خاں نے اپنے بیٹے مبارک خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ وفات کے بعد عادل خاں کی لاش تھالیز روانہ کر دی گئی اور اسے اس کے باپ دادا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

مبارک خاں فاروقی بن عادل خاں فاروقی

عادل خاں فاروقی کی وفات کے بعد مبارک خاں خاندیش کا حکمران ہوا۔ اس نے سترہ سال چھ ماہ اور نو دن تک حکومت کی۔ اس کا انتقال ۱۱/ رجب ۸۶۱ ہجری کو جمعہ کے روز ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا میراں علینا عرف عادل خاں فاروقی تخت نشین ہوا۔ میراں علینا نے باپ کی لاش کو تھالیز روانہ کیا اور اس بادشاہ کو بھی اس کے اسلاف کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

میراں علینا عرف عادل خاں فاروقی بن مبارک خاں فاروقی

استقلال اور شان و شکوہ

میراں علینا المخاطب بہ عادل خاں فاروقی نے جس استقلال اور شان و شکوہ کے ساتھ حکومت کی' وہ استقلال اور شان و شکوہ اس کے اسلاف میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ عادل خاں نے آس پاس کے تمام راجاؤں سے خراج وصول کیا اور گونڈ واڑہ اور گدھ کے مقاموں کو اپنا اطاعت گزار بنایا۔ اس بادشاہ کی احتیاط اور حسن تدبیر سے کولی اور بھیل جیسی بدنام اور جرائم پیشہ قومیں چوری اور ڈاکہ زنی جیسے غیر شریفانہ افعال سے تائب ہو گئیں۔

مالی گڑھ

میراں علینا عرف عادل خاں فاروقی نے اس حصار (جسے آسا اہیر نے بنوایا تھا) کے دروازے کے مقابل ایک دوسرا قلعہ تعمیر کروایا اور دروازہ دوم بھی بنوایا اور یہاں "مالی گڑھ" آباد کیا۔ یہ دوسرا دروازہ اس انداز سے بنوایا گیا کہ اس کی وجہ سے حصار کو کسی حملہ آور کے لیے تسخیر کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تھا۔

سلطان جھاڑ کھنڈی

میراں علینا نے برہان پور میں دریائے تپتی کے کنارے پر ایک قلعہ اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کروائیں وہ خود زیادہ تر اسی قلعے میں رہتا تھا۔ عادل خاں نے اپنا لقب سلطان جھاڑ کھنڈی یعنی شاہ کوہستان اختیار کیا۔ اہل ہند کی اصطلاح میں جھاڑ کھنڈی ایسے گھنے جنگل کو کہتے ہیں کہ جس سے انسان بمشکل گزر سکے۔

غرور و تکبر

میراں علینا کی شوکت و حشمت اور شان و شکوہ اس کے اسلاف کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا اس وجہ سے وہ قدرے مغرور اور متکبر ہو گیا اور اپنے بزرگوں کی روش کے خلاف عمل کرنے لگا۔ اسی غرور و تکبر کی وجہ سے اس نے گجراتی فرماں روا کی طرف اپنے حاجبوں کو پیش کش لانے کے لیے روانہ کیا۔

گجراتیوں کی لشکر کشی

سلطان محمود بیگڑا کو میراں علینا کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری اور اس نے ۸۹۴ ہجری میں ایک زبردست لشکر خاندیش روانہ کیا۔ خاندیش کے امیروں نے پہلے تو گجراتی لشکر کا مقابلہ کیا' لیکن بعد ازاں دشمن کو اپنے سے زیادہ قوی پا کر قلعہ تھالیز و اسیر میں پناہ گزین ہو گئے۔ گجراتیوں نے خاندیش میں بہت تباہی و بربادی مچائی اور ایسی لوٹ مار کی کہ الامان و الحفیظ!!

داغ ندامت

میراں علینا عرف عادل خاں فاروقی ان دنوں قلعہ اسیر میں مقیم تھا اس نے جب گجراتیوں کے غلبے کو دیکھا تو وہ اپنی حرکات پر سخت نادم ہوا۔ اسے یہ توقع نہ تھی کہ گجراتی اس انداز سے تباہی و بربادی کا بازار گرم کریں گے۔ آخر کار اس نے مجبور ہو کر اپنے امیروں اور ارکین سلطنت کی ایک جماعت کو سلطان بیگڑا کی خدمت میں روانہ کیا اور اپنی وفاداری اور اطاعت گزاری کا یقین دلایا۔ محمود بیگڑا نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا اور چند سال کا خراج پیشگی لے کر خاندیش کو گجراتیوں سے خالی کر دیا۔

میراں ملینا کی وفات

میراں ملینا چھیالیس سال آٹھ ماہ اور بارہ روز تک انتہائی عیش و عشرت سے حکومت کرتا رہا۔ ۴/ ربیع الاول ۸۹۸ھ کو جمعہ کے روز اس کا انتقال ہوا۔ اسے اس کی وصیت کے مطابق برہان پور میں "محل دولت منداں" میں دفن کیا گیا۔

میراں ملینا کے کوئی بیٹا نہ تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی داؤد خاں خاندیش کے تخت پر بیٹھا۔

داؤد خاں بن مبارک خاں فاروقی

میراں علینا کی وفات کے بعد اس کا بھائی داؤد خاں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں دیار علی اور حسان علی نامی دو بھائیوں نے بہت اقتدار حاصل کیا۔ حسام علی کو "ملک حسام" کا خطاب ملا اور حکومت کے تمام کام اسی کی نگرانی میں انجام پانے لگے اور اس طرح وہ بادشاہ کا معتمد علیہ بن گیا۔

احمد نظام شاہ بحری کا حملہ

داؤد خاں نے ۸۶۶ ہجری میں بعض سرحدی پرگنوں کو احمد نظام شاہ بحری کے قبضے سے نکال لینے کا ارادہ کیا۔ احمد نظام شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ایک زبردست لشکر لے کر خاندیش کی طرف روانہ ہوگیا۔ داؤد خاں قلعہ اسیر میں پناہ گزیں ہوگیا اور احمد نظام شاہ نے خاندیش پہنچ کر لوٹ مار اور تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا۔ اس سلسلے میں دکنی فرماں روا نے ہر ممکن طریقے سے خاندیش کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی۔ داؤد خاں نے جب طاقت ور دشمن کے یہ خطرناک عزائم دیکھے تو اس نے سلطان ناصرالدین خلجی سے امداد طلب کی۔

مندوی لشکر کی آمد

سلطان ناصرالدین خلجی نے ہمسائگی کا حق ادا کیا اور اپنے ایک امیر اقبال خاں کو ایک زبردست لشکر کے ہمراہ داؤد خاں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اقبال خاں اسیر کے نواح میں آیا' احمد نظام شاہ بحری کو مندوی لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ واپس احمد نگر چلا گیا۔

ناصرالدین خلجی کے نام کا خطبہ

اقبال خاں نے کچھ دنوں برہان پور میں قیام کیا اور داؤد خاں سے کہا کہ "سلطان ناصرالدین کے نام کا خطبہ جاری کیا جائے۔" داؤد خاں مجبور تھا۔ اگر وہ اقبال خاں کی یہ فرمائش پوری نہ کرتا تو یقیناً اسے ایک نئی مصیبت سے دو چار ہونا پڑتا لہٰذا اس نے اپنے ملک میں سلطان ناصرالدین خلجی کے نام کا خطبہ جاری کرکے اس آنے والی مصیبت سے نجات پائی۔ اور اقبال خاں کو بہت سے گراں قدر تحفے تحائف اور دو ہاتھی دے کر شادی آباد مندو کے لیے رخصت کیا۔

وفات

داؤد خاں نے یکم جمادی الاول ۹۱۴ ہجری کو سہ شنبہ کے دن انتقال پایا۔ اس کی مدت حکومت آٹھ (۸) سال ایک ماہ اور دو روز ہے۔

غزنین کی تخت نشینی اور ہلاکت

ملک حسام اور دوسرے امراء و اراکین سلطنت نے اتفاق سے داؤد خاں کے لڑکے غزنین خاں کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس بادشاہ نے صرف دس روز تک حکومت کی۔ اس کے بعد ملک حسام نے غزنین خاں کو کسی نامعلوم امر کی بناء پر زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

عالم خاں کی تخت نشینی

داؤد خاں کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ غزنین خاں جب وہ ہلاک ہوگیا تو ملک حسام کی نگہ انتخاب شہزادہ عالم خاں پر پڑی جو سلاطین فاروقیہ کے خاندان سے تھا' عالم خاں احمد نگر میں مقیم تھا۔ اس لیے ملک حسام نے اپنے چند قاصدوں کو احمد شاہ بحری کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ عالم خاں کو بلا کر لائیں۔ عالم خاں برہان پور آیا اور ملک حسام نے احمد شاہ بحری اور فتح اللہ عماد شاہ کے مشورے سے اس کو

برہان پور کا فرمان روا تسلیم کر لیا- ملک کے بیشتر امیروں اور اراکین سلطنت نے بھی عالم خاں کی اطاعت گزاری کو اپنا شعار بنایا-

ملک لادن کی بغاوت

خاندیش کا نامی گرامی امیر ملک لادن عالم خاں کو پسند نہ کرتا تھا اس لیے اس نے علم بغاوت بلند کیا اور قلعہ اسیر پر قبضہ کر کے ملک حسام (بادشاہ گر) کی مخالفت کرنے لگا- ملک لادن قلعے میں محصور ہو گیا-

عادل بن نصیر کا خط شاہ گجرات کے نام

نصیر خاں فاروقی کا بیٹا عادل خاں جو سلطان محمود بیکرا کا نواسہ تھا- ان دنوں تھالیز کی سرحد پر مقیم تھا- اس نے اپنی والدہ کے مشورے سے سلطان محمود بیکرا کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھ کر گجرات روانہ کیا "جب سے داؤد خاں کا انتقال ہوا ہے ملک کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے' ہر طرف ایک عجیب قسم کی پراگندی اور انتشار کا عالم ہے- اس صورت حال کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لوں اگر آپ اس سلسلے میں میرے آبائی حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے میری مدد کریں تو میں تا عمر ممنون رہوں گا-"

سلطان محمود بیکرا کی روانگی

سلطان محمود بیکرا نے عادل خاں کی درخواست منظور کی اور ایک لشکر جرار لے کر خاندیش کی طرف روانہ ہوا- ملک حسام کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے فوراً احمد نظام بحری اور فتح اللہ عماد شاہ کے پاس اپنے قاصد روانہ کیے اور ان سے بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ مدد کی درخواست کی- ان دونوں فرماں رواؤں نے ملک حسام کی درخواست منظور کی اور اپنے اپنے لشکروں کو لے کر برہان پور آ گئے-

محمود بیکرا تھالیز میں

سلطان محمود بیکرا نے راستے ہی میں خانزادہ عالم خاں کی تخت نشینی اور ملک لادن کی بغاوت کی خبریں سنیں- اس نے رمضان کا مہینہ دریائے نربدا کے کنارے گزارا اور ماہ شوال میں آگے بڑھا- محمود بیکرا جب تھالیز پہنچا تو قلعے کے تھانے دار عالم شاہ نے قلعہ سلطان پور کے تھانے دار عزیز الملک کے توسط سے بادشاہ کی ملازمت حاصل کی اور قلعہ خالی کر کے شاہی ملازموں کے سپرد کر دیا-

نظام شاہ اور عماد الملک کی کاویل کو روانگی

احمد شاہ اور فتح اللہ عماد الملک نے خاندیش کے لشکر کے اس انتشار کو تشویش کی نظر سے دیکھا- دوسرے انہیں گجراتی لشکر کی کثرت و قوت کا بھی اندازہ تھا لہٰذا یہ دونوں فرماں روا عالم خاں اور ملک حسام کی مدد کے لیے چار ہزار سواروں کو چھوڑ کر کاویل کی طرف روانہ ہو گئے-

دکنی لشکر کا فرار

عالم خاں تقریباً نصف مملکت خاندیش پر قابض تھا- سلطان محمود بیکرا نے آصف خاں اور عزیز الملک کو ملک حسام اور عالم خاں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا- دکنی لشکر جو عالم خاں کی مدد کے لیے مقیم تھا اسے جب گجراتی لشکر کی آمد کا علم ہوا تو وہ کسی کو بتائے بغیر ہی خاندیش کی طرف روانہ ہو گیا-

ملک لادن اور حسام سلطان بیکرا کی خدمت میں

سب سے پہلے ملک لادن نے جو بقیہ نصف خاندیش پر قابض تھا آصف خاں کا استقبال کیا اور اس کو اپنی حمایت کا یقین دلایا- آصف

خاں اسے ساتھ لے کر سلطان محمود بیکرا کی خدمت میں آیا۔ ملک حسام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عالم خاں کو دکن روانہ کر دیا اور خود سلطان محمود بیکرا کی بارگاہ میں آ گیا۔ سلطان محمود نے ملک حسام اور ملک لادن کو اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ان دونوں امیروں کو خلعت دیئے۔

عادل خاں کی تخت نشینی

عید الاضحیٰ کے بعد سلطان محمود بیکرا نے عادل خاں کو "اعظم ہمایوں" کا خطاب دیا۔ سلطان مظفر گجراتی کی بیٹی سے اس کی شادی کی اور اسے برہان پور کے تخت پر بٹھا دیا۔ سلطان محمود نے ملک لادن کو "خان جہاں" کے خطاب سے نوازا اور موضع نباس (جو اس کا مولد تھا) جاگیر میں دیا۔ عماد الملک اسیری کے بیٹے ملک ماکھا "غازی خان" ملک عالم تھانیدار تھالیز کو "قطب خاں" اور ملک یوسف کو "سیف خاں" کے خطابات دے کر عادل خاں المخاطب بہ اعظم ہمایوں کے ساتھ کیا۔

محمود بیکرا کی واپسی

سلطان محمود بیکرا نے عادل خاں کو چار ہاتھی اور تیس لاکھ تنکے نقد بھی عطا کیے اور نصرۃ الملک اور مجاہد الملک کو اس کی مدد کے لیے چھوڑ کر خود سلطان پور اور ندر بار کی طرف روانہ ہوا۔ پہلی منزل میں بادشاہ نے ملک حسام کو "شہریار" کا خطاب دے کر واپسی کی اجازت دی۔

عادل خاں فاروقی المخاطب بہ اعظم ہمایوں بن نصیر خاں فاروقی

یہ بیان کیا جا چکا ہے عادل خاں فاروقی نے اپنے نانا سلطان محمود بیکرا کی مدد سے خاندیش کی حکومت حاصل کی۔ محمود بیکرا کی واپسی کے بعد عادل خاں تھالیز سے برہان پور آیا اور سلطنت کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ملک حسام الدین شہریار جو ملک لادن کا دشمن تھا وہ برہان پور سے تھالیز چلا گیا۔

ملک حسام کا ارادہ

کچھ دنوں بعد یہ معلوم ہوا کہ ملک حسام دوبارہ نظام شاہ سے مل گیا ہے اور وہ عالم خاں کو برہان پور کا حکمران بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ عادل خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ایک شخص کو ملک حسام کی طلبی کے لیے روانہ کیا۔ ملک حسام نے چار ہزار سواروں کا لشکر ہمراہ لیا اور برہان پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

ملک حسام برہان پور میں

ملک حسام جب برہان پور کے قریب پہنچا تو عادل خاں نے تین ہزار گجراتی سواروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر شاہی محل سرا میں آ گیا اور خلعت دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد عادل خاں نے ملک حسام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے خاص آدمیوں کو اس سے آگاہ کر دیا۔ ورثابیہ گجراتی جو تیغ زنی میں اپنی مثال آپ تھا اسے ملک حسام کو ٹھکانے لگانے پر متعین کیا۔

ملک حسام کا قتل

عادل خاں نے دوسرے روز پھر ملک حسام کو شاہی محل سرا میں طلب کیا۔ ملک اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے اپنے سارے لشکر کے ساتھ آیا۔ عادل خاں نے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت خانہ کی طرف لے گیا۔ وہاں دونوں نے کچھ اور باتیں کیں اس کے بعد عادل خاں نے ملک حسام کو رخصت کر دیا۔ ورثابیہ گجراتی جو پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گھات میں بیٹھا ہوا تھا' اس نے بڑی پھرتی سے ملک حسام پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا جسم دو ٹکڑے ہو گیا۔

باغیوں کا قلع قمع

عادل خاں کے وزیر اعظم ملک برہان عطاء اللہ گجراتی نے گجراتیوں کے ایک لشکر کو حکم دیا کہ ملک حسام کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔ گجراتیوں نے اشارہ پاتے ہی ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ ملک ماکھا اور دوسرے امراء جو ملک حسام کے طرف دار تھے فوراً بھاگ گئے۔ گجراتیوں نے ان کا تعاقب کیا ملک ماکھا دیگر امراء اور بے شمار سپاہی مارے گئے اور اس طرح ملک کا نصف جو باغیوں کے ہاتھ میں تھا عادل خاں کے قبضے میں آ گیا اور ملک مخالفوں کے وجود سے پاک ہو گیا۔

عادل خاں کا خط محمود بیکرا کے نام

ان واقعات کے بعد ایک روز عادل خاں المخاطب بہ اعظم ہمایوں قلعہ اسیر میں گیا وہاں اسے اپنے مخالفوں کے ارادہ و عمل سے واقفیت ہوئی واپسی پر اس نے سلطان محمود بیکرا کے نام خط لکھا۔ "میں ایک بار قلعے کے معائنے کے لیے گیا تھا وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ سیف خاں اور شیر خاں میرے سخت مخالف ہیں۔ ان دونوں امیروں نے احمد نظام شاہ بحری کے نام ایک خط لکھا ہے اور اسے خان زادہ عالم خاں کو ساتھ لے کر یہاں آنے کے لیے کہا۔ احمد نظام شاہ آج کل سرحدی علاقے میں ٹھہرا ہوا ہے میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ خان جہاں مجاہد

الملک اور دوسرے امیروں کو ساتھ لے کر قلعہ اسیر کا محاصرہ کر لوں۔ اگر دوران محاصرہ میں احمد نظام شاہ بحری نے اس طرف کا رخ کیا تو میں محاصرہ ترک کر کے اس کا مقابلہ کروں گا۔"

محمود بیکرا کا جواب

سلطان محمود بیکرا کو عادل خاں کا یہ خط ملا اس نے فوراً بارہ لاکھ تنگے عادل خاں کو بھجوائے اور اس کے جواب میں یہ لکھا۔ "تمہیں بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے جس وقت بھی ضرورت پڑے گی میں خود تمہارے پاس چلا آؤں گا اور احمد نظام شاہ بحری کو سمجھ لوں گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ احمد نظام چونکہ سلاطین دکن کا غلام زادہ ہے اس لیے اس کو اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ تمہیں اور تمہاری رعیت کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے یا تمہاری مملکت میں داخل ہو کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کرے۔

راجہ جالنہ پر حملہ

عادل خاں کے پاس جب گجراتی لشکر پہنچ گیا تو اس نے راجہ جالنہ پر (جو احمد نظام شاہ بحری کا اطاعت گزار تھا) حملہ کر دیا اور راجہ کے کئی موضعوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ راجہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا اور اس نے اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر کے معذرت پیش کی۔ اس کے بعد عادل خاں فاروقی نے گجراتی لشکر کو واپس کر دیا اور خود اسیر آ گیا۔

شادی آباد مندو کا سفر

۹۲۳ ہجری میں عادل خاں سلطان مظفر گجراتی کے ساتھ شادی آباد مندو میں گیا اور وہاں کئی کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے چونکہ تمام واقعات کو تفصیل کے ساتھ گجراتی بادشاہوں کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔

انتقال

اسی سال عادل خاں بیمار پڑا اور ۱۰/ رمضان بروز جمعہ اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اس کی مدت حکومت انیس سال ہے۔ عادل خاں کے بعد اس کا بیٹا میراں محمد شاہ فاروقی جو سلطان مظفر گجراتی کی بہن کے بطن سے تھا تخت نشین ہوا۔

میراں محمد شاہ فاروقی بن عادل خاں فاروقی

مرتبہ شاہی

عادل خاں فاروقی کی وفات کے بعد میراں محمد شاہ برہان پور کا والی ہوا۔ چونکہ اس نے آخر میں گجرات پر بھی حکومت کی تھی اس لیے "شاہ" کا لفظ اس کے نام کا جزو ہو گیا۔ میراں محمد شاہ فاروقی خاندان کا پہلا فرد ہے کہ جو شاہی کے مرتبے تک پہنچا۔

نظام شاہ اور عماد الملک میں جھگڑا

انہیں دنوں نظام شاہ اور عماد الملک میں قلعہ ماہور اور چند دوسرے پرگنوں کی بابت جھگڑا پیدا ہو گیا۔ عماد الملک نے میراں محمد شاہ فاروقی کے توسط سے سلطان مظفر گجراتی سے مدد طلب کی۔ سلطان بہادر گجراتی نے عین الملک (حاکم پٹن) کو دکنی سرحد کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ صورت حال کا صحیح اندازہ کرے اور نظام شاہ اور عماد الملک میں صلح کروا دے۔ نظام شاہ نے سلطان بہادر گجراتی کا خیال کر کے عماد الملک سے صلح کر لی اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

نظام شاہ سے جنگ

دوسرے سال پھر برہان نظام شاہ نے ملک گیری کا خیال کیا اور برار کے چند پرگنوں اور قلعہ ماہور پر قابض ہو گیا۔ عماد الملک نے پریشان ہو کر میراں محمد شاہ فاروقی سے مدد کی درخواست کی۔ ۹۳۴ ہجری میں میراں محمد شاہ اپنے ہاتھیوں اور لشکر کو لے کر عماد الملک کی مدد کے لیے دکن میں آیا اور اس کے ساتھ مل کر دریائے گنگا کے کنارے برہان نظام شاہ سے معرکہ آراء ہوا۔ میراں محمد شاہ فاروقی نے نظام شاہی لشکر کو شکست دی اور بڑی بے فکری سے میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ خاندیش اور براری فوجیں کچھ تو نظام شاہی لشکر کے تعاقب میں مصروف ہو گئیں اور کچھ لوٹ مار میں۔

میراں محمد شاہ کی فتح ------- اور شکست

برہان نظام شاہ شکست کے بعد ایک گاؤں میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہاں سے تین ہزار سواروں کے ہمراہ میدان جنگ میں واپس آیا۔ نظام شاہ نے ایسی چابک دستی سے حریف پر حملہ کیا کہ میراں محمد شاہ اور عماد الملک کو اپنی فوجیں مرتب و منظم کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور یہ دونوں میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ نظام شاہ نے تقریباً چار کوس تک ان دونوں فرماں رواؤں کا تعاقب کیا اور ان کے توپ خانے پر قبضہ کر لیا بہت سے براری اور خاندیشی سپاہی مارے گئے' عماد الملک اور میراں محمد شاہ بہت بری حالت میں اپنے پایہ تخت کو واپس ہو گئے۔ الغرض برہان نظام شاہ نے اپنی مستعدی اور موقع شناسی سے اپنی شکست کو شاندار فتح میں تبدیل کر لیا۔

بہادر گجراتی کی آمد

اس واقعہ کے بعد میراں محمد شاہ اور عماد الملک نے سلطان بہادر گجراتی سے مدد کی درخواست کی۔ گجراتی فرماں روا ایک زبردست لشکر لے کر برہان پور میں آیا اور میراں محمد شاہ فاروقی کو ساتھ لے کر برار میں داخل ہو گیا۔ جالنہ پہنچ کر بہادر گجراتی کی نیت میں فتور آگیا اور اس نے ارادہ کیا کہ ملک برار عماد الملک کے قبضے سے نکل کر اپنے ملازموں کے سپرد کر دے اور اس کے بعد احمد نگر پہنچ کر برہان نظام شاہ کے مقبوضات اپنے قبضے میں کر کے ان علاقوں میں اپنا خطبہ اور سکہ جاری کرے۔

عماد الملک کی پریشانی

عماد الملک جب سلطان بہادر گجراتی کے ارادوں سے آگاہ ہوا تو اسے بڑی پریشانی ہوئی اور اس نے میراں محمد شاہ فاروقی سے سلطان بہادر کی شکایت کی۔ میراں محمد شاہ فاروقی نے اس کے جواب میں کہا "بدقسمتی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ غلطی ہماری ہی ہے جو ہم نے سلطان بہادر کو یہاں بلایا ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مگر اب سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہے اور حالات کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔"

میراں محمد شاہ کی تدبیر

انہیں دنوں ایک روز موقع پا کر میراں محمد شاہ فاروقی نے سلطان بہادر گجراتی سے کہا۔ برار کا ملک تو آپ کے قبضے میں آ ہی چکا ہے اس لیے اب یہاں زیادہ دیر قیام کرنا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے میری رائے یہ ہے کہ آپ اس ملک میں اپنے نام کا خطبہ جاری کریں اور عماد الملک کو اپنے ملازمین میں شامل کر لیں اور پھر احمد نگر پہنچ کر نظام شاہی مملکت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

برار میں بہادر گجراتی کے نام کا خطبہ

سلطان بہادر گجراتی کو میراں محمد شاہ کی رائے بہت پسند آئی اس نے برار میں اپنے نام کا خطبہ جاری کر کے عماد الملک کو اپنے امراء میں داخل کر لیا اس کے بعد وہ احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ احمد نگر پہنچ کر سلطان بہادر نے دولت آباد کا رخ کیا (اس سلسلے کی تمام تفصیلات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ اس لیے راقم الحروف انہیں اس جگہ دہرانا پسند نہیں کرتا) الغرض میراں محمد شاہ فاروقی کے حسن تدبیر سے سلطان بہادر گجراتی نظام شاہ اور عماد الملک کے ملکوں پر قبضہ کرنے سے باز رہا اور اپنے پایہ تخت کی طرف روانہ ہو گیا۔

فتح مندو

سلطان بہادر گجراتی نے ۹۳۷ ہجری میں مالوہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے میراں محمد شاہ فاروقی کو اپنے پاس بلایا دونوں فرماں رواؤں نے مل کر مندو کو فتح کیا۔ فتح کے بعد میراں محمد شاہ فاروقی اسی سال برہان پور واپس آ گیا۔

برہان نظام کی پریشانی

برہان نظام شاہ کو جب مالوہ کی فتح کی خبر معلوم ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے شاہ طاہر کو اپنا قاصد بنا کر برہان پور روانہ کیا تاکہ فریقین میں باہمی خلوص و محبت پیدا ہو۔ ۹۳۸ھ میں سلطان بہادر گجراتی برہان پور آیا جیسا کہ اس سے پہلے گجرات اور دکن کے فرماں رواؤں کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ میراں محمد شاہ فاروقی کی خوش اسلوبی سے برہان نظام شاہ اور سلطان بہادر گجراتی میں دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔

برہان نظام شاہ اور بہادر گجراتی میں صلح

برہان نظام شاہ میراں محمد شاہ فاروقی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے برہان پور میں آیا اور سلطان گجراتی سے ملاقات کی۔ سلطان بہادر گجراتی دکنی فرماں روا سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور اسے نظام شاہی خطاب' چتر اور سرا پردہ سرخ عنایت کیا اور یہ کہا "میں نے دشمنوں کو خاک میں ملا دیا اور دوست کو صاحب تخت و تاج بنایا۔" اس کے بعد بہادر گجراتی نے برہان نظام شاہ کو رخصت کی اجازت دی۔

دوڑ دھوپ

سلطان بہادر دوسری بار مالوہ میں آیا میراں محمد شاہ فاروقی بھی اس کے ساتھ تھا کچھ دنوں بعد محمد شاہ فاروقی برہان پور واپس آیا' اسی دوران میں سلطان بہادر گجراتی نے قلعہ چیتور پر حملہ کر دیا۔ میراں محمد شاہ فاروقی بھی اپنا لشکر درست کر کے موقع واردات پر پہنچ گیا۔ مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کے مقابلے پر سلطان بہادر گجراتی فرار ہوا اور مع محمد شاہ فاروقی کے مندو آیا۔ بہادر گجراتی خود تو مندو سے جنپانیر کی

طرف روانہ ہو گیا اور محمد شاہ فاروقی کو برہان پور جانے کی اجازت دے دی۔

نصیر الدین ہمایوں گجرات میں

انہیں دنوں نصیر الدین ہمایوں نے گجرات کو فتح کر لیا اور اپنے ایک معتمد امیر آصف خاں کو احمد نگر روانہ کر کے برہان نظام سے پیشکش طلب کی۔ اس کے بعد ہمایوں خاندیش کو فتح کرنے کے لیے خاندیش آیا۔ میراں محمد شاہ فاروقی نے پریشان ہو کر برہان نظام شاہ کو متعدد خطوط لکھے اور اسے سابقہ تعلقات کا واسطہ دے کر موجودہ مصیبت سے چھٹکارا دلانے کی درخواست کی۔

برہان نظام کا خط ہمایوں کے نام

برہان نظام شاہ نے نصیر الدین ہمایوں کے نام ایک عریضہ روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ انتہائی ادب سے میں حضور کی خدمت میں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی ذات بابرکات ہم لوگوں کے لیے خداوند کریم کی ایک بہترین نعمت ہے۔ ہم پر آپ کے جو احسانات ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ میں یہ سطور اس مقصد سے لکھ رہا ہوں کہ آپ سے برہان پور اور اسیر کے فرماں روا کی سفارش کروں۔ میراں محمد شاہ کو آپ کی ذات سے بے پناہ لگاؤ اور محبت ہے ان دنوں آپ نے خاندیش کو فتح کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ میراں محمد شاہ چونکہ آپ کا ہی خواہ ہے اس لیے آپ اس سے ایسا سلوک نہ کریں اور از راہ لطف و کرم اس کی مملکت سے اپنا تصرف اٹھائیں اور اس کے عوض اس کو اپنے الطاف کا سزاوار رکھیں۔

ہمایوں کی مندو کو روانگی

اس کے بعد برہان نظام شاہ' ابراہیم عادل شاہ' سلطان قلی قطب شاہ اور علاؤ الدین' عماد الملک نے میراں محمد شاہ کی مدد کے لیے لشکر کشی کی۔ اتفاق سے انہیں دنوں میرزا امان کی مخالفت اور شیر شاہ کی ہنگامہ آرائیوں نے زور پکڑا اور ہمایوں خاندیش پر حملہ کر کے اس ملک کو برباد و تاراج کرنے کے بعد شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہو گیا۔

مغل امراء کا مالوہ سے اخراج

مالوہ میں بہت سے مغل امیر باقی تھے۔ سلطان بہادر گجراتی نے میراں محمد شاہ فاروقی کو ان امیروں کے اخراج پر متعین کیا۔ میراں محمد شاہ نے ملو خاں کی مدد سے ان مغلوں کو شادی آباد مندو سے باہر کر دیا اور مندو کو ان کے قبضے سے نکال لیا۔

میراں محمد شاہ کی حکومت گجرات پر

میراں محمد شاہ ابھی مالوہ ہی میں تھا کہ فرنگیوں کے ہاتھوں سلطان بہادر گجراتی نے سفر آخرت اختیار کیا' سلطان بہادر گجراتی بے اولاد مرا تھا اس لیے گجراتی امیروں نے متفقہ طور پر میراں محمد شاہ فاروقی کو اپنا فرمانروا منتخب کیا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔ میراں محمد شاہ کے اصلی نام محمد خاں میں لفظ "شاہ" کا اضافہ بھی کیا گیا۔ میراں محمد شاہ خاندان فاروقیہ کا پہلا شخص ہے جس نے "شاہ" کا خطاب حاصل کیا۔

میراں محمد شاہ کی وفات

گجراتی امیروں نے سلطان بہادر گجراتی کا چتر اور تاج مرصع میراں محمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے گجرات آنے کی درخواست کی۔ میراں محمد شاہ نے یہ تاج سر پر رکھا اور گجرات جانے کی تیاریاں کیں۔ جب بادشاہ سفر کے لیے نکلنے ہی والا تھا کہ اس کی طبیعت ناساز ہو گئی' اس نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا بیماری بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس نے زندگی کا آخری سفر اختیار کیا۔ میراں محمد شاہ فاروقی نے ۱۳/ ذی قعدہ ۹۴۳ ہجری کو انتقال کیا۔ اراکین سلطنت نے اس کی لاش کو برہان پور میں عادل خاں فاروقی کے مزار کے قریب

دفن کیا۔

میراں محمد شاہ کی اولاد میں کوئی فرد ایسا نہ تھا کہ جو فرماں روائی کے اہل ہوتا۔ اس لیے ارا کین سلطنت نے اس کے بھائی مبارک خاں کو خاندیش کا فرماں روا منتخب کیا۔

میراں مبارک شاہ بن عادل خاں فاروقی

تخت نشینی

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ میراں محمد شاہ فاروقی کے بیٹوں میں کوئی اس قابل نہ تھا کہ اسے تخت نشین کیا جاتا اس لیے تمام امراء اور ارا کین سلطنت نے باہمی اتفاق سے میراں مبارک شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ میراں مبارک شاہ نے عنان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی اور بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے تمام ارا کین دربار اور امیروں کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔

امرائے گجرات کا فیصلہ

انہیں دنوں گجراتی امیروں نے محمود گجراتی بن شہزادہ لطیف خاں کو سلطنت گجرات کا صحیح وارث تسلیم کر لیا۔ اسے لانے کے لیے اختیار خاں کو برہان پور روانہ کیا واضح رہے کہ سلطان بہادر گجراتی نے محمود گجراتی کو جو اس کا بھتیجا تھا میراں محمد شاہ فاروقی کے حوالے کر دیا تھا میراں محمد شاہ فاروقی نے محمود گجراتی کو قلعے میں قید کر دیا تھا۔

محمود گجراتی کی رہائی

اختیار خاں برہان پور آیا اور اس نے میراں مبارک شاہ سے ملاقات کر کے محمود گجراتی کو طلب کیا۔ میراں مبارک شاہ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر محمود کو آزاد کر دیا گیا تو گجراتی امیر اس کو بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔ لہٰذا اس نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اختیار خاں کو ٹال دیا۔ گجراتی امراء کو یہ امر ناگوار گزرا۔ انہوں نے لشکر تیار کیا اور جنگ کے ارادے سے خاندیش کی طرف روانہ ہوئے۔ میراں مبارک شاہ نے یہ صورت حال دیکھ کر محمود گجراتی کو رہا کر دیا اور اسے اختیار خاں کے ہمراہ گجرات روانہ کر دیا۔

عماد الملک برہان پور میں

انہیں دنوں فرماں روایان گجرات کا ایک غلام جس کا نام عماد الملک تھا فرار ہو کر برہان پور آیا۔ میراں مبارک شاہ نے اس توقع پر کہ سلطنت گجرات اس کے زیر نگیں آ جائے گی۔ عماد الملک کی مدد کی عماد الملک نے دس بارہ ہزار گجراتی سپاہیوں کا لشکر جمع کر لیا۔ دوسری طرف دریا خاں نے سلطان محمود گجراتی کو آمادۂ جنگ کیا اور وہ ایک زبردست لشکر لے کر میراں محمد شاہ اور عماد الملک سے جنگ کرنے کے مقصد سے روانہ ہوا۔

سلطان محمود گجراتی سے جنگ

خاندیش اور گجرات کی سرحد پر دونوں لشکروں میں زبردست جنگ ہوئی۔ میراں مبارک شاہ کو شکست ہوئی اور وہ قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ عماد الملک میدان جنگ سے بھاگ کر مندو چلا گیا اور قادر شاہ کے دامن میں پناہ لی۔ سلطان محمود گجراتی نے خاندیش کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میراں مبارک شاہ پریشان ہوا اور اس نے پیش کش دے کر سلطان محمود گجراتی سے صلح کر لی۔ اس کے بعد سلطان محمود اپنے پایہ تخت کو واپس آ گیا۔

سلطان پور اور ندربار' مبارک شاہ کے قبضے میں

سلطان محمود گجراتی نے جب بہت اقتدار حاصل کر لیا اور اس کی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں تو اس نے سلطان پور اور ندربار کا علاقہ میراں مبارک شاہ کو دے دیا- اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانے میں سلطان محمود گجراتی اور میراں مبارک شاہ دونوں قلعہ اسیر میں مقیم تھے' اول الذکر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ کبھی گجرات کا بادشاہ بن گیا تو سلطان پور اور ندربار کا علاقہ میراں مبارک شاہ کو دے دوں گا-

باز بہادر کی آمد اور پیر محمد کا حملہ

۹۶۹ھ میں جب مالوہ پر مغلوں نے قبضہ کر لیا تو وہاں کا حاکم باز بہادر برہان پور آ گیا اور میراں مبارک شاہ کے پاس پناہ گزیں ہوا- مالوہ کے مغل حاکم پیر محمد خاں نے باز بہادر کے استیصال کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک لشکر جرار لے کر خاندیش میں آیا- پیر محمد خاں نے برہان پور تک تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا اور اس سلسلے میں کوئی کسر نہ چھوڑی- خاندیش کے ہر طبقے کے لڑکوں اور لڑکیوں کو مغلوں نے گرفتار کر لیا اور ان سے طرح طرح کی وحشیانہ حرکتوں کا ارتکاب کیا-

حاکم برار سے مدد کی طلب

میراں مبارک شاہ قلعہ اسیر میں پناہ گزین ہو گیا اور اس نے برار کے حاکم تفال خاں کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا- تفال خاں جلد از جلد لشکر جرار لے کر خاندیش میں آیا- میراں مبارک شاہ اور باز بہادر بھی اس سے جا ملے اور ان تینوں فرماں رواؤں نے پیر محمد خاں کے دفعے کے لیے مشترکہ کوششیں شروع کر دیں-

مغل لشکر کی مالوہ کو روانگی

مغل امیروں اور سپاہیوں نے بہت سا مال اور اسباب اپنے قبضے میں کر لیا اور غفلت و مدہوشی کے عالم میں عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے- ان لوگوں نے دشمن سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا- پیر محمد خاں نے اپنے سرداروں سے اس بارے میں مشورہ کیا- انہوں نے بھی یہی رائے دی لہذا پیر محمد خاں تمام مغل لشکر کو لے کر مالوہ کی طرف چل دیا-

مغل لشکر گاہ پر حملہ اور پیر محمد کا فرار

تفال خاں' مبارک شاہ اور باز بہادر نے مغلوں کا تعاقب کیا- پیر محمد کا دھیان مال غنیمت میں لگا ہوا تھا لیکن اس کے لشکریوں کو جان کی پڑی تھی- لہذا وہ اپنے سپہ سالار کو پیچھے چھوڑ کر دریائے نربدا کو پہلے ہی عبور کر گئے- تفال خاں حاکم برار کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی- لہذا اس نے موقع پا کر دریائے نربدا کے اطراف میں مغل لشکر گاہ پر حملہ کر دیا- پیر محمد میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ طاقت ور اور تازہ دم حریف کا مقابلہ کرتا لہذا وہ تمام سامان چھوڑ کر فرار ہو گیا-

پیر محمد کی ہلاکت

تفال خاں بڑی تیز رفتاری سے پیر محمد کا تعاقب کرنے لگا- دوسری طرف باز بہادر کے سپاہیوں نے کشتیوں کو دریائے نربدہ کے کنارے سے ہٹا دیا تاکہ پیر محمد دریا کو عبور نہ کر سکے- پیر محمد جب دریا کے کنارے پہنچا تو وہ کشتیوں کو موجود نہ پا کر بہت پریشان ہوا' اسی پریشانی کے عالم میں وہ اپنے گھوڑے سمیت دریا میں اتر گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے پیر محمد کو نربدا کی لہروں نے اپنی آغوش میں لے کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا مغلوں کا بقیہ لشکر دریا پار کر گیا اور ان کا تمام سامان لوٹ لیا گیا-

اس کے بعد میراں مبارک شاہ اور تفال خاں' باز بہادر کی مدد کے لیے مالوہ آئے اور تمام مغلوں کو انہوں نے یہاں سے نکال دیا- بہادر

دوبارہ مالوہ کے تخت پر بیٹھا اور مبارک شاہ اور تقال خاں واپس آ گئے۔

میراں مبارک کی وفات

۶/ جمادی الثانی ۹۷۴ ہجری کو چہار شنبہ کے روز میراں مبارک کا انتقال ہوا۔ اس کی مدت حکومت بتیس سال ہے۔ میراں مبارک کے بعد اس کا بیٹا میراں محمد خاں باپ کا جانشین ہوا۔

میراں محمد شاہ بن مبارک شاہ فاروقی

چنگیز خاں کا فتنہ

میراں مبارک شاہ فاروقی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا میراں محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے سال ہی کا واقعہ ہے کہ چنگیز خاں گجراتی اعتماد الملک وکیل السلطنت کے مشورے سے سلطان مظفر گجراتی کو اپنے ساتھ ندر بار لے کر آیا۔ چنگیز خاں نے میراں محمد شاہ کے تھانے کو اٹھا دیا اس حرکت پر اسے کسی نے نہ ٹوکا اس وجہ سے چنگیز خاں کی ہمت بڑھی اور پیش قدمی کر کے قلعہ تھانیسر کے نواح تک کے علاقے پر قابض ہو گیا۔

چنگیز خاں نے اپنی بساط کے مطابق میراں محمد شاہ کے ملک کو تباہ و برباد کیا۔ میراں محمد شاہ نے برار کے حاکم تفال خاں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ تفال خاں ایک لشکر لے کر آ گیا میراں محمد شاہ نے اسے ساتھ لے کر چنگیز خاں کا مقابلہ کیا' اگرچہ چنگیز خاں بہت بہادر اور باہمت انسان تھا لیکن خدا جانے اس کے دل میں کیا وہم سمایا کہ وہ خوف زدہ ہو کر ایک دشوار گزار مقام پر فروکش ہو گیا اس نے توپ و تفنگ کے ارابوں کو اپنے گرد فراہم کر لیا اور رات تک اسی جگہ مقیم رہا۔ اسی رات چنگیز خاں بھروچ کی طرف فرار ہو گیا۔

محمد شاہ کا عزم تسخیر گجرات

تفال خاں اور میراں محمد شاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے چنگیز خاں کے تمام سامان اور آلات جنگ پر قبضہ کر کے اس کا تعاقب کیا۔ اس زمانے میں گجرات میں سخت انتشار پھیلا اور وہاں کی رعایا نے یہ یقین کر لیا کہ سلطان مظفر گجراتی' گجرات کے شاہی خاندان سے نہیں ہے۔ ادھر میراں محمد شاہ فاروقی بھی گجرات کو اپنی وارثت سمجھتا تھا۔ اس نے بہت سا روپیہ صرف کر کے ایک زبردست لشکر تیار کیا۔ گجراتی امیروں کی ایک جماعت نے بھی محمد شاہ کا ساتھ دیا اور وہ تیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر لے کر احمد آباد کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

چنگیز خاں سے جنگ اور محمود شاہ کی شکست

ان دنوں چنگیز خاں نے احمد آباد پر قبضہ کر رکھا تھا اور "میرزا برادران" اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ چنگیز خاں کو جب میراں محمد شاہ کی آمد کا علم ہوا تو وہ سات آٹھ ہزار سواروں کا لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں میرزا برادران نے چنگیز خاں کا پورا پورا ساتھ دیا اس وجہ سے اسے فتح نصیب ہوئی۔ میراں محمد شاہ اپنا تمام سامان اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ گیا' چنگیز خاں نے اس تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس عظیم الشان فتح کی وجہ سے اس کی شان و شوکت اور اقتدار میں بہت اضافہ ہوا۔

میرزاؤں کی شورش

کچھ عرصہ بعد میرزا برادران کے تعلقات چنگیز خاں سے اچھے نہ رہے اور وہ گجرات سے فرار ہو کر خاندیش میں آ گئے۔ خاندیش میں انہوں نے غلبہ حاصل کر کے خوب تباہی و بربادی مچائی۔ میراں محمد شاہ نے جب یہ عالم دیکھا تو اس نے لشکر جمع کر کے میرزاؤں کی سرکوبی کا ارادہ کیا' لیکن میرزاؤں نے اسے اتنا موقع ہی نہ دیا اور اپنا کام کر کے خاندیش سے چلے گئے۔

برار پر مرتضیٰ نظام کا قبضہ

احمد نگر کے فرماں روا مرتضیٰ نظام شاہ بحری نے ۹۸۲ ہجری میں برار کو فتح کر کے حاکم برار کو قید کر لیا۔ اس کے بعد مرتضیٰ نظام اپنے ملک کو واپس روانہ ہو گیا۔ اسی دوران میں ایک شخص برار سے فرار ہو کر میراں محمد شاہ فاروقی کے پاس آیا اور اپنے آپ کو عماد شاہی خاندان کا فرد ظاہر کر کے میراں محمد شاہ سے مدد کی درخواست کی۔ فاروقی فرماں روا نے پانچ چھ ہزار سپاہیوں کا لشکر اس کے ہمراہ کر دیا اس وجہ سے مملکت برار میں سخت فتنہ پیدا ہوا۔

مرتضیٰ نظام خاندیش میں

مرتضیٰ نظام شاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ خواجہ میرک دبیر اصفہانی المخاطب بہ چنگیز خاں کے مشورے سے واپس ہوا۔ پہلے تو اس نے میراں محمد شاہ فاروقی کے لشکر کو تباہ و برباد کیا اور پھر برہان پور کی طرف بڑھا۔ میراں محمد شاہ فاروقی میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ فرماں روائے احمد نگر کا مقابلہ کرتا۔ لہٰذا وہ قلعہ اسیر میں پناہ گزیں ہو گیا۔ مرتضیٰ نظام نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اس کا لشکر خاندیش کو تباہ و برباد کرنے لگا۔

مرتضیٰ نظام کی واپسی

میراں محمد شاہ فاروقی بہت پریشان ہوا جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے اس نے صلح کی کوشش شروع کی۔ اس نے چھ لاکھ مظفری تین لاکھ تنکہ نقرہ) مرتضیٰ نظام شاہ اور اس کے وکیل السلطنت چنگیز خاں کو دے کر مخالفوں کو راضی کر لیا۔ اس کے بعد مرتضیٰ نظام شاہ قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو گیا اور اپنے پایہ تخت کو روانہ ہوا۔

میراں محمد شاہ کا انتقال

۹۸۴ھ میں میراں محمد شاہ بیمار ہوا اور اسی سال اس کا انتقال ہو گیا اس کا کم عمر بچہ حسن خاں فاروقی باپ کا جانشین ہوا۔

حسن خاں کی تخت نشینی اور معزولی

میراں محمد شاہ کا بھائی راجہ علی خاں فاروقی بن مبارک ان دنوں جلال الدین اکبر مغل بادشاہ کے پاس تھا۔ اس نے میراں محمد شاہ کی علالت کی خبر سنی' آگرہ سے روانہ ہو کر خاندیش میں آ گیا۔ جب وہ خاندیش پہنچا تو میراں محمد شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ راجہ علی خاں فاروقی نے حسن خاں کو معزول کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ رعایا نے بھی علی خاں کو اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا۔

میراں راجہ علی خاں فاروقی

بن مبارک خاں بن اعظم ہمایوں بن عادل خاں بن حسن خاں بن نصیر خاں بن ملک راجہ بن خان جہاں فاروقی

عاقبت اندیشی

جس زمانے میں راجہ علی خاں فاروقی تخت نشین ہوا ان دنوں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے اور مشہور صوبے بنگالہ سے لے کر سندھ تک اور مالوہ سے لے کر گجرات تک مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے زیر نگیں آ چکے تھے۔ اس لیے راجہ علی خاں نے انتہائی عاقبت اندیشی سے کام لے کر اپنے نام میں سے "شاہ" کا لفظ نکال دیا اور جلال الدین اکبر کی باجگذاری اور اطاعت شعاری کو اپنا مقصد قرار دیا۔

راجہ علی خاں کا اعلیٰ کردار

راجہ علی خاں اکثر و بیشتر جلال الدین اکبر کی خدمت میں تحفے تحائف بھیج کر اپنے خلوص اور وفاداری کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح دکنی فرماں رواؤں کے ساتھ بھی اس نے نہایت خوشگوار تعلقات پیدا کیے۔ راجہ علی خاں نہایت منصف مزاج معاملہ فہم اور بہادر انسان تھا۔ تمام بری اور ناشائستہ عادات سے وہ کنارہ کش رہتا تھا اسی طرح دکنی ملک و رعایا کی بہبود کا اسے ہمیشہ خیال رہتا تھا مذہب حنفی کے عالموں' فاضلوں کی صحبت وہ پسند کرتا۔

سید مرتضیٰ اور صلابت خاں میں جنگ

۹۹۲ ہجری میں جب کہ مرتضیٰ نظام شاہ بحری امور سلطنت سے بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو چکا تھا۔ اس کے سپہ سالار برار سید مرتضیٰ اور وکیل السلطنت صلابت خاں میں جھگڑا ہو گیا۔ احمد نگر سے چھ کوس کے مقام پر یہ دونوں امیر ایک دوسرے کے مقابلے پر آئے دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور جس کے نتیجے میں صلابت خاں کامیاب ہوا اور سید مرتضیٰ خاں بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہو کر برار میں آ گیا۔ صلابت خاں کے بہی خواہوں نے یہاں بھی سید مرتضیٰ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ لہٰذا وہ پریشان ہو کر برہان پور میں چلا آیا۔

سید مرتضیٰ کی برہان پور میں آمد اور آگرہ کو روانگی

راجہ علی خاں کو اس کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ سید مرتضیٰ اور اس کے ساتھی داد خواہی کے لیے جلال الدین اکبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے مغل لشکر کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔ راجہ علی خاں کے نزدیک یہ امر کچھ بہتر نہ تھا کیونکہ اس کے دور رس نتائج ایک انقلاب عظیم برپا کر سکتے تھے لہٰذا اس نے سید مرتضیٰ کو آگرہ جانے سے روکا۔ سید مرتضیٰ نے راجہ علی خاں کا مشورہ قبول نہ کیا۔ ایک دن راجہ علی خاں کو بتائے بغیر ہی برہان پور سے آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اندیشی لشکر اور سید مرتضیٰ میں جنگ

راجہ علی خاں کو جب سید مرتضیٰ کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے ایک لشکر اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو

سکے خواہ بخوشی اور خواہ بہ جبر سید مرتضیٰ سبزواری کو آگرہ جانے سے روکا جائے اور اسے برہان پور واپس لائے۔ خاندیشی لشکر سید مرتضیٰ کے قریب پہنچا اور اس سے واپسی کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کیا' اس پر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی' خداوند خاں حبشی کی بہادری اور جانفشانی سے خاندیشی لشکر کو شکست ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندیشی لشکر سید مرتضیٰ سبزواری کو آگرہ جانے سے نہ روک سکا' لیکن اس نے حریف کے سامان کو خوب جی کھول کے لوٹا اور تقریباً ایک سو ہاتھیوں پر قبضہ کر لیا۔

سید مرتضیٰ ---- اکبر کے حضور میں

سید مرتضیٰ سبزواری اور خداوند خاں حبشی خاندیشی لشکر کو شکست دینے کے بعد کامیابی کے ساتھ دریائے نربدا کے پار اتر گئے۔ یہ دونوں جلال الدین اکبر کے حضور میں پہنچے اور اس سے مدد کی درخواست کی۔

جلال الدین اکبر تو ایک عرصہ سے دکن کو فتح کرنے کے خیال میں تھا۔ اس نے سید مرتضیٰ اور خداوند خاں کی بڑی دل جوئی کی اور دوسرے دکنی امیروں سے بھی لطف و کرم سے پیش آیا۔ اکبر نے ان سب کو جاگیروں اور عہدوں سے نوازا اور حصول مقصد میں ان کا پورا پورا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ راجہ علی خاں فاروقی کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس نے ان ایک سو ہاتھیوں کو جو سید مرتضیٰ اور دوسرے دکنی امیروں سے چھینے گئے تھے اکبر کی خدمت میں روانہ کیا اور اپنی وفاداری اور اطاعت گزاری کا یقین دلایا' نیز اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کر کے معافی چاہی۔ اس واقعہ سے چند روز پہلے مرتضیٰ نظام شاہ کا سگا بھائی بھی اکبری مدد حاصل کرنے کے لیے آگرہ پہنچ چکا تھا اس لیے راجہ علی خاں کی کوشش کامیاب نہ ہوئی اور اس کی معذرت طلبی بے کار گئی۔

فتح دکن کا اکبری حکم

۱۰۰۳ھ میں جلال الدین اکبر نے برہان نظام شاہ ثانی' سید مرتضیٰ شاہ خداوند خاں حبشی اور تمام دکنی امیروں کو حاکم مالوہ خاں اعظم میرزا عزیز کوکہ کے پاس روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر دکن کو فتح کرے۔ خان اعظم شادی آباد مندو سے باہر اور اس نے مالوی اور دکنی امراء کو ساتھ لے کر برار کا رخ کیا۔

مرتضیٰ نظام شاہ نے میرزا محمد تقی نظیری کو جو سادات میں سے تھا اپنا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے میرزا کوکہ کی مدافعت کے لیے سرحد خاندیش کی طرف روانہ کیا۔ میرزا عزیز کوکہ نے عضد الدولہ شاہ فتح اللہ شیرازی کو راجہ علی خاں فاروقی کے پاس بھیجا اور اسے جلال الدین اکبر کی وفاداری کی تلقین کی۔ انہیں دنوں میرزا محمد تقی نظیری بھی اسیر میں آیا ہوا تھا' اس نے راجہ علی فاروقی کو مرتضیٰ نظام شاہ کا بہی خواہ بنانے کی کوشش کی۔

راجہ علی خاں اور میرزا محمد تقی میں اتحاد

راجہ علی خاں فاروقی نے بہت سوچ بچار کے بعد مرتضیٰ نظام شاہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ اور شاہ فتح اللہ شیرازی سے معذرت طلب کر لی۔ راجہ علی خاں فاروقی اور میرزا محمد تقی تیس ہزار سواروں کا ایک زبردست لشکر اور بے شمار توپ خانہ لے کر مغل لشکر گاہ ہندیہ کی طرف بڑھے۔ ان دونوں نے مغل لشکر گاہ سے ایک کوس کے فاصلے پر قیام کیا۔ دوسرے روز جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

عزیز کوکہ کا جنگ سے اجتناب

خان اعظم میرزا کوکہ جب دشمن کی یہ کثرت دیکھ چکا تو اس نے فی الحال جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیا' اسی رات اپنے خیموں اور مشعلوں کو لشکر گاہ ہی میں چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے برار کی طرف روانہ ہو گیا۔ مغل لشکر نے مالا پور اور ایلچ پور کو تباہ و برباد کر کے بیس قیام کیا۔ راجہ علی خاں اور میرزا محمد تقی بھی مغلوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس طرف آ نکلے' میرزا عزیز کوکہ نے اس بار بھی حریف سے معرکہ آرائی کرنے کا ارادہ نہ کیا اور ندربار کے راستے سے اپنی لشکر گاہ میں آ گیا۔

راجہ علی خاں کی خوشی

راجہ علی خاں فاروقی کو جب مغلوں کی طرف سے اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو اس نے میرزا محمد تقی نظیری کو رخصت کر دیا اور خود برہان پور واپس آ گیا۔ راجہ علی خاں فاروقی اس صورت حال سے بہت خوش تھا کیونکہ بغیر جنگ کے مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس نے اس خوشی میں غریبوں اور محتاجوں میں بہت سا روپیہ تقسیم کیا۔

برہان نظام شاہ ثانی کے عزائم

برہان نظام شاہ ثانی نے جب یہ دیکھا کہ اس کی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو مجبوراً بڑی خاموشی کے ساتھ اکبر بادشاہ کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔ ۹۰۷ ہجری برہان نظام شاہ کا بیٹا اسمٰعیل نظام شاہ احمد نگر میں تخت نشین ہوا۔ اس موقع پر برہان نظام شاہ ثانی (جیسا کہ اس کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے) کے دل میں پھر اپنے موروثی ملک کو حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جلال الدین اکبر کے مشورے سے نظام شاہ ہندیہ میں (جو اس کی جاگیر تھی) آیا اور راجہ علی خاں فاروقی سے مدد کی درخواست کی۔

جمال خاں مہدوی کا عزم برہان پور

راجہ علی خاں فاروقی نے ابراہیم عادل شاہ کے مشورے سے برہان نظام شاہ ثانی سے مدد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ان دنوں احمد نگر میں عنان اقتدار جمال خاں مہدوی کے ہاتھ میں تھی۔ اسے جب برہان نظام شاہ ثانی اور راجہ علی خاں کی ساز باز کا علم ہوا تو وہ اسمٰعیل نظام شاہ کو ساتھ لے کر برہان پور کی طرف روانہ ہوا۔

راجہ علی خاں اور جمال خاں میں جنگ

راجہ علی خاں فاروقی نے اپنے لشکر کو مرتب و منظم کیا اور برہان نظام شاہ ثانی کو ساتھ لے کر برار کی سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجہ علی خاں نے جمال مہدوی کے پہنچنے سے پہلے ہی براری امیروں کو انعام و اکرام کے وعدوں سے اپنا ہم خیال بنایا اور برہان نظام شاہ کے پاس آیا۔ انہیں دنوں جمال خاں مہدوی نے گھاٹ روب نگر کو پار کیا اور فریقین ایک دوسرے کے قریب ہو گئے دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ اتفاق سے بندوق کی ایک گولی جمال خاں مہدوی کے جسم پر لگی اور اس کا کام تمام ہو گیا۔

راجہ علی خاں کی فتح

جمال خاں مہدوی کے مرتے ہی دشمن میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس عظیم الشان کامیابی کے بعد راجہ علی خاں اور برہان نظام شاہ نے ایک جشن مسرت منعقد کیا۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے' برہان نظام شاہ ثانی احمد نگر کی طرف چل دیا اور راجہ علی خاں برہان پور واپس آیا۔

احمد نگر پر اکبری حملہ

۱۰۰۴ ہجری میں برہان نظام شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور شہزادہ مراد (جلال الدین اکبر کا بیٹا) اور میرزا عبد الرحیم خان خاناں (بیرم خاں کا بیٹا) نظام شاہی ملک کو فتح کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راجہ علی خاں فاروقی نے بھی ایک زبردست لشکر ساتھ لے کر جلال الدین اکبر کے حکم کے مطابق خان خاناں کا ساتھ دیا۔ شہزادہ مراد اور عبد الرحیم خان خاناں نے احمد نگر پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا آخر کار فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ برار پر اکبر کا قبضہ رہے اور احمد نگر پر نظام شاہ کا قبضہ رہے۔

مغلوں اور دکنی فوجوں میں جنگ

اس معاہدے کے مطابق شہزادہ مراد اور خان خاناں نے برار پر قبضہ کر لیا اور راجہ علی خاں برہان پور و اسیر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد دکنیوں نے باہمی اتفاق سے برار کو مغلوں کے قبضے سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ دکنی سہیل خاں خواجہ سرا کی ماتحتی میں دریائے گنگا کے کنارے سون پت کے مقام پر جمع ہوئے۔ خان خاناں کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اور شہزادہ مراد مع راجہ علی خاں اور مغل امراء کے سہیل خاں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے فریقین میں زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں خان خاناں کو فتح حاصل ہوئی۔

راجہ علی خاں کی ہلاکت

راجہ علی خاں میدان جنگ میں ایسی جگہ پر متعین تھا کہ جہاں دکنیوں کی آتش بازی اپنے شباب پر تھی۔ راجہ علی خاں اس آتش بازی سے مع بہت سے خاندیشی امیروں کے جل کر ہلاک ہو گیا۔ اس کی لاش برہان پور لائی گئی اور وہاں اسے دفن کر دیا گیا۔
راجہ علی خاں کی مدت حکومت اکتیس سال ہے۔

بہادر خاں فاروقی

ناتجربہ کار فرماں روا

۱۰۰۵ھ میں راجہ علی خاں فاروقی نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کی جگہ اس کا بیٹا بہادر خاں فاروقی تخت نشین ہوا۔ یہ تخت نشینی خان خاناں کی تجویز اور جلال الدین اکبر کے فرمان کے مطابق عمل میں آئی۔ بہادر خاں فاروقی عقل کا کچا اور ناتجربہ کار انسان تھا۔ اس وجہ سے بہت سی بری عادتیں مثلاً شراب نوشی اور افیون خوری وغیرہ کی تھیں۔ اسے گانے سننے اور گانے والی عورتوں کی سرپرستی کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔

بہادر آباد کی تعمیر

بہادر خاں نے دریائے تپتی کے کنارے ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام بہادر پور رکھا اس نے اس شہر کی تعمیر اور ترقی میں بہت کوشش کی۔ بہادر خاں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک عظیم الشان مغل لشکر اس کے ہمسایہ میں موجود ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی حکومت کو اپنے قبضے میں کر سکتا ہے' لیکن اس ناتجربہ کار فرماں روا نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی اور اپنا وقت عیش و عشرت میں بسر کرتا رہا۔ اس کے روز و شب مطربوں اور سازندوں کی صحبت میں گزرتے رہے۔

بہادر خاں کی کم عقلی

شہزادہ مراد کا جب انتقال ہوا تو اکبر نے اس کی جگہ اپنے دوسرے بیٹے شہزادہ دانیال کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ شہزادہ دانیال جب دکن میں آیا تو اس موقعے پر بہادر خاں نے بڑی کم عقلی کا مظاہرہ کیا اور شہزادے سے ملاقات کرنے کے لیے نہ گیا۔ اسی طرح جب جلال الدین اکبر تسخیر دکن کے ارادے سے شادی آباد مندو میں آیا تو تب بھی بہادر خاں نے ایسا ہی کیا نہ تو بادشاہ کا استقبال کیا اور نہ ہی اس سے ملاقات کرنے کے لیے گیا۔ بلکہ الٹی حرکت یہ کی کہ قلعہ اسیر میں داخل ہو کر قلعہ داری کا سامان مہیا کرنے میں مصروف ہو گیا اور ضروریات کا تمام سامان اور تمام اہم ملازمین کو مع رعایا کے اٹھارہ ہزار افراد کو قلعے میں لے گیا۔

قلعہ اسیر کی معموری

راقم الحروف مورخ فرشتہ کو آصف خاں میرزا جعفر اور محمد شریف نے بتایا کہ قلعہ جب فتح ہوا تو ہم نے اہل قلعہ کو شمار کیا۔ معلوم ہوا اسی ہزار عورتیں اور مرد قلعے سے باہر نکلے اس کے علاوہ چالیس ہزار افراد قلعے کے محاصرے کے دوران میں مارے گئے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قلعے میں جانور (ہاتھی' گائے' گھوڑے بھینس وغیرہ) کتنی تعداد میں ہوں گے۔ الغرض بہادر خاں نے قلعے میں ایک دنیا آباد کر رکھی تھی۔

اکبر کی آمد اور قلعے کا محاصرہ

جلال الدین اکبر جب اپنے لشکر کے ساتھ برہان پور میں آیا تو اسے بہادر خاں کے حالات کا علم ہوا۔ اس نے خود احمد نگر کو جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور شہزاد دانیال' خان خاناں کو احمد نگر کی مہم پر متعین کر کے خود برہان پور ہی میں قیام کیا اور اپنے امیروں کو قلعہ اسیر کا محاصرہ کر لینے کا حکم دیا۔ محاصرے نے طوالت کھینچی' دس ماہ گزر گئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ایسے میں خدا کی طرف سے بھی اہل قلعہ پر مصیبت نازل ہوئی چونکہ قلعہ میں انسان اور جانور بہت زیادہ تعداد میں تھے اس لیے قلعہ کی آب و ہوا متعفن ہو گئی اس تعفن کی

وجہ سے اہل قلعہ بیمار ہو ہو کر مرنے لگے۔ یہ صورت حال اہل قلعہ کے لیے بہت زیادہ پریشان کن ثابت ہوئی۔

افسوں و طلسمات

اسی دوران اہل قلعہ کو یہ خبر ملی کہ جلال الدین اکبر نے ایسے چند آدمیوں کو جو جادو اور ٹونے وغیرہ میں ماہر ہیں اس کام پر متعین کیا ہے کہ وہ ایسے عملیات سے کام لیں جن کی وجہ سے قلعے کو باسانی فتح کیا جا سکے۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ اکبر بادشاہ خود ہر وقت تسبیح پڑھتا رہتا ہے اور قلعے کی فتح کی دعائیں مانگتا رہتا ہے اہل قلعہ نے یہ سمجھ لیا کہ قلعہ میں جو وبا آئی ہے وہ بادشاہ ہی کے تسبیح پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ اس خیال نے سب لوگوں کو بہت پریشان کیا۔

اہل قلعہ کی حالت زار

بہادر خان گجراتی اور ان کے مقربین خاص بھی اپنی پریشانی اور بے بسی کے ہاتھوں ہوش و حواس کھو بیٹھے' انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وبا کا اصل سبب یہ ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی تعداد قلعے کی وسعت و گنجائش کے مناسب نہیں ہے اور اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے کی زحمت گوارانہ کی بلکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ قلعے کے محافظوں کی حالت بھی بہت خراب تھی انہوں نے بہادر خاں سے غلے کی کمی کی شکایت کی۔ بہادر خاں نے انہیں ٹال دیا آخر کار ان محافظوں نے مجبور ہو کر قلعے کی حفاظت سے ہاتھ اٹھالیا۔ اکبر کے لشکر نے محاصرے میں شدت سے کام لیا اور قلعہ مالیگر پر جو قلعہ اسیر کے مقابل ہی واقعہ ہے قبضہ کر لیا۔

بہادر خاں کی مخالفت

قلعہ اسیر میں اس قدر غلہ اور دیگر سامان موجود تھا کہ وہ اہل قلعہ کی ضروریات کے لیے دس سال تک کافی ہو سکتا تھا' لیکن بہادر خاں فاروقی نے حماقت کی وجہ سے کسی کو کچھ بھی نہ دیا۔ اس پر اہل قلعہ بہادر خاں کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بہادر خان کو اور اس کے مقربین کو گرفتار کر کے جلال الدین اکبر کے حوالے کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اہل قلعہ کو اپنی جان زیادہ عزیز تھی لہٰذا انہیں مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا۔

بہادر خاں کے امراء کا مشورہ

بہادر خاں کو اہل قلعہ کے ارادے کی اطلاع ہو گئی اور اس نے اپنے اراکین حکومت آصف خاں' میرزا جعفر اور کبیر خاں وغیرہ سے مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے بالاتفاق بہادر خاں سے یہ کہا "اس وقت صورت حال بہت نازک ہے قلعے میں وبا شدت سے پھیلی ہوئی ہے' اموات دھڑا دھڑ ہو رہی ہیں اگر اس وقت ہم نے اہل قلعہ کو غلہ اور دیگر سامان ضرورت دے بھی دیا تو تب بھی ہماری مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ غلے وغیرہ سے بیماری اور موت کو روکا نہیں جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے لیے اکبر جیسے طاقتور بادشاہ کے ہاتھوں سے بچ نکلنا بھی ناممکن ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اکبر سے جان و مال کی امان طلب کر کے اس کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور قلعہ اس کے حوالے کر دیں۔"

قلعہ اسیر پر اکبر کا قبضہ

بہادر خاں فاروقی نے امیروں کی اس رائے کو بہت پسند کیا۔ اس نے خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کے توسط سے اکبر سے جان کی امان طلب کی۔ اکبر نے اس درخواست کو قبول کیا۔ بہادر خاں نے خدا کا شکر ادا کیا اور فوراً قلعے سے باہر نکل کر عزیز کوکہ کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہادر خاں نے قلعہ اسیر (جس میں غلہ اس کثرت سے جمع کیا ہوا تھا کہ وہ اہل قلعہ کے لیے دس سال تک کافی ہوتا اور جس قلعہ کو آسانی کے ساتھ فتح کرنا دشوار تھا) اکبر بادشاہ کے ملازمین کے حوالے کر دیا۔

قلعہ اسیر کی کیفیت

راقم الحروف مورخ فرشتہ نے ۱۰۲۳ ہجری میں اس قلعے کو دیکھا ہے۔ میں شہزادہ دانیال کے دیوان دار خواجہ حسن ترپتی کے ہمراہ اس قلعے میں گیا تھا۔ قلعہ ایک نہایت بلند پہاڑ پر واقع ہے اس پہاڑ پر آدھا کوس یا اس سے کچھ زیادہ زمین ہموار اور مسطح ہے۔ یہاں چند چشمے ہیں اور کچھ حوض بھی بنائے گئے ہیں تاکہ پانی کا ذخیرہ کیا جا سکے' تاکہ خشک سالی یا چشموں کا پانی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ذخیرے کو کام میں لایا جا سکے۔ اس کی سطح زمین پہاڑ کی چوٹی پر ہے' یہ ایک نہایت ہی مضبوط اور مستحکم حصار بنایا گیا ہے۔

قلعے میں داخل ہونے کا راستہ

اس قلعے میں داخل ہونے کا راستہ بہت ہی دشوار گذار ہے ایک پیادہ بہت مشکل اور محنت سے قلعے میں داخل ہو سکتا ہے اگر کوئی سوار قلعے میں جانا چاہے تو اسے گھوڑے سے اترنا پڑتا ہے۔ سوار اور گھوڑا دونوں آگے پیچھے چل کر ہی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھیوں کو رسے سے باندھ کر بڑی احتیاط اور مشکل سے لے جایا جا سکتا ہے۔ قلعے کے اندر بہت سی خوب صورت اور اعلیٰ درجے کی عمارتیں ہیں' باغات ہیں اور بہت سے حوض ہیں۔ ایک جامع مسجد بھی ہے اس کی تعمیر میں نہایت خوش اسلوبی سے کام کیا گیا ہے' اس کو طرح طرح کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا ہے' ایسی شاندار مسجد بڑے بڑے شہروں میں بھی نظر نہیں آتی۔

کہا جاتا ہے کہ اکبر قلعہ اسیر کی فتح کے بعد آگرہ واپس چلا گیا چونکہ وہ غیر اسلامی عقیدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس مسجد کو مسمار کر کے اس کی جگہ ایک مندر بنایا جائے' لیکن شہزادہ دانیال نے جو ان دنوں برہان پور میں موجود تھا اس پر عمل نہ کیا۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ نے ایک بار خواجہ حسن ترپتی سے جس نے ہندوستان کے بہت سے عالی شان قلعوں کو دیکھا تھا یہ سوال کیا کہ "کیا تمہاری نظر سے قلعہ اسیر کی مانند کوئی مستحکم قلعہ گزرا ہے؟" خواجہ حسن ترپتی نے جواب دیا" ہاں! قلعہ رہتاس جو مشرقی ہندوستان میں واقع ہے اس سے زیادہ مستحکم قلعہ ہے لیکن وسعت میں وہ قلعہ اسیر سے کم ہے۔"

قلعہ مالیگر

فاروقی سلاطین نے قلعہ اسیر کے دروازے کے پاس ایک نیا قلعہ بھی تعمیر کروایا اور اس کا نام قلعہ "مالیگر" رکھا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جب قلعے کے محافظوں نے بہادر خاں فاروقی سے ناراض ہو کر قلعے کی حفاظت سے کنارہ کشی اختیار کی تو اکبری لشکر نے قلعہ مالیگر پر قبضہ کر لیا۔ اگر اس قلعے میں چند برج تعمیر کر دیئے جائیں۔ اسے توپ اور ضرب زن سے آراستہ کر دیا جائے اور اس کی حفاظت پر صرف دو سو سپاہیوں کو متعین کر دیا جائے تو پھر اس قلعے کو فتح کرنا بھی بہت دشوار ہو جائے۔

فاروقی سلطنت کا خاتمہ اور بہادر خاں کا انتقال

الغرض قلعہ اسیر جیسا مضبوط قلعہ اکبر بادشاہ کے قبضے میں آ گیا اور اس طرح ۱۰۰۸ ہجری میں فاروقی سلاطین کی حکومت ختم ہو گئی۔ بہادر خاں کو اکبر نے اپنے ساتھ لیا اور اسے لاہور لے آیا اور پھر دوبارہ اس غریب کو (بہادر خاں کو) حکومت و سلطنت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ بہادر خاں اور اس کے بیٹوں کی اکبر نے تنخواہیں مقرر کر دیں۔

بہادر خاں فاروقی جہانگیر کے عہد حکومت تک زندہ رہا۔

۱۰۲۳ ہجری میں اس نے آگرہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

بہادر خاں فاروقی کی مدت حکومت تین سال ہے۔

سلاطین شرقیہ اور سلاطین پوربیہ

کے

مکمل حالات

شرقی اور پوربی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایک عربی اور دوسرا ہندی حاجی پور ترہت اور اس کے نواح کے دوسرے صاحب سکہ و خطبہ بادشاہوں کو "سلاطین شرقی" کہا جاتا ہے' بنگالہ' لکھنوتی' ستار گاؤں' بہار' جاج نگر اور دوسرے شہروں کے فرمارواؤں کو سلاطین پوربی کہا جاتا ہے۔

یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ ہندوستان کی قابل اعتبار تاریخوں میں سلاطین شرقی و پوربی کے تفصیلی حالات بیان نہیں کئے گئے۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ نے اس سلسلے میں "تاریخ الفنی" کو اپنا ماخذ بنایا ہے جو البادی ملا احمد منوی کی تالیف ہے۔ میں نے تمام مواد اسی تاریخ سے لیا ہے اور دوسری روایتوں سے بحث نہیں کی۔ اگر واقعات میں اختلاف یا کوئی غلطی نظر آئے تو قارئین کرام مجھے معاف فرمائیں۔

سلاطین پوربی یا والیان بنگالہ

محمد بختیار خلجی

ابتدائی حالات

اس ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا سہرا محمد بختیار خلجی کے سر ہے۔ اسی فرماں رواں نے مذہب اسلام کو اس خطے میں رواج دیا۔ بختیار خلجی غور کے اکابر کی نسل سے تھے۔ وہ سلطان غیاث الدین سامہ کے عہد حکومت میں غزنین اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہندوستان پہنچا۔ یہاں وہ شہاب الدین غوری بادشاہ کے ایک نامی گرامی امیر ملک معظم حسام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک حسام الدین کی کوششوں سے محمد بختیار خلجی کو میان دوآب میں کئی پرگنے بطور جاگیر حاصل ہوئے۔ بعد میں اس کی جاگیر میں کنپلہ اور پٹیالی کا بھی اضافہ کیا گیا۔

بہادری

محمد بختیار بہت ہی عقل مند' معاملہ فہم اور بہادر انسان تھا۔ اس کی ہیئت جسمانی بھی عجیب و غریب تھی۔ جب وہ اپنے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہوتا تو اس کی انگلیاں اس کی پنڈلیوں کو چھونے لگتی تھیں۔ وہ ہمیشہ بہار کے علاقے پر لشکر کشی کر کے اس کے نواح کے سرکشوں اور باغیوں کو پامال کیا کرتا تھا اور اس علاقے کو لوٹ کر بہت سا مال غنیمت حاصل کیا کرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں محمد بختیار کی شان و شوکت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی اور چاروں طرف اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ ہندوستان میں خراسان' غزنین اور غور کے بہت سے باشندے ادھر ادھر پریشان حال مارے مارے پھرتے تھے۔ ان سب کو جب محمد بختیار کی سخاوت کا علم ہوا تو وہ اس کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے۔

بہار کی فتح

سلطان قطب الدین ایبک کو جب محمد بختیار خلجی کے احوال سے آگاہی ہوئی تو اس نے بختیار پر لطف و کرم کی نظر ڈالی اور لوازم شاہانہ اس کے پاس بہار روانہ کئے۔ فرماں روائے ہندوستان کی اس توجہ اور کرم سے بختیار خلجی کی بہت ہمت افزائی ہوئی اس نے ملک بہار کو باغیوں اور سرکشوں سے پاک کر کے قلعہ بہار پر قبضہ کر لیا اور مرتاض برہمنوں کو جو داڑھی مونچھ منڈوانے کے عادی تھے قتل کر دیا۔

بہار کی وجہ تسمیہ

بہاری ہندوؤں کی بہت سی مذہبی کتابیں بختیار خلجی کے ہاتھ لگیں' لیکن ان کو پڑھنے اور سمجھانے والا کوئی نہ ملا۔ "بہار" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس قلعے میں ہندوؤں کے مدرس رہتے تھے۔ چونکہ ہندی میں بہار کے معنی مدرسہ ہیں اس لیے اس قلعے کا نام بھی "بہار" پڑ گیا۔

محمد بختیار سلطان ایبک کی خدمت میں

اس عظیم الشان فتح کے بعد محمد بختیار خلجی بے شمار مال غنیمت لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا اور یہ تمام سامان سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان ایبک محمد بختیار سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور اس پر شاہانہ نوازشیں کیں۔ دہلی میں محمد بختیار کی

ایسی آؤ بھگت کی گئی کہ اس کے تمام معاصرین اس سے جلنے اور رشک کرنے لگے۔

آتش رشک و حسد

ان حاسدوں نے آپس میں چوری چھپے محمد بختیار کے خلاف کانا پھوسی شروع کر دی اور ایک روز موقع پا کر سلطان قطب الدین ایبک سے یہ کہا کہ محمد بختیار کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ مست ہاتھی سے لڑائی کر سکتا ہے۔" سلطان ایبک نے پہلے تو محمد بختیار کی ہلاکت کے خوف سے اس کا امتحان لینے سے انکار کیا' لیکن آخر کار اپنے مقربین دربار کے اصرار پر راضی ہو گیا۔

محمد بختیار کی ہاتھی سے لڑائی

ایک روز سلطان قطب الدین ایبک نے دربار عام منعقد کیا جس میں تمام امراء اور اراکین سلطنت نے شرکت کی۔ کچھ لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک ہاتھی پیش کیا اور کہا "ہندوستان کا کوئی فرد اس ہاتھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

سلطان قطب الدین ایبک نے یہ سن کر محمد بختیار سے کہا "اگر تمہیں جوان مردی کا دعویٰ ہے تو اس کے سامنے آؤ۔ کیونکہ بہادری کے مظاہرہ کا یہ بہترین موقع ہے۔" محمد بختیار خلجی نے اپنی غیرت اور دلیری کی وجہ سے انکار مناسب نہ سمجھا اس نے ایک گرز اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھی کے سامنے آیا' بختیار نے اپنی پوری طاقت سے ہاتھی کی سونڈ پر' دونوں دانتوں کے درمیان گرز کی ایک ضرب لگائی جس سے ہاتھی کو شدید چوٹ آئی۔ اس کے بعد محمد بختیار دوسرا وار کرنے ہی والا تھا کہ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اس کے سامنے سے بھاگ گیا۔

داد شجاعت

محمد بختیار نے اس وقت بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے پرائے سب حیرت میں رہ گئے' چاروں طرف سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہونے لگے۔ سلطان قطب الدین ایبک بھی بختیار کی شجاعت و دلیری سے بہت متاثر ہوا' بادشاہ نے بختیار کی بہت عزت افزائی کی اور اسے ایک بہت بڑی رقم انعام اور بہت سی گراں قدر اشیاء تحفے میں دیں۔ محمد بختیار جب شاہی دربار سے باہر نکلا تو اس نے رقم اور اشیاء جو اسے بادشاہ سے ملی تھیں غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں اور شاہی خلعت پہنے ہوئے اپنے گھر واپس آیا۔ یہ امر محمد بختیار کی دلیری کا مزید ثبوت ہے۔

لکھنوتی اور بنگالہ کی حکومت

دوسرے روز سلطان قطب الدین ایبک نے محمد بختیار کو بہار اور لکھنوتی کی حکومت عطا کی اور سراپردہ سرخ مع طبل و علم مرحمت فرمایا۔ بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ لکھنوتی سے مراد ہندوستان کا وہ حصہ ہے جو کور اور بنگالہ سے لے کر دریائے گنگا تک پھیلا ہوا ہے' لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ کورے سے لے کر بہار کی سرحد تک لکھنوتی ہے۔ اور کور کی دوسری طرف بنارس اور دریائے گنگا تک کا علاقہ بنگالہ یا بنگ کہلاتا ہے۔

راجہ لکھمنہ

اس کے بعد محمد بختیار اس نواح میں پہنچا اور بنگالہ اور لکھنوتی کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس علاقے پر لکھمنہ (رائے لکھمن کا بیٹا) حکمران تھا' مورخین کا بیان ہے کہ رائے لکھمن کا پایہ تخت لکھنوتی کا ایک شہر "توریا" تھا۔ راجہ کی بیوی بہت ہی عقل مند اور صاحب دانش عورت تھی جب یہ رانی حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہونے کا دن آیا تو توریا کے برہمن نجومی پیدا ہونے والے بچے کا زائچہ تیار کرنے کے لیے راجہ کے محل میں آئے۔ انہوں نے بتایا کہ اگر بچہ اسی وقت پیدا ہو گیا تو وہ بہت ہی ظالم اور بد نصیب ہو گا' لیکن اگر اس کی ولادت دو گھڑی بعد ہوئی تو وہ صاحب اقبال اور نیک سیرت ہو گا اور دیر تک حکمرانی کرے گا۔"

لکھمنہ کی پیدائش اور تخت نشینی

یہ سن کر رانی کے دل میں خیال آیا کہ بہتر یہی ہے کہ اس کا بچہ دو گھڑی بعد پیدا ہو۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ اس کے دونوں پاؤں باندھ کر اسے الٹا لٹکا دیا جائے۔ رانی کے حکم کی تعمیل کی گئی اس طرح دو گھڑی تک بچہ پیدا نہ ہو سکا بعد میں جب بچہ پیدا ہوا تو رانی اس کو جنم دے کر خود وفات پا گئی۔ راجہ لکھمن اور اراکین دولت نے نومولود کا نام لکھمنہ رکھا اور ایک دایہ کو اس کی پرورش و نگہداشت پر مقرر کیا۔ راجہ لکھمن کی وفات کے بعد لکھمنہ تخت نشین ہوا اور ایک عرصے تک حکومت کرتا رہا۔ راجہ لکھمنہ بہت ہی منصف مزاج' عالی ظرف اور سخی فرماں روا تھا۔ وہ کبھی کسی پر ظلم نہ کرتا اور جب کبھی کسی کو انعام دیتا تو وہ ایک لاکھ روپے سے کم نہ ہوتا۔

نجومیوں کی بروقت تنبیہہ

قاضی منہاج السراج جرجانی نے لکھا ہے کہ نجومیوں اور برہمنوں نے راجہ لکھمنہ کو بتایا کہ پرانی کتابوں میں یہ درج ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ یہ ملک ترکوں کے قبضے میں چلا جائے گا۔ وہ زمانہ اب قریب آ رہا ہے بہتر یہی ہے کہ تم ہماری رائے پر عمل کرو تاکہ ہم سب ہندو اس ملک سے جلا وطن ہو کر کہیں اور چلے جائیں اور ترکوں کے دست تصرف سے محفوظ رہیں۔ اس پر راجہ نے برہمنوں سے پوچھا کہ۔ "کیا قدیم کتابوں میں اس شخص کی کوئی نشانی بھی بتائی گئی ہے کہ جو ہمارے ملک کو فتح کرے گا؟" برہمنوں نے جواب دیا "ہاں! بعض قدیم کتابوں میں یہ آیا ہے کہ اس ملک کا فاتح جب کھڑا ہو کر اپنے ہاتھوں کو چھوڑے گا تو اس کی انگلیاں پنڈلیوں تک پہنچ جائیں گی۔"

راجہ اور برہمنوں کی پریشانی

راجہ لکھمنہ نے اپنے معتبر درباریوں کو ایسے آدمی کا سراغ لگانے کے لیے روانہ کیا۔ بہت تلاش و جستجو کے بعد راجہ لکھمنہ کے آدمیوں نے پتہ لگایا کہ محمد بختیار خلجی میں وہ علامت پائی جاتی ہے کہ جو برہمنوں نے بیان کی تھی۔ ان لوگوں نے راجہ کو اطلاع دی اس سے راجہ اور تمام برہمن پریشان ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کے مطابق تباہی اور بربادی کا وقت آن پہنچا ہے۔

شہر نودیا پر بختیار کا حملہ

سارے برہمن تو جلد از جلد "جگناتھ" کامرود اور بنگالہ کے سرحدی مقامات کی طرف روانہ ہو گئے لیکن لکھمنہ نے اپنے موروثی ملک سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور اسی وجہ سے اس نے برہمنوں کا ساتھ نہ دیا۔ اسی دوران میں محمد بختیار نے راجہ کے ملک پر حملہ کر دیا۔ محمد بختیار نے اس سلسلے میں اتنی عجلت سے کام لیا کہ اس سے پہلے کہ راجہ کو اس کی آمد کی خبر ملتی وہ خود ہی راجہ کے سر پر آن پہنچا۔ راجہ کو جس وقت محمد بختیار کی آمد کی اطلاع ملی وہ اس وقت کھانا کھانے کے لیے بیٹھا ہی تھا' یہ خبر سنتے ہی وہ فوراً محل کے پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

بختیار کی فتوحات

شہر نودیا' لکھنوتی اور بنگالہ کے درمیان واقع ہے۔ محمد بختیار نے اس میں بہت تباہی و بربادی مچائی کہ بستا ہوا شہر ویران ہو گیا۔ بختیار نے لکھنوتی کے ساتھ ساتھ بنگالہ کے بہت سے پرگنوں پر بھی قبضہ کر لیا' اس کے علاوہ جاج نگر بہار دیو کوٹ اور بار سوئی میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

رنگ پور کی بنیاد

محمد بختیار نے بنگالہ کی سرحد پر شہر نودیا کی جگہ ایک دوسرا شہر آباد کیا اور اس کا نام "رنگ پور" رکھا۔ بختیار نے اس کو پایہ تخت بنایا اور یہاں بہت سی نئی عمارتیں تعمیر کروائیں مسجدیں خانقاہیں اور مدرسے بنوائے' ہندو مذہب کی جگہ مذہب اسلام کے احکامات کو رائج کیا۔ ان دنوں بختیار کے ہاتھ میں جو مال غنیمت آیا' اس میں سے تمام اعلیٰ اور گراں قدر چیزیں الگ کر لی گئیں۔ بختیار نے ان اشیاء کو سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں بھجوایا اور اس طرح اپنی پاکیزہ نفسی اور نیک چلنی کو زمانے پر ظاہر کر دیا۔

تبت کو فتح کرنے کا ارادہ

چند سال کے اندر اندر سارا ملک بختیار کے قبضے میں آ گیا اور بنگالہ کے تمام زمین دار اور راجگان اس کے اطاعت گذار اور بہی خواہ ہو گئے۔ اس کامیابی کے بعد محمد بختیار نے تبت اور ترکستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے سپہ سالار محمد شیر خاں کو جاج نگر' لکھنوتی اور دیگر ممالک کی حفاظت کے لیے اپنا نائب مقرر کیا۔ اس کے بھائی کو جو ایک نامی گرامی امیر تھا اس کا معاون بنایا اور ایک دوسرے امیر علی مردان خلجی کو بار سول اور دیو کوٹ کا منتظم مقرر کیا۔ ان انتظامات کے بعد محمد بختیار بارہ ہزار جنگجو سپاہیوں کا لشکر لے کر اس کوہستان کی طرف روانہ ہوا جو لکھنوتی اور تبت کے درمیان واقع ہے۔

بختیار ابروہن میں

اس کوہستان میں تین قومیں آباد ہیں اول منج دوم کونچ اور سوم بہار' لیکن یہ تینوں قومیں شکل و صورت اور طرز معاشرت کے اعتبار سے ترک معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی زبان بھی ترکی اور ہندی مخلوط صورت ہے۔ محمد بختیار نے راہبری کے لیے منج قوم کے ایک سردار کو اپنے ساتھ لیا جو سرحدی ہندوستان کا باشندہ تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ یہ رہبر محمد بختیار کو ایک شہر میں لے آیا جس کا نام ابروہن تھا۔

دریائے تیمکری

ابروہن شہر کے سامنے ایک دریا بہتا تھا جس کی لمبائی' چوڑائی اور گہرائی دریائے گنگا سے چار گنا زیادہ تھی اس دریا کا نام تیمکری تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب گشتاسب نے ترکستان کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے شہر ابروہن آباد کیا تھا۔ دریائے تیمکری پر (جس کو عبور کرنے کے لیے دس (۱۰) روز لگتے ہیں) اس نے تختوں کا ایک پل بنایا تھا اور اس کے ذریعے کامرود پہنچا تھا۔

راجہ کامرود کی بروقت تنبیہہ

محمد بختیار نے اپنے رہبر (جس کا نام علی منج تھا) کی رائے سے پل کے ذریعے دریا کو پار کر کے تبت پہنچنے کا ارادہ کیا اس مقصد سے وہ دشوار گذار پہاڑی راستے کو طے کرتا ہوا پل کے پاس پہنچا۔ بختیار نے اپنے دو امیروں کو جن میں سے ایک خلجی اور دوسرا ترک تھا۔ پل کی حفاظت پر مقرر کیا اور خود دریا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ راجہ کامرود' بختیار خلجی کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا' اسے جب معلوم ہوا کہ بختیار نے دریا پار کر لیا ہے تو اس نے بختیار کو یہ پیغام بھجوایا تبت کے تمام راستے بہت ہی دشوار گذار اور خطرات سے پر ہیں تمام سرحدی قلعے بہت ہی مستحکم ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس سال آپ تسخیر تبت کا ارادہ ترک کر دیں۔ آئندہ سال میں خود آپ کے ساتھ اس مہم میں حصہ لوں گا اور آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا۔"

شہر اور قلعے کا محاصرہ

محمد بختیار کے برے دن آ چکے تھے اس لیے اس نے راجہ کے پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی اور جلد از جلد تبت کی طرف روانہ ہوا۔ پندرہ

دن تک دشوار گذار راستہ طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر ایک جنگل میں پہنچا اور پھر وہاں سے شہر کا رخ کیا' محمد بختیار نے شہر اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے پوری قوت سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ صبح سے لے کر شام تک فریقین میں معرکہ آرائی ہوتی رہی' اہل شہر نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو زخمی کیا اور انہیں شہر اور قلعے سے باہر نکال دیا۔

شہر کرسین کی کیفیت

اس شہر کے باشندے تیر اندازی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی کمانیں بڑی بڑی اور خانہ دار تھیں' نیزوں کا استعمال یہ لوگ بہت کم کرتے تھے' معرکہ آرائی کی رات کو محمد بختیار نے قلعے کے قریب ہی قیام کیا۔ اس ملک کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ اسے معلوم ہوا کہ اس جگہ سے پندرہ کوس کے فاصلے پر کرسین نامی ایک شہر آباد ہے۔ جس میں پچاس ہزار جنگجو نیزہ باز ترک رہتے ہیں۔ اس شہر میں ہر روز ڈیڑھ ہزار گھوڑے فروخت ہوتے ہیں' بنگالہ اور لکھنوتی میں جس قدر گھوڑے بکنے کے لیے آتے ہیں وہ تاجر یہیں سے خرید کر لے جاتے ہیں۔

محمد بختیار کی واپسی

راستے کی دشواری اور معرکہ آرائی کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی۔ اب وہ اس قابل نہ تھے کہ زبردست دشمن سے مزید لڑائی کرتے لہٰذا انہوں نے واپسی ہی میں اپنی خیریت دیکھی۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہ گئی تو مسلمانوں نے اس جگہ سے کوچ کیا اور واپس روانہ ہوئے۔ تبت کے باشندوں نے راستے میں مسلمانوں کو طرح طرح سے پریشان کیا' اس پر غلے اور چارے کی کمی مسلمانوں کے حق میں مزید زحمت ثابت ہوئی۔ الغرض محمد بختیار انتہائی پریشانی اور تباہ حالی کے عالم میں اپنے پراگندہ حال لشکر کے ساتھ کامرود پہنچا۔

مشکلیں ہی مشکلیں

کامرود پہنچ کر محمد بختیار کو ایک اور مصیبت سے سامنا کرنا پڑا۔ اس نے پل کی حفاظت کے لیے جن دو امیروں کو مقرر کیا تھا وہ وہاں موجود نہ تھے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں آپس میں لڑ جھگڑ کر یہاں سے چلے گئے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو ان دونوں امیروں نے بہت تنگ کیا تھا اس لیے ان لوگوں نے غصے میں آ کر پل کے دو طاقوں کو گرا دیا ایسی صورت میں دریا کو عبور کرنا سخت مشکل تھا۔ محمد بختیار اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا آخر کار یہ طے ہوا کہ لکڑی اور رسی تیار کی جائے اور اس کی مدد سے دریا کو پار کیا جائے۔ ان اشیاء کی دستیابی کے لیے آدمی دوڑائے گئے' اس دوران میں سارا لشکر قریب کے ایک مندر میں جو بہت بلند اور مضبوط تھا قیام پذیر ہوا۔

راجہ کامرود کا ارادہ

مسلمانوں کے لشکر کی پراگندہ حالی اور محمد بختیار کی پریشانی کی اطلاع جب کامرود کے راجہ کو ہوئی تو اس نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور اپنی فوج اور رعایا کو حکم دیا کہ چونکہ مسلمانوں سے میدان میں جنگ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے مندر پر ایک بار حملہ کر کے اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں اور کسی کو باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ اس طرح تمام مسلمان مندر کے اندر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جائیں گے۔

دریا عبور کرنے کی تدبیر

محمد بختیار کو راجہ کے اس ارادے کی اطلاع ہو گئی اور وہ فوراً اپنے لشکر کے ساتھ مندر سے باہر نکل آیا اور دریا کے کنارے مقیم ہو کر دریا کو عبور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اسی دوران میں ایک سوار دریا میں کود گیا اور دریا کو پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اس سے مسلمانوں نے یہ اندازہ کیا کہ دریا پایاب ہے اور اسے بغیر کسی پل کی مدد کے بھی باسانی پار کیا جا سکتا ہے۔

لشکر کی غرقابی

مسلمان اس وقت عجیب پریشانی کے عالم میں تھے انہیں یہ بھی خوف تھا کہ دشمن ان کا تعاقب کر رہا ہے اور اگر وہ سر پر پہنچ گیا تو حالات نازک ہو جائیں گے یہ سوچ کر سارا لشکر دریا میں کود گیا۔ محمد بختیار مع ایک سو سپاہیوں کے صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ گیا' لیکن باقی سارا لشکر دریا کی بے رحم موجوں کے ہاتھوں موت کی آغوش میں چلا گیا۔ یہ ایسا جانکاہ حادثہ تھا کہ اس پر جس قدر افسوس بھی کیا جائے کم ہے۔

محمد بختیار کی بیماری

محمد بختیار خلجی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دیوکوٹ پہنچا' اسے اپنی مہم کی ناکامی اور اپنے لشکر کی تباہی کا بہت زیادہ غم تھا' اس غم میں گھل گھل کر وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں سلطان معزالدین محمد سام کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا محمد بختیار بیماری کی حالت میں بار بار یہ کہتا تھا۔ "سلطان معزالدین محمد سام کے قتل کی وجہ سے زمانے نے مجھ سے بے وفائی کی ہے۔"

محمد بختیار کا انتقال

محمد بختیار کے لشکر کی تباہی کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی۔ جن لوگوں کے عزیز دریا میں غرق ہوئے تھے وہ جوق در جوق دیوکوٹ میں آنے لگے اور برسرعام محمد بختیار کو گالیاں دینے لگے۔ اس کا اثر بختیار کی صحت پر بہت برا ہوا اور آخر کار ۶۰۲ھ میں وہ غم و آلام کے ہاتھوں لقمہ اجل ہو گیا۔

طبعی موت یا قتل

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ محمد بختیار خود اپنی موت نہیں مرا بلکہ اسے قتل کیا گیا۔ جب علی مردان خلجی کو مذکورہ بالا حادثے کی اطلاع ملی تو وہ دیوکوٹ میں آیا اور محمد بختیار کے مکان پر پہنچا۔ بختیار اس وقت لیٹا ہوا تھا' علی مردان نے اس کے منہ سے چادر ہٹائی اور اس کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا۔ بہرحال واقعہ جو کچھ بھی ہو محمد بختیار کی وفات کے بعد اس کی لاش بہار میں لائی گئی اور اسے وہاں سپرد خاک کر دیا گیا۔

محمد بختیار کے بعد اس ملک پر دہلی کے سلاطین اور بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان کا حال شاہان دہلی کے تذکرے میں رقم کیا جا چکا ہے۔

سلطان فخرالدین

ملک فخرالدین بنگالہ کے حاکم قدر خاں کا سلحدار تھا اور اس کی تلوار اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ قدر خاں نے سنار گاؤں میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ۷۳۹ ہجری میں فخرالدین نے قدر خاں کے تمام سامان جاہ و حشم پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو سلطان فخرالدین کے نام سے مشہور کیا اور ملک میں اپنا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔

قدر خاں حاکم لکھنوتی کا حملہ اور فخرالدین کا فرار

سلطان محمد تغلق کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حاکم لکھنوتی قدر خاں کو اعز الدین بخشی' امیر کوہ اور دوسرے نامی گرامی امیروں کے ساتھ فخرالدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا فریقین میں جنگ ہوئی۔ فخرالدین شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور دور دراز کے جنگلوں میں چلا گیا۔ اس کے تمام گھوڑے اور ہاتھی قدر خاں کے قبضے میں آ گئے' قدر خاں نے یہیں قیام کیا اور دیگر امیر اپنی اپنی جاگیروں کو واپس چلے گئے۔

دوبارہ تخت نشینی

قدر خاں نے ہر ممکن طریقے سے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ جب دہلی پہنچے تو بادشاہ کے سامنے روپے کا ڈھیر لگا دے اس طرح اپنی کارگذاری کا لوہا منوائے۔ ملک فخرالدین کو اس کی اطلاع ہو گئی اور اس نے خفیہ طور پر اپنے قاصدوں کو اہل لشکر کے پاس بھیجا اور ان سے ساز باز کی' فخرالدین نے لشکریوں سے یہ وعدہ کیا کہ "جب میں قدر خاں کو مغلوب کر لوں گا تو وہ تمام روپیہ جو اس نے جمع کر رکھا ہے اہل لشکر میں تقسیم کر دوں گا۔ اس کے بعد فخرالدین' اپنے لشکر کے ساتھ جنگل سے نکلا اور سنار گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر باغی امیروں نے قدر خاں کو قتل کر دیا اور تمام روپیہ اور خزانہ لے کر فخرالدین کے پاس پہنچ گئے۔ اس طرح بنگالہ کی حکومت دوبارہ فخر الدین کے ہاتھوں میں آ گئی۔

سنار گاؤں ------- پایہ تخت

فخرالدین نے اہل لشکر سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا اور تمام روپیہ جو قدر خاں نے جمع کیا تھا لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ فخرالدین نے سنار گاؤں کو اپنا پایہ تخت بنایا اور حکومت کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔

لکھنوتی پر قبضے کی ناکام کوشش

فخرالدین نے مخلص نامی اپنے ایک غلام کو لکھنوتی پر قبضہ کرنے کے لیے مقرر کیا۔ مخلص ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا دوسری طرف سے قدر خاں کا سپہ سالار علی مبارک مقابلے پر آیا' اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مخلص سے جنگ کی۔ علی مبارک کو فتح حاصل ہوئی اور اس نے سلطان محمد تغلق کی خدمت میں فتح نامہ روانہ کیا اور ساتھ اس مضمون کا ایک عریضہ ارسال کیا کہ۔ اگر حکم ہو تو لکھنوتی کے انتظام کی ذمہ داری میں سنبھال لوں۔" محمد تغلق کو علی مبارک سے واقفیت نہ تھی اس لیے اس نے اس عریضے کا کوئی جواب نہ دیا اور دہلی کے داروغہ یوسف کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کر کے روانہ کر دیا۔

لکھنوتی میں انقلاب

یوسف جب لکھنوتی پہنچا تو وہاں اس کا انتقال ہو گیا اس طرح لکھنوتی کی حکومت خود بخود علی مبارک کے قبضے میں آ گئی اس نے اپنے

آپ کو "سلطان علاؤ الدین" کے نام سے مشہور کیا اسی دوران میں لکھنوتی کے نواح کے ایک امیر ملک الیاس نے تجربہ کار سپاہیوں کا ایک لشکر جمع کر کے لکھنوتی پر حملہ کر دیا۔ اس نے سلطان علاؤ الدین کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور سلطان شمس الدین کے نام سے حکومت کرنے لگا۔

فخرالدین کا قتل

۷۴۱ھ میں سلطان شمس الدین نے سنار گاؤں پر حملہ کیا اور سلطان فخرالدین کو زندہ گرفتار کر کے اپنے ساتھ لکھنوتی لے گیا وہاں اس نے سلطان فخرالدین کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

نظام الدین احمد بخشی کا بیان

نظام الدین احمد بخشی نے اپنی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ ملک فخرالدین قدر خاں کا سلاح دار تھا۔ لکھنوتی میں اس نے اپنے آقا کو قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ فخرالدین نے مخلص نامی اپنے ایک غلام کو لکھنوتی کی فتح کے لیے نامزد کیا۔ قدر خاں کے سپہ سالار علی مبارک نے مخلص کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور اس کے تمام اسباب شان و شکوہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان فخرالدین کو چونکہ حکومت نئی نئی ملی تھی اس لیے وہ اہل ملک کی طرف سے مطمئن نہ تھا' اس وجہ سے وہ علی مبارک پر حملہ کر کے اس کے فتنے کو ختم نہ کر سکا۔ ۷۴۱ھ میں فخر الدین نے لکھنوتی پر حملہ کیا' علی مبارک المشہور بہ سلطان علاؤ الدین نے اس کا مقابلہ کیا۔ دوران جنگ میں فخرالدین شمس کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو کر مارا گیا۔ فخرالدین کی مدت حکومت دو سال اور چند ماہ ہے۔

علی مبارک المشہور بہ سلطان علاؤ الدین

سلطان فخرالدین کو قتل کرنے کے بعد علی مبارک نے لکھنوتی میں تھانے بٹھائے اور بنگالہ کی طرف بڑھا۔ کچھ دنوں بعد ملک حاجی الیاس نے (جس کا بسایا ہوا شہر حاجی پور اب تک موجود ہے) علی مبارک کے لشکر کو اپنے ساتھ ملا کر لکھنوتی اور بنگالہ پر قبضہ کر لیا۔ حاجی الیاس نے علی مبارک کو قتل کر دیا اور اس کی جگہ سلطان شمس الدین کے نام سے خود تخت پر بیٹھا۔

علی مبارک کی مدت حکومت ایک سال اور پانچ ماہ ہے۔

حاجی الیاس المشہور بہ سلطان شمس الدین

سلطان علاؤ الدین کے قتل کے بعد لکھنوتی اور بنگالہ پر حاجی الیاس نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنا نام "سلطان شمس الدین بھنگرہ" رکھا۔ لفظ بھنگرہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس بارے میں راقم الحروف مورخ فرشتہ کو معلوم نہیں ہو سکا۔ اپنی تخت نشینی کے کچھ دنوں بعد شمس الدین نے جاج نگر کی طرف توجہ کی۔ یہ ملک محمد بختیار خلجی کے بعد مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا تھا' شمس الدین نے جاج نگر سے بڑے ہاتھی حاصل کیے اور واپس آیا۔

فیروز شاہ کا حملہ

تیرہ برس اور تین مہینوں تک سلطان شمس الدین بڑے اطمینان سے حکومت کرتا رہا اور شاہان دہلی نے کبھی اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی اور نہ ہی اس کے ملک کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ ۷۵۴ھ میں شوال کی دسویں تاریخ کو فیروز شاہ دہلی سے ایک لشکر جرار لے کر لکھنوتی پر حملہ آور ہوا۔ شمس الدین کو جب اس کی خبر ملی تو وہ قلعہ اکنالہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ فیروز شاہ اکنالہ کی طرف روانہ ہوا جب وہ قلعے کے قریب پہنچ گیا تو سلطان شمس الدین نے قلعے سے باہر نکل کر فیروز شاہ سے جنگ کی۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی اور دونوں

طرف کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ آخر کار شمس الدین میں لڑنے کی ہمت نہ رہی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ فیروز شاہ نے شمس الدین کے ان ہاتھیوں پر قبضہ کر لیا کہ جو وہ جاج نگر سے لایا تھا اس کے کچھ دنوں بعد برسات کا موسم شروع ہو گیا اور فیروز شاہ دہلی واپس روانہ ہو گیا۔

فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کش

۷۵۵ھ میں سلطان شمس الدین نے اپنے شیریں زبان قاصدوں کے ہاتھ ۔سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کش روانہ کی۔ فیروز شاہ ان قاصدوں سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور واپسی کی اجازت دی۔

انتقال

۷۵۹ ہجری میں سلطان شمس الدین نے دوبارہ ملک تاج الدین کو بہت قیمتی تحفے تحائف کے ساتھ دہلی روانہ کیا۔ فیروز شاہ نے اس بار بھی شمسی قاصد کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا اور کچھ دنوں کے بعد ملک سیف الدین شحنہ پیل کو تازی و ترکی گھوڑوں اور دیگر گراں قدر تحفوں کے ساتھ شمس الدین کے پاس بھیجا۔ لیکن ملک سیف الدین اور ملک تاج الدین ابھی راستے ہی میں تھے کے سلطان شمس الدین کا انتقال ہو گیا۔

سلطان شمس الدین کی مدت حکومت سولہ سال اور چند مہینے ہے۔

سکندر شاہ بن سلطان شمس الدین

سلطان شمس الدین کی وفات کے تیسرے روز تمام امیروں اور اراکین سلطنت کے باہمی مشورے سے مرحوم بادشاہ کا بڑا بیٹا سکندر شاہ تخت نشین ہوا۔ سکندر بہت ہی نیک اور منصف مزاج بادشاہ تھا اور وہ ہر معاملے میں سلطان فیروز شاہ کی رضاجوئی کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد پچاس ہاتھی اور دوسرے بہت سے قیمتی تحفے فیروز شاہ کی خدمت میں بطور نذرانہ عقیدت روانہ کیے۔

فیروز شاہ کی لشکر کشی

۷۶۰ھ میں سلطان فیروز شاہ نے بنگالہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک عظیم الشان لشکر لے کر لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان سکندر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے قلعے کو مستحکم کیا۔ جب فیروز مظفر آباد پہنچا تو سکندر شاہ نے اپنے باپ کی تقلید کی' حصار اکدالہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ سکندر شاہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فیروز شاہ کا مقابلہ کرتا اس لیے اس نے سالانہ پیش کش ادا کرتے رہنے کا وعدہ کر کے فیروز شاہ کے دست تصرف سے نجات پائی اور اسے اپنے ملک سے رخصت کیا۔

فیروز شاہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ سلطان سکندر نے سینتیس ہاتھی اور دوسرے بہت سے قیمتی تحائف اس کی خدمت میں ارسال کیے اور معذرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سکندر نے اپنے باپ کی روش اختیار کی اور باقی تمام عمر عیش و عشرت سے گزاری۔

سکندر کی مدت حکومت نو سال اور چند مہینے ہے۔

غیاث الدین بن سکندر شاہ

سکندر کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین باپ کا جانشین ہوا' اس نے بھی اپنے باپ دادا کی روش اختیار کی اور ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری۔ اس کا انتقال ۷۷۵ ہجری میں ہوا۔

غیاث الدین کی مدت حکومت سات سال اور چند ماہ ہے۔

سلطان السلاطین بن غیاث الدین

سلطان غیاث الدین کی وفات کے بعد امراء اور اراکین سلطنت نے اس کے بیٹے کو سلطان السلاطین کا خطاب دے کر تخت پر بٹھایا۔ یہ فرماں روا بہت ہی نیک طبیعت' بہادر اور رعایا پرور تھا' تمام امراء اور وزراء اس کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی وجہ سے ہروقت محتاط رہتے تھے اور کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتے تھے۔ سلطان السلاطین اپنی عادات اور اطوار کے لحاظ سے بھی پسندیدہ شخصیت رکھتا تھا اس نے زندگی بھر کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اخلاقی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ آس پاس کے تمام راجہ بادشاہ کے اطاعت گزار تھے اور وقت مقرر پر مال گذاری کی رقم ادا کر دیتے تھے اس سلسلے میں انہوں نے کبھی تاخیر نہیں کی۔ سلطان السلاطین نے ۷۸۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا' اس نے دس سال حکومت کی۔

شمس الدین ثانی بن سلطان السلاطین

سلطان السلاطین کے انتقال کے بعد امراء اور اراکین سلطنت نے اس کے بیٹے کو شمس الدین ثانی کا خطاب دے کر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ شمس الدین کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے حکومت کے کاموں کو انجام دینے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اور اس وجہ سے اس کے عہد حکومت میں کانس نامی ایک ہندو امیر نے بہت زیادہ اقتدار حاصل کر لیا اور ملک کا تمام انتظام اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شمس الدین نے ۷۸۷ ہجری میں انتقال کیا تو اس کی جگہ کانس نے قبضہ کر لیا اور وہ بنگالہ اور لکھنوتی کا فرمانروا بن بیٹھا۔

راجہ کانس

راجہ کانس اگرچہ مسلمان نہ تھا' لیکن وہ مسلمانوں سے محبت کرتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر امیروں نے راجہ کے مسلمان ہونے کی گواہی دی اور اس کے انتقال کے بعد امیروں نے یہ طے کیا کہ راجہ کو مسلمانوں کے طریقے کے مطابق دفن کیا جائے۔ راجہ کانس نے سات سال تک بڑے شان و شکوہ سے حکومت کی اور اس کا بیٹا مسلمان ہو کر تخت پر بیٹھا۔

سلطان جلال الدین چن مل ولد راجہ کانس

قبول اسلام

جب راجہ کانس کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے چن مل نے تمام امیروں اور اراکین سلطنت کو جمع کیا اور ان سے کہا۔ "مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ سب سے اچھا اور بہتر مذہب اسلام ہے۔ لہذا میں علانیہ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہوں اگر تمہیں یہ منظور ہے تو مجھے اپنا فرمانروا منتخب کر لو ورنہ میرے چھوٹے بھائی کو تخت نشین کر دو۔" اس کے جواب میں امیروں نے کہا۔ "ہم تو حضور کے خادم اور بہی خواہ ہیں' آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کریں۔ تبدیلی مذہب آپ کا ذاتی معاملہ ہے' کیونکہ مذہب کو دنیاوی امور سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" اس کے بعد چن مل نے لکھنوتی کے تمام عالموں اور فاضلوں کو بلایا اور ان کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

عدل و انصاف

چن مل نے اپنا نام بدل کر سلطان جلال الدین رکھا اور تخت نشینی کے بعد ایسی عمدگی سے حکومت کی کہ رعایا اس کو دل و جان سے چاہنے لگی۔ وہ نہایت عادل اور منصف مزاج تھا اور اس وجہ سے اگر اسے نوشیرواں ثانی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

جلال الدین نے سترہ سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلطان احمد بن سلطان جلال الدین

سلطان جلال الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ احمد شاہ نے بھی اپنے باپ کی طرح رعایا کی خبر گیری اور نگہداشت کو اپنا مقصد بنایا اور اس طرح بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سولہ برس تک حکومت کی۔ اس کا انتقال ۸۳۰ھ میں ہوا۔

ناصر الدین غلام

سلطان احمد کی وفات کے بعد ناصر الدین نام کے ایک غلام نے سلطنت و حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی نمک حرامی کو اپنا شعار بنایا اور ملک کے وارثوں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وجہ سے دین اور دنیا دونوں میں اس کا منہ کالا ہوا۔

ناصر الدین نے سات دن تک حکومت کی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کی مدت حکومت صرف نصف دن ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو خاندان بھنکرہ کے امیروں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ناصر الدین کے بعد ناصر شاہ جو سلطان شمس الدین بھنکرہ کی نسل سے تھا اپنے موروثی تخت پر بیٹھا۔

ناصر شاہ بن شاہ بھنکرہ

قسمت کی نیرنگی

دنیا کی تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ سلاطین بھنکرہ کی حکومت ختم ہونے کے ایک طویل عرصے بعد دوبارہ حکومت اس خاندان میں منتقل ہوئی اور اس خاندان کی پہلی شان و شوکت جو زمانے کی گردش کے ہاتھوں افسانہ بن گئی تھی از سر نو زندہ ہوئی۔ ناصر شاہ ایک کسان کے گھر رہتا تھا اور زراعت کا پیشہ تھا۔ حکومت کا خیال کبھی اس کے دل میں بھول کر بھی نہ آیا تھا' لیکن قسمت نے اس کی یاوری کی اور آخر کار وہ صاحب تاج و تخت ہو کر بنگالہ اور لکھنوتی کا فرماں روا تسلیم کیا گیا۔

عمدہ کردار

ناصر شاہ اپنی عادات و اطوار کے لحاظ سے نہایت عالی مرتبہ انسان تھا۔ راجہ کانس اور سلطان جلال الدین کے زمانے میں بھنکرہ خاندان کے جو متعلقین اور ملازم ادھر ادھر چلے گئے تھے انہیں جب ناصر شاہ کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو وہ فوراً شاہی دربار میں حاضر ہو گئے۔ کچھ ہی عرصے میں ناصر شاہ کے گرد ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا اور اس کی اچھی عادتوں کی وجہ سے تمام رعایا اس کی گرویدہ ہو گئی۔

انتقال

سلطنت بنگالہ اور سلطنت دہلی کے درمیان سلاطین شرقیہ کی مملکت تھی اس لیے ناصر شاہ کو دہلی کی طرف سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اور اس نے بتیس سال تک بڑے اطمینان سے حکومت کی۔ ناصر شاہ نے ۸۶۳ ہجری میں انتقال کیا۔

باربک شاہ بن ناصر شاہ

ناصر شاہ بن شاہ بھنکرہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا باربک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں رعیت اور لشکری آسودہ حال رہے۔ باربک ہندوستانی بادشاہوں میں پہلا ہے کہ جس نے حبشیوں پر نگاہ التفات ڈالی اور انہیں اعلیٰ مراتب تک پہنچایا۔ اس نے اپنے دربار میں آٹھ ہزار حبشی جمع کیے اور انہیں حکومت کے اعلیٰ عہدے (وکالت' امارت اور وزارت وغیرہ) عطا کیے۔ گجراتی اور دکنی فرماں

رواؤں نے بھی باربک کی تقلید کی اور حبشیوں کی سرپرستی کی۔ باربک نے سترہ سال تک امن و امان اور عیش و عشرت سے حکومت کرنے کے بعد ۸۷۹ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

یوسف شاہ بن باربک شاہ

باربک شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یوسف شاہ تخت نشین ہوا اور اس نے بھی عدل و انصاف کو اپنا شعار بنایا، علم و فضل اور انتظام سلطنت میں یہ فرماں روا اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں مذہبی احکام سختی سے نافذ تھے۔ کسی شخص کو علانیہ شراب خوری کی ہمت نہ تھی اور نہ ہی کوئی بادشاہ کے کسی حکم کی تعمیل میں تاخیر کر سکتا تھا۔ یوسف نے ایک روز علماء کو اپنی خدمت میں طلب کیا اور ان سے کہا۔ "مقدمات کا فیصلہ کرنے میں تم کبھی کسی کی رو رعایت نہ کرنا ورنہ مجھ میں اور تم میں بن نہ سکے گی۔" مذہبی علم میں بھی یوسف یگانہ روزگار تھا اور ایسے مسائل جو قاضیوں سے حل نہ ہوتے تھے انہیں خود حل کرتا تھا۔ اس نے سات برس تک حکومت کرنے کے بعد ۸۸۷ھ میں انتقال کیا۔

سکندر شاہ

یوسف شاہ کے انتقال کے بعد امراء اور اراکین سلطنت نے باہمی اتفاق سے سکندر شاہ کو تخت نشین کیا۔ سکندر شاہ میں فرماں روائی کی قطعاً اہلیت نہ تھی اس لیے اسے معزول کر کے فتح شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔

فتح شاہ

علم دوستی

کہا جاتا ہے کہ فتح شاہ بہت ہی پڑھا لکھا فرماں روا تھا۔ اس نے دوسرے بادشاہوں کی طرح امراء اور اراکین سلطنت کو ان کی حیثیت کے مطابق نوازا۔ وہ حبشی غلام جنہوں نے باربک شاہ اور یوسف شاہ کے زمانے میں بہت اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ وہ اب اپنی حیثیت سے بڑھ کر بے اعتدالیاں کرنے لگے۔ فتح شاہ نے بڑی خوش اسلوبی سے اس فتنے کا سد باب کیا۔

فتح شاہ کے خلاف سازش

اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ رات کے وقت بادشاہی محل پر پانچ ہزار سپاہی پہرہ دیتے تھے اور جب بادشاہ سو کر اٹھتا تو یہ سپاہی سلام کر کے رخصت ہو جاتے اور ان کی جگہ دوسرے سپاہی آ جاتے تھے۔ ان سپاہیوں کی ایک جماعت مدت سے آمادۂ بغاوت تھی، یہ لوگ اپنے ہم قبیلہ امیر مسی سلطان شہزادہ کے پاس گئے جو نوبتیوں کا سردار اور شاہی محلات کا کلید بردار تھا۔ باغی سپاہیوں نے سلطان شہزادہ سے درخواست کی کہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے اور فتح شاہ کو معزول کر دے۔ سلطان شہزادہ تو دل و جان سے یہی چاہتا تھا اس نے سپاہیوں کی درخواست قبول کر لی۔

اتفاق سے ان دنوں خان جہاں ملک الامراء ملک اندیل لشکر کے بہترین حصے کے ساتھ گرد و نواح کے راجاؤں کی سرکوبی کے لیے گیا ہوا تھا۔ سلطان شہزادہ نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور اس نے باربکوں اور خواجہ سراؤں کی مدد سے ۸۹۶ھ میں فتح شاہ کو تہ تیغ کر دیا۔ دوسرے روز وہ بنگالہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔

فتح شاہ کی مدت حکومت سات سال اور پانچ ماہ ہے۔

سلطان باربک

سفلہ مزاجوں کا ہجوم

سلطان شہزادہ نے اپنے آقا فتح شاہ کو قتل کرنے کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور سلطان باربک کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ باربک کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجہ سرا جو ادھر ادھر آوارہ پھر رہے تھے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس طرح اس کمینہ خصلت فرماں روا نے بہت سے اپنے جیسے ذلیل اور سفلہ مزاج لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔

امراء کا استیصال اور ملک اندیل کی آمد

رفتہ رفتہ باربک کے شان و شکوہ میں اضافہ ہوتا گیا اور اس نے امراء کے استیصال کا ارادہ کیا کہ جو صاحب جمعیت تھے' ملک کے امیروں کا سردار ملک اندیل حبشی ان دنوں سرحدی علاقے میں تھا اسے جب باربک کے خطرناک ارادوں کا علم ہوا تو اس نے طے کیا کہ پایہ تخت پہنچ کر اس نمک حرام خواجہ سرا کو سزا دے۔ اتفاق سے انہیں دنوں باربک نے جس کے سر پر موت سوار تھی' ملک اندیل کو اس مقصد سے پایہ تخت پر طلب کیا کہ اسے قید میں ڈال دے۔ ملک اندیل اس طلبی سے بہت خوش ہوا اور وہ ایک اچھا خاصا لشکر لے کر باربک کے پاس آیا۔

ملک اندیل اور باربک کی ملاقات

ملک اندیل بڑی احتیاط کے ساتھ دربار میں آیا اس لیے باربک کو اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک روز باربک نے شاہی مجلس آراستہ کی اور دارالامارت میں دس بارہ افراد کو جمع کیا۔ ان سب کے سامنے باربک نے ملک اندیل کو بلایا اور اس سے سوال کیا۔ "میں نے ایک جماعت کو رضا مند کر کے فتح شاہ کو قتل کیا اور عنان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ میرے اس فعل کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"۔

عہد و پیمان

ملک اندیل نے اس کے جواب میں یہ مصرعہ پڑھا{

"ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود"

باربک یہ جواب پا کر بہت خوش ہوا اور اسی وقت ملک اندیل کو خلعت خاص' کمربند' خنجر مرصع اور چند ہاتھی گھوڑے عنایت کیے۔ باربک نے اس کے بعد ملک اندیل کو قرآن کی قسم دلا کر یہ وعدہ لیا کہ جب تک وہ (باربک) تخت نشین رہے گا۔ ملک اندیل اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا۔

باربک کے قتل کا منصوبہ

سلطان باربک کے خلاف خواجہ سراؤں کا ایک گروہ موجود تھا ملک اندیل نے ان لوگوں سے ساز باز کر کے باربک کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا اور موقعے کا انتظار کرنے لگا۔ ایک روز باربک شراب پی کر شاہی تخت پر سو گیا' ملک اندیل کو معلوم ہوا تو وہ حبشی دربانوں کو ساتھ لے کر باربک کو قتل کرنے کے لیے شاہی حرم سرا میں داخل ہوا۔ ملک اندیل نے جب یہ دیکھا کہ سلطان باربک شاہی تخت پر سوار ہو رہا ہے تو اسے اپنی قسم یاد آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسی دوران میں اتفاق سے باربک نے کروٹ بدلی اور تخت سے نیچے زمین پر گر پڑا۔

ملک اندیل اور باربک کی ہاتھاپائی

ملک اندیل نے اس واقعہ کو اپنی خوش قسمتی سمجھا اور باربک پر تلوار کا ایک وار کیا یہ وار کارگر نہ ہوا اور باربک ہوشیار ہو گیا۔ اس نے جب اپنے سامنے ننگی تلوار دیکھی تو وہ ملک اندیل سے لپٹ گیا اور اسے نیچے گرا کر خود اس کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ واضح رہے کہ باربک ملک اندیل سے زیادہ طاقت ور اور عظیم الجثہ تھا۔ نیچے سے ہاتھ بڑھا کر ملک اندیل نے باربک کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور انہیں کسی طرح نہ چھوڑا۔

ملک اندیل نے خرش خاں ترک کو جو باہر کھڑا ہوا تھا آواز دی۔ خرش خاں حبشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اندر آیا اس نے جب ملک اندیل کو باربک کے نیچے دیکھا تو اس نے تلوار چلانے سے احتراز کیا۔ اس پر ملک اندیل نے اس سے کہا "اگرچہ یہاں شمع گل ہو جانے کی وجہ سے تاریکی ہو رہی ہے اور ہم دونوں تمہیں پوری طرح نظر نہیں آ رہے' مگر تم بے خوف ہو کر باربک پر تلوار کا وار کرو۔ میں نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ رکھے ہیں اس کا جسم اس قدر چوڑا ہے کہ میں اس کے نیچے چھپا ہوا ہوں اور اس طرح وہ میری سپر بن گیا۔ لہٰذا تم اس پر تلوار چلاؤ' تلوار اس کے جسم سے گزر کر مجھ تک نہ پہنچ سکے گی۔ اگر بفرض محال مجھے نقصان پہنچ بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ سلطان فتح شاہ کے خون کا انتقام لینے میں اگر مجھ جیسے ہزار آدمیوں کی بھی جان چلی جائے تو کوئی بات نہیں۔"

جھوٹ موٹ کی "موت"

خرش خاں نے آہستہ آہستہ باربک پر تلوار کے وار کیے۔ باربک نے اپنے آپ کو جھوٹ موٹ "مردہ" بنا لیا اور ایک طرف گر گیا۔ ملک اندیل اور خرش خاں نے بھی یہی سمجھا کہ باربک مر گیا' لہٰذا وہ دونوں باہر آ گئے۔ تواچی خاں حبشی باہر کھڑا ہوا تھا اس نے ان لوگوں سے کہا تم کیا کام کر کے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے نمک حرام باربک کو ہمیشہ کے لیے سلا دیا ہے۔

تواچی حبشی' باربک کی خواب گاہ میں گیا اور اس نے وہاں شمع روشن کی۔ باربک نے یہ سمجھا کہ ملک اندیل آ گیا ہے لہٰذا وہ فوراً مخزن میں چھپ گیا۔ تواچی بھی مخزن کے اندر گیا' باربک نے دوبارہ اپنے آپ کو مردوں کی طرح گرا دیا' تواچی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ افسوس کہ غداروں نے ہمارے بادشاہ کو ختم کر دیا۔" باربک نے یہ آواز سنی اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی اس کا بہی خواہ ہے' لہٰذا اس نے فوراً حبشی سے کہا خاموش رہو۔ یہ بتاؤ ملک اندیل کہاں ہے میں زندہ ہوں مرا نہیں۔"

باربک کا حکم

تواچی حبشی نے باربک کو بتایا کہ ملک اندیل اسے مردہ سمجھ کر اپنے گھر چلا گیا باربک نے حبشی سے کہا۔ تم باہر جا کر فلاں فلاں امیروں کو جمع کرو اور ان کو ملک اندیل کے مقابلے پر روانہ کرو تاکہ اس مردود کا سر قلم کیا جا سکے نیز محل کے تمام دروازوں پر بہادر سپاہیوں کو متعین کرو اور ان سے کہو کہ وہ مسلح اور ہوشیار رہیں۔" تواچی نے اس کے جواب میں کہا "میں ابھی باہر جاتا ہوں اور آپ کے حسب منشاء تمام معاملات طے کیے دیتا ہوں۔"

باربک کا قتل

تواچی حبشی باہر آیا اور اس نے چپکے سے ملک اندیل سے تمام کیفیت بیان کر دی ملک اندیل فوراً تواچی کے ہمراہ باربک کی خواب گاہ میں گیا اور اپنے خنجر سے باربک کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ملک اندیل نے مکان کے دروازے پر قفل لگایا اور باہر آ کر خاں جہاں وزیر کو طلب کیا۔

نئے بادشاہ کا انتخاب

خان جہاں جب آگیا تو تمام امیروں میں یہ مشورہ ہونے لگا کہ بادشاہ کس کو بنایا جائے۔ فتح شاہ کی اولاد میں صرف ایک لڑکا تھا' جس کی عمر دو سال تھی' ظاہر ہے کہ یہ بچہ حکمرانی کے قابل نہ تھا۔ تمام امیر سلطان فتح شاہ کی بیوہ کے پاس گئے اور اس سے کہا تمہارا بچہ صرف دو سال کا ہے وہ اتنا کم سن ہے کہ اسے کسی طرح بھی تخت پر نہیں بٹھایا جا سکتا' اس لیے تم بتاؤ کہ عنان حکومت کس کے حوالے کی جائے کہ وہ بچے کے جوان ہونے تک سلطنت کے کاموں کو انجام دے سکے۔ "بیگم نے اس کے جواب میں کہا۔" میں نے خداوند تعالٰی سے یہ عہد کیا تھا کہ اپنے شوہر کے قاتل کو اس ملک کا حکمران بناؤں گی۔"

ملک اندیل کی تخت نشینی

یہ جواب پا کر سب لوگوں نے ملک اندیل سے درخواست کی کہ وہ حکومت سنبھال لے' لیکن اس نے انکار کیا' آخر جب امیروں کا اصرار بڑھا تو ملک اندیل نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فیروز شاہ کے لقب سے تخت نشین ہو گیا۔

باربک شاہ کا عہد بر فتن آٹھ ماہ یا ایک روایت کے مطابق صرف ڈھائی ماہ تک رہا۔ باربک کے قتل کے بعد بنگالہ میں یہ دستور ہو گیا کہ جب کوئی شخص اپنے حاکم کے قاتل کو تہ تیغ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کرتا تو تمام امراء اور رعایا اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیتے۔

ملک اندیل المخاطب بہ فیروز شاہ

تخت نشینی کے بعد فیروز شاہ نے پایہ تخت شہر کور میں قیام کیا اور بڑے انصاف اور خوش اسلوبی سے حکومت کی۔ فیروز شاہ نے چونکہ اپنی امارت کے زمانے میں بڑے بڑے کام سرانجام دیئے تھے اس وجہ سے لشکر اور عام رعیت اس کی بہت قدر کرتی تھی اور اسے دل جان سے چاہتی تھی۔ فیروز شاہ نے بڑی شان و شوکت سے تین سال تک حکومت کر کے ۸۹۹ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

محمود شاہ بن فیروز شاہ

فیروز شاہ کے انتقال کے بعد امراء اور اراکین سلطنت نے باہمی اتفاق رائے سے اس کے بیٹے محمود شاہ کو اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا۔ اس بادشاہ کے عہد میں حبشی خاں نامی ایک حبشی غلام نے بڑی قوت حاصل کی اور عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر بادشاہ کو محض نام کا بادشاہ بنا دیا۔ ایک دوسرا حبشی امیر مسمی سیدی بدر دیوانہ' حبشی خاں کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا تھا اس نے حبشی خاں کو قتل کر دیا اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کچھ دنوں بعد حبشی خاں نے سلطان محمود کو بھی قتل کر دیا اور وہ "مظفر شاہ" کا لقب اختیار کر کے بنگالہ کا خود مختار حاکم بن بیٹھا۔

سلطان محمود کی مدت حکومت صرف ایک سال ہے۔

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود فتح شاہ کا بیٹا تھا۔ باربک شاہ غلام مسمی حبشی خاں نے فیروز شاہ کے حکم سے محمود شاہ کی پرورش و تربیت کے فرائض انجام دیئے۔ فیروز شاہ کے انتقال کے بعد محمود شاہ تخت پر بیٹھا اور اس نے چھ سال تک حکمرانی کی تھی کہ حبشی خاں بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ آخر کار سیدی بدر دیوانہ نے حبشی خاں کا کام تمام کر دیا۔

سیدی بدر دیوانہ المخاطب بہ مظفر شاہ

ستم شعاری

مظفر شاہ حبشی بہت ہی ظالم اور نڈر فرماں روا تھا۔ بہت سے علماء فضلاء اور مذہبی بزرگ جو اس کی حکومت کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے تھے۔ ان سب کو مظفر شاہ نے قتل کروا دیا۔ اس کے علاوہ مظفر شاہ نے ان غیر مسلم راجاؤں پر بھی لشکر کشی کی جو شاہان بنگالہ کی مخالفت کرتے تھے۔ ان مخالف راجاؤں کو مظفر شاہ نے بہت بری طرح تباہ و برباد کیا۔

سید شریف مکی کا تقرر

سید شریف مکی کو مظفر شاہ نے وزارت کے عہدے پر سرفراز کر کے تمام ملکی و مالی امور کا مختار بنا دیا۔ شریف مکی نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ سواروں اور پیادوں کی تنخواہوں میں کمی کر دی جائے۔ بادشاہ نے اس مشورے پر عمل کیا اور اس طرح بے شمار روپیہ شاہی خزانے میں جمع ہونے لگا۔

بغاوت

بے شمار لوگ مظفر شاہ کی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے اس سے آزردہ ہو گئے' ملک کے بے شمار لوگوں نے باغیانہ خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا' بہت سے نامی گرامی امراء بھی باغی ہو گئے' نوبت یہاں تک پہنچی کہ مظفر شاہ پانچ ہزار حبشیوں اور تین ہزار بنگالی اور افغانی سواروں کے ساتھ قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ چار دن یا چار ماہ تک بادشاہ اور باغیوں کے درمیان جنگ ہوتی رہی۔

جانوں کا زیاں

اس معرکہ آرائی کی وجہ سے روزانہ بے شمار لوگوں کی جانیں ضائع ہونے لگیں اگر باغیوں کی جماعت کا کوئی فرد گرفتاری کے بعد بادشاہ کے سامنے لایا جاتا تو مظفر شاہ اسے دیکھ کر اس قدر غصہ میں آتا کہ اس شخص کو خود اپنے ہاتھ سے تہ تیغ کرتا۔ الغرض اس قدر لوگ مارے گئے کہ صرف بادشاہ کے طرف داروں میں سے چار ہزار جانوں کا زیاں ہوا۔

مظفر شاہ کا قتل

آخر کار اس صورت حال سے تنگ آ کر مظفر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا اور امراء سے جن میں شریف مکی بھی شامل تھا معرکہ آرا ہوا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی' اس قدر خون ریزی ہوئی کہ الامان و الحفیظ! دونوں طرف کے تقریباً بیس ہزار سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔ اس جنگ میں مظفر شاہ کو شکست ہوئی اور اسے اس کے مقرب درباریوں کے ہمراہ قتل کر دیا گیا۔

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس معرکے میں شروع سے لے کر آخر تک کل ایک لاکھ بیس ہزار جانیں تلف ہوئیں۔ مرنے والوں میں ہندو' مسلمان دونوں شامل تھے۔ مظفر شاہ کے قتل کے بعد سید شریف مکی نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی لیکن تاریخ نظامی کا بیان مختلف ہے اس میں لکھا ہے کہ سید شریف مکی کو جب یہ معلوم ہوا کہ رعایا مظفر شاہ کی جانی دشمن ہو گئی ہے تو اس نے ہاربکوں کے ہمراہ حرم میں داخل ہو کر مظفر شاہ کو قتل کر دیا اور سلطان علاؤالدین کا لقب اختیار کر کے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

مظفر شاہ کی مدت حکومت تین سال اور پانچ ماہ ہے۔

شریف مکی المشہور بہ سلطان علاؤ الدین

ہردلعزیزی

جس زمانے میں شریف مکی مظفر شاہ کا وزیر تھا ان دنوں وہ رعایا سے بڑی اچھی طرح پیش آیا تھا اور لوگوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ سلطان مظفر شاہ فرماں روائی کے قابل نہیں ہے میں اسے بارہا سمجھاتا ہوں کہ وہ اپنے امیروں اور سپاہیوں سے اچھی طرح پیش آئے لیکن وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا اور اپنا تمام وقت روپیہ جمع کرنے کی کوششوں میں صرف کر دیتا ہے۔" اس وجہ سے تمام امرا اور لشکری شریف مکی کو بہت پسند کرتے تھے اور تہہ دل سے اس کے بہی خواہ تھے۔

تخت نشینی

جس روز سلطان مظفر شاہ کو قتل کیا گیا اس روز تمام امیروں نے متفقہ طور پر شریف مکی کو اپنا فرماں روا منتخب کیا۔ اس موقعے پر امیروں نے شریف مکی سے پوچھا "اگر ہم تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ شریف مکی نے اس کے جواب میں کہا۔ جس طرح تم کہو گے میں اسی طرح بادشاہی کروں گا اور کبھی تمہارے مشورے کے خلاف عمل نہ کروں گا۔" تخت نشین ہونے کے بعد میں تمہارے لیے جلد از جلد جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ شہر میں زمین کے اوپر جو کچھ ہے وہ میں تمہیں دے دوں گا اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ خود لے لوں گا۔"

شہر گور میں لوٹ مار

سب لوگوں نے مال و دولت حاصل کرنے کے شوق میں یہ شرط منظور کر لی اور شہر گور کو جو اپنی معموری کے لحاظ سے مصر سے بھی آگے تھا لوٹنا شروع کر دیا۔ شریف مکی نے بڑی آسانی سے چتر شاہی سر پر سایہ فگن کر کے ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔ چند روز بعد اس نے اہل شہر کو حکم دیا کہ اب وہ شہر کو لوٹنا بند کر دیں' لیکن لوٹنے والوں نے شاہی حکم کی پروا نہ کی اور اپنے کام میں برابر مشغول رہے۔ اس پر شریف مکی نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا' حکم کی تعمیل کی گئی اور صرف ایک دن میں بارہ ہزار آدمی قتل کیے گئے۔

لوٹ کے سامان کی برآمد

شریف مکی یعنی سلطان علاؤ الدین نے بہت تلاش و جستجو کے بعد بہت سا لوٹا ہوا سامان برآمد کیا۔ اس طرح اس کے ہاتھ میں بہت دولت آئی' اس سامان میں ایک ہزار طلائی کشتیاں بھی تھیں۔ بنگالہ میں یہ دستور تھا کہ امراء سونے کی کشتیوں میں کھانا کھاتے تھے اور شادی بیاہ اور دوسری تقاریب پر جو شخص اپنے مہمانوں کے سامنے جتنی زیادہ طلائی کشتیاں حاضر کرتا تھا اسے اتنا ہی زیادہ امیر سمجھا جاتا تھا۔ بنگالہ میں اب تک یہی دستور مروج ہے۔

حبشیوں کی جلاوطنی

سلطان علاؤ الدین بہت ہی ذہین اور معاملہ فہم فرماں روا تھا اس نے شریف اور عالی خاندان امراء کی بڑی سرپرستی کی اور انہیں عمدہ عہدوں پر فائز کیا۔ اس نے پاریکوں کو چوکی سے معزول کر کے حبشیوں کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا' چونکہ حبشی فتنہ پردازی اور شورش انگیزی میں عالم گیر شہرت رکھتے تھے' اس لیے ان کو جونپور اور ہندوستان (دہلی) کی سلطنتوں میں بھی داخل ہونے کی اجازت نہ ملی آخر کار وہ دکن اور گجرات کی طرف روانہ ہو گئے۔

امن و امان

سلطان علاؤ الدین نے مغلوں اور افغانوں کو خاص طور پر اپنے التفات کا مرکز بنایا' اور انہیں مختلف خدمتوں پر نامزد کیا' ان انتظامات کی وجہ سے ملک میں امن ہو گیا اور زوال کے وہ آثار جو گذشتہ فرماں رواؤں کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے' ختم ہو گئے۔ ملک کے تمام سرکش اور باغی بادشاہ کے مطیع ہو گئے' اطراف کے راجاؤں نے بھی اطاعت و وفاداری کو اپنا شعار بنایا۔

حضرت قطب عالمؒ سے عقیدت

علاؤ الدین نے کئی گاؤں حضرت شیخ نور قطب عالمؒ کے لنگر کے اخراجات کے لیے وقف کیے' اسے حضرت شیخؒ سے بڑی عقیدت تھی وہ اپنے پایہ تخت اکدوالہ سے قصبہ بندوہ (پنڈوہ) میں ان کے مزار کی زیارت کے لیے اکثر جایا کرتا تھا۔

انتقال

علاؤ الدین نے سینتالیس سال تک نہایت امن و امان اور خوش اسلوبی سے حکومت کی اس کا انتقال ۹۴۷ ہجری میں اپنی طبعی موت سے ہوا۔

نصیب شاہ بن علاؤ الدین شاہ

بھائیوں سے محبت

سلطان علاؤ الدین نے وفات کے بعد اٹھارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے ان میں نصیب شاہ سب سے بڑا تھا۔ امراء اور ارا کین سلطنت نے اسی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ نصیب شاہ نے ایک کام ایسا کیا کہ جو اپنی مثال آپ ہے اس نے اپنے بھائیوں میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا اور نہ ہی کسی کو نظر بند کیا بلکہ ان کو ہر لحاظ سے پہلے سے زیادہ سہولتیں دیں۔ علاؤ الدین نے اپنے بیٹوں کو جو کچھ دیا تھا' نصیب شاہ نے اس میں بہت اضافہ کیا۔

افغانی امراء کی آمد

نصیب شاہ کے عہد حکومت ہی میں ظہیر الدین بابر نے سلطان ابراہیم لودھی کو قتل کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے بہت سے افغانی امیر دہلی سے بھاگ کر نصیب شاہ کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ ابراہیم لودھی کا بھائی سلطان محمود بھی بنگالہ میں آیا۔ نصیب شاہ ان سب پناہ گزینوں کے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آیا' ان میں سے ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق جاگیر دی۔ سلطان ابراہیم لودھی کی بیٹی بھی بنگالہ میں پناہ گزیں ہوئی تھی نصیب شاہ نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔

بابر کا عزم تسخیر بنگالہ

ظہیر الدین بابر نے ۹۳۵ھ میں جونپور پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بنگالہ کو فتح کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ نصیب شاہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہوا' اس نے بہت سے قیمتی تحفے بابر کی خدمت میں ارسال کیے اور اپنی اطاعت گذاری کا یقین دلایا۔ بابر نے اپنی مصلحتوں کے خیال سے نصیب شاہ سے صلح کر لی اور بنگالہ کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

بہادر گجراتی سے دوستانہ مراسم

بابر کے بعد ہمایوں نے بھی بنگالہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ نصیب شاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ۹۳۶ ہجری میں سلطان بہادر گجراتی سے دوستانہ مراسم پیدا کیے اور ملک مرجان خواجہ سرا کے ذریعے بہت سے قیمتی تحفے سلطان بہادر کی خدمت میں روانہ کیے۔ ملک مرجان نے قلعہ مندو میں گجراتی فرماں روا سے ملاقات کی' بادشاہ نے ملک مرجان کو خلعت و انعام سے نوازا۔

نصیب شاہ کی وفات

اسی زمانے میں نصیب شاہ نے باوجود سید ہونے کا دعویٰ رکھنے کے ظلم و ستم کو اپنا شعار بنایا اور رعایا کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا اس وجہ سے ساری خلقت اس کے خلاف ہو گئی۔ رعایا کی بددعائیں اثر لائیں ۹۴۳ھ میں نصیب شاہ نے اپنی طبعی موت سے یا کسی سازش سے قتل ہو کر سفر آخرت اختیار کیا۔

نصیب کے بعد

نصیب شاہ کے بعد ایک بنگالی امیر سلطان محمود نے بنگالہ میں اپنی حکومت قائم کی۔ شیر شاہ سوری نے جو بعد میں ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ سلطان محمود پر حملہ کیا۔ سلطان محمود ہمایوں کے پاس پناہ گزیں ہو گیا' ۹۶۵ھ میں ہمایوں نے بنگالہ کو شیر شاہ سوری کے قبضے سے نکال لیا اور شہر کور میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر اس شہر کو "جنت آباد" کا نیا نام دیا۔ ہمایوں زیادہ عرصے تک بنگالہ کو اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکا اور شیر

شاہ نے دوبارہ یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ سلیم شاہ سوری نے اپنے عہد حکومت میں محمد خاں نامی ایک امیر کو بنگالہ کا حاکم مقرر کیا۔ محمد خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ سوری کے خلاف ہو گیا اور اس نے سلطان بہادر شاہ کا لقب اختیار کر کے بنگالہ میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔

سلطان بہادر شاہ

بہادر شاہ نے سلیم شاہ سوری کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے بنگالہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ سلیم شاہ کے ایک دوسرے امیر سلیمان کرانی افغانی نے سلطان بہادر شاہ سے جنگ کر کے اسے شکست دے دی۔

سلیمان کرانی افغانی

سلیم شاہ کے انتقال کے بعد سلیمان کرانی افغانی بنگالہ کا مستقل فرماں روا ہوا اس نے اپنے آپ کو "حضرت اعلیٰ" کے لقب سے مشہور کیا۔ سلیمان افغانی ظاہری طور پر جلال الدین اکبر کی اطاعت گذاری کا دم بھرتا تھا اور گاہے گاہے تحفے تحائف اکبر کی خدمت میں روانہ کرتا تھا' اس فرماں روا نے پچیس سال تک حکومت کرنے کے بعد ۹۸۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

بایزید بن سلیمان

سلیمان کرانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بایزید بنگالہ کا حاکم ہوا۔ بایزید کی حکومت کو ابھی ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی ہانسو افغانی نے دیوان خانہ میں بایزید کو قتل کر دیا' اسی جگہ لوگوں نے ہانسو کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بایزید کے بعد اس کے چھوٹے بھائی داؤد خاں نے عنان حکومت سنبھالی۔

داؤد خان بن سلیمان خان

بایزید کے قتل کے بعد بنگالہ کی حکومت داؤد خاں کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے باغی اور فتنہ پرداز امیروں کا قلع قمع کر کے ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ داؤد خاں کو شراب سے بڑی رغبت تھی اور اس کی مجلس میں بدمعاش اور لفنگے بھرے رہتے تھے۔

منعم خاں کی بنگالہ پر لشکر کشی

اکبر بادشاہ داؤد خاں کو بہت ناپسند کرتا تھا کیونکہ اس کی سلطنت کو اس (داؤد) کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا۔ اکبر نے جونپور کے حاکم منعم خاں کو داؤد خاں کے استیصال کے لیے نامزد کیا۔ داؤد خاں نے اپنے ایک افغان امیر کو جس کا نام لودھی خاں تھا منعم خاں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ فریقین ایک دوسرے کے سامنے آئے اور معرکہ آرائی شروع ہو گئی جو چند روز تک جاری رہی' آخر کار منعم خاں اور لودھی خاں نے ایک دوسرے سے صلح کر لی اور دونوں اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔

داؤد کا اکبری لشکر سے مقابلہ

اکبر بادشاہ نے دوبارہ منعم خاں' خان خاناں کو بنگالہ کی تسخیر کے لیے نامزد کیا۔ ان دنوں داؤد خاں اور لودھی خاں میں جو ایک نامی گرامی افغانی امیر تھا' کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ داؤد خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ خان خاناں بنگالہ کو فتح کرنے کے لیے آ رہا ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے لودھی خاں کے نام خطوط لکھے اور اسے اپنی بے بسی اور بے کسی کا واسطہ دے کر اس سے صلح کر لی۔ اس کے بعد داؤد خاں نے بڑی مکاری سے لودھی خاں جیسے بہادر امیر کو قتل کر دیا اور دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر اکبری لشکر کا مقابلہ کیا۔

داؤد کی شکست اور فرار

فریقین میں خون ریز جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں افغانی شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ مغلوں نے افغانوں کی چند کشتیوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ان کے ذریعے دریا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ منعم خاں نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا کہ جس میں داؤد خاں پناہ گزیں ہوا تھا۔ اہل قلعہ اور مغل لشکر میں جنگ شروع ہو گئی اسی دوران میں اکبر بھی وہاں پہنچ گیا اور داؤد خاں فرار ہو گیا۔ مغلوں نے پٹنہ اور حاجی پور کے قلعوں کو فتح کیا اور داؤد خاں کے چار سو ہاتھیوں کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

داؤد اڑیسہ میں

داؤد خاں نے بنگالے کا رخ کیا اور گڑھی پہنچا' وہاں سے اس نے اڑیسہ کی طرف کوچ کیا' بعض مغل امراء نے جو اڑیسہ میں موجود تھے داؤد خاں کے بیٹے جنید خاں سے جنگ کی اور اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گئے۔ منعم خاں کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو وہ بذات خود اڑیسہ کی جانب روانہ ہوا۔

داؤد اور منعم میں صلح

داؤد نے منعم خاں کا مقابلہ کیا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی اس جنگ میں داؤد خاں کو ایک بار پھر شکست ہوئی اور وہ اس قلعے میں جو دریائے گنگا کے کنارے واقع تھا پناہ گزیں ہو گیا۔ داؤد نے اپنے بال بچوں کو اس قلعے ہی میں چھوڑا اور خود دوبارہ معرکہ آرائی کے لیے حریف کے سامنے آیا۔ اس بار جنگ کی نوبت نہ آئی اور داؤد خاں اور منعم خاں میں صلح ہو گئی۔ منعم خاں نے اڑیسہ اور بنارس کو داؤد خاں کے قبضے میں دیا اور باقی ملک پر خود آپ قبضہ کر لیا۔

داؤد کا قتل اور سلاطین پوربی کی حکومت کا خاتمہ

کچھ عرصے بعد منعم خاں کا انتقال ہو گیا اور اکبر بادشاہ نے خان جہاں ترکمان کو بنگالہ کا حاکم بنایا۔ منعم خاں کی وفات کے بعد داؤد خاں نے بنگالہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ خاں جہاں ترکمان نے ۹۸۳ھ میں گڑھی اور ٹانڈر کے درمیان داؤد خاں سے جنگ کی۔ داؤد اسی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بیٹا شدید زخمی ہوا۔ وہ اگرچہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا' لیکن دو تین روز زندہ رہ کر اس نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ اس واقعے سے بنگالہ' اڑیسہ اور بنارس وغیرہ' خاں جہاں ترکمان کی کوششوں سے مغل سلطنت کا جزو بن گئے اور اس طرح سلاطین پوربی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

عثمانی افغانی کی بغاوت

افغانی امراء حسین خاں وغیرہ جو ادھر ادھر پناہ گزیں ہو گئے تھے مغلوں کے تسلط سے تنگ آ کر بنگالہ کے سرحدی مقامات میں چلے گئے۔ اکبر کی وفات کے بعد عثمان نامی ایک افغان نے تیس ہزار افغانوں کا لشکر جمع کر کے علم بغاوت بلند کیا اور نور الدین جہانگیر کی سلطنت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ حاکم بنگالہ اسلام خاں اور شیخ بدر الدین فتح پوری کو اس کے استیصال کے لیے مقرر کیا گیا ہے' لیکن اب تک یعنی ۱۰۱۸ھ تک اس معاملے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

سلاطین شرقیہ

سطور بالا میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جن بادشاہوں نے جونپور اور ترہٹ میں حکومت کی ان کو مورخوں کی اصطلاح میں سلاطین شرقیہ کہا جاتا ہے۔

سلطان الشرق خواجہ جہاں

جمادی الاول ۷۷۶ھ میں ناصر الدین محمود شاہ نے خواجہ جہاں کو ملک الشرق کا خطاب عطا کیا اور اسے جونپور' ترہٹ اور بہار کا حاکم مقرر کیا۔ خواجہ جہاں نے اس علاقے کا اچھا انتظام کیا اور اپنی خوش اسلوبی سے گردو نواح کے راجاؤں کو اپنا مطیع بنایا۔ وہ قلعے کہ جو غیر مسلموں کے قبضے میں تھے ان کو اپنے قبضے میں کر کے مسمار کروا دیا اور پھر انہیں از سر نو تعمیر کر کے تجربہ کار سپاہیوں کے سپرد کیا۔

رفتہ رفتہ خواجہ جہاں کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا اور اس نے ناصر الدین محمود کے اثر کو کم کر کے سلطان الشرق کا لقب اختیار کیا۔ اس نے دہلی کی طرف پرگنہ کول سے ابڑی تک اور دوسری جانب بہار اور ترہٹ تک کے تمام باغیوں اور سرکشوں کو مغلوب کیا اور بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنے لگا اس نے اپنی دھاک ایسی بٹھائی کہ سلاطین بنگالہ اور لکھنوتی بھی اس سے بڑی اچھی طرح پیش آتے تھے۔ اور اس کی خدمت میں تحفے ارسال کرتے رہتے تھے' سلطان الشرق نے چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۰۲ھ میں انتقال پایا۔

مبارک شاہ شرقی

سلطان الشرق کے انتقال کے بعد اس کے متبنی بیٹے ملک قرنفل نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اس نے جونپور اور دوسرے شہروں پر قبضہ کر کے اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کر لیا۔ ان دنوں سلطنت دہلی روبہ زوال تھی' ملک قرنفل نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے سرداران لشکر سے مشورہ کر کے مبارک شاہ کا لقب اختیار کیا اور اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ سلطان محمود کے وکیل مطلق اقبال خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت غصے میں آیا اور اس نے ۸۰۳ھ میں مبارک شاہ پر حملہ کر دیا۔ اقبال خاں جب قنوج پہنچا تو مبارک شاہ نے افغانوں' مغلوں' راجپوتوں اور تاجیک قوم کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

دریائے گنگا کے ایک کنارے پر اقبال خاں نے قیام کیا اور دوسرے کنارے پر مبارک شاہ اپنے لشکر کے ساتھ مقیم ہوا۔ بیچ میں چونکہ دریا پڑتا تھا اس لیے فریقین میں سے کسی نے دریا کو پار کر کے حریف تک پہنچنے کی کوشش نہ کی دو ماہ اسی عالم میں گزر گئے آخر بغیر جنگ کیے ہی دونوں فریقوں نے واپسی کے لیے کوچ کیا۔

مبارک شاہ جب جونپور پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان محمود مالوہ سے واپس آگیا ہے اور اس نے اقبال خاں کو ساتھ لے کر جونپور کو فتح کرنے کے ارادے سے سفر اختیار کیا ہے۔ مبارک شاہ نے سلطان محمود سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی۔

مبارک شاہ نے ۸۰۴ ہجری میں انتقال کیا۔ اس کی مدت حکومت ایک سال اور چند ماہ ہے۔

ابراہیم شاہ شرقی

اہل علم کی سرپرستی

مبارک شاہ کے انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ عقل و فہم اور علم و فضل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کے عالموں فاضلوں کے علاوہ ایران و توران کے علماء بھی جونپور میں آئے۔ ابراہیم شاہ نے ہر طرح سے ان کی دل جوئی کی' انہیں امن و اطمینان سے زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچایا۔ علماء نے بہت سے کتابیں ابراہیم شاہ کے نام سے معنون کیں۔ بادشاہ کے دربار میں پڑھے لکھوں کی ایک ایسی جماعت جمع ہو گئی کہ جونپور ایک اہم علمی مرکز بن گیا۔

اقبال خاں کا جونپور کو فتح کرنے کا ارادہ

ابراہیم شاہ کے عہد حکومت کے ابتدائی دنوں میں' سلطان محمود اور اقبال خاں جونپور کو فتح کرنے کے خیال سے قنوج میں آئے۔ ابراہیم شاہ نے بھی ایک زبردست لشکر جمع کیا اور حریف سے معرکہ آرا ہونے کے لیے دریائے گنگا کے کنارے مقیم ہوا۔ فریقین ایک عرصے تک ایک دوسرے کے سامنے ڈٹے رہے' لیکن معرکہ آرائی کی نوبت نہ آئی۔ اسی دوران میں اقبال خاں اور سلطان محمود میں نااتفاقی ہو گئی اور سلطان محمود شکار کا بہانہ کر کے ابراہیم شرقی کے پاس چلا آیا۔

سلطان محمود کی ابراہیم شرقی کے پاس آمد اور روانگی

سلطان محمود کا خیال تھا کہ ابراہیم شرقی آقا اور ملازم کے تعلق کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے بادشاہ بنا دے گا۔ اگر یہ نہیں تو پھر وہ سلطان محمود کو اقبال خاں کے خلاف لڑنے میں مدد ضرور دے گا' مگر افسوس کہ سلطان محمود کی یہ توقعات پوری نہ ہوئیں۔ ابراہیم شرقی نے نہ تو اسے بادشاہت پیش کی اور نہ ہی اسے اقبال خاں کے خلاف مدد دینے کے ارادہ کا اظہار کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو ابراہیم شرقی اپنی بادشاہت کو کسی طرح ختم نہ کرنا چاہتا تھا' دوسرے یہ کہ ابھی اس کی قوت اتنی زیادہ نہ تھی کہ وہ سلطان محمود کی مدد کرتا۔ ابراہیم شرقی نے سلطان محمود کی آؤ بھگت بھی ذرا کم ہی کی اس وجہ سے وہ شکستہ خاطر ہو کر قنوج چلا گیا۔

قنوج پر سلطان محمود کا قبضہ

سلطان محمود نے قنوج پہنچ کر ابراہیم شرقی کے بہی خواہ امیر زادہ مہروی کو جو قنوج کا حاکم تھا شہر بدر کر کے قنوج کو اپنے قبضے میں کر لیا' ابراہیم شرقی اور اقبال خاں نے جب دیکھا کہ سلطان محمود قنوج پر قانع ہو گیا ہے تو ان دونوں نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود مبارک شاہ شرقی کے عہد حکومت میں جونپور آیا تھا اور انہیں دنوں ہی مبارک شاہ کا انتقال ہوا اور ابراہیم شرقی تخت نشین ہوا۔ قنوج پر سلطان محمود نے ابراہیم شرقی کے عہد میں قبضہ کر لیا۔

ابراہیم کا قنوج پر حملہ

جیسا کہ سلاطین دہلی کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے ۸۰۸ھ میں اقبال خاں کا قتل ہوا اور سلطان محمود دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ ابراہیم شرقی نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور ۸۰۹ھ میں قنوج پر حملہ کر دیا۔ محمود شاہ لشکر دہلی کو ساتھ لے کر ابراہیم شرقی سے جنگ کرنے کے لئے چلا اور فریقین پہلے کی طرح دریائے گنگا کے کنارے ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ چند روز تک دونوں ہی ایک دوسرے سے لڑنے کا ارادہ کرتے رہے لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی اور دونوں لشکر واپس ہو گئے۔

قنوج پر ابراہیم کا قبضہ

سلطان محمود جب دہلی پہنچ گیا اور اس کے تمام امیر بادشاہ کی اجازت سے اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے اور ابراہیم شرقی نے دوبارہ قنوج پر حملہ کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قنوج کے حاکم ملک محمود ترمذی نے چند مہینے تک دہلی کی امداد کا انتظار کیا' لیکن جب اس کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اس نے قلعہ ابراہیم شرقی کے سپرد کر دیا۔

عزم تسخیر دہلی

ابراہیم شرقی نے قنوج میں برسات کا موسم گزار کر جمادی الاول ۸۱۰ھ میں دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے روانہ ہوا۔ ابراہیم شرقی بہت ہی ذہین اور معاملہ فہم انسان تھا اس کی مناسب تدبیروں سے دہلی کے اکثر امیر سارنگ خاں کا بیٹا تاتار خاں اور اقبال خاں کا غلام ملک خاں وغیرہ اس سے آ ملے۔ اس طرح ابراہیم شرقی کی قوت میں زبردست اضافہ ہوا اور وہ سنبھل کی طرف روانہ ہوا۔ سنبھل کا حاکم اسد خاں لودھی بھاگ نکلا۔ ابراہیم شرقی نے سنبھل تاتار خاں کے حوالے کیا اور خود آگے بڑھا۔

واپسی

سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا ابراہیم شرقی دریا کے کنارے پہنچا یہاں اسے معلوم ہوا کہ سلطان مظفر گجراتی نے سلطان ہوشنگ کو قید کر کے مالوہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ سلطان محمود کی مدد کے لیے آ رہا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظفر گجراتی جونپور پر قبضہ کرنے کا بھی خواہاں ہے۔ ابراہیم نے یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جونپور پر واپس آ گیا۔ محمود شاہ نے دہلی سے سنبھل پہنچ کر اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ تاتار خاں نے راہ فرار اختیار کی اور ابراہیم شرقی کے پاس جونپور میں چلا گیا۔ ابراہیم نے ایک زبردست لشکر فراہم کر کے ۸۱۶ھ میں دوبارہ دہلی کو فتح کرنے کے خیال سے سفر اختیار کیا' لیکن راستے ہی سے وہ لوٹ کر آ گیا۔

خوش حالی

اس کے بعد ابراہیم شرقی نے علماء و فضلاء سے اکتساب فیض کرنے اور ملک کی ترقی اور خوش حالی کی تدبیروں کو عمل میں لانے کی طرف توجہ کی۔ اس زمانے میں تمام ہندوستان طرح طرح کی شورشوں اور فتنہ انگیزیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس وجہ سے ہر جگہ کے علماء و فضلاء جونپور میں آ گئے اور یہ شہر دہلی کا جواب بن گیا۔ بادشاہ نے ان علماء اور اہل کمال کی جی کھول کر سرپرستی کی اور ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ جونپور کی تمام رعایا ابراہیم شرقی سے بے حد خوش تھی ہر فرد اپنے بادشاہ کو خدا کی نعمت سمجھتا تھا' ملک میں چاروں طرف امن و امان اور خوش حالی کا دور دورہ تھا۔

تھانہ پر لشکر کشی

۸۳۱ھ میں میوات کا حاکم محمد خاں' ابراہیم شرقی کے پاس آیا اور اسے تھانہ کو فتح کرنے کی ترغیب دی۔ ابراہیم نے محمد خاں کی بات مان لی اور لشکر تیار کر کے اس مقصد کے لیے روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے دہلی کا بادشاہ سلطان مبارک شاہ ایک لشکر جرار لے کر ابراہیم شرقی کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔ تھانہ سے چار کوس کے فاصلے پر دونوں فریقوں نے خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کیا اور دونوں طرف کے تھوڑے تھوڑے سپاہی آپس میں لڑتے رہے۔ آخر کار فریقین میں باقاعدہ جنگ ہوئی اور بغیر ہار جیت کا فیصلہ کیے ہوئے ختم ہو گئی۔ ابراہیم شرقی جونپور کی طرف اور مبارک شاہ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

کالپی کو فتح کرنے کا خیال

۸۳۷ھ میں ابراہیم شرقی نے کالپی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک لشکر جرار لے کر اس مقصد سے روانہ ہوا اور راستے میں اسے یہ

اطلاع ملی کی سلطان ہوشنگ غوری بھی کالپی کو فتح کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد سے اس طرف آ رہا ہے۔ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے سامنے آئے اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگے' ابھی جنگ کی نوبت ہی نہ آئی تھی کہ ابراہیم شرقی کو یہ اطلاع ملی۔ بادشاہ دہلی مبارک شاہ ایک زبردست لشکر لے کر دہلی سے جونپور کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ ابراہیم شرقی یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوا اور فوراً جونپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان ہوشنگ غوری نے مبارک شاہ کے مقرر کردہ حاکم کالپی عبد القادر الموسوم بہ قادر شاہ کو معزول کر کے بغیر معرکہ آرائی کے کالپی پر قبضہ کر لیا۔

وفات

۸۴۴ ہجری میں ابراہیم شرقی بیمار پڑا کچھ ہی عرصے میں یہ بیماری اس حد تک بڑھ گئی کہ بادشاہ کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ابراہیم کی وفات کا جونپور والوں کو بہت صدمہ پہنچا' اہل شہر اس قدر روئے کہ انہوں نے نوحہ و فریاد سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔ ابراہیم شرقی نے چالیس سال تک حکومت کی۔ حاجی محمد قندھاری کا بیان ہے کہ ابراہیم شرقی کا سال وفات ۸۴۰ھ ہے' اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی مدت حکومت چھتیس سال ہوتی ہے۔

قاضی شہاب الدین جونپوری

ابراہیم شرقی کے عہد حکومت کے علماء و فضلاء میں قاضی شہاب الدین جونپوری بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ قاضی صاحب کا آبائی وطن تو غزنی تھا لیکن ان کی نشو و نما دولت آباد دکن میں ہوئی۔ ابراہیم شرقی قاضی صاحب کے علم و فضل کا بڑا قدر دان تھا اور ان کا بہت خیال کرتا تھا۔ قاضی صاحب کی توقیر و تعظیم کا یہ عالم تھا کہ مقدس دنوں میں قاضی صاحب شاہی مجلسوں میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے' کہا جاتا ہے کہ ایک بار قاضی صاحب سخت بیمار پڑے۔ ابراہیم شرقی ان کی مزاج پرسی کے لیے گیا ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بادشاہ نے ایک پیالہ پانی کا طلب کیا۔ پانی جب آ گیا تو ابراہیم شرقی نے اس کو قاضی صاحب کے سر پر سے تصدق کر کے خود پی لیا اور کہا۔ "اے خدا! جو مصیبت قاضی صاحب کے سر پڑی ہوئی ہے اس سے انہیں نجات دے اور مجھ کو اس مصیبت میں ڈال دے تاکہ قاضی صاحب صحت یاب ہو جائیں۔"

تصانیف

اس واقعے سے ابراہیم شرقی کے کردار کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسے علماء دین سے کس قدر عقیدت تھی۔ قاضی صاحب کو جو شہرت حاصل ہوئی اس کا تذکرہ لاحاصل ہے ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں' حاشیہ ہندی' مصباح متن ارشاد' بدیع البیان' فتاویٰ ابراہیم شاہی' تفسیر ارسی المعروف بہ بحر امواج' رسالہ مناقب سادات اور رسالہ شہابیہ (وغیرہ وغیرہ) قاضی صاحب کو بھی ابراہیم شرقی سے بہت خلوص تھا' اس کی وفات سے وہ اس حد تک مغموم ہوئے کہ اسی سال یعنی ۸۴۰ ہجری کو سفر آخرت اختیار کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قاضی صاحب کا انتقال ابراہیم کی وفات کے دو سال بعد یعنی ۸۴۲ھ میں ہوا۔

سلطان محمود بن ابراہیم شرقی

تخت نشینی

ابراہیم شرقی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود تخت نشین ہوا اور بڑی احتیاط سے سلطنت کے کاموں کو سرانجام دینے لگا۔ محمود نے اپنے باپ کی تقلید کر کے رعایا کو ہر ممکن طریقے سے خوش و خرم رکھنے کی کوشش کی' اس وجہ سے ملک کے سارے باشندے اس سے بھی بے پناہ محبت کرنے لگے۔

حاکم مالوہ سے حاکم کالپی کی شکایت

۸۴۷ھ میں محمود شرقی نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں بہت سے گراں قدر تحفے ارسال کیے اور اسے یہ پیغام دیا "کالپی کا حاکم نصیر خاں ولد قادر خاں شریعت کی حدود سے تجاوز کر رہا ہے وہ کفرو ارتداد کی طرف مائل ہے۔ اس نے قصبہ شاہ پور کو بڑی بری طرح تباہ و برباد کیا ہے اور یہاں کے مسلمانوں کو جلا وطن کر کے ان کی عورتوں کو غیر مسلموں کے حوالے کر دیا ہے۔ الغرض وہ ہر طرح خدا اور اس کے رسول کی اطاعت سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ سلطان ہوشنگ کے زمانے سے آپ کے اور ہمارے درمیان جو خوشگوار تعلقات قائم ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر آپ کے علم و اطلاع کے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ اگر آپ میری تائید فرمائیں تو میں نصیر خاں کو اس کی کفر پرستی کا مزہ چکھاؤں اور کالپی میں دوبارہ شریعت اسلام کو مروج کروں۔

حاکم مالوہ کا جواب

سلطان محمود خلجی نے اس پیغام کا یہ جواب دیا اس سے پہلے بھی مجھ تک نصیر خاں کی شکایتیں پہنچ چکی ہیں لیکن وہ چونکہ غیر معتبر ذرائع سے پہنچی تھیں اس لیے میں نے ان کا کچھ اعتبار نہ کیا' اب چونکہ آپ نے صحیح صورت حال سے آگاہ کیا ہے۔ اس لیے ان خبروں کی تصدیق ہو گئی ہے' نصیر خاں جیسے بد کردار شخص کو راہ راست پر لگانا ہر مسلمان بادشاہ کا فرض ہے اگر آپ اس طرف توجہ نہ کرتے تو پھر میں خود ہی اس فاجر اعظم پر لشکر کشی کرتا۔ آپ نے جو ارادہ کیا ہے وہ بہت ہی مبارک ہے اور میں آپ کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں۔"

کالپی پر لشکر کشی

سلطان محمود خلجی کا یہ جواب پا کر محمود شرقی بہت خوش ہوا اس نے انتیس ہاتھی تحفے کے طور پر حاکم مالوہ کی خدمت میں ارسال کیے اور خود لشکر تیار کر کے کالپی کی طرف روانہ ہوا۔ نصیر خاں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "کالپی کا علاقہ سلطان ہوشنگ نے مجھے مرحمت فرمایا ان دنوں سلطان محمود شرقی مجھ پر حملہ کر کے کالپی کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے اس لیے درخواست ہے کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے محمود شرقی کے فتنے سے بچائیں۔"

حاکم مالوہ کا خط

سلطان محمود خلجی نے نصیر خاں کا عریضہ پڑھ کر محمود شرقی کے نام ایک خط لکھا کہ "حاکم کالپی نصیر خاں خدا کے خوف اور آپ کی بروقت تنبیہہ سے راہ راست پر آ گیا ہے اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے یہ عہد کیا ہے کہ وہ آئندہ مذہبی احکام کی سختی سے پابندی کرے گا اور کبھی مذہبی معاملات میں دخل نہ دے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ ملک سلطان ہوشنگ نے نصیر خاں کے باپ قادر خاں کو

عطا کیا تھا چونکہ یہ خاندان حکومت مالوہ کا اطاعت گزار ہے اس لیے آپ اس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔

محمود شرقی کا کالپی پر قبضہ

نصیر خان کے پہلے عریضے ہی کا جواب ابھی ارسال نہ کیا گیا تھا کہ ایک دوسرا عریضہ بھی آ پہنچا جس میں لکھا تھا "یہ بندۂ حقیر سلطان ہوشنگ کے زمانے سے حکومت مالوہ کا مطیع و فرمان بردار ہے۔ ان دنوں سلطان محمود شرقی نے پرانی دشمنی کی وجہ سے کالپی پر حملہ کر کے شہر کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی عورتوں کو نظر بند اور جلا وطن کر دیا ہے اور خود چندیری چلا گیا ہے۔"

سلطان مالوہ کا عزم کالپی و چندیری

سلطان محمود خلجی نے خود ہی سلطان محمود شرقی کو نصیر خاں پر حملہ کرنے کی اجازت دی تھی لیکن جب نصیر خاں نے منت سماجت کی تو سلطان خلجی اس کا طرف دار ہو گیا اور اس کی مدد کے لیے ۲/ شعبان ۸۴۸ ہجری کو اجین سے کالپی اور چندیری کی جانب روانہ ہوا۔ چندیری میں نصیر خاں نے سلطان محمود خلجی سے ملاقات کی اور موخر الذکر ایرچہ کی طرف روانہ ہوا۔

محمود شرقی اور محمود خلجی میں جنگ

سلطان محمود شرقی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ سلطان مالوہ کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان محمود خلجی نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو تو محمود شرقی کے مقابلے کے لیے نامزد کیا اور دوسرے حصے کو جو جونپور پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر کے اس حصے نے جونپور پر حملہ کر کے تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا' جو حصہ لشکر جونپور کا مقابلہ کرنے کے لیے متعین ہوا تھا اس نے حریف سے معرکہ آرائی کی۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہت سے بہادران صف شکن کام آئے۔ اس کے بعد دونوں لشکر اپنی اپنی قیام گاہوں میں واپس آ گئے۔

جنگ' صلح اور پھر جنگ

دوسرے روز صبح کے وقت سلطان محمود خلجی نے اپنے ایک امیر عماد الملک کو اس مقصد سے روانہ کیا کہ وہ سرراہ قیام کر کے حریف کے لیے راستہ مسدود کر دے۔ محمود شرقی کو اس کی اطلاع ہو گئی اس نے اس جگہ جو ایک مستحکم مقام تھا' قیام کیا۔ جب محمود خلجی' شرقی فرماں روا کے استحکام سے واقف ہوا تو اپنے لشکر کے حصے کو اس نواح میں لوٹ مار کا حکم دیا۔ اس لشکر نے بہت سا مال غنیمت اپنے قبضے میں کیا' اسی دوران میں برسات کا موسم آ گیا اس وجہ سے فریقین نے صلح کر لی اور واپس ہوئے۔ محمود خلجی چندیری کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمود شرقی نے موقع پا کر برہار پر لشکر کشی کر دی کہ جہاں کے باشندے محمود خلجی کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ محمود خلجی کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے سپاہیوں کی ایک جماعت برہار کے حاکم کی مدد کے لیے روانہ کی' محمود شرقی اس نووارد لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور واپس چلا گیا۔

پھر صلح

حضرت شیخ الاسلام جہانیں لڈہ اپنے زمانے کے نامی گرامی بزرگ تھے ان کے توسط' محمود خلجی اور محمود شرقی میں صلح ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ محمود شرقی' قادر خاں کی اولاد خصوصاً نصیر خاں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور چار ماہ بعد ایرچہ اور کالپی واپس کر دے گا۔ اس صلح کے بعد سلطان محمود خلجی شادی آباد مندو کی طرف روانہ ہو گیا اور سلطان محمود شرقی نے جونپور کا راستہ لیا۔

حساون پر لشکر کشی

محمود شرقی نے اپنے مرحوم باپ کی پیروی میں عالموں فاضلوں اور عام لوگوں پر بے انتہا نوازشات کیں اور انہیں انعام و اکرام سے مالا

ال کر دیا' کچھ عرصہ بعد جب اس لشکر کی تھکان دور ہو گئی تو اس نے حساون پر لشکر کشی کی اور یہاں کے باغیوں اور فتنہ پردازوں کا قلع قمع کیا۔ محمود شرقی نے حساون کے عظیم الشان مندر کو مسمار کر کے بہت سی دولت حاصل کی اور جونپور واپس آیا۔

دہلی پر ناکام حملہ

محمود شرقی نے ۸۵۶ھ میں دہلی پر حملہ کیا اور کچھ عرصہ تک محاصرہ کر کے اہل شہر سے معرکہ آرائی کرتا رہا۔ سلطان بہلول دیپال پور سے ایک زبردست لشکر لے کر آیا اور محمود شرقی سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ دریا خاں افغان بادشاہ دہلی سے کبیدہ خاطر ہو کر محمود شرقی سے آملا تھا اور اس کی ملازمت اختیار کر لی تھی اس نے اسی اثناء میں غداری کی اور فرار ہو گیا۔ دریا خاں کے فرار کے بعد محمود شرقی نے زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس ہوا۔ اہل دہلی نے محمود شرقی کا تعاقب کیا' اس شورش میں ایک نامی گرامی شرقی امیر فتح خاں مارا گیا اور سات شرقی ہاتھیوں پر دشمن نے قبضہ کر لیا۔

دہلی پر دوبارہ حملہ

۸۶۱ھ میں جب بہلول لودھی نے آٹاوے کر چودھری پر لشکر کشی کر دی تو محمود شرقی نے موقع پا کر دوبارہ دہلی پر حملہ کیا جیسا کہ مناسب مقام پر بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔ فریقین ایک عرصے تک ایک دوسرے کے سامنے ڈٹے رہے' سلطان بہلول لودھی کے چچا زاد بھائی قطب خاں نے شرقی فوج پر شب خون مارا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی اور وہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

وفات

ابھی سلطان بہلول لودھی نے اس جنگ میں شرکت بھی نہ کی تھی کہ سلطان محمود شرقی بیمار پڑ گیا اور چند روز بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ محمود شرقی کی مدت حکومت بیس سال اور چند ماہ ہے۔

سلاطین سندھ اور ٹھٹھہ کے حالات

سندھ میں اسلام کی ترویج و اشاعت

حجاج کا ارادہ تسخیر ہندوستان

سندھ اور ٹھٹھہ میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے بارے میں "خلاصۃ الحکایات" "حجاج نامہ" حاجی محمد قندھاری کی تاریخ اور دوسری تاریخی کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف نے جو ولید بن عبدالملک کی طرف سے عراق عرب بلکہ ایران و توران کا بھی حاکم تھا ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

مکران کی فتح

حجاج نے سب سے پہلے ۸۶ھ کے شروع میں محمد ہارون کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ مکران کی طرف روانہ کیا۔ محمد ہارون نے مکران پہنچ کر اس شہر کو فتح کر لیا اور یہاں کے باشندے جن میں بلوچوں کا بھی ایک قبیلہ شامل تھا مشرف بہ اسلام ہو گئے اسی زمانے سے سندھ میں اسلام کی اشاعت شروع ہوتی ہے۔ ان دنوں مکران میں جابجا مسجدیں تعمیر کی گئیں اور شریعت اسلامی کے احکامات جاری کیے گئے۔

عرب و ہند کے تعلقات ظہور اسلام سے پہلے

جزیرہ سراندیپ کے باشندوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے باشندے حضرت آدمؑ کے زمانے سے کشتیوں کے ذریعے مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں جایا کرتے تھے۔ ظہور اسلام سے پہلے ہندوستان کے برہمن خانہ کعبہ کی زیارت اور بتوں کی پوجا کے لیے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے اور کعبہ کو بہترین معبد سمجھتے تھے۔

راجہ سراندیپ کی اسلام دوستی

ان تعلقات کی وجہ سے سراندیپ کا راجہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی نسبت اسلام کی حقیقت سے جلد آگاہ ہوا وہ صحابہ اکرام کے زمانے میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔ اس راجہ کو اسلامی فرماں رواؤں سے بہت عقیدت تھی' ایک مرتبہ اس نے بہت سے تحفے اور قیمتی اشیاء غلاموں اور کنیزوں کے ہمراہ سمندر کے راستے سے ولید کے پایہ تخت کو روانہ کیں۔ جب یہ کشتیاں عجم کے نواح میں پہنچیں تو لوک کے ان باشندوں نے جو حاکم دیبل کے حکم سے سمندر میں گشت لگایا کرتے تھے ان کشتیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

مسلمان عورتوں کی گرفتاری

ان کشتیوں میں جو سامان بھرا ہوا تھا اسے ان لوگوں نے لوٹ لیا اور چند مسلمان عورتوں کو جو حج کے ارادے سے ان کشتیوں میں سوار تھیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ جو لوگ گرفتاری سے بچ گئے وہ بحال تباہ حجاج کے پاس پہنچے اور اس کو تمام واقعہ سنا کر داد خواہی کی درخواست کی۔

راجہ داہر کے نام حجاج کا خط اور اس کا جواب

یہ روداد سن کر حجاج کو سخت غصہ آیا اور اس نے اسی وقت سندھ کے حاکم راجہ داہر بن صعصعہ کے نام ایک خط لکھا اور محمد ہارون کو بھیجا تا..کہ وہ اپنے قاصدوں کے ذریعے اس خط کو راجہ داہر تک پہنچا دے۔ محمد ہارون نے یہ خط داہر کو بھجوا دیا' اس نے یہ خط پڑھ کر جواب میں لکھا۔ "جن لوگوں نے یہ جرم کیا ہے ان کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے میں ان کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ تمام لوٹا ہوا مال واپس کر دیں اور مسلمان قیدی عورتوں کو رہا کر دیں۔

اہل دیبل سے جنگ' بدمن کی شہادت

حجاج بن یوسف نے یہ جواب پا کر ولید بن عبدالملک سے اہل ہند سے جہاد کرنے کی اجازت لی اور بدمن نامی ایک شخص کو تین ہزار سواروں کے ساتھ محمد ہارون کے پاس بھیجا۔ محمد ہارون کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایک ہزار تجربہ کار سپاہیوں کو بدمن کے ساتھ دیبل والوں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کرے۔ بدمن ان سپاہیوں کو لے کر دیبل پہنچا اور وہاں اس نے اہل دیبل سے جنگ کی' اس جنگ میں اسے شہادت نصیب ہوئی۔

محمد بن قاسم اور دیبل کا محاصرہ

بدمن کی شہادت کی خبر جب حجاج کو ملی تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے اس ناکامی کی تلافی کے لیے اپنے چچازاد بھائی اور داماد عماد الدین محمد بن قاسم کو جس کی عمر صرف سترہ سال تھی ۹۳ھ میں سندھ کی طرف روانہ کیا۔ محمد بن قاسم چھ ہزار تجربہ کار شامی سپاہیوں کے ساتھ شیراز کے راستے سے دیبل کے سرحدی شہروں دیون اور درسنہ میں پہنچا۔ یہاں سے اس نے کوچ کیا اور دیبل شہر میں جو دریائے عمان کے کنارے واقع ہے اور آج کل ٹھٹھہ کے نام سے مشہور ہے پہنچا محمد بن قاسم نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔

دیبل کا عظیم الشان مندر

دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا جو اپنی مضبوطی اور ساخت کے اعتبار سے ایک قلعے سے مماثلت رکھتا تھا۔ جب محاصرے کو کافی دن ہو گئے تو ایک برہمن جان کی امان طلب کر کے محمد بن قاسم کے پاس آیا۔ محمد بن قاسم نے اس برہمن سے شہر دیبل اور وہاں کے بڑے مندر کی کیفیت پوچھی اس برہمن نے بتایا کہ "اس مندر میں چار ہزار راجپوت سپاہی اور دو تین ہزار برہمن پجاری ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ برہمن پجاریوں نے ایک ایسا جادو کیا ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے مندر کو فتح کرنا ناممکن ہو گیا ہے جب تک اس جادو کے اثر کو زائل نہ کیا جائے مندر کو فتح نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ آج تک اس مندر کو کسی فاتح نے تسخیر نہیں کیا۔"

جادو کا اثر

محمد بن قاسم نے اس برہمن سے پوچھا کہ اس جادو کے اثر کو کیسے زائل کیا جا سکتا ہے؟ برہمن نے جواب دیا "فلاں جھنڈے کی بنیاد میں پجاریوں نے طلسم باندھ رکھا ہے اگر اس بنیاد کو تباہ کر دیا جائے تو جادو کا اثر زائل ہو سکتا ہے۔" محمد بن قاسم نے جنوبیہ نامی ایک منجنیق انداز کو حکم دیا کہ اس جھنڈے کی بنیاد پارہ پارہ کر دے۔ جنوبیہ نے تین بار اس جھنڈے پر پتھر پھینکے اور اس کی بنیاد کو بالکل تباہ کر دیا اور اس طرح جادو کا اثر ختم ہو گیا۔

مندر کی فتح

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مندر فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کی چار دیواری کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا اور برہمنوں کو اسلام لانے کی دعوت دی برہمنوں نے اس سے انکار کیا اس پر محمد بن قاسم نے لڑکوں' لڑکیوں اور جوان عورتوں کو لونڈی غلام بنا کر قید کر لیا اور سترہ برس سے زیادہ عمر کے مردوں کو قتل کر دیا۔ لونڈی غلاموں کے علاوہ محمد بن قاسم کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت بھی آیا اس نے اس کے پانچ حصے کیے ایک حصہ مع پچھتر کنیزوں کے حجاج کے پاس روانہ کیا اور باقی سب اہل لشکر میں تقسیم کر دیا۔

ہراون کی فتح

اس کے بعد محمد بن قاسم شہر ہراون کی طرف روانہ ہوا۔ جب شہر کے حاکم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قلعہ برہمن آباد قدیم کی طرف چلا گیا' اس کے درباریوں اور دیگر معتبر اشخاص نے جان کی امان طلب کر کے قلعہ محمد بن قاسم کے حوالے کر دیا۔ محمد بن قاسم نے شہر کی

حکومت ایک مسلمان امیر کے حوالے کی اور اہل لشکر کی ضرورت کے لیے غلہ اور دیگر اشیاء فراہم کر کے سیوان کی جانب روانہ ہو گیا۔

سیوان کے برہمن

اہل سیوان کو جو سب کے سب برہمن قوم سے تعلق رکھتے تھے جب محمد بن قاسم کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنے حاکم کجرائے کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہمارے مذہب کی رو سے خون ریزی ناجائز ہے اس لیے ہم مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے لہذا ہماری رائے میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم محمد بن قاسم سے امان طلب کر لیں اور اس کی اطاعت گزاری کو اپنا شعار بنائیں۔"

سیوان کی فتح

کجرائے برہمنوں کی زبان سے یہ کلمات سن کر بہت غصے میں آیا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا' مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرے کو ایک ہفتہ گزر گیا تو راجہ کجرائے رات کے وقت اپنے راجپوت سپاہیوں کی ایک جماعت کے ساتھ فرار ہو کر قلعہ سلیم کے راجہ کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ صبح ہوئی تو برہمنوں نے محمد بن قاسم سے امان طلب کر کے شہر اسکے حوالے کر دیا۔

حصار سلیم کی فتح

محمد بن قاسم کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا۔ اس نے اس میں سے پانچواں حصہ الگ کر کے بقیہ اہل لشکر میں تقسیم کر دیا۔ یہاں سے فتح سیوان کے بعد محمد بن قاسم نے حصار سلیم کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ یہاں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کو بھی حسب سابق تقسیم کر دیا گیا مسلمانوں نے اس شہر میں چند روز تک قیام کیا۔

بیلسہ اور محمد بن قاسم کی جنگ

اسی دوران میں راجہ داہر کا بڑا بیٹا جس کا نام بیلسہ تھا ایک عظیم الشان لشکر لے کر محمد بن قاسم کے مقابلے میں آیا۔ انہیں دنوں ایک اور مصیبت بھی نازل ہوئی اور وہ یہ کہ بیماری کی وجہ سے مسلمانوں کے بہت سے گھوڑے ہلاک ہو گئے یہ انتہائی پریشان کن حادثہ تھا۔ محمد بن قاسم نے فوراً حجاج بن یوسف کو اطلاع دی' حجاج نے بلا تاخیر دو ہزار گھوڑے بھجوائے اس کے بعد مسلمانوں نے بیلسہ کے لشکر کا محاصرہ کر لیا اور فریقین میں زبردست جنگ چھڑ گئی دو تین بار معرکہ آرائی ہوئی لیکن اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔

نجومیوں کی حق گوئی

راجہ داہر نے اپنے ملک کے تمام نجومیوں کو اکٹھا کیا اور ان سے پوچھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا کیا انجام ہو گا۔ نجومیوں نے جواب دیا کہ ہم نے پرانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک زمانے میں عرب میں ایک ایسا شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہو گا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور ساری دنیا کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اس مبارک ہستی کے وصال کے بعد ۸۶ھ میں عربی لشکر دیبل کے نواح میں پہنچے گا اور "۹۲ھ میں اس شہر میں داخل ہو کر سارے ملک پر قبضہ کر لے گا۔ راجہ داہر نے نجومیوں کی یہ بات سنی اور ان سنی کر دی۔ اگرچہ وہ پہلے بھی ان نجومیوں کو کئی بار آزما چکا تھا اور ان پر بڑا اعتماد رکھتا تھا' لیکن اس بار چونکہ اس کا آخری وقت قریب آ چکا تھا' اس لیے اس نے یہ روش اختیار کی۔

راجہ داہر سے جنگ

راجہ داہر نے جنگ کا ارادہ کر لیا' اس نے پچاس ہزار راجپوت' سندھی اور ملتانی سواروں کا زبردست لشکر تیار کیا اور ۱۰ رمضان المبارک بروز جمعرات ۹۳ھ ہجری کو محمد بن قاسم کے مقابلے پر آیا۔ محمد بن قاسم نے چھ ہزار صف شکن عرب سپاہیوں کے ساتھ راجہ داہر کا سامنا کیا۔ فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی جو چند روز تک جاری رہی راجہ داہر کے سپاہیوں نے بڑی جان بازی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں

کو مغلوب کرنے کی بہت کوشش کی۔

جنگ مغلوبہ

ایک روز راجہ داہر ایک سفید ہاتھی پر سوار ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ محمد بن قاسم بھی اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھا۔ پہلے تو فریقین فرداً فرداً لڑتے رہے اور اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اس پر راجہ داہر نے جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ اس میں وہ خود بھی شریک ہوا اور بڑی بہادری سے تلوار چلاتا رہا اس پر راجہ داہر اور اس کے لشکریوں نے بہادری کا شاندار مظاہرہ کیا۔ اسی اثناء میں ایک عرب گولہ انداز نے راجہ کے ہاتھی پر ایک گولہ پھینکا' آگ دیکھ کر ہاتھی بے قابو ہو گیا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ مہابت نے ہاتھی کو قابو میں کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

راجہ داہر کی ہلاکت

ہاتھی بھاگتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا اور پانی میں اتر گیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کا تعاقب کیا اور اس کے پیچھے دریا کے کنارے آیا' یہاں پھر جنگ شروع ہو گئی راجہ نے اپنے ہاتھی کو مسلمانوں پر دوڑایا اور نیزے اور تلواریں مار مار کر بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا۔ اسی دوران میں راجہ کو ایک تیر لگا اور ہاتھی سے نیچے گر گیا اس موقعے پر راجہ نے ایک بار پھر بہادری کا مظاہرہ کیا اور بڑی پھرتی سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا ایک عربی سوار نے راجہ پر حملہ کر دیا اور تلوار کے ایک ہی وار میں اسے ہلاک کر دیا۔

قلعہ ازدر پر حملہ

راجہ کے لشکریوں نے جب اپنے آقا کی یہ حالت دیکھی تو وہ حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور قلعہ ازدر میں پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور بہت سا مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی' راجہ داہر کے بیٹے بیلسہ نے یہ ارادہ کیا کہ قلعے کو بہادر سپاہیوں کی تحویل میں دے دیا جائے اور وہ خود قلعے سے باہر نکل کر محمد بن قاسم سے معرکہ آرائی کرے لیکن بیلسہ کے مقربین نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر برہمن آباد چلے گئے۔

زوجہ داہر کی بہادری

راجہ داہر کی بیوی بہت ہی جرات مند اور بہادر عورت تھی اس نے اپنے بیٹے بیلسہ کے ساتھ برہمن آباد جانے سے انکار کر دیا اور پندرہ ہزار راجپوت سواروں کا ایک زبردست لشکر لے کر قلعے سے باہر نکلی اور مسلمانوں کے مقابلے پر آئی۔ محمد بن قاسم نے ایک عورت کا مقابلے کرنا مناسب نہ سمجھا اس پر رانی قلعے میں محصور ہو گئی اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچنے لگی۔

مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا جو ایک عرصے تک قائم رہا۔ اہل قلعہ محاصرے کی طوالت کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے جب اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی تو انہوں نے آگ کا ایک بڑا الاؤ روشن کر کے اپنے بیوی بچوں کو اس کے سپرد کر دیا اور قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ راجپوت راجہ داہر کی بیوی کی نگرانی میں قلعہ سے باہر نکلے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے لگے۔ یہ تمام راجپوت اس حد تک لڑے کہ سب مع رانی کے مارے گئے اس کے بعد مسلمانوں کا لشکر قلعے میں داخل ہوا انہوں نے چھ ہزار راجپوتوں کو قتل اور بیس ہزار کو قید کیا۔ ان قیدیوں میں راجہ داہر کی دو لڑکیاں بھی تھیں جن کو محمد بن قاسم نے خلیفہ کے پاس بطور تحفہ ارسال کیا۔

ملتان کی فتح

محمد بن قاسم نے دیبل کا تمام ملک عربی امراء میں تقسیم کر دیا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ملتان بھی راجہ داہر کے قبضے میں تھا تو اس نے اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم نے ملتان کو پایہ تخت بنایا اور یہاں کے تمام مندروں کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کیں۔

داہر کی بیٹیاں اور خلیفہ ولید

حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کی دونوں بیٹیوں کو خلیفہ کے پاس دمشق روانہ کر دیا اور یہ لڑکیاں خلیفہ کے محل میں رہنے لگیں ایک عرصے بعد خلیفہ ولید کو ان لڑکیوں کا خیال آیا اور اس نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ خلیفہ کے پوچھنے پر ان لڑکیوں نے اپنے نام بتائے' بڑی کا نام سرلا دیوی اور چھوٹی کا نام پرمل دیوی۔ سرلا دیوی ولید کو بہت پسند آئی اور اسے اپنے محل میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ سرلا کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا "میں آپ کے محل میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ محمد بن قاسم تین راتیں میرے ساتھ گزار چکا ہے' کیا مسلمانوں میں یہی رواج ہے کہ عورت پر پہلے تو ملازم اپنے ہاتھ صاف کریں اور بعد میں اپنے خلیفہ کے پاس بطور تحفہ روانہ کر دیں۔

محمد بن قاسم کا عبرتناک انجام

یہ سن کر خلیفہ ولید سخت طیش میں آ گیا اور اس نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے یہ فرمان لکھا۔ "محمد بن قاسم جہاں کہیں بھی ہو فوراً اپنے آپ کو گائے کی کھال میں بند کر کے پایہ تخت پہنچ جائے۔" محمد بن قاسم کو جب یہ فرمان ملا تو اس بے چارے نے مجبوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اس نے اپنے آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹا اور اپنے آدمیوں سے کہا "مجھے ایک صندوق میں بند کر کے خلیفہ کے پاس پہنچا دو" ایسا ہی کیا گیا اور بے بس و بے کس محمد بن قاسم کو دمشق پہنچا دیا گیا۔

صندوق میں بند (مرا ہوا) محمد بن قاسم جب خلیفہ کے سامنے پہنچا تو ولید نے سرلا دیوی کو بلا کر کہا "دیکھو میں مجرموں کو ایسی عبرتناک سزا دیتا ہوں۔" اس پر سرلا نے ولید سے کہا۔ "آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ بغیر تحقیق کسی کی بات کا یقین کریں ہر بات کو آپ پہلے میزان عقل پر تولا کریں اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا کریں۔ آپ نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عقل سے بے بہرہ ہیں اور محض خدا کے سہارے حکومت کر رہے ہیں۔ محمد بن قاسم نے میری طرف کبھی دست تصرف نہیں بڑھایا اور ہمیشہ مجھے اپنی بہن کی طرح اپنے ساتھ رکھا ہے چونکہ اس نے ہماری قوم کو تباہ و برباد کیا تھا اس لیے میں نے انتقامی جذبے کے تحت اس پر الزام تراشی کی مجھے خوشی ہے کہ میں محمد بن قاسم سے انتقام لینے میں کامیاب ہوئی ہوں۔" ولید سرلا دیوی کی زبان سے یہ کلمات سن کر بہت شرمندہ ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر ہی رہا۔

محمد بن قاسم کے بعد-----!!

محمد بن قاسم کی وفات کے بعد سندھ کی حکومت کا تفصیلی تذکرہ کسی مشہور تاریخ میں نہیں ملتا' تاریخ "بہادر شاہی" میں تذکرہ تو ہے مگر تفصیل نہیں مولف نے صرف سندھ کے حاکموں کے نام لکھ دیئے ہیں۔ محمد بن قاسم کے بعد سندھ پر ایک ایسے گروہ نے حکومت کی جو اپنے آپ کو تمیم انصاری کی اولاد بتاتا تھا لیکن اس خاندان کے فرماں رواؤں کے نام راقم الحروف مورخ فرشتہ کی نظر سے کسی کتاب میں نہیں گزرے۔

شاہان جام

اس خاندان کے بعد سومرکان کے قبیلے نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی' پھر سندھ کے زمینداروں کے ایک خاندان "سمگان" میں حکومت منتقل ہوئی' اس خاندان کے بادشاہوں کو شاہان جام کہا جاتا ہے۔

ان دونوں خاندانوں کے عہد حکومت میں کبھی کبھی غزنین غور اور دہلی کے مسلمان بادشاہ سندھ پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں اور اس ملک کے بعض شہروں کو فتح کر کے اپنے اپنے پایہ تخت کو واپس چلے جاتے تھے' لیکن ناصر الدین قباچہ نے ایسا نہ کیا اس نے سندھ کو فتح کر کے اپنا پایہ تخت بھی یہیں بنایا۔ آئندہ اوراق میں سندھ کے غوری' غزنی اور دہلوی حملہ آوروں کے حالات بیان نہیں کئے جائیں گے کیونکہ راقم الحروف اپنی اس تالیف میں ان فرماں رواؤں کے حالات مناسب مقامات پر سپرد قلم کر چکا ہے۔ ذیل کی سطور میں پہلے تو نامور

الدین قباچہ کے حالات لکھے جائیں گے اور پھر شاہان جام یعنی قبیلہ سمّان کے بادشاہوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

ناصرالدین قباچہ

ہندوستان کے تمام مورخین نے ناصرالدین قباچہ کے حالات سلاطین دہلی کے تذکرے کے ساتھ بیان کئے ہیں لیکن راقم الحروف مورخ فرشتہ نے اس عام روش کی پیروی نہیں کی' اس لیے اس بادشاہ کے حالات فرماں روایان سندھ کے ضمن میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

سلطان معزالدین سام کا فیض صحبت

ناصرالدین قباچہ سلطان معزالدین بن سام کا ترکی غلام تھا جو عقل مندی' معاملہ فہمی اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ سلطان معز الدین بن سام کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے ناصرالدین قباچہ کے تجربات میں بڑا اضافہ ہوا تھا اور اسی سلطان کے فیض صحبت سے اس نے قواعد جہاں بانی و کشور کشائی میں کمال حاصل کیا تھا۔ سلطان معزالدین نے ملک خطا پر حملہ کیا اور اہل خطا سے ایک زبردست جنگ کی اس جنگ میں اوچھ کا جاگیردار تمر مارا گیا۔ سلطان معزالدین نے ناصرالدین قباچہ کو اوچھ کا حاکم بنا دیا۔

قطب الدین ایبک کی اطاعت

ناصرالدین قباچہ سلطان قطب الدین ایبک کا داماد تھا اس کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے اس سے بیاہی گئی تھیں۔ ناصرالدین اپنے آقا سلطان معزالدین کے حکم کے مطابق سلطان قطب الدین ایبک سے ملنے کے لیے کبھی کبھی اوچھ سے دہلی میں آیا کرتا تھا۔

وسعت سلطنت

سلطان قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد ناصرالدین قباچہ نے سندھ کے بیشتر قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا اس قبیلہ سومرکان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ ان کے قبضے میں ٹھٹھہ اور جنگلی علاقے کے سوا اور کچھ نہ رہا (واضح رہے کہ قبیلہ سومرکان میں ہندو اور مسلمان دونوں مذہبوں کے ماننے والے پائے جاتے تھے) اس قبیلے کے افراد نے مجبور ہو کر زراعت کو اپنا پیشہ بنایا اور گوشہ نشین ہو گئے۔ ناصر الدین قباچہ کے بعد اس قبیلے نے دوبارہ سر اٹھایا اور رفتہ رفتہ سندھ کو دہلی کے فرماں رواؤں کے قبضے سے نکال لیا۔

خود مختار حکومت

ناصرالدین نے سندھ میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی اور دریا سرتی کے کنارے تک سرہند' کہرام اور ملتان وغیرہ مقامات کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ سلطان تاج الدین یلدوز نے ناصرالدین قباچہ کی مملکت کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے چند مرتبہ غزنی سے اپنا لشکر بھی روانہ کیا لیکن ہر مرتبہ اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

خوارزمی لشکر سے جنگ

۶۱۱ھ میں خوارزمی لشکر جو سلطان جلال الدین کی طرف سے غزنی میں مقیم تھا ہندوستان کے سرحدی مقامات پر قابض ہو گیا۔ ناصر الدین نے اس لشکر کا مقابلہ کیا اور فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اگرچہ اس جنگ میں خلجی سردار مارا گیا لیکن غزنی کا وزیر شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

لاہور پر حملہ

۶۰۴ھ میں ناصرالدین نے لاہور پر حملہ کیا اور سرہند تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا' اسی دوران میں اسے معلوم ہوا کہ سلطان شمس

الدین اس سے مقابلہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ شمس الدین کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے حریف تک جلد از جلد پہنچنے کے خیال سے بغیر کسی تکلف کے دریا میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ تمام امیروں اور لشکریوں نے بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کی اس وجہ سے شمس الدین کے لشکر کا بڑا حصہ دریا میں ڈوب گیا۔ ناصر الدین قباچہ نے شمس الدین کی آمد کی خبر سنی تو وہ ملتان کی طرف بھاگ گیا اس افراتفری میں شمس الدین نے ناصر الدین کے علم و طبل پر قبضہ کر لیا۔

پناہ گزین مسلمانوں کی دل جوئی

جس زمانے میں چنگیز خاں کے انسانیت سوز مظالم مسلمانوں کے لیے سوہان روح بنے ہوئے تھے غزنی خراسان اور غور کے بے شمار مسلمان ناصر الدین قباچہ کے پاس آئے۔ ناصر نے ان سب کی دل جوئی کی اور ان میں سے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق انعام و اکرام سے نوازا۔

سلطان جلال الدین کی ہندوستان میں آمد

چنگیز خاں کی خون آشام تلوار نے سلطان جلال الدین بن سلطان محمد خوارزم کو ہندوستان آنے پر مجبور کر دیا۔ یہ فرماں روا ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنی بہادری اور حکمت عملی سے لڑتا اور اپنی قوت بڑھاتا رہا نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے دس ہزار سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر اپنے گرد جمع کر لیا۔ جلال الدین یلدوز کو (جو سلطان شہاب الدین کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا) اپنا قاصد بنا کر گکھروں کے راجہ کو کار سنکر کے پاس بھیجا اور راجہ سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ کوکار سنکر نے اپنی بیٹی کو جلال الدین کی خدمت میں بھیج کر یہ درخواست کی کہ ناصر الدین قباچہ ہم گکھروں کا جانی دشمن ہے۔ آپ ازراہ کرم اس کو راہ راست پر لائیں' ہماری قوم تا عمر آپ کی ممنون احسان رہے گی۔"

ناصر الدین قباچہ پر جلال الدین کا حملہ

سلطان جلال الدین نے راجہ کوکار سنکر کے بیٹے کو (جو اس کی خدمت میں حاضر تھا) قلیج خاں کے خطاب سے نوازا اور اپنے ایک امیر کے ساتھ (جو ایک مشہور اوزبک پہلوان تھا) مع سات ہزار سواروں کے ناصر الدین قباچہ کے مقابلے کو روانہ کیا۔ ناصر الدین کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے بیس ہزار سواروں کا ایک لشکر تیار کیا اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اوچھ کے قریب دریائے سندھ کے کنارے مقیم ہوا۔ اوزبک باشی نے موقع پا کر قباچہ کے لشکر پر شب خون مارا اور اس کے لشکر کو سخت پریشان کیا ناصر الدین بڑی مشکلوں سے جان بچا کر ایک کشتی کے ذریعے دشمن کے چنگل سے بھاگ نکلا۔ اوزبک باشی نے اپنی اس کامیابی سے سلطان جلال الدین کو مطلع کیا۔

جلال الدین اوچھ میں

اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ دہلی کا لشکر اس طرف آ رہا ہے۔ سلطان جلال الدین نے وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اوچھ میں آ گیا۔ اوچھ میں اس نے سلطان ناصر الدین قباچہ کی بارگاہ میں قیام کیا اور قباچہ کے پاس قاصد روانہ کر کے اسے یہ پیغام دیا۔ "امیر خان کا بیٹا اور بیٹی جو حال ہی میں دریائے سندھ کے کنارے سے فرار ہو کر اس نواح میں آئے ہیں انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔" ناصر الدین نے حکم کی تعمیل کی اور دونوں مطلوبہ افراد کو مع بہت سے تحفوں کے جلال الدین کی خدمت میں روانہ کیا۔

شہزادہ چغتائی خاں کی آمد

سلطان جلال الدین نے اوچھ میں کسی قسم کا ہنگامہ بپا نہ کیا اسی دوران میں گرمیوں کا موسم آ گیا اور وہ کوہ جود اور بنگالہ کی چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک قلعہ نظر آیا' سلطان جلال الدین نے اس کا محاصرہ کر کے فتح کا جھنڈا لہرا کر اہل قلعہ کو قتل کر دیا اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ چنگیز خاں کے حکم سے شہزادہ چغتائی خاں' سلطان جلال الدین کو گرفتار کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ سلطان جلال الدین

کو یہ شک گزرا کہ ناصرالدین قباچہ شہزادہ چغتائی خاں کی مدد کر رہا ہے۔ اس خیال سے جلال الدین اوچھ کی طرف روانہ ہوا۔

اوچھ کی آتش زدگی

ملتان پہنچ کر سلطان جلال الدین نے سلطان ناصرالدین قباچہ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن ناصرالدین اس کے قابو میں نہ آیا اور مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر جلال الدین اوچھ کی طرف روانہ ہو گیا اس نے اہالیان اوچھ کو اپنی اطاعت کے لیے کہا مگر یہ لوگ نہ مانے اس پر جلال الدین نے شہر کو نذر آتش کر دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے دیبل کی جانب جو ان دنوں ٹھٹھہ کے نام سے مشہور ہے روانہ ہوا۔

قباچہ کے قصبات اور شہروں کی تباہی

راستے میں جب کوئی ایسا شہر یا قصبہ نظر آتا جو ناصرالدین قباچہ کے زیر حکومت ہوتا تو جلال الدین فوراً اسے تباہ و برباد کر دیتا اور پھر آگے بڑھتا۔ غرض اس طریقے سے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا وہ ٹھٹھہ پہنچا' ٹھٹھہ کے راجہ حبشی کو جو قبیلہ سومرکان سے تعلق رکھتا تھا جب جلال الدین کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے تمام مال و اسباب اور بیوی بچوں کو لے کر قریب کے ایک جزیرے میں (کشتیوں کے ذریعے) چلا گیا۔

جلال الدین کی عراق کو روانگی

جلال الدین نے ٹھٹھہ میں قیام کر کے یہاں کے عظیم الشان مندر کو مسمار کروا دیا اور اس کی جگہ ایک شاندار مسجد تعمیر کی۔ جلال الدین نے پہلے سندھ اور گجرات کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ کچھ اور مکران کے راستے سے ۶۲۰ھ میں عراق کی طرف روانہ ہو گیا جس کی تفصیل تاریخ عجم میں مرقوم ہے۔

چغتائی خاں کی شورش

جب شہزادہ چغتائی خاں مغل لشکر کو لے کر جلال الدین کے تعاقب میں ملتان پہنچا تو ناصرالدین قباچہ نے جرات اور بہادری کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ چالیس روز کے بعد اہل ملتان نے مغلوں کے محاصرے سے نجات حاصل کر لی۔ اس کے بعد چغتائی خاں کچھ اور مکران کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے ان علاقوں کو خوب جی کھول کر لوٹا اور پھر سردیوں کا موسم گزارنے کے لیے کالنجر کے علاقے میں جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے مقیم ہوا۔ چغتائی خاں نے مختلف معرکوں میں تیس چالیس ہزار ہندوستانیوں کو قید کر رکھا تھا۔ ان مظلوم ہندوستانیوں کو اس بہانے سے قتل کر دیا گیا کہ ان کی موجودگی سے مغل لشکر کی ہوا میں بدبو پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد چغتائی خاں توران کی طرف چلا گیا۔ کالنجر کے حاکم سالار احمد نے ناصرالدین قباچہ کو چغتائی خاں کی فتنہ پردازی اور غارت گری کی اطلاع دی جس سے وہ بہت غمگین ہوا۔

التمش کا حملہ اور قباچہ کی غرقابی

۶۲۴ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے ناصرالدین قباچہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد سے چند بار سندھ پر لشکر کشی بھی کی۔ التمش جب اپنا لشکر لے کر اوچھ تک آ گیا تو ناصرالدین قباچہ شہر کو مستحکم کر کے بکر کی طرف چلا گیا۔ التمش نے اوچھ کا محاصرہ کر لیا اور نظام الملک بن ابو سعید جنیدی کو (جس نے کتاب جامع الحکایات التمش کے نام سے معنون کی ہے) قلعہ بکر کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ ناصر الدین قباچہ کشتی کے ذریعے سے ایک نواحی جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اسے منزل مقصود پر پہنچنا نصیب نہ ہوا اور کشتی دریا میں ڈوب گئی اور قباچہ ہلاک ہو گیا۔

قباچہ کی غرقابی کی صحیح روایت

ناصرالدین قباچہ کے غرق دریا ہونے کی صحیح روایت یہ ہے کہ التمش کے خوف سے قباچہ جب اوچھ سے بکر کی طرف روانہ ہوا تو التمش نے یہ مہم اپنے وزیر نظام الملک کے سپرد کر دی اور خود واپس دہلی چلا گیا۔ نظام الملک نے دو ماہ کی لگاتار کوششوں کے بعد اوچھ کو فتح کر لیا اور بڑے تزک و احتشام سے بکر کی جانب روانہ ہوا۔ ناصرالدین قباچہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو ساتھ لیا اور تمام زر و جواہر ہمراہ لے کر کشتی کے ذریعے سے اس نواح کے ایک جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا اتفاق سے دریا کی خونی لہروں میں تموج پیدا ہوا۔ بادشاہ کی کشتی ان لہروں کی لپیٹ میں آ گئی اور ڈوب گئی باقی کشتیاں تو ساحل پر پہنچ گئیں' لیکن قباچہ کا کچھ پتہ نہ چلا قباچہ نے سندھ اور ملتان پر بائیس سال حکومت کی۔

زمینداران سندھ یعنی قبیلہ ستم گان کی حکومت

سندھ میں دو طرح کے زمیندار آباد تھے۔ ان میں سے ایک قبیلے کو "سومرکان" اور دوسرے کو "ستم گان" کہا جاتا تھا۔ محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت کے آخر میں سندھ کی حکومت "سومرگان" قبیلے کے ہاتھوں سے نکل گئی اور قبیلہ ستم گان سندھ پر قابض ہو گیا۔ اس قبیلے کے بیشتر فرماں روا شاہان دہلی کے اطاعت گزار اور باج گزار تھے' لیکن کبھی کبھی کوئی ستم گان حاکم اس تعلق کو توڑ کر اپنی خود مختاری کا اعلان بھی کر دیتا تھا۔ ستم گانوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ جمشید کی نسل سے ہیں اور اس لیے ان کا ہر فرماں روا "جام" کا لقب اختیار کرتا تھا۔

جام افزاہ

ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد حکومت میں سب سے پہلے قبیلہ ستم گان کا جو شخص فرماں روائی کے مرتبے تک پہنچا اس کا نام جام افزاہ تھا۔ یہ فرمان روا بہت ہی دور اندیش اور معاملہ فہم انسان تھا۔ اس نے تین سال اور چھ ماہ تک حکومت کر کے داعی اجل کو لبیک کہا۔

جام جونا

جام افزاہ کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا چھوٹا بھائی جام جونا حکومت کا وارث ہوا۔ یہ بہت ہی علم دوست انسان اور انصاف پسند حاکم تھا' اس نے سندھ پر چودہ سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

جام مانی بن جام جونا

فیروز شاہ کا پہلا حملہ

جام جونا کی وفات کے بعد جام مانی نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں کی اور تمام سرداروں اور امیروں کو اپنا ہی خواہ بنا لیا۔ جام مانی نے سلطنت دہلی کا مطیع رہنا مناسب نہ سمجھا اور خراج دینے سے انکار کیا۔ اس وجہ سے ۷۶۲ ہجری میں سلطان فیروز شاہ نے سندھ پر حملہ کر دیا۔ جام مانی ایک محفوظ مقام پر فروکش ہوا اور اس نے اپنی ضرورت کے مطابق غلہ اور چارہ فراہم کر کے بقیہ تمام غلے اور چارے کو نذر آتش کر دیا' تاکہ وہ اس پر قبضہ کر کے فائدہ نہ اٹھائے۔ سلطان فیروز شاہ کو جام مانی کے اس اقدام کی وجہ سے بڑی پریشانی اٹھانی پڑی' غلے اور چارے کی کمی کی وجہ سے اس کا سندھ میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور وہ گجرات کی طرف چلا گیا۔

فیروز شاہ کا دوسرا حملہ

برسات کا زمانہ فیروز شاہ نے گجرات میں بسر کیا اور پھر سردیوں کے شروع میں دوبارہ سندھ پر حملہ کیا۔ اب کی بار چونکہ جام مانی اجناس کو نذر آتش نہ کر سکا تھا۔ اس لیے فیروز شاہ کو کوئی زحمت نہ اٹھانا پڑی' یہ صورت حال دیکھ کر جام مانی بہت پریشان ہوا اور اس نے فیروز شاہ سے امان طلب کی۔ فیروز شاہ نے سندھ پر قبضہ کر کے یہ ملک اپنے ایک امیر کے سپرد کر دیا اور خود جام مانی اور دوسرے سندھی سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر دہلی روانہ ہو گیا۔

جام مانی کا انتقال

کچھ عرصے تک جام مانی بڑی خوش اسلوبی اور تن دہی سے سلطان فیروز شاہ کی خدمت کرتا رہا اس وجہ سے فیروز شاہ اس سے بہت خوش ہوا اور اسے دوبارہ سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔ جام مانی اپنے وطن میں آیا اور امن و اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے پندرہ

سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

جام تماجی بن جام مانی

جام مانی کے انتقال کے بعد سندھ کی حکومت اس کے بیٹے جام تماجی کے ہاتھ آئی اس نے تیرہ برس اور چند ماہ تک بغیر کسی خوف و خطر کے حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

جام صلاح الدین

جام تماجی کے بعد جام صلاح الدین سندھ کا فرماں روا ہوا۔ اس نے بڑی فارغ البالی سے حکومت کی' اس کی مدت حکومت گیارہ برس ہے۔

جام نظام الدین

صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا جام نظام الدین تخت پر بیٹھا اس کی مدت حکومت دو سال اور چند ماہ ہے۔

جام علی شیر

نظام الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جام علی شیر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کے کاموں کو انجام دیا اور نہایت عدل و انصاف سے حکومت کر کے رعایا کو خوش و خرم رکھا۔ اس کے عہد حکومت میں چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع ہو گیا اور ملک میں مکمل امن و امان کا دور دورہ ہوا۔ اس نے چھ برس اور چند مہینوں تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا' اس کی موت پر رعایا نے بڑا ماتم کیا۔

جام کران بن جام تماجی

جام علی شیر کے بعد جام کران نے حکومت کا دعویٰ کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ چونکہ اس کا باپ جام تماجی سندھ کا حکمران تھا اس لیے باپ کی سلطنت اسی کو وراثت میں ملنی چاہیے اس تدبیر سے اس نے سرداروں کو اپنا ہی خواہ بنا کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی' مگر خداوند تعالیٰ کی رضا یہی تھی کہ وہ حکومت نہ کرے' صرف ڈیڑھ دن کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ستم گانوں نے آپس میں مشورے کے بعد فتح خاں بن اسکندر خاں کو اپنا حکمران منتخب کیا' جام سکندر کی مدت حکومت پندرہ سال ہے۔

جام تغلق بن جام سکندر

جام سکندر کے بعد اس کا چھوٹا بھائی جام تغلق تخت نشین ہوا اس نے حکومت کے کاموں کو بڑی اچھی طرح انجام دیا اور اس طرح تمام رعایا کو اپنا ہی خواہ بنا لیا۔ جام تغلق کے عہد حکومت میں سلطنت دہلی کا وہ پہلا سا رعب و دبدبہ باقی نہ رہا تھا اس وجہ سے جام تغلق نے شاہان گجرات سے دوستانہ مراسم پیدا کیے جام تغلق کے بعد سندھ کے فرمانرواؤں کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ ہمیشہ شاہان گجرات کو دوست بنائے رکھتے تھے اور ضرورت کے وقت ان کی مدد حاصل کرتے تھے۔ جام تغلق نے اٹھائیس سال حکومت کی۔

جام مبارک

جام مبارک جام تغلق کا رشتہ دار تھا آخر الذکر کی وفات کے بعد اس نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی لیکن اسے زیادہ دیر حکومت کرنا نصیب نہ ہوئی اور تخت نشینی کے تیسرے ہی روز اس نے انتقال کیا۔

جام اسکندر بن جام فتح بن سکندر

جام مبارک کے بعد تمام امراء نے متفقہ طور پر جام اسکندر کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس فرماں روا نے ایک سال چھ ماہ تک حکومت کی۔

جام سنجر

جام اسکندر کی وفات کے بعد امیروں اور وزیروں نے جام سنجر کو سندھ کا حکمران بنا دیا۔ اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا' نیز وہ پچھلے فرماں رواؤں کے عہد میں ملکی و مالی خدمات انجام دے چکا تھا اس وجہ سے سندھ کی فرمانروائی کے لیے اس کا انتخاب بہت موزوں تھا جام سنجر نے آٹھ سال اور چند ماہ تک حکومت کی۔

جام نظام الدین المشہور بہ جام نندا

شاہ بیگ ارغوان کا حملہ

جام سنجر کے انتقال کے بعد جام نندا تخت نشین ہوا اس کے عہد حکومت میں سندھ نے بہت ترقی کی اور اس کی آبادی و معموری میں بہت اضافہ ہوا۔ جام نندا سلطان حسین لنگاہ کا ہم عصر تھا اور اسی کے عہد حکومت میں شاہ بیگ ارغوان قندھار سے آکر قلعہ سولی پر قابض ہو گیا۔ اس قلعے کا حاکم بہادر خاں نامی ایک سندھی امیر تھا۔ شاہ بیگ نے اسے برطرف کر کے اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمد خاں کو اس قلعے کا حاکم بنایا اور خود قندھار واپس چلا گیا۔

قلعہ سولی پر نندا کا دوبارہ قبضہ

شاہ بیگ کی واپسی کے بعد جام نندا نے مبارک خاں نامی اپنے ایک بہادر اور تجربہ کار امیر کو سلطان محمد سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ فریقین میں کئی بار لڑائی ہوئی آخر کار سلطان محمد مارا گیا اور اس طرح قلعہ سولی دوبارہ جام نندا کے قبضے میں آ گیا۔

میرزا عیسیٰ خاں کا حملہ

شاہ بیگ کو جب اپنے بھائی کے قتل کی خبر ملی تو اس نے میرزا عیسیٰ خاں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ جام نندا پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جام نندا نے بھی بہادر سپاہیوں کی ایک فوج تیار کی اور سرحد پر میرزا عیسیٰ خاں سے معرکہ آرا ہوا۔ اس لڑائی میں جام نندا کے بہت سے تجربہ کار اور جاں باز امیر مارے گئے۔ مبارک خاں زخمی ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور قصبہ بھکر میں پناہ گزیں ہوا۔

بھکر پر شاہ بیگ کا قبضہ

میرزا عیسیٰ کی کامیابی کی خبر جب شاہ بیگ کو پہنچی تو اس نے سارے ملک سندھ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد سے وہ ایک لشکر جرار لے کر قندھار سے روانہ ہوا اور بھکر پہنچ کر تباہی و بربادی اور غارت گری کا بازار گرم کیا۔ قاضی قادن بھکر کا حاکم تھا جسے جام

نندا نے مقرر کیا تھا' قاضی قاون نے ہرچند شاہ بیگ کی مدافعت کی' لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی دو وجوہ تھیں ایک تو یہ کہ قلعہ بھکر اس وقت تک کچھ زیادہ مستحکم نہ تھا' دوسرے اہل بھکر کو جام نندا کی طرف سے مدد نہ ملی۔ قاضی قاون نے مجبور ہو کر امان طلب کی اور قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا۔

سہوان پر شاہ بیگ کا قبضہ

شاہ بیگ نے قلعہ بھکر کی حکومت اپنے نامی گرامی امیر فاضل بیگ کو کاتاش کے حوالے کی اور خود سہوان کی جانب روانہ ہوا۔ شاہ بیگ نے سہوان کو بھی فتح کر لیا اور اس شہر کا حاکم خواجہ بیگ کو مقرر کیا' اس سال شاہ بیگ نے صرف انہیں فتوحات پر اکتفا کیا اور قندھار واپس چلا گیا۔

سندھیوں کی بزدلی

جام نندا نے بے شمار دولت صرف کر کے ایک زبردست لشکر تیار کیا اور قلعہ سولی کو دوبارہ اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی' لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ سندھی سپاہی عیسیٰ خاں کے ترکی سپاہیوں کی بہادری اور جرات سے بہت خائف تھے اور ان کا مقابلہ کرنے سے کتراتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک ترکی سپاہی اپنے گھوڑے کی زین کو درست کرنے کے لیے نیچے اترا' اسی اثناء میں چالیس سندھی سپاہی بھی اس کے قریب پہنچ گئے ان سندھیوں نے اکیلے ترکی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' ترکی فوراً گھوڑے پر سوار ہوا تاکہ وہ راہ فرار اختیار کرے۔ سندھی یہ سمجھے کہ شاید وہ ان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس خیال سے فوراً اس کے سامنے سے بھاگ گئے۔

جام نندا کا انتقال

جام نندا اپنی سلطنت کو مائل بہ زوال ہوتے دیکھ کر بیمار پڑ گیا اور آخر کار ساٹھ برس تک حکومت کر کے اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔

جام فیروز

جام نندا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جام فیروز سندھ کی حکومت کا وارث ہوا۔ اس نے اپنے ایک رشتہ دار مسمی رشید خاں کو میر جملہ اور مختار سلطنت بنایا۔ اس کے ایک دوسرے رشتہ دار جام صلاح الدین نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور ملک پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے کئی بار جام فیروز سے جنگ کی' لیکن ہر مرتبہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جام صلاح الدین کی یورش

جام صلاح الدین مایوس ہو کر گجرات چلا گیا اس کی چچا زاد بہن سلطان مظفر شاہ گجراتی کی بیوی تھی' اس رشتہ داری کی وجہ سے سلطان مظفر نے جام صلاح الدین کی مدد کی اور اس کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر ٹھٹھہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ جام صلاح الدین اس لشکر کو لے کر سندھ کی سرحد پر پہنچا اس نے جام فیروز کے مختار کل دریا خاں سے ساز باز کر کے تمام سندھ پر قبضہ کر لیا۔

دریا خاں کا اقتدار

دریا خاں ایک زبردست امیر تھا حکومت کے تمام کام اسی کے ذریعے انجام پاتے تھے۔ پہلے تو اس نے جام صلاح الدین کا ساتھ دیا' لیکن بعد میں اس نے اپنے قدیم آقا جام فیروز کا حق نمک ادا کیا اور اس کو دوبارہ سندھ کا حکمران بنا دیا۔ جام صلاح الدین اس وجہ سے بہت پریشان ہوا اور دوبارہ گجرات چلا گیا۔

جام صلاح الدین کا سندھ پر قبضہ

جام صلاح الدین نے دوبارہ لشکر جمع کیا اور ۹۲۶ھ میں سندھ پر حملہ آور ہوا اس بار اس نے جام فیروز کو شکست دی اور سارا ملک اپنے قبضے میں کر لیا۔ جام فیروز نے پریشان ہو کر شاہ بیگ ارغوان سے مدد کی درخواست کی۔ شاہ بیگ نے اس کی درخواست کو منظور کیا اور اپنے ایک غلام مسمی سنبل کو ایک زبردست لشکر دے کر جام فیروز کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

سندھ پر جام فیروز کا دوبارہ قبضہ

جام فیروز سنبل کے ہمراہ سہوان کے نواح میں پہنچا اور اس مقام پر جام صلاح الدین سے جنگ کی' فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی' اگرچہ دونوں طرف کے بہادروں نے جی کھول کر داد شجاعت دی' لیکن میدان جام فیروز کے ہاتھ رہا۔ جام صلاح الدین اور اس کا بیٹا میدان جنگ میں مارے گئے اور سندھ پر جام فیروز دوبارہ قابض ہو گیا۔

سندھ پر شاہ بیگ ارغوان کا قبضہ

شاہ بیگ ارغوان ایک عرصے سے سندھ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور قندھار سے لشکر لے کر سندھ آیا۔ اس نے ۹۳۷ھ میں سندھ پر قبضہ کر لیا۔ "خرابی سندھ" اس واقعہ کی تاریخ ہے۔

جام فیروز گجرات میں

جام فیروز کے مختار کل دریا خاں کو شاہ بیگ کے سپاہیوں نے قتل کر دیا اور جام فیروز دو تین سال تک سندھ کے گرد و نواح میں زندگی بسر کرتا رہا۔ اگرچہ اس نے سندھ کو ایک بار پھر اپنے قبضے میں کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور آخر کار مایوس ہو کر وہ گجرات چلا گیا۔

جام فیروز گجراتی امیروں کی صف میں

جام فیروز جب گجرات پہنچا تو اس زمانے میں سلطان مظفر شاہ گجراتی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لیے گجراتیوں سے مدد ملنے کی امید بھی جاتی رہی۔ گجرات سے وہ پھر سندھ واپس آیا یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ ارغوانیوں نے سندھ میں اپنے قدم اس طرح جما رکھے ہیں کہ اب ان کو یہاں سے باہر کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس نے سندھ پر حکومت کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنے بال بچوں کو لے کر دوبارہ گجرات آ گیا اور سلطان بہادر گجراتی کے امیروں میں داخل ہو گیا۔

خاندان سمہ گان کی حکومت کا خاتمہ

جام فیروز کے گجرات چلے جانے سے سندھ میں سمہ گان خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ ملک ارغوانیوں کے قبضے میں آ گیا کچھ عرصہ تک ارغونی سلاطین سندھ پر حکومت کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ بدیع الزمان میرزا بن سلطان حسین ۹۲۰ھ میں شاہ اسمٰعیل صفوی سے ناراض ہو کر سندھ آیا۔ جام فیروز نے اس کی بہت آؤ بھگت کی' لیکن ایک سال بعد بدیع الزمان شاہ اسمٰعیل کی خدمت میں واپس چلا گیا۔

شاہ بیگ ارغنون

امیر ذوالنون

شاہ بیگ' امیر ذوالنون کا بیٹا تھا' امیر ذوالنون' ہرات کے بادشاہ سلطان حسین میرزا کا سپہ سالار اور اس کے بیٹے بدیع الزماں کا اتالیق تھا۔ شاہ بیگ کے آباو اجداد چنگیز خاں کے زمانے سے صاحب اقتدار اور امراء کے گروہ میں شامل تھے۔ ۸۸۴ھ میں داور' ساغر' توبک اور قراہ کی حکومت ذوالنون کے سپرد کی گئی۔ اس دوران میں کئی شہزادوں کو یکے بعد دیگرے قندھار کا حاکم مقرر کیا گیا' آخر کار امیر ذوالنون ہی اس علاقے کا مستقل حاکم ہوا اور اس نے اپنی خود مختار حکومت کر لی۔

امیر ذوالنون نے اپنے بیٹے شجاع بیگ المشہور بہ شاہ بیگ کو قندھار کی حکومت سونپی۔ توبک اور ساغر کا داروغہ عبدالعلی قرخان کو بنایا۔ داور کا حاکم' امیر فخرالدین کو مقرر کیا اور خود داور میں مقیم ہوا۔

شاہ بیگ کے سندھ پر حملے

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے' شاہ بیگ ارغنون نے اپنے باپ کی زندگی میں سندھ کے اکثر شہروں کو فتح کیا اور ذوالنون کی وفات کے بعد سندھ کا باقی تمام حصہ فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ظہیر الدین بابر نے قندھار پر حملہ کر دیا۔ شاہ بیگ نے جیسا کہ بابر کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے حتی الامکان اپنے بچاؤ کی کوشش کی اور قلعے کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ کی۔

شاہ بیگ کی سندھ میں حکومت

اتفاق سے اسی دوران میں سندھ جام صلاح الدین اور جام فیروز میں لڑائی ہو گئی۔ شاہ بیگ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور قلعہ قندھار کو مضبوط کرنے کی کوششوں سے کنارہ کش ہو کر بھکر پہنچا۔ بھکر میں شاہ بیگ نے اسباب جنگ مہیا کیے اور اسی سال ٹھٹھہ فتح کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔

عادات و کردار

شاہ بیگ بہت ہی پڑھا لکھا انسان تھا' اس نے شرح عقائد حنفی' شرح کافیہ اور شرح مطالع تصنیف کیں۔ وہ بہادری اور جرات میں بھی اپنی مثال آپ تھا اس کا دستور تھا کہ میدان جنگ میں دشمن پر حملہ کرنے میں وہ خود پہل کرتا' ایسے موقعوں پر اس کے بہی خواہ اسے ٹوکا کرتے تھے اور سمجھاتے تھے کہ سرداروں کے لئے یہ طریق کار مناسب نہیں ہے۔ شاہ بیگ اس کے جواب میں کہا کرتا تھا کہ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں' میدان جنگ میں آ کر مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں میرا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

شاہ بیگ کا انتقال ۹۳۰ھ میں ہوا۔

شاہ حسین

شاہ بیگ ارغنون کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسین سندھ کا فرماں روا ہوا۔ سندھ کے بعض ایسے حصے جن پر شاہ بیگ قبضہ نہ کر سکا تھا' شاہ حسین نے ان کو بھی فتح کر لیا۔ اس نے سیکری کو از سر نو تعمیر کروایا اور ظہیر الدین بابر کے حسب ہدایت ملتان کو فتح کرنے کی تیاریاں کیں۔

ملتان پر قبضہ

۹۳۲ھ میں شاہ حسین نے ملتان پر حملہ کیا۔ ملتان کے حاکم سلطان محمود کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو ایک لشکر روانہ کر کے شاہ حسین کو ملتان پر قبضہ کرنے سے روکا۔ اسی دوران میں اچانک سلطان محمود کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان حسین ملتان کا حاکم ہوا شاہ حسین نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور جلد از جلد ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا ایک سال اور چند ماہ کی کوششوں کے بعد شاہ حسین نے ملتان کو فتح کر لیا ۹۳۲ھ میں شاہ حسین ملتان پر قابض ہو گیا۔

اہل ملتان سے برتاؤ

شاہ حسین نے ملتانیوں میں سے بہت سوں کو قتل اور گرفتار کر لیا سلطان حسین کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ملتان کے نامی گرامی امیر شجاع الملک کو شکنجے میں سے دبا کر ہلاک کر دیا گیا۔ ملتان کی حکومت شاہ حسین نے خواجہ شمس الدین کے سپرد کی اور خود ٹھٹھہ واپس آ گیا۔ شاہ حسین کی واپسی کے بعد ملتانیوں نے خواجہ شمس الدین کو شہر سے باہر نکال دیا اور لنگر خان کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ مصلحت وقت کا خیال کر کے شاہ حسین نے اس معاملے میں مداخلت نہ کی اور خاموش رہا۔

ہمایوں سندھ میں

۹۴۷ ہجری میں جب شیر شاہ نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو نصیر الدین ہمایوں امداد حاصل کرنے کے ارادے سے سندھ میں آیا۔ بھکر کے نواح میں پہنچ کر ہمایوں نے شاہ حسین کو اپنی خدمت میں طلب کیا۔ شاہ حسین نے پہلے تو چند ماہ تک ٹال مٹول کی اور آخر کار جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ایک غیر معقول جواب دیا' اس پر ہمایوں نے شاہ حسین کو راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا اور بھکر کی حکومت اپنے چچا ناصر میرزا کے سپرد کر کے خود ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔

شاہ حسین کی چالاکی

شاہ حسین بڑا چالاک اور معاملہ فہم انسان تھا۔ اس نے اس موقعے پر یہ چال چلی کہ پہلے تو ناصر میرزا سے یہ وعدہ کیا کہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دے گا اور پھر بھکر میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کروا دیا۔ اس کے بعد شاہ حسین نے ہمایوں کے لشکر میں غلہ ور دیگر سامان ضرورت کی رسد بند کر دی۔

ہمایوں اور شاہ حسین میں صلح

ہمایوں اس صورت حال سے بہت پریشان ہوا' آخر کار اس نے بیرم خاں کے مشورے سے شاہ حسین سے صلح کر لی۔ ہمایوں نے شاہ حسین سے کشتیاں اور اونٹ حاصل کیے اور ڈھائی برس تک سندھ کے نواح میں رہنے کے بعد دریا کے راستے سے قندھار کی طرف چلا گیا۔ شاہ حسین نے اپنی چالاکی سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ناصر میرزا سے وعدہ خلافی کی اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی' ناصر میرزا شکستہ خاطر ہو کر کابل چلا گیا۔

کامران میرزا کی آمد

کامران میرزا، ہمایوں کے خوف سے ۹۵۲ ہجری میں سندھ چلا آیا اور شاہ حسین کے پاس پناہ گزین ہوا۔ شاہ حسین نے کامران کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ اس کے بعد شاہ حسین نے کامران میرزا کو ایک لشکر جرار کے ساتھ کابل فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔

شاہ حسین کا انتقال

اسی دوران میں شاہ حسین کا آخری وقت آگیا اور اس نے بتیس سال حکومت کرنے کے بعد ۹۶۴ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

میرزا عیسیٰ ترخان

شاہ حسین کی وفات کے بعد بھکر میں سلطان محمود نے اور ٹھٹھہ میں میرزا عیسیٰ خاں ترخان نے الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں اور اپنے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ میرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود کے تعلقات کچھ ایسے تھے کہ کبھی تو جنگ ہو جاتی تھی اور کبھی صلح۔ میرزا عیسیٰ ترخان نے تیرہ سال تک حکومت کی، راقم الحروف مورخ فرشتہ کو اس بارے میں کچھ علم نہیں ہے کہ خاندان ارغونیہ سے خاندان ترخانیہ میں حکومت کس طرح منتقل ہوئی۔ اس لئے اس موضوع پر کچھ تحریر کرنے سے قاصر ہوں، صرف اتنا معلوم ہے کہ میرزا عیسیٰ ترخان ترکمانی تھا اور شاہ بیگ ارغون کا سپہ سالار تھا۔

میرزا باقی

میرزا عیسیٰ خاں ترخان کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں میرزا محمد باقی اور میرزا جان بابا میں حکومت کے لئے جھگڑا ہوا، آخر کار بڑا بیٹا میرزا عیسیٰ خاں اپنی دانش مندی سے اپنے چھوٹے بھائی میرزا جان بابا پر غالب آیا اور ٹھٹھہ کی حکومت اس کے قبضے میں آگئی۔ میرزا باقی نے جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان سے بڑے اچھے مراسم پیدا کئے اور ہمیشہ اس کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔ اپنے باپ کی طرح میرزا باقی بھی سلطان محمود بھکری سے کبھی جنگ کرتا تھا اور کبھی صلح۔ میرزا باقی نے اٹھارہ سال تک بڑے عیش و عشرت سے حکومت کرنے کے بعد ۹۹۳ ہجری میں انتقال کیا۔

میرزا جانی

میرزا محمد باقی کے انتقال کے بعد ٹھٹھہ کی حکومت میرزا جانی کے ہاتھ آئی۔ میرزا محمد جانی کی تخت نشینی کے زمانے میں جلال الدین اکبر لاہور میں تھا کہ میرزا جانی اظہار خلوص کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہو گا لیکن میرزا جانی نے ایسا نہ کیا اس سے اکبر بہت برافروختہ ہوا اور اس نے ٹھٹھہ کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔

عبدالرحیم خان خاناں کی آمد

اکبر نے ۹۵۹ ہجری میں اپنے سپہ سالار عبدالرحیم خاں خانان کو ملتان اور بھکر کا جاگیردار مقرر کر کے اس جانب روانہ کیا۔ خان خاناں نے سب سے پہلے قلعہ سہوان کا محاصرہ کر لیا، میرزا جانی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک زبردست لشکر جمع کیا اور تمام زمینداروں کو ساتھ لے کر مع ایک بہت بڑے توپ خانے کے سہوان کی طرف روانہ ہو گیا۔ خان خاناں نے قلعے کا محاصرہ ترک کر کے میرزا جانی کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے نصیرپور پہنچا۔ جب دونوں لشکروں میں سات کوس کا فاصلہ رہ گیا تو میرزا جانی نے

اپنے ارابے جو تعداد میں ایک سو سے زیادہ تھے مع دو سو کشتیوں کے جن میں توپ خانے بھرے ہوئے تھے دشمن کی طرف روانہ کیے۔ عبدالرحیم خان خاناں کے پاس اگرچہ صرف پچیس ارابے تھے لیکن اس نے اپنی فوج کو مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔

خان خاناں اور میرزا جانی میں جنگ

فریقین میں زبردست جنگ شروع ہو گئی جو ایک دن اور ایک رات جاری رہی' آخر کار میرزا جانی کے لشکر کو شکست ہوئی اور خان خاناں کامیاب و کامران ہوا۔ یہ واقعہ ۲۶ محرم ۱۰۰۰ھ کا ہے' میرزا جانی نے سندھ کے کنارے ایک ایسے مقام پر قیام کیا' جس کے چاروں طرف دلدل ہی دلدل تھی' دو ماہ تک فریقین میں معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں طرف سے سپاہی میدان میں آتے تھے اور قتل ہوتے تھے۔

خان خاناں کے لشکر میں قحط

سندھیوں نے اس موقعے پر یہ ترکیب کی کہ چاروں طرف سے راستے مسدود کر دیئے۔ اس طرح خان خاناں کے لشکر میں غلے اور دیگر سامان ضرورت کی کمی ہو گئی اور لشکر میں زبردست قحط پڑ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر خان خاناں نے مجبوراً وہاں سے کوچ کیا اور ٹھٹھہ کے قریب پرگنہ جوان میں مقیم ہوا۔

خان خاناں نے اپنے لشکر کے ایک حصہ کو سہوان کی فتح کے لئے متعین کیا تھا۔ میرزا جانی نے ان کو کمزور جان کر سہوان پر حملہ کر دیا خان خاناں نے فوراً اپنے سپہ سالار دولت خاں لودھی کو اپنے لشکریوں کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں میرزا جانی کو شکست ہوئی' اس کے بعد میرزا جانی نے موضع اور سول میں قیام کیا اور اپنے لشکر کے گرد حصار کھینچ لیا۔ خان خاناں نے میرزا جانی کا محاصرہ کر لیا اور فریقین میں روزانہ جنگ ہونے لگی سندھیوں کے لشکر میں غلے اور چارے کی کمی ہوئی' نوبت یہاں تک پہنچی کہ اونٹوں اور گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانے لگے۔ اس عالم میں میرزا جانی نے مجبور ہو کر خان خاناں کو پیغام دیا۔ "میں اکبر کی ملازمت کرنا چاہتا ہوں مجھے کچھ دنوں کی مہلت دی جائے۔ میں تین مہینے بعد اکبر کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

میرزا جانی اکبری امراء کی صف میں

خان خاناں نے میرزا جانی کی درخواست منظور کر لی اور اپنے بیٹے میرزا ایرج کی شادی میرزا جانی کی لڑکی سے کر دی۔ برسات کے موسم کے بعد خان خاناں نے سہوان' ٹھٹھہ اور سندھ کے دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا اور میرزا جانی کو ساتھ لے کر ۱۰۰۱ھ میں اکبر کے پاس چلا گیا۔ میرزا جانی کو اکبری امراء میں داخل کیا گیا اور سندھ کا ملک دہلی کی سلطنت میں شامل کیا گیا۔

سلطان محمود بھکری

سلطان محمود نہایت ہی ظالم اور خبط الحواس انسان تھا وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ اکبر نے میر خلیفہ کے بیٹے محب علی کو بھکر فتح کرنے کا حکم دیا۔ محب علی نے اس علاقے میں پہنچ کر سلطان محمود کو بہت تنگ کیا اور بہت سا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ محمود نے پریشان ہو کر اکبر کو لکھا "آپ محب علی کے سوا کسی اور شخص کو بھیجئے میں قلعہ بھکر اس کے حوالے کر دوں گا۔" اکبر نے گیسو خاں کو روانہ کیا لیکن گیسو خاں کے پہنچنے سے پہلے ہی سلطان محمود نے اپنی طبعی موت سے سفر آخرت اختیار کیا۔

گیسو خاں نے بغیر کسی محنت کے قلعہ بھکر کو فتح کر لیا۔ سلطان محمود کی مدت حکومت بیس سال ہے۔

سلاطین ملتان

ملتان میں اسلام کا آغاز محمد بن قاسم کے زمانے سے ہوتا ہے' محمد بن قاسم کے بعد سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک ملتان کی تاریخ کسی کتاب میں نہیں ملتی اور نہ کسی اور ذریعے سے اس ملک کے بارے میں کوئی روایت یا یہاں کے لوگوں کے متعلق کوئی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ یمینی کے ترجمے میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملحدوں کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور یہ شہر ایک عرصہ تک غزنوی سلطنت میں شامل رہا۔ جب غزنوی سلطنت مائل بہ زوال ہوئی تو ملتان پر قرامطہ نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان معزالدین محمد سام نے ملتان پر قبضہ کیا اور ۸۴۷ھ تک یہ شہر شاہان دہلی کے قبضے میں رہا ہندوستان کی حکومت جب افراط و تفریط کا شکار ہوئی تو حاکم ملتان نے دہلی سے قطع تعلق کر کے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ اس کے بعد چند فرماں رواؤں نے یکے بعد دیگرے ملتان پر حکومت کی۔

شیخ یوسف چشتی

مغلوں کے حملے

دہلی کی حکومت جب سلطان محمد بن محمد شاہ بن فرید شاہ بن مبارک شاہ بن خضر خاں کے ہاتھ آئی تو ملک میں سخت انتشار اور پراگندگی کا دور دورہ ہوا۔ اراکین دولت میں باہمی اتفاق مفقود ہو گیا' اس زمانے میں ملتان پر قندھار' غزنی اور کابل کے مغل فرماں رواؤں نے پے در پے حملے کیے اور اس شہر کو بری طرح برباد و تاراج کیا۔

شیخ یوسف چشتی کا انتخاب

اہل ملتان نے جب یہ دیکھا کہ ان کا کوئی مستقل حکمران نہیں ہے اور جس کے جی میں آتا ہے ان پر حملہ کر بیٹھتا ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کیا کہ کسی ایک شخص کو ملتان کا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔ اہل شہر کی نگہ انتخاب شیخ یوسف چشتی پر پڑی جو حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان سے تھے اور ان کے مزار کے متولی اور مجاور تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کے خاندان کی شرافت اور علو شان کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ۸۴۷ھ میں شیخ یوسف چشتی کی حکمرانی کا اعلان کر کے ملتان' اوچھ اور اس کے نواح میں ان کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا گیا۔

شیخ یوسف چشتی نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اپنے خاندان کی شرافت و نجابت کے لحاظ سے اہل ملتان پر بہت مہربانیاں کر کے انہیں ہر طرح سے مطمئن کیا اور ملتان کے تمام زمینداروں کو اپنا بہی خواہ بنایا۔

قبیلہ لنگاہ کے سردار کا پیغام

قصبہ سوئی اور اس کے نواح کے جاگیردار اور افغانوں کے قبیلے لنگاہ کے سردار رائے سہرہ نے یوسف چشتی کو پیغام دیا کہ "میں سلسلہ عالیہ بہائیہ کا عقیدت مند ہوں اس لئے مناسب ہے کہ آپ میرے حال پر کرم فرمائیں اور مجھے اپنا ایک حقیر ملازم سمجھیں۔ چونکہ ان دنوں دہلی کی سلطنت انتشار اور پراگندگی کی نذر ہو چکی ہے۔ اور سلطان بہلول لودھی نے دہلی میں اپنا خطبہ و سکہ جاری کر دیا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ آپ میں اور قوم لنگاہ میں خوشگوار تعلقات رہیں۔ ان تعلقات کا آغاز میں اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی بیٹی کو آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں۔

رائے سہرہ کی ملتان میں آمد و رفت

یہ پیغام پا کر شیخ یوسف چشتی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے رائے سہرہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ رائے سہرہ اس کے بعد کبھی کبھی اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے سوئی سے ملتان آتا اور شیخ یوسف چشتی کے لئے بہترین تحفے اور گراں قدر ہدیئے ساتھ لاتا۔ یوسف چشتی احتیاطاً ان تحفوں اور ہدیوں کو قبول نہیں کرتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں رائے سہرہ ملتان میں مستقل رہائش اختیار نہ کرے' رائے سہرہ جب ملتان میں آتا تو وہ شہر کے باہر کسی جگہ مقیم ہوتا تھا اور اپنی بیٹی کو دیکھنے تنہا شیخ صاحب کے مکان پر آتا تھا۔

رائے سہرہ کی بدنیتی

رائے سہرہ کی نیت خراب تھی وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح شیخ یوسف چشتی کو معزول کر کے ملتان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ایک بار وہ سوئی سے ایک لشکر جرار لے کر ملتان کی طرف روانہ ہوا اور شیخ یوسف چشتی کو پیغام بھجوایا کہ اس مرتبہ میں اپنی ساری قوم

"لنگاہ" کو ساتھ لایا ہوں تا کہ یہ لوگ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کریں۔ آپ ہم لوگوں کے سپرد اگر کوئی خدمت کریں گے تو ہم خندہ پیشانی سے اسے قبول کریں گے۔" شیخ یوسف چشتی کو رائے سہرہ کی بدنیتی کا علم نہ تھا اس لئے انہوں نے بخوشی اس کی درخواست قبول کر لی۔

شاطرانہ چال

رائے سہرہ نے اپنے لشکر کو تو شہر سے باہر ٹھہرایا اور خود ایک خدمت گار کے ساتھ اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے شہر آیا۔ اس نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا کہ وہ چپکے سے کسی گوشے میں ایک بکری ذبح کر کے اس کے خون کا ایک پیالہ بھر لائے۔ خدمت گار نے حکم کی تعمیل کی اور رائے سہرہ نے بکری کا خون پی لیا۔ اس کے بعد اس نے مکر و فریب سے چلانا شروع کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے اور بناوٹی تکلیف سے اس نے سب کو اپنی حالت زار کا یقین دلا دیا۔ آدھی رات کے وقت رائے سہرہ نے شیخ یوسف چشتی کے وکیلوں کو وصیت کرنے کے بہانے سے اپنے پاس بلایا اور ان کی موجودگی میں خون کی قے کی۔

شیخ یوسف کے وکیلوں نے رائے سہرہ کی یہ حالت دیکھ کر اس کو قریب الموت سمجھا اور اس سے اظہار ہمدردی کرنے لگے۔ اسی دوران میں رائے سہرہ نے اپنے ہم قوم افراد کو جو بیرون شہر مقیم تھے آخری ملاقات کے لئے اپنے پاس بلایا۔ شیخ یوسف کے وکیلوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور ازراہ ہمدردی غیر قوم کے افراد کو شہر میں داخل ہونے سے نہ روکا۔ الغرض قبیلہ لنگاہ کے افراد رائے سہرہ کے گرد جمع ہو گئے اس کے بعد رائے سہرہ حکومت ہاتھ میں لینے کے ارادے سے بستر مرگ سے اٹھا اور اپنے ملازموں کو قلعے کے دروازے پر مقرر کر دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ شیخ یوسف چشتی کے ملازموں اور وکلاء کو قلعے سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اس انتظام کے بعد رائے سہرہ شیخ یوسف کی خواب گاہ میں آیا اور ان کو گرفتار کر لیا۔

قطب الدین لنگاہ

تخت نشینی

شیخ یوسف چشتی کو گرفتار کرنے کے بعد رائے سہرہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور سلطان قطب الدین لنگاہ کے نام سے ملتان کا فرماں روا بن گیا۔ اس نے ملک میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور مختلف تدبیروں سے اہل ملتان کو اپنا ہی خواہ بنا لیا۔

شیخ یوسف چشتی کا شہر بدر ہونا

سلطان قطب الدین نے شیخ یوسف چشتی کو شہر کے اس دروازے سے جو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مزار کے شمال میں واقع ہے، شہر سے نکال دیا اور پھر یہ حکم دیا کہ اس دروازے کو پختہ اینٹوں سے چن دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دروازہ آج تک یعنی ۱۰۱۸ھ تک اسی طرح بند ہے۔

شیخ یوسف دہلی میں

شیخ یوسف چشتی سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی نے ان کی بہت آؤ بھگت کی۔ اپنی بیٹی کو شیخ صاحب کے بیٹے شیخ عبداللہ سے بیاہ دیا۔ بہلول لودھی نے شیخ صاحب کو ہمیشہ اس وعدے سے خوش رکھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا تاکہ ملتان کی حکومت پر دوبارہ ان کو قبضہ دلا سکے۔

قطب الدین لنکاہ نے بڑے اطمینان کے ساتھ ملتان پر سولہ برس حکومت کی' اس کا انتقال ۸۴۷ھ میں ہوا۔

حسین لنکاہ بن قطب الدین

سلطان قطب الدین لنکاہ کی وفات کے بعد امراء اور اراکین سلطنت نے اس کے بڑے بیٹے کو حسین شاہ لنکاہ کا خطاب دے کر ملتان کا فرماں روا تسلیم کر لیا۔ حسین لنکاہ نہایت ہی قابل اور جرات مند فرماں روا تھا۔ اس کی نیک عادتیں اپنی مثال آپ تھیں' اس کے عہد حکومت میں علم و فضل کی ترقی بھی ہوئی اور قدر بھی!

قلعہ شور پر حملہ

حسین لنکاہ نے اپنے عہد حکومت کی ابتداء میں قلعہ شور پور پر حملہ کیا ان دنوں قلعہ شور کی حکومت غازی خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اس کو جب حسین لنکاہ کے حملے کی اطلاع ملی تو اس نے جنگ کی تیاری کی اور قلعہ سے باہر نکل کر حسین لنکاہ سے معرکہ آراء ہوا۔ غازی خاں نے اگرچہ اس لڑائی میں بہادری کا شاندار مظاہرہ کیا' لیکن پھر بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غازی خاں میدان جنگ سے فرار ہو کر قلعہ شور کی بجائے قلعہ بھیرہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔

قلعہ شور پر حسین لنکاہ کا قبضہ

غازی خاں کے بیوی بچے اور دیگر متعلقین قلعہ شور ہی میں تھے ان لوگوں نے قلعے کو مستحکم کیا اور دشمن کی مدافعت میں مصروف ہو گئے۔ اہل قلعہ کو ہر وقت یہ امید رہتی تھی کہ غازی خاں کے وہ امراء جو بھیرہ' خوشاب اور چنیوب پر حکومت کرتے ہیں وہ ضرور ان کی مدد کے لئے آئیں گے' لیکن یہ امید پوری نہ ہوئی۔ جب محاصرے کو ایک عرصہ گذر گیا تو اہل قلعہ نے پریشان ہو کر قلعہ حسین لنکاہ کے حوالے کر دیا اور خود بھیرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

قلعہ جینیوب کی فتح

حسین لنکاہ نے کچھ دنوں تک قلعہ شور میں قیام کر کے اس کے گرد و نواح کے انتظامات کی طرف توجہ کی اور اس کے بعد جینیوب کی طرف روانہ ہوا۔ اس قلعہ کے داروغہ ملک ہاجی کھکھر نے پہلے تو حسین لنکاہ کا مقابلہ کیا' لیکن جب اسے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے امان طلب کر کے یہ قلعہ حسین لنکاہ کے سپرد کر دیا۔ ملک ہاجی کھکھر بھی اہالیان قلعہ شور کی طرح بھیرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ حسین لنکاہ سرحد کے انتظامات کے بعد ملتان واپس آیا اور یہاں چند روز تک آرام کرنے کے بعد کو تکر کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے قلعہ دھنکوٹ تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔

بہلول لودھی کا عزم تسخیر ملتان

شیخ یوسف چشتی جو دہلی میں رہتے تھے۔ وہ اکثر سلطان بہلول لودھی سے ملتان پر حملہ کرنے کو کہا کرتے تھے' تاکہ ان کی سلطنت انہیں واپس مل جائے۔ جن دنوں حسین لنکاہ دھنکوٹ کی طرف گیا ہوا تھا' ان دنوں سلطان بہلول لودھی نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے بیٹے باربک شاہ کو (جس کے حالات شاہان دہلی و جونپور کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں) ملتان فتح کرنے کا حکم دیا۔ تاتار خاں لودھی کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ پنجاب کا لشکر لے کر باربک شاہ کے ساتھ ملتان جائے۔ باربک شاہ اور تاتار خاں لودھی بادشاہ کے حسب الحکم ملتان کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

شہاب الدین کی بغاوت

اسی زمانے میں حسین لنکاہ کے حقیقی بھائی نے جو قلعہ کوٹ کرور کا حاکم تھا نے اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کی اور اپنے کو شہاب

الدین لنگاہ مشہور کر کے خود مختار فرمانروا بن بیٹھا۔ حسین لنگاہ نے شہاب الدین کی طرف توجہ کی اور کوٹ کرور پہنچ کر اس کو گرفتار کر لیا۔

دہلوی فوج کی آمد آمد' حسین لنگاہ کا اپنے لشکر سے خطاب

اسی دوران میں یہ اطلاع ملی کہ باربک شاہ اور تاتار خاں لودھی ملتان کے نواح میں پہنچ چکے ہیں اور شہر پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حسین لنگاہ اس وقت دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم تھا' یہ خبر سنتے ہی فوراً ملتان پہنچا اور اپنے تمام سپاہیوں کو جمع کر کے ان سے کہا "ہر لشکری سے یہ توقع رکھنا کہ وہ میدان جنگ میں جان کے زیان کے خوف سے بے پروا ہو کر لڑے گا مناسب نہیں ہے' کیونکہ بہت سے سپاہی ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنے بال بچوں کی محبت ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے ایسے سپاہی صرف اسی کام آسکتے ہیں کہ لشکر کی تعداد میں اضافہ کریں یا قلعے کی حفاظت کریں۔ اس حقیقت کے پیش نظر میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگوں میں سے جو میدان جنگ میں لڑنا مناسب سمجھیں وہ صبح کو شہر کے باہر چلے جائیں اور باقی سپاہی قلعے کی حفاظت کریں۔"

دہلوی فوج پر حملہ

حسین لنگاہ کی اس تقریر سے تقریباً دس بارہ ہزار سوار اور پیادے دشمن سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے۔ صبح کو اس لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلے اور دہلوی فوج کے مقابلے پر آیا۔ حسین لنگاہ نے اپنے تمام سواروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر جائیں سب سے پہلے حسین لنگاہ خود گھوڑے سے اترا اور بعد میں دوسرے سواروں نے اس کی تقلید کی اس کے بعد حسین لنگاہ پہلے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ تمام سپاہی ایک ساتھ تین تین تیر چلائیں' پہلی بار تیر چلائے گئے' بارہ ہزار تیر جب دہلوی لشکر پر گرے تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے بجلی گر گئی ہے' دوسری بار تیر چلائے گئے تو دشمن کے سپاہی حواس باختہ ہو گئے اور تیسری بار تو وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

حسین لنگاہ کی فتح

دہلوی لشکر پر ملتانیوں کا ایسا خوف چھا گیا کہ وہ بھاگتے بھاگتے قلعہ شور تک پہنچ گئے۔ اس قلعے کی طرف انہوں نے مطلق توجہ نہ کی اور اپنے سفر کو جاری رکھا اور قلعہ جینیوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ ملتانیوں نے دشمن پر غلبہ پا کر بے شمار مال غنیمت اپنے قبضے میں کیا۔ باربک شاہ اور تاتار خاں نے قلعہ جینیوب کے پاس پہنچ کر حسین لنگاہ کے تھانیدار کو بہانے سے اپنے پاس بلایا اور قتل کر دیا۔ حسین لنگاہ نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اس نے اپنی فتح کو ایک بہت بڑی نعمت سمجھ کر مزید ہاتھ پاؤں مارنا مناسب نہ سمجھا۔

ملک سہراب بلوچ کی آمد

انہیں دنوں ملک سہراب بلوچ جو اسمٰعیل خاں اور فتح خاں کا باپ تھا' اپنی قوم روہید کے ساتھ کچ اور مکران کے نواح سے حسین شاہ لنگاہ کے پاس آیا۔ حسین لنگاہ نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے قلعہ کوٹ کرور سے قلعہ دھنکوٹ تک کا تمام علاقہ جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد بے شمار بلوچی ملتان میں آئے اور اس طرح حسین لنگاہ کے لشکر میں بہت اضافہ ہوا۔ اس نے دریائے سندھ کے کنارے کا بقیہ علاقہ بھی بلوچیوں کو جاگیر میں دے دیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ سیت پور سے دھنکوٹ تک کا علاقہ بلوچیوں کے قبضے میں آگیا۔

جام بایزید اور جام ابراہیم کی آمد

انہیں دنوں قبیلہ سیلیہ کے سردار جام بایزید جام ابراہیم سندھ کے حاکم جام نندا سے کبیدہ خاطر ہو کر حسین لنگاہ کے پاس ملتان میں آئے۔ حسین لنگاہ نے ان دونوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ جام بایزید اور جام ابراہیم کو بالترتیب شور اور اوچھ کے شہر جاگیر میں دیے گئے۔

جام بایزید کی علم دوستی

جام بایزید بہت ہی علم دوست انسان تھا وہ ہمیشہ عالموں فاضلوں کی صحبت میں اپنا وقت گزارتا۔ اس کے علاقے میں جو عالم و فاضل شخص آتا' جام بایزید اس کی عزت افزائی کرتا اور اسے مال و دولت سے نوازتا اس طریق کار کا یہ نتیجہ ہوتا کہ وہ عالم مستقل طور پر بایزید کے دربار سے منسلک ہو جاتا۔ شیخ جمال الدین قریشی' شیخ عالم قریشی کی اولاد میں سے تھے وہ اپنے عہد کے ایک زبردست عالم تھے انہوں نے خراسان میں قیام کر کے مختلف علوم کی تکمیل کی تھی اور علم میں اس درجہ مستغرق ہو گئے تھے کہ ان کے حواس میں اختلال واقع ہو گیا تھا۔ جام بایزید نے محض اپنی علم دوستی کی وجہ سے ان کو اپنا وزیر سلطنت بنایا اور تمام ملکی و مالی مہمات ان کے سپرد کر دیں۔

دیانت داری

جام بایزید انتہائی دیانت دار اور مذہبی احکام کا پابند تھا اس کی دیانتداری کا یہ واقعہ اپنی مثال آپ ہے کہ ایک بار ملک شور میں وہ ایک نئی عمارت تعمیر کروا رہا تھا کہ زمین کے اندر سے ایک خزانہ برآمد ہوا۔ جام بایزید اگر چاہتا تو اس خزانے کو اپنے قبضے میں کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور یہ خزانہ حسین لنگاہ کو بھجوا دیا۔ حسین لنگاہ بایزید کی دیانتداری سے بہت متاثر ہوا اور پہلے سے زیادہ اس کی قدر کرنے لگا۔

فرماں روائے دہلی سے صلح

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد دہلی کی سلطنت سلطان سکندر کے قبضے میں آئی۔ اس موقعے پر حسین لنگاہ نے ایک تعزیت نامہ اور ایک تہنیت نامہ مع بہت سے گراں قدر تحفوں کے سلطان سکندر کی خدمت میں روانہ کیا اور صلح کا پیغام دیا۔ سلطان سکندر نے یہ پیغام قبول کیا اور اس طرح فریقین میں صلح ہو گئی۔ دونوں فرماں رواؤں نے یہ طے کیا کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے صلح اور نرمی سے پیش آئیں گے اور کبھی جنگ نہ کریں گے۔ اگر فریقین میں سے کسی پر کوئی مصیبت پڑی تو دوسرا اس کی مدد کرے گا ان شرائط پر مشتمل ایک عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر تمام امیروں اور ارا کین سلطنت نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ سلطان سکندر نے ملتانی قاصدوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور واپسی کی اجازت دی۔

مظفر گجراتی سے دوستانہ مراسم

بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حسین لنگاہ نے سلطان مظفر گجراتی سے بھی دوستانہ مراسم پیدا کیے اور ایک عالم فاضل شخص مسمی قاضی محمد کو اپنا قاصد بنا کر مع گراں قدر تحفوں کے سلطان مظفر گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا۔ حسین لنگاہ نے قاضی محمد کو بطور خاص یہ تاکید کی کہ تم سلطان مظفر گجراتی سے یہ درخواست کرنا کہ وہ تمہیں گجراتی عمارتوں کی سیر کروائے۔ اس سے حسین لنگاہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ گجراتی عمارت کے طرز پر ملتان پر عمارتیں تعمیر کروائے۔

گجراتی عمارتیں

قاضی محمد گجرات پہنچ کر سلطان مظفر گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوا اور تحائف جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا گجراتی فرماں روا کی خدمت میں پیش کیے۔ رخصت کے وقت قاضی محمد نے مظفر گجراتی سے درخواست کی کہ "میں گجراتی محلات دیکھنا چاہتا ہوں۔" شاہ گجرات نے یہ درخواست قبول کی اور قاضی محمد کو اپنے ملازموں کے ساتھ کر کے گجرات کی شاہی عمارتوں کی سیر کروائی۔ ملتان واپس پہنچ کر قاضی محمد' حسین لنگاہ کو گجراتی عمارتوں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا "وہ عمارتیں ایسی خوبصورت اور دلکش ہیں کہ ان کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ مجھے امید نہیں کہ آپ ملتان میں ویسی کوئی عمارت تعمیر کر سکیں گے۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اگر آپ ملتان کی ایک سال کی تمام آمدنی بھی خرچ کر دیں تو ویسی عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی۔"

حسین لنکاہ کا غم

قاضی محمد کی گفتگو سن کر حسین لنکاہ بہت غمگین ہوا (کیونکہ وہ ملتان میں گجراتی طرز کی عمارتیں بنوانے کا خواہاں تھا' لیکن اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا) حسین لنکاہ کے وزیر عماد الملک توبک نے جب بادشاہ کو یوں غمگین دیکھا تو اس نے اس غم کی وجہ دریافت کی۔ حسین لنکاہ نے جواب دیا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ قسمت نے مجھے بادشاہ تو بنا دیا لیکن شاہی کے لوازم عطا نہیں کیے' میرے پاس اتنی دولت نہیں ہے کہ میں بادشاہوں کی طرح اپنی شان و شوکت کا سکہ جما سکوں۔"

ملتان کی خصوصیت

عماد الملک نے اس کے جواب میں کہا "یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ آپ پریشان ہوں' ہر ملک میں کوئی نہ کوئی خوبی موجود ہوتی ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ نے دکن مالوہ اور بنگالہ وغیرہ کو زرخیز بنا کر وہاں کے لوگوں کو عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے کا موقع دیا ہے تو ملتان کو یہ بھی فضیلت دی ہے کہ یہاں ایسے ایسے انسان پیدا کیے جو ہر جگہ معزز و محترم رہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان کے بہت سے افراد آج بھی یہاں موجود ہیں اور وہ سلطان بہلول لودھی کے سدھی شیخ یوسف سے بدرجہ بہتر ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے خاندانوں کے روشن چراغ بھی ملتان میں موجود ہیں' مثلاً طبقہ بخاریہ کے کئی ایسے نیک سیرت و پاک باطن بزرگ ملتان میں موجود ہیں جو اپنے باطنی کمالات میں حاجی عبدالوہاب سے بہت آگے ہیں۔ مولانا فتح اللہ اور ان کے شاگرد مولانا عزیز اللہ بھی ملتان ہی سے تعلق رکھتے ہیں' جن کے علم و فضل کی ساری ہندوستان میں دھوم ہے۔ کیا یہ ملتان کی برتری کا ثبوت نہیں ہے۔" عماد الملک کی یہ گفتگو سن کر حسین لنکاہ بہت ہی خوش ہوا۔

حسین لنکاہ کی گوشہ نشینی

حسین لنکاہ حکومت کرتے کرتے بہت بوڑھا ہو گیا آخر اس نے اپنے بیٹے فیروز شاہ کو تخت نشین کر کے ملک میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور خود گوشہ نشین ہو کر اپنا تمام وقت خدا کی عبادت میں گزارنے لگا۔

عماد الملک توبک حسب سابق وزارت کے منصب پر فائز رہا۔

فیروز شاہ لنکاہ

ناتجربہ کاری اور کوتاہ بینی

فیروز شاہ بہت ہی ناتجربہ کار اور کوتاہ بین فرماں روا تھا' وہ بہت ہی مغلوب الغضب اور شکی مزاج رکھتا تھا وہ عماد الملک کے بیٹے بلال سے جو بہت ذہین اور قابل تھا' بہت ہی حسد کیا کرتا تھا۔ اس حسد کی آگ میں جل کر اس نے اپنے ایک غلام کے ذریعے بلال کو قتل کروا دیا۔ عماد الملک نے جب اپنے بیٹے کا یہ حشر دیکھا تو اس نے بھی فیروز شاہ سے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔

فیروز کی ہلاکت

عماد الملک نے ایک روز موقع پا کر فیروز شاہ کو زہر دے کر ہلاک کروا دیا۔ حسین لنکاہ کو جوان بیٹے کی موت کا بہت صدمہ ہوا' اس نے دوبارہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔ اس نے فیروز شاہ کے بیٹے محمود خاں کو اپنا ولی عہد بنایا۔ عماد الملک اگرچہ اب تک وزارت کے عہدے پر فائز تھا لیکن حسین لنکاہ اس کو بالکل پسند نہ کرتا تھا اور اس سے اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لینے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

عماد الملک کا حشر

حسین لنگاہ ظاہری طور پر عماد الملک سے بڑی اچھی طرح ملتا تھا اور اس طرح اپنی دلی کدورت کو کبھی اس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک روز بادشاہ نے جام بایزید کو تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا۔ "تم تمام حالات سے اچھی طرح واقف ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ نمک حرام عماد الملک نے میرے بیٹے فیروز شاہ کو ہلاک کروا دیا تھا اس لئے تم کوئی ایسی تدبیر کرو کہ عماد الملک کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور میں اپنی آتش انتقام کو بجھاؤں۔" جام بایزید نے اس کام کو پورا کرنے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز اپنے لشکر کی مدد سے عماد الملک کو گرفتار کر لیا۔

حسین لنگاہ کی وفات

حسین لنگاہ نے جام بایزید کو عماد الملک کی جگہ اپنا وزیر مقرر کیا نیز محمود خاں بن فیروز کا اتالیق بھی بنایا۔ اس واقع کے کچھ دنوں بعد ۲۶ صفر کو پیر کے دن ۹۰۸ ہجری یا ۹۰۴ ہجری میں حسین لنگاہ نے وفات پائی۔ اس کی مدت حکومت چونتیس سال ہے۔

طبقات بہادر شاہی کے مولف سے چند غلطیاں سرزد ہوئی ہیں' ایک تو اس نے محمود خاں کو حسین لنگاہ کا بیٹا بتایا ہے اور دوسرے اس نے فیروز کے حالات محمود کے بعد تحریر کئے ہیں۔ اس مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمود اور فیروز حقیقی بھائی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے محمود' فیروز کا بیٹا تھا اور وہ اپنے باپ کے بعد ملتان کے تخت پر بیٹھا۔

محمود شاہ لنگاہ

اوباشوں کی صحبت

حسین لنگاہ کی وفات کے بعد اس کا پوتا محمود بن فیروز تخت نشین ہوا۔ کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے محمود نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا جو اوباش اور دوں فطرت انسان تھے۔ محمود کا سارا وقت انہیں سفلہ مزاجوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ شرفا نے بادشاہ کی یہ حالت دیکھی تو وہ ایک ایک کر کے شاہی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے۔ اوباشوں نے جب میدان خالی دیکھا تو انہوں نے جام بایزید کو منصب وزارت سے علیحدہ کروانے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔

جام بایزید کے خلاف سازش

ان لوگوں نے محمود شاہ کو جام بایزید کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ جام بایزید کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے مکان پر جو دریائے چناب کے کنارے ملتان سے ایک کوس کے فاصلے پر واقع تھا رہائش اختیار کی اور وہیں سے حکومت کے کاموں کو انجام دینے لگا۔ اس نے دربار میں آمد و رفت بالکل بند کر دی۔

انہیں دنوں جام بایزید نے بعض قصبوں کے کچھ نافرمان لوگوں کو لگان وصول کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا۔ ان میں سے بعضوں نے لگان ادا کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ جام بایزید نے ان لوگوں کے سر منڈوا کر انہیں سارے شہر میں گھمایا۔ چغل خوروں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور محمود لنگاہ سے کہا۔ "جام بایزید کی عاقبت نااندیشی اپنے شباب پر ہے' اب اس نے ملازمین خاصہ پر بھی ظلم ڈھانے شروع کر دیئے ہیں' اس نے دیوان خانے میں حاضر ہونا بھی ترک کر دیا ہے اور اپنی جگہ اپنے بیٹے عالم خاں کو بھیجا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ عالم خاں کی توہین کی جائے۔

عالم خاں سے بدسلوکی

عالم خاں بہت ہی ذہین اور نیک طبیعت نوجوان تھا سیرت کے ساتھ ساتھ خدا نے اسے صورت کا حسن بھی عطا کیا تھا۔ ایک روز عالم

خاں بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ایک اوباش درباری نے عالم خاں سے کہا۔ "فلاں آدمی سے ایسا کون سا جرم ہوا تھا جو تمہارے باپ نے اس کا سر منڈوا کر اسے سارے شہر میں گھمایا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ اسی طرح تمہاری بھی شہر میں تشہیر کی جائے۔"

عالم خاں کی بہادری

عالم خاں نے جب یہ کلمات سنے تو اس نے اس درباری سے کہا۔ "اے بدبخت! شاہی دربار میں اس قسم کی نازیبا باتیں کرنا مناسب نہیں۔ عالم خاں نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ دس بارہ آدمیوں نے گھیر کر زمین پر گرا دیا اور اس کے سر سے پگڑی اتار لی عالم خان نے بڑی مشکل سے اپنے خنجر کو غلاف سے نکالا اور بدمعاشوں کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اتفاق سے بادشاہ قریب ہی کھڑا تھا خنجر کی نوک اس کے ماتھے پر لگ گئی اور وہ چیختا چلاتا زمین پر گر پڑا۔ محمود شاہ کے زخم سے بہت زیادہ خون جاری ہونے لگا جن لوگوں نے عالم خاں کو دبوچ رکھا تھا وہ فوراً بادشاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ عالم خاں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور باہر کی طرف بھاگا دروازے پر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ دروازہ مقفل ہے۔ عالم خاں نے بڑی بہادری سے دروازے کو توڑا اپنے ایک ملازم سے پگڑی لے کر سر پر باندھی اور اپنے گھر کی طرف بھاگ گیا۔

جام بایزید کی قلعہ شور کو روانگی

گھر پہنچ کر عالم خاں نے تمام واقعہ اپنے باپ جام بایزید سے بیان کیا۔ جام بایزید نے بیٹے سے کہا "افسوس کہ تیری اس حرکت نے مجھ کو کہیں کا نہ رکھا۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ یہاں سے روانہ ہوں اور قلعہ شور کا راستہ لیں۔ جام بایزید نے اپنا لشکر تیار کیا اور قلعہ شور کی طرف روانہ ہوا۔

تعاقب کی ناکام کوشش

محمود لنگاہ کو جب جام بایزید کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے اپنے چند امیروں کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ محمود کے امیر کو جب جام بایزید کے لشکر کے قریب پہنچے تو فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں جام بایزید کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھا اور قلعہ شور پہنچ گیا۔

جام بایزید اور سکندر لودھی میں خوش گوار مراسم

جام بایزید نے قلعہ شور میں سلطان سکندر لودھی کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا اور اسے ایک خط لکھ کر تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سکندر لودھی' جام بایزید کے اس اقدام سے بہت خوش ہوا اور پنجاب کے حاکم دولت خاں لودھی کے نام اس مضمون کا ایک فرمان روانہ کیا۔ جام بایزید نے مجھے اپنی بہی خواہی کا یقین دلایا ہے اور قلعہ شور میں میرے نام کا خطبہ جاری کیا ہے۔ اس لئے تمہیں اس کے حال سے باخبر رہنا چاہئے اور بوقت ضرورت اس کی مدد کرنی چاہئے۔"

محمود لنگاہ کا قلعہ شور پر حملہ

کچھ دنوں کے بعد محمود لنگاہ نے لشکر جمع کر کے قلعہ شور پر حملہ کر دیا۔ جام بایزید نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور مع اپنے بیٹے عالم خاں کے قلعے سے باہر نکلا' اس نے دولت خاں لودھی کے نام ایک خط روانہ کر کے اسے حالات سے آگاہ کر دیا۔ جام بایزید اور لنگاہ کے لشکر میں لڑائی ہوئی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا' اسی دوران میں دولت خاں لودھی کا لشکر جام بایزید کی مدد کے لئے آ گیا۔ دولت خاں نے محمود لنگاہ سے صلح کی بات چیت شروع کی جو کامیاب ہوئی۔ فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ جام بایزید اور محمود شاہ کے درمیان دریائے راوی حد فاصل ہے۔

میر عماد کردیزی

محمود لنگاہ ملتان پر حاکم رہا اور قلعہ شور جام بایزید کے پاس رہا۔ یہ صلح کچھ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہی۔ اسی دوران میں عماد کردیزی اپنے دونوں بیٹوں میرزا شہید اور میرزا شہدا کے ساتھ سولی سے ملتان آیا (نظام الدین احمد بدخشی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ملتان میں سب سے پہلے مذہب شیعہ کو میر شہدا ابن میر عماد کردیزی نے رواج دیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ میر عماد کون تھا اور ان کا تعلق کس خاندان سے تھا نیز یہ بھی نہیں بتایا کہ اس زمانے میں میر شہدا کو ملتان میں شیعہ مذہب کی ترویج و اشاعت کا موقع کیوں اور کیسے ملا) ان دنوں ملک سہراب بلوچ سلاطین لنگاہ کے ساتھ بہت دوستانہ مراسم رکھتا تھا۔ اس وجہ سے میر عماد کردیزی ملتان میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا' اس لئے وہ جام بایزید کے پاس چلا گیا۔

میر عماد' جام بایزید کے پاس

جام بایزید میر عماد کردیزی سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور اس کی بہت عزت کی۔ جام بایزید نے اپنے ملک کا ایک حصہ جو اخراجات خاصہ کے لئے مخصوص تھا۔ میر عماد کردیزی اور اس کے بیٹوں کو جاگیر میں دے دیا۔ جام بایزید بہت ہی سخی اور نیک دل انسان تھا وہ اہل علم و فضل کی بہت قدر کرتا اور ان کے لئے زندگی کی ہر ممکن آسائش مہیا کرتا تاکہ وہ فکر دنیا سے بے نیاز ہو کر پورے سکون کے ساتھ علم کی خدمت کر سکیں۔

جام بایزید کی علم دوستی

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جام بایزید زمانہ جنگ میں علماء و فضلائے ملتان کے لئے قلعہ شور سے ضروریات کا تمام سامان کشتیوں پر لاد کر ملتان بھیجا کرتا تھا۔ اہل ملتان پر اس کے اتنے احسانات تھے کہ تمام ملتانی دل و جان سے اس کے بہی خواہ تھے اسی طریق کار کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار ملتانی' ملتان کی سکونت ترک کر کے شور چلے آئے۔ ان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی تھے' جنہیں خود جام بایزید نے اپنے پاس بلایا تھا' مثلاً مولانا عزیز اللہ جو مولانا فتح اللہ کے شاگرد رشید تھے' جام بایزید نے ان بزرگ کو شور میں بلایا اور جب وہ آئے تو بڑی دھوم دھام سے ان کا استقبال کیا اور اپنی حرم سرا میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ مولانا عزیز اللہ سے جام بایزید کو بڑی عقیدت تھی' جس روز وہ تشریف لائے جام بایزید نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ مولانا کے ہاتھ دھلوائیں' ملازموں نے حکم کی تعمیل کی جام بایزید نے بعد میں اس پانی کو حصول برکت کے لئے اپنے مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکوایا۔

میرزا شاہ حسین ارغون کا ہنگامہ

۹۰۳ ہجری میں ظہیر الدین بابر' پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی روانہ ہو گیا۔ بابر نے حاکم ٹھٹھہ میرزا شاہ حسین ارغون کے نام ایک فرمان روانہ کر کے اسے ملتان اور اس کے نواح پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ میرزا حسین ارغون ایک لشکر جرار لے کر قلعہ بھکر سے روانہ ہوا اور ملتان کے نواح کو تباہ و برباد کرنے لگا۔ محمود لنگاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا۔

شیخ بہاؤ الدین قریشی اور مولانا بہلول' میرزا حسین ارغون کی خدمت میں

محمود لنگاہ نے لشکر جمع کیا اور شہر کے باہر مقیم ہوا' اس نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے سجادہ نشین شیخ بہاء الدین قریشی کو اپنا قاصد بنا کر شاہ حسین ارغون کے پاس بھیجا۔ محمود نے مولانا بہلول کو بھی جو اپنے زمانے کے مانے ہوئے لسان اور شریں بیاں تھے' شیخ بہاء الدین قریشی کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ دونوں قاصد شاہ حسین ارغون کے دربار میں پہنچے اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ میرزا حسین ارغون نے اس کے جواب میں کہا "میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ محمود لنگاہ کی تربیت کروں اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کروں۔" حضرت مولانا بہلول نے اس پر یہ کہا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ روحانیت کے ذریعہ سے محمود لنگاہ کو اس طرح تربیت دیتے

کہ جس طرح حضرت محمد صلعم نے حضرت اویس قرنی کو تعلیم دی تھی' رہا آپ کا دوسرا مقصد تو وہ بھی حل ہو گیا ہے۔ حضرت بہاء الدینؒ کے ہم نام اور ان کے فرزند آپ کے سامنے موجود ہیں۔ میری مراد شیخ بہاء الدین قریشی سے ہے۔ مولانا بہلول کی اس مدلل تقریر سے میرزا حسین ارغون قطعاً متاثر نہ ہوا اور دونوں قاصد ناکام لوٹے۔

محمود کا انتقال

انہیں دنوں ایک روز رات کے وقت محمود لنگاہ کا انتقال ہو گیا۔ بعض مورخین کا یہ بیان ہے کہ شاہی خاندان کے ایک غلام مسمی لنگر خان نے ۹۳۱ھ میں محمود لنگاہ کو زہر دے کر ہلاک کیا۔

محمود لنگاہ کی مدت حکومت ستائیس سال ہے۔

حسین شاہ ثانی بن محمود شاہ لنگاہ

شجاع الملک بخاری کا اقتدار

محمود شاہ لنگاہ کی وفات کے بعد اس قوم کے اکثر افراد نے بغاوت کی اور میرزا شاہ حسین ارغون سے جا ملے ان لوگوں نے قوت حاصل کر کے ملتان کے اکثر قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ بقیہ امراء نے ملتان میں محمود شاہ کے کم سن لڑکے کو حسین شاہ کا خطاب دے کر تخت پر بٹھا دیا اور اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ حسین شاہ کی بادشاہت برائے نام تھی اصل اقتدار شیخ شجاع الملک بخاری کے ہاتھ میں تھا جو محمود شاہ کا داماد تھا اس نے وزیر سلطنت بن کر حکومت کے کاموں کو انجام دینا شروع کر دیا۔

ملتان پر حسین ارغون کا قبضہ

شیخ شجاع الملک بخاری بہت ہی ناتجربہ کار اور نادان شخص تھا اس کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے اہل ملتان کو بہت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میرزا حسین ارغون نے قلعے کا محاصرہ کر لیا' اہل قلعہ کے پاس ضرورت کے مطابق غلہ اور دیگر سامان موجود نہ تھا اس پر بھی شجاع الملک نے حصار بندی پر ضد کی۔ اہل قلعہ بھوک سے مرنے لگے جب چند ماہ اسی عالم میں گزر گئے تو حسین ارغون نے ملتان کو فتح کر لیا۔

حسین لنگاہ کی گرفتاری

حصار ملتان فتح کرنے کے بعد حسین ارغون نے حسین لنگاہ کو گرفتار کر کے اپنے موکلوں کے سپرد کر دیا۔ شجاع الملک بخاری بھی گرفتار ہوا اور اس سے بھاری رقمیں وصول کی گئیں۔ اس زمانے میں ملتان بڑی بری طرح تباہ ہوا اور ایسا خیال ہوتا کہ اب دوبارہ اس شہر کا بسنا محال ہے۔ حسین ارغون نے خواجہ شمس الدین کو ملتان کا حاکم اور لنگر خاں کو پیش دست مقرر کیا اور خود واپس ٹھٹھہ آیا۔ لنگر خاں نے اہل ملتان کو دلاسے دے کر ان کی دل جوئی کی اور شہر کو دوبارہ آباد کیا۔ اس نے اہل شہر کو اپنے ساتھ ملا کر خواجہ شمس الدین کو شہر بدر کر دیا اور خود ملتان پر قبضہ کر لیا۔

بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے میرزا کامران کو پنجاب کا حاکم مقرر کیا۔ میرزا کامران نے لنگر خاں کو اپنے پاس بلایا اور اسے ملتان کے عوض کابل کی حکومت عطا کی۔ لنگر خاں نے میرزا کامران سے لاہور میں ملاقات کی تھی اور ان ہی دنوں شہر کے باہر ایک مقام پر قیام کیا تھا یہ جگہ اب "دائرہ لنگر خاں" کے نام سے مشہور ہے اور لاہور کا ایک محلّہ ہے۔ لنگر خاں کے بعد ملتان سلاطین دہلی کے قبضے میں آ گیا۔ ہمایوں کے بعد یکے بعد دیگرے اس پر شیر شاہ سوری' سلیم شاہ' اکبر اور جہانگیر نے حکومت کی۔

سلاطین کشمیر

خطہ کشمیر

کشمیر کا شمار دنیا کے مشہور ترین ملکوں میں ہوتا ہے' یہ خطہ اپنی متنوع خصوصیات کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔ میرزا حیدر دوغلات نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں کشمیر کے صحیح حالات درج کیے ہیں۔ راقم الحروف مورخ فرشتہ کے نزدیک میرزا حیدر دوغلات کے بیانات چونکہ بالکل صحیح ہیں لہٰذا میں انہیں کو مختصر کر کے اپنی تاریخ میں لکھتا ہوں۔

جغرافیائی حالات

کشمیر صوبہ پنجاب کے ایک مقام پکلی کے جنوب و مشرق میں واقع ہے۔ یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے' اس وادی کا طول ایک سو کوس' عرض دس سے بیس کوس ہے' یہ ساری زمین انتہا کی سرسبز و شاداب ہے' یہاں کی زمین چار قسم کی ہے' ایک حصے کو زراعت آبی کہتے ہیں اور اس میں بہت عمدہ زعفران پیدا ہوتا ہے' دوسرے حصے کو علمی کہتے ہیں' تیسرا حصہ باغات پر مشتمل ہے اور چوتھے میں میدان ہیں۔ کشمیر کے میدان دریا کے کنارے واقع ہیں' ان میں انواع و اقسام کے پھول' سوسن' بنفشہ' نسرین' نسترن' سنبل' نرگس اور یاسمین وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔

موسم

اس زمین میں چونکہ رطوبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے یہاں زراعت نہیں ہوتی اور اس لئے یہ ویران پڑی رہتی ہے لیکن اس ویرانی کا حسن بھی ایسا لاجواب ہے جس پر کئی آبادیاں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ایران کی طرح کشمیر میں بھی سال میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ گرمیوں کے زمانے میں حرارت بہت کم ہوتی ہے' موسم انتہائی خوشگوار رہتا ہے اور گرمی بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ جاڑے کے موسم میں اگرچہ برفباری ہوتی ہے اور سردی کی بہت شدت ہوتی ہے لیکن پھر بھی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' البتہ جب کبھی سورج بادلوں میں چھپ جاتا ہے تو اس وقت یہ ضرورت ہوتی ہے کہ شراب کی حدت سے جسم کو گرم رکھا جائے۔

مکانات اور بازار

کشمیر میں عمارتیں ساج کی لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اور بیشتر مکان' پانچ حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں' ہر حصے میں برآمدے' کمرے' کھڑکیاں اور دروازے ہوتے ہیں اور ان مکانوں کو طرح طرح کے نقش و نگار سے آراستہ کیا جاتا ہے اس وجہ سے دیکھنے میں بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں' شہروں اور گلیوں وغیرہ کے فرش پتھر کے ہوتے ہیں' بازار عموماً بند رہتے ہیں سوائے بزازوں اور خوردہ فروشوں کے یہاں اور کوئی نہیں ہوتا۔ بقال' عطار اور میوہ فروش وغیرہ ان بازاروں میں نہیں بیٹھتے۔ اہل حرفہ اپنے مکانوں میں ہی اپنا کام کرتے ہیں۔

میوہ جات

کہا جاتا ہے کہ جب سے مغل امیروں نے یہاں آنا جانا شروع کیا ہے بازاروں کی رونق بڑھ گئی ہے اور ہر قسم کے پیشہ ور دکانوں میں بیٹھنے لگے ہیں۔ پھلوں میں شہتوت' کیلاس' انگور' عناب' سیب' ناشپاتی' شفتالو' پستہ اور انجیر وغیرہ بکثرت ہوتے ہیں۔ کشمیر میں شہتوت عام طور پر کھائے جاتے ہی نہیں بلکہ ان کو ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پھل یہاں اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ان کو بیچنے اور خریدنے کا دستور نہیں۔

باغات

یہاں کے باغات چار دیواری سے گھرے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ کھلے ہوتے ہیں اور جس کا جی چاہتا ہے وہ ان باغوں میں جا کر حسب خواہش پھل کھاتا ہے۔ یہاں یہ دستور ہے کہ اگر کسی شخص کو باغ میں جانے سے روکا جائے تو اس بات کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔

کشمیر کے حسن کی تعریف

جن دنوں کشمیر' دہلی اور لاہور کے فرماں رواؤں کے قبضے میں نہ تھا۔ ان دنوں ہندوستان کے لوگ اس وادی میں بہت کم آتے جاتے تھے۔ ۹۹۵ھ میں اکبر نے کشمیر کو فتح کیا اور اس کے بعد سے اہل ذوق اور ارباب علم اس ملک میں آمد و رفت رکھنے لگے۔ شاعروں نے اس ملک کی تعریف میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ فیضی' عرفی اور دوسرے نامور شاعروں نے کشمیر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مشہور خاص و عام ہے۔

مندروں کی تعمیر

کشمیر میں عجائبات کی کثرت ہے' اس ملک میں مندروں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ ان مندروں کی تعمیر میں پتھر لگایا گیا ہے پتھر کے ٹکڑوں کو بغیر کسی مسالے کے ایک دوسرے پر رکھا گیا ہے' یہ ٹکڑے اس طرح آپس میں ملے ہوئے ہیں کہ دراڑوں میں باریک سے باریک شے بھی داخل نہیں ہو سکتی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پتھر کو کاٹنے میں کس قدر محنت اور نفاست سے کام لیا گیا ہے' ہر پتھر آٹھ گز سے لے کر تین گز تک لمبا اور ایک گز سے پانچ گز تک چوڑا ہے۔ ان کو کس طرح آپس میں پیوست کیا گیا؟ اور اٹھا کر کس طریقے سے ایک دوسرے پر رکھا گیا؟ ان سوالوں کا جواب دینے سے عقل حیران ہوتی ہے ان پتھروں میں سے اکثر ایک ہی قسم کے ہیں' مندروں کے ارد گرد چار دیواری ہے' جس کے چاروں حصے تقریباً تین سو گز لمبے ہیں۔ دیوار کی بلندی بعض جگہ تیس گز اور بعض جگہ اس سے کم ہے۔ چار دیواری کے اندر کی تمام عمارتیں پتھر کی بنی ہوئی ہیں جو سب کی سب پتھر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ ان ستونوں کے طاق تین گز سے چار گز تک چوڑے ہیں' بعض بعض طاقوں میں نقوش اور تصویریں بھی بنی ہوئی ہیں' کسی تصویر میں کوئی روتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے اور کوئی ہنستا ہوا' ان تصویروں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بنانے والوں نے کتنی مشاقی سے کام کیا ہے۔ احاطے کے درمیان میں پتھر کی بنی ہوئی ایک بلند کرسی ہے اور کرسی پر گنبد بنا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ ان مندروں کی خوبصورتی اور دل کشی اپنی مثال آپ ہے بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مندروں کا ثانی دنیا میں کہیں اور نہیں ہے۔

عجیب و غریب حوض

کشمیر کی دوسری عجیب و غریب چیز یہ ہے کہ یہاں کے ایک ضلع "بریک" میں ایک پہاڑی ہے' پہاڑی کے نیچے ایک غار ہے جس کی شکل حوض کی سی ہے' اس حوض کی تہہ میں ایک سوراخ ہے یہ حوض سارا سال خشک رہتا ہے لیکن جب سورج برج ثور میں داخل ہوتا ہے تو متذکرہ سوراخ میں سے پانی نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ حوض بھر جاتا ہے۔ سوراخ میں سے پانی اتنے زور اور جوش کے ساتھ نکلتا ہے کہ قرب و جوار کی زمین دو تین میل کے فاصلے تک ملنے لگتی ہے۔ کچھ دنوں بعد جوش قدرے کم ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ حوض خشک ہو جاتا ہے اور سارا سال اسی طرح رہتا ہے' اس حوض کے سوراخ کو اگرچہ بڑی مضبوطی کے ساتھ بند کیا جاتا ہے' لیکن وقت آنے پر پانی کا جوش اس سوراخ کو پھر کھول دیتا ہے اور پانی باہر نکلنے لگتا ہے۔

عجیب و غریب درخت

کشمیر کی تیسری عجیب و غریب چیز بید کا ایک درخت ہے جو کشمیر کے "ناکام" نامی موضع میں واقع ہے۔ یہ درخت بلندی میں اپنی مثال آپ ہے' بڑے بڑے تیرانداز بھی اگر چاہیں تو اپنے تیر کو درخت کے آخری سرے تک نہیں پہنچا سکتے۔ اگر کوئی اس درخت کی ایک

شاخ پکڑ کر ہلائے تو سارا درخت لرزنے لگتا ہے۔

چشمہ فال

کشمیر میں "دیوسرہ" نامی ایک مقام میں ایک چشمہ ہے جو حوض کی صورت کا ہے اس چشمے کے آس پاس بہت سے سایہ دار درخت کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے ماحول کے حسن میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ اہل شہر اس چشمے سے فال نکالتے ہیں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ چاول پکا کر ایک کوزے میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور کوزے کا منہ مٹی سے بند کر کے اس چشمے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس پر صاحب فال کا نام بھی لکھ دیا جاتا ہے یہ کوزہ پانچ سال پانچ ماہ یا پانچ دن کے بعد چشمے کی تہہ سے نکلتا ہے اور سطح پر آ جاتا ہے۔ لوگ اس کو کھول دیتے ہیں اگر پکے ہوئے چاول اپنی اصلی حالت میں ہوں تو اسے نیک شگون سمجھا جاتا ہے اور سڑ گل گئے ہوں تو اس سے بدشگونی مراد لی جاتی ہے۔"

ایک دل کشا عمارت

کشمیر میں ایک تالاب ہے جس کا نام "اوسر" ہے اور اس کا دور سات کوس کا ہے اور اس کے درمیان کشمیر کے سلطان زین العابدین نے ایک عمارت تعمیر کروائی ہے جو حسن و دلکشی میں بے نظیر ہے۔ یہ عمارت اس طریقے سے تعمیر کی گئی ہے کہ پہلے تو تالاب میں پتھر بچھائے گئے' جب یہ پتھریلی سطح پانی کے اوپر آ گئی تو اس پر چار سو (۴۰۰) مربع گز کا ایک چبوترہ جو پانی کی سطح سے دس گز بلند تھا تعمیر کیا گیا۔ اس چبوترے پر اصل عمارت بنائی گئی ہے عمارت کے چاروں طرف سایہ دار درخت لگا کر اس کے حسن میں قابل قدر اضافہ کیا گیا ہے۔ جنہوں نے اس عمارت کو دیکھا ہے' ان کا خیال ہے کہ ایسی خوبصورت عمارت ساری دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔

راج دان

ایک دوسری خوبصورت عمارت سلطان زین العابدین نے سری نگر میں تعمیر کروائی ہے۔ اہل کشمیر نے اس عمارت کا نام "راج دان" رکھا ہے' یہ عمارت بیس درجوں پر مشتمل ہے۔ بعض درجوں میں حجروں' دالانوں اور کھڑکیوں وغیرہ کی تعداد پچاس پچاس تک ہے' یہ عجیب و غریب عمارت تمام کی تمام لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ دنیا کی دیگر مشہور اور بہترین عمارتیں' ہو سکتا ہے کہ طرز تعمیر اور خوبصورتی کے لحاظ سے اس سے بہتر ہوں لیکن جو حیرت انگیز فن کاری اس عمارت میں ملتی ہے اس کا کسی دوسری جگہ نظر آنا مشکل ہے۔

"ظفر نامہ" کے مولف کا بیان

ظفر نامہ کے مولف نے کشمیر کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ یہ شہر دنیا کے مشہور ترین مقامات میں سے ہے' اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہ مقام عجیب و غریب ہے' یہ شہر جو اقلیم چہارم کے وسط میں واقع ہے ایک خوبصورت وادی ہے' جس کے جنوب میں ہندوستان' مشرق میں تبت' شمال میں کاشغر اور جنوب مغرب میں افغانستان ہے۔ جس وادی میں یہ شہر واقع ہے وہ میرے علم کے مطابق شرقاً غرباً ... کوس اور شمالاً جنوباً پچیس کوس ہے۔ یہ ایک ہزار موضعوں پر مشتمل ہے اور چشموں کی یہاں کثرت ہے' سبزے کی لطافت عجیب ... رکھتی ہے' آب و ہوا کے لحاظ سے اس شہر کا جواب نہیں۔ حسن جتنا یہاں ہے اتنا ساری دنیا میں نہیں' یہاں کے پہاڑوں اور جنگلوں میں خوش ذائقہ اور لطیف پھلوں کی افراط ہے جو صحت کے لئے انتہائی مفید ہوتے ہیں' یہاں کی آب و ہوا سرد ہوتی ہے اس لئے گرم پھل مثلاً کھجور' نارنگی اور لیموں وغیرہ یہاں پیدا نہیں ہوتی۔ یہ پھل آس پاس کے گرم ممالک سے منگوائے جاتے ہیں۔

سری نگر

کشمیر کا پایہ تخت سری نگر ہے' اس شہر کا محل وقوع بغداد سے ملتا جلتا ہے' شہر کے بیچوں بیچ ایک دریا بہتا ہے جو دریائے دجلہ سے بڑا ہے' تعجب کی بات یہ ہے کہ دریا کا پانی جس کی کثرت کی کوئی انتہا نہیں۔ ایک ہی چشمے سے نکلتا ہے' یہ چشمہ بھی اسی شہر میں موجود ہے'

شہر کے باشندے لاتعداد کشتیاں دریا کے کنارے باندھ دیتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کے ذریعے ایک سے دوسری جگہ آتے جاتے ہیں۔ یہ دریا کشمیر سے نکل کر ملتان کے بالائی حصے میں دریائے چناب سے مل جاتا ہے۔ شہر سری نگر کو خداوند تعالیٰ نے ایسی جگہ آباد کیا ہے جہاں چاروں طرف پہاڑ ہیں اس وجہ سے یہاں کے باشندے حملہ آوروں سے بے خوف ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

کشمیر کے راستے

کشمیر سے دیگر ممالک کو تین راستے جاتے ہیں ایک خراسان کی طرف دوسرا ہندوستان کی طرف اور تیسرا تبت کی طرف' خراسان کا راستہ بہت دشوار گزار ہے اس راستے سے مال و اسباب جانوروں پر لاد کر لے جانا بہت مشکل ہے اس وجہ سے سامان اٹھانے کا کام آدمیوں سے لیا جاتا ہے۔ یہاں مزدور بکثرت ملتے ہیں جو سامان اٹھا کر ایسی جگہوں تک پہنچا دیتے ہیں کہ جہاں سے جانوروں کے ذریعے سامان لے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کا راستہ بھی بہت دشوار گزار ہے' البتہ تبت کا راستہ نسبتاً آسان ہے' لیکن اس راستے میں جانوروں کے لئے چارہ نہیں ملتا۔ صرف ایک زہریلی گھاس ملتی ہے جسے کھا کر جانور ہلاک ہو جاتے ہیں اس وجہ سے لوگ جانوروں کی ہلاکت کے خوف سے سفر کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

کشمیریوں کا مذہب

میرزا حیدر دوغلات نے "کتاب رشیدی" میں لکھا ہے کہ کشمیری باشندے مذہباً حنفی مسلمان تھے۔ فتح شاہ کے زمانے میں عراق سے شمس الدین نامی ایک شخص آیا اور اس نے خود کو میر محمد نور بخش سے منسوب کر کے ایک غیر معروف مذہب کی اشاعت کرنی شروع کی۔ شمس الدین نے اس نئے مذہب کا نام "نور بخش" رکھا' یہ مذہب شیعہ اور سنی دونوں عقیدوں کے خلاف ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے حضرت عائشہ اور خلفائے ثلاثہ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور میر نور بخش کو مہدی موعود سمجھتے ہیں پہلی بات سنی مذہب اور دوسری بات شیعہ مذہب کے خلاف ہے۔

فرقہ نور بخش

اس فرقے کے ماننے والے شیعہ مذہب کے برخلاف تمام اولیائے کرام کو سنی المذہب سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے عبادات اور احکام مذہبی میں بھی عام مسلمانوں سے علیحدہ روش اختیار کی ہے۔ راقم الحروف نے اس مذہب کے ماننے والوں کو بدخشاں وغیرہ میں دیکھا ہے یہ لوگ میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ میر سید محمد نور بخش کے ایک بیٹے نے مجھے اپنے والد کا ایک رسالہ دکھایا' اس رسالے میں ایک بات نہایت عمدہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ خیال غلط ہے کہ حکومت ظاہری اور تقویٰ و طہارت کا ایک ہی شخص میں جمع ہونا ناممکن ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انبیائے کرام میں سے حضرت یوسفؑ' حضرت سلیمانؑ' حضرت داؤدؑ اور حضرت محمد صلعم باوجود نبی مرسل ہونے کے حکمران بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ اہل سنت کے مذہب کے مطابق ہے اور نور بخشی مذہب کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

فقہ اخوطہ

ایک کتاب "فقہ اخوطہ" کشمیر میں بہت مشہور و مقبول تھی میں نے اس کتاب کے بارے میں ہندوستان کے علمائے کرام سے فتویٰ طلب کیا۔ تمام علماء نے اس کتاب کے بارے میں بڑی بری رائے دی اور لکھا کہ یہ کتاب بہت ہی مضر ہے اور اس کا مصنف زندیق اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کتاب کو جہاں بھی دیکھے ضائع کر دے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کو نصیحت کرنی چاہئے اگر وہ اپنے باطل عقائد سے توبہ کر کے امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں تو بہتر ہے ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

نور بخشیوں کے عقائد

میرے پاس جب یہ تحریر آئی تو میں نے ان کشمیریوں کو جو باطل عقائد کو مانتے تھے تنبیہہ کی۔ ان میں سے بہت سے تو راہ راست پر آ گئے اور بہت سوں کو میں نے قتل کر دیا۔ ان لوگوں میں سے بعض نے اپنے آپ کو صوفی مشہور کر کے اپنی جان بچائی' حالانکہ یہ بدعقیدہ ہرگز صوفی ہونے کے لائق نہیں بلکہ زندیق اور ملحد ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ان لوگوں کو قطعاً یہ معلوم نہیں کہ حرام اور حلال میں فرق کیا ہے۔ زہد و تقویٰ کا انہوں نے جو مطلب لیا ہے وہ یہ ہے کہ رات کو جاگا جائے اور کم کھایا جائے۔ یہ لوگ سخت لالچی ہوتے ہیں' جو کچھ نظر آتا ہے اسے حاصل کرنے کی تمنا کرتے ہیں' کھانے کے معاملے میں بھی سخت بداختیار ہیں جو کچھ مل جائے پیٹ میں ڈال لیتے ہیں۔

مہملات فرقہ نور بخش

نور بخشیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اپنے پریشان خواب بیان کر کے آنے والے وقت کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں پر یہ ظاہر کریں کہ ہم صاحب عرفان ہیں یہ لوگ ایک دوسرے کو سجدہ بھی کرتے ہیں اور باوجود ان مہملات کے اربعین کا چلہ بھی کھینچتے ہیں۔ یہ لوگ عالموں' فاضلوں کے علم و فضل کو اچھا نہیں سمجھتے' خود کو اہل طریقت مانتے ہیں لیکن شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ طریقت کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں ایسے بدعقیدہ لوگ سوائے کشمیر کے اور کہیں نہیں پائے جاتے۔

آفتاب پرست

نور بخشیوں سے پہلے کشمیر میں آفتاب پرستوں کی کثرت تھی اس فرقے کو "شماسین" بھی کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ آفتاب سراپا نور ہے اور اس کا سبب ہمارے عقیدے کی صفائی ہے اور ہمارا وجود ہے' سورج کے نور کا پرتو ہے' اگر ہم بدعقیدہ ہو جائیں سورج سے وجود کو کوئی تعلق نہ رہے گا اور اگر سورج ہمیں فیض یاب نہ کرے تو ہماری ذات سے وجود قائم نہ رہے گا۔ مراد یہ ہے کہ سورج سے ہمارا وجود اور ہم سے سورج کا وجود قائم ہے' اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنا وقت خیر و خوبی سے گزاریں کیونکہ اس پر ہمارا حال ظاہر رہتا ہے۔ جب سورج ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے یعنی رات آ جائے تو اس وقت ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں اس وقت ہمارے اعمال کی کوئی باز پرس نہ ہو گی اور ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔ سورج سے تعلق کی مناسبت سے یہ لوگ اپنے بانی مذہب کا لقب "شمس الدین" بتاتے ہیں۔ کشمیر نے اس لقب کو مخفف کر کے "شماسی" بنا لیا ہے۔ (یہاں میرزا حیدر دوغلات کی عبارت ختم ہوتی ہے۔)

کشمیریوں کا موجودہ مذہب

راقم الحروف مورخ فرشتہ نے ایسے لوگوں سے جو کشمیر کا سفر کر چکے ہیں کشمیریوں کے مذہب کی بابت دریافت کیا ہے۔ ان لوگوں نے بتایا ہے کہ آج کل تمام کشمیری حنفی المذہب سنی ہیں۔ اس ملک کے سپاہی پیشہ لوگ امامیہ مذہب رکھتے ہیں' لیکن اہل علم میں اس مذہب کے جاننے والے بہت کم ہیں' تبت کوچک کا حکمران بڑا غالی شیعہ ہے اس کا حکم ہے کہ جو لوگ اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے حضور میں بے ادبی نہ کرتے ہوں وہ شہر میں داخل نہ ہوں۔

قبیلہ چک کا بیان ہے کہ میر شمس الدین عراقی شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ بہت سے ملحد اور اس زمانے کے سلاطین اس کے معتقد ہوئے اور ملک میں خطبہ امامیہ جاری کیا گیا' لیکن کتاب فقہ احوط کی تالیف سے اس شمس الدین کو کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مولف ایک اور شخص تھا جو گمراہ اور ملحد تھا۔

سلطان شمس الدین

راقم الحروف مورخ فرشتہ نے زیر نظر تالیف میں یہ التزام کیا ہے کہ اپنے بیانات کو مسلمان فرماں رواؤں تک محدود رکھا ہے اور کسی ملک کی حکومت کا تذکرہ کرتے ہوئے وہاں کے ہندو حکمران کا ذکر نظرانداز کر دیا ہے اسی اصول کے مطابق سلاطین کشمیر کا تذکرہ بھی وہاں کے پہلے مسلمان فرمانروا کے حالات سے شروع کیا جاتا ہے۔

شاہ میرزا کی کشمیر میں آمد

کشمیریوں کو اسلام لائے ہوئے تھوڑی مدت ہی ہوئی ہے اس ملک کے قدیم حکمران ہندو تھے اور برہما کی پوجا کرتے تھے۔ ۷۱۵ھ میں جب کہ کشمیریوں کی حکومت سیہ دیو نامی راجہ کے ہاتھ میں تھی کشمیر میں ایک شخص مسمی شاہ میرزا' فقیروں کے لباس میں آیا اور راجہ کے ملازموں میں داخل ہو گیا۔ شاہ میرزا اپنے آپ کو ارجن کی نسل سے بتاتا تھا اور اپنا شجرہ نسب یوں بیان کرتا تھا' شاہ میرزا بن ماہر بن آل بن گرشاسپ بن نکودر' نکودر کے بارے میں شاہ میرزا کا بیان تھا کہ یہ شخص ارجن کی نسل سے تھا' جو مشہور پانڈو ہے۔ واضح رہے کہ پانڈوؤں کا قصہ "مہابھارت" میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔

راجہ ارجن کی ملازمت

شاہ میرزا نے ایک عرصے تک راجہ سیہ دیو کی خدمت کر کے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ راجہ سیہ دیو کی وفات کے بعد اس کا بیٹا راجہ ارجن اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا ارجن نے شاہ میرزا کو اپنا وزیر بنایا اور اسے تمام امور سلطنت سونپ دیئے۔ شاہ میرزا کو راجہ نے اپنے بیٹے کا اتالیق بھی مقرر کیا۔ راجہ ارجن کے انتقال کے بعد اس کے عزیز نے قندھار سے کشمیر پر حملہ آور ہو کر اس ملک پر قبضہ کر لیا اس شخص کا نام اودن تھا۔

شاہ میرزا کے بیٹے

راجہ اودن نے بھی شاہ میرزا علی کو اپنا وزیر بنایا اور اس کے دونوں بیٹوں جمشید اور علی شیر پر بھی اعتماد کر کے انہیں صاحب اقتدار کیا۔ شاہ میرزا کے دو اور بیٹے "سرات مک" اور "ہنڈال" بھی تھے' ان چاروں نے کشمیر میں بہت قوت حاصل کر لی اور اس وجہ سے راجہ اودن نے ان چاروں کا اپنے گھر میں داخلہ بند کر دیا۔

راجہ ارجن کی وفات

شاہ میرزا اور اس کے بیٹوں نے رفتہ رفتہ کشمیر کے تمام پرگنوں پر قبضہ کر لیا اور راجہ اودن کے بیشتر ملازموں کو اپنا طرف دار بنا لیا۔ س رفتار سے شاہ میرزا کشمیر پر قبضہ کرتا چلا جا رہا تھا اسی رفتار سے راجہ اودن کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی آخر کار راجہ نے ۷۴۷ جری میں سفر آخرت اختیار کیا۔

رانی کولادیوی

راجہ کی وفات کے بعد اس کی بیوی کولادیوی نے اپنے شوہر کی جگہ سنبھالی اور اس نے شاہ میرزا کو ختم کر کے امن و اطمینان سے کومت کرنے کا ارادہ کیا۔ رانی نے شاہ میرزا کو پیغام بھجوایا کہ تم ایک عرصے تک ارجن کے بیٹے چندر کے اتالیق رہے ہو اس لئے تمہارا فرض ہے کہ تم چندر کو تخت نشین کر کے حکومت کے کاموں کو انجام دو۔ شاہ میرزا نے رانی کے پیغام کو قابل التفات نہ سمجھا' اس پر

رانی نے شاہ میرزا پر لشکر کشی کی فریقین میں جنگ ہوئی۔ رانی نے شکست کھائی اور گرفتار ہوئی شاہ میرزا نے رانی کو مسلمان کر کے اپنی بیوی بنا لیا' اس نے ایک دن اور ایک رات اس عورت کو اپنے گھر میں رکھا اور پھر بند کر دیا۔

شاہ میرزا کی خود مختار حکومت

اس کے بعد شاہ میرزا نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے کشمیر میں اپنی آزاد خود مختار حکومت قائم کی اور ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ سلطان شمس الدین نے کشمیر میں حنفی مذہب جاری کیا اور تمام ملک کو جو دیجو میر بخشی کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا دوبارہ آباد کیا۔

دیجو میر بخشی

دیجو میر بخشی کچھ عرصہ قبل قندھار سے کشمیر پر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے سارے ملک کو تہس نہس کر دیا تھا۔ راجہ سیہ دیو ان دنوں کشمیر کا حاکم تھا۔ اس نے رعایا سے بہت سا مال و دولت لے کر دیجو میر بخشی کی نذر کیا' لیکن آخر الذکر پھر بھی راہ راست پر نہ آیا' یہ صورت حال دیکھ کر راجہ سیہ دیو نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس طرح دیجو میر بخشی کو کھیل کھیلنے کا خوب خوب موقع ملا۔ دیجو نے کشمیر کو جی بھر کر لوٹا اور یہاں کے باشندوں کو ہر ممکن طریقے سے تباہ و برباد کیا' وہ سردی کی شدت کی وجہ سے کشمیر میں زیادہ دیر قیام نہ کر سکا' اس لئے مجبوراً واپس قندھار چلا گیا۔

شمس الدین کا عہد حکومت

سلطان شمس الدین نے کشمیر کی عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی مقبولیت اور ہردلعزیزی حاصل کی' اس نے اس قوم کے اکثر افراد کو تہ تیغ کیا' کیوں کہ یہ لوگ اس کی مخالفت کرتے تھے شمس الدین نے کشمیر کے دو قبیلوں "چک" اور "مکری" کی بڑی سرپرستی کی اور حکومت کے عہدوں پر زیادہ تر انہیں قبیلوں کے افراد کو فائز کیا۔

گوشہ نشینی اور وفات

جب سلطان شمس الدین بوڑھا ہو گیا اور اس نے اپنے میں فرماں روائی کی طاقت نہ دیکھی تو وہ اپنے دو بیٹوں جمشید اور علی شیر کو اپنا جانشین بنا کر خود حکومت سے دستبردار ہو گیا' سلطان شمس الدین نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور کچھ عرصہ بعد اسی عالم میں وفات پائی۔

اس بادشاہ کی مدت حکومت تین سال ہے۔

جمشید شاہ بن سلطان شمس الدین

علی شیر کی بغاوت

سلطان شمس الدین کے انتقال کے بعد امراء اور اراکین سلطنت کے مشورے سے مرحوم بادشاہ کا بڑا بیٹا جمشید شاہ تخت نشین ہوا۔ جمشید کا چھوٹا بھائی علی شیر (جو سلطان شمس الدین کے زمانہ حیات میں اس کا شریک کار تھا) رعایا اور لشکر میں بہت مقبول تھا' اس نے باپ کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ لشکر کے وہ سردار اور امراء جو علی شیر کے طرف دار تھے وہ اسے مدنی پور لے گئے اور وہاں اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

جمشید کی معزولی اور وفات

جمشید شاہ نے علی شیر پر حملہ کیا۔ جمشید نے پہلے تو نرمی اور صلح جوئی کو اپنا شعار بنایا' لیکن علی شیر راہ راست پر نہ آیا' اور اس نے جمشید کے لشکر پر شب خوں مار کر اسے شکست دی۔ جمشید نے جب مدنی پور کو خالی پایا تو وہ اس طرف چلا گیا۔ علی شیر کے بہت سے طرف داروں نے جمشید کا راستہ روکا' لیکن ان میں سے بہت سے مارے گئے۔ علی شیر نے اپنے بھائی کا پیچھا کیا' جمشید میں مقابلے کی ہمت نہ تھی اس لئے وہ گجراج کی طرف بھاگ گیا۔ سری نگر کے محافظ سراج نامی نے پایہ تخت علی شیر کے حوالے کر دیا۔ ان واقعات کے بعد جمشید نے سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور کچھ عرصے بعد وفات پا گیا اس کی مدت حکومت ایک سال دو ماہ ہے۔

سلطان علاؤ الدین بن سلطان شمس الدین

جمشید کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا علی شیر سلطان علاؤ الدین کے لقب سے کشمیر کا فرماں روا ہوا۔ اور اس نے اپنے بھائی شیر شاک کو اپنا وکیل السلطنت مقرر کیا۔ علاؤ الدین کے عہد حکومت میں ابتداً تو بڑی خوش حالی رہی لیکن آخر کار میں ایک زبردست قحط پڑا جس کی وجہ سے بے شمار جانیں تلف ہو گئیں۔ کچھ لوگ علاؤ الدین کے مخالف تھے اور اسی مخالفت کی وجہ سے وہ جلاوطن ہو کر کاشغر چلے گئے۔ علاؤ الدین نے ان لوگوں کو بڑی تدبیروں سے واپس کشمیر بلا کر نظربند کر دیا۔

علاؤ الدین نے بخشی پور کے قریب اپنے نام کی مناسبت سے ایک شہر "علاء پور" آباد کیا۔ اس فرماں روا نے ایک نیا قانون جاری کیا کہ کوئی زانی عورت اپنے شوہر کی وارث نہیں ہو سکتی۔ اس قانون کی وجہ سے بہت سی عورتوں نے اس گناہ کبیرہ سے توبہ کی اور نیک زندگی بسر کرنے لگیں۔

علاؤ الدین نے بارہ سال آٹھ ماہ اور تیرہ روز حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلطان شہاب الدین بن سلطان شمس الدین

سلطان علاؤ الدین کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بھائی نے سلطان شہاب الدین کا لقب اختیار کر کے کشمیر کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ فرماں روا بہت ہی بہادر اور جرات مند تھا اور اخلاقی اعتبار سے اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ جس روز اسے کوئی نئی خبر نہ ملتی تھی اس روز کو وہ اپنی زندگی میں شمار نہ کرتا تھا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کرتا تھا کہ عمر عزیز کا ایک دن بیکار گیا۔ شہاب الدین نے اپنے عہد حکومت میں مقبوضہ ممالک کو ان کے پرانے حاکموں کی تحویل میں دے دیا۔

پنجاب پر حملہ

سلطان شہاب الدین نے پنجاب پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کے کنارے قیام کیا۔ حاکم سندھ نے علاؤ الدین کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی۔ شہاب الدین کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ قندھار اور غزنی کے باشندے بھی اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اٹک سے ہوتے ہوئے اس نے پشاور پر لشکر کشی کی اور بے شمار لوگوں کو قتل کرتا ہوا ہندو کش پہنچا۔

راجہ نگر کوٹ کی اطاعت

سفر کی تھکن کی وجہ سے شہاب الدین واپس ہوا اور اس نے دریائے ستلج کے کنارے قیام کیا اور اسی دوران میں راجہ نگر کوٹ سے ملاقات ہوئی۔ راجہ دہلی کے بعض پرگنوں میں لوٹ مار کر کے بے شمار دولت لے کر آ رہا تھا' اس نے یہ تمام دولت سلطان شہاب الدین کی خدمت میں پیش کی اور اس کے اطاعت گزاروں میں شامل ہو گیا۔ تبت کوچک کا حاکم بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ اس کا لشکر تبت کوچک کو تباہ و برباد نہ کرے' اس کے بعد سلطان شہاب الدین کشمیر واپس آ گیا۔

شہزادوں کی جلاوطنی

شہاب الدین نے سری نگر میں قیام کیا اور اپنے بھائی ہندال کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ بادشاہ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن خاں اور علی خاں کو کشمیر سے نکال دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہاب الدین کی ایک بیوی ان دونوں شہزادوں کی والدہ سے ناراض تھی اور اس نے بادشاہ کو

ان شہزادوں کے خلاف کر دیا۔ پکھی نگر اور شہاب پور اسی بادشاہ کے بسائے ہوئے ہیں۔

انتقال

شہاب الدین کو اپنے عہد حکومت کے آخر میں شہزادہ حسن خاں کے اخراج پر سخت ندامت ہوئی۔ حسن خاں دہلی چلا گیا تھا' شہاب الدین نے اسے طلب کیا' شہزادہ باپ سے ملنے کے لئے روانہ ہوا' لیکن ابھی وہ خیمو تک ہی پہنچا تھا کہ شہاب الدین کا انتقال ہو گیا۔

شہاب الدین کی مدت حکومت بیس سال ہے۔

☆ تمت بالخیر ☆

سلطان قطب الدین

جب سلطان شہاب الدین مراحل زندگانی طے کر کے شہر خموشان میں داخل ہوا اس کے بھائی ہندال نے تخت سلطنت پر تمکن کیا اور اپنا لقب سلطان قطب الدین رکھا یہ بھی زیور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ تھا اور اپنے احکام کے نفاذ و تعمیل میں اہتمام نہایت رکھتا تھا اور آخر سلطنت میں ایک سردار کو قلعہ لوہر کوٹ کی تسخیر کے واسطے جو بعضے امرائے سلطان شہاب الدین کے تصرفات میں تھا بھیجا جبکہ جنگ ہائے عظیم اور معرکہ ہائے شدید فریقین کے مابین واقع ہوئی وہ سردار مارا گیا پھر سلطان قطب الدین نے خطوط بھیج کر اپنے بھتیجے حسن خان کو دہلی سے طلب کیا لیکن جب حسن خان نے اطاعت کر کے قدم ولایت کشمیر میں رکھا ایک جماعت اہل حسد نے سلطان کو اس ارادہ سے پشیمان کر کے اس کی گرفتاری پر آمادہ کیا اور رائے دل جو امرائے شہاب الدین سے تھا اسے حسن خان کو اس ارادہ سے آگاہی دی حسن خان بھاگ کر لوہر کوٹ کی طرف گیا اور بادشاہ کے مخالف جو کہ اس مقام میں تھے اس کے آنے سے قوی پشت ہوئے۔ سلطان قطب الدین نے رائے دل کو گرفتار کر کے قید کیا اور وہ قید خانہ سے بھاگ کر حسن خان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ واعیہ فساد کا رکھتا تھا زمینداروں نے حسن خان اور رائے دل کو گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجا سلطان نے رائے دل کو تیغ سیاست سے قتل کر کے حسن خان کو مقید کیا اور آخر عمر یعنی پیری میں سلطان کو آفرید گار عالم نے دو فرزند کرامت فرمائے۔ ایک کا آشکار اور دوسرے کا ہیبت خان نام رکھا اور جب پندرہ سال اور پانچ ماہ اس کی حکومت سے گزرے آخر ۷۶۶ سات سو چھیاسٹھ ہجری میں وفات پائی اور اس کے بعد بڑا بیٹا اس کا تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور اپنا خطاب سلطان سکندر رکھا۔ منقول ہے کہ شاہ قطب الدین کے عہد میں امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ العزیز کشمیر کے اطراف میں رونق افزا ہوئے اور سلطان کو مکتوب لکھا شاہ نے بہ تعظیم تمام جواب ان کے خط کا لکھ کر اپنے حضور طلب فرمایا۔ جب حضرت میر نے اپنے شرف قدوم فیض لزوم سے سری نگر کے اطراف کو مشرف کیا شاہ استقبال کو آیا اور با عزاز و اکرام تمام حضرات کو شہر میں لایا اور کشمیر کے جمیع صغیر و کبیر آنجناب عالی مقام سے بارادت صادق پیش آئے اور بروایت میرزا حیدر دوغلات کے جو کتاب رشیدی میں درج ہے چالیس روز سے زیادہ اس شہر میں اقامت نہ کر کے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور قیاساً دریافت ہوتا ہے کہ خانقاہ معلے جو آنحضرت نے اس شہر میں بنا فرمائی تھی آنحضرت کے حضور اس شہر کے آدمیوں نے بنیاد ڈالی ہو گی یا آنحضرت کی غیبت میں تیار ہوئی ہو اس سبب سے کہ اگر سامنے تیار ہوئی تو ضرور جناب امیر کا مدت تک کشمیر میں رہنے کا اتفاق ہوا ہو گا کس واسطے کہ چالیس روز میں تعمیر ہونا ایسی خانقاہ معلی اور عالی شان کا استبعاد اور صعوبت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلطان سکندر بت شکن

ناظرین پر تمکین پر واضح ہو کہ نام اصلی اس کا آشکار ہے اور یہ اپنے باپ کے بعد اپنی والدہ کی صلاح سے کہ سورہ نام رکھتی تھی تخت سلطنت پر بیٹھا۔ امراء اور ارکان دولت اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوئے اور وہ تمام سلاطین کشمیر سے شوکت و عظمت اور کثرت افواج میں ممتاز ہوا اور دبدبہ اور رعب بہت رکھتا تھا اور سلطان سکندر کی ماں اوائل حکومت میں دخل مہمات ملکی میں کر کے اکثر امور کو بوجہ احسن انجام دیتی تھی اور جب مادر مشفقہ نے اپنے داماد شاہ محمد نام سے آثار مخالفت کے مشاہدہ کیے اسے اور اس کی زوجہ یعنی اپنی بیٹی کو ہلاک کر دیا اور رائے ماوری کہ امرائے عظام کے سلک میں انتظام رکھتا تھا اور مہمات شاہی کا اس پر مدار تھا۔ ہیبت خان یعنی شاہ سکندر کے بھائی کو زہر دے کر ہلاک کیا شاہ سکندر اس جرم عظیم کے صدور کے سبب اس سے نہایت رنجیدہ اور دفع کے فکر میں ہوا لیکن جو وہ کمال استقلال رکھتا تھا یکایک اس کی سیاست اور تنبیہہ سے متعذر تھا اور رائے ماوری حقیقت حال سے واقف ہوا تو شاہ سے التماس کی

کہ اگر حکم ہو بندہ تبت کوچک کو جو کشمیر کے قریب ہے لے لے اور اس معروضہ سے غرض یہ تھی کہ آتش غضب سلطانی سے دور رہے اور شاہ نے اس امید پر کہ شاید اس طرف جا کر لڑائی میں مارا جائے تو گوہر مقصود بے سعی ہاتھ آئے اسے رخصت دی اور رائے مادری تبت کوچک پر فوج لے گیا اور اس ولایت کو بتدریج تمام مسخر کیا اور بعد چندے اپنے تصرف میں لایا پھر جمعیت تمام بہم پہنچا کر بغاوت پر کمر باندھی اس وجہ سے خود بنفس نفیس سکندر شاہ لشکر جمع لا کر اس طرف متوجہ ہوا اور سرحد میں جنگ واقع ہوئی رائے مادری بھاگا اور شاہ سکندر کے آدمیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اور شاہ نے اسے قید کیا اور بعد ایک مدت کے قید کی مصیبت سے وہ بہت تنگ آیا اور زہر کھا کر مسموم ہوا اور شاہ سکندر نے فوج کو آراستہ کر کے تبت اور اس کے اطراف کو جیسا کہ چاہئے محافظت کی اور ان دنوں میں امیر تیمور صاحبقران نے وقت عزیمت تسخیر ہندوستان اپنے ایلچیوں کو مع دو فیل شاہ سکندر کے پاس بھیجا تھا اس سبب سے افتخار اور مباہات بہت کر کے عرض داشت امیر تیمور صاحبقران کی خدمت میں باستدعائے ملازمت ارسال رکھی اور اخلاص اور بندگی ظاہر کر کے عرض کی کہ جس مقام میں حکم ہو ملاقات کو حاضر ہوں۔ اس کے بعد ایلچیوں کو زر خطیر دے کر بااعزاز و احترام رخصت کیا اور وہ جب صاحبقراں کی ملازمت میں مشرف ہوئے تو سلطان سے جو کچھ اخلاق اور رعایتیں مشاہدہ کی تھیں سمع مبارک میں پہنچائیں۔ آنحضرت مقام عنایت میں ہوئے اور اس کے واسطے خلعت زرروزی اور گھوڑا مع سازویراق مرصع بھیجا اور حکم فرمایا کہ جب رایات جلال آیات مابدولت و اقبال دہلی سے پنجاب کی طرف مراجعت فرمائیں اس مقام میں ملازمت سے مشرف ہو جب یہ حکم سلطان سکندر کو پہنچا پیشکش بہت فراہم کر کے سامان ملازمت درست کیا۔ جب سنا کہ صاحبقران سوالک کے راستہ سے پنجاب کی سمت عازم ہے۔ پیش کش بہت ہمراہ لے کر صاحبقران کی ملازمت کے واسطے متوجہ ہوا اور اثنائے راہ میں سنا کہ بعضے امراء اور وزراء صاحبقران نے کہا ہے کہ سلطان سکندر کو لائق ہے کہ تین ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفی علائی پیشکش لائے۔ شاہ سکندر یہ خبر سن کر نہایت پریشان ہوا اور دریا کے راستہ سے معاودت کر کے عرض داشت صاحبقران کی ملازمت میں اس مضمون کی بھیجی کہ جو پیش کش بندگان حضرت کے لائق بہم نہیں پہنچی ہے کمترین نے اس سبب سے چند روز توقف کیا تو پیش کش لائق بہم پہنچا کر بندگی کے واسطے متوجہ ہوئے جب آنحضرت عرضداشت کے مضمون سے مطلع ہوئے سمجھے کہ میرے وزرا میں سے کسی نے اس قدر پیش کش لانے کے واسطے کہا ہے انہیں چشم نمائی کی اور شاہ سکندر کے ایلچیوں پر نہایت نوازش فرما کر ارشاد کیا کہ یہ امروزرائے نامعقول نے کہا ہے اس کا کچھ خیال نہ کرے اور باطمینان تمام ملازمت کے واسطے متوجہ ہو۔ جب ایلچی شاہ سکندر کے کشمیر میں پہنچے امیر تیمور صاحبقران سے جو کچھ سنا تھا عرض کیا سلطان سکندر یہ نوید سن کر نہایت محظوظ اور خوشحال ہوا اور جلد سامان سفر درست کر کے کشمیر سے برآمد ہوا۔ لیکن جس وقت کہ سکندر شاہ قصبہ بارہ مولہ میں پہنچا سنا کہ صاحبقران آب سندھ سے عبور کر کے بہ تعجیل تمام متوجہ سمرقند ہے۔ اس واسطے فسخ عزیمت کر کے ایلچیوں کو مع پیش کش بسیار آنحضرت کی ملازمت میں بھیجا اور خود کشمیر کی سمت مراجعت کی اور سلطان سکندر نہایت سخی اور جواد تھا۔ چنانچہ اس کی سخاوت کا شہرہ سن کر دانشمند عراق اور خراسان اور ماوراء النہر کے اس کی ملازمت کے واسطے حاضر ہوئے اور علم و فضل اور اسلام نے مملکت کشمیر میں بدرجہ نہایت رواج پایا۔ خطہ کشمیر خراسان و عراق کا نمونہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوا اور شاہ تمام جماعت علماء سے سید محمد عالم کو جو اپنے زمانہ کے فرد تھے تعظیم بہت کرتا تھا اور آداب دین یعنی علم فقہ سیکھتا تھا اور شاہ نے ایک برہمن سیہ بت نام کو جو مسلمان ہوا تھا اسے وزیرالوزرا کر کے امور دینوی میں اپنا معتمد کیا۔ وہ سیہ بت طالع ارجمند کی برکت کے سبب اس مرتبہ پر پہنچ کر ہنود کے آزاد اور ایذا رسانی میں بہت کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ سلطان نے اس کے کہنے سے حکم فرمایا کہ تمام برہمن اور ہنود کے تمام دانشمند مسلمان ہو جائیں اور جو شخص کہ مسلمان نہ ہو کشمیر سے نکل جائے اور قشقہ یعنی ٹیکا پیشانی پر نہ کھینچے اور عورت ستی کو شوہر کے ہمراہ نہ جلائیں اور سونے اور چاندی کے بتوں کو دارالضرب یعنی ٹکسال میں گلا کر زر مسکوک بنا دیں۔ اس سبب سے محنت اور مصیبت بہت اس ولایت کے

ہندوؤں کو کہ اکثر برہمن تھے پہنچی اور بہت سے برہمنوں نے جن پر مسلمانی اور جلا وطنی اس شہر سے شاق اور دشوار تھی اپنے تئیں ہلاک کیا اور بعضے جلا وطن ہو کر دوسری ولایت کی طرف گئے اور بعضے براہمہ سلطان اور اس کے وزیر کے خوف و ہراس سے اظہار مسلمانی بطریق رفعنہ تقیہ کر کے کشمیر میں رہے اور سلطان نے تمام ہمت بتوں اور بت خانوں کے توڑنے اور مسمار کرنے پر صرف کی اور ان میں کے اکثر بت کدہ خراب اور ویران کیے۔ ازانجملہ ایک بتکدہ بڑا کہ باغ بحر آرا میں تھا اور اسے ساتھ مہادیو کے منسوب کرتے تھے۔ سلطان کے حکم سے کھودنا شروع کیا اور ہرچند اس کی تہ کھودی اور پانی تک پہنچائی اس کی انتہا نہ پائی اور مقتدا یعنی پیشوا سب بتوں کا کہ جگدیو تھا اسے بھی شکستہ کیا اور عمارت و بت توڑنے کے وقت شعلہائے عظیم آتشیں اس مقام سے پیدا ہوتے تھے۔ سلطان اور ارکان دولت دیکھتے تھے اور کفار اسے اپنے معبودان باطل کی کرامات پر گمان کر کے جو کچھ چاہتے تھے کہتے تھے لیکن جو سلطان بتوں کو توڑنے میں بلند تھا ان شعلوں کو طلسم اور مثل اس کے جانتا تھا اس کے توڑنے سے ہاتھ نہ کھینچا یہاں تک کہ اس سے ایک نشان باقی نہ رہا اور اسی طرح سے کشمیر میں راجہ للتاوت نے ظہور اسلام سے پیشتر ایک دیوہرہ نہایت عظیم الشان اور مستحکم ترس پور میں تیار کیا تھا اور نجومیوں سے پوچھا تھا کہ یہ دیوہرہ کب تک قائم رہے گا اور کس طور سے ویران ہوگا۔ نجومیوں نے اوضاع فلکی کو مشاہدہ کر کے جواب دیا کہ اس تاریخ سے جب ایک ہزار اور ایک سو سال گزریں گے سکندر نام ایک بادشاہ اس بت خانہ کو خراب اور ویران کرے گا اور یہ دورہ عطارد کا ہے۔ وہ بادشاہ عطارد کی مورت کو اپنے ہاتھ سے فوراً توڑے گا للتاوت نے فرمایا کہ یہ مضمون ایک تانبے کے پتر پر کندہ کر کے ایک صندوق مسی میں رکھ کر اس عمارت کی بنیاد میں دفن کر دو۔ چنانچہ اس عمارت کے کھودنے میں وہ لوح برآمد ہوئی اور مضمون لکھا ہوا حرف بحرف معلوم ہوا۔ سلطان نے فرمایا کاش کہ وہ لوگ یہ نوشتہ اس عمارت کی دیوار پر نصب کرتے تو میں بعد اطلاعیابی ان منجمان کافر کے حکم کے خلاف اس عمارت کو مسمار نہ کرتا پھر سلطان سکندر اور بت خانوں کو جن کی عمارت نہایت عمدہ اور رفیع تھی خراب کر کے بت شکن مشہور ہوا اور سلطان کے احکام حسنہ سے یہ دو حکم ہیں کہ اس کے قلم میں شراب نہ بکتی تھی اور اس کی ولایت سے کسی شخص ہندو خواہ مسلمان سے تمغہ نہ لیتے تھے اور آخر عمر میں سلطان تپ محرق میں مبتلا ہوا اور اپنے تینوں فرزندوں کو کہ جن کا نام میر خان اور شاہی خان اور محمد خان تھا اپنے پاس بلا کر ان کے کان مصلحت کے گوہر روشن سے مزین کر کے اتحاد اور وفاق کے بارہ میں وصیت فرمائی اور اپنے بڑے بیٹے میر خان کو خطاب علی شاہ دے کر سلطنت اس کے تفویض کی اور ۸۱۹ھ آٹھ سو انیس ہجری میں فوت ہوا۔ اس کی سلطنت کی مدت بائیس سال اور نو ماہ تھی۔

سلطان علی شاہ بن سکندر شاہ بت شکن

سلطان علی شاہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد کشمیر کے سریر جلوہ گر ہوا اور ہرچند خرد سال تھا لیکن جو سلطان سکندر کی مہابت اور صلابت لوگوں کے دل میں جاگزیں تھی اس کے حلقہ اطاعت سے قدم باہر نہ رکھا اور اس نے آغاز سلطنت میں جمیع مہمات ملکی سیہ بت سے جو وزیر سکندر شاہ تھا رجوع کیا اور اس نے چار برس کے عرصہ میں مسند وزارت پر بیٹھ کر رعایا پر قسم قسم کے ظلم سکندر شاہ کے زمانہ کے موافق ہندوؤں اور اپنے ہم قوم پر کہ مراد برہمنوں سے ہے۔ جائز رکھے جو شخص مسلمان نہ ہوا اسے تیغ بے دریغ سے قتل کر کے زمین اس کے خون سے رنگین کی جیسا کہ عرصہ قلیل میں اس گروہ سے کشمیر میں ایک نشان نہ رہا یا تو مسلمان ہو گئے یا ولایت سے نکل گئے ناگاہ سیہ بت تپ دق میں گرفتار ہو کر فوت ہوا۔ سلطان علی شاہ نے اس کے بعد اپنے بھائی شاہی خان کو جو صاحب تدبیر اور شجاعت میں بے نظیر تھا امور مملکت کا مرجع کیا اور وہ جمیع مہمات شاہی کو انجام دے کر اپنے بھائی کو آسودہ رکھتا تھا اور جب علی شاہ کو جہان کی سیر کا شوق دامن گیر ہوا اور کشمیر سے سفر کرنے کا ارادہ کیا اس وقت شاہی خان کو اپنا جانشین کر کے اپنے بھائی محمد خان کو اس کی

اطاعت اور فرمانبرداری کی نصیحت فرمائی اور رخصت کے واسطے راجہ جموں کے پاس جو علی شاہ کا خسر تھا گیا اور راجہ جموں اور راجہ راجوری نے اسے شاہی خان کے ولی عہد کرنے اور ترک شاہی کے سبب سرزنش کر کے پشیمان کیا اور جو جانتے تھے کہ بے مدد اور اعانت سلطنت مسترد نہ ہوگی راجہ جموں اور راجہ جوری مع لشکر کثیر سلطان علی شاہ کے ممد اور معاون ہو کر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے اور اس خطہ کو شاہی خان کے تصرف سے باز آوردہ کر کے دوبارہ علی شاہ کے قبضہ میں لائے۔ شاہی خان کشمیر سے برآمد ہو کر سیالکوٹ کی سمت گیا اور انہیں دنوں میں جسرت شیخا کھکر نے سمرقند میں صاحبقران کی قید سے بھاگ کر پنجاب میں تسلط تمام پیدا کیا تھا۔ شاہی خان اس کے پاس التجا اور پناہ لایا اور سلطان علی شاہ نے مع لشکر بیکران کشمیر سے برآمد ہو کر جسرت اور شاہی خان کا تعاقب کیا اور انہوں نے اس کی تاخت اور تفرقہ اور خستگی سے واقف ہو کر اسی دن پہاڑوں کے درمیان میں صفوف جنگ آراستہ کیں اور علی شاہ کو شکست دی اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علی شاہ زندہ جسرت کے ہاتھ لگا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ شکست کھا کر بھاگا اور شاہی خان نے اس کا تعاقب کر کے ولایت سے باہر کیا اور خود تخت گاہ سلطنت میں جا کر زمام سلطنت قبضہ میں لیا اور شہر کشمیر کی خلقت کہ خواہاں اس کی تھی محظوظ اور خوش حال ہوئی اور شادیانہ کے نقارے بجانے لگی علی شاہ کی مدت سلطنت چھ سال اور نو ماہ تھی اور یہ واقعہ ۸۲۶ھ آٹھ سو چھبیس ہجری میں واقع ہوا تھا۔

سلطان زین العابدین

جب شاہی خان کشمیر میں بجائے برادر تخت نشین ہوا اپنا خطاب سلطان زین العابدین رکھ کر افواج کثیر جسرت کے ہمراہ کی تو اس کی مدد کے واسطے جا کر ولایت دہلی اور پنجاب کو تسخیر کرے۔ اگرچہ جسرت شاہ دہلی سے برابری نہ کر سکتا تھا لیکن سلطان کے لشکر کی قوت اور اعانت سے تمام پنجاب وغیرہ پر متصرف ہوا اور سلطان نے قصد جہانگیری کا کر کے لشکر تبت پر بھیجا اور اس ولایت کو بزور شمشیر لیا اور اکثر ولایت کو جو آب کشنہ کے کنارے تھی خراب اور ویران کر کے اس کے باشندوں کو قتل کیا اور اپنے بھائی محمد خان کو صاحب مشورہ کر کے مہمات جزوی و کلی ساتھ اس کے رجوع کیں اور خود قضایا تشخیص اور فیصل کرتا تھا اور جمی فریق کے آدمیوں سے صحبت رکھتا تھا اور جو کہ علوم و فنون تحصیل کر چکا تھا۔ ہمیشہ اس کی مجلس کہ مراد دربار سے ہے۔ داناؤں ہندو اور مسلمان سے معمور رہتی تھی اور علوم موسیقی میں بھی خوب حاذق تھا اور اکثر اوقات اس کی ہمت ولایت کی آبادی اور زراعت کی تکثیر اور نہروں کے اجراء میں مصروف رہتی تھی اور حکم عام نافذ کیا تھا کہ تمام ولایت میں جس شخص کا مال چوری ہو جائے زمیندار اس موضع کے تاوان دیں۔ چنانچہ اس تقریب کے سبب اس کی تمام قلمرو میں چوری موقوف ہوئی اور وہ بدر سمیں جو سیہ بت سے باقی رہی تھی یک قلم دفع کیں اور نرخ نویسی اس کے زمانہ میں جاری ہوئی تھی۔ سلاطین سابق کے عہد میں نہ تھی دور کیا اور دستور العمل یعنی قواعد اور ضوابط مجریہ اپنے تحتہائے مسی پر کندہ کر کے ہر ایک شہر اور موضع میں آویزاں کیے تھے یہاں تک کہ رسوم ظلم ولایت کشمیر سے دفع کی اور منقول ہے کہ اس نے تانبے کے پتروں پر لکھا تھا کہ جو شخص آئے اور ساتھ اس دستور کے کام نہ کرے خدا کی لعنت میں گرفتار ہو اور سلطان نے طبابت کے واسطے مری بھت کو جو طبیب حاذق تھا تربیت کی اور اس کے التماس کے موافق برہمنوں کو کہ سلطان سکندر کے زمانہ میں سیہ بت کے خوف سے نکل گئے تھے۔ ولایت دور دست سے طلب کر کے جاگیران کے واسطے مقرر کی اور ہنود کے معابد مقرری میں وقت تعین کر کے جزیہ کا مانع ہوا۔ اور گاؤ کشی بھی موقوف کی اور برہمنوں اور تمام ہندوؤں کو طلب کر کے ان سے عہد لیا کہ دروغ نہ کہیں جو کچھ کتب ہندی میں تحریر ہے اس سے خلاف نہ کریں اور ارباب کفر کی تمام عادتیں اور رسمیں جو شاہ سکندر کے عہد میں برطرف اور معدوم ہوئی تھیں مثل تشقہ کھینچا اور جلانا عورت کا ہمراہ شوہر کے سلطان زین العابدین نے سب کو از سر نو زندہ کیا۔ نذر اور بھینٹ اور جرمانہ وغیرہ جو عامل اور

تحصیلدار رعایا سے لیتے تھے موقوف کی اور حکم عام کیا کہ سوداگر جو متاع کہ ولایتوں سے لاتے ہیں اپنے مکان میں پوشیدہ نہ کریں ساتھ اس قیمت کے کہ خرید کی ہے نفع قلیل پر بیچتے رہیں اور بیع اور شراءمیں غبن فاحش روا نہ رکھیں اور سلطان نے تمام قیدیوں کو کہ سلاطین سابق کے عہد میں مقید ہوئے تھے سب کو یک قلم آزاد کیا اور اس کے ضوابط سے ایک یہ ہے کہ جس ولایت کو فتح کرتا تھا' خزانہ اس کا فوج پر تقسیم فرماتا تھا اور اپنے پایہ تخت کے دستور کے مطابق خراج اس ملک کی رعایا پر مقرر کرتا تھا اور سرکشوں اور متکبروں کو گوشمالی دیتا تھا اور مرتبہ اعلیٰ سے ادنیٰ درجہ پر پہنچاتا تھا۔

فقیروں اور ضعیفوں کو نوازش کر کے درجہ اوسط میں نگاہ رکھتا تھا تاکہ نہ تو زیادہ توانگری سے بغاوت کریں اور نہ افلاس سے گدائے مطلق ہوں اور پارسائی اس کی اس درجہ تھی کہ عورت بیگانہ کو اپنی ماں اور بہن کی جگہ تصور کرتا تھا اور کسی صورت روا نہ رکھتا تھا کہ میری نظر نامحرم کے منہ یا مال غیر پر بنظر خیانت و طمع پڑے اور اس مہربانی کے سبب کہ رعایا پر رکھتا تھا۔ گز اور جریب جو ہمیشہ سے تھی اسے زیادہ کیا اور شاہ کی وجہ خرچ خاصہ اس زر کے حاصل سے تھی جو تانبے کی کان سے پیدا ہوتا تھا اور مزدور اس میں ہمیشہ کام کرتے تھے۔ یعنی تانبا نکالتے تھے اور جو شاہ سکندر کے عہد میں چاندی اور سونے وغیرہ کے بتوں کو توڑ کر دارالضرب میں مسکوک کیا تھا۔ وہ سونا کچھ کھوٹا تھا سلطان نے حکم فرمایا کہ مس خالص کو جو اس کان سے حاصل ہوا ہے ٹکسال میں بھیج کر مسکوک کریں اور رائج کریں اور سلطان جس شخص پر غضبناک ہوتا تھا لازم نہ تھا کہ اسے سزا پہنچائے۔ یعنی اس کے حق میں جو کچھ بدی کہہ دیتا وہی واقع ہو جاتی اور وہ جس کسی سے ناخوش رہتا تھا اسے اپنی ولایت کی حدود سے نکال دیتا تھا اور وہ نہ جانتا تھا کہ بادشاہ مجھ پر غضبناک ہے بلکہ راضی جانتا تھا اور اس ضمن میں کام ہو جاتا تھا اور لوگ اس کے عہد میں ساتھ جس ملت کے چاہتے تھے رہتے تھے اور کوئی ازروئے تعصب یعنی دین کی نایت سے دوسرے کا متعرض نہ ہوتا تھا اور برہمن اور ہندو جو سلطان سکندر کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے اس کے عہد میں مرتد وگئے تھے اور کوئی عالم اسلام ان پر ارتداد کے سبب پکڑ دھکڑ کی قدرت نہ رکھتا تھا اور سلطان نے کوہ باراں کے قریب ایک نہر لا کر نیا شہر ا دیا تھا کہ آبادی اس کی پنج کوسی تھی اور علاوہ اس کے اور بھی شہر آباد کیے تھے اور کالپور وغیرہ میں پانی دور سے لا کر نہریں تیار کی تھیں ر پل باندھے تھے اور زراعت کی تکثیر کی تاکید فرماتا تھا اور ان مواضع میں کہ اس نے اپنی ذات خاص سے آبادی کی تھی علماء اور فضلاء ر غربا کو آباد کیا تھا تاکہ مسافروں کو طعام دیتے رہیں اور جو کچھ محتاجوں کو نقد جنس درکار ہو اس موضع کی جنس سے صرف کرتے رہیں ر مملکت کشمیر میں کوئی زمین بے آب و زراعت باقی نہ رہی مگر وہ مقام کہ جس کی خبر شاہ کو نہ پہنچی بے آب رہا اور سلطان نے ارادہ کیا ہ حوض ویرناک میں جو شکل دریا کے مشاہدہ ہوتا ہے اور احکام اس ناحیہ نے اس کا منفذ بند کیا ہے اس کے درمیان ایک عمارت عالی ان بنا کر پھر اس زمانہ کے داناؤں کو بلا کر مشورہ کیا۔ چنانچہ بعد تامل اور تفکر کے سب کی رائے نے اس پر اتفاق کیا کہ چند کوٹھیاں چوکور بی بنا کر انہیں پتھر سے پر کر کے پانی میں غرق کریں اور جب وہ پتھر پانی سے بلند ہو اس پر عمارت بنا دیں جب ایسا کیا وہ کوٹھیاں سنگین پانی ے چند گز بلند ہوئیں۔ سلطان نے اس مقام میں عمارت عالی یعنی مساجد اور منازل اور باغ تعمیر فرمائے اور اس کا نام زین لنکار رکھا اور فی اقع وہ عمارت اس خوبی کے ساتھ تیار ہوئی کہ شاید تمام عالم میں کہیں اس کا نظیر ہو اور شاہ نے چند موضع اس مقام کی مصارف کے سطے وقف کیے اور سلطان اس دنیائے فانی سے ایسا وارستہ اور آزاد تھا کہ باوجود اس حشمت و شوکت کے ہرگز اسباب سلطنت سے لق نہ رکھتا تھا اور خزانوں کی فراہمی کا اسے مطلق خیال و شوق نہ تھا اور سلطان زین العابدین کے عہد میں ملا محمد نام ایک شاعر دانشمند ا ہوا کہ ایک لحظہ میں مجلس میں بیٹھ کر جس بحر اور قافیہ میں کہ چاہتا ثانی البدیہہ اشعار پر مضمون صدہا کہتا تھا اور جس مسئلہ مشکل کو چھتے تھے اسی وقت جواب دیتا تھا اور سلطان اس کی تعظیم اور جمیع علما کی تعظیم میں تقصیر نہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ بزرگوار ہمارے رشد اور قبلہ ہیں اور انہوں نے ہمیں ضلالت سے نکال کر ساتھ ہدایت کے پہنچایا ہے اور اس طرح سے جوگیوں کا بھی احترام کرتا تھا اور

کہتا تھا کہ یہ مرتاض اور غریب ہیں اور کسی فرقہ کے عیب کو مشاہدہ نہ کرتا تھا۔ اس کے ہنر کا جویا تھا اور فراست اور عقل کا ایسا تیز تھا کہ ہر قسم کے قضیہ اور مشکل کو جو عاقلوں سے حل نہ ہوتی تھی سلطان اس کا دم بھر میں فیصلہ واجبی کرتا تھا چنانچہ ایسے مقدموں سے ایک مقدمہ یہ ہے کہ اس کے عہد میں ایک عورت اپنی سوت سے عداوت قلبی رکھتی تھی اور اسے کسی حیلہ سے دفع نہ کر سکتی تھی۔ ایک رات کو اس بے وقوف نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ہلاک کیا اور صبح کو اس کے خون کی تہمت اس پر کر کے بادشاہ کے پاس داد خواہ ہوئی۔

بادشاہ نے اس مقدمہ کو منصفوں کے سپرد کیا اور جب وہ اس معاملہ کی تشخیص سے عاجز ہوئے سلطان نے اول اس عورت کو جو متہم تھی خلوت میں طلب کر کے اس سے پوچھا کہ اگر فی الواقع تو نے اس لڑکے کو ہلاک کیا ہے مجھ سے سچ کہہ دے تو میں تجھے معاف کردوں گا اور جو دروغ کہے گی تیرے قتل کا حکم جاری کروں گا۔ اس نے جواب دیا کہ آپ جو چاہیں فرمائیں خدا شاہد ہے میں اس لڑکے کے قتل ہونے سے ہرگز واقفیت نہیں رکھتی۔ سلطان نے جواب دیا اگر یہ فعل تجھ سے صادر نہیں ہوا ہے ایک کام کر کہ تو اس دربار میں مادر زاد برہنہ ہو کر حضار کے حضور اپنے مکان میں جا تو جانیں کہ اس خون کی تہمت سے پاک ہے۔ وہ اپنا سر گریبان فکر میں لے گئی اور بعد تامل کے یہ جواب دیا کہ اگر مجھے ہلاک کیجئے ہزار مرتبہ بہتر اس زندگانی سے ہے کہ یہ امر کمال بے شرمی اور بے حیائی کا مجھ سے مشاہدہ کیا جائے مجھے تہمت خون کی کیا کم ہے جو اس امر زشت پر قیام کروں۔ یہ جواب سن کر سلطان نے مدعیہ کو جس نے خون کی تہمت لگائی تھی اسے تنہا طلب کر کے پوچھا کہ سچ کہہ اس لڑکے کو کس نے قتل کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ اگر یہ میری سوت اس لڑکے کی قاتل نہ ہو مجھے بجائے اس کے مقتول کیجئے۔ سلطان نے کہا اگر تو اس دعویٰ میں سچی ہے اہل مجلس کے روبرو برہنہ ہو وہ بے حیا فوراً اس امر پر راضی ہوئی اور بے حیائی سے ازار بند کھول کر برہنہ پر تھی کہ سلطان اس امر سے قانع ہوا اور فرمایا کہ یہ کام اسی بے حیاء کا ہے اپنی سوت کے نکالنے کے واسطے اس نے اپنے لخت دل کو قتل کیا اور تہمت اس پر رکھی۔ فرمایا چند تازیانہ مارو جب مار پڑنے لگی وہ اپنے فعل زشت کی مقر ہوئی اور سلطان کو یقین ہوا کہ اس طفل بیچارہ کی یہی قاتل ہے۔ اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور سلطان کے جملہ عادات سے ایک عادت یہ تھی کہ چور کے قتل کا حکم نافذ نہ فرماتا تھا بلکہ جس مقام پر چور گرفتار ہوتا تھا حکم تھا کہ زنجیر اس کے پاؤں میں ڈال کر قید کرو اور اس سے ہر روز مشقت لو یعنی عمارت کی تعمیر کے واسطے پتھر اور مٹی اٹھواؤ اور مراحم قلبی سے آدمیوں کو شکار کی ممانعت کی تھی کہ جانور مارے نہ جائیں اور ماہ رمضان میں سلطان گوشت نہ کھاتا تھا۔ غرضیکہ جب آوازہ اس کے جود و احسان کا عالم میں منتشر ہوا مغنی اور سازندہ کہ علم موسیقی میں اپنے وقت کے نائیک تھے اطراف و جوانب سے اس قدر کشمیر میں آئے کہ کشمیر ان کی کثرت سے رشک فرنگ ہوا اور ملا عودی شاگرد عبدالقادر کا جو صاحب تصانیف مشہور ہے خراسان سے سلطان کے پاس آیا اور عود (نام ساز) ایسا بجایا کہ سلطان کو پسند آیا اور محظوظ ہو کر اس کے حال پر نوازش فرمائی اور انعام سے مالا مال کیا اور ملا جمیل متخلص نجافظی جو شعر گوئی اور خوش خوانی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا مجلس سلطان میں حاضر ہو کر اس خوش الحانی سے غزلیں اور معرفتیں گاتا تھا کہ سلطان کو حالت وجد میں کبھی رقت تمام حاصل ہوتی تھی اور گاہے نہایت خوش ہوتا تھا۔ اس سبب سے ہر سال ملا جمیل کو اس قدر زر خطیر دیتا تھا کہ اس کی شرح کا مقدور نہیں ہے اور ملا جمیل کے نقش اور آثار سلطان کے ذکر جمیل کے مانند اس زمانہ تک کشمیر میں مشہور رہیں اور سلطان کے عہد میں حبیب نام یک آتشباز پیدا ہوا کہ چشم زمانہ نے عینک مہر و ماہ سے اس سے پیشتر مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس نے فن آتشبازی میں ایسی ایجاد اور اختراعات کی تھی کہ لوگ حیران رہتے تھے اور کشمیر میں تفنگ اس نے پیدا کی اور بادشاہ کے سامنے دوائیں تیار کیں اور دیگر ہنر دکھلائے اور آدمیوں کو تعلیم دی اور وہ آتش بازی کے سوا جمیع علوم میں فائق تھا اور سلطان کی مجلس اہل نغمہ و ارباب طرب سے کہ حسن صورت اور قوالی در خوش آوازی میں یکتائے روزگار تھے اور حرکات و سکنات میں جہان میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ رشک بہشت تھی اور ناچنے والے اور ث اس کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور بعضے گویے ان میں ایسی دستگاہ رکھتے تھے کہ ایک نقش کو بارہ مقام یعنی بارہ پردہ میں ادا کرتے تھے

اور سلطان نے اہل طرب کے اکثر سازوں کو یعنی عود اور رباب اور طنبور وغیرہ کو طلائے خالص کے تختوں سے مڑھ کر جواہر سے مرصع کیا تھا اور سوم نام ایک کشمیری جو زبان کشمیری میں شعر کہتا تھا اور علوم ہندی میں فرد تھا اس نے زین حرب نام کتاب حالات سلطان کے بیان میں مشروحاً تصنیف کی اور مسمی بودی بت جو شاہنامہ فردوسی طوسی کا آغاز سے انجام تک یاد رکھتا تھا اس نے زین نام ایک کتاب علم موسیقی میں شاہ کے نام سے تالیف کر کے بادشاہ کے حضور پڑھی اور اس کے صلہ میں نوازشہائے خسروانہ سے سرفراز ہوا اور شاہ جمیع لغات فارسی اور ہندی اور تبتی وغیرہ میں نہایت درجہ مہارت رکھتا تھا اور ہر ایک بولی میں کلام کرتا تھا۔

یہاں تک کہ اکثر کتب عربی اور فارسی کو ہندی میں ترجمہ کیا تھا اور کتاب راج ترنگی کہ مراد شاہان کشمیر کی تاریخ سے ہے اس کے عہد میں تصنیف ہوئی اور محمد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں مہابھارت کا ترجمہ جو بد عبارت تھا دوبارہ عبارت فصیح میں ہوا اور تاریخ کشمیر کو بھی فارسی میں ترجمہ کیا اور جو بادشاہ کہ شاہ زین العابدین کے ہمعصر تھے اس کی خوبیوں کا شہرہ سن کر اپنا اشتیاق ملاقات اظہار کرتے تھے۔ خصوصاً خاقان سعید ابوسعید شاہ نے خراسان سے گھوڑے تازی شائستہ اور خچر راہوار اور اونٹ قوی ہیکل اس کے واسطے ہدیہ بھیجے۔ بادشاہ اس امر سے نہایت محظوظ ہوا اور اس کے مقابلہ میں گونین زعفران کی اور کاغذ کشمیری عمدہ اور مشک اور عطر اور گلاب اور سرکہ اور دو شالے خوب اور بلور کے ظروف اور کشمیر کے اور بھی اشیائے نفیسہ اور نادر خاقان سعید کی خدمت میں ارسال فرمائے اور راجہ تبت سرور نے کہ ایک حوض مشہور ہے اور اس کا پانی کبھی تغیر اور تبدل نہیں قبول کرتا ہے۔ وہاں کے دو جانور کمیاب کہ راج ہنس نام رکھتے تھے اور نہایت خوبصورت اور عمدہ تھے۔ سلطان زین العابدین کے واسطے بھیجے سلطان انہیں دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور خاصیت ان جانوروں کی یہ تھی کہ دودھ کو پانی میں مخلوط کر کے جب ان کے روبرو رکھو وہ اپنی منقار یعنی چونچ سے شیر کے اجزاء پانی کے اجزاء سے جدا کر کے نوش کرتے تھے۔ آب خالص باقی رہتا تھا شاہ نے یہ امر مشاہدہ کر کے یقین جانا کہ جو کچھ ان کی خاصیت سنتے تھے سچ ہے اور شاہ نے آغاز شاہی سے جیسا کہ مذکور ہوا اپنے بھائی محمد خان کو وکیل مطلق اور ولی عہد مستقل کیا تھا۔ جب محمد خان نے وفات پائی اس کے فرزند حیدر کو جانشین پدر کیا اور مہمات ملکی کا اسے اختیار دیا اور مسعود اور شیردو اپنے دو کوکہ کو کہ دونوں برادر حقیقی اور سلطان کے کوکا تھے۔ ان کا بہت اعتبار کرتا تھا اور انہوں نے آپس میں خصومت کی اور شیردو نے اپنے بڑے بھائی مسعود کو ہلاک کیا اور شاہ نے اس کے قصاص میں شیردو کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور سلطان کے تین فرزند تھے۔ آدم خان کہ سب سے بڑا تھا لیکن بادشاہ کی نظر میں ہمیشہ ذلیل اور خوار رہتا تھا اور حاجی خان منجھلے بیٹے کو نہایت دوست رکھتا تھا اور بہرام خان چھوٹے فرزند کو جاگیر بہت دی تھی اور ایک شخص ملا دریا نام کو پاچی گری (پیشہ) کے ساحل سے نکال کر دریا خان خطاب دے کر سرفراز کیا اور جمیع کاروبار مملکت اس کے سپرد کر کے بخاطر جمع عیش میں مشغول ہوا اور جس روز کہ شیردو کوکا نے اس عالم سے کوچ کیا سلطان نے کروڑ کشمیری اشرفیاں کہ چار سو شتریار طلا ہوتا ہے اس کی روح کی ترویح کے واسطے اطفال کو خیرات کیا اور یہ بھی روایت ہے کہ اس عرصہ میں شاہ زین العابدین کو ایسی بیماری سخت عارض ہوئی کہ زندگی سے مایوس تھا۔ قضارا انہیں دنوں میں ایک جوگی کشمیر میں وارد ہوا اور جب اس نے سنا کہ سلطان مرض صعب میں مبتلا ہے امرائے سلطنت کے پاس آ کر یہ تقریر کی کہ تم لوگ اس کی صحت سے مایوس ہو اور میں ایک علم ایسا جانتا ہوں کہ بادشاہ کی بیماری اپنی طرف کھینچ لوں اور سلطان شفائے کامل پائے وہ یہ امر غنیمت بلکہ غریب جان کر اسے سلطان کے پاس لے گئے۔ جوگی نے دیکھ کر یہ بات کہی کہ بادشاہ کا مرض نہایت سخت ہے۔ مجھے مع ایک شاگرد یہاں چھوڑ کر تم چلے جاؤ تو میں علم کے زور سے بادشاہ کی بیماری اپنی طرف کھینچوں انہوں نے اسے مع شاگرد بادشاہ کے پاس چھوڑا اور جوگی ساتھ اس صنعت کے کہ رکھتا تھا اپنی روح سلطان کے قالب میں در لایا اور سلطان کی روح اپنے بدن میں منتقل کی اور شاگرد سے یہ بات کہی کہ میرے قلب کو آسن پر یعنی جوگیوں کے مقام میں لے جا کر اس کی محافظت میں مصروف رہ کہ کتا یا بلی یا اور کوئی جانور درندہ مجھے صدمہ نہ پہنچائے تو میں روح سلطان کی صحیح اور تندرست کر کے اپنی حالت اصلی پر

آؤں غرضیکہ شاگرد اس جوگی کے بدن کو کہ ضعف اور ناتوانی کی شدت اور غلبہ سے بے حس و حرکت تھا۔ حجرے سے نکال لایا اور وزراء سے کہا کہ میرے استاد نے سلطان کی بیماری اپنے اوپر لی اور میں اس کا بدن معالجہ کے واسطے لیے جاتا ہوں اور تم سب صاحب اپنے مالک کو دیکھو ارکان دولت جب حجرہ میں آئے سلطان کو صحیح اور تندرست پایا۔ سب حیران ہوئے اور اس کے شکریہ میں چند روز جشن کیا اور صدقے اور نذریں آدمیوں کو دیں اور بعد اس قضیہ کے سلطان تا مدت مدید زندہ رہا لیکن ارباب دانش نقل روح کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ نقل روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں ہرگز نہیں ہو سکتی اور مولف اس کتاب یعنی محمد قاسم فرشتہ کا یہ قول ہے کہ جو جوگی ریاضت کش اور صاحب کشف و کرامات اور مستجاب الدعوات ہوتے ہیں جس شخص پر کہ نظر التفات مبذول رکھتے ہیں اس کے مرض کو بطریق نقل مرض اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں یعنی نقل مرض اپنے بدن پر کرتے ہیں نہ نقل روح یا ان کی دعا کی تاثیر سے وہ مرض یا وہ شے جو ان کے مطلوب اور محبوب کو عارض ہوتی ہے نقل کرتی ہے اور وہ مریض اس بلا سے نجات پاتا ہے جیسا کہ رشحات میں جو ملا علی بن ملا حسین کاشفی کی تالیف ہے اور اس میں مشائخ نقشبندیہ کے حالات تحریر ہیں لکھا ہے کہ ایک پیر بزرگوار خاندان حضرت خواجہ محمد حسن پارسا قدس اللہ سرہ العزیز سے بہ نیت سفر جہاز پر سوار ہو کر سبزوار میں پہنچے اور چند روز وہاں قیام کیا اور طالبان صادق اور مستعدان واثق اس بلدہ کے آنحضرت کو غنیمت جان کر ان کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ از انجملہ ایک اس شہر کے بزرگوں میں سے کہ سادات عظام سے تھے۔

انہوں نے آنحضرت سے نہایت درجہ محبت اور اتحاد بہم پہنچایا اور جب وہ بزرگوار چند روز آنحضرت کی صحبت میں نہ پہنچے ان کے ایک آشنا سے پوچھا کہ کیا سبب ہے چند روز سے وہ سید میرے پاس تشریف نہیں لاتے۔ اس نے جواب دیا کہ دانتوں کی درد کی شدت سے ان کا منہ ورم کر آیا ہے اور تپ محرق میں گرفتار اور درد کی شدت سے نالاں اور بے قرار ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ جوان قابل ہے میں اس کی عیادت کو جاؤں گا۔ جب ہمراہ جوان کے اس کے بالین پر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ سید درد دندان کے سبب تپ محرق میں بستر علالت پر پڑا ہوا لوٹتا ہے۔ شیخ بعد مزاج پرسی کے ایک لحظہ سکوت کر کے اس کے مرض کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک ساعت کے بعد سر اٹھایا۔ اس عرصہ میں درد اس سید زادہ کے دانتوں کا بالکل دفع ہوا صحت پائی اور ورم اس کے منہ کا شیخ کے چہرہ مبارک پر منتقل ہوا۔ جب سید نے اس سے نجات پائی شیخ منزل مقصود کی طرف راہی ہوئے اور وہ سید زادہ اپنے مکان کے دروازہ تک مشایعت کر کے اپنی صحت سے خوش وقت ہوا اور شیخ پندرہ روز اس مرض میں مبتلا رہے آخر کو برطرف ہوا اور یہ سلب مرض کا عمل خانوادہ نقشبندیہ کا ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ جوگی اور سلطان زین العابدین کا بھی معاملہ ایسا ہی ہوگا واللہ اعلم بحقیقتہ الحال اور ان دنوں میں شہزادوں نے آپس میں نزاع کی اور آدم خان یعنی سلطان کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم کے بموجب کشمیر سے برآمد ہو اور جمعیت سوار اور پیادے اور گولہ انداز اور تیراندازوں کی بہم پہنچا کر ولایت تبت کو سہل ترین وجہ سے فتح کیا اور غنیمت بہت سلطان کے پاس لایا۔ سلطان محظوظ ہوا اور اس پر نظر نوازش بہت مبذول فرمائی اور حاجی خان کو لوہر کوٹ کی طرف نامزد کیا اور آدم خان کو حاجی خان کی ناموافقت کے سبب اپنے پاس نگاہ رکھا اور بعضے مفسدان واقعہ طلب نے حاجی خان کو اغوا کر کے لوہر کوٹ سے سلطان کے بدون حکم کشمیر کی سمت روانہ کیا۔ سلطان نے پہلے پیغام بھیج کر اسے نصیحت کی اور کشمیر کے آنے سے مانع ہوا۔ جب اس نے شاہ کا ارشاد گوش ارادت سے نہ سنا اور اپنے ارادہ سے باز نہ آیا۔ آخر کو سلطان خود مع لشکر عظیم کشمیر سے برآمد ہوا اور پل پل کے میدان میں بہ عزم جنگ فروکش ہوا اس وقت حاجی خان نے اپنے فعل زشت سے نادم ہو کر چاہا کہ شاہ کی ملازمت میں حاضر ہوں لیکن اس کے سپاہیوں نے نہ مانا۔ آخر وہ صف جنگ درست کر کے میدان میں آیا اور آتش جنگ مشتعل ہوئی اور سردار نامی طرفین کے کام آئے اور آدم خان نے اس معرکہ میں داد مردی اور مردانگی کی دی اپنی شجاعت سے اصلاً نہ پھرا اور صبح سے شام تک تنور جنگ گرم

رہا۔ آخر کو حاجی خان تاب مقاومت نہ لایا اور افواج اس کی مغلوب ہوئی اور ہیرہ پور کی سمت بھاگی۔ آدم خان نے پیچھا کر کے اکثر مفروروں کو علف تیغ خون آشام کیا اور چاہا کہ جب تک حاجی خان گرفتار نہ ہو کسی مقام میں قیام نہ کروں۔ سلطان نے اسے تعاقب سے باز رکھا۔ حاجی خان بقیۃ السیف کو ہمراہ لے کر ہیرہ پور سے بنیر میں گیا اور زخمیوں کے معالجہ میں مشغول ہوا۔ سلطان بعد فتح کشمیر میں آیا اور مخالفوں کے سروں سے ایک مینار بلند بنایا اور حاجی خان کے لشکر کے اسیروں کے لیے حکم قتل نافذ فرمایا اور ولایت کامراج کی سپاہ آدم خان کے ہمراہ نامزد فرمائی اور آدم خان اس جماعت کی کہ حاجی خان کے باعث اغوا ہوئی تھی' جستجو کرتا تھا اور ان کے اہل و عیال پر بہت ایذا اور صعوبت پہنچا کر زر خطیر وصول کرتا تھا۔ بسبب اس تقریب کے اکثر سپاہی حاجی خان سے جدا ہو کر آدم خان کے شریک ہوئے اور سلطان نے بعد اس واقعہ کے آدم خان کو ولی عہد کیا اور آدم خان نے چھ برس حکومت با استقلال تمام کی اور ملک آباد تھا۔ اس کے بعد ولایت کشمیر میں ایسا قحط پڑا کہ آدمی بھوک کی شدت میں نان کے عوض میں جان دیتے تھے اور سونے اور چاندی کو چھوڑ کر غلہ اور اذوقہ کی چوری کو غنیمت جانتے تھے۔ فقراء اور غربا میوہ خام کھانے سے ہر طرف مرتے تھے اور بعضے بھوک کے بھوسی پر قناعت کرتے تھے وہ بھی میسر نہ ہوتی تھی۔ اس واقعہ سے سلطان ہمیشہ محزون اور غمگین رہتا تھا اور ذخیرہ کا غلہ رعایا پر تقسیم فرماتا تھا۔ جب قحط کی بلا بالکل دفع ہوئی سلطان نے بعضے محال میں چوتھا حصہ اور بعضے مقاموں میں ساتواں حصہ خراج کا لکھ دیا اور آدم خان نے ولایت کمراج پر جب قدرت پائی قسم قسم کے ظلم و جور اس حدود میں برپا کیے اور جس شخص کے پاس جو شے دیکھتا تھا چھین لیتا تھا اور بہت لوگ اس کے ہاتھ سے عاجز ہو کر سلطان کے پاس داد خواہ ہوئے اور جو حکم کہ سلطان اس پر نافذ فرماتا تھا وہ ہرگز قبول نہ کرتا تھا بلکہ قطب الدین پور میں اقامت کی بنیاد ڈال کر سلطان کے مقابلہ کے واسطے لشکر بے شمار فراہم کیا اور سلطان نے اس سے متوہم ہو کر کسی حیلہ اور بہانہ سے تسلی دے کر پھر اس کو کمراج کی طرف بھیجا اور شر کے دفع ہونے کے واسطے بہ حساب ضرورت حاجی خان کے نام باستمالت تمام فرمان بھیج کر بسرعت طلب کیا۔ اتفاقاً انہیں دنوں میں آدم خان کامراج سے برآمد ہوا اور حاجی خان سے لڑ کر اسے شکست دے کر سوپور کو غارت کر کے خاک سیاہ کیا اور سلطان نے یہ خبر سن کر افواج قاہرہ آدم خان کے سر پر بھیجی اور طرفین نے ایسی جنگ عظیم کی کہ مافوق اس سے متصور نہیں ہے اور بہادران آدم خان مقتول اور مغلوب ہوئے اور اس کے فرار کے وقت پل سوپور کا جو دریائے بہت پر واقع تھا ٹوٹ گیا اور تین سو مرد اہل نبرد آدم خان کے غرق ہوئے اور سلطان اس وقت شہر سے برآمد ہو کر سوپور کی سمت روانہ ہوا اور رعایا کو دلاسا کر کے آب بہت کے اس طرف نزول اجلال فرمایا اور دریائے بہت کے اس پار آدم خان فردکش ہوا اور اس وقت حاجی خان سلطان کے حسب الحکم پنچھ کے راستہ سے کہ نام ایک موضع کا ہے ارمولہ کے قریب پہنچا اور سلطان نے اپنے چھوٹے بیٹے کو جس کا نام بہرام خان تھا حاجی خان کے استقبال کو بھیجا اور ان دونوں بھائیوں نے آپس میں خصوصیت اظہار کی اور آدم خان حاجی خان کے آنے سے رنجیدہ ہوا اور خوف و ہراس سے اس نے اس پر غلبہ کیا۔

شاہراہ کے راستہ سے بھاگا نیلاب میں جا کر پناہ لی اور سلطان نے حاجی خان کو ہمراہ لے کر شہر کی طرف مراجعت فرمائی اور نظر الطاف س پر مبذول کر کے ولی عہد کیا اور وہ بھی شب و روز کمر خدمت پر باندھ کر اخلاص و ادب میں دقیقہ نامرعی نہ چھوڑتا تھا اور تقصیرات سابق کی تلافی بوجہ احسن کر کے ایسی شاہ کے دل میں جگہ کی کہ سلطان نے اور فرزندوں سے زیادہ تر اس پر رعایت فرمائی اور ایک پٹکا ور ایک شمشیر جو جواہر قیمتی سے مرصع اور مکلل تھے اسے مرحمت کیے اور اس کے آدمیوں کے واسطے مناصب اور جاگیریں مقرر فرمائیں اور چند روز کے بعد سلطان حاجی خان سے بسبب مے نوشی مدام اور قبول نہ کرنے نصیحت کے آزردہ ہوا جب سلطان کو اسہال دموی یعنی خون کے دست شروع ہوئے اور مزاج اس کا حاجی خان سے متغیر ہوا مہمات شاہی معطل اور ملتوی رہے اور اعیان حضرت نے سلطان سے پوشیدہ آدم خان کو طلب کیا اور آدم خان نے آ کر شاہ کو دیکھا لیکن آتا اور نہ آتا اس کا مساوی ہوا۔ سلطان ہرگز اس پر التفات نہ کرتا

تھا لیکن آدم خان بھائیوں کے ساتھ عہد و پیمان درمیان میں لایا اور امراء سے بھی صلح اور موافقت کی چنانچہ خیر خواہوں نے سلطان سے عرض کیا کہ ملک خراب ہوتا ہے اپنے شاہزادوں میں سے جس کو لائق جانیں اسے سلطنت تفویض فرمائیں۔ سلطان نے قبول نہ کیا اور کام تقدیر الٰہی پر چھوڑا اور اتفاقاً بھائیوں کے درمیان رنجش بہم پہنچی۔ بہرام خان نے گفتگو وحشت آمیز اپنے دونوں بھائیوں میں ڈالی اور انہیں آپس میں دشمن کیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا اور آدم خان سلطان سے رخصت لے کر بھائیوں سے جدا ہوا اور قطب الدین پور میں گیا اور جو ان دنوں میں سلطان پر ضعف پیری اور بیماری غالب ہوئی آب و طعام کی طرف ملتفت نہ ہوتا تھا۔ اس واسطے امرا اور وزرا فساد کے خوف سے شاہزادوں کو سلطان کی عیادت کو نہ جانے دیتے تھے اور کبھی کبھی خلائق کی تسلی کے واسطے شاہ کو ایک مقام پر بلند پر بہزار تکلیف لا کر آدمیوں کو دکھلاتے تھے اور نقارہ شادیانے کا بجاتے تھے اور ملک کو اس طور سے نگاہ رکھتے تھے۔ القصہ حاجی خان اور بہرام خان مسلح ہو کر آدم خان کے مدافعہ پر آمادہ ہوئے اور ہر روز اس کے مقابلہ کو جاتے تھے اور سلطان کی بیماری اس خبر سے روزبروز افزوں ہوتی تھی اور انہیں دنوں اس کے ہوش و حواس میں فرق آیا اور بے ہوشی طاری ہوئی جب ایک شبانہ روز سلطان بے ہوش رہا آدم خان ایک رات کو تنہا قطب الدین پور سے سلطان کو دیکھنے آیا اور لشکر اطراف شہر میں محافظت کے واسطے چھوڑا اور وہ رات سلطان کے دیوان خانہ میں بسر کی اور حسن خان کچی کہ ایک امرائے نامدار سے تھا۔ اس نے اسی رات امرا اور وزرا سے حاجی خان کی بیعت کروائی اور دوسرے دن آدم خان کو کسی حیلہ سے کشمیر سے نکال دیا اور حاجی خان کو بسرعت تمام طلب کیا۔ حاجی خان دیوان خانہ میں آیا اور سلطان کے تمام اصطبل خاص کے گھوڑوں پر متصرف ہوا اور لشکر بے شمار فراہم کر کے قلعہ کے باہر قیام پکڑا اور سلطان کے دیکھنے کی تمنا کی لیکن دشمنوں کے غدر کے اندیشے سے محل میں نہ جا سکا اور آدم خان حاجی خان کی خبر دیوان عام کے داخلہ اور اس کے غالب ہونے کی سن کر کشمیر سے برآمد ہوا اور بارہ مولہ کے راستے سے قصد ہندوستان کا کیا۔ اس سبب سے اس کے نوکر مایوس اور بے دل ہو کر اس سے جدا ہوئے اور زین لارک کہ حاجی خان کے ایک امرائے معتبر سے تھا اس نے ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کر آدم خان کا پیچھا کیا اور آدم خان بھی اس کا مقابلہ کر کے خوب لڑا اور زین لارک کے بھائیوں اور عزیزوں کو قتل کر کے نکل گیا اور اس وقت حسن خان بیٹا حاجی خان کا جو پنجھ میں تھا اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حاجی خان نے اس کے آنے سے قوت تمام پائی۔ کام اس کے بالا ہوا اور جمعیت اور استقلال نہایت درجہ حاصل ہوئی اور سلطنت زین العابدین انہتر برس کی عمر میں آخر ۸۷۷ھ آٹھ سو ستتر ہجری میں فوت ہوا۔ اس کی سلطنت کی مدت باون برس تھی۔

حاجی خان المخاطب شاہ حیدر

حاجی خان نے اپنے باپ کے انتقال کے تین روز بعد خطاب شاہ حیدر پایا۔ سکندر پور میں جو بوسہ کہلاتا ہے اپنے باپ دادا کے آئین کے موافق تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوا اور اہل استحقاق کو زر خطیر نثار فرمایا اور اس کے بھائی بہرام خان اور اس کے فرزند حسن خان نے اپنے ہاتھ سے تاج سلطنت اس کے زیب سر کر کے خدمت میں قیام کیا۔

چو مرگ افگند افسرے از سرے
نہد آسمان برسر دیگرے

شاہ حیدر نے ولایت کمراج حسن خان کو جاگیر دے کر امیر الامرا اور اپنا ولی عہد کیا اور ولایت ناکام بہرام خان کو جاگیر دے کر اسے خوش دل کیا اور اطراف کے راجاؤں کو جو تعزیت اور تہنیت کے واسطے حاضر ہوئے تھے خلعت اور گھوڑے دے کر رخصت کیا۔ لیکن اکثر امراء اس سے ناراض ہو کر جاگیروں پر گئے تھے اور جو بادشاہ ملک کے احوال سے بے خبر اور غافل تھا وزیروں سے قسم قسم کے ظلم و

تعدی رعایا پر ہوتے تھے اور شاہ نے بھولے نام حجام کو اپنے قرب میں ایسی خصوصیت بخشی تھی کہ جو کچھ وہ کہتا تھا شاہ اس پر عمل کر کے سرمو تجاوز نہ کرتا تھا اور وہ حجام آدمیوں سے رشوت لیتا تھا اور جس شخص سے بدظن ہوتا تھا اس سے سلطان کا مزاج منحرف کرتا تھا اور حسن خان کچھی کہ جس نے زیادہ تر اس کی بیعت میں کوشش کی تھی بھولے حجام کے اغوا سے مارا گیا اور اس وقت میں آدم خان لشکر کثیر فراہم لا کر باختراع ملک ولایت جموں میں پہنچا تھا۔ جب اس نے حسن خان کچھی کی خبر قتل سنی فسخ عزیمت کی اور ملک دیوراجہ کی برفاقت ان مغلوں کے جنگ کے واسطے کہ اس نواح میں آئے تھے روانہ ہوا قضارا اس معرکہ میں ایک تیر آدم خان کے دہن میں ایسا لگا کہ اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہوا۔ شاہ حیدر اس کی خبر وفات سن کر غمگین ہوا اور نعش اس کی جنگ گاہ سے اٹھوا کر باپ کے مقبرہ کے نزدیک مدفون کی اور جو ان دنوں میں شاہ بسبب شرب مدام امراض صعب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ امراء نے اس کی غیبت میں بہرام خان سے اتفاق کر کے چاہا کہ اسے تخت پر بٹھا دیں اور جب یہ خبر فتح خان اور آدم خان کو جس نے شاہ کے حسب الحکم ہند کی سرحد پر جا کر بھٹ قلعے فتح کیا تھا پہنچی وہ مع لشکر جرار بطریق یلغار کشمیر میں داخل ہوا اور غنائم بے شمار شاہ کی خدمت میں لایا۔ لیکن جو شاہ کی بلا اجازت آیا تھا اہل غرض نے باتیں موحش کہہ کر شاہ کا مزاج اس سے متغیر اور منحرف کیا اور اس کی جانفشانی اور کوئی خدمت شاہ کو مقبول اور منظور نہ ہوئی۔ الغرض ایک دن بادشاہ قصر کچ گروہ کے کرہ پر برآمد ہو کر شرب شراب میں مشغول تھا۔ حالت مستی میں پاؤں نے اس کے لغزش کی اس قصر رفیع سے زمین پر گرا اور مر گیا۔ اس کی سلطنت کی مدت ایک سال اور دو ماہ تھی۔

شاہ حسن ولد شاہ حیدر

شاہ حسن اپنے باپ کے ایک شبانہ روز کے بعد احمد اسود کی سعی کے سبب تخت شاہی کشمیر پر متمکن ہوا اور دوسرے دن ان لوگوں کو جن سے متوہم تھا قید کیا اور سکندر پور سے نئے شہر میں جا کر استقامت کی اور خزانہ باپ اور دادا اور چچا کا آدمیوں پر نثار کیا اور احمد اسود کو ملک احمد کا خطاب دے کر مہمات سلطنت اس سے رجوع کیں اور اس کے بیٹے نوروز کو دروازہ کا حاجب کیا اور بہرام خان اپنے فرزند کو لے کر کشمیر سے برآمد ہو کر ہندوستان کی طرف عازم ہوا اس وجہ سے سپاہ اس سے جدا ہوئی اس کا احوال عنقریب مذکور ہو گا اور شاہ حسن نے شاہ زین العابدین کے قواعد اور ضوابط جو شاہ حیدر کے عہد میں یک قلم موقوف اور معدوم ہو گئے تھے از سر نو زندہ کیے اور مدار کار انہیں آئین پر چھوڑا اور اس وقت میں بعضے مفسدوں اور فتنہ انگیزوں نے بہرام خان کے پاس جا کر اسے جنگ کی تحریض کی اور بعضے امراء نے بھی اسے معروضہ بھیج کر طلب کیا۔ بہرام خان ولایت کرمار سے پلٹ کر پہاڑوں کے راستہ سے ولایت کمراج میں پہنچا۔

سلطان اس وقت بقصد سیر دنیا پور میں گیا تھا۔ یہ خبر سن کر اپنے چچا سے لڑنے کو سوپور کی طرف روانہ ہوا اور بعض آدمیوں نے شاہ کو سمجھایا کہ آپ کو ہند کی طرف جانا مناسب ہے لیکن ملک احمد اسود نے اسے جنگ کی ترغیب دے کر ہند کی روانگی سے باز رکھا۔ شاہ کو اس کی رائے پسند آئی ملک تاج خان کو مع لشکر گراں بہرام خان کے مقابلہ کو بھیجا۔ بہرام خان اس امرا کا سترصر تھا کہ لشکر سلطانی میرا شریک ہو گا لیکن اس کے خلاف عمل میں آیا اور موضع نور پور میں جنگ شدید واقع ہوئی اور اس حرب و ضرب میں ایک تیر بہرام خان کے دہن پر لگا کہ شکست کھا کر مریشہ کی سمت بھاگا اور افواج شاہی اس کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ چنانچہ اسے اور اس کے فرزند کو گرفتار کر لائی اور اس کا تمام ساز و سامان لوٹ لیا اور وہ بحال خراب شاہ کے پاس پہنچے۔ شاہ نے دونوں کو قید کیا اور چند روز کے بعد بہرام خان کی آنکھوں میں سلائی پھروائی تیسرے روز مرغ روح اس کا قفس تن سے پھڑک کر عالم باقی کی طرف پرواز کر گیا اور زین بدر جو شاہ زین العابدین کا وزیر تھا اور ملک احمد اسود سے تنازع رکھتا تھا اور اس نے بہرام خان کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ شاہ حسن نے اس کو گرفتار کر کے اسی سلائی سے کہ جس سے بہرام خان کو اندھا کیا تھا اس کور نمک کو بھی کور کیا اور وہ بھی غمن

برس کے بعد قید خانہ میں مر گیا۔ مصرع کار بدکردہ راسزا نیست اور ملک احمد اسود کی وزارت زین بدر کے مرنے سے چمکی یعنی استقلال حاصل ہوا اور اس نے ملک باری بھٹ کو مع لشکر آراستہ دہلی کی طرف عجب دیو راجہ جموں کی حمایت کے واسطے راجوری کے راستہ سے روانہ کیا اور راجہ مذکور نے ملک باری بھٹ سے ملاقات کی اور ملک باری بھٹ نے لشکر انبوہ اس کی مدد کو دیا اور وہ جا کر تاتار خان سے جو از جانب بادشاہ دہلی ولایت پنجاب اور دامن کوہ کا حاکم تھا لڑا اور اس کی ولایت تاراج کر کے شہر سیالکوٹ کو خراب اور ویران کیا۔ القصہ سلطان حسن کی خاتون کے بطن سے جو سید حسن بن سید ناصر کی دختر تھی۔ دو فرزند توام یعنی جڑواں پیدا ہوئے۔ سلطان نے ایک کا نام محمد رکھا اور اسے ملک باری بھٹ کو پرورش کے واسطے سپرد کیا اور دوسرے کا اسم حسین رکھ کر ل نوروز ولد ملک احمد اسود کو دیا اور اس کی تربیت کی تاکید فرمائی اور ان دنوں میں ملک احمد اور ملک باری سے ایسی رنجش ہوئی تھی کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکتا تھا اور امراء کے درمیان میں بھی دشمنی اور خصومت بہم پہنچی تھی یہاں تک کہ بڑے بڑے معرکے واقع ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ ایک رات کو سب جمعیت کر کے شاہ کے دیوان خانہ میں در آئے اور دست اندازی کر کے آگ لگائی اس سبب سے سلطان نے ملک احمد اسود کو مع عزیز و اقارب اور اعوان و انصار گرفتار کر کے قید کیا اور مال اس کا تاراج کیا اور وہ قید خانہ میں مر گیا۔ شاہ حسن نے سید ناصر کو جو سلطان زین العابدین کا مقرب تھا بلکہ سلطان مجلس میں اسے اپنے اوپر تقدیم دیتا تھا اسے کشمیر سے نکال دیا اور چند روز کے بعد پھر مقام عنایت میں ہو کر اسے اس ولایت سے طلب کیا سید ناصر جب کوہ پیر بنجال کے درہ کے قریب پہنچا قضائے الٰہی سے فوت ہوا پھر شاہ نے سید حسن ولد سید ناصر کو جو حیات خاتون کا والد تھا دہلی سے طلب کیا اور زمام اختیار اس کے کف اقتدار میں دی۔ سید حسن نے مزاج شاہ امرائے کشمیر سے منحرف کیا اور ایک جماعت کثیر اعیان ملک سے قتل کی اور ملک باری کو قید کیا اور بقیۃ السیف بھاگ کر اطراف و جوانب میں گئے اور جہانگیر ماکری کہ امرائے کبار سے تھا اس نے بھاگ کر لوہر کوٹ کے قلعہ میں پناہ لی اور بعد اس کے سلطان حسن کو کثرت جماع سے مرض اسہال طاری ہوا اور ضعف اور ناتوانی نے اس پر غلبہ کیا۔ زندگی سے مایوس ہو کر ارکان سلطنت سے وصیت کی کہ میرے فرزند صغیر ہیں۔ اس لیے یوسف خان ولد بہرام خان کو جو قید ہے یا فتح خان ولد آدم خان کو جو جسروتھ میں ہے سریر سلطنت پر بٹھاؤ اور محمد خان کو ولی عہد کرو۔ سید حسن نے ظاہر میں قبول کیا اور سلطان اس مرض سے جانبر نہ ہوا۔ اس کی حکومت کی مدت معلوم نہ تھی اس وجہ سے قلم انداز ہوئی۔

محمد شاہ ولد حسن خان

محمد خان سات برس کا تھا سید حسن کی سعی سے مسند حکومت پر فائز ہوا اور جب اس روز اس کے روبرو تمام اسباب طلائی اور نقرئی اور ہتھیار اور لباس اور متاع نفیسہ لائے اس نے کسی شے کی طرف التفات نہ کی۔ کمان ہاتھ میں لی حاضرین نے یہ عمل مشاہدہ کر کے اس کی بزرگی اور مردانگی پر دلیل کی اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ بادشاہ امور جہانبانی میں نہایت کوشش کرے گا اور اس وقت میں سیدوں کا اس قدر عروج اور استقلال ہوا تھا کہ کسی امرا اور وزرائے اہل خطہ کو سلطان کی ملازمت میں جانے نہ دیتے تھے۔ کشمیریوں نے اس امر سے تنگ آ کر ایک رات کو باتفاق راجہ جموں جو تاتار خان لودھی کے خوف سے کشمیر میں پناہ لایا تھا سید حسن کو مع تیس نفر اعیان سادات سے جو نوشہرہ کے باغ میں تھے غدر سے قتل کیا اور آب بھٹ سے عبور کر کے پل توڑ ڈالا اور اس طرف جمعیت کر کے بیٹھے اور سید محمد ولد سید حسن جو سلطان کا خالو تھا جمعیت کر کے سلطان کی محافظت کے واسطے دیوان خانہ میں آیا اور اسی شب میں کہ فتنہ عظیم واقعہ ہوا تھا۔ ہر شخص حیران تھا عبد زینا نے چاہا کہ یوسف خان بن بہرام خان کو جو قید خانہ میں تھا نکال لے جائے۔ سید علی نامی ایک امرائے سادات نے اس امر سے آگاہی پا کر یوسف خان کو قتل کیا اور باجی بھٹ کو بھی جو یوسف خان کے قتل ہونے سے تاسف کرتا تھا قتل کیا اور

یوسف خان کی والدہ نے کہ وہ جس وقت سے بیوہ ہوئی تھی دنیا کا کارخانہ ہیچ سمجھ کر تمام دن روزہ رکھتی تھی اور افطار کے وقت جو کی روٹی تین لقمہ سے زیادہ تناول نہ کرتی تھی۔ اپنے فرزند کی نعش باول پاش پاش تین روز نگاہ میں رکھی اور اس کے بعد دفن کی اور ایک حجرہ اس کے مقبرہ کے قریب بنا کر مدت العمراس میں رہی یہاں تک کہ ودیعت حیات قابض ارواح کے سپرد کی القصہ سید علی خان مع سادات دیگر مخالفوں کی جنگ میں مشغول ہوا اور جانبین سے تیرو خدنگ کی لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے آدمی بہت قتل ہوئے اور چور اور ڈاکو شہر کو علانیہ تاراج کرنے لگے۔ پھر سیدوں نے ایک خندق شہر کے گرد کھدوا کر چوروں کے شر سے نجات پائی اور مکان مخالفوں کے شہریا مواضع میں جہاں تھے سب کو خاک برابر کیا اور نہایت عجب اور تکبر سے محافظت اور نگہبانی نہ کرتے تھے۔ اس درمیان میں جہانگیر ماکری کہ لوہر کوٹ میں رہتا تھا۔ مخالفین کے حسب الطلب پہنچا ہرچند سید اسے صلح کا پیغام بھیجتے تھے۔ وہ قبول نہ کرتا تھا۔ ایک روز داؤد خان ولد جہانگیر ماکری اور شمق ماکری پل عبور کر کے سیدوں سے لڑے داؤد خان مع اکثر مخالفین مارا گیا اور سادات خوش حال ہوئے اور نقاری شادیانہ بجائے اور سر مخالفوں سے مینار بنائے دوسرے دن سیدوں نے چاہا کہ دھاوا کر کے پل سے عبور کریں۔ مخالف سد راہ ہوئے اور پل کے درمیان میں جنگ عظیم واقع ہوئی اور پل ٹوٹ گیا۔ خلائق طرفین سے بہت غرق ہوئی۔ اس کے بعد سیدوں نے تاتار خان لودھی حاکم پنجاب کو خط لکھ کر کمک کی درخواست کی۔ چنانچہ اس نے فوج بے شمار ان کی مدد کے واسطے بھیجی لیکن جب لشکر اس کا جنیر کی نواح میں پہنچا۔ دھنس نام وہاں کا راجہ اس فوج سے لڑا اور اس نے کئی آدمی بہادر اور نامی قتل کیے۔ مخالف یہ خبر سن کر خوشحال ہوئے اور سادات اور کشمیریوں کے درمیان دو ماہ تک جنگ قائم رہی۔ آخر کو کشمیریوں نے اپنی فوج کے تین بزن کر کے آب سے عبور کیا اور چاروں طرف سے پہاڑ کو گھیر لیا اور سیدوں نے ان سے مقابلہ کر کے داد مردی اور مردانگی دی اور جو جمعیت مخالفوں کی بہت زیادہ تھی۔ اکثر سیدوں کے سردار قتل ہوئے اور باقی منہزم ہو کر شہر میں آئے اور کشمیریوں نے تعاقب کر کے ہاتھ قتل و غارت میں دراز کیا اور شہر میں آگ لگائی۔ وہ آگ حضرت امیر کبیر سر سید ہمدانی کی خانقاہ معلیٰ کے قریب پہنچ کر بجھ گئی اور خانقاہ معلیٰ کو کچھ آسیب نہ پہنچا اور اس روز عدد مقتولوں کے دس ہزار شمار ہوئے تھے اور یہ واقعہ ۸۹۲ھ آٹھ سو بانوے ہجری میں واقع ہوا تھا اور سید محمد حسین بن سید حسن نے مسمی کہرائی کے مکان میں جا کر پناہ لی اور مخالف تمام اکیجا ہو کر دیوان خانہ میں بادشاہ کے مجرے اور سلام کو گئے اور شاہ کو موافق کر کے سید علی خان کو مع دیگر سادات کشمیر سے نکال دیا اور یہ سرام کو زر خطیر دے کر رخصت کیا اور جو کہ ہر ایک کشمیری دعویٰ سرداری کا رکھتا تھا۔ تھوڑے عرصہ میں ان کے درمیان مخالفت اور دشمنی ظاہر ہوئی اور سلطنت کے انتظام میں فتور واقع ہوا اور فتح خان ولد آدم خان بن شاہ زین العابدین جب بعد وفات تاتار خان لودھی کے جالندھر سے بقصد انتزاع مملکت موروثی راجوری میں آ کر مقیم ہوا اور مروم واقع طلب اور جنگ جو امرا اور وزراء سے فوج فوج اس کے پاس پہنچے وہ ان میں سے ہر ایک کو انعام دے کر امیدوار کرتا تھا اور وہ متوقع اس امر کا تھا کہ جہانگیر ماکری سب سے پیشتر آ کر مجھ سے ملاقات کرے اور اس خیال سے مخالفوں نے پیشتر جا کر فتح خان سے ملاقات کی ہے حاضر نہ ہوا۔

محمد شاہ کو کشمیر سے ہمراہ لے کر میدان کر سوار میں فروکش ہوا اور فتح خان نے بھی ہیرہ پورہ کے راستہ ادون کی نواحی میں پہنچ کر دریا پر قبضہ کیا اور شاہ کے مقابل آیا اور طرفین سے صفوف جنگ آراستہ ہوئیں اور تنور حرب گرم ہوا۔ پہلے تو فتح خان نے غلبہ کیا قریب تھا کہ لشکر سلطان کا متفرق اور پریشان ہو۔ آخر جہانگیر ماکری نے پائے ثبات زمین معرکہ میں محکم کر کے پچاس مرد نامی اور جرار فتح خان کے لشکر کے قتل کیے اور فتح خان کا لشکر شکست کھا کر متفرق ہوا اور قریب تھا کہ فتح خان جہانگیر ماکری کے تعاقب سے گرفتار ہو۔ کہ ایک منافق نے اثنائے تعاقب میں یہ خبر دروغ مشہور کی کہ سلطان محمد شاہ کو مخالفوں نے گرفتار کر لیا۔ جہانگیر یہ خبر سن کر اس کے تعاقب سے باز رہا اور سلطان نے مظفر اور منصور ہو کر کشمیر کی طرف معاودت فرمائی اور ملک باری بھٹ کو ان زمینداروں کے مواضع کی تاراجی کے

واسطے جنموں نے فتح خان کو جگہ دی تھی بھیجا اور فتح خان کہ غائب تھا پھر بہرام کلہ کے نواح میں کہ مواضعات کشمیر سے ہے۔ ظاہر آیا اور دوبارہ جمعیت بہم پہنچا کر کشمیر کی تسخیر کو آیا۔ جہانگیر ماکری مع لشکر انبوہ اس کے مقابلہ کے واسطے برآمد ہوا اور موضع کھوا کے میدان میں کہ پرگنہ ناکام سے ہے' داخل ہوا اور وزیر جو فتح خان کا خدمتگار تھا اس وقت فرصت پا کر شہر کی طرف گیا اور سیفی اور دانکرائی کو جو مع جماعت کثیرامرا قید تھے سب کو قید خانہ سے رہا کر دیا۔ جہانگیر ماکری ان کی رہائی سے غمگین ہوا اور فتح خان سے صلح کا ارادہ کیا اور راجوری کے راجہ کو کہ فتح خان اس کی مدد کو آیا تھا۔ پیغام کیا کہ فتح خان کے لشکر میں تفرقہ ڈالے اور راجوری کے راجہ اور جہانگیر ماکری نے متفق ہو کر فتح خان کو شکست دی اور ہیرہ پور تک اس کا پیچھا کیا اور فتح خان نے ملک جموں کو جا کر فتح کیا اور لشکر کثیر اور جمعیت غفیر بہم پہنچا کر دوبارہ بہ نیت تسخیر کشمیر کے آیا اور جہانگیر ماکری نے سیدوں کو جو قبل اس کے نکال دیا تھا تسلی اور دلاسا کر کے طلب کیا پھر سلطان اور فتح خان سے جنگ عظیم ہوئی اور سیفی دانگری بھی فتح خان کی طرف سے جنگ مردانہ بلکہ رستمانہ کی اور سلطان کی سمت سے سیدوں نے خوب داد مردی اور مردانگی دی اور ایک جماعت کثیران میں سے بدرجہ شہادت فائز ہوئی اور جو کہ ان میں سے باقی رہی سلطان اور جہانگیر ماکری کی محل اعتماد ہوئی اور اس مرتبہ بھی فتح خان شکست پا کر بھاگ گیا اور پھر ایک لشکر انبوہ فراہم کر کے کشمیر پر چڑھائی کی اور غالب ہوا۔ بیت

گل شادی اگر خواہی زخار غم مکش دامن
قدم گر طالب گنجے بکام اژدہا ورنہ

اور یہ نوبت پہنچی کہ سلطان محمد شاہ کے پاس کوئی نہ رہا اور خزانے اس کے لٹ گئے اور جہانگیر ماکری زخمی ہو کر کسی طرف بھاگ گیا اور سرسید بن سید حسن فتح خان کا شریک ہوا اور بعد چند روز کے محمد شاہ کو زمینداروں نے گرفتار کر کے فتح خان کے سپرد کیا اور اس وقت دس سال اور سات ماہ اس کی شاہی سے منقضی ہوئے تھے اور فتح خان اسے مع اپنے بھائیوں کے دیوان خانہ میں نگاہ رکھتا تھا اور حکم دیا تھا کہ تمام سامان عیش و عشرت اور اکل و شرب اور جمیع ضروریات اس کے واسطے مہیا رکھیں اور سیفی دانکری اس کی خدمت میں قیام کر کے کوئی دقیقہ تعظیم و تکریم کا فروگزاشت نہ کرتے تھے۔

فتح شاہ بن آدم خان

فتح خان بن آدم خان ۸۶۴ھ آٹھ سو چونسٹھ ہجری میں اپنا فتح شاہ خطاب رکھ کر سریر شاہی پر متمکن ہوا اور سیفی دانکری کو اپنے مہمات کا مدارالمہام کیا۔ اس وقت میں میر شمس یعنی شاہ قاسم انوار بن سید محمد نور بخش کا مرید عراق سے کشمیر میں آیا اور خلائق کا محل اعتماد ہوا اور اس کے مریدوں کے مصارف کے واسطے مواضع وقف ہوئے اور خانقاہ اور املاک رہنے کو ملی اور صوفی معابد کفار کی خرابی اور ویرانی میں کوشش کرتے تھے اور کوئی انہیں مانع نہ ہو سکتا تھا۔ غرضیکہ عرصہ قلیل میں مردم کشمیر خصوصاً طائفہ چک میر شمس کے مرید ہوئے اور لباس تصوف میں اس کا مذہب کہ مذہب شیعہ تھا' اختیار کیا اور اکثر لوگ اس نواح کے اس مذہب میں داخل ہوئے اور بعض کہ جاہل تھے اور میر شمس کے رمز اور باریکی نہ سمجھتے تھے اس کے بعد وفات ملحد ہوئے اور مادرا اس کے امراء کے درمیان نزاع اور خصومت بہم پہنچی۔ دیوان خانہ سلطان میں آ کر بطور خانہ جنگی ایک نے دوسرے کو قتل کیا۔ ملک اجھی اور زینا کہ فتح خان کے اعیان سے تھے۔ محمد خان کو مجلس سے برآوردہ کر کے بارہ مولہ میں لائے جب اس میں رشد کے آثار مشاہدہ نہ ہوئے۔ اس حرکت سے نادم ہو کر چاہا کہ پھر محمد شاہ کو گرفتار کر کے فتح خان کے سپرد کریں۔ محمد شاہ یہ خبر سن کر اپنے باپ کی جاگیر کی سمت راہی ہوا اور اس کے بعد فتح شاہ نے ولایت کشمیر کو درمیان اپنے اور ملک اجھی اور سنکر کے برابر تقسیم کی اور ملک اجھی کو وزیر مطلق اور سنکر کو دیوان کل کیا اور ملک اجھی

قضایا کے فیصل کرنے میں فراست کی تیزی سے نہایت دستگاہ رکھتا تھا۔ ازانجملہ یہ ہے کہ دو شخص ایک پیچک باریک ریشمی کے واسطے آپس میں نزع رکھتے تھے ہر ایک کہتا تھا کہ یہ پیچک میری ہے۔ جب یہ قضیہ ملک اچھی کی سماعت میں دائر ہوا۔ متخاصمین سے یہ سوال کیا کہ یہ پیچک انگلی پر لپٹی تھی۔ یا لتہ پر مدعا علیہ نے جواب دیا انگلی پر اور مدعی نے عرض کی لتہ پر جب کھولی گئی معلوم ہوا کہ انگلی پر لپٹی تھی القصہ جب ایک مدت فتح خان کی شاہی سے منقضی ہوئی۔ ابراہیم یعنی جہانگیر ماکری کا بیٹا جسے منصب باپ کا تفویض ہوا تھا محمد شاہ کی خدمت میں جاکر ہندوستان سے تحریض کر کے ولایت کشمیر پر چڑھا لایا اور کھوہا سولہ کے اطراف میں اس سے اور فتح شاہ سے جنگ شدید واقع ہوئی اور فتح شاہ کے لشکر نے شکست پائی اور فتح شاہ ہیرہ پور کے راستہ سے ہندوستان کی طرف گیا اور منقول ہے کہ فتح شاہ نے نو سال بادشاہی کی تھی کہ یہ واقعہ وقوع میں آیا۔

محمد شاہ کی دوبارہ حکومت کشمیر پر

محمد شاہ جب دوبارہ تخت شاہی کشمیر پر متمکن ہوا۔ ابراہیم ماکری کو وزیر مطلق اور اسکندر خان کو جو شاہ شہاب الدین کی اولاد سے تھا اپنا ولی عہد کیا اور ابراہیم ماکری کے بیٹوں نے ملک اچھی کو کہ ان کے پاس تھا قید خانہ میں جاکر قتل کیا اور فتح شاہ عرصہ قلیل میں جمعیت کشمیر بہم پہنچا کہ پھر کشمیر کی طرف متوجہ ہوا اور محمد شاہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بے جنگ بھاگا۔ اس کی سلطنت کی مدت اس مرتبہ نو ماہ اور نو روز تھی۔

فتح شاہ کی دوبارہ شاہی

فتح شاہ دوبارہ کشمیر متصرف ہوا اور جہانگیر کو فرقہ بدرہ سے تھا وزیر مطلق اور سنکر زینا کو دیوان کل کیا اور سپاہ اور رعیت کے رفاہ کے واسطے عدل و انصاف کو مروج کیا اور محمد شاہ ہزیمت کھا کر شاہ سکندر لودھی کے پاس دہلی میں گیا اور شاہ موصوف نے لشکر بے شمار اس کی امداد کے لیے بھیجا اور جہانگیر بدرہ فتح شاہ سے رنجیدہ ہو کر محمد شاہ کی خدمت میں فائز ہوا اور اسے راجوری کے راستہ سے کشمیر کی سمت لے گیا۔ فتح شاہ نے جہانگیر ماکری کو اپنی فوج کا ہراول کر کے محمد شاہ کی جنگ کو بھیجا اور فتح شاہ کے لشکر نے شکست کھائی اور جہانگیر ماکری مع فرزند اس معرکہ میں مارا گیا اور فتح شاہ کے امرائے معتبر سے علی شاہ وغیرہ اس کی رفاقت چھوڑ کر محمد شاہ کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ فتح شاہ ناچار ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اور اسی سرزمین پر فوت ہوا اس مرتبہ اس کی شاہی کی مدت ایک سال اور ایک ماہ تھی۔

سلطان محمد شاہ کی تیسری مرتبہ حکومت

نقل ہے کہ اس مرتبہ محمد شاہ نے سریر اجلاس کر کے نقارے شادیانہ کے بجائے اور سنکر زینا کو جو فتح شاہ کے امرائے معتبر سے تھا قید کیا اور ملک کاجی چک کو کہ فراست اور شجاعت میں موصوف اور معروف تھا منصب وزارت پر منصوب فرمایا۔ ملک کاجی بھی قضایا فیصل کرنے میں فراست عظیم رکھتا تھا۔ ازانجملہ ایک یہ ہے کہ ایک محرر کی ایک زوجہ تھی اور وہ بحسب اتفاق اس عورت سے چندے دور رہا۔ عورت نے اس کی غیبت میں بے صبری کر کے دوسرا شوہر کیا۔ بعد اس کے جب وہ محرر سفر سے آیا اس سے اور دوسرے شوہر سے مناقشہ بہم پہنچا اور عورت نے شوہر اول کی تکذیب کی اور اس کی شوہریت سے منکر ہوئی۔ پھر تینوں شخص ملک کاجی کے پاس داد خواہ ہوئے اور جو کہ ان میں سے کوئی شخص گواہ اپنے دعوے کے موافق نہ رکھتا تھا۔ اس قضیہ کی تحقیقات اور تشخیص دشوار ہوئی۔ آخر کو ملک کاجی نے اس عورت سے یہ بات کہی کہ تو سچ کہتی ہے اور یہ محرر جھوٹا ہے۔ آ تھوڑا پانی میری دوات میں ڈال دے تو میں تیرے لیے ایک دستاویز لکھ دوں کہ اس کے بعد اس کو تجھ سے کچھ سروکار نہ رہے۔ عورت اٹھی اور جس قدر پانی کی ضرورت تھی دوات میں ڈالا۔ ملک

نے کہا اور ڈال اس نے تھوڑا پانی ڈالا کہ سیاہی ضائع نہ ہو اور اس عمل میں کمال احتیاط بجالائی۔ اس وقت ملک کاجی نے حاضرین سے کہا کہ اس کی احتیاط اور ہوشیاری سے یقین ہوتا ہے کہ یہ عورت لکھنے والے کی ہے۔ پھر عورت نے بھی آخر کو اقرار کیا کہ یہ نو۔سندہ میرا پہلا خاوند ہے۔ قضیہ فیصل اور مناقشہ دور ہوا۔ الغرض جب محمد شاہ نے استقلال تمام بہم پہنچایا فتح شاہ کے اکثر امراء کو مثل سیفی ڈانکری وغیرہ کو تیغ سیاست سے قتل کیا اور سنگر زینا قضائے الٰہی سے فوت ہوا اور فتح شاہ کی نعش اس کے نوکر ہندوستان سے کشمیر میں لائے۔ محمد شاہ اس کے استقبال کو گیا اور شاہ زین العابدین کے مقبرہ کے اطراف میں دفن فرمائی اور یہ واقعہ ۹۲۲ نو سو بائیس ہجری میں واقع ہوا۔ جب ملک کاجی جگ نے ابراہیم ماکری کو قید کیا اس کا بیٹا ابدال ماکری بعض مردم ہند کے اتفاق سے اسکندر خان بن فتح شاہ کو شاہ بنا کر کشمیر میں لایا اور محمد شاہ اور ملک کاجی جگ نول پور پرگنہ ماہکل میں ۹۳۱ نو سو اکتیس ہجری میں مخالفوں کی جنگ کے واسطے وارد ہوئے۔ اسکندر تاب مقاومت نہ لایا۔ قلعہ ناکام میں پناہ لی اور ملک کاجی نے اسے محاصرہ کیا اور چند روز فریقین کے درمیان جنگ قائم رہی۔ اس درمیان میں امرائے سلطان بقصد بغاوت سلطان سے جدا ہو کر سکندر شاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ ملک کاجی نے اپنے بیٹے مسعود نام کو ان کے مقابلہ کو بھیجا۔ وہ جنگ مردانہ کر کے مارا گیا لیکن فتح مسعود کے ہمراہیوں کو ہوئی اور اسکندر خان ناکام قلعہ ناکام چھوڑ کر نکل گیا اور ملک کاجی جگ قلعہ میں داخل ہوا اور تمام ماکری ورق گنجفہ کی طرح ابتر اور پریشان اسکندر خان کے پیچھے روانہ ہوئے اور محمد شاہ نے منصور اور مسرور ہو کر اپنی دارالحکومت کی طرف مراجعت کی اور صاحب استقلال ہوا اور اس عرصہ میں شاہ کا مزاج دشمنوں کی بدی اور بدگوئی کے سبب ملک کاجی سے منحرف ہوا اور ملک کاجی جگ متوہم اور ہراسان ہو کر راجوری کی سمت راہی ہوا اور اس طرف کے راجاؤں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار کیا۔ اس وقت میں اسکندر خان جو محدم شاہ سے شکست کھا کر گیا تھا۔ اب باتفاق ایک جماعت مغلاں فردوس مکانی ظہیرالدین محمد بابر شاہ کے آکر لوہر کوٹ پر متصرف ہوا اور ملک باری بھائی ملک کاجی جگ کا اس امر سے خبردار ہو کر اس کے مقابلہ کو گیا اور بعد جنگ اسے دستگیر کر کے محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ شاہ اس دولت خواہی کے سبب ملک کاجی جگ سے راضی ہوا اور پھر عہدہ وزارت اس کو تفویض فرمایا اور اسکندر خان کی آنکھوں میں سلائی پھیری اور خود چشم زخم زمانہ سے مطمئن ہوا۔ ابراہیم خان بیٹا محمد شاہ کا جو اپنے باپ کے ہمراہ ابراہیم شاہ لودھی کے پاس دہلی گیا تھا شاہ ابراہیم لودھی نے اسے اپنی خدمت میں نگاہ رکھا اور اس کے باپ محمد شاہ کو مع لشکر بسیار رخصت کیا تھا۔ اس وقت میں بادشاہ ابراہیم لودھی کے حادثہ کے سبب کشمیر میں آیا اور ملک کاجی جگ کہ بادشاہ سے اسکندر خان کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے سے رنجیدہ تھا۔ پہلے اس کے مقربوں کو جس بہانہ سے کہ ممکن تھا قید کیا۔ اس کے بعد شاہ کو مقید کر کے ابراہیم خان کو تخت پر بٹھایا۔ محمد شاہ کی سلطنت کی مدت اس مرتبہ گیارہ سال اور گیارہ ماہ اور گیارہ روز تھی۔

ابراہیم شاہ بن محمد شاہ

ابراہیم شاہ جب تخت پر بیٹھا ملک کاجی جگ کو بدستور اول وزیر مستقل کیا اور ابدال ماکری یعنی ابراہیم ماکری کا بیٹا کہ ملک کاجی جگ کے دست ظلم سے ہند کی طرف گیا تھا۔ اس وقت فردوس مکانی ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کی ملازمت سے مشرف ہو کر عرض پرداز ہوا کہ بندہ دشمنوں کے غلبہ سے اس درگاہ میں پناہ لایا ہے۔ اگر حضرت میرے حال شکستہ بال پر نظر توجہ مبذول فرما کر ایک لشکر سے امداد فرماویں کشمیر کو بندگان اعلیٰ کے واسطے سہل ترین وجہ سے تسخیر کروں۔ آنحضرت نے اس کی صورت اور سیرت کا مشاہدہ کر کے بزبان تلطف فرمایا کہ تعجب ہے جنگل میں بھی ایسے لائق آدمی بہم پہنچتے ہیں۔ یہ فرما کر پہلے اسے خلعت اور اسپ سے سرفراز کیا۔ من بعد بہت سپاہی اس کی ہمراہی کے واسطے تعین کیے اور شیخ علی بیگ اور محمود خان کو سردار اس لشکر کا کیا جب ابدال ماکری نے دیکھا کہ کشمیر مغلوں سے تنفر کریں گے مصلحۃً نام شاہی کا نازک شاہ بن ابراہیم پر رکھ کشمیر کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف سے ملک کاجی جگ نے ابراہیم شاہ کو

ہمراہ لے کر موضع سلاح پرگنہ بالکل میں لشکر گاہ کیا اور طرفین ایک دوسرے کے مقابل فروکش ہوئے ابدال ماکری نے ملک کاجی جک کو یہ پیغام بھیجا کہ میں فردوس مکانی ظہیرالدین محمد بابر شاہ کی خدمت میں جا کر مدد لایا ہوں۔ شوکت اور صلابت اس بادشاہ کی اس درجہ ہے کہ بادشاہ ابراہیم لودھی کو جو پانچ لاکھ مرد اہل نبرد رکھتا تھا اسے طرفتہ العین میں خاک برابر کیا۔ خیریت اسی میں ہے کہ تو جلد اپنے تئیں اس بادشاہ فلک بارگاہ کے سلک دولت خواہوں میں منتظم کر اور اگر یہ دولت تیرے نصیب نہیں ہے۔ اس لشکر ظفر پیکر سے مقابلہ کر کہ وقت مہلت اور غفلت کا نہیں ہے۔ ملک کاجی جک اس وقت سید ابراہیم خان اور شیر ملک اور ملک تازی کو تین فوج کا سردار کر کے جنگ کے واسطے برآمد ہوا اور طرفین میں معرکہ شدید اور مقاتا عظیم واقع ہوا آدمی بہت مارے گئے اور امرائے نامدار ابراہیم شاہ کے اور ملک تازی اور شیر ملک وغیرہ کے ایک رتبہ عظیم رکھتے تھے قتل ہوئے اور ایک ملکؒ کاجی جک مضطرب ہو کر شہر کی طرف بھاگ گیا اور جب وہاں بھی مفر کی صورت نظر نہ آئی پہاڑوں کے سمت راہی ہوا اور ابراہیم شاہ کا کچھ احوال دریافت نہ ہوا کہ وہ کیا ہوا اور کہاں گیا۔ اس کی بادشاہی کی مدت آٹھ مہینے اور پانچ روز تھی۔

نازک شاہ بن ابراہیم شاہ بن محمد شاہ

اس نے اپنے دادا اور باپ کے بعد شہر سری نگر میں جلوس کیا اور مردم کشمیر کو جو مغلوں سے متوہم تھے انہیں دلاسا دے کر مطمئن کیا اور کشمیری اس کے جلوس سے خوش ہوئے اور شہر سے برآمد ہو کر نوشہر میں جو قدیم سے شاہان کشمیر کا پائے تخت تھا اقامت کی ابدال ماکری کو منصب وزارت دے کر وکیل مطلق کیا اور ابدال ماکری ملک کاجی کا پیچھا چل نگری تک کر کے پلٹ آیا اور جب معلوم ہوا کہ وہ دستیاب نہ ہوگا ولایتوں کی تقسیم شروع کی۔ چنانچہ بعد تقرری خالصہ تمام ولایت کے چار حصہ قرار پائے۔ ایک حصہ ابدال ماکری اور ایک حصہ شیخ میر علی کو دیا اور باقی دو حصہ سپاہ کو واگزاشت ہوئے اور بابر شاہ کے ملازموں کو تحفہ و ہدیہ بہت دے کر ہند کی طرف رخصت کیا اور پیغام عتاب آمیز ملک کاجی چک کو بھیج کر محمد شاہ کو اپنے پاس طلب کیا اور شیخ میر علی نے وہاں جا کر محمد شاہ کو لوہر کوٹ کے قلعہ سے برآوردہ کیا اور دونوں باتفاق کشمیر میں آئے اور ملک کاجی چک کے آنے کی ممانعت کی۔ محمد شاہ چوتھی مرتبہ تخت پر متمکن ہوا۔

محمد شاہ کا چوتھی مرتبہ مملکت کشمیر پر جلوہ گر ہونا

محمد شاہ تخت پر بیٹھ کر شکر خدا تعالیٰ بجا لایا۔ پھر نازک شاہ کو کہ بیس سال اور بیس روز بادشاہی کی تھی اپنا ولی عہد کیا اور اس سال میں فردوس مکانی ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ نے عالم فانی سے انتقال کیا۔ جنت آشیانی نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ نے سریر شاہی پر اجلاس فرمایا اور جب محمد شاہ کا زمانہ ایک سال بادشاہی کا گزارا ملک کاجی چک کہ ولایت کوہستان میں گیا تھا جمعیت انبوہ اس ولایت سے بہم پہنچا کر کھرار کے اطراف میں آیا اور ملک ابدال ماکری نے سبقت کر کے جنگ کی ملک کاجی بھاگ کر بھیر میں گیا اور جو کہ ان دنوں میں کامران مرزا ولایت پنجاب پر غلبہ تمام رکھتا تھا۔ شیخ علی بیگ اور محمد خان مغل جنہوں نے کہ بعد فتح کشمیر ابدال ماکری کے رخصت کرنے سے مراجعت کی تھی۔ کامران مرزا کی خدمت میں آ کر عرض پیرا ہوئے کہ جو ہم تمام ولایت کشمیر سے خبردار ہیں اگر آپ تھوڑی توجہ فرمائیں وہ ولایت نہایت آسانی سے دستیاب ہوگی کامران مرزا نے محرم بیگ کو لشکر کا سپہ سالار کر کے ہمراہ ان امراء کے جو کشمیر سے آئے تھے کشمیر کی تسخیر پر نامزد کیا اور جب مغلوں کی فوج کشمیر کے قریب پہنچی تمام کشمیری ان کے خوف سے مال و اسباب اپنا مکانوں میں چھوڑ کر کوہستان کی سمت بھاگ گئے اور مغل کی افواج نے کشمیر کو تاراج کیا اور آگ لگائی اور بعض کشمیری جو پہاڑوں سے مغل کے مقابلہ کو آئے تھے مارے گئے اور ابدال ماکری کو اول یہ گمان تھا کہ ملک کاجی چک لشکر مغل کے ہمراہ ہے جب اسے یقین ہوا کہ وہ مغلوں میں داخل نہیں ہے

اتحاد اور یگانگی کا اظہار کر کے اسے مع لڑکوں اور بھائیوں کے طلب کر کے عہد و پیمان درمیان میں لایا۔ یہ امر کشمیریوں کی قوت کا سبب ہوا اور جنگ پر ہمہ تن آمادہ ہوئے اور اتفاق کر کے مغلوں سے خوب لڑے اور مغل تاب مقاومت نہ لا کر اپنے ملک کی طرف راہی ہوئے اور بعد چند عرصہ کے ملک کاجی چک ملک ابدال کا مکر اور غدر اور غرور مشاہدہ کر کے وہاں کے رہنے سے ناراض ہو کر اسیر کی طرف گیا اور سال ۹۳۹ نو سو انتالیس ہجری میں شاہ سعید سلطان کاشغر نے اپنے فرزند شہزادہ سکندر خان کو مرزا حیدر کاشغری کے ہمراہ مع بارہ ہزار مرد تبت اور لار کے راستہ سے کشمیر پر بھیجا اور کشمیری ان کی بہادری اور شوکت کا آوازہ سن کر کشمیر خالی کر کے بے جنگ ہر ایک اطراف میں بھاگ گئے اور پہاڑوں میں پناہ لی۔ کاشغریوں نے ولایت کشمیر میں داخل ہو کر عمارات عالیہ کو جو شاہان سابق سے یادگار تھیں مسمار کر کے خاک برابر کیں اور شہر میں آگ لگائی اور خزانہ اور دفینہ جو زمین میں مدفون تھے سب کو تلاش کر کے بر آوردہ کیا اور تمام لشکر مال و اسباب سے متمول ہوا اور جس مقام میں کشمیریوں کی استقامت کی خبر پاتے تھے انہیں قتل اور اسیر کرتے تھے۔ غرضیکہ تین مہینے تک یہ حال رہا اور ملک کاجی چک اور ملک ابدال ماکری اور سرداران نامی نے پکدرہ کی طرف جا کر پناہ لی اور جب وہاں صورت مفر نہ دیکھی کھادر اور بارہ دار میں گئے اور وہاں سے بادہ کے راستہ سے پہاڑ سے اتر کر مغلوں کے مقابلہ کو روانہ ہوئے اور سکندر خان اور مرزا حیدر کاشغری بھی مع لشکر انبوہ ان کے مقابل آئے اور جنگ عظیم واقع ہوئی۔ کشمیر کے سرداران میں سے ملک علی اور میر حسن اور شیخ میر علی اور میر کمال مارے گئے اور کاشغریوں سے بھی مردم خوب قتل ہوئے اور کشمیری پسپا ہو کر منہ معرکہ سے پھیرنا چاہتے تھے کہ ملک کاجی چک اور ابدال ماکری نے پائے ثبات میدان کین میں محکم کر کے نئے کشمیریوں کو جنگ کی ترغیب اور تحریص کی اور داد مردی اور مردانگی دی طرفین سے آدمی بے شمار مقتول ہوئے اور چند قالب بے سر اٹھ کر حرکت میں آئے۔ وجہ اس کی سابق میں مذکور ہوئی غرضیکہ صبح سے شام تک جنگ قائم رہی اور شب کو طرفین اپنے غنیم کی سختی و شوکت خیال کرنے لگے۔ آخر دونوں گروہ جنگ سے دست کش ہو کر صلح پر راضی ہوئے پھر کاشغریوں نے صوف اور سقرلاط اور اشیائے نفیسہ بھیج کر نسبت خویشی کی قرار دی اور محمد شاہ نے بھی ملک ابدال ماکری اور ملک کاجی چک کی معرفت صلح نامہ لکھ کر مع نفائس کشمیر کاشغریوں کے پاس بھیجا اور یہ قرار پایا کہ محمد شاہ اپنی دختر شہزادہ سکندر خان کے عقد ازدواج میں لائے اور کشمیریوں کو جو مغلوں نے اسیر کیا ہے رہا کریں اور کاشغری اس صلح سے راضی ہو کر کاشغر کی طرف متوجہ ہوئے اور پریشانی جو کشمیر میں واقع ہوئی تھی ساتھ امن اور آسودگی کے مبدل ہوئی اور اس سال میں دو ستارے' ذات الاذناب یعنی دم دار طلوع ہوئے۔ انہیں دنوں میں قحط عظیم پیدا ہوا اور اکثر خلائق بھوک کی شدت سے ہلاک ہوئی اور باقی جو زندہ رہے تھے انہوں نے جلا وطنی اختیار کر کے دور دراز سفر کیا اور دبجو کا قصہ جس نے قتل عام کیا تھا آدمیوں کے دلوں سے فراموش ہوا۔ یعنی اس حادثہ کے مقابل آسان دکھائی دیتا تھا۔ خدا بھوک کی بلا سے جمیع خلائق کو محفوظ رکھے اور اس قحط نے دس ماہ کا طول کھینچا۔ جب فصل میوہ کی پہنچی علق کو فی الجملہ آسودگی ہوئی اور اس وقت میں ملک کاجی چک اور ملک ابدال ماکری کے درمیان رنجش آئی۔ ملک کاجی چک شہر سے برآمد ہو کر زین پور میں مقیم ہوا اور ملک ابدال ماکری نے منصب وزارت پر قیام کیا اور حکام اور عمال رعایا پر جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ کوئی شخص داد رسی نہ کرتا تھا۔ بعد چند روز کے محمد شاہ تپ محرق میں کہ مراد مرض الموت سے ہے مبتلا ہوا اور جس قدر زر نقد رکھتا تھا محتاجوں پر تقسیم کیا لیکن قضائے الٰہی سے جانبر نہ ہوا۔ اس کی شاہی کی مدت پچاس سال تھی۔

سلطان شمس الدین بن محمد شاہ

ظاہراً سلطان شمس الدین بعد وفات اپنے باپ کے تخت شاہی پر متمکن ہوا لیکن وزراء کی فہمائش سے تمام ولایت امراء پر تقسیم کی اور اہل کشمیر اس کے جلوس سے نہایت راضی اور خوش دل ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں ملک کاجی چک اور ابدال ماکری سے باہم نزاع

ہوئی ملک کاجی چک شاہ کو ملک ابدال ماکری کے مدافعہ کے واسطے کوسوار کی طرف لے گیا اور ملک ابدال بھی جمعیت تمام بہم پہنچا کر شاہ کے مقابل آیا۔ آخر کو صلح ہوئی ملک ابدال ماکری کمراج میں کہ اس کی جاگیر تھی گیا اور سلطان شمس الدین اور ملک کاجی چک نے سری نگر کی طرف معاودت کی اور پھر چند روز کے بعد ملک ابدال ماکری سر بادشاہ کی اطاعت سے سر پھیر کر فساد پر آمادہ ہوا اور ولایت کمراج میں فتور اور خلل برپا کیا لیکن اس مرتبہ بھی آتش فساد آسانی سے ساکن ہوئی۔ الغرض اس بادشاہ کا احوال تاریخ کشمیر میں اس سے زیادہ دریافت نہ ہوا۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کی زمانہ شاہی اس کا تشخیص نہ ہوا۔

نازک شاہ کی دوبارہ حکومت کشمیر پر

بعد باپ کے اس کا بیٹا نازک شاہ مسند شاہی پر جلوہ گر ہوا لیکن ابھی پانچ چھ ماہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ مرزا حیدر ترک غلبہ پا کر متصرف ہوا اور مرزا حیدر کی حکومت کا خطبہ اور سکہ بنام نامی جنت آشیانی نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ کے تھا۔

مرزا حیدر ترک کی کشمیر پر حکومت

واضح ہو کہ ۹۴۸ ہجری میں جب جنت آشیانی نصیرالدین ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری افغان سے شکست پا کر لاہور میں آیا تھا۔ ملک ابدال ماکری اور زنگی چک اور بعض اعیان مملکت کشمیر نے شاہ ممدوح کو عرضداشت کشمیر لینے کی ترغیب میں لکھ کر مرزا حیدر ترک کے ذریعہ سے بھیجی تھی۔ آنحضرت نے مرزا حیدر ترک کو اس طرف رخصت کر کے فرمایا کہ تو پیشتر روانہ ہو میں بھی پیچھے سے آتا ہوں جب مرزا حیدر ترک بھیر میں کہ نام ایک مقام کا ہے پہنچا تو وہاں ملک ابدال ماکری و زنگی چک آ کر شامل ہوگئے اور مرزا حیدر کے ہمراہ تین ہار ہزار سوار سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن جب راجوری میں پہنچا تو ملک کاجی چک جو کشمیر کا حاکم تھا مع تین چار ہزار سوار اور پچاس ہزار یادے کتل کرتل (کتل گھاٹی کو کہتے ہیں) میں آیا اور محافظت اور دشمن کی سدراہ کے واسطے ناکوں پر جابجا مورچے تیار کیے مرزا حیدر رک وہ راستہ چھوڑ کر پنج کی طرف روانہ ہوا اور ملک کاجی چک نے ازروئے غرور اس راستہ کی محافظت نہ کی۔ مرزا حیدر ترک پہاڑ کو طے کر کے فضائے کشمیر میں داخل ہو کر یکایک شہر سری نگر پر قابض ہوگیا اور ملک ابدال ماکری اور زنگی چک استقلال پا کر مہمات کو انجام دینے لگے اور چند پرگنے مرزا کی جاگیر کے واسطے نامزد فرمائے۔ اتفاقات سے انہیں دنوں میں ملک ابدال ماکری کا پیمانہ عمر آب بقا سے لبریز گیا۔ اس وقت زیست سے مایوس ہو کر اپنے بیٹوں کے واسطے مرزا حیدر ترک سے سفارش کر کے ودیعت حیات قابض ارواح کے سپرد ی جب مرزا حیدر ترک کشمیر میں داخل ہوا ملک کاجی چک شیر شاہ افغان سور کے پاس ہندوستان کی طرف گیا پانچ ہزار سوار جن کے مین شیروانی اور عادل خان سردار تھے۔ مع دو فیل کمک کے واسطے لایا اور مرزا حیدر ترک بھی باتفاق زنگی چک اس کے مدافعہ کے واسطے جہ ہوا اور فریقین نے موضع ونہ دیار اور موضع کاوہ میں صفوف حرب آراستہ کیں اور تنور حرب گرم ہوا اور نسیم فتح مرزا حیدر ترک ، پرچم پر چلی شیر شاہ افغان سور کے امراء اور ملک کاجی چک نے ہزیمت پائی اور ملک کاجی چک نے بہرام کلہ میں استقامت کی اور ملا یوسف خطیب مسجد جامع سری نگر نے اس لڑائی کا مادہ تاریخ فتح مکرر کہا اور ۹۵۰ نو سو پچاس ہجری میں مرزا حیدر ترک نے قلعہ اندر ث میں اقامت کی اور چونکہ وہ زنگی چک کی طرف سے بدگمان ہوا تھا۔ زنگی چک بھاگ کر ملک کاجی چک کے پاس گیا۔ پھر دونوں اتفاق کے ۹۵۱ نو سو اکاون ہجری میں مرزا حیدر ترک کے مدافعہ اور اخراج کے واسطے سری نگر کی طرف متوجہ ہوئے اور بہرام چک یعنی زنگی ۔ کا بیٹا سری نگری میں پہنچا اور مرزا حیدر ترک نے بندگان کو کہ اور خواجہ حاجی کشمیری کو اس کے دفع کے لیے مقرر کیا اور بہرام چک ب مقابلہ کی نہ لا کر بھاگا اور جب مرزا کے لشکر نے پیچھا کیا ملک کاجی چک اور زنگی چک نے فرار کو غنیمت جان کر بہرام کلہ میں دم لیا

اور مرزا حیدر ترک بندگان کوکہ اور ایک جماعت کو سری نگر کی محافظت کے لیے چھوڑ کر تبت کی تسخیر کو متوجہ ہوا اور قلاع بزرگ سے قلعہ لوسور کو مع چند حصار دیگر فتح کیا اور ۹۵۲ نو سو باون ہجری میں کاجی چک اور بیٹا اس کا محمد چک مرض تپ لرزہ میں مرگیا اور مرزا حیدر ترک نے یہ سال بفراغت بسر کیا اور ۹۵۳ نو سو ترپن ہجری میں زنگی چک مرزا حیدر ترک کے آدمیوں کے ساتھ جنگ کر کے مارا گیا اور اس کا سر اور اس کے فرزند غازی خان کا سر کاٹ کر مرزا حیدر ترک کے پاس لائے اور ۹۵۴ء نو سو چون ہجری میں ایلچی کاشغر کی طرف سے پہنچے۔ مرزا حیدر ترک مع جماعت امرا ان کے استقبال کے لیے لار میں آیا اور خواجہ اوچہ بہرام نے جو بیٹا مسعود چک کا تھا اور سات برس تک ولایت کامراج میں خوب لڑا تھا اور سب کو مغلوب کر کے غالب ہوا تھا۔ جان میرک کے ساتھ باتیں صلح آمیز درمیان میں لا کر عہد و پیمان کیا اور مرزا میرک نے عہد و سوگند کے بعد اسے اپنے پاس طلب کیا۔ جب اوچہ بہرام اس کی مجلس میں آیا میرک مرزا نے خنجر موزہ سے کھینچ کر اس کے شکم پر مارا اور وہ زخم کھا کر بھاگا اور جنگل میں داخل ہوا۔ جان میرک مرزا نے اس کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے اس گمان پر مرزا حیدر کے پاس لار میں لایا کہ وہ محظوظ اور خوش ہوگا۔ لیکن عبدی زینا اس کا سر پر خون دیکھ کر طیش میں آیا اور دربار سے اٹھا اور یہ بات کہی کہ عہد و پیمان کے بعد اس کا قتل کسی طرح لائق نہ تھا مرزا حیدر ترک نے جواب دیا میں اس واقعہ سے آگاہی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مرزا حیدر ترک کشتوار کی سمت متوجہ ہوا اور بندگان کوکا اور محمد باکری اور مرزا محمد اور یحییٰ زینا کو ہراول کر کے خود موضع جہاپور میں جو کشتوار کے نزدیک ہے وارد ہوا اور جماعت ہراولوں نے تین روز کا راستہ ایک روز میں طے کیا اور موضع دہلوت میں جو دریائے مارما کے ساحل پر واقع ہے پہنچے اور جو لشکر کشتوار کا دریا کے اس پار تھا لڑائی تیرو تفنگ کی طرفین سے شروع ہوئی۔ کوئی شخص دریا سے عبور نہ کر سکتا تھا۔ دوسرے دن مرزا حیدر ترک کے سپاہی وغیرہ راہ راست سے انحراف کر کے چاہتے تھے کہ کشتوار میں داخل ہوں۔ جب موضع دھار میں پہنچے آندھی تند اٹھی اور گرد و غبار سے جہاں تاریک ہوا۔ مردم دھار ہجوم کر کے ان کے سر پر آئے بندگان کوکا کہ نام ایک سردار کا ہے اور وہ نہایت لائق اور عمدہ تھا۔ مع پانچ مرد اہل نبرد مقتول ہوا اور بقیہ السیف ہزار محنت اور خرابی کے بعد مرزا حیدر ترک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرزا حیدر ترک وہاں سے برآمد ہو کر ۹۵۵ء نو سو پچپن ہجری میں تبت کی طرف متوجہ ہوا اور راجوری کو کشمیریوں کے قبضہ سے برآوردہ کر کے محمد نظیر اور ناصر علی کو مرحمت فرمایا اور بکلی کہ نام محال کا ہے۔ ملا عبداللہ کو اور تبت خرد پر ملا قاسم کو مقرر کیا اور تبت کلاں کو بھی فتح کر کے ملا حسن نام کو اس کی حکومت پر تعین فرمایا اور ۹۵۶ نو سو چھپن ہجری میں کہ مرزا حیدر ترک قلعہ ونیل کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ آدم گکھر نے آ کر مرزا سے ملاقات کی اور کاجی چک کے بھتیجے دولت چک کی عفو تقصیرات کی درخواست کی۔ مرزا نے قبول کی اور مرزا مدافعہ کے واسطے متوجہ ہوا اور مرزا حیدر ترک اور آدم گکھر خیمے میں داخل ہوئے اور دولت چک کو وہاں طلب کیا اور جس طرح اس کی مرضی تھی اعزاز و اکرام بجا نہ لائے۔

اس واسطے دولت چک ناراض ہو کر اٹھ گیا اور ایک ہاتھی جو پیش کش کے واسطے لایا تھا اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوا لوگوں نے اس کے تعاقب کا ارادہ کیا مرزا حیدر ترک نے ممانعت کی اور بعد چند روز کے مرزا حیدر ترک نے کشمیریوں کی طرف مراجعت کی اور دولت چک مع غازی خان اور جے چک اور بہرام چک ہیبت (ہمت) خان نیازی کے پاس کہ جو سلیم شاہ افغان سور کی لڑائی میں شکست کھا کر راجوری کی طرف آیا تھا گئے اور سلیم شاہ بھی جب نیازیوں کے تعاقب میں بہ موضع مددار ولایت نوشہرہ تک پہنچا ہیبت خان نیازی نے سید خان نیازی کو کہ اس کے معتبروں سے تھا۔ سلیم شاہ افغان سور کے پاس بھیجا اور سید خان نیازی مقدمات صلح درمیان میں لا کر ہیبت خان نیازی کی ماں اور فرزند کو سلیم شاہ افغان سور کے پاس لایا۔ سلیم شاہ افغان سور موضع بن نواحی سیالکوٹ میں پلٹ آیا اور وہاں استقامت کی اور کشمیری ہیبت خان نیازی کو بارمولہ میں لا کر چاہتے تھے کہ اسے کشمیر میں لے جا کر مرزا حیدر ترک کو درمیان سے نکالیں۔ لیکن ہیبت خان نیازی اس کی ہیبت سے یہ امر اپنی نسبت قرار نہ دے سکا۔ اس واسطے ایک برہمن کو مرزا حیدر ترک کے پاس بھیج کر صلح کا پیغام

دیا اور مرزا نے جب جواب شافی اس برہمن کی زبانی کہلا بھیجا۔ ہیبت خان وہاں سے موضع ہیر میں جو ولایت جموں سے علاقہ رکھتا ہے آیا اور تمام کشمیری اس سے جدا ہو کر سلیم شاہ افغان سور کے پاس گئے اور غازی خان چک مرزا حیدر ترک کے پاس روانہ ہوا اور ۹۵۷ نو سو ستاون ہجری میں مرزا حیدر ترک اطراف کی مہمات سے فراغت پا کر مطمئن ہوا اور خواجہ شمس مغل کو مع زعفران وافر سلیم شاہ افغان سور کی خدمت میں بھیجا اور ۹۵۸ نو سو اٹھاون ہجری میں خواجہ شمس مغل نے سلیم شاہ افغان سور کے پاس سے مع اسباب و قماش متکاثر اور ییسن نام افغان ایلچی کے کشمیر کی طرف مراجعت کی مرزا حیدر ترک نے شال اور زعفران بہت سلیم شاہ افغان کے ایلچی کو دے کر رخصت کی اور مرزا قراء بہادر کو پھرپل کی حکومت پر مامور فرمایا اور کشمیریوں سے عبدی زینا اور ناژک شاہ اور حسین ماکری اور خواجہ حاجی کو اس کے ہمراہ کیا اور مرزا قراء بہادر اور کشمیریوں نے اندر کوٹ سے برآمد ہو کر بارمولہ میں اقامت کی اور فساد کے در پے ہوئے۔ اس سبب سے کہ مغل انہیں بنظر حقارت دیکھتے تھے اور مغلوں نے یہ خبر مرزا حیدر ترک کو پہنچائی۔ مرزا موصوف نے اس امر کو یقین اور باور نہ کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ مغل کی قوم بھی کشمیریوں سے کم مفسد اور فتنہ پرداز نہیں ہے۔ حسین ماکری نے اپنے بھائی علی ماکری کو مرزا حیدر کی پاس بھیجا کہ وہ جا کر مرزا کو کشمیریوں کے غدر سے آگاہ کرے اور مرزا کو اس پر آمادہ کرے کہ وہ لشکر کو طلب کرے مرزا حیدر ترک نے یہ خبر سن کر جواب دیا کہ کشمیریوں کی یہ بھی مجال ہے کہ تم کو ان سے غدر کا اندیشہ ہے اور لشکر کو واپس طلب کرو۔ الغرض ماہ رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو اندر کوٹ میں آتش عظیم پیدا ہوئی کہ اکثر مقامات جل کر خاکستر ہوئے مرزا قرا بہادر اور تمام آدمیوں نے جن کے مکانات جل گئے تھے پیغام کیا کہ اگر حکم ہو ہم آکر اپنے مکانات کو تعمیر کرلیں اور سال آئندہ میں پھرپل کی طرف متوجہ ہوں۔ مرزا حیدر ترک ہرگز اس امر پر راضی نہ ہوا لیکن خواہ مخواہ وہ لشکر پھرپل کی سمت متوجہ ہوا اور عبدی زینان اور تمام کشمیری اتفاق کر کے رات کو مغلوں سے جدا ہو کر کتل پھرپل میں آئے اور حسین ماکری اور علی ماکری کو معتمدوں سے جدا کر کے اپنے ہمراہ لیا تو مغلوں کے ساتھ وہ مارے نہ جائیں جب صبح ہوئی پھرپل کے آدمیوں کے ساتھ جنگ ہوئی۔ مغل پہاڑوں میں بند ہوئے اور سید مرزا نے بھاگ کر پھرپل کے قلعہ میں پناہ لی اور اسی (۸۰) مغل نامی اس معرکہ میں تخمیناً قتل ہوئے اور محمد ظہیر اور مرزا قراء بہادر دستگیر ہوئے اور بقیۃ السیف بھج کے راستہ سے ہرام کلہ میں آئے۔ مرزا حیدر ترک یہ خبر سن کر نہایت محزون اور مغموم ہوا اور فرمایا کہ چاندی کی دیگیں توڑ کر وہ روپیہ جو کشمیر میں رائج ہے مسکوک کریں اور جہانگیر ماکری کو معتبر سمجھ کر حسن ماکری کی جاگیر عنایت فرمائی اور اکثر اہل حرفہ کو گھوڑا اور خرچ دے کر سپاہی بنایا اور اس کے بعد یہ خبر پہنچی کہ ملا عبداللہ کشمیریوں کے خروج کی خبر سن کر ملازمت کے واسطے آتا تھا۔ جب بارہ مولہ کے قریب پہنچا کشمیریوں نے ہجوم کر کے اسے قتل کیا اور خواجہ قاسم تبت خرد میں مقتول ہوا اور محمد نظیر راجوری میں گرفتار ہوا اور کشمیری ہرام کلہ سے جمعیت کر کے ہیرہ پور میں آئے۔ مرزا حیدر ناچار ہو کر کشمیریوں کے مقابلہ کو اندر کوٹ سے برآمد ہوا اور مرزا کی کل جمعیت ہزار آدمی مغل مثل عبدالرحمٰن اور شہزادہ اور خان و میرک مرزا اور سکنہ مغل اور جر علی باقی اور سات سو آدمی تھے۔ مرزا حیدر ترک کے ہمراہ شہاب الدین پور میں اقامت کی اور دولت چک اور غازی خان چک اور دیگر سردار بھی امداد کے واسطے باتفاق عبدی زینا جمعیت کر کے ہیرہ پور میں آئے اور وہاں سے برآمد ہو کر موضع خانپور میں جمع ہوئے اور مرزا حیدر ترک خالد گڑھ کے میدان میں جو سری نگر کی متصل ہے وارد ہوا اور فتح چک کہ باپ اس کا خواجہ ہرام مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ اپنے باپ کے خون کے انتقام کے واسطے مع تین ہزار مرد مبارز اندر کوٹ میں آیا اور مرزا حیدر کی عمارات جو باغ صفا میں تھی آگ لگا کر خاک سیاہ کی جب یہ خبر مرزا حیدر ترک کو پہنچی فرمایا میں یہ عمارات کاشغر سے نہ لایا تھا۔ پھر عنایت الٰہی سے بن جائے گی اور جر علی نے شاہ زین العابدین کی املاک کو سویہ میں تھی مرزا حیدر کی عمارت کے عوض میں جلائی لیکن مرزا حیدر کو یہ امر پسند نہ آیا اور سپاہیوں نے عمارات عبدی زینا میں نوروز چک کی کہ سری نگر میں تھی آگ دے کر برباد کی اور مرزا حیدر ترک نے موضع خان پور میں آکر استقامت فرمائی اور اس

موضع میں ایک درخت بید کا ایسا چھتنار تھا کہ اس کے سایہ میں دو سو سوار کھڑے ہو سکتے تھے اور سوائے اس کے یہ بھی تجربہ میں پہنچا کہ جس وقت اس کی ایک شاخ باریک کو حرکت پہنچے تمام درخت حرکت اور جنبش میں آتا تھا۔ القصہ کشمیری خان پور سے کوچ کر کے موضع ادنی پور میں آئے اور فاصلہ دو کوس سے زیادہ نہ رہا مرزا حیدر ترک نے ان پر عزم شبخون کیا اور مرزا عبدالرحمن نے اپنے چھوٹے بھائی کے لیے کہ صلاح و تقویٰ میں آراستہ تھا۔ ولی عہدی کی وصیت کر کے آدمیوں سے اس کے نام بیعت لی اور اپنے اعیان و انصار کو ہمراہ لے کر بقصد شبخون سوار ہوا۔ قضارا اس شب کو ابر سیاہ آسمان پر ظاہر ہوا جب خواجہ حاجی کے خیمہ کے قریب جو بانی فساد اور مرزا کا وکیل تھا پہنچے۔ تاریکی کے سبب کچھ نظر نہ آتا تھا اور شاہ نظر قورچی مرزا حیدر ترک کہتا ہے کہ اس وقت جب میں تیر پھینکتا تھا مرزا حیدر ترک کی آواز میرے گوش زد ہوئی کہ برا کیا تو نے اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اس تاریکی میں تیر ناگہانی مرزا کے لگا اور یہ بھی منقول ہے کہ ایک قصاب نے ازراہ قساوت مرزا حیدر کی ران پر تیر مارا اور دوسرے راوی کا یہ قول ہے کہ کمال کوکا نے اسے زخم شمشیر سے ہلاک کیا لیکن اس کے جسم پر تیر کے زخم کے سوا کچھ ظاہر نہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب صبح ہوئی کشمیریوں کے لشکر میں مشہور ہوا کہ ایک مغل مقتول پڑا ہے۔ جب خواجہ حاجی اس کے سر پر پہنچا دیکھا کہ مرزا حیدر ترک ہے۔ اس کا سر زمین سے اٹھایا۔ اس وقت مرزا کا عالم نفس شماری تھا۔ آنکھیں کھولیں اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔ مغلوں کو جب اپنے سردار کا قتل ہونا متحقق ہوا اندر کوٹ کی طرف بھاگ گئے اور کشمیریوں نے مرزا کی لاش دفن کی اور مغلوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ مغلوں نے اندر کوٹ میں پناہ لی اور تین روز تک لڑے چوتھے دن محمد رومی نے تانبے کے پیسوں کے گراب توپ میں دے کر فیر کرنے شروع کیے اور وہ گراب جس شخص کے لگتے تھے جانبر نہ ہوتا تھا۔ آخر مرزا حیدر کی زوجہ نے جس کا نام مسماۃ خاتی تھا اور مرزا کی ہمشیرہ مسماۃ خانجی نے مغلوں سے یہ بات کہی کہ جو مرزا حیدر ترک مرگیا۔ بہتر یہ ہے کہ کشمیریوں سے پیغام صلح کر کے اس قصہ کو دفع کرو۔ مغلوں نے یہ امر قبول کیا۔ امیر خان معمار کو صلح کے واسطے کشمیریوں کے پاس بھیجا۔ کشمیری صلح پر راضی ہوئے اور عہد نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ آئندہ ہم مغلوں کے در پے ایذا نہ ہوں گے حکومت مرزا حیدر ترک کی دس سال تھی۔

نازک شاہ کی کشمیر پر تیسری بار حکومت

جب دروازے قلعہ کے مفتوح ہوئے کشمیریوں نے مرزا حیدر کے توشک خانہ میں جا کر دست تصرف دراز کیا اور نفائس نفیسہ لوٹ کر لے گئے اور مرزا کے اہل و عیال کو سری نگر میں لا کر حسن منو کے مکان میں جگہ دی اور ولایت کشمیر آپس میں تقسیم کی۔ پرگنہ دیو۔ سر دولت چک کو اور پرگنہ دہی غازی خان چک کو اور پرگنہ کمراج یوسف چک اور بہرام چک کو دیا اور ایک لاکھ خروار شالی خواجہ حاجی وکیل مرزا کے واسطے معین ہوا۔ عموماً تمام امرائے کشمیر اور خصوصاً عبدی زینا نے تسلط تمام حاصل کیا اور نازک شاہ کو برائے نام بادشاہ بنایا اور حقیقت میں عبدی زینا بادشاہ تھا اور ۹۵۹ نو سو انسٹھ ہجری میں سنکر چک ولد کاجی چک اس سبب سے کہ بے جاگیر تھا اور غازی خان نے کہ اپنے تئیں کاجی چک کا فرزند قرار دیتا تھا اور جاگیر بہت رکھتا تھا۔ کشمیر سے برخاستہ خاطر ہو کر چاہا کہ یہاں سے نکل جاؤں۔ چنانچہ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سنکر چک بلا شبہ کاجی چک کا بیٹا تھا اور غازی خان چک اگرچہ کاجی چک کا فرزند مشہور تھا لیکن حقیقت میں اس کا بیٹا صلبی نہ تھا۔ کس واسطے کہ ملک کاجی چک اپنے بھائی حسن چک کے بعد وفات اس کی زوجہ کو جو غازی خان کو شکم میں رکھتی تھی اپنے عقد میں لایا تھا اور دو تین ماہ کے عرصہ میں غازی خان چک متولد ہوا اس جہت سے سنکر کو چک نے چاہا کہ میں کشمیر سے برآمد ہو کر عبدی زینا کے پاس جاؤں اور جب یہ خبر مشہور ہوئی دولت چک اور غازی خان چک نے اسمٰعیل ہانت اور ہرجو کو مع جمعیت سو آدمی کے بھیج کر کہا کہ اگر وہ نہ آئے اسے زبردستی لاؤ لیکن سنکر چک ان کے بلانے سے نہ آیا۔ عبدی زینا کے پاس گیا۔ آخر کو عبدی زینا نے ان سے صلح

کی اور پرگنہ کو ٹھار اور کھاور اور مادر سنگر چک کی جاگیر قرار پائی اور آتش فساد ساکن ہوئی اور ان دنوں میں چار گروہ کشمیر میں اقتدار رکھتے تھے اول عبدی زینا مع اپنے گروہ کے دوسرے حسن ماکری ولد ملک ابدال ماکری مع اپنی جمعیت کے تیسرے کپوریان کہ بہرام چک اور یوسف چک وغیرہم سے مراد ہے۔ چوتھے کاسیان (کاجیان) کاجی چک اور دولت چک اور غازی خان چک سے عبارت ہے۔ پھر یحییٰ زینا اپنی دختر حسین خان ولد ملک کاجی چک کے عقد ازدواج میں لایا اور دولت چک کی دختر محمد ماکری ولد ملک ابدال ماکری کے عقد نکاح میں منعقد ہوئی اور یوسف چک ولد زنگی چک کو تواری کی بہن غازی خان چک کے نکاح میں داخل ہوئی اور یہ نسبتیں چکان کی قوت اور غلبہ کے باعث ہوئیں اور باتفاق ایک دوسرے کے ہر اطراف میں متفرق ہوئے۔ یعنی غازی خان چک ولایت کامراج کی سمت اور دولت چک لسوپور کی طرف اور تمام ماکری ہالکل کی جانب روانہ ہوئے۔ اس سبب سے عبدی زینا سری نگر میں محزون ہو کر بیٹھا اور ان لوگوں کے دفع کی تدبیر میں رہتا تھا اور جب موسم بادنجان کا آیا عبدی زینا نے فرمایا کہ مرغ کا گوشت اور بیگن لاؤ کہ ہم دونوں کو ایک میں پکا دیں اور یہ طعام لطیف بیگن کشمیریوں کی غذا ہے۔ بہرام چک اور سید ابراہیم اور سید یعقوب اس کی دعوت میں آئے اور یوسف چک نہ آیا۔ عبدی زینا نے تینوں کو گرفتار کر کے مقید کیا اور یوسف چک یہ خبر سن کر مع تین سو سوار اور سات سو پیادہ کامراج کے راستہ سے جا کر دولت چک سے ملحق ہوا۔ عبدی زینا نے جب دیکھا کہ کشمیری چکان میں آئے مغلوں سے مرزا قرا بہادر اور مرزا عبدالرحمٰن اور مرزا جان میرک اور مرزا بکلہ مغل اور میر شاہ اور شہزادہ بیگ مرزا محمد نظیر اور جر علی کو قید خانہ سے بر آوردہ کر کے ہر ایک کو گھوڑا اور خلعت اور خرچ عنایت فرمایا اور موضع چک پور میں مقیم ہوا۔

اس درمیان میں سید یعقوب اور سید ابراہیم باتفاق جارود کے جو ان کا نگہبان تھا بھاگ کر کمراج میں گئے اور دولت چک کے شریک ہوئے اور بہرام چک بھاگ نہ سکا۔ دوسرے دن غازی خان چک مع تین سو سوار سری نگر میں آیا اور عبدی زینا نے مغلوں کو اس کے مقابلہ کو بھیجا اور اس نے تمام پلوں کو خراب کیا اور مغل معطل رہے اس وقت دولت چک بھی سری نگر میں جا کر غازیخان چک سے ملحق ہوا اور باتفاق عیدگاہ میں پڑاؤ کیا اور ہر روز فریقین کے مابین جنگ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بابا خلیل عبدی زینا کے پاس صلح کے واسطے آیا اور یہ بات کہی کہ آپ کو مغلوں کا اعتبار کرنا اور کشمیریوں کو نظر سے گرانا مناسب نہ تھا اور اس طرح کے اور بھی کلام کیے کہ عبدی زینا اور کشمیریوں کے درمیان صلح واقع ہوئی اور مغلوں کو مع اہل و عیال رخصت دی اور خانجی یعنی مرزا حیدر ترک کی بہن بگلی کے راستہ سے کابل میں گئی اور کشمیریوں نے مرزا جر علی بلکہ اور بھی مغلوں کے اہل و عیال قتل کیے اور خانم کاشغر میں پہنچی اور بعد میں اس واقعہ کی خبر آئی کہ ہیبت خان اور سعید خان اور شہباز خان افغان جو قوم نیازی سے نہیں، کشمیر کی تسخیر کے واسطے آتے ہیں اور پرگنہ پانسال میں پہنچ کر کوہ لون میں داخل ہوئے ہیں۔ عبدی زینا اور حسین ماکری اور بہرام چک اور دولت چک اور یوسف خان متفق ہو کر نیازیوں کی جنگ کے واسطے برآمد ہوئے اور طرفین مقابل ہو کر خوب لڑے اور بی بی رابعہ زوجہ ہیبت خان نیازی نے بھی جنگ مردانہ کر کے علی چک پر تلوار کا وار ڈالا۔ آخر کو ہیبت خان اور سید خان اور شہید خان نیازی اور بی بی رابعہ اس لڑائی میں مارے گئے اور کشمیریوں نے مظفر اور منصور ہو کر سری نگر میں مراجعت کی اور مقتولوں کے سر یعقوب خان کے ہاتھ سلیم شاہ افغان سور (سلیم شاہ سے یہ لوگ باغی تھے) کے پاس بھیجے اور اس کے بعد کشمیریوں کے درمیان میں عداوت بہم پہنچی۔ عبدی زینا نے باتفاق فتح چک اور لوہر ماکری اور یوسف چک اور بہرام چک اور ابراہیم چک خالد گڑھ میں آ کر اقامت اختیار کی اور دولت چک اور غازی خان چک اور حسین ماکری اور سید ابراہیم اور رومان کے گروہ نے یک جا ہو کر عیدگاہ میں منزل کی جب دو ماہ کا عرصہ گزرا یوسف چک اور فتح چک اور ابراہیم چک عبدی زینا سے جدا ہو کر دولت چک کے پاس آئے اور جب دولت چک مع جمعیت تمام سوار ہو کر عبدی زینا کے سر پر گیا وہ تاب مقاومت نہ لا کر بے جنگ بھاگ کر مرو میں گیا اور وہاں پہنچ کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ اس نے قضارا ایسی لات اس کے سینہ پر ماری کی موضع ساک میں

مخفی ہوا اور اسی مقام میں عالم باقی کی طرف سفری ہوا اور لاش اس کی سری نگر میں لاکر موضع موسی زینا میں دفن کی اور امراء نے خروج کر کے نازک شاہ کو جو نام کے سوا شاہی سے علاقہ نہ رکھتا تھا۔ شاہی سے معزول کیا اور ارادہ خود سری کا کیا اور بعد مرزا حیدر ترک کے تیسرے مرتبہ دس ماہ شغل فرمانروائی میں مشغول رہا۔

ابراہیم شاہ کی تیسری مرتبہ حکومت

یہ نازک شاہ کا بیٹا ہے۔ جب عبدی زینا مقتول ہوا دولت چک (دارالملک میں جا کر مہمات شاہی انجام دینے لگا اور جب دیکھا کہ تخت سلطنت خالی ہے برائے نام کسی کو بادشاہ بنانا چاہیے۔ ابراہیم شاہ کو تخت پر بٹھایا اور اس وقت خواجہ حاجی وکیل مرزا حیدر ترک جنگل سے برآمد ہو کر سلیم شاہ افغان سور کے پاس گیا اس وقت عبدی زینا (معلوم ہوتا ہے امیر دوسرا تھا یا پیشتر کا تذکرہ ہے کہ وہ زندہ تھا الغرض اسے) اور شمس زینا اور بہرام چک کو گرفتار کر کے قید خانہ میں مقید کیا اور جب عیدالفطر کا روز ہوا اور دولت چک نے قابوق کے نیچے آ کر تیراندازی شروع کی اور یوسف چک نے قابوق میں گھوڑا سرپٹ دوڑایا اور پیادے کہ تیر جمع کرتے گھوڑا ان میں الجھ کر چراغ پا ہوا اور یوسف چک اس پر سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور ۹۶۰ نو سو ساٹھ ہجری میں غازی خان چک اور دولت چک میں نزاع واقع ہوئی اور تمام کشمیر میں اختلاف پیدا ہوا۔ حسین ماکری اور شمس زینا کہ ہندوستان میں تھے۔ ۹۶۱ نو سو اکسٹھ ہجری میں غازی خان کے شریک ہوئے اور یوسف چک اور بہرام چک کے بیٹے دولت چک کے پاس آئے اور اس اختلاف اور نزاع نے دوماہ کا طول کھینچا۔ آخر کو ایک کاشتکار نے دولت خان کے روبرو آ کر اسکے کان میں یہ بات کہی کہ مجھے غازی خان نے تمہارے پاس بھیج کر یہ پیغام دیا ہے کہ تو نے تمام ان آدمیوں کو بے تقریب کس واسطے اپنے پاس جمع کیا ہے کہ یہ سب تیرے دشمن ہیں اور غازی کو چک سے یہ کہا کہ دولت چک صلح کے درپے ہے تم اس سے کس واسطے لڑتے ہو۔ بس اس طور سے کلام کر کے ان کے درمیان صلح کرائی اور شمس زینا پھر ہند کی طرف بھاگ گیا اور ان دنوں میں تبت کلاں کے باشندے پرگنہ کھاور اور بارہ میں کہ حبیب خان چک اور نصرت خان کے بھائی کی جاگیر تھی آ کر بکریاں ہانک لے گئے۔ اس سبب سے دولت چک اور سنگر چک اور ابراہیم چک اور حیدر چک اور پسران غازی خان اور بھی اعیان کو مع لشکر انبوہ لار کے راستہ سے تبت کلاں میں بھیجا اور حبیب خان چک کہ ہمراہ ان کے ساتھ تھا۔ بہ سبیل استعجال جس راستہ سے کہ بکریاں لے گئے تھے تبتیان کے تعاقب میں دوڑا اور بجلی کی طرح قلعہ تبت کلاں میں پہنچ کر جنگ کی اور ان کے سرداروں کو شمشیر سے قتل کیا اور وہ سب بھاگے۔ حبیب خان چک نے اس مقام میں نزول کر کے اپنے چھوٹے بھائی درویش چک سے کہا تو مع لشکر سوار ہو کر تبت کلاں میں داخل ہو درویش چک نے تغافل کر کے اس کے کہنے پر عمل نہ کیا اور حبیب خان چک باوجود اس کے کہ اس کے زخموں سے خون جاری تھا۔ سوار ہو کر تبت کلاں کے قصرہائے عالی میں داخل ہوا اور اہل تبت کلاں تاب مقاومت نہ لاکر بے جنگ بھاگے اور چالیس آدمی ان میں سے جو قصر کی چھت پر چپیدہ اور پوشیدہ تھے دستگیر ہوئے اور نہایت عجز اور خاکساری سے پیش آئے اور کہا ہمیں قتل نہ کرو اور پانچ سو گھوڑے اور ہزار پارچہ پٹو اور پچاس بیل قطاش اور دو سو بکریاں اور دو سو تولہ سونا دینا قبول کیا۔ لیکن حبیب خان چک نے ان کی باتوں پر التفات نہ کر کے سب کو درپر کھینچا اور وہاں سے سوار ہو کر دوسرے قلعہ میں آیا اور اس قلعہ کو بھی خراب اور ویران کیا اور تبت کلاں کے رئیسوں نے تین سو گھوڑے اور پانچ سو پارچہ پٹو اور تیس راس گاؤ قطاش جناب حبیب خان چک کے واسطے بھیجے اور گھوڑے خوب کاشغری کہ اہل تبت کلاں کے ہاتھ آئے تھے۔ وہ گھوڑے بھی ان سے لیے اور حیدر چک اور پسر غازی خان چک نے مسمی کھانی اپنے بھائی حقیقی کو حبیب خان چک کے پاس بھیجا کہ اہل تبت کلاں نے وہ گھوڑے غازی خان چک کے واسطے نگاہ رکھے تھے۔ مناسب ہے کہ ان گھوڑوں کو بھیجے تو ہم غازی خان کی خدمت میں روانہ کریں۔ حبیب خان چک ترکمانی نے درجواب اس کے قریب دو سو آدمی کے

اس نیت سے روانہ کیے کہ منازعت درمیان میں ڈالیں لیکن لوگوں نے درمیان میں آکر صلح کروائی۔ آتش فساد ساکن ہوئی بعد اس کے سری نگر کی طرف آیا اور یہ تمام اشیاء وہاں کے آدمیوں کو تقسیم کیں اور ۹۶۲ نو سو باسٹھ ہجری میں زلزلہ عظیم کشمیر میں واقع ہوا۔ اکثر موضع اور شہر خراب اور منہدم ہوئے اور موضع نیلو اور آدم پور مع عمارت و اشجار آب بھٹ کے اس طرف سے منتقل ہو کر اس پار ظاہر ہوئے اور موضع ماور میں جو پہاڑ کے زیر دامن میں واقع ہے اس کے گرنے سے وہاں کے تخمیناً چھ سو آدمی ہلاک ہوئے۔

اسمٰعیل شاہ برادر ابراہیم شاہ

جب پانچ ماہ ابراہیم شاہ کی حکومت کے گزرے اگرچہ اس وقت میں دولت چک در حقیقت فرمانروا تھا۔ زمانہ غازی خان چک کے موافق ہوا اور دولت چک مغلوب اور منکوب ہوا۔ غازی خان چک نے دم استقلال سے مارا اور اسمٰعیل شاہ کو برائے نام شاہ بنا کر ۹۶۳ نو سو ترسٹھ ہجری میں تخت پر بٹھایا اور اس سال حبیب خان چک نے چاہا کہ دولت چک سے یک دل ہو جاؤں یہ عزیمت کر کے مرداوون کے سمت متوجہ ہوا۔ غازی خان چک نے نصرت خان چک سے یہ بات کہی کہ تیرا بھائی حبیب خان چک دولت چک سے مل گیا ہے مناسب یہ ہے کہ وہ نہ آنے پائے اور ہم دولت چک کو گرفتار کریں۔ کیونکہ اس کے آنے کے بعد کام مشکل ہوگا ناگاہ دولت چک کشتی میں سوار ہو کر حوض ڈل کی طرف مرغابی کے شکار کو گیا تھا۔ اس درمیان میں غازی خان چک نے تاخت کر کے اس کے گھوڑوں کو گرفتار کیا اور وہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اسے بھی گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری کہ وہ کور ہوا بعد اس کے حبیب خان چک آیا۔ غازی خان چک نے کہ اس سے ناراض تھا نازک چک کو جو دولت چک کا بھتیجا تھا طلب کر کے اسے وکالت کی تکلیف دی اور جو کہ غازی خان چک نے اس کے چچا کی آنکھوں میں سلائی پھیری تھی۔ اس تعصب سے منصب وکالت قبول نہ کیا۔ غازی خان چک نے چاہا کہ نازک چک کو بھی گرفتار کر کے مقید کرے۔ وہ خبردار ہو کر بھاگا اور حبیب خان چک کے پاس جا کر پناہ لی۔

حبیب شاہ بن اسمٰعیل

جب دو سال اسمٰعیل شاہ کی حکومت سے گزرے قضائے الٰہی سے فوت ہوا۔ غازی چک نے اس کے فرزند کو سریر حکومت پر متمکن کیا اور آخر ۹۶۴ نو سو چونسٹھ ہجری میں نصرت خان چک او رنازک چک اور سنکر چک بردار غازی خان چک اور یوسف چک اور ہستی خان چک سب نے ایک جگہ جا کر آپس میں عہد کر کے یہ تجویز کی کہ آج غازی خان چک نے دوا استعمال کی ہے اور اس کا بھائی حسین خان چک قید ہے اسے زندان سے سے برآوردہ کر کے غازی خان چک کو ہلاک کریں جب یہ خبر غازی خان چک کو پہنچی۔ یوسف چک اور سنکر چک کو راضی کر کے اپنے پاس طلب کیا اور حبیب خان چک اور نصرت خان چک اور درویش چک نہ گئے اور یہ بات کہی کہ ہم علماء اور قاضیوں کو درمیان میں لا کر عہد و قول اس سے لے کر جائیں گے نہیں راہ فرار اختیار کریں گے اور نصرت خان چک غازی خان چک کے پاس بے قول گیا۔ زندان مصیبت میں گرفتار ہوا اور حبیب خان چک نے باتفاق نازک خان چک کے پلوں کو توڑ کر خروج کیا اور ہستی خان چک بہ جمیعت تمام آکر اس سے ملحق ہوا۔ غازی خان چک نے لشکر کثیران کے مقابلہ کو بھیجا۔ جنگ عظیم واقع ہوئی اور غازی خان چک کا لشکر شکست کھا کر متفرق ہوا۔ بعض گرفتار ہوئے اور حبیب خان چک فتح کر کے کھوبہ ہامون کی طرف گیا اور غازی خان چک اس شکست کے بعد حبیب خان چک کے مدافعہ کے واسطے خود سوار ہو کر دومرہ کی طرف گیا اور تین چار کشتی بہم پہنچا کر مع تین فیل اور تین ہزار ظاہراً تین سو آدمی ہیں۔ مرد جرار دریا سے عبور کیا اور جب خالد گڑھ کے میدان میں پہنچا۔ حبیب خان چک بھی اس کے مقابلہ کو آٹھ سو آدمی سے آکر ہم مصاف ہوا اور بعد جنگ شدید تاب مقاومت نہ لا کر آب بجبہ کے پل میں در آیا اور گھوڑا اس کا اس پل سے عبور نہ کر

سکا۔ اس درمیان میں غازی خان چک کے ایک فیل بان نے اسے گرفتار کیا۔ غازی خان چک نے اس کا سر جدا کرنے کا حکم دیا۔ جب فیل بان ہاتھ اس کے دہن کے قریب لے گیا۔ حبیب خان نے اس کی انگلیاں دانتوں سے پکڑ کر خوب کاٹیں۔ آخر فیل بان نے سر اس کا جدا کر دیا اور کلہ نامت میں کہ جہاں اس کا مکان تھا لا کر آویزاں کیا اور درویش چک اور نازک چک کو بھی گرفتار کر کے دار پر کھینچا اور چند عرصہ کے بعد بہرام چک ہندوستان سے غازی خان کے پاس سری نگر میں آیا پرگنہ کھوبہ ہامون کی جاگیرپائی اور سری نگر سے رخصت ہو کر پرگنہ زین گڑھ کے قصبہ بدانچہ کی طرف کہ وطن اس کا تھا گیا پھر سنکر چک اور فتح چک وغیرہ بہرام چک کے پاس جا کر آپس میں متفق ہو کر پرگنہ سوپہ پور میں آئے اور بنیاد فساد کی قائم کی۔ غازی خان چک نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو ان کے تدارک کے واسطے روانہ کیا اور وہ تاب جنگ نہ لا کر پہاڑ کی سمت بھاگے۔

غازی خان چک نے اسی روز انہیں ان کے تعاقب کو بھیجا وہ جاتے ہی اس جماعت کو گرفتار کر لائے۔ دوسرے دن یہ خبر پہنچی کہ بہرام چک سرکوب سے کسی طرف راہی ہوا اور سنکر چک اور فتح چک اس سے جدا ہوئے۔ غازی خان چک بسرعت تمام کھوبہ ہامون میں گیا اور چھ روز تک بہرام چک کی بہت تلاش کی لیکن ہاتھ نہ آیا اور جب احمد جورین برادر حیدر چک ولد غازی خان چک نے اس کی گرفتاری کا ذمہ کیا۔ غازی خان چک شہر میں پلٹ آیا احمد جورین نے سرکوب میں کہ مسکن ریشیان یعنی صوفیوں کا تھا جا کر انہیں گرفتار کیا اور بہرام چک کی جستجو کی وہ بولے کہ ہم نے اسے کشتی میں سوار کر کے امیر زینا کے مکان میں جو موضع بادیلی میں واقع ہے پہنچایا ہے اور ریشیان ایک فرقہ ہے کہ وہ ہمیشہ زراعت کرتے اور باغ لگاتے ہیں اور پھل و غلہ خدا کی راہ میں خیرات کرتے ہیں اور خود مجرد رہتے ہیں۔ الغرض جب احمد جورین امیر زینا کے پاس گیا اور بہرام چک کو بتلاش تمام گرفتار کر کے سری نگر میں لایا اور دار پر کھینچا۔ احمد جورین امیر اس فتح اور نصرت کے سبب مختص ہوا۔ ان دنوں میں شاہ ابوالمعالی کو کہ لاہور سے بھاگ کر بعضے گکھر کے قید میں تھا پابہ زنجیر یوسف کے شانہ پر سوار ہو کر برآمد ہو اور کمال خان گکھر کے ساتھ موافق ہو کر مرزا حیدر ترک کے مانند کشمیر کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ جب راجوری میں پہنچا مغلوں کی ایک جماعت بھی اس کے شریک ہوئی اور دولت چک اندھا اور فتح چک اور دوسرے چک اور لوہرزانگری بھی شاہ ابوالمعالی کے پاس آئے اور ۹۶۵ نو سو پینسٹھ ہجری میں کشمیر کے سمت متوجہ ہوئے اور جب بارمولہ میں پہنچے حیدر چک اور فتح خان چک جو راستہ کی محافظت کرتے تھے بھاگ کر موضع یادوکھی میں آئے اور شاہ ابوالمعالی نے عدالت کو کام فرما کر سپاہیوں کو رعایا کے جور و تعدی سے ممانعت کی اور موضع بارمولہ میں جو یادوکھی کے قریب ہے۔ پہنچ کر ایک بلندی پر وارد ہوا اور غازی خان چک اپنے بھائی حسین خان چک کو ہراول کر کے موضع کھنود میں مقیم ہوا اور کشمیریوں نے جو شاہ ابوالمعالی کے ہمراہ تھے۔ اس کی بلا اجازت حسین خان چک کی فوج پر حملہ آور ہو کر پسپا کیا۔ غازی خان چک اس کی کمک کو پہنچا اور داد مردی و مردانگی دے کر بہت کشمیریوں کو تہ تیغ کر کے لڑائی فتح کی شاہ ابوالمعالی یہ حال دیکھ کر بے جنگ بھاگا اور جب گھوڑا اس کا راستہ میں تھک گیا ایک مغل جان نثار شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا گھوڑا کہ تازہ زور تھا شاہ کو اس پر سوار کیا اور اس کا گھوڑا ماندہ لے کر اسی مقام میں استادہ ہوا کشمیری کہ شاہ کے تعاقب میں آتے تھے۔ انہیں تیر باران کر کے روکا جب ترکش اس کے خالی ہوئے کشمیریوں نے اس بہادر کو نرغہ کر کے تیغ سیاست سے قتل کیا اور اس فرصت میں شاہ ابوالمعالی کو سون نکل گیا۔ سبحان اللہ بہادر اور خیر خواہ یہ لوگ تھے کہ اپنے آقا کی جانبری کے واسطے اپنے تئیں فدا کیا جان عزیز کا کچھ پاس نہ کیا۔

القصہ غازی خان یادوکھی میں پلٹ آیا اور جس مغل کو اس کے پاس لاتے تھے اس کی گردن مارتا تھا لیکن حافظ مرزا حسینی کو جو جنت آشیانی نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ کے خوانندہ تھے بہ سبب خوش خوانی کے انہیں قتل نہ کیا اور اس فتح کے بعد نصرت خان چک کو زندان سے نکال کر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی ملازمت کے واسطے بھیجا اور نصرت خان چک بیرم خان سے مل کر متوسل ہوا اور ۹۶۶ نو سو

چیاسٹھ ہجری میں غازی خان کے مزاج میں ایک تغیر واقعہ ہوا۔ دست تعدی دراز کیا خلائق اس سے نہایت متنفر ہوئی اور مخبروں نے انہیں دنوں میں اسے یہ خبر پہنچائی کہ حیدر چک آپ کا فرزند بعض لوگوں کے اتفاق سے کشمیر لینا چاہتا ہے۔ غازی خان نے محمد جنید کو جو اس کا وکیل تھا اور بہادر بھٹ کو طلب کر کے یہ بات کہی کہ لوگ اس طرح کہتے ہیں تم جا کر اسے نصیحت کرو تو وہ دوبارہ اس خیال فاسد کو اپنے دل میں راہ نہ دے۔ پھر محمد جنید نے حیدر چک کو اپنے مکان پر بلا کر بہت چشم نمائی کی اور سخت و ست کہا۔ حیدر چک نے طیش کھا کر خنجر محمد جنید کی کمر سے بزور نکال کر اس کے شکم پر مارا کہ وہ جانبر نہ ہوا۔ لوگوں نے ہجوم کر کے حیدر چک کو گرفتار کیا اور غازی خان کے حکم کے بموجب اسے قتل کر کے لاش اس کی زینہ گڑھ کے دروازہ پر آویزاں کی اور جو لوگ کہ اس کے شریک اور موافق تھے سب کو تہ تیغ کیا اور ۹۶۷ نو سو سرسٹھ ہجری میں مرزا قراء بہادر نے ہندوستان سے مع لشکر کثیر اور نو زنجیر فیل آ کر لالہ پور میں تین ماہ اقامت کی اور کشمیریوں سے نصرت چک اور فتح چک وغیرہ اور کھکر ان سے بھی ایک جماعت کثیر ہمراہ رکھتا تھا اور امیدوار تھا کہ مردم کشمیر میرے شریک ہوں گے۔ اس عرصہ میں نصرت خان چک اور فتح چک اور لوہر وانگری اس کے پاس سے بھاگ کر غازی خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اس سبب سے مرزا قراء بہادر کے لشکر میں بہت فتور برپا ہوا اور غازی خان چک کشمیر سے برآمد ہو کر نو روز کوٹ میں پہنچا اور پیادوں کو مرزا قراء بہادر کے مقابلہ کو بھیج کر شکست دی اور مرزا بھاگ کر قلعہ دائرہ میں داخل ہوا دوسرے دن میرزا قراء بہادر پھر پیادوں کی جنگ سے بھاگا اور اس کے ہاتھی پیادوں کے ہاتھ آئے اور پانچ سو مغل مارے گئے اور جب پانچ سال حبیب شاہ کی شاہی منقضی ہوئے غازی خان نے اسے گوشہ میں بٹھا کر خود فرمانروائی کا نشان بلند کیا اور نام بادشاہی کا دوسرے پر روانہ رکھا۔ خطبہ اور سکہ اپنا نام جاری کر کے اپنے تئیں غازی شاہ مشہور کیا۔

غازی شاہ

غازی خان چک نے شاہان کشمیر کے آئین کے موافق جلوس کیا اور اپنے تئیں غازی شاہ کا خطاب دیا۔ لیکن مرض جذام کے سبب سے کہ اس سے پیشتر بہم پہنچا تھا۔ ان دنوں میں اس کی شدت سے اس کی آواز متغیر ہوئی اور انگلیاں اس کی گرنے پر تھیں اور دانتوں میں زخم ظاہر ہوئے اور ۹۶۸ نو سو اڑسٹھ ہجری میں فتح خاں چک اور لوہر وانگری اور بھی کشمیری غازی شاہ سے متوہم اور ہراساں ہو کر پہاڑوں میں داخل ہوئے اور غازی شاہ نے اپنے بھائی حسین چک کو مع دو ہزار آدمی ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جب موسم سرما اور برف باری کے ایام آئے مخالف ہلاک ہوئے اور جو باقی رہے کھنوار میں گئے اور وہاں سے مضطرب اور متردد ہو کر حسین خان چک کے پاس آ کر پناہ لی۔ حسین خان چک نے ان کے عفو گناہ کے لیے غازی شاہ سے درخواست کی اور شاہ نے ان کی تقصیر معاف فرما کر جاگیر خوب عنایت فرمائیں اور ۹۷۰ نو سو ستر ہجری میں غازی شاہ نے کشمیر سے برآمد ہو کر لار میں قیام کیا اور اپنے فرزند احمد خان کو فتح خان چک اور ناصر کنابچ اور بھی امرائے نامدار کے ہمراہ تبت کلاں کی تسخیر کو بھیجا اور جب یہ تبت سے پانچ کوس کے فاصلہ پر پہنچے فتح خان چک احمد خان کے بے رخصت جا کر شہر تبت میں داخل ہوا۔ اہل تبت اس کا سازو سامان دیکھ کر جنگ پر راضی نہ ہوئے اور پیشکش بہت قبول کی اور وہاں سے جلد برخاست کرایا۔ اس کے بعد احمد خان کے دل میں یہ ہوس ہوئی کہ فتح خان چک تبت میں جا کر فائز المرام ہو کر آیا۔ اگر میں بھی ایسا کروں گا اہل کشمیر میری تعریف کریں گے یہ تجویز کر کے تنہا چلنے کا ارادہ کیا۔ فتح خان چک نے عرض کی کہ آپ کا جریدہ جانا مناسب نہیں ہے۔ اگر یہی ارادہ ہے جمعیت لے کر جائیے۔ احمد خان نے اس کے کہنے پر التفات نہ کی۔ پانچ سو آدمی لے کر روانہ ہوا اور فتح خان چک کو لشکرگاہ میں چھوڑا اہل تبت نے جب احمد خان کو جریدہ دیکھا جمعیت کر کے اس پر تاخت لائے وہ تاب مقابلہ کی نہ لا کر بھاگا اور فتح خان کے پاس آ کر یہ بات کہی کہ آج میں تبتیوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کو جاتا ہوں تم میری فوج کے آگے چلو وہ بلا توقف جریدہ آگے روانہ ہوا۔

اہل تبت اسے تنہا دیکھ کر جنگ میں مشغول ہوئے۔ فتح خان کی رگ شجاعت اور غیرت جنبش میں آئی۔ تنہا جنگ کر کے مارا گیا۔ غازی شاہ یہ خبر سن کر احمد خان سے نہایت ناراض ہوا اور سخت و سست کہا۔ ایام دولت اس کے چار برس کے بعد آخر ہوئے۔

حسین شاہ

یہ غازی شاہ کا بھائی تھا۔ ۹۷۱ نو سو اکہتر ہجری میں غازی شاہ تبت کلاں کی تسخیر کے ارادہ سے کشمیر سے برآمد ہوا اور مولد کھار میں استقامت کی اور غلبہ مرض جذام کے سبب اس کی آنکھیں بیکار ہوئیں اور آخر عمر میں شعار بدی کر کے خلق پر دست تعدی دراز کرتا تھا اور بے صدور قصور لوگوں سے جرمانہ لیتا تھا۔ اس سبب سے آدمی اس سے رنجیدہ ہو کر دو گروہ ہوئے۔ ایک جماعت اس کے فرزند احمد خان کی شریک ہوئی اور ایک جماعت اس کے بھائی حسین چک کی مدد و معاون ہوئی۔ غازی شاہ یہ خبر سن کر مولد کھار سے مراجعت کر کے سری نگر میں آیا اور جو حسین چک پر اس کی مہر و شفقت زیادہ تھی اسے اپنا جانشین کر کے سریر سلطنت پر بٹھایا اور غازی شاہ کے تمام وکلاء ور وزراء حسین چک کے مکان پر حاضر ہوئے اور شرائط خدمتگاری اور لوازم فرمان برداری میں قیام کیا اور پندرہ روز کے بعد غازی شاہ نے تمام قماش اور اسباب اپنا دو حصہ کر کے ایک حصہ اپنے بیٹوں کو دیا اور دوسرا حصہ مہاجنوں کے سپرد کیا کہ اس کی قیمت پہنچا دیں۔ ماجن حسین چک کے پاس داد خواہ ہوئے۔ حسین چک نے غازی شاہ کو منع کیا اور غازی شاہ نے رنجیدہ ہو کر چاہا کہ اپنے فرزند کو جانشین رے۔ حسین چک یہ خبر سنتے ہی احمد خان پسر غازی شاہ اور ابدال خان اور بھی اعیان دولت کو طلب کر کے اپنی اطاعت کے بارہ میں ان ے عہد و پیمان لیا۔ غازی شاہ ترک سلطنت سے نہایت پشیمان ہوا۔ اپنے خاص آدمیوں اور مغلوں کو طلب کر کے جمعیت کی اور حسین ب بھی مقابلہ کو آمادہ ہوا۔ اہالی شہر اور قصبات نے درمیان میں آکر آتش فساد ساکن کی اور غازی شاہ نے شہر سے برآمد ہو کر رہن پور ی اقامت کی اور تین مہینے کے بعد پھر سری نگر میں آیا اور حسین چک نے استقلال تمام بہم پہنچا کر ولایت کشمیر آدمیوں کے درمیان میں یم کی؛ اور ۹۷۲ نو سو بہتر ہجری میں حسین چک نے اپنے بڑے بھائی سنکر چک کو راجوری اور نوشہرہ جاگیر دے کر رخصت کیا اور اس کے . یہ خبر پہنچی کی سنکر چک نے خروج کیا ہے۔ اس واسطے اس کی جاگیر محمد خان ماکری کے نام مقرر کی اور احمد خان اور فتح خان چک اور جہ مسعود اور مانک چک کو مع لشکر جرار اس کے تدارک کو تعینات فرمایا۔ انہوں نے جا کر فتح کی اور حسین چک ان کے استقبال کو گیا . باعزاز تمام انہیں سری نگر میں لایا اور چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ احمد خان اور محمد خان ماکری اور نصرت خان چک اس کے قتل کا دہ رکھتے ہیں۔ چاہا انہیں کسی ڈھب سے گرفتار کروں انہوں نے یہ خبر سنی تو بہ جمعیت تمام حسین چک کے پاس آیا کرتے تھے۔ جب ین چک نے دیکھا کہ یہ لوگ حقیقت حال سے واقف ہوگئے ہیں تو ملک لونڈنی لوند کو ان کے پاس بھیجا کہ انہیں ایک جا فراہم کر کے . و پیمان لے کہ کوئی شخص کسی سے عداوت نہ کرے۔ ملک لونڈنی ان کے پاس گیا اور مقدمات صلح میں مشغول ہوا اور سب احمد خان مکان پر گئے اور یہ تجویز کی کہ احمد خان جو چند روز سے حسین چک کے پاس نہیں گیا تھا اسے حسین چک کے مکان پر لے جائیں۔ احمد ، نے بعد مبالغہ اور اصرار کے قبول کیا اور نصرت خان چک اور ملک لونڈنی لوند کے ہمراہ حسین چک کے مکان پر گیا اور قاضی حبیب جو ن شہر سے تھا مع محمد ماکری اس مقام میں حاضر ہوا اور دیوان خانہ میں مجلس منعقد ہوئی اور جب رات ہوئی حسین چک نے کہا کہ ہم ؛ شب کو تنبورہ (فبتو بازی) نوازی کریں گے۔ جو یہاں قاضی متشرع ہے تم سب کوٹھے پر چل کر محفل سرور میں شریک ہو میں بھی پیچھے ہوں۔ جب یہ کوٹھے پر گئے آدمیوں کو بھیج کر انہیں قید کیا اور بعد اس کے علی خان اور خان زمان کو کہ اصلی نام ان کا فتح خان تھا مع کثیر سنکر چک کے مدافعہ کو جو راجوری کے قریب تھا بھیجا اور فتح خان عرف خان زمان نے مع لشکر ظفر پیکر جا کر اسے شکست دی اور ب ہو کر واپس آیا اور خان زمان نے اختیار تمام پیدا کیا اور امراء کو یہ حکم ہوا کہ تم ہر روز اس کے مکان پر جایا کرو اور ۹۷۳ نو سو تہتر

ہجری میں امرا نے غیبت خان زمان کی حسین چک سے کی تو اس نے لوگوں کو اس کے مکان پر جانے کی ممانعت کی اور خان زمان کشمیر سے نکل جانے کی فکر میں تھا کہ حسین ماکری نے آکر خان زمان سے یہ بات کہی کہ تو کیوں شہر سے نکلتا ہے حسین چک شکار کو گیا ہے اور مکان اس کا خالی ہے۔ اس کے مکان پر جا کر اس کے تمام اسباب اور خزانوں پر متصرف ہو' پھر ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ اس نے یہ بات پسند کی اور باتفاق فتح خان چک اور لوہر دانگری اور مثل ان کے حسین چک کے مکان پر جا کر دروازہ میں آگ لگائی اور چاہا کہ احمد خان اور محمد خان ماکری اور نصرت خان کو زندان سے برآوردہ کروں مسعود مانک وانگری جو جیل خانہ کا داروغہ تھا اس نے پانی دیوان خانہ کے صحن میں اس قدر چھڑکایا کہ دلدل ہوگئی اور دولت خان نام ایک شخص مردم چک سے ترکش باندھے کھڑا تھا۔ بہادر خان ولد خان زمان نے اس پر حملہ کر کے تلوار کا وار کیا لیکن ترکش پر پڑا وہ محفوظ رہا۔ پھر دولت خان نے ایک تیر ایسا اس کے گھوڑے کی آنکھ میں مارا کہ گھوڑا چراغ پا ہوا اور بہادر خان اس کی پشت سے زمین پر گرا مسعود مانک وانگری نے جاتے ہی اس کا سر خنجر سے کاٹا اور خان زمان جو باہر کھڑا تھا بھاگا اور مسعود مانک نے اس کا تعاقب کر کے گرفتار کیا اور حسین چک کے روبرو لے گیا اور حسین چک کے حکم کے موافق سے زین گڑھ میں لے جا کر ناک کان دست و پا کاٹ کر سولی پر چڑھایا اور حسین چک نے مسعود مانک وانگری کو فرزند ارجمند کہہ کر ساتھ خطاب مبارز خانی کے سرفراز فرمایا اور پرگنہ بالکل کو اس کی جاگیر مقرر کی اور ۹۷۴ نو سو چوہتر ہجری میں حسین چک نے احمد خان پسر غازی شاہ اور نصرت خان چک اور محمد خان ماکری کی آنکھوں میں میل کھچوائی۔ غازی شاہ یہ خبر سن کر نہایت محزون اور ملول ہوا اور اس کوفت میں بیمار ہو کر مر گیا اور حسین چک مدرسہ بنا کر وہاں کے علما اور صلحا کے ساتھ صحبت رکھتا تھا اور پرگنہ زین پور ان کی جاگیر مقرر کی اور ۹۷۵ نو سو پچھتر ہجری میں لوندی لوند نے یہ خبر حسین چک کے سمع مبارک میں پہنچائی کہ مسعود مانک وانگری المخاطب مبارز خان کہتا ہے جو حسین چک نے مجھے فرزند کہا ہے چاہیے کہ اپنے خزانہ سے مجھے بھی حصہ دے۔ یہ سنتے ہی حسین چک نہایت آزردہ ہوا۔ ایک دن مسعود مانک وانگری المخاطب بمبارز خان کے مکان پر گیا اور اصطبل میں گھوڑے افراط سے دیکھ کر اس کا دل اور بھی مبارز خان سے منحرف ہوا اور اسے یوں محبوس کیا اور تمام مہمات ملکی لوندی لوند کے متعلق ہوئیں اور عرصہ قلیل میں وہ بھی بسبب اس جرم کے کہ اس نے چالیس ہزار خردار دھان سرکار سے خیانت کیے تھے۔ قید ہوا اور علی کوکا بجائے اس کے منصوب ہوا اور ۹۷۶ نو سو چھتر ہجری میں قاضی حبیب جو حنفی مذہب تھا روز جمعہ کو مسجد جامع سے برآمد ہو کر دامن کوہ ماراں میں قبروں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ یوسف نامی کہ شیعہ مذہب تھا اس نے تلوار غلاف سے کھینچ کر قاضی کے سر پر رسید کی وہ مجروح ہوا۔ پھر دوسرا وار کیا قاضی نے سردست اپنا ہاتھ سپر کیا انگلیاں کٹ گئیں اور اختلاف مذہب کے سوا کوئی امرا اور تعصب کا درمیان میں نہ تھا۔ مولانا کمال کہ قاضی کا داماد تھا اور سیالکوٹ میں جا کر درس میں مشغول رہتا تھا۔ قاضی کے ہمراہ تھا یوسف قاضی کو زخمی کر کے بھاگا اور حسین چک نے باوصف اس کے کہ خود شیعہ مذہب تھا یہ خبر سن کر یوسف کی گرفتاری کو آدمی تعین کیے وہ اسے پکڑ لائے اور حسین چک نے فقہا یعنی دانشمندوں کو مثل ملا یوسف اور ملا فیروز اور مانند ان کے ایک جا کر کے فرمایا کہ جو کچھ اس کے بارہ میں شرع کے موافق ہو فتویٰ جاری کرو۔ عالموں نے جواب دیا کہ ایسے شخص کا قتل کرنا ازروئے سیاست جائز ہے قاضی جو زخمی ہوا تھا اس نے جواب دیا کہ میں زندہ ہوں۔ اس شخص کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ آخر اسے سنگسار کیا اتفاقاً ان دنوں میں ایک جماعت کہ ساتھ اس کے مذہب اور اعتقاد میں ایک تھی۔ مثل مرزا مقیم اور میر یعقوب پسر بابا علی برسم سفارت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی درگاہ سے آئے جب بھیرہ پور میں پہنچے حسین چک ان کے استقبال کو ایک خیمہ عالی استادہ کر کے مقیم ہوا جب سنا کہ ایلچی قریب آئے حسین چک برآمد ہوا اور ایلچیوں کو لا کر خیمہ میں اکیجا بٹھایا اور بعد اس کے ایلچی حسین چک کے فرزند کے ہمراہ کشتی میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوئے اور حسین چک خشکی کے راستہ سے کشمیر میں گیا اور حسین ماکری کا مکان ان کے نزول کے واسطے مقرر کیا اور بعد چند روز کے مرزا مقیم کہ وہ بھی ساتھ یوسف کے ہم مذہب تھا۔ اس نے حسین چک سے یہ

بات کہی کہ جو تم نے یوسف کو مفتیوں کے کہنے سے قتل کیا ان مفتیوں کو میرے پاس بھیجو۔ حسین نے مفتیوں کو ان کے پاس بھیجا۔ قاضی زین جو یوسف کا ہم مذہب تھا اس نے مفتیوں سے یہ تقریر کی کہ تم نے فتوے میں غلطی کی ہے۔ مفتیوں نے جواب دیا ہم نے فتوی علی الاطلاق اس کے قتل کے واسطے نہیں دیا تھا۔ ہم نے یہ کہا تھا کہ ایسے شخص کا قتل کرنا سیاست کے واسطے روا ہے۔ مرزا مقیم نے مفتیوں کو سر دربار برا بھلا کہہ کر فتح خان چک کے سپرد کیا اور انہیں بہت ایذا دی اور حسین چک کشتی میں بیٹھ کر کمراج کی سمت گیا اور فتح خان چک نے مرزا مقیم کے کہنے سے مفتیوں کو مقتول کر کے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور لاشیں ان کی کوچہ و بازار میں پھرائیں اور حسین چک نے اپنی دختر مع تحفہ و ہدایا ایلچیوں کے ہمراہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی خدمت میں بھیج کر اطاعت ظاہر کی۔

علی شاہ

۹۷۷ نو سو ستتر ہجری میں خبر پہنچی کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے مرزا مقیم کو مفتیوں کے خونہائے ناحق کے عوض میں قتل کیا اور حسین چک کی بیٹی واپس بھیجی اور حسین چک کو یہ خبر سنتے ہی اسہال دموی عارض ہوا یعنی خون کے دست آنے لگے۔ جب تین چار ماہ اسی حال میں گزرے اس وقت میں حسین چک نے محمد خان اور بھٹ یوسف فرزند علی خان چک سے یہ بات کہی کہ تو علی خان چک کے پاس جو سونپور میں ہے جا کر مقیم ہو جب بھٹ یوسف علی خان چک کے پاس گیا اور لوگ بھی باری باری بھاگ کر علی خان چک کے پاس حاضر ہوئے اور حسین چک نے جب یہ خوشخبری سنی آدمی بھیج کر علی خان چک کو یہ پیغام دیا کہ ہم سے کیا گناہ واقع ہوا بلکہ میرے فرزند کو بلا تعرض تیرے پاس بھیجا علی خان چک نے اس کے در جواب کہلا بھیجا کہ میری بھی کچھ تقصیر نہیں ہے۔ آدمی خود بخود بھاگ کر میرے پاس چلے آتے ہیں ہر چند انہیں سمجھاتا ہوں۔ فائدہ نہیں بخشا آخر علی خان چک سری نگر کی طرف متوجہ ہو کر سات کوس پر وارد ہوا۔ ملک لونڈی لوند بھاگ کر علی خان چک کی خدمت میں حاضر ہوا اور حسین چک نے شہر سے برآمد ہو کر جلہ حاجم میں جو شہر سے ایک کوس پر ہے مع لشکر نزول کیا اور احمد اور محمد ماکری کہ اس کے امراء کے سلک میں منتظم تھے۔ اسی رات کو علی خان چک کے پاس بھاگ آئے اور دولت چک کہ حسین چک کے مقربوں سے تھا۔ اس نے اس سے یہ بات کہی کہ جو تمام آدمی ہمارے پاس سے بھاگے جاتے ہیں بہتر یہ ہے کہ اسباب شاہی جس کے واسطے نزاع ہے علی خان چک کے پاس کہ تمہارا بھائی ہے غیر نہیں ہے۔ بھیج دو حسین چک نے چتر اور قسطاس اور تمام جلوس شاہی یوسف کے ہاتھ علی خان کے پاس بھیج کر یہ پیغام دیا کہ گناہ میرا یہ ہے کہ بیمار ہوں نہیں تو میں خود اس اسباب کے ہمراہ آتا۔ پھر علی خان چک حسین چک کے مکان پر عیادت کو آیا پھر دونوں بھائی بغلگیر ہو کر گریہ و زاری کرنے لگے پھر حسین چک نے شہر علی خان چک کے سپرد کر کے زین پور میں آ کر اقامت کی اور علی خان چک علی شاہ ملقب ہوا اور امر شاہی ساتھ اس کے رجوع ہوئے اور دو کہہ کہ وکیل حسین چک کا تھا معتمد علیہ وکیل السلطنہ ہوا اور حسین چک کا پیمانہ حیات آب بقا سے لبریز ہو کر دست قضا سے ٹوٹا اور علی شاہ نے اس کے جنازہ کے ہمراہ جا کر اسے حیران بازار کے قریب دفن کیا اور انہیں دنوں میں شاہ عارف درویش جو اپنے تئیں شاہ طہماسپ صفوی بادشاہ ایران کی اولاد سے شمار کرتا تھا اور شیعہ مذہب تھا بلباس فقرا اور ارباب تصوف لاہور سے حسین قلی خان ترکمان حاکم پنجاب کے پاس سے برآمد ہو کر کشمیر میں آیا والی کشمیر علی شاہ کہ شیعہ مذہب تھا۔ اس بزرگوار کے آنے سے نہایت محظوظ ہوا اور شرائط تعظیم و تکریم کے بعد اعتقاد اور ارادت کے اظہار کے واسطے اپنی دختر اس کے عقد ازدواج میں لایا اور اس کو مہدی آخر الزمان سمجھ کر معتقد ہوا اور علی چک اور نوروز چک اور ابراہیم چک یعنی غازی شاہ کے فرزندوں نے کہ تمام رافضی تھے اس سے اس قدر اعتقاد بہم پہنچایا کہ سجدہ کرتے تھے اور آخر کو اسے ہر امور کے لائق جان کر قرار دیا کہ اسے سریر شاہی پر بٹھا دیں۔

جب یہ خبر علی شاہ کے کان میں پہنچی اس سے نہایت رنجیدہ ہو کر ایذا رسانی کے درپے ہوا اور شاہ عارف کی کیمیا گری اور تسخیر جن

میں مشہور تھا اس مضمون کو دریافت کر کے یہ مشہور کیا کہ میں یہاں نہ رہوں گا۔ ایک دن میں بزور علم تسخیر لاہور کی طرف یا اور ولایت کی سمت جاؤں گا۔ اس کے بعد پوشیدہ ہوا تو لوگ اعتقاد کریں کہ غیبت کی ہے لیکن تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ دو اشرفی ملاحوں کو دے کر کشتی میں سوار ہو کر بارمولہ میں پہنچ کر پہاڑ پر برآمد ہوا۔ علی شاہ نے آدمی اس کی گرفتاری کو بھیجے اور وہاں سے طلب کر کے حوالات میں بند کیا اور جب دوبارہ بھاگا لوگ کوہ مہتر سلیمان سے پھر گرفتار کر لائے اس مرتبہ علی شاہ نے ہزار اشرفی اپنی دختر کے مہر کے عوض اس سے لے کر طلاق لی اور اس کے خواجہ سرا کو بھی جدا کر لیا اور چند روز قید کر کے تبت کی طرف رخصت کیا اور علی رائے والی تبت جو آل عبا کی محبت کا دم مارتا تھا عارف شاہ درویش کے استقبال کو روانہ ہوا اور اس کے قدم میمنت لزوم کو موہبت عظمیٰ تصور کر کے اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور عارف شاہ کو اپنے ملک میں متوطن کر کے بارادت تمام اپنی بیٹی کو جسے نہایت عزیز اور شریف جانتا تھا اس کے عقد نکاح میں دے دیا اور شاہ عارف چند روز وہاں رہے۔ اس کے بعد حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے حسب الطلب ارادہ سفر ہندوستان کر کے دارالخلافت آگرہ میں پہنچتے ہی دار بقا کی طرف کوچ کیا اور ۹۷۹ نو سو اناسی ہجری میں علی چک ولد نوروز چک علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ دو کہہ نے میری جاگیر میں آ کر خلل ڈالا ہے۔ اگر سرکار اسکا تدارک کر کے ممانعت نہ فرمائے گی میں اپنے گھوڑوں کے شکم پھاڑ ڈالوں گا۔ علی شاہ یہ معماسن کر سمجھا کہ مقصود اس کا میرے شکم پھاڑنے سے ہے۔ اس سبب سے آتش غضب اس کے دماغ میں شعلہ زن ہوئی اسے قید کر کے ولایت کمراج میں بھیجا اور وہاں سے بھاگ کر حسین قلی خان حاکم پنجاب کے پاس گیا اور جب ملاقات کے وقت حسین قلی خان تواضع متعارفہ بجا نہ لایا تو لاہور سے نکل کر پھر ولایت کشمیر میں آیا اور علی شاہ نے اسے پھر گرفتار کر کے مقید کیا اور بعد چند روز کے پھر قید خانہ سے بھاگا اور نوشہرہ میں داخل ہوا۔ علی شاہ نے لشکر اس کے سر پر بھیج کر پھر دستگیر کیا اور ۹۸۲ نو سو بیاسی ہجری میں علی شاہ نے کستوار پر جس کو کشتوار بھی کہتے ہیں لشکر کشی کی اور وہاں کے حاکم سے اپنے پوتے یعقوب کے لیے دختر لے کر معاودت فرمائی اور اندنوں میں ملا عشقی اور قاضی صدرالدین جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے دربار سے برسم رسالت آئے۔ علی شاہ نے اپنے بھتیجے کی بیٹی شہزادہ کامگار سلطان کی خدمت کے واسطے ملا عشقی اور قاضی صدرالدین کی مصاحبت سے مع تحفہ اور ہدایا بطور پیشکش ارسال کی اور خطبہ اور سکہ ولایت کشمیر کا محمد اکبر بادشاہ کے نام جاری کیا اور اس عرصہ میں یوسف فرزند علی شاہ نے محمد بھٹ کے اغوا سے ابرہیم خان ولد غازی خان کو بے اجازت باپ کے مقتول کیا اور باپ کے خوف سے محمد بھٹ کے ہمراہ بھاگ کر بارمولہ میں گیا اور علی شاہ اس کی اس حرکت خلاف وضع سے نہایت آزردہ اور اس کے تدارک کی فکر میں ہوا۔ لوگوں نے یوسف کی عفو تقصیر کی درخواست کر کے اسے طلب کیا اور محمد بھٹ کو جو اس فساد کا باعث تھا قید کیا اور ۹۸۲ نو سو بیاسی ہجری میں علی شاہ لشکر کستوار کہ اسے کشتوار بھی کہتے ہیں لے گیا اور اس مقام کے حاکم کی لڑکی اپنے پوتے یعقوب کے لیے لے کر صلح کی اور واپس شہر آیا اور ۹۸۳ نو سو تراسی ہجری میں علی شاہ جمال نگری کی سیر کے واسطے مع اہل و عیال روانہ ہوا اور حیدر خان نام پسر محمد شاہ اولاد شاہ زین العابدین سے جو گجرات میں رہتا تھا جس وقت کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے گجرات کو لیا اس کے ہمراہ رکاب ہندوستان کی طرف آیا اور وہاں سے نوشہرہ پہنچا اور اس کا چچیرا بھائی سلیم خان جو وہاں رہتا تھا مع جماعت اپنی اس سے ملحق ہوا علی شاہ نے ایک جماعت کثیر اور جم غفیر لوہر چک کے ہمراہ بھیجی اور محمد خان چک نے جو راجوری میں رہتا تھا لوہر چک کی سرداری سے حسد کر کے اسے قید کیا اور اس کے لشکر کو لے کر حیدر خان کے پاس نوشہرہ میں آیا اور یہ بات کہی کہ اسلام خان کو کہ مرد مردانہ ہے۔ میرے ہمراہ بھیجو تو جا کر ولایت کشمیر کو تمہارے واسطے فتح کروں۔ حیدر خاں اس کی بات سے غرہ ہوا اسلام خان کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ جب موضع پکھلم میں وارد ہوا صبح کے وقت محمد خان چک اسلام خان کو بہ عذر قتل کر کے سیدھا علی شاہ کے پاس گیا اور مورد الطاف ہوا اور علی ماکری اور داؤد گزار وغیرہ جنہوں نے حیدر خان کی دولت خواہی کا ارادہ کیا تھا محبوس ہوئے اور ۹۸۴ نو سو چوراسی ہجری میں کشمیر میں قحط عظیم پڑا۔ اکثر آدمی بھوک کی شدت

سے ہلاک ہوئے اور ۹۸۵ نو سو پچاسی ہجری میں علی شاہ نے مسجد پر برآمد ہو کر علماء اور صلحاء سے صحبت کی اور کتاب مشکوٰۃ شریف اس مجلس میں لا کر اس حدیث کے موافق جو فضائل توبہ میں وارد ہے توبہ کر کے غسل کیا اور نماز پنجگانہ اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوا اور بعد فراغ چوگان بازی کے واسطے سوار ہو کر میدان عید گاہ چوگان بازی میں مصروف ہوا ناگاہ حنہ زین کا اس زور سے اس کے شکم پر لگا کہ اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہوا۔

یوسف شاہ

جب علی شاہ فوت ہوا اس کا بھائی ابدال خان اپنے بھتیجے یوسف خان کے خوف سے اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوا۔ یوسف نے سید مبارک خان اور بابا خلیل کو ابدال خان چک کے پاس بھیج کر پیغام دیا کہ آ کر اپنے بھائی کو دفن کریں اور اگر مجھ کو یہ شاہی منظور فرما دیں فبہا والاتم حکومت کرو میں تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری میں حاضر رہوں گا۔ جب انہوں نے یہ پیغام یوسف کا ابدال چک کو پہنچایا اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے کہنے سے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر پکا خدمت کا کمر جان پر باندھتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی طور کی مضرت پہنچا دے گا اس کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔ سید مبارک خان جو ابدال خان چک سے عداوت رکھتا تھا بولا کہ میں یوسف کے پاس جا کر اس سے عہدو پیمان لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس کی مجلس سے برخاست کر کے یوسف شاہ کے پاس گیا اور نفسانیت سے یہ بات کہی کہ وہ میرے کہنے سے نہیں آتا تم پہلے اس کی تدبیر کر لو بعد اس کے علی شاہ کو دفن کرنا یوسف شاہ خود سوار ہو کر اس کے سر پر گیا اور ابدال خان چک اس سے مقابلہ کر کے مارا گیا اور سید مبارک خان کا فرزند جلا خان بھی اس معرکہ میں قتل ہوا۔ دوسرے دن علی شاہ شیعوں کے طریق میں دفن ہوا اور یوسف شاہ نے بجائے اس کے سریر حکومت پر جلوس کیا اور دو ماہ کے بعد سید مبارک خان اور علی خان چک نے بقصد فتنہ و فساد دریا سے عبور کیا اور یوسف شاہ باتفاق محمد ماکری روانہ ہوا اور محمد ماکری کہ ہراول اس کا تھا۔ سبقت کر کے مع ساٹھ مرد اہل نبرد مخالفوں کے مقابلہ میں گیا اور قتل ہوا اور یوسف شاہ امان خواہ عطف عنان کر کے ہیرہ پور میں آیا اور سید مبارک خان یہ خبر سن کر لشکر کو آراستہ کر کے بہ نیت جنگ برآمد ہوا اور یوسف شاہ نے بے تاب مقاومت نہ لا کر موضع پرتھال کے جنگل میں پناہ لی اور سید مبارک خان اس کا پیچھا کر کے جنگ میں مصروف ہوا اور یوسف شاہ بھاگ کر پہاڑوں پر جو اس اطراف میں واقع تھے در آیا اور سید مبارک خان مظفر اور منصور ہو کر کشمیر میں داخل ہوا اور علی خان چک پسر نوروز چک کو کسی تقریب سے بلا کر قید کیا اور گوہر چک اور حیدر چک اور ہستی چک اس کے خوف سے ہراساں ہو کر پہلی مرتبہ اس کے پاس حاضر نہ ہوئے اور آخر کو بابا خلیل اور سید برخورداران کے پاس جا کر عہدو پیان کی شرط بجا لائے اور جملہ چک سید مبارک خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نقد رخصت حاصل کر کے اپنے مکانوں پر گئے اور رستہ میں یہ تجویز کی کہ ہم یوسف شاہ کو طلب کر کے اپنا شاہ کریں۔

چنانچہ ایک قاصد جلد یوسف شاہ کے پاس بھیج کر یہ پیغام دیا کہ ہم اپنے عمل سے پشیمان ہوئے اب ہم نے تیری شاہی قبول کی۔ سید مبارک خان یہ خبر سن کر مضطرب ہوا اور اس نے یہ تجویز کی کہ میں بھی اپنے بیٹوں اور غلاموں کو لے کر یوسف شاہ کے پاس حاضر ہوں۔ یہ نیت کر کے علی خاں چک ولد نوروز چک کو جو قید میں تھا ہمراہ لے کر شہر سے برآمد ہوا اور دولت چک کہ اس کے امرا سے تھا۔ جب س کے پاس سے بھاگا اس نے مضطرب ہو کر علی خان چک کو قید سے رہا کیا اور خود جریدہ بابا خلیل کی خانقاہ میں داخل ہوا۔ حیدر چک نے علی خان چک سے پیغام کیا کہ یہ تمام کوشش اور جستجو تمہاری رہائی کے واسطے اور یوسف چک ولد علی خان چک نے اپنے باپ سے یہ بات کہی کہ حیدر چک غدر کے درپے ہے۔ علی خان نے اس کے کہنے پر عمل نہ کیا حیدر چک کے پاس جا کر اس کے ہمراہ ہوا۔ لوہر چک اور مشل اس کے سب ایک جگہ موجود تھے۔ جب علی خان چک کو دیکھا پکڑ کر قید کیا بعد اس کے سب نے یہ تجویز کی کہ لوہر چک کو شاہ بنا

دیں۔ اس مابین میں یوسف شاہ کالیور کی طرف پہنچا اور یہ خبر سنی کہ کشمیریوں نے لوہر چک کی شاہی قبول کی اور وہاں سے موضع ذالی میں آکر اپنے تمام آدمیوں کو ہمراہ لیا اور جموں کے راستے سے سید یوسف خان مشہدی کے پاس جو جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے امرائے کبار سے تھا۔ استمداد کے واسطے لاہور میں آیا اور باتفاق اس کے اور راجہ مان سنگھ کے فتح پور سیکری میں آکر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی ملازمت سے مشرف ہوا اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے جو ہمیشہ سے تسخیر کشمیر کی فکر میں تھا فرصت پاکر یوسف شاہ کی امداد کے بہانہ راجہ مان سنگھ اور سید یوسف خان مشہدی کو کشمیر کی طروف روانہ کیا اور وہ دونوں یوسف خان کے باتفاق ۹۸۷ نو سو ستاسی ہجری میں فتح پور سے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے لیکن اس وقت میں لوہر چک کشمیر کی حکومت پر متمکن ہوگیا تھا۔ یوسف شاہ نے اپنے فرزند یعقوب کو پیشتر بہ تعجیل تمام کشمیر کی سمت روانہ کیا تو وہاں جاکر لوگوں کو موافق کر کے لوہر چک کی شاہی میں خلل ڈالے اور جب یوسف شاہ اپنی ذات خاص سے سیالکوٹ میں پہنچا۔ سید یوسف خان مشہدی اور راجہ مان سنگھ کی کمک کا مقید نہ ہو کر راجوری کی طرف گیا اور اس مقام پر متصرف ہو کر منزل تھٹھہ میں پہنچا اور لوہر چک نے اس وقت یوسف کشمیری کو یوسف شاہ کے مقابلہ کو بھیجا۔ یوسف کشمیری مع فوج برآمد ہو کر یوسف شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یوسف شاہ قوی پشت ہو کر جھوپل کے راستہ سے کہ وہ نہایت دشوار گزار ہے بطریق تاخت قلعہ سون پور میں آیا۔ لوہر چک حیدر چک اور شمس چک اور ہستی چک کے باتفاق یوسف شاہ کے مقابل آکر آب بھٹ کے کنارہ وارد ہوا اور چند روز کے بعد جنگ شدید وقوع میں آئی اور یوسف شاہ فتح یاب ہوا اور بعد فتح کے سری نگر کی طرف متوجہ ہو کر کشمیر میں داخل ہوا اور لوہر چک نے قاضی موسیٰ اور محمد سعادت بھٹ کے ذریعہ آکر یوسف شاہ سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات تو اچھی گزری آخر کو قید ہوا اور باغیوں سے بھی ایک جماعت کثیر مقید ہوئی۔ جب یوسف شاہ مہمات شاہی سے مطمئن ہوا ولایت کشمیر تقسیم کی یعنی شمس چک ولد دولت چک اور یعقوب اپنے فرزند اور یوسف کشمیر کو جاگریں خوب دیں اور باقی خالصہ کے واسطے مقرر کیا اور بعض امرا کے کہنے سننے سے لوہر چک کی آنکھوں میں نیل کھینچی اور ۹۸۸ نو سو اٹھاسی ہجری میں یوسف شاہ نے شمس چک اور علی شیر چک اور محمد سعادت بھٹ کو ساتھ اس گمان کے کہ یہ لوگ باغی ہیں مجلس میں قید کیا اور حبیب خان چک خوف سے موضع کمیتر کی طرف چلا گیا اور یوسف چک ولد علی خان چک جو یوسف شاہ کی قید میں تھا مع چاروں بھائیوں کے زندان سے برآمد ہو کر حبیب خان چک کے پاس موضع مذکور میں جاکر ملحق ہوئے اور وہاں سے تبت کے راجہ کے پاس کہ جس کا نام رو علی تھا جاکر اس سے کمک لی اور یوسف شاہ کے مقابلہ کو حدود کشمیر میں پہنچے اور بسبب اختلاف کے کہ درمیان ان کے واقع ہوا کچھ نہ بن پڑا۔ ایک دوسرے سے جدا ہوا اور سپاہی یوسف شاہی یوسف ولد علی خان چک اور محمد خان کو پکڑ لائے اور ان کے کان اور ناک کاٹے اور حبیب خان چک شہر میں پوشیدہ ہوا اور ۹۸۹ نو سو نواسی ہجری میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے کابل سے مراجعت فرما کر جلال آباد میں نزول اجلال اور حلول اقبال فرمایا اور مرزا طاہر خویش مرزا سید خان شہیدی (مشہدی) اور محمد صالح عاقل کو برسم ایلچی گری کشمیر میں بھیجا اور جب یہ بارہ مولہ میں پہنچے یوسف شاہ استقبال کے واسطے روانہ ہوا اور فرمان کو بوسہ دے کر سر پر رکھ کر تسلیمات بجالایا اور ایلچیوں کو اپنے ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوا اور اپنے فرزند حیدر خان اور شیخ یعقوب کشمیری کو باتحف و ہدیہ بسیار محمد اکبر بادشاہ کی ملازمت میں روانہ کیا۔

حیدر خان ایک سال بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس کے بعد باتفاق شیخ یعقوب کشمیری کے نقد رخصت کشمیر حاصل کی اور ۹۸۹ نو سو نواسی ہجری میں یوسف شاہ لار کی سیر کو راہی ہوا اور شمس چک مع زنجیر قید خانہ سے بھاگ کر کہتوار میں گیا اور وہاں حیدر چک سے پیوستہ ہوا۔ یوسف شاہ نے یہ خبر سنتے ہی ان پر چڑھائی کی وہ متفرق ہو کر بھاگے اور یوسف شاہ نے مظفر اور منصور ہو کر سری نگر کی طرف معاودت کی اور ۹۹۰ نو سو نوے ہجری میں حیدر چک اور شمس چک کہتوار سے بقصد جنگ کشمیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یوسف شاہ ان کے مقابلہ کے واسطے برآمد ہوا اور اپنے بیٹے یعقوب کو ہراول کیا اور بعد جنگ فتحیاب ہو کر سری نگر میں معراجعت کی اور رائے کہتوار کے

وسیلہ سے شمس چک کی خطا معاف کر کے اس کے واسطے جاگیر مقرر کی۔ حیدر چک وہاں سے برآمد ہو کر راجہ مان سنگھ کے پاس گیا اور ۹۹۲ نو سو بانوے ہجری میں یعقوب ولد یوسف شاہ اظہار اطاعت اور اخلاص کے واسطے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی شرف آستان بوسی سے مشرف ہوا اور جب آنحضرت فتح پور سے لاہور میں پہنچے۔ یعقوب نے اپنے باپ یوسف شاہ کو لکھا کہ بادشاہ کا قصد کشمیر میں آنے کا ہے۔ یوسف شاہ نے استقبال کی تیاری کی لیکن انہیں دنوں میں یہ خبر پہنچی کہ حکیم علی گیلانی برسم رسالت بادشاہ سے رخصت لے کر ٹھٹھہ میں پہنچا ہے۔ یوسف شاہ ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا اور خلعت شاہی زیب بدن کر کے ارادہ مصمم کیا کہ درگاہ کی طرف متوجہ ہو کر بادشاہ کو دیکھوں اس درمیان میں بابا خلیل اور بابامہدی اور شمس دولی نے متفق ہو کر یوسف شاہ سے یہ بات کہی کہ اگر اکبر بادشاہ کے پاس جاؤ گے ہم تجھے قتل کر کے تیرے فرزند یعقوب کو جو اسی عرصہ میں لاہور سے کشمیر میں آیا ہے سریر شاہی پر متمکن کریں گے۔ اس نے اس خوف سے اپنی عزیمت کو تعویق میں ڈال کر بادشاہ کے ایلچیوں کو رخصت کیا۔ لیکن جو محمد اکبر بادشاہ کشمیر کی تسخیر میں بند تھا۔ اس امر کا بہانہ کر کے شاہرخ مرزا اور شاہ قلی خان اور راجہ بھگوانداس کو کشمیر کی تسخیر پر مقرر فرمایا اور یوسف شاہ نے کشمیر سے برآمد ہو کر بارہ مولہ میں لشکر گاہ کیا اور جب خبر پہنچی کہ عساکر منصورہ پھولباس سرحد کشمیر تک آگئے ہیں سدراہ ہو کر اس کی آمد کا راستہ بند کیا اور اس کے چند عرصہ کے بعد جب موسم برف ریزی اور سرما کا پہنچا راہ مسدود ہوئی پیغام صلح درمیان میں آیا یوسف شاہ نے اپنے فرزند کو بجائے اپنے نصب کر کے اور عہدوپیمان لے کر راجہ بھگوانداس سے ملاقات کی اور خراج سالانہ معین اور قبول کر کے صلح کی اور امرائے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ اسے ہمراہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں لے گئے۔ لیکن بادشاہ کو صلح پسند نہ آئی۔ محمد قاسم میر بحر کو مع امرا ۹۹۵ ہجری میں بہ تہیہ جنگ رخصت فرمایا اور یعقوب شاہ کہ تخت کشمیر پر جلوہ گر تھا راستوں کو مسدود کر کے شاہی دہلی کی فوج کے مقابل فروکش ہوا۔ سردار کشمیر کے جو فساد پر آمادہ ہو کر شاہ کشمیر کی اطاعت سے منحرف تھے۔ اس وقت میں یعقوب شاہ سے رنجیدہ ہو کر محمد قاسم خان کے شریک ہوئے اور بعضوں نے شہر سری نگر میں نشان مخالفت کا بلند کیا۔

یعقوب شاہ گھر کی آتش فساد کی تسکین واجب و لازم جان کر لشکر گاہ سے پلٹ آیا اور فوج اکبر شاہی میدان صاف دیکھ کر کشمیر میں داخل ہوئی۔ یعقوب شاہ پہاڑوں پر بھاگ گیا اور محمد قاسم خان میر بحر شہر سری نگر پر متصرف ہوا اور کشمیر کے پرگنوں پر عامل مقرر کیے اور یعقوب شاہ چند عرصہ کے بعد جمعیت بہم پہنچا کر محمد قاسم خان میر بحر سے ہم مصاف ہوا اور باوجود اسکے کہ مغل بہت مارے گئے اس پر بھی یعقوب شاہ شکست پا کر منہزم ہوا اور پھر تھوڑے دنوں کے بعد جمعیت کر کے سری نگر کی طرف متوجہ ہوا اور محمد قاسم خان میر بحر اس مرتبہ طاقت مقابلہ کی نہ لا کر قلعہ ارک میں قلعہ بند ہوا اور عرضداشت لکھ کر شاہ دہلی سے مدد طلب کی۔ بادشاہ نے سید یوسف خان مشہدی کو حاکم کشمیر کر کے محمد قاسم خان میر بحر کو حضور میں طلب کیا اور سید یوسف خان مشہدی جب کشمیر میں پہنچا تو یعقوب شاہ محمد قاسم خان کے محاصرہ سے دست کش ہو کر پہاڑوں میں در آیا اور یوسف خان مشہدی نے دو برس اس کا پیچھا کیا اور جس طور سے ممکن ہوا اسے دلاسا دے کر بادشاہ کی ملازمت میں بھیجا۔ الغرض یوسف شاہ اور یعقوب شاہ دونوں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے سلک امرا میں منتظم ہوئے اور ولایت بہار جاگیر پائی۔ اس تاریخ سے کشمیر کی بادشاہی شاہان دہلی کے قبضہ اقتدار میں آئی اور قبل اس سے مدت ہزار سال تک خطہ کشمیر کسی ہند کے بادشاہ نے مسخر و مفتوح نہ کیا تھا۔

احوال حکام ملی بار میں کہ بہ صفت اسلام متصف ہوئے اور اس ملک میں اسلام ظاہر ہونے کی عجیب کیفیت

واقفان احوال پر واضح و لائح ہو کہ واقعات ملوک ملی بار کسی تواریخ سے میری نظر میں نہیں گزرے۔ اس وسطے مولف کتاب محمد قاسم فرشتہ کوائف مندرجہ رسالہ تحفہ المجاہدین پر اکتفا کر کے گزارش پرداز ہے کہ ملی بار ایک مملکت ممالک ہندوستان سے دکن کی طرف واقع ہے اور بسبب قرب جوار پیش از واقعہ قتل رام راج ہمیشہ ملی بار کے والی حکام بیجانگر اور کرناٹک کے مطیع اور فرمان بردار ہو کر تحف و نفائس بھیج کر اپنی مملکت کی حفاظت کرتے تھے اور ظہور اسلام سے پیشتر اور بعد ظہور اسلام یہود اور نصاریٰ کے گروہ برسم تجارت دریا کے راستہ سے اس ملک میں آمد و شد کرتے تھے اور آخر کو ملی باریوں اور ان کے درمیان میں منافع دنیوی کے سبب الفت بہم پہنچی اور بعض سوداگران یہود و نصاریٰ نے ولایت ملی بار کے شہروں میں سکونت اختیار کر کے کوٹھیاں اور دکانیں تیار کیں اور یہ آئیں طلوع آفتاب جہانتاب ملت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مروج رہا۔ جب تاریخ ہجری دو سو سال سے متجاوز ہوئی ایک جماعت اہل اسلام عرب و عجم کے لباس فقر و درویشی میں بنادر عرب سے کشتی پر سوار ہو کر حضرت بابا آدم کے قدمگاہ کی زیارت کی عزیمت سے سراندیپ کی طرف کہ جس کو لنکا کہتے ہیں متوجہ ہوئی اور حسب اتفاق وہ کشتی ہوائے مخالف سے ملی بار کی طرف جا پڑی۔ اہل کشتی شہر گدنکلور میں وارد ہوئے اور وہاں کا حاکم مسمی سامری تھا اور وہ زیور عقل و دانش سے آراستہ اور اخلاق ستودہ سے پیراستہ تھا۔ ان کی صحبت سے مشرف ہوا اور ادھر ادھر کا تذکرہ کر کے ان کے مذہب اور ملت سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اہل اسلام اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ سامری نے جواب دیا جن نے گروہ یہود و نصاریٰ اور ہنود سے جو تمہارے دین کے مخالف اور جہاں کے سیاح ہیں ان کی زبانی سنا ہے کہ یہ دین بلاد عرب و عجم و ترک میں مروج ہے۔ لیکن مجھے مسلمانوں کی صحبت میسر نہ ہوئی۔ اب امیدوار ہوں کہ آپ سید الانبیا کے کچھ حالات صدق آیات اور معجزات باہرات بیان فرمائیں ایک ان فقرا میں سے جو علم و صلاح کی صفت سے موصوف تھا۔ اس نے آغاز کلام کر کے اس قدر حالات اور معجزات آنحضرت کے بیان فرمائے کہ سامری کے دل میں حضرت رسالت پناہ کی محبت جوش زن ہوئی اور جب اسنے معجزہ شق القمر کا سنا بولا اے قوم یہ معجزہ بہت قوی ہے۔ اگر حق اور صدق ہے اور سحر نہ تھا تو جمیع بلاد قریب و بعید کے آدمیوں نے یہ معجزہ مشاہدہ کیا ہوگا اور ہمارے ملک کا یہ دستور ہے کہ جس وقت کوئی قضیہ بزرگ واقع ہوتا ہے۔ ارباب قلم اسے دفتروں میں قلم بند کرتے ہیں اور ہمارے باپ اور دادا کا دفتر موجود ہے۔ اسے دیکھ کر تمہارے زر صدق کو محک امتحان پر جانچتا ہوں۔ پھر اہل دفتر کو بلا کر فرمایا کہ تم اس زمانہ کا (یعنی یہ معجزہ جس زمانہ میں واقع ہوا تھا) کھول کر شق القمر کا حال دیکھو جب وہ دیکھا گیا۔ اس مقام میں لکھا تھا کہ فلاں تاریخ میں دیکھا گیا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر پیوستہ ہوا یہ سنتے ہی حقیقت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی سامری پر ظاہر ہوئی اور نور ایمان اس کے چہرے پر چمکا اور صدق دل سے کلمہ طیبہ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان پر جاری کیا اور باعتقاد تمام مسلمان ہوا جو اپنے قوم کے رئیسوں سے ڈرتا تھا۔ اس کو مخفی رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کے اظہار سے ممانعت کی اور مسلمانوں سے بانعام و احسان فراوان پیش آیا اور ان سے التماس کی کہ آپ حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام کے قدمگاہ کی زیارت کر کے پھر اس طرف رونق افروز ہو جائیے گا۔

فقراء باصفا رخصت ہو کر سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اور عرصہ قلیل میں اس کی التماس کے موافق بلدہ گدنکلور میں معاودت کی

اور سامری ان کی تشریف آوری سے نہایت محظوظ اور مسرور ہوا اور لوازم تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور لازم سفر مکہ و مدینہ ہوا۔ لیکن جو علانیہ حج کا مرتکب نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس مقدمہ میں یہ تدبیر اندیشہ کی یعنی مسلمانوں کو زر و مال فراوان دے کر یہ حکم دیا کہ تم پہلے اپنے جہاز کے استحکام میں کوشش کرو اور بعدہ آب و طعام اور مااحتیاج ضروری کثرت سے اس پر بار کر کے جمیع لوازم سفر دریا خوب ترین وجہ سے اہتمام کرو۔ جب یہ سامان درست ہوچکا اس وقت ارکان دولت اور سرداران قبیلہ کو اپنے پاس بلا کر یہ بات کہی کہ مجھے عبادت الٰہی کا شوق غالب ہوا ہے چاہتا ہوں کہ خلائق کی صحبت سے چند روز خلوت میں بیٹھ کر اپنے خالق کی یاد میں بسر کروں اور ان دنوں میں تم میری ملاقات سے متعذر رہو گے اور ایک دستورالعمل اپنے خط خاص سے لکھ کر تمہیں سپرد کرتا ہوں تم جمیع مہمات شاہی کو موافق اس کے انجام دینا میرے پاس عرض مکرر کے محتاج نہ رہنا القصہ بعد گفتگوئے دراز سبھوں نے عہدوپیان کر کے یہ اقرار کیا کہ ہم آپ کے فرمان سے تجاوز نہ کریں گے۔ پھر سامری نے بخط ملی باری ایک دستورالعمل لکھ کر جمیع ممالک ملی بار کے امرا اور معتمدین پر تقسیم کیے اور یہ فرمایا کہ اس دستورالعمل پر "بطناً" بعد بطن کاربند ہونا اور ایک دوسرے کی ولایت کی طمع نہ کرنا اور اگر حکام کے درمیان میں کسی طرح کی خصومت بہم پہنچے انتقام کے واسطے ایک دوسرے کی ولایت پر تاخت نہ کرنا اور لشکر اور اعوان کی خونریزی نہ ہو اور ولایت میں تصرف بیجا نہ کرنا اور شاہ کے قتل کرنے بلکہ مقتول ہونے سے پرحذر رہنا اور اگر احیاناً کسی معرکہ میں شاہ قتل ہوئے اور اس کا لشکر ہجوم کرے اس دشمن کو مع جمیع افواج قتل کرو اور جب تک اس کی سلطنت کو خراب اور برباد نہ کر چکو آرام نہ لو۔ غرض کہ ہنگام تحریر اس کتاب سے اس تاریخ تک کہ ۱۰۱۵ ایک ہزار پندرہ ہجری میں ملی باری بادشاہ کے مقتول ہونے سے بہت ڈرتے ہیں اور باوجود قدرت کے مملکت غنیم پر متصرف نہیں ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ مخصوص اس ملک کا ہے اور منقول ہے کہ جب سامری نے تمام مملکت تقسیم کی ایک امیر کہ غائب تھا حاضر ہوا سامری نے متفکر ہو کر اپنی تلوار اسے عنایت کی اور یہ فرمایا کہ اس شمشیر کے زور سے جس قدر ولایت خارج ملی بار کو تو فتح کرے اس کا تو مالک و مختار ہے اور تیری اولاد بھی اسی پر اکتفا کرے اور بعد میرے تیرا اور تیری اولاد کا سامری نام رکھیں۔ غرض سامری نے بعد فراغ وصیت لوگوں سے یہ بات کہی کہ میں فلاں مقام میں عبادت کے واسطے قیام کرتا ہوں۔ لازم کہ ایک ہفتہ تک کوئی شخص میرے پاس آمدوشد نہ کرے اور رات کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ کہ سرگروہ ان کا مالک بن حبیب تھا جہاز پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوا اور کفار ملی بار ایک ہفتہ کے بعد خانہ معہود میں آئے۔ جب سامری کو نہ دیکھا سب متفق اللفظ والمعنی ہو کر بولے کہ سامری نے آسمان پر عروج کیا ہے اور پھر نزول کرے گا اس سبب سے کفار ملی بار ایک شب کو جس رات وہ غائب ہوا تھا۔ سامری کے موضع غیبت میں جشن کرتے ہیں اور ایک ظرف میں پانی اور ایک جوڑی کھڑاؤں کی وہاں رکھتے ہیں کہ اگر سامری آسمان سے اترے اس کے واسطے پانی اور کھڑاؤں کی جوڑی حاضر رہے اور سامری باثنائے عبور جب بندر قندریہ میں پہنچا ایک شبانہ روز وہاں قیام کیا اس کے بعد بھی مسافت کر کے بندر شجر میں پہنچا ناگاہ مرض الموت میں مبتلا ہو کر صاحب فراش ہوا اس صورت میں مالک بن حبیب اور تمام رفقائے جہاز کو حاضر کر کے فرمایا کہ تمام خواہش اور ارادہ ہمارا یہ ہے کہ دین نبوی ملی باری میں رونق اور رواج پیدا کرے۔ شرط رفاقت اور مروت اس امر کی مقتضی ہے کہ حمیت اسلام منظور اور ملحوظ رکھ کر سفر دریا کی مشقت اپنے اوپر گوارا کرو تم اور باقی مسلمان برسم تجارت عبور کر کے اس ملک میں جاؤ اور کسی تدبر سے اس حدود میں مکان رہنے کو تیار کرو اس کے بعد باآہستگی تمام وہاں کے باشندے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر راغب ہو کر سرحلقہ اسلام میں لائیں گے انہوں نے سامری کو دعائے خیر دے کر یہ بات کہی کہ ہم تیرے بغیر اس ملک میں نہ جاسکیں گے کس واسطے کہ کفار ملی بار اور یہود و نصاریٰ ہمارے دین کے دشمن ہیں اور نہایت عداوت رکھتے ہیں۔ کسی طور ہمارے آنے کے روادار نہ ہوں گے کہ ہم اس ولایت میں قدم رکھیں تو وطن اختیار کرنا امر دشوار ہے۔ سامری نے سر گریبان تفکر میں جھکایا پھر ایک فرمان اپنے ہاتھ سے امراء اور اقربا کے نام اس مضمون کا لکھا کہ یہ نوشتہ ہے سامری کی طرف سے کہ جس

نے معبود انس و جان اور خالق زمین و آسمان کے حکم سے تمہاری جدائی اختیار کی ہے لیکن عنقریب تمہیں میری ملاقات خوب ترین وجہ سے روزی ہوگی چاہیے کہ تم ہمیشہ مجھے حاضر جان کر دستورالعمل سے تجاوز جائز نہ رکھو اور دونوں جہان کی بہتری اور خوبی اسی پر منحصر جانو اور اس وقت میں سالک طریق سداد مالک بن حبیب اور ایک گروہ خدا پرستوں سے فلاں فلاں آدمی کہ سلیم النفس اور نیک اندیش اور نیک اعتقاد ہیں اور ان سے شرارت اور بد نفسی متصور نہیں ہے۔ برسم سیرو تجارت اس حدود میں متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے حالات میں نے بخوبی دریافت کر کے ان کی سفارش واجب جان کر تحریر کی لازم کہ تم لوگ اس گروہ حق پژوہ کے قدوم خیرلزوم کو نعمت عظمیٰ شمار کر کے بہ تعظیم و تکریم پیش آؤ اور شرائط مہمانداری بجالا کر جمیع امور میں ان کی اعانت اور امداد کہ سعادت دارین اسی میں ہے۔ مد نظر رکھو اور ان کو اور گروہ سے جو اس میں کاروبار کرتے ہیں ممتاز جانو اور اچھے سلوک میں اس درجہ مبالغہ کرو کہ ان لوگوں کو یہاں کی آمد و شد میں رغبت تمام ہو بلکہ ان لوگوں سے اچھے سلوک سے پیش آؤ کہ سب کو اس طرف رہنے کی ہوس ہو اور مکانات اور باغات اور مساجد وہاں تعمیر کریں اور خبردار کوئی مردم بومی یا کوئی مسافر کہ مراد یہود و نصاریٰ سے ہے۔ ان کا معترض نہ ہو۔ سامری نے یہ فرمان مسلمانوں کے سپرد کر کے فرمایا کہ میرے مرنے اور جہاز کے سوار ہونے کی خبر تمام آدمیوں سے پوشیدہ رکھنا اور فرمان حاکم کدنکلور کے پاس لے جانا کہ وہ تمہارے حسب دلخواہ سلوک کرے گا۔ پھر سامری نے اپنے سازوسامان جو کچھ اس کے پاس تھا۔ مسلمانوں پر تقسیم کیا اور اسی دن جوار رحمت حق میں واصل ہو کر بندر شجر میں مدفون ہوا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سامری نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے ملک میں چاند کا دو ٹکڑے ہونا مشاہدہ کیا تھا اور اس امر کی تحقیق کے واسطے آدمی معتمد اطراف و اکناف میں بھیجے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ نے دعویٰ نبوت کر کے شق القمر کو جملہ معجزات سے کیا ہے۔ اس واسطے سامری جہاز پر سوار ہو کر حجاز کی طرف گیا اور آنحضرت نبوی کی ملازمت سے مشرف ہو کر مسلمان ہوا اور خانہ کعبہ کی زیارت سے بھی خدا نے اسے مشرف فرمایا اور آنحضرت سے رخصت معاودت وطن حاصل کر کے جب مع ایک جماعت اہل اسلام شہر ظفار میں پہنچا مرض مہلک میں گرفتار ہو کر فوت ہوا اور اب بھی قبر اس کی اس شہر میں ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے اور جویائے برکت ہوتے ہیں۔

بہر تقدیر ایک جماعت مسلمانوں نے کہ اس کے ہمراہ تھی جیسے شرف بن مالک اور اس کا مادری بھائی اور مالک بن دینار اور اس کا بھتیجا مالک بن حبیب بن دینار اس کی وصیت کے بموجب جیسا مذکور ہوا ملی بار کی طرف جا کر نوشتہ سامری کا حاکم کدنکلور کے پاس پہنچایا جب اس نے خط سامری کا پہچانا محظوظ ہوا اور پوچھا سامری کہاں ہے اور کس واسطے تمہارے ہمراہ یہاں سے گیا وہ بولے کہ سامری نے ہمارے ساتھ سفر نہیں کیا ہے اور ہم اس ماجرے سے واقف نہیں۔ جس وقت کہ ہم دریائے شجر کے جہاز پر سوار ہوتے تھے اسے دیکھا تھا اور جب ہم نے اس سے ترک وطن کا سبب پوچھا اس نے ہمیں کچھ جواب نہ دیا اور جب اس نے جانا کہ ہم سفر ملی بار کا ارادہ رکھتے ہیں یہ چند کلمہ ہمیں لکھ دیے کہ تم حاکم کدنکلور کو پہنچانا۔ ہم بلا توقف اس طرف روانہ ہوئے پھر ہمیں خبر نہیں کہ وہ کہاں گیا جو ملی باریوں کا عقیدہ تھا کہ سامری زندہ ہے اور آسمان پر عروج کیا ہے سمجھے کہ وہ کسی مہم کے واسطے آسمان سے بندر شجر میں نازل ہوا اور یہ نوشتہ اس جماعت کے ہاتھ ہمارے پاس بھیج کر پھر آسمان پر صعود کر گیا جب یہ فرمان ان کے ہاتھ آیا تو بلدہ کدنکلور اور تمام شہر ملی بار میں لوگوں نے خوشی کی رسمیں ظہور میں پہنچائیں اور حاکم کدنکلور نے مہمانوں کو مکان عالی شان میں اتارا اور اپنے ملک کے آئین کے موافق مراسم ضیافت اور قواعد تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ بیت کرم و زید و مہمان رانکو داشت۔ چنین دارند مہمان زاکہ اوداشت۔ اور بعد فراغ لوازم ضیافت اس جماعت کے مقاصد اور مطالب پوچھ کر تمام ملی بار کے باشندوں اور حکام کو نامے لکھے کہ مالک بن حبیب اور اس کے رفقا کو اس ملک کی فضا اور ہوا خوش آئی اس لیے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو عطر بیز اور عنبر آمیز کیا ہے جس شہر اور قصبہ اور موضع میں کہ نزول فرمادیں اور رغبت توطن یعنی رہنے کی رکھتے ہوں۔ مقام خوب اور مرغوب مساجد اور منازل اور باغات کے

واسطے سامری کے فرمان کے موافق ان کے تفویض کرو اور ان کی خدمات شائستہ سے اپنے تئیں معاف نہ رکھ کر سامری کے لطف عمیم کے منتظر اور متوقع رہو۔ خلاصہ یہ کہ مالک نے مع اپنے ہمراہیوں کے پہلے شہر کدنکلور میں مسجد بنا کر مکانوں اور باغوں کی بنا ڈال کر بعضوں کو وہاں فروکش کیا۔ اس کے بعد مالک اپنے اہل و عیال کو لے کر ولایت ملی بار کی سیر کو گیا اور کولم میں کہ نام ایک شہر یا موضع کا ہے جا کر مسجد اور باغ اور مکان تعمیر کر کے اپنے اہل و عیال کو اس مقام میں نگاہ رکھا اس کے بعد پہلے ماراویے (شہر کا نام) کی سمت گیا۔ وہاں بھی مسجد تعمیر کر کے اور مواضع مثل حرفین اور درفین اور کدریہ اور حالیات (نام شہر) اور فاکنور اور منکلور اور کانجر کوٹ کی طرف روانہ ہوا اور ہر ایک بلاد میں مسجدیں تعمیر کر کے مسلمانوں کو ان مواضع میں آباد کیا اور نماز اور روزہ اور اذان نماز کی وصیت کی اور جو کہ مسلمان ملی بار کے اکثر شافعی مذہب ہیں۔ قیاساً۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامری اور مالک بن حبیب اور جو صاحب کے ان کے ہمراہ آئے تھے شافعی مذہب تھے واللہ اعلم بالصواب۔ (قولہ شافعی مذہب تھے اس تقدیر کے موافق شاید روایت بقول صحیح ہوگی یعنی دوسری صدی ہجری میں یہ واقعہ ظاہر ہوا ہے کیونکہ شق القمر کا معجزہ تو مکہ میں ہجرت سے پہلے واقع ہوا تھا اور اس وقت پنج گانہ نماز بھی اس طرح نہ تھی اور فقہاء کے اجتہادات کہاں تھے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سامری یہاں سے ہجرت کر کے مکہ ہوتا ہوا مدینہ میں گیا ہو اور چند مدت کے بعد وہاں سے روانہ ہوا ہو کیونکہ نماز تو حنیفہ و شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ سب طریقہ سے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک صحیح ہے لیکن روایت قول قوی ہے واللہ اعلم۔ امیر علی) اس کے بعد رفتہ رفتہ اس ملک میں مسلمانوں کی آمد و شد سے مسلمانوں کی نہایت کثرت ہوئی اور بہ بادشاہ ملی بار کے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے راجہ بندر کو وہ اور والل اور جیول وغیرہ نے بطریق حکام ملی بار ان مسلمانوں کو جو عرب سے آئے تھے۔ سواحل دریا پر رہنے کو جگہ دی اور انہیں ساتھ نوابت یعنی خداوند کے مخاطب کیا اس سبب سے یہود اور نصاریٰ کے ... میں حسد کی آگ روشن ہوئی۔ مسلمانوں کی عداوت پر کمر باندھی لیکن جب ممالک دکن اور گجرات کو دہلی کے بادشاہوں نے فتح کر کے ... نگیں کیا۔ اسلام نے دکن کی طرف قوت پکڑی۔ پھر مخالف سکوت اختیار کر کے دشمنی ظاہر نہ کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ۹۰۰ نو سو ہجری ہوئی شاہان دکن کی سلطنت میں ضعف اور خلل ظاہر ہوا اس وقت میں فرنگی شاہ پرتگال کی طرف سے بحر ہند کے سواحل پر قلعوں کی تیاری کے واسطے مامور ہوئے اور ۹۰۴ نو سو چار ہجری میں چار جہاز نصاریٰ کے پرتگال سے بندر قندریہ کی طرف روانہ ہوئے اور کالیکوٹ میں آئے اور اس ملک کی تمام حقیقت دریافت کر کے اپنے ملک کی سمت مراجعت کی اور دوسرے سال پرتگال سے چھ جہاز کالیکوٹ میں آئے اور اس مرتبہ فرنگیوں نے ملی باریوں سے یہ بات کہی کہ مسلمانوں کو عرب کے سفر سے روکو کہ ہماری ذات سے تمہیں نفع ان سے زیادہ تر ہوگا اور باوجود اس کے سامری نے یہ امر قبول نہ کیا۔

نصاریٰ مسلمانوں پر داد و ستد کے معاملات میں سختی کرتے تھے اور سامری یہ خبر سن کر طیش میں آیا اور نصاریٰ کے قتل کا حکم عام نافذ فرمایا۔ اس صورت میں ملی باریوں نے مال و اسباب ان کا خوب لوٹا اور ستر فرنگی نامی اور معتبر قتل کیے اور بقیہ السیف جو تاجر اور ان کے ملازم تھے جہاز پر سوار ہو کر کوچی کی طرف راہی ہوئے۔ وہاں کا حاکم جو سامری سے عداوت اور منازعت رکھتا تھا انہیں اپنے شہر میں پناہ دے کر یہ اجازت دی کہ تم بلدہ کوچی کے قریب اپنے رہنے کے واسطے ایک قلعہ بناؤ۔ فرنگی یہ امر خدا سے چاہتے تھے عرصہ قلیل میں ایک قلعہ مختصر تیار کیا اور ایک مسجد کہ دریا کے ساحل پر واقع تھی اسے مسمار کر کے گرجا تیار کیا اور یہ وہ قلعہ ہے کہ فرنگیوں نے اول دیار ہند میں بنایا ہے اور انہیں دنوں میں بند کنور کے اہالی نے فرنگیوں سے روش موافقت کی اختیار کی اور فرنگیوں نے اس مقام میں ایک قلعہ احداث کیا اور باطمینان تمام مرچ اور سونٹھ کی تجارت میں مشغول ہوئے لیکن دوسروں کو اس تجارت سے ممانعت کرتے تھے اور سامری کو یہ وضع ان کی نہایت ناپسند آئی اور غضبناک ہو کر فوج کشی کی اور کوچے کے تین بادشاہوں کو قتل کر کے اور ولایت کو تاراج کر کے سالماً۔ غانماً۔ پلٹ آیا اس کے بعد شاہان مقتول کے وارثوں نے علم شاہی بلند کیا اور جمعیت بہم پہنچا کر ولایت کو بدستور سابق آباد کیا اور

فرنگیوں کی فہمائش سے جہاز روانہ کیے اور کنتور کے حاکم نے بھی یہی روش اختیار کی یعنی جہازوں کو متردد کیا- سامری کا غصہ یہ اخبار سن کر ایک حصہ سے ہزار حصہ ہوا اور تمام خزانہ سامان جنگ اور مصارف سپاہ میں صرف کر کے دو تین مرتبہ کوچے کی سمت گیا اور جو کہ فرنگی ہر مرتبہ ان کی کمک کرتے تھے کوچے پر متصرف نہ ہوا اور شکست کھا کر مراجعت کی اور ایلچی سلاطین مصر اور جدہ اور دکن اور گجرات کی طرف بھیج کر پیغام دیا کہ فرنگیوں نے ہمارے ملک موروثی پر دست تعدی حد سے زیادہ دراز کیا ہے- اگرچہ یہ امر ہمیں چنداں دشوار اور شاق نہیں گزرتا لیکن جو کہ وہ لوگ اس ملک کے مسلمانوں کو رنج اور الم پہنچاتے ہیں ہمیں بہت ناگوار خاطر ہے- باوصف اس کے کہ میں دین ہنود میں ہوں لیکن میں مسلمانوں کی حمایت اپنے ذمہ ہمت پر فرض جان کر خزینہ اور دفینہ اس کام میں صرف کرتا ہوں اور اس بارہ میں کسی طرح کی تقصیر روا نہیں رکھتا ہوں- لیکن جو کہ حاکم پرتگال کا خزانہ وافر اور فوج متکاثر رکھتا ہے- ہمیشہ جہاز جنگی مع افواج بے شمار اس طرف بھیجتا ہے اور آدمیوں کے مقتول ہونے سے اس کی قوت کم نہیں ہوتی ہے- اس سبب سے میں شاہان اسلام کی مدد کا محتاج ہوا ہوں- اگر آنحضرت دین محمدی کے اعدا کی مقہوری پیش نہاد ہمت والا نہ ہمت کر کے اپنے ممالک محروسہ سے جہاز مع شجاعان جرار و تہمتان کارگزار کفار فرنگ کی جہاد کے واسطے اس طرف روانہ فرمادیں- تحقیق بروز قیامت حضرت سرور کائنات کے روبرو مجاہدوں اور غازیوں کے سلک میں منتظم ہو کر سربلند ہوں گے- سلطان مصر قانصور غوری نے یہ درخواست قبول کی اور غزا اور جہاد کیواسطے امیر حسین نام ایک امیر کو مع تیرہ غراب کہ مراد جہاز جنگی سے ہے مملو افواج جنگی اور سامان کارزار ساحل ہند کی طرف روانہ کیے اور شاہ محمد گجراتی اور شاہ محمد شاہ بہمنی نے بھی بندر دیو اور سورت اور کووہ اور دابل اور جیول سے اہل فرنگ کی غزا کے واسطے جہاز نہایت مضبوط تیار کروائے اور مصر کے جہاز پہلے بندر دیو میں آئے- آخر کو باتفاق سواران گجرات بندر جیول کی سمت کہ جہاں فرنگیوں نے لام باندھا تھا روانہ ہوئے اور چالیس جہاز سامری کے اور چند غراب والی کووہ اور دابل نے ساتھ ان کے پیوستہ ہو کر بنیاد جنگ ڈالی اور ایک غراب جو فرنگیوں سے بھرا ہوا تھا دستیاب کر کے ساتھ ان کے لوازم جہاد پیش پہنچایا یعنی انہیں علف تیغ خون آشام کر کے بدر دیو کی جانب معاودت کی لیکن اہل فرنگ بھی مخالفوں کو غافل سمجھ کر بجرات تمام تر آن واحد میں تعاقب کناں اس مقام میں آپہنچے- ملک ایاز حاکم بندر دیو اور امیر حسین نے ناچار ان کی جنگ میں مبادرت کی لیکن ان سے کچھ کام نہ بن پڑا لڑائی بگڑ گئی- مصر کے چند جہاز گرفتار ہوئے- اہل فرنگ نے مسلمانوں کو شربت شہادت چکھا کر فردوس کی طرف روانہ کیا اور اپنا انتقام لے کر مظفر اور منصور اپنے بنادر کا راستہ لیا اور اس سنوات میں جب سلیم سلطان خواندکار روم سلاطین غوریہ مصر پر غالب آیا- سلطنت اس گروہ کی بے سرہوئی سامری کہ اس کام کا سرگروہ تھا بیدل ہوا فرنگیوں نے تسلط پایا اور سامری کی غیبت میں کہ وہاں موجود نہ تھا- رمضان کے مہینے ۹۱۵ نو سو پندرہ ہجری میں کالیکوٹ میں آئے اور مسجد جامع جو خانہ خدا تھی اسے آگ دے کر خاک سیاہ کیا اور دست نہیب و غارت دراز کر کے شہر کو بھی ویران کیا- لیکن دوسرے دن ملی باری ہجوم کر کے جماعت نصاریٰ کے سر پر تلواریں میانوں میں سے لے کر جا پڑے اور اہل فرنگ کے پانچ سو آدمی معتبر اور نامی قتل کر کے بہتوں کو پانی میں غرق کیا اور بقیۃ السیف نے بھاگ کر بندر کولم میں پناہ لی اور وہاں کے زمینداروں کو موافق کر کے شہر سے آدھ کوس پر ایک گڑھی تیار کی اور اہل فرنگ نے جمعیت بہم پہنچا کر اسی سال جیسا کہ مذکور ہوا قلعہ بندر کووہ کو یوسف عادل شاہ کے متعلقوں کے تصرف سے برآوردہ کیا لیکن یوسف عادل شاہ کے اسی عرصہ میں پھر بندر کووہ پر بزور شمشیر فرنگیوں کے قبضہ اقتدار سے نکال کر متصرف ہوا اور فرنگیوں نے چند روز کے بعد وہاں کے حاکم کو زر خطیر دے کر فریفتہ کیا اور پھر اس پر متصرف ہوئے اور بنادر ہندوستان میں اپنا حاکم بٹھا کر قلعہ کی مرمت اور استحکام میں کوشش کی اور وہ ایسا قلعہ ہے کہ جس کی تعریف میں کسی شاعر نے یہ شعر موزوں کیا ہے-

بری از فتنہ ہمچون طبع عاقل

مصون از رخنہ چون گردون والا

القصہ سامری باوجود کفر کے جو مرد غیرت دار تھا اس سانحہ کے مشاہدے سے نہایت غمگین ہوا اور اسی صدمہ میں بیمار ہو کر ۹۲۱ نو سو اکیس ہجری میں دار ناپائدار سے کوچ کر گیا اور اس کا بھائی قائم مقام ہوا۔ اس نے جنگ سے پہلو تہی کر کے فرنگیوں سے صلح کی اور شہر کالیکوٹ کے قریب فرنگیوں کو اس شرط اور قول پر قلعہ جدید بنانے کی اجازت دی کہ وہ ہر سال چار جہاز مرچ اور سونٹھ کے بنادر عرب میں بھیجتے رہیں۔ فرنگیوں نے اول اپنے عہدو پیمان کو وفا کیا اور جب وہ قلعہ تیار ہوا مرچ اور سونٹھ کی تجارت سے مسلمانوں کو مانع ہوئے اور اس ملک کے اہل اسلام پر دست تعدی حد سے زیادہ دراز کیا اور یہود کا گروہ جو کدنکلور میں تھا وہ بھی سامری کا ضعف سلطنت مشاہدہ کر کے اہالی اسلام کا دشمن جان ہوا اور بہتوں کو شربت شہادت چکھایا۔ آخر میں سامری اپنے فعل سے نادم اور پشیمان ہوا پہلے یہود کے تدارک کو کدنکلور کی طرف افواج لے کر گیا اور یہودیوں کے قتل و قمع میں ایسی کوشش کی کہ اس جماعت سے اس ملک میں ایک نشان باقی نہ رکھا۔ بعد اس کے باتفاق جمیع غازیان ملی بار کالیکوٹ کی سمت متوجہ ہوا اور اہل فرنگ کے قلعہ کو محاصرہ کیا اور مساعی جمیلہ اور ترددات رستمانہ سے اہل فرنگ کو مغلوب کر کے قلعہ کو فتح کیا اور یہ امر ملی باریوں کی قوت اور شوکت کا باعث ہوا اور جہازوں کو بلا اجازت فرنگیوں کے سونٹھ اور مرچ وغیرہ سے مملو کر کے بنادر عرب میں روانہ کیا اور اہل فرنگ نے ۹۳۸ نو سو اڑتیس ہجری میں حالیات کے قریب میں جو کالیکوٹ سے پانچ کوس ہے قلعہ تیار کر کے ملی بار کے جہازوں کی روانگی دشوار کی اور اسی طرح سے اہل فرنگ نے انہیں سنوات میں برہان نظام شاہ بحری کے عہد میں قلعہ ریکدندہ بندر جیول کے قریب احداث کر کے اس مقام میں توطن کیا اور ۹۴۱ نو سو اکتالیس ہجری میں بندر دیو سے اور دمن اور بندر دیو پر جو شاہان گجرات کے متعلق تھے اس تفصیل سے کہ پیشتر اپنے مقام میں تحریر ہوا۔ بہادر شاہ گجرات کے عہد میں قابض اور دخیل ہوئے اور ۹۴۳ نو سو تینتالیس ہجری میں کدنکلور میں بہ جبرو قہر قلعہ احداث کر کے کمال استقلال اور غلبہ بہم پہنچایا اور اس وقت میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم رومی نے داعیہ کیا کہ اہل فرنگ کو بنادر ہند سے برآوردہ کر کے اس مقام پر خود متصرف ہوں۔ چنانچہ ۹۴۴ نو سو چوالیس ہجری میں اپنے وزیر سلیمان پاشا کو مع سو غراب جنگی پہلے بندر عدن کی طرف بھیجا تو اول اس کو کہ سر راہ ہے مفتوح اور مسخر کرے اس کے بعد بنادر ہند کی طرف روانہ ہوئے۔ سلیمان پاشا نے سنہ مذکور میں بندر عدن کو شیخ غازی بن شیخ داؤد سے لے کر اسے قتل کیا۔ بعدہ بندر دیو کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر بنیاد جنگ قائم کی۔ قریب تھا کہ اسے بھی فتح کرے لیکن قلت اذوقہ اور خزانہ کے صرف ہو جانے سے یہ امر تعویق میں پڑا اور ناچار ہو کر روم کی طرف مراجعت کی اور ۹۸۳ نو سو تراسی ہجری میں نصاری بندر ہرموز اور مسکت اور سقوطرہ اور ملوہ اور میلاپور اور ناک پٹن اور منگلور اور سیلان اور بنگالہ سے حد چین تک مسلط ہوئے اور ان مقاموں میں قلعہ تیار کیے ان قلعوں میں سے سلطان علی آچی نے قلعہ سقوطرہ کو فتح کیا اور حاکم سیلان نے اہل فرنگ کو مغلوب کر کے اپنی مملکت سے ان کا صدمہ دور کیا اور سامری حاکم کالیکوٹ کو کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کی نسل سے ہے کہ جس کو سامری کلاں نے تلوار بخشی تھی۔ اہل فرنگ کے تسلط سے بہ تنگ آ کر اس نے ایلچی عادل شاہ اور مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے پاس بھیج کر ان کو اہل فرنگ کی جنگ اور اپنے ممالک سے مدافعہ کی تحریص اور ترغیب کی پھر ۹۷۹ نو سو اناسی ہجری میں سامری نے قلعہ عالیات کو محاصرہ کیا اور مرتضیٰ نظام شاہ بحری اور علی عادل شاہ قلعہ ریکدندہ اور بندر کووہ کی تسخیر میں معروف ہوئے۔ سامری نے بزور بازوئے شجاعت قلعہ عالیات کو فتح کیا۔ لیکن مرتضیٰ نظام شاہ اور علی عادل شاہ سے جیسا کہ اپنے مقام میں مذکور ہوا ملازمین بدخواہ کی شامت سے کچھ نہ بن پڑا ناکام ہو کر مراجعت کی اور اہل فرنگ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر کمر باندھی اور بعض جہاز جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے جو اہل فرنگ کی بلا اجازت مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ مراجعت کے وقت بندر جدہ میں غارت کر کے مسلمانوں کی اہانت اور آبرو ریزی بہت کی اور بندر عالی آباد قراتین جو علی عادل شاہ سے تعلق رکھتا تھا آگ لگا کر ویران کیا اور بندر دابل میں بطریق

تجارت آکر چاہتے تھے کہ مکرو غدر سے اس پر بھی متصرف ہوں۔وہاں کے حاکم خواجہ علی المخاطب بہ ملک التجار شیراز نے واقف ہو کر ڈیڑھ سو آدمی معتبر اہل فرنگ کے قتل کیے اور اس فساد کی آگ کو بجھایا اور اس تاریخ سے کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے جہاز فرنگیوں نے گرفتار کیے بنادر عرب اور عجم کے جہاز پر لوگوں کا بھیجنا موقوف کیا۔ کیونکہ شاہ دہلی اہل فرنگ سے اجازت اور قول لینا عار جانتا تھا اور بلا اجازت روانہ کرنے میں جان و مال کی ہلاکی اور بربادی متصور تھی۔ لیکن اس کے امرا مثل مرزا عبدالرحیم المخاطب بخانخاں وغیرہ اہل فرنگ سے قول لے کر جہاز مع سواری بنادر کی طرف بھیجتے تھے اور ۹۱۹ نو سو انیس ہجری میں نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ بن اکبر شاہ نے ان فرنگیوں کو جو پرتگال کے فرنگیوں سے دین کے اعتقاد میں مخالفت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ برخلاف فرنگیوں پرتگال کے ولایت سورت میں کہ وہ بھی ممالک گجرات سے ہے۔ رہنے کو جگہ دی اور یہ مقام پہلا ہے کہ فرنگیان انگلش نے سواحل ہندوستان میں سکونت اختیار کی تھی اور ان کے اعتقاد دیگر فرنگیوں کے خلاف ہیں کہتے ہیں عیسیٰ بندہ اور رسول خدا ہے اور حضرت جل شانہ ایک ہے اور اہل و عیال رکھنے سے منزہ اور مبرا ہے۔ الغرض اہل انگلش اپنا شاہ علیحدہ قرار دے کر بادشاہ پرتگال کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور جب تک اس جماعت نے قوت اور قدرت بہم نہیں پہنچائی تھی مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت ظاہر کرتے تھے اور فرنگیان پرتگال کے ساتھ کمال عداوت اور دشمنی رکھتے تھے اور جس وقت کہ ان پر قابو پاتے تھے فی الفور انہیں ہلاک کرتے تھے مگر اب بسبب حمایت نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے کہ درمیان ان کے قرب و جوار بہم پہنچا ہے۔ خدا جانے فریقین کا انجام کار کیا ہوگا اور تحفۃ المجاہدین میں مرقوم ہے کہ ملی بار کی رعایا اکثر کفار ہے اور وہاں کے عناصر کو بنار کہتے ہیں اور وہاں کا عجیب دستور ہے کہ ایک عورت بے عقد شوہر متعدد کر سکتی ہے اور ہر شب کو ایک کی باری آتی ہے لوہار اور بڑھئی اور رنگریز براہمہ کے سوا اس امر یعنی فعل شنیع میں موافقت کرتے ہیں اور اگروہ کفار گکھر جو پنجاب کے نواح میں تھا حلقہ اسلام میں آنے سے پیشتر وہ بھی یہی رسم رکھتے تھے اور ہر ایک عورت ان کی چند شوہر رکھتی تھی اور ان شوہر متعددہ سے جب ایک مکان میں آتا تھا علامت اپنی دروازہ کی ڈیوڑھی پر چھوڑتا تھا تو اور شوہر اسے دیکھ کر پلٹ جائیں اور جب گکھروں کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی اسی وقت اسے باہر لا کر باآواز بلند پکارتے تھے کہ کوئی اسے پرورش کرے گا اگر کوئی شخص طلب کرتا اسے دے دیتے ورنہ اسی وقت اسے ہلاک کرتے تھے اور قاعدہ ملی بار کے برہمنوں کا یہ ہے کہ جب ان کے کئی بھائی ہوتے ہیں ان کے بڑے بھائی کے سوا کوئی شادی نہیں کرتا ہے تو ورثہ کی کثرت سے آپس میں نزاع اور فساد برپا نہ ہو اور جب اوروں کو شہوت جماع غالب ہوتی ہے نیار وغیرہ کی عورتوں سے حاجت رفع کرتے ہیں لیکن عقد کے مقید نہیں ہوتے۔

والارث فی طوائف النیارہ لا خواتہم من الام واولاد اخواتہم وخالاتہم واقربائہم من جانب الام لا وللد لا ولاد۔ (ترجمہ: یہ کہ طائفہ نیار میں میراث کا یہ طریقہ ہے کہ مردہ کی میراث مادری بہنوں کو اور بہنوں کی اولاد اور خالاؤں اور مادری قرابتیوں کو ملتی ہے۔ میت کی اولاد کو نہیں ملتی ہے۔) اور جس وقت باپ اور ماں یا بزرگ اس ملک کے قوم براہمہ کے مرتے ہیں ایک برس کامل ماتم رکھ کر نوحہ و زاری کرتے ہیں اور جب ماں اور ماموں اور بڑا بھائی گروہ نیار اور ان کے متابعان کا مرتا ہے ایک سال ماتم میں بیٹھ کر روتے ہیں اور عورتوں سے نزدیکی نہیں کرتے ہیں اور ملی باری تین طبقہ ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ اور اوسط جس وقت اعلیٰ ادنیٰ سے مباشرت یا ملامست یعنی مساس کرے جب تک غسل نہ کرے کھانا نہ کھائے اور اگر احیاناً غسل سے پیشتر کھانا کھا لے حاکم اسے گرفتار کر کے ادنیٰ کے ہاتھ بیچتا ہے اور قید بندگی میں کرتا ہے اور جو کوئی یہ حرکت کر کے کسی موضع میں بھاگ جائے اور حاکم کو خبر نہ ہو وہ البتہ غلامی سے نجات پاتا ہے اور کسی طرح سے اعلیٰ کا کھانا ادنیٰ نہیں پکا سکتا ہے۔ اگر اعلیٰ ادنیٰ کے ہاتھ سے کھائے اپنے مرتبہ سے دست بردار ہو اور میر جمال الدین حسین انجو جو چاند بی بی سلطانہ فرمانروائے احمد نگر کو اپنے حبالہ نکاح میں لایا تھا۔ اپنے فرہنگ میں لکھتا ہے کہ ملی بار بفتح اولی و کسر ثانی دریائے مجہول نام ایک ولایت کا ہے جو دریائے عمان کے ساحل پر واقع ہے قریب شہر بیجا نگر کے جو ایک عمدہ شہر ہائے

دکن سے ہے باوجود اس کے کہتے ہیں کہ آدمی ملی بار کے دیوث طبیعت ہیں جیسا کہ ایک عورت ان کی دس شوہر سے کم نہیں کرتی بلکہ زیادہ تر جیسا کہ امیر خسرو دہلوی فرماتے ہیں۔

یہ بے نیازی او کعبہ خستہ و خوار ست
بیاد بیں کہ خرابش چون ملی بار ست

مشائخ ہندوستان قدس اللہ اسرارہم کے حالات

ناظرین پر تمکین پر واضح ہو کہ مشائخ ہندوستان کے خانوادہ بہت ہیں لیکن وہ خانوادے کہ نہایت مشہور اور شمار میں بھی دوسرے مشائخ سے زیادہ تر دو طبقہ ہیں۔ ایک خاندان چشتیہ اجمیر جو خواجہائے چشت سے ملتا ہے۔ دوسرا خاندان سہروردیہ ملتان جو ساتھ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے جا ملتا ہے۔ بندہ آثم محمد قاسم فرشتہ نے کلام کے طول ہونے سے اندیشہ کر کے ان دو خانوادوں کے ذکر پر اکتفا کیا اور احوال دوسروں کا شیخ عین الدین بیجاپوری جنیدی کی کتاب الانوار سے مل سکتا ہے اور ان دو فرقہ عظیم الشان سے جو کچھ علم ناقص نے احاطہ کیا ہے اس مقالہ میں لکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر حیات مستعار وفا کرے گی اور تذکرہ الاولیائے ہند دستیاب ہو گا تو دوبارہ احوال اور اقوال ان بزرگوں کا مفصل اس مسودہ میں شامل کرے گا۔ الغرض مولانا عبدالرحمٰن جامی نے کتاب نفحات الانس میں فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ روز قیامت کو اپنے بندہ شرمندہ سے فرمائے گا کہ تو فلاں عارف اور فلاں بزرگوار کو جو فلاں محلہ میں رہتا تھا پہچانتا ہے وہ جواب دے گا ہاں پہچانتا ہوں اس وقت فرمان الٰہی نافذ ہو گا کہ ہم نے تجھے اس کو بخش دیا۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بدان را بہ نیکاں ببخشد کریم

اور میر ہراتی نے فرمایا کہ کوشش کر تو اس کے دوستوں سے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے اس کے دوستوں کا ہو اور جو بات اس گروہ حق پژوہ سے سنے اگرچہ تاثیر نہ کرے سرتاب نہ ہو۔ یعنی بہرحال ان کی صحبت میں شریک رہ اور ان کی جدائی اختیار نہ کر۔

جانا لبم از ذکر تو خاموش مباد ہر جاز شما بلب حدیثے گذرد
یاد توز خاطرم فراموش مباد ذرات ز جود من بجز گوش مباد

اور مراتب اولیائے دین کے چار ہیں۔ صغرے کبرے وسطے علیے اور ہر ایک کے واسطے ان میں سے ایک ابتدا اور ایک درمیان اور ایک انتہا ہے اور گروہ اولیا کے ان مرتبوں میں مقام رکھتے ہیں۔ کسی وقت عالم میں تین سو چھپن تن سے کم نہیں ہوتے اور ہمیشہ عاجزوں کی کارسازی اور گنہگاروں کی شفاعت میں مشغول رہتے ہیں اور اہل تصوف کے بزرگ اس جماعت سے تین سو تن کو ابطال جانتے ہیں اور چالیس نفر کو ابدال کہتے ہیں اور سات نفر کو سیاح بولتے ہیں اور پانچ نفر کو اوتاد سمجھتے ہیں اور تین نفر کو قطب الاوتاد جانتے ہیں اور ایک نفر کو قطب الاقطاب تصور کرتے ہیں۔ پس جس وقت کہ ایک ان میں سے فوت ہو مرتبہ مادون اس کے سے ایک کو بجائے اس کے لاتے ہیں مثلاً اگر قطب الاقطاب مرجائے ایک کو قطب ثلاثہ تینوں قطب سے بجائے اس کے مقام کریں اور اوتار سے ایک کو بجائے اقطاب ثلاثہ اور ایک سیاح کو بجائے اوتاد علی ہذا القیاس مرتبہ عوام مومناں تک پہنچے اور تمام تین سو چھپن تن سے نوتن ارشاد کے لائق ہیں اور باقی بھی اگرچہ کسی مرتبہ میں مراتب ولایت سے مقام رکھتے ہیں لیکن ارشاد کے سزاوار نہیں اور ان نوتن میں پانچ تن اوتاد ہیں اور تین اقطاب اور ایک قطب الاقطاب ہے۔

این طائفہ اند اہل تحقیق فانی ز خود و بدوست باقی
باقی ہمہ خویشتن پرستند دین طرفہ کہ نیستند و ہستند

اور یہ مقالہ مشتمل ہے دو حصوں پر

پہلا حصہ حالات و مقالات خاندان چشتیہ

پہلا حصہ حالات و مقالات خاندان چشتیہ

حضرت سلطان المشائخ خواجہ معین الدین محمد حسن سنجری المروف بہ چشتی قدس سرہ

آں شہنشاہ جہان معرفت ذات او بیرون زا دراک و صفت
خسرو ملک فنا بے تخت و تاج از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا از خودی بیگانہ باحق آشنا
کرد مرغ ہمتش زاوج کمال بیضہ افلاک رادر زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل گوہر درج کمال بے بدل
آن معین دین و ملت بے نظیر فارغ از دنیا بہ ملک دین امیر

سلطان سریر سرمد خواجہ راستین معین الدین محمد مشائخ ہند کے پیشوا ہیں۔ مولد شریف بلدہ بجستان ہے۔ نشوونما خراسان میں پائی۔ آنحضرت کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین حسن زیور فلاح سے آراستہ اور حلیہ صلاح سے پیراستہ تھے۔ جب وفات پائی خواجہ معین الدین محمد پندرہ برس کے تھے۔ ایک باغ اور ایک آسیا یعنی چکی میراث رکھتے تھے اور اس مقام میں ایک مجذوب تھے۔ مشہور اور انکا اسم مبارک ابراہیم قندوزی تھا۔ ایک روز ان مجذوب کا اس باغ میں گزر ہوا اور خواجہ معین الدین محمد قدس سرہ اس وقت درختوں میں آب پاشی کرتے تھے لیکن جوں ہی آپ کی نگاہ ان مجذوب پر پڑی دوڑ کر ان کے دست حق پرست کو بوسہ دے کر ایک درخت کے سایہ میں بٹھایا ور انگور کا خوشہ آنحضرت کے سامنے رکھ کر ان کے مقابل دو زانو ہو کر مودب بیٹھے۔ ابراہیم قندوزی نے برکندہ کنجارہ بغل سے کھینچ کر ور اپنے دندان مبارک سے چبا کر خواجہ کے دہن میں ڈالا اس کے کھاتے ہی ایک نور خواجہ کے باطن میں طالع اور لامع ہوا اور حضرت واجہ کا دل مکان اور املاک سے بیزار ہوا۔ سب جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بیچ کر درویشوں کو تقسیم کی اور مسافر ہوئے اور ایک مدت مرقند اور بخارا میں قرآن مجید کے حفظ کرنے اور علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر عراق کی رف متوجہ ہوئے اور جب قصبہ ہارون میں جو نیشاپور کے نواح میں واقع ہے وارد ہوئے شیخ عثمان ہارونی کہ مشائخ کبار وقت سے تھے۔ ن کی خدمت میں جا کر مرید ہوئے اور اڑھائی برس ان کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ اور ریاضت میں اشتغال کیا اور شیخ عثمان ہارونی حاجی ریف زندنی کے مرید تھے اور وہ مرید خواجہ مودود چشتی کے اور وہ مرید خواجہ ناصر الدین چشتی کے اور وہ مرید یوسف چشتی کے اور وہ رید خواجہ ناصر الدین ابو محمد چشتی کے اور وہ مرید خواجہ ناصر الدین ابو محمد چشتی کے اور وہ مرید خواجہ اسحق شامی المعروف بہ چشتی کے اور مرید خواجہ ممشاد دینوری کے اور وہ مرید خواجہ ہبیرہ بصری کے اور وہ مرید خواجہ حذیفہ مرعشی کے اور وہ مرید سلطان ابراہیم ادہم کے اور مرید خواجہ فضیل عیاض کے اور وہ مرید خواجہ حبیب عجمی کے اور وہ مرید خواجہ حسن بصری کے اور وہ مرید امیرالمومنین و امام المتقین ، ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور وہ مرید حضرت خواجہ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور چشت ایک ضع ہے۔ مواضع ہرات سے القصہ خواجہ معین الدین محمد شیخ عثمانی ہارونی سے خرقہ خلافت کا حاصل کر کے بغداد کی سمت ر... ہوئے

اور اثنائے راہ میں قصبہ سنجار میں رونق افروز ہوئے۔ ان دنوں میں شیخ نجم الدین کبریٰ قصبہ جبل کی طرف تشریف لے گئے تھے اور جبل ایک مقام ہے پر فیض اور ہوا اس کی نہایت معتدل اور فرحت افزا ہے کوہ جودی (کوہ جودی موصل میں ایک پہاڑ ہے) کے تحت میں واقع ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے اس مقام میں قرار پکڑا تھا اور وہاں سے بغداد سات منزل یعنی سات دن کا راستہ ہے اور شیخ محی الدین عبدالقادر قدس سرہ اس مقام میں تھے اور خواجہ معین الدین ان کے بدون مشاہدہ جمال باکمال اور ملاقات قصبہ سنجار سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ اوحد الدین کرمانی جو ابتدائے سلوک میں تھے انہیں دیکھ کر معتقد ہوئے اور خرقہ خلافت کا آنحضرت سے پایا اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے بھی شروع حال میں خواجہ معین الدین چشتی کی صحبت میں پہنچ کر ان سے فیوضات حاصل کیے اور بعد چند عرصہ کے خواجہ معین الدین چشتی بغداد سے ہمدان میں آئے اور شیخ یوسف ہمدانی سے ملاقات کر کے تبریز کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ ابوسعید تبریزی جو شیخ جلال تبریزی کے پیر تھے ان سے بھی ملاقات اور صحبت رکھتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ شیخ ابوسعید تبریزی ایسے شیخ تھے کہ جن کے ستر مرید کامل مثل شیخ جلال الدین تبریزی کے تھے۔

شیخ فریدالدین شکر گنج" خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ معین الدین محمد چشتی کو ابتدا حال میں عجب ریاضت اور مجاہدہ تھا کہ روزے رکھ کر بعد سات روز کے ایک روٹی جو کی کہ جس کا وزن پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتا تھا پانی میں تر کر کے افطار فرماتے تھے۔ سبحان اللہ ایسے صائم النہار اور قائم اللیل بزرگوار تھے کسر نفسی اور ریاضت انہیں پر ختم تھی اور شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین محمد چشتی کی پوشش ایک دوہر تھا اگر وہ کسی مقام سے پارہ ہوتا اپنے دست حق پرست سے بخیہ کرتے تھے اور اگر بغل بند پھٹ جاتا کپڑے پاک کے ٹکڑے جس قسم کے پاتے اس پر پیوند کرتے تھے اور جب اصفہان میں پہنچے شیخ محمود اصفہانی ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور خواجہ بختیار کاکی" ان دنوں اصفہان میں تھے اور شیخ محمود اصفہانی کے مرید ہوا چاہتے تھے لیکن جب خواجہ معین الدین محمد چشتی کی زیارت سے شرفیاب ہوئے فسخ عزیمت کر کے خواجہ کے مرید ہوئے اور خواجہ نے وہ دوہرہ خواجہ قطب الدین کو مرحمت فرمایا اور وہی دوہر خواجہ قطب الدین نے وفات کے وقت شیخ فریدالدین گنج شکر کو عنایت کیا اور آنحضرت نے شیخ نظام الدین اولیا کو عطا کیا اور آنحضرت نے شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کو امداد فرمایا اور جب خواجہ خرقان میں تشریف لائے دو برس وہاں استقامت کر کے استرآباد کی طرف تشریف فرما ہوئے اور حضرت شیخ ناصرالدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے اور وہ شیخ عظیم القدر تھے۔ ایک سو ستائیس سال کی عمر رکھتے تھے اور حضرت شیخ ناصرالدین استر آبادی نسبت دو واسطہ سے حضرت سلطان العارفین شیخ طیفور اور شیخ بایزید بسطامی سے رکھتے تھے۔ خواجہ نے ایک مدت ان کی صحبت میں رہ کر فیوض بے شمار حاصل کیے۔ اس کے بعد ہری کی طرف متوجہ ہوئے اور جو کہ خواجہ معین الدین محمد چشتی کی عادت تھی کہ آنحضرت ایک مقام میں کم قیام فرماتے تھے اور اکثر اوقات دن میں سیر میں رہتے تھے اور شب کو اکثر اوقات خواجہ عبداللہ انصاری کی درگاہ میں نزول فرماتے تھے اور ایک درویش سے زیادہ آپ کی خدمت میں نہ رہتا تھا اور جو کہ حضرت قائم اللیل تھے۔ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے اور جب ہرات میں آپ کے کشف و کمالات کا شہرہ مشہور ہوا خلقت نے ہجوم کیا۔ آپ وہاں سے برخاستہ ہو کر سبزوار کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کا حاکم جس کا نام یادگار محمد تھا وہ نہایت فاسق اور بدمزاج اور رفض میں غلو رکھتا تھا اور اصحاب کبار سے اسے اس قدر عداوت تھی کہ اگر کسی کا نام ابابکر" اور عمر" اور عثمان" ہوتا تھا اسے بہت ایذا پہنچاتا تھا اور اس کی ہلاکت کے درپے ہوتا تھا اور اس حاکم جابر نے شہر کے اطراف میں ایک باغ بنایا تھا اور اس کے درمیان میں ایک حوض نہایت صفائی اور لطافت سے موجود تھا۔ خواجہ گرد راہ سے اس باغ میں جا کر حوض کے کنارے وارد ہوئے اور غسل کر کے دوگانہ نماز بجالا کر قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوئے اتفاقات سے اسی دن مشہور ہوا کہ یادگار محمد باغ کی سیر کو آتا ہے۔

ایک درویش جو شیخ کا رفیق تھا اس نے ہرساں ہو کر شیخ سے عرض کی کہ حاکم جابر آتا ہے آپ کا اس باغ میں بیٹھنا مناسب نہیں باہر تشریف لے چلئے۔ شیخ اس کا اضطراب دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا اگر تجھے یہی منظور ہے تو یہاں سے اٹھ جا اور فلاں درخت کے سایہ میں بیٹھ کر خدا کی قدرت کا کارخانہ دیکھ۔ درویش حسب الحکم کاربند ہوا اس عرصہ میں فراشوں نے آکر یادگار محمد کا غالیچہ حوض کے کنارے شیخ کے پہلو میں بچھایا اور شیخ کی عظمت اور شوکت سے یہ نہ کہہ سکے کہ یہاں سے اٹھ جائیے کہ ناگاہ یادگار محمد باغ میں داخل ہوا اور شیخ کو اس مقام پر دیکھ کر خدمت گاروں سے گھرک کر کہا کہ تم نے اس فقیر کو کس واسطے اس مقام سے نہ نکالا کہ اتنے میں شیخ نے سر مبارک اٹھا کر اس کی طرف نظر قہر سے دیکھا۔ یادگار محمد مصروع کی طرح دفعتہ کانپ کر گر پڑا اور بے ہوش ہوا۔ اس کے متعلق یہ حال دیکھ کر شیخ کے قدم پر گر پڑے اور التماس دعا کی شیخ نے اس فقیر کو جو خوف سے درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اشارہ سے بلا کر یہ فرمایا کہ تھوڑا پانی اس حوض سے لے کر بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ پر چھینٹا مارا درویش حکم کے موافق عمل میں لایا اور یادگار محمد فوراً ہوش میں آیا اور شیخ کے پاؤں پر سر رکھ کر نہایت عاجزی اور انکساری سے عرض کی کہ یا شیخ میں نے جمیع منہیات سے توبتہ النصوح کی میری تقصیر معاف فرمائیے۔ شیخ نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر پھیر کر یہ ارشاد کیا کہ خاندان عالی شان رسالت سے دعویٰ محبت کرنا اور آنحضرت کی پیروی نہ کرنے کا کیا سبب ہے۔ یہ فرما کر شیخ نے ائمہ ہدا خلفائے راشدین مہدیین و اصحاب کبار کے فضائل اور مناقب اس فصاحت اور بلاغت سے بیان فرمائے کہ یادگار محمد اور اس کے ہمراہی زار زار رو کر تمام تائب ہوئے۔

آنچہ زوی شود از پر تو آن قلب سیاہ
کیمیا نیست کہ در صحبت درویشانست

بعد اس کے یادگار محمد نے تجدید وضو کر کے دوگانہ شکرانہ کا ادا کیا اور دست ارادت آنحضرت کے دست حق پرست میں دے کر بشرف بیعت مشرف ہوا اور اپنا تمام مال نقد و جنس خواجہ کی نذر کے لیے لایا۔

حضرت نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ تو نے یہ مال لوگوں سے بجبر و قہر لیا ہے۔ غربا اور مساکین کو پہنچا تو قیامت کے دن کوئی تیرا دامن نہ پکڑے۔ یادگار محمد نے شیخ کے ارشاد پر عمل کیا یعنی تمام مال فقراء پر تقسیم کر کے غلاموں کو بھی آزاد کیا اور اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر خواجہ کے ہمراہ قلعہ شادمان تک گیا اور جو کہ وہ جملہ عارفان اور واصلان سے ہو گیا تھا۔ خواجہ نے وہ اطراف اس کی حمایت میں رجوع کر کے اسے اس مقام میں مقیم کیا اور خود بلخ کی طرف تشریف لے گئے اور شیخ احمد خضرویہ کے مقام عالی فرجام میں چند روز اقامت کی اور اس عہد میں ایک فاضل تھے۔ المشہور بہ ضیاء الدین حکیم اور وہ جمیع علوم فلسفہ میں خوب مہارت رکھتے تھے اور علم تصوف میں معتقد نہ رکھتے تھے اور اپنے شاگردوں سے کہتے تھے۔ تصوف ہذیان ہے کہ تپ زدے اور دیوانے بکتے ہیں اور مولانا ضیاء الدین حکیم بلخ کے اطراف میں ایک موضع واقع تھا اس میں مدرسہ اور باغ خوب رکھتے تھے اور اس میں بیٹھ کر لوگوں کو علم حکمت پڑھاتے تھے اور خواجہ معین الدین چشتی کی عادت تھی کہ ہمیشہ ایک یا دو دستہ تیر اور ایک کمان اور ایک چقماق اور ایک نمک دان اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ اس واسطے کہ اگر کسی وقت آبادی سے ویرانے دور دراز میں گزر ہو کسی طیور کا شکار کر کے ایک لقمہ سے روزہ افطار کریں۔ ناگاہ خواجہ اس مدرسہ میں جہاں مولانا ضیاء الدین حکیم درس دیتے تھے رونق افزا ہوئے اور اس روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے ایک کلنگ کو تیر مار کر درخت سے گرایا اور اپنے خادم کو اس کے کباب کے واسطے اشارہ کیا اور خود عبادت میں مشغول ہوئے اس درمیان میں مولانا ضیاء الدین حکیم کا وہاں گزر ہوا دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہے۔ اور خادم کباب بریان کرتا ہے۔ حکیم نے اس قدر وہاں توقف کیا کہ خواجہ نماز سے فارغ ہوئے اور مولانا سلام کر کے بیٹھے پھر خادم کباب لایا خواجہ بسم اللہ پڑھ کر ایک ران اس کلنگ سے جدا کر کے مولانا کو عنایت فرمائی اور دوسری ران کا ٹکڑا خود تناول کیا۔ مولانا نے جونہی وہ کباب کھایا علوم فلسفہ کا زنگ ان کے سینہ سے زائل ہو گیا اور بے

ہوش ہوئے۔ خواجہ نے قدرے اپنا پس خوردہ ان کے دہن میں ڈالا۔ ہوش میں آئے اور مولانا نے اس وقت تمام کتب جو ان کے کتب خانہ میں تھیں دریا میں غرق کیں اور مع تلامذہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مریدوں کی سلک میں منتظم ہوئے اور جب حضرت کا شہرہ اس ملک میں ہوا اور دنیاداروں نے ہجوم کیا۔ خواجہ نے مولانا ضیاء الدین حکیم کو خرقہ دے کر اس مقام میں چھوڑا اور خود باتفاق اس خادم کے غزنین میں تشریف لائے۔ شمس العارفین عبدالواحد جو شیخ نظام الدین ابوالموئید کے پیر تھے ان سے ملاقات کر کے لاہور میں وارد ہوئے۔ وہاں سے دہلی میں نزول اجلال فرمایا اور جب خاص و عام کا وہاں اژدہام ہوا حضرت اس امر سے متنفر ہو کر اجمیر میں تشریف لے گئے اور محرم کی دسویں تاریخ یعنی بروز عاشورہ ۵۶۱ پانچ سو اکسٹھ ہجری میں آنحضرت نے اس خطہ میں نزول فرمایا اور سید السادات سید حسن مشہدی المشہور بہ خنگ سوار جو صوفی مذہب تھے اور حلیہ تقویٰ اور صلاح سے آراستہ اور اولیاء اللہ کے سلک میں انتظام رکھتے تھے اور سلطان قطب الدین ایبک نے آنحضرت کو اس شہر کا داروغہ کیا تھا۔ شیخ کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور باعزاز و اکرام تمام پیش آئے اور جو سید صاحب موصوف علم تصوف اور اصلاحات صوفیہ سے نہایت واقف تھے خواجہ کی صحبت غنیمت جان کر اکثر اوقات مجلس شریف میں حاضر ہوتے تھے اور پیر طریقت خواجہ کے انفاس کی برکت سے اجمیر کے بہت کفار شرف ایمان سے مشرف ہوئے اور جو کہ دولت ایمان سے محروم رہے خواجہ کی محبت کو دل میں جگہ دے کر ہمیشہ فتوح بے شمار آنحضرت کو پہنچاتے تھے اور شمس الدین التمش کے عہد میں خواجہ دو مرتبہ اپنے مرید قطب الدین بختیار کاکی کو دیکھنے کے لیے دہلی میں تشریف لے گئے۔

دوسری مرتبہ جب دہلی سے مراجعت فرمائی خواجہ معین الدین چشتی نے نکاح کیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سید وجیہ الدین محمد مشہدی (وجیہ) المشہور بہ خنگ سوار جو سید حسین مشہدی داروغہ اجمیر کے چچا تھے ان کی ایک صاحبزادی جو حسن و جمال اور عفت کمال رکھتی تھی جب وہ دختر بلند اختر حد بلوغ کو پہنچی سید صاحب چاہتے تھے کہ اسے کسی خاندان بزرگ کے حبالہ نکاح میں لاؤں۔ اس کی تلاش میں متردد تھے۔ ایک شب سید السادات نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ ان سے فرماتے ہیں۔ اے فرزند وجیہ الدین حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لڑکی خواجہ معین الدین چشتی کے حبالہ نکاح میں لاؤ کہ وہ واصلان درگاہ الٰہی اور محبان خاندان رسالت پناہی سے ہے۔ جب سید وجیہ الدین نے خواجہ معین الدین چشتی کو اس امر سے آگاہ کیا خواجہ نے جواب دیا کہ میری عمر کا آفتاب لب بام ہے۔ لیکن جو حضرت رسالت اور امام ہمام کا یہ اشارہ ہے مجھے اطاعت کے سوا کچھ چارہ نہیں۔ اس کے بعد خواجہ نے اس گوہر درج عفت کو شریعت مصطفوی کے موافق اپنی سلک ازدواج میں منسلک فرمایا اور آفریدگار عالم نے اس کے بطن سے دو فرزند کرامت فرمائے اور خواجہ عیال داری کے سات برس بعد ماہ رجب کی چھٹی تاریخ ۶۳۲ چھ سو بتیس ہجری میں قید جسمانی سے نجات پا کر عالم قدس کی طرف خراماں ہوئے اور حضرت کا سن شریف ستانوے برس کا تھا اور بعد وفات تمام بادشاہ آپ کے روضہ پر نذریں بھیج کر تبرک کے طلبگار ہوئے۔ خصوص جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی کہ اور بادشاہوں سے زیادہ تر آنحضرت سے اعتقاد رکھتا تھا اور عہد شاہی میں اپنے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اکثر سنوات میں پیادہ اجمیر میں جا کر خواجہ معین الدین چشتیؒ اور سید حسن مشہدی بہ خنگ سوار کی زیارت سے فیضیاب ہوتا تھا اور حاجی محمد قندھاری کی تاریخ میں مرقوم ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر یعنی شیخ عثمان ہارونیؒ شمس الدین محمد التمشؒ کے عہد میں دہلی میں تشریف لائے اور شمس الدینؒ نے جو آنحضرت کا مرید تھا ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور اس مدت میں خواجہ معین الدین محمد چشتی اجمیرؒ میں متوطن تھے اس صورت میں معلوم نہ ہوا کہ ہندوستان میں پھر ان سے ملاقات ہوئی یا نہ ہوئی اور شیخ عثمان ہارونی سے خوارق عادات بہت مشہور ہیں ازانجملہ ایک یہ ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی اپنے پیر سے رخصت لے کر بغداد کی سیر کو متوجہ ہوئے۔ شیخ عثمان ہارونی نے ان کی مفارقت سے بے تاب ہو کر خواجہ کی جستجو میں اپنے مقام سے سفر اختیار کیا اور اس سفر میں ایک مقام میں وارد ہوئے کہ آتش پرست وہاں رہتے تھے اور آتش کدہ بھی رکھتے تھے اور ہر

روز سو خروار لکڑیاں ان میں جلاتے تھے اور شیخ عثمان ہارونی نے اس کے قریب ایک درخت کے سایہ میں نزول کیا۔ اپنے خادم فخر الدین نام سے فرمایا کہ افطار کے واسطے روٹی پکائے۔ خادم جب مغوں کے پاس آگ لینے کو گیا انہوں نے آگ نہ دی۔ خادم نے پلٹ کر شیخ سے حقیقت حال عرض کی شیخ آتش کدہ کی سمت متوجہ ہوئے اور ایک مغ مختار نام جو نہایت بوڑھا تھا دیکھا کہ وہ ایک لڑکا سات برس کا آغوش میں لیے ہوئے آتش کدہ کے کنارے کھڑا ہے۔ شیخ نے اس سے فرمایا کہ یہ آگ ایک مشت پانی سے معدوم ہوتی ہے کس واسطے پوجتے ہو خدا کو جو خالق آگ کا ہے۔ اس کی پرستش کرو۔ مغ نے جواب دیا کہ ہماری ملت میں آگ ایک وجود عظیم ہے اسے کیونکر نہ پوجیں شیخ نے فرمایا اتنی مدت سے کہ تم اس آگ کی صدق دل پرستش کرتے ہو بھلا ہاتھ یا پاؤں اس میں ڈال سکتے ہو کہ وہ نہ جلاوے مغ نے جواب دیا کہ خاصیت اس کے جلانے کی ہے بھلا کسے یہ طاقت ہے جو اس کے قریب جائے۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد

چو یک دم اندرون افتد بسوزد

شیخ نے جب یہ سنا جلد اس کے فرزند کو آغوش سے چھین کر آتش کدہ کی طرف دوڑے اور بعد بسم اللہ یہ آیہ کریم قلنا یا نار کونی بردا سلاما علی ابراہیم پڑھ کر آگ میں داخل ہوئے۔ یہ خبر منتشر ہونے سے تین چار ہزار مغ آتش کدہ پر آکر شور و فغان کرنے لگے اور شیخ چار ساعت کے بعد مع طفل اس آتش کدہ سوزان سے صحیح و سالم برآمد ہوئے۔ چنانچہ ان کے کپڑوں میں بھی دھبا نہ پہنچا بعدہ مغوں نے فراہم ہو کر اس طفل سے پوچھا کہ اس آتش کدہ میں تمہاری کیا حالت تھی۔ اس نے جواب دیا کہ ہم شیخ کی بدولت خوش اور بشاش گلزار کی سیر دیکھتے تھے۔ آخرش آتش پرستوں کے دل میں نور ایمان کا جوش زن ہوا۔ سبھی نے شیخ کے قدم مبارک پر سر رکھا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے اور شیخ نے ان میں سے مختار کا نام عبداللہ اور لڑکے کا نام ابراہیم رکھ کر ان کی تربیت منظور نظر فرمائی اور دونوں بزرگوار جملہ اولیا سے ہوئے۔

سلطان العارفین خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ

آن نہنگ محیط نور خداے غرقہ لجہ حضور خداے
رفتہ ورلا مکان زہستی خویش کردہ اظہار حق پرستی خویش
شدہ از جان بہ لا مکان واصل کرد ہردم ہزار جان . حاصل
بخدا مجودر خفی وجلی قطب دین بختیار شیخ ولی
زندہ جاوداں زفیض عمیم کشتہ زخم خنجر تسلیم
سینہ عارفان از و گلشن دیدہ عاشقان ازوروشن

واضح ہو کہ سلطان العارفین خواجہ قطب الدین فرزند خواجہ کمال الدین احمد چشتی کے ہیں۔ تولد آنحضرت کا قصبہ اوش میں جو پرگنات ماوراء النہر سے ہے واقع ہوا جس وقت آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا آپ ڈیڑھ برس کے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جو حلیہ عفت اور زیور عصمت سے آراستہ تھیں آپ کی پرورش و پرداخت میں مصروف رہیں اور کتاب خیر المجالس شیخ نصیرالدین اودھی میں لکھا ہے کہ جب آپ پانچ برس کے ہوئے آپ کے ہمسایہ میں ایک مرد نہایت پرہیزگار رہتا تھا۔ آپ کی والدہ نے اسے بلا کر تھوڑے خرمے چھوہارے ایک طباق میں رکھ کر اپنے نورعین کو اس کے ہمراہ کیا اور یہ التماس کی کہ اس معصوم کو کسی معلم کے سپرد کر دیجئے۔ جب وہ لے چلا اثنائے راہ میں ایک پیر روشن ضمیر اہل دل سے دوچار ہوا۔ اس نے پوچھا کہ یہ لڑکا کس دودھ ماں سے ہے۔ ہمسایہ نے جواب دیا کہ اہل صلاح کے خاندان سے ہے لیکن باپ اس کا فوت ہوا اس کی والدہ نے مجھے فرمایا ہے کہ اسے کسی مکتب میں لے جاکر کسی معلم کے سپرد کر دوں لہٰذا میں معلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ پیر نے فرمایا تو یہ کام میرے سپرد کر میں اسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں کہ اس کے انفاس کی برکت سے یہ لڑکا صاحب کمال ہو۔ یہ کلام سنتے ہی ہمسایہ بہ رغبت تمام راضی ہوا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے قصبہ اوش میں ایک معلم جن کا اسم مبارک ابو حفص تھا باتفاق ہمسایہ لے جاکر خواجہ بختیار کو ان کے سپرد کیا اور ان سے فرمایا کہ یہ لڑکا جملہ اولیا سے ہوگا۔ اس پر نظر شفقت اور تربیت مبذول فرمایئے گا بعد رخصت ہونے پیر کے ابو حفص نے خواجہ سے پوچھا کہ یہ کون بزرگوار تھے جو تمکو اس مکتب میں لائے تھے۔ آپ نے عرض کی میں نہیں جانتا میری والدہ نے اس ہمسایہ کے سپرد کیا تھا کہ مجھے کسی معلم کے سپرد کرے یہ پیر اثنائے راہ میں ہمار اخضر ہوا اور آپ کی صحبت فیض موہبت سے مشرف کیا۔

شیخ ابو حفص نے فرمایا وہ پیر دلپذیر حضرت خضر علیہ السلام تھے پھر خواجہ نے ان معلم کی خدمت میں رہ کر قرآن شریف اور آداب شریعت کے یاد کیے اور اخلاق ظاہری اور باطنی کی تہذیب میں مساعی جمیلہ کر کے علم طریقت سے نہایت سعادت حاصل کی اور جیسا کہ خواجہ معین الدین محمد چشتی قدس سرہ کے ذیل حالات میں مذکور ہو اصفہان میں آنحضرت کی ملازمت میں شرفیاب ہو کر مرید ہوئے اور بعض کتب کے سیاق کلام سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بیس برس کے سن میں یہ قصبہ اوش میں خواجہ کی صحبت سے مستفیض ہو کر مرید ہوئے اور منقول ہے کہ آپ رات دن میں دو سو پچاس رکعت نماز ادا کرتے تھے اور دو تین ہزار بار درود حضرت سرور کائنات کی روح پر فتوح پر ہر شب بھیجتے تھے اور اس ملک کے باشندوں کو فیض پہنچاتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیا قد سرہ سے منقول ہے کہ قصبہ اوش میں ایک بزرگوار خواجہ قطب الدین کے مریدوں سے جن کا نام رئیس احمد تھا اور وہ نہایت متقی اور پرہیزگزار تھے انہوں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ محل رفیع اور عالیشان ہے اور خلائق کا اس کی اطراف میں بکثرت تمام ہجوم ہے اور ایک شخص نورانی چہرہ اور میانہ قد اس محل میں جاتا ہے اور آتا ہے اور لوگوں کا پیغام لے جاکر اس کا جواب لاتا ہے۔

رئیس احمد نے اس وقت ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون بزرگوار ہے اور یہ بارگاہ کس عالی جاہ کی ہے کہا اس قصر عالی میں حضرت

سرور کائنات خلاصلہ موجودات رونق افزا ہیں اور یہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں کہ پیغام نام بنام پہنچاتے ہیں یہ سنتے ہی رئیس احمد نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ التماس کی کہ میری طرف سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں عرض کیجئے کہ فلاں شخص حضرت کے دیدار فائض الانوار کا مشتاق ہے۔ اس کے بارہ میں کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ محل میں جاکر یہ جواب لائے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابھی تجھ میں ہمارے دیکھنے کی لیاقت اور قابلیت نہیں ہے۔ جا ہمارا سلام قطب الدین کو پہنچانا اور یہ کہنا کہ کیا سبب ہے۔ وہ تحفہ جو ہر شب ہمارے واسطے بھیجتے ہیں تین رات سے نہیں پہنچا ہے۔ رئیس احمد جب خواب سے بیدار ہوا خواجہ بختیار کی خدمت میں جاکر صورت حال ظاہر کی۔ شیخ سمجھے کہ مجھ سے تقصیر ہوئی اور وہ یہ امر تھا کہ ان دنوں میں آپ کی والدہ کو معلوم تھا کہ خواجہ سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ بہ تکلف تمام ایک دختر صالحہ جو جمال باکمال رکھتی تھی۔ آپ کے سلک ازدواج میں لائیں اور خواجہ نے بمقتضائے بشریت اس سے ایک محبت بہم پہنچا کر تین شب درود فوت کیا تھا۔ اسی وقت اس عورت کو طلاق دی اور بغداد کی سمت روانہ ہوئے اور وہاں کے عارفوں سے ملاقات کر کے شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانی کی صحبت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کی اور جب اس عرصہ میں شیخ جلال الدین تبریزی دوبارہ خراسان سے بغداد میں آئے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دیکھ کر نہایت اتحاد اور محبت بہم پہنچائی اور شیخ نے خواہ قطب الدین کو خواجہ معین الدین چشتی کی خبر سے آگاہی بخشی کہ آنحضرت خراسان سے ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ اب بلدہ دہلی میں رونق افزا ہیں۔

خواجہ قطب الدین اپنے پیر کی اشتیاق ملازمت سے نہایت بے قرار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ کو آنحضرت کی مفارقت گوارا نہ ہوئی۔ ہمراہ ہوئے اور دونوں بزرگوار سیر کرتے ہوئے ملتان میں پہنچے۔ شیخ بہاء الدین زکر ملتانی کی صحبت میں چند روز بزر کیے اور شیخ فرید الدین گنج شکر کہ ابتدائی حال ان کا تھا۔ اس وقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ملازمت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت کی محبت کا رشتہ اپنی کمر جان میں باندھ کر شرف ارادت اور بیعت سے سرفراز ہوئے اور جو ان دنوں میں ترکان بے ایمان وختا خطا اور ختن کی طرف سے تاخت لائے اور ملتان کے قلعہ کو محاصرہ کیا۔ سلطان ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان نے ان کے مدافعہ پر قیام کیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے دعا اور ہمت اور استعانت کا طلبگار ہوا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ایک تیر طلب کر کے ناصر الدین قباچہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ مغرب کی نماز کے وقت برج حصار پر برآمد ہو کر یہ تیر چلہ کمان میں جوڑ کر کفار کی طرف پھینکنا اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھنا۔ جب ناصر الدین قباچہ نے بوقت معین وہ تیر خانہ کمان میں رکھ کر برج قلعہ پر سے اس جماعت کی طرف پھینکا اس کے گرتے ہی خدا کے حکم سے اسی شب کو وہ قوم شوم اس بوم سے ایسی مفقود اور معدوم ہوئی کہ کسی نے اس کا نشان نہ دیا کہ کیا ہوئی اس وقت دونوں بزرگوار عازم سفر ہوئے۔

شیخ جلال الدین تبریزی غزنین کی طرف گئے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی کی سمت متوجہ ہوئے۔ ہرچند ناصر الدین قباچہ نے عجز و زاری کی کہ خواجہ ملتان میں سکونت پذیر ہوں قبول نہ کیا اور یہ جواب دیا کہ یہ مقام عالم غیب سے شیخ بہاء الدین زکریا کے ذمہ کیا گیا ہے اور علاوہ اس کے میں اپنے شیخ طریقت و حقیقت خواجہ معین الدین محمد چشتی کی بلا اجازت کسی مقام میں آرام و قیام نہیں کر سکتا۔ الغرض خواجہ لاہور کے راستہ سے جب دہلی کے اطراف میں پہنچے پانی کی فراوانی کے سبب کیلو کھری میں وارد ہوئے اور عریضہ خواجہ معین الدین محمد چشتی کی خدمت میں کہ ان دنوں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے ارسال کیا کہ میں آپ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ اگر ارشاد فیض رشاد ہو اس جناب کی قدم بوسی سے مشرف ہوں۔ خواجہ معین الدین محمد چشتی نے جواب لکھا کہ قرب روحانی کو بعد مکانی مانع نہیں ہے۔ آپ بخیر و عافیت وہیں رہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ چند روز کے بعد بارادت الٰہی اس طرف متوجہ ہو کر ملاقات کروں گا اور کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش بادشاہ جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آنے سے خبردار ہوا لوازم شکر الٰہی بجالایا اور چاہا کہ اس جناب کو شہر

میں لا کر متوطن کروں۔ آنحضرت نے اس وقت میں پانی کی نایابی کا عذر کیا اور شہر کا رہنا قبول نہ کیا اور شیخ الاسلام شیخ جمال الدین محمد بسطامی نے کہ بزرگان دین سے اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے اعتقاد کمال بہم پہنچایا اور شیخ محمد عطاء معروف بہ حمید الدین ناگوری جنہوں نے بغداد میں خواجہ کو دیکھا تھا۔ وہ بزرگوار بھی اس جناب سے ارادت صادق پیدا کر کے اکثر اوقات خدمت میں حاضر رہتے تھے اور شمس الدین التمش نے التزام کر لیا تھا کہ میں ہفتہ میں دو بار شیخ کی زیارت سے فائض ہو کر فیوض حاصل کروں اور اسی طرح سے دہلی کے اعلیٰ داد نے شیخ کی ملازمت کے بارادت تمام خواہاں ہوئے اور شہر سے کیلوکھری تک راہ ہردم آنے جانے والوں سے بھری رہتی تھی۔ اس واسطے شمس الدین التمش نے خلق اللہ کی آسائش اور آرام کے واسطے شیخ کو پھر شہر میں آنے کی تکلیف دی۔ اس مرتبہ جب اصرار اور مبالغہ حد سے گزرا۔ شیخ نے قبول کیا اور شہر کے قریب مسجد عزالدین میں استقامت فرمائی اور اس زمانے میں شیخ بدرالدین اس جناب کی شرف بیعت اور خرقہ پاک سے مشرف ہوئے اور عمر عزیز آپ کی صحبت میں بسر کر کے کمالات حاصل کیے اور جو کہ ان دنوں میں شیخ جمال الدین محمد بسطامی جوار رحمت ایزدی میں واصل ہوئے تھے۔ شمس الدین التمش نے خواجہ کو منصب شیخ الاسلامی کی تکلیف دی اور جب شیخ نے قبول نہ فرمایا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس منصب سے خصوصیت بخشی۔ شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نے خلائق کے رجوع ہونے سے کہ خواجہ کی خدمت میں ہر وقت ہجوم رکھتے تھے۔ زنگ حسد کا اپنے دل صفا منزل میں پیدا کیا اور آنحضرت سے یک گونہ سو مزاجی بہم پہنچائی اور اتفاقات حسنہ سے انہیں دنوں میں خواجہ معین الدین محمد چشتی نے خطہ اجمیر سے دہلی میں آ کر خواجہ کی خانقاہ میں نزول فرمایا اور خواجہ نے خوشحال ہو کر دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا کی اور چاہا کہ شمس الدین التمش کو خواجہ کی تشریف آوری سے آگاہی بخشے۔

خواجہ مانع ہوئے اور فرمایا میں فقط تمہارے دیکھنے کو آیا ہوں اور دو تین روز سے زیادہ نہ رہوں گا اور جو کہ آنحضرت کو خاص و عام کا اژدہام خوش نہ آتا تھا اور شہرت سے ہراساں اور گریزاں تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سکوت اختیار کیا اور اپنے پیر کی رضامندی اور خوش دلی میں کوشش فرمائی لیکن باوجود اس حال کے شہر کی تمام خلقت ہجوم کر کے شیخ کی زیارت کو حاضر ہوئی مگر شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ جو خواجہ قطب الدین سے حسد رکھتے تھے ایسے مہمان عزیز کی ملاقات کو نہ آئے۔ خواجہ معین الدین محمد چشتی چونکہ خراسان میں شیخ نجم الدین صغریٰ کے ساتھ نسبت اتحاد اور محبت رکھتے تھے۔ اشتیاق غالب ہوا ان کے دیکھنے کو خود تشریف لے گئے اور شیخ نجم الدین ان دنوں مزدوروں سے کچھ کام عمارت کا لیتے تھے۔ شیخ کا استقبال جیسا کہ چاہیے بجا نہ لائے اور خواجہ بھی مقتضائے بشریت ان سے آزردہ ہوئے۔ کہا اے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ تجھے کیا ہوا ہے جو تو نے اپنا مزاج ایسا متغیر کیا ہے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی کی جاہ نے تجھے غرور کے چاہ میں ڈالا ہے۔ شیخ نجم الدین یہ کلام سن کر متنبہ ہو کر بہ معذرت پیش آئے اور کہا کہ میں اسی طرح سے آپ کا مخلص ہوں جیسے پیشتر سر آپ کے قدم مبارک پر گھستا تھا۔ اب آپ نے اپنے ایک مرید کو اس شہر میں متوطن کیا ہے۔ تمام خلائق اس سے رجوع ہوتی ہے اور کوئی شخص ہماری شیخ الاسلامی کو ایک برگ سبز کے عوض نہیں خریدتا ہے۔ خواجہ معین الدین محمد چشتی نے جب یہ کلام شکایت انجام سنا متبسم ہو کر فرمایا اے شیخ خاطر جمع رکھ کہ میں قطب الدین کو اپنے ہمراہ اجمیر لے جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کے مکان سے برآمد ہوئے ہر چند شیخ نجم الدین طعام ماحضر کے مصر ہوئے قبول نہ کیا اور کہتے ہیں۔ انہیں دنوں میں شیخ فرید الدین شکر گنج عراق اور خراسان اور ماوراء النہر اور مکہ مدینہ سے مراجعت کر کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت میں رہتے تھے۔ بذریعہ خواجہ قطب الدین خواجہ معین الدین محمد چشتی کی دست بوسی سے شرفیاب ہوئے اور خواجہ نے فرمایا۔ اے بابا بختیار تم شاہ باز عظیم القدر کو قید میں لائے ہو کہ سدرۃ المنتہی کے سوا آشیان نہ لگائے گا اور فرید وہ شمع ہے جو درویشوں کے خانوادہ کو روشن کرے گا اور انہیں دنوں میں خواجہ معین الدین محمد چشتی اجمیر کی طرف تشریف لے گئے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اپنے پیر کے ہمراہ رکاب

روانہ ہوئے۔ شہر کی خلقت یہ خبر سن کر اضطراب میں مبتلا ہوئی اور ہر ایک محلہ سے شور ماتم برپا ہوا۔ اہل دین درد و اندوہ کے مقرین ہوئے اور خواجہ کے پیچھے روانہ ہوئے۔

جس مقام میں آپ کے قدم مبارک کا نشان پاتے تھے۔ وہاں کی خاک تبرکاً تیمناً اٹھاتے تھے اور خواجہ معین الدین محمد چشتی نے یہ مشاہدہ کر کے فرمایا بابا قطب الدین بختیار کاکی لوگ تیری مفارقت سے پریشان اور آزردہ خاطر ہیں۔ اتنے قلوب کی خرابی اور خستہ حالی مجھے منظور نہیں۔ تم اسی مقام میں بودوباش اختیار کرو کہ اس شہر کو اور تجھے خدا کی حفظ و حمایت میں چھوڑا اور بعض راویوں سے یہ منقول ہے کہ شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی روانگی سے جب مطلع ہوا آدمی متواتر خواجہ معین الدین محمد چشتی کی خدمت میں بھیج کر تہنیت تمام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بازگشت کی التماس کی اور شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آخر عمر میں قرآن شریف حفظ کر کے ہر روز دو بار کلام مجید ختم کرتے تھے اور مال دنیوی سے ایک پیسا نگاہ نہ رکھتے تھے اور آخر کو تاہل بھی فرمایا یعنی ایک بی بی کو اپنے عقد میں لائے اس کے بطن مبارک سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ ایک کا نام شیخ احمد اور دوسرے کا شیخ محمد رکھا اور شیخ محمد سات برس کی عمر میں فوت ہوا اور اس کی ماں حرم سرا میں نوحہ و زاری اور گریہ و بے قراری کرتی تھی اور خواجہ قطب الدین نے شیخ بدرالدین سے پوچھا کہ یہ آواز پر سوز آج ہمارے مکان سے کیسی برآمد ہوئی ہے۔ سبب کیا ہے۔ شیخ نے عرض کی شیخ محمد نے رحلت کی۔ اس کی والدہ گریہ و زاری کرتی ہے۔ خواجہ قطب الدین نے یہ سانحہ سنتے ہی کف افسوس مل کر فرمایا اگر مجھے رحلت فرزند سے خبر ہوتی اس کی تندرستی کے واسطے حضرت شافی مطلق سے استدعا کرتا لیکن جو کہ یہ امر مقدر ہو چکا تھا۔ مجھے معلوم نہ ہوا یہ اور اس کی والدہ کو ماتم اور جزع فزع سے ممانعت کی اور خود مشغول بہ مراقبہ ہوئے اور خواجہ کو قطب الدین بختیار کاکی اس سبب سے کہتے ہیں کہ جب خواجہ نے دہلی میں سکونت اختیار کی کسی سے کچھ نہ لیتے تھے اور گاہے ماہے کوئی شخص ازروئے اخلاص اگر نذر لاتا حضرت اسے قبول کر کے اسی وقت فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ مال دنیا سے کچھ اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان دنوں میں خواجہ کے مکان میں نو آدمی زن اور فرزند اور خادمہ سے تھے اور آپ کے ہمسایہ میں ایک بقال مسمی شرف الدین تھا۔ اس کی زوجہ خواجہ کی بی بی کے پاس بسبب رابطہ ہمسائگی کبھی کبھی آ جاتی تھی۔

جس وقت حضرت کے گھر میں قسم ازوقہ سے کوئی چیز موجود نہ ہوتی تھی اور ایک دو فاقہ کی نوبت پہنچی تھی خواجہ کی زوجہ بقال کی عورت سے بمقدار نیم تنکہ یا کم زیادہ قرض لے کر اپنے فرزندوں اور متعلقوں کی قوت میں صرف کرتی تھیں اور خواجہ کو اس معاملہ سے خبر نہ تھی اور جس وقت غیب سے کچھ پہنچتا تھا۔ بی بی قرض ادا کرتی تھیں ایک دن شرف الدین بقال کی زوجہ نے اثنائے کلام میں خواجہ قطب الدین کی بی بی سے یہ بات کہی کہ میرے سبب سے تمہارا نباہ ہوتا ہے۔ اگر میں نہ ہوں تم سب فاقہ کشی سے ہلاک ہو جاؤ۔ بی بی کو یہ کلام نہایت ناگوار ہوا اور اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ اب میں اس سے ہرگز قرض نہ لوں گی۔ ایک دن بی بی نے کسی تقریب سے یہ امر خواجہ کی سمع مبارک میں پہنچایا اور خواجہ یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے۔ کچھ دیر مراقبہ میں جا کر سر اٹھا کر بی بی سے ارشاد کیا کہ خبردار آئندہ پھر قرض نہ لیا اور ضرورت کے وقت حجرہ کے طاق سے بسم اللہ کہہ کر گروے کاک یعنی چپاتی جس قدر درکار ہو لے کر اپنے فرزندوں اور جسے مطلوب ہو ان کے صرف میں لایا کرو اس دن سے خواجہ کی زوجہ ہمیشہ بوقت حاجت اس طاق سے گرما گرم مانڈے برآوردہ کر کے لوگوں کو تقسیم کرتی تھیں۔

ظاہراً خواجہ خضر علیہ السلام وہ مائدہ پہنچاتے تھے۔ اب بھی اسی طرح آنحضرت کے مقبرہ میں روٹیاں پکا کر مسافروں اور مجاوروں کو دیتے ہیں اور ہندی نان تنک کو کاک کہتے ہیں اور شیخ نظام الدین اولیاء اپنے پیر شیخ فرید الدین شکر گنج سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار نے شروع حال میں قصبہ اوش سے مسافرت اختیار کی اور ایک شہر میں پہنچ کر چند روز وہاں مقیم ہوئے اور اس شہر کے باہر

ایک مسجد اور ایک مینار تھا اور خواجہ قطب الدین بختیار کو یہ خبر پہنچی تھی کہ جس وقت کوئی شخص گوشہ خالی میں دوگانہ ادا کرے اور آخر شب میں فلاں دعا پڑھے حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے البتہ اسے ملاقات نصیب ہو۔ اس لیے خواجہ آخر شب کو اس مسجد میں گئے اور دوگانہ بجا لا کر وہ دعا پڑھی جب کسی شخص کو نہ دیکھا مایوس ہو کر مسجد سے برآمد ہوئے۔ جب مسجد کے دروازہ پر پہنچے ایک پیر نورانی چہرہ سے دوچار ہوئے۔ اس پیر روشن ضمیر نے فرمایا یہاں کیا کرتے ہو۔ خواجہ نے حقیقت حال مشروحاً بیان کی پیر نے فرمایا تو دنیا طلب کرتا ہے۔ خواجہ قطب الدین نے فرمایا نہیں۔ پیر نے فرمایا کہ کچھ دنیا ضرور ہے۔ کہا نہیں کہا پھر تو خواجہ خضر کو کس واسطے طلب کرتا ہے۔ وہ بھی مانند تیرے سرگرداں ہے۔ لیکن اس شہر میں ایک مرد ہے وہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ایسا مشغول ہے کہ سات مرتبہ خضر اس کی زیارت کو گئے۔ بار نہ پایا خلاصہ یہ کہ وہ دونوں بزرگوار اس گفتگو میں تھے کہ ایک پیر اور گوشہ مسجد سے برآمد ہوئے اور پیر اول نے ہاتھ خواجہ قطب الدین کا پکڑ کر اس پیر کی طرف توجہ کی اور کہا یہ مرد نہ دنیا چاہتا ہے اور نہ اس پر کچھ قرض ہے مگر آپ کی صحبت کی آرزو رکھتا ہے۔ خواجہ قطب الدین یہ سن کر نہایت محظوظ ہوئے کہ خواجہ خضر علیہ السلام کو پایا اور سمجھے کی پیر اول رجال الغیب میں سے ہے اور پیر ثانی خضر علیہ السلام ہیں۔ پھر وہ دونوں بزرگوار نظر سے غائب ہوئے اور نیز حضرت نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے دل میں مدت مدید سے یہ آرزو تھی کہ شہر دہلی کے اطراف میں ایک حوض یعنی تالاب بناؤں تو خلایق پانی کی عسرت سے نجات پائے۔ اتفاقاً ایک شب کو شمس الدین التمش نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ کائنات اور خلاصہ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مقام میں گھوڑے سوار کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں اے شمس الدین اگر تو تالاب بنانے کی نیت رکھتا ہے تو اس مقام میں جہاں میں استادہ ہوں تالاب تیار کر شمس الدین التمش اس بشارت فیض اشارت سے نہایت خوش ہوا۔ جب خواب سے بیدار ہوا اس مقام کو کہ حضرت رسالت پناہ نے ارشاد فرمایا تھا خوب ذہن نشین کر کے آدمی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں بھیج کر یہ پیغام دیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اگر ارشاد ہو تو خدمت میں حاضر ہو کر عرض کروں اور چونکہ یہ امر خواجہ پر کشف ہوا تھا جواب دیا میں اس مقام میں کہ حضرت رسالت پناہ نے تالاب کی تیاری کے بارہ میں ہدایت فرمائی ہے۔ جاتا ہوں آپ بہت جلد تشریف لائیں تو بہتر ہے۔

جب بادشاہ شمس الدین التمش نے خواجہ کا جواب سنا فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر خواجہ کے مکان کی طرف بسبیل استعجال روانہ ہوا تاکہ ان سے مل کر مقصد یاب ہو خادموں نے شمس الدین التمش سے عرض کی کہ شیخ فلاں مقام میں تشریف لے گئے ہیں۔ شمس الدین بسرعت تمام روانہ ہوا اور خواجہ کو اس مقام میں مشغول نماز دیکھا اور بعد فراغ نماز شمس الدین التمش خواجہ کی دست بوسی سے مشرف ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ جس مقام میں شمس الدین التمش نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار دیکھا تھا حضرت کے گھوڑے کے سم کا نشان ظاہر تھا اور بعد ایک لحظہ کے اس نشان سے پانی نمود ہوا۔ چنانچہ اسی مقام میں تالاب تیار کر کے حضرت کے گھوڑے کے نشان سم پر صفہ اور ایک گنبد تعمیر کیا اور انہیں دنوں میں اس حوض سے ایک چشمہ سا بہم پہنچا کہ اب تک وہ چشمہ جاری ہے اور اکثر باغات اس چشمہ سے سیراب ہوتے ہیں اور امیر خسرو دہلوی نے اس حوض اور چشمہ کی تعریف مثنوی قرآن السعدین میں تحریر فرمائی ہے اور اکثر مشائخ دہلی کے حتیٰ کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حوض کنارے ذکر حق میں مشغول ہوئے اور کہتے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ایک روز اس مسجد میں جو لنگر شمس الدین التمش کے پہلو میں تالاب مذکور کے متصل واقع ہے بیٹھے تھے اور شیخ حمید الدین ناگوری اور خواجہ محمود موئینہ دوز اور شیخ بدرالدین غزنوی اور تاج الدین منور بھی حاضر تھے۔ اس اثناء میں حوض کے کنارے ایک شتر سوار کبود پوش منہ لپیٹے پیدا ہوا اور اونٹ سے اتر کر کپڑے اتار کر حوض میں داخل ہوا اور بعد غسل تالاب سے برآمد ہو کر دو رکعت نماز ادا کی پھر مسجد کی طرف متوجہ ہو کر لوگوں کو آواز دی کہ تم کون ہو۔ تاج الدین منور نے جواب دیا کہ ہم درویش خدا پرست ہیں۔ اس نے پھر آواز دی کہ اے تاج الدین منور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو میرا سلام پہنچا اور کہہ کہ ابو سعید دمشقی جو نیاز مندی میں مخصوص ہے خواجہ

قدس سرہ نام ابو سعید دمشقی کا سنتے ہی مع درویشاں ہمراہی ان کی ملاقات کو روانہ ہوئے جب اس مقام میں پہنچے کچھ اثر اور نشان نہ دیکھا معلوم ہوا کہ رجال الغیب سے تھا۔ منقول ہے کہ ایک شاعر ناصری تخلص ماوراء النہر سے دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین کے مکان پر وارد ہوا اور آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہو کر یہ عرض کی کہ میں نے ایک قصیدہ شمس الدین التمش کی مدح میں کہا ہے۔ امیدوار دعا ہوں کہ اس کا صلہ خوب پاؤں۔ خواجہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ خوب انعام پائے گا۔ ناصری نے شمس الدین التمش کے دربار میں جاکر وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا کہ جس کا مطلب یہ ہے۔

اے فتنہ از نہیب توزنہار خواستہ
تیغ تو مال و فیل زکفار خواستہ

شمس الدین التمش اس وقت دوسری طرف متوجہ تھا۔ ناصری نے مضطرب ہو کر خواجہ کو شفیع لا کر ہمت چاہی فوراً بادشاہ ناصری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا پڑھ۔

اے فتنہ از نہیب توزنہار خواستہ
تیغ تو مال و فیل زکفار خواستہ

ناصری نے جب دیکھا کہ باوجود مشغولی اور سمت کے شاہ نے ایک بار مطلع سن کر یاد رکھا پھر تو خوش ہو کر تمام قصیدہ پڑھا۔ شمس الدین التمش نے فرمایا کہ ایک بار اسے اور پڑھ جب پھر پڑھا پوچھا کہ اس قصیدہ میں کتنے شعر ہیں۔ عرض کی ترپن (۵۳) شمس الدین التمش نے حکم کیا کہ ترپن ہزار تنگہ نقرہ ناصری کو دیں اور ناصری وہ زر خطیر لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ صلہ حضرت کے انفاس کی برکت سے دستیاب ہوا۔ امیدوار ہوں کہ یہ سب روپیہ حاضر ہے۔ اگر سب نہیں قبول ہوتا تو اس میں سے نصف فقراء کو تقسیم فرما دیں۔ خواجہ نے قبول نہ کیا فرمایا سب تجھے ارزانی ہوا اور منقول ہے کہ ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی خواجہ قطب الدین علی بجستانی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت محفل سماع برپا تھی اور قوال یہ بیت گاتا تھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است

خواجہ کے مزاج میں ایسا تغیر ظاہر ہوا کہ بے ہوش ہوگئے اور قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدرالدین غزنوی کہ حاضر تھے خواجہ قطب الدین کو مکان میں لائے اور ان قوالوں کو جو یہ بیت پڑھتے تھے حاضر کر کے اس بیت کی تکرار کا حکم کیا اور خواجہ وجد فرما کر پھر حال میں مستغرق ہوگئے اور تین شبانہ روز یہ حالت رہی اور آنجناب کا تمام اندام اور بند بند نادرست ہوا۔ چنانچہ شب دو شنبہ ربیع الاول کی چودھویں تاریخ ۶۳۴ چھ سو چونتیس ہجری میں سر مبارک شیخ حمید الدین ناگوری کے زانو پر رکھا اور قدم شیخ بدرالدین غزنوی کی آغوش میں رکھے۔ اتنے میں آپ کی حالت دگرگوں ہوئی۔ اس وقت شیخ حمید الدین ناگوری نے عرض کیا کہ حال مخدوم کا دگرگوں ہے۔ خلافت کے بارہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے شیخ قطب الدین باوجود اس کے کہ اولاد اکبر موجود تھی اور اس کے سوا اور مشائخ حاضر تھے فرمایا کہ وہ خرقہ جو مجھے خواجہ معین الدین محمد چشتیؒ سے پہنچا ہے۔ مع مصلائے خاص اور عصا اور نعلین چوبین شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کو کہ خلافت ساتھ ان کے تعلق رکھتی ہے۔ پہنچاؤ یہ فرمایا اور عالم فنا سے رحلت کی منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اس وقت قصبہ ہانسی میں متوطن تھے اور جس شب کو خواجہ رحلت کریں گے اسی دم ان پر کشف ہوا علی الصباح دہلی کی سمت روانہ ہوئے اور ایک درویش کو کہ شیخ حمید الدین ناگوری نے بعد رحلت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی اطلاع کے واسطے روانہ کیا تھا۔ وہ نصف راہ قصبہ محہ میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت سے مشرف ہوا اور شیخ حمید الدین ناگوری کا مکتوب حوالہ کیا۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اس کا مضمون پڑھ کر مطلع ہوئے وہاں سے

بسبیل استعجال روانہ ہوئے اور تیسرے دن خواجہ کے مزار پر حاضر ہو کر لوازم زیارت بجالائے۔ اس وقت شیخ بدرالدین ناگوری اور شیخ بدرالدین غزنوی نے خرقہ اور مصلا اور عصا اور نعلین چوبیں حسب وصیت حضرت کے انہیں سپرد کیں اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اسی مصلا کو بچھا کر دوگانہ بجالائے اور خواجہ قطب الدین کے مکان پر جا کر سب کو امر بہ صبر فرمایا ور ایک ہفتہ وہاں رہ کر خواجہ کے متعلقوں کو سمجھاتے رہے اور حضرت نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ عید کے روز نماز دوگانہ ادا کر کے ایک مقام میں جہاں ان کی قبر ہے وارد ہوئے اور اس زمین کو مصفا اور قبر سے خالی دیکھ کر ایک لحظہ اس مقام میں استادہ ہو کر متامل ہوئے اور درویش جو حضرت کے ہمراہ تھے انہوں نے خواجہ سے یہ عرض کی کہ آج روز عید ہے اور ایک خلقت آپ کی ملازمت کی تمنا رکھتی ہے۔ سبب توقف کا کیا ہے۔ خواجہ نے ارشاد کیا کہ مجھے اس زمین سے بوئے محبت آتی ہے۔ ایک ساعت تم میرے ساتھ یہاں ٹھہرو یہ فرما کر خواجہ نے اس زمین کے مالک کو طلب کیا اور مال حلال سے وہ زمین خرید کر کے اپنے مدفن کے واسطے معین کی اور بعد وفات حسب وصیت لوگوں نے آپ کو اسی قطعہ زمین میں دفن کیا۔

سلطان المشائخ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز

گل گلزار انوار معانی در دریائے گنج لا مکانی
مئے وحدت زجام عشق خوردہ قدم در عالم لاہور بردہ
بہ ملک فقر شاہنشاہ کا مقصود فریدالدین ملت شیخ مسعود

حضرت کے جد امجد مشہور فرخ شاہ ملک کابل کے حاکم تھے اور آپ کے پدر والا گہر شیخ کمال الدین سلیمان سلطان شہاب الدین غوری کی عہد سلطنت میں کابل سے ملتان میں آئے اور بادشاہ نے قصبہ کھوتووال جو ملتان کے قریب ہے آپ کو مرحمت کیا اور کمال الدین سلیمان نے وہاں متوطن ہو کر وجیہ الدین خجندی کی بیٹی جو زیور عفت اور حلیہ عصمت سے آراستہ تھی- اپنے عقد ازدواج میں لائے اور اس عفیفہ کے بطن مبارک سے تین فرزند متولد ہوئے- بڑے بیٹے کا نام فریدالدین محمود اور منجھلے کا اسم فریدالدین مسعود اور چھوٹے کا حبیب الدین المشہور بہ متوکل تھا اور شیخ فرید شہور ۵۸۴ پانچ سو چوراسی ہجری میں قصبہ کھوتووال میں پیدا ہوئے تھے- کہتے ہیں ایک شب کو شیخ کی والدہ ماجدہ نماز تہجد میں مشغول تھیں- ایک چور آپ کے مکان میں آیا- جب اس چور کی نگاہ اس عفیفہ پر پڑی وہ چور فوراً نابینا ہوا اور چاہا کہ نکل جاؤں راہ نہ سوجھی- آواز دی کہ میں اس مکان میں چوری کو آیا تھا یہاں کون شخص ہے کہ جس کے نور باطن سے اندھا ہوا- اب میں عہد کرتا ہوں کہ اگر آنکھیں میری روشن ہو جائیں تو عمر بھر چوری نہ کروں گا اور کفر سے اسلام میں داخل ہوں گا- شیخ کی والدہ نے جب یہ سنا اس کی بینائی کے واسطے درگاہ مجیب الدعوات میں دعا کی- چنانچہ تیر دعا کا قبولیت کے نشانہ سے مقرون ہوا- یعنی وہ چور بینا ہوا اور اپنا راستہ لیا- اس حال سے سوائے اس رابعہ وقت کے کسی کو خبر نہ تھی- چور نے صبح کو شب کا ماجرا اپنے اہل و عیال سے بیان کیا اور ایک ہانڈی دہی کی سر پر لے کر ان بی بی صاحبہ کی خدمت میں جا کر احوال شب کا بیان اور عرض کی کہ میں حسب وعدہ حاضر ہوا ہوں کہ شرف اسلام سے مشرف ہوں- یہ کہہ کر کلمہ شہادت زبان پر جاری کر کے دین اسلام باعتقاد تمام قبول کیا اور نام اس کا عبداللہ ہوا اور مدت عمر خدمت میں مصروف رہا- چنانچہ اب تک قبر اس کی اسی قصبہ میں ہے اور لوگ اس کی زیارت سے تبرک پاتے ہیں اور شیخ فریدالدین مسعود کے والد اور ان کے بڑے بھائی اعزالدین کا مزار بھی اس قصبہ میں موجود ہے اور نقل ہے کہ شیخ اٹھارہ برس کے سن میں قبۃ الاسلام ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی خدمت میں کتاب نافع جو فقہ میں ہے پڑھتے تھے اور کلام اللہ حفظ کر کے رات دن میں ایک بار ختم کرتے تھے اور اسی مسجد میں رہتے تھے- ان دنوں میں ایک بار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی جو بن نظر آنحضرت کے چہرہ نورانی پر پڑی دل سے حضرت کے عاشق ہوئے اور سر آپ کے قدم مبارک پر رکھا- خواجہ نے پوچھا کہ تمہاری بغل میں کون سی کتاب ہے- عرض کی کتاب نافع فقہ خواجہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں یہ نافع ہو گی اور شیخ دست ارادت خواجہ کے دامن میں مستحکم کر کے ملتان میں رہے- اکثر اوقات آنجناب کی صحبت میں فیض یاب ہوتے تھے اور جب خواجہ دہلی کی طرف متوجہ ہوئے یہ بھی ہمراہ رکاب روانہ ہوئے- خواجہ نے فرمایا بابا فرید اس ترک تجرید میں بھی چند روز علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول رہ اور بعد اس کے دہلی کی طرف آ کر میری صحبت میں قیام کر بزرگان نے کہا ہے کہ زاہد بے علم مسخر شیطان ہو جاتا ہے- بابا فرید و فور محبت سے تین منزل ہمراہ گئے- بعد اس کے رخصت ہوئے اور اپنے پیر کے حکم کے موافق قندھار میں جا کر پانچ برس علوم تحصیل کیے- من بعد شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور شیخ سیف الدین خضری اور شیخ سعید الدین حموی اور شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ فریدالدین محمد عطار نیشاپوری کی شرف

ملازمت میں مشرف ہو کر ہر ایک سے ایک فیض حاصل کیا اور شیخ سیف الدین خضری نے ان سے فرمایا کہ اے فرزند جب تو اس راہ میں سب سے بیگانہ ہو گا تب خدا سے یگانہ ہو گا۔

تاخانہ دل خالی از اغیار نیابی
بام دور ایں خانہ پر ازیار نیابی

اور شیخ سعیدالدین حموی اور شیخ بہاء الدین زکریا ان سے یہ ارشاد کرتے تھے کہ اے فرزند پردہ پوشی درویشی ہے نہ خرقہ پوشی اور خرقہ پوشی اس شخص کو حق ہے جو برادر مسلمان کا عیب چھپائے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان سے فرمایا کہ اے بھائی جب تک اس راہ میں دل سے نہ چلے گا قدم سیدھا نہ پڑے گا اور جب تک یا چشم تر نہ ہو گا تب تک حاشا مقام قرب میں نہ پہنچے گا اور یہ رباعی شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے نتائج انفاس متبرکہ سے ہے۔

گیرم کہ بہ شب نماز بسیار کنی در روز دوائے شخص بیمار کنی
تادل نہ کنی زغصہ و کینہ تہی صد خرمن گل برسر یک خار کنی

کہتے ہیں کہ شیخ فرید جب سفر سے مراجعت کر کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کو دہلی میں آئے۔ خواجہ ان کے آنے سے نہایت محظوظ اور مسرور ہوئے اور غزنین کے دروازے کے قریب ان کے واسطے ایک حجرہ معین فرمایا اور ان کی تربیت اور تہذیب میں مشغول ہوئے اور بابا فرید قدس سرہ برخلاف دوسرے مریدوں مثل بدرالدین غزنوی و شیخ احمد نہروالی کے دو ہفتہ بعد حضرت قطب صاحب کی زیارت کو حاضر ہوتے اور وہ لوگ اکثر اوقات خواجہ کی خدمت میں رہتے تھے اور جب شیخ کا شہرہ حد سے زیادہ ہوا اور خلقت ہجوم لا کر آنحضرت کی اوقات کے مزاحم حال ہوئی آپ خواجہ سے رخصت ہو کر قصبہ ہانسی میں گئے اور اس مقام میں سکونت کر کے خواجہ کے بعد انتقال دہلی میں آئے اور خواجہ کی خرقہ اور عصا اور مصلا سے اختصاص پا کر خواجہ کی خانقاہ میں استقامت فرمائی لیکن بعد ایک ہفتہ کے جمعہ کے روز بہ نیت نماز خانقاہ سے برآمد ہوئے تھے کہ ایک مجذوب سرہنگانام جو ہانسی میں اکثر شیخ کی صحبت میں مشرف ہوتا تھا۔ دہلیز خانہ میں استادہ تھا دوڑ کر اس نے حضرت کے پاؤں کا بوسہ لیا اور گریاں اور نالاں ہو کر عرض کی کہ میں آپ کی مفارقت میں بے طاقت ہو کر ہانسی سے آیا ہوں اور اس ملک کے باشندے آپ کا اشتیاق ملازمت حد سے زیادہ رکھتے ہیں۔ شیخ نے جب یہ کلام سنا اور خلائق کے ہجوم سے بھی شکایت رکھتے تھے۔ فرمایا کہ یہ نعمت مجھے خواجہ سے پہنچی ہے۔ یہاں رہا تو کیا وہاں رہا تو کیا۔ یہ فرمایا اور خواجہ کے صاحبزادوں سے رخصت ہو کر ہانسی کی سمت روانہ ہوئے۔ جب وہاں بھی خلق کا ہجوم زیادہ ہوا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی کو خرقہ تبرک دے کر اس مقام میں چھوڑا اور خود بدولت نے یہ ارادہ کر کے کہ میں اب کی مرتبہ ایسی جگہ جاؤں کہ کوئی مجھے نہ پہچانے۔ مسافرت اختیار کی اور جب قصبہ اجودھن میں کہ فی الحال یہ پٹن شیخ فرید مشہور ہے اور دیپالپور کے قریب واقع ہے۔ پہنچے دیکھا کہ وہاں کے آدمی بیشتر کج خلق اور بدمزاج ہیں اور زاہد اور عالم سے کچھ غرض نہیں رکھتے ہیں۔ اس واسطے وہاں اقامت کر کے مشغول بحق ہوئے اور نیز یہ نقل کرتے ہیں کہ قصبہ کے نزدیک ذخیرہ درختوں کا تھا اور ایک درخت کے نیچے جو سب سے بڑھا تھا اپنی کملی بچھا کر چند دن بفراغت اپنے کام میں مشغول ہوئے اور شیخ نصیرالدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ شیخ اس قصبہ میں ایک بی بی صالحہ کو اپنے عقد نکاح میں لائے اور جب آفریدگار عالم نے فرزند کرامت فرمائے۔ مسجد جامع کے قریب ایک حویلی اپنے اہل و عیال کے رہنے کو تعمیر کی اور خود اکثر اوقات اس مسجد میں بہ عبادت خدا بسر لے جاتے تھے لیکن جب آوازہ آپ کی مشیخیت کا اطراف و کناف میں منتشر ہوا۔ گوشہ گیری نے فائدہ نہ بخشا طالبان حق وہاں بھی رجوع ہوئے اور شیخ بہ ناچاری و مجبوری خاص و عام سے بلطف تمام پیش آتے تھے اور ان سے یہ فرماتے تھے جو تم مجھ پر توجہ فرماتے ہو تو ایک کام کرو جدا جدا آیا کرو تو نظر علیحدہ علیحدہ کرو اور کہتے ہیں اجودھن کے قاضی نے وفور حسد سے دروازہ

خصومت کا کھولا اور سپاہی اور جاگیردار وہاں کے قاضی کے اغوا سے شیخ کے فرزندوں کو مزاحمت پہنچاتے تھے اور شیخ ہرگز ملتفت نہ ہوتے تھے کہ وہ کیا کرتا ہے اور ان پر کیا گزرتی ہے۔

یہاں تک کہ قاضی نے ملتان کے اعیان اور صدور کو لکھا کہ جو شخص اہل علم سے ہو اور وہ مسجد میں قیام کر کے راگ سنے اور رقص کرے اس کے بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے۔ انہوں نے در جواب لکھا کہ تم پہلے اس شخص کا نام لکھو کہ وہ کون ہے تو ہم فتویٰ لکھیں۔ قاضی نے نام شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا قلمی کیا ملتان کے عالموں نے جب شیخ کا اسم شریف سنا قاضی سے نہایت رنجیدہ ہوئے اور لکھا تو نے اس درویش کا نام لکھا ہے کہ مجتہدین کو مجال نہیں کہ اس کے قول پر اعتراض کریں۔ لیکن قاضی باوجود اس حال کے اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ جب فرصت پاتا تھا باتفاق جاگیرداروں کے آنجناب کے فرزندوں کو ایذا پہنچاتا تھا اور فرزند جب حضرت سے شاکی ہوتے تھے۔ شیخ ان سے فرماتے تھے جو ظلم چاہیں کریں۔ خود ہی ان سے انتقام لیا جائے گا لکھا ہے:

کہ چند روز گزرے تھے کہ دشمن متفرق اور پریشان ہوئے اور باقی ماندگان نے شیخ کے فرزندوں کی اطاعت اور محبت اختیار کی اور شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے۔ کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی یہ عادت تھی کہ نماز کے بعد قریب دو ساعت سرخاک نیاز پر رکھ کر ساتھ حق کے مشغول ہوتے تھے۔

اور جاڑے کی موسم میں مرید پوستین حضرت پر ڈالتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے سوا مریدوں میں کوئی نہ تھا کہ ایک قلندر حرم پوش حلقہ بگوش آیا اور بہ آواز بلند ہر طرح کے رطب ویابس کہنے شروع کیے۔ شیخ نے حالت سجود میں فرمایا کہ یہاں کوئی موجود ہے۔ میں نے عرض کی آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے پھر فرمایا میرے قریب ایک قلندر ایستادہ ہے۔ میں نے عرض کی ہاں پھر فرمایا زنجیر کمر پر رکھتا ہے۔ میں نے کہا ہاں پھر ارشاد کیا حلقہ سفید کان میں رکھتا ہے۔ میں نے عرض کی پہنے ہے۔ الحاصل جب میں اس پر نظر کرتا تھا اس کا رنگ تبدیل اور متغیر ہوتا تھا۔ شیخ نے پھر حالت سجدہ میں فرمایا کہ اے نظام الدین وہ ایک چھری برہنہ کمر میں رکھتا ہے۔ اس سے کہو کہ فضیحت نہ ہو یہاں سے دفع ہو۔ قلندر یہ سنتے ہی بھاگ گیا اور کہتے ہیں اجودھن کے قاضی نے زر خطیر اس قلندر کو دے کر شیخ کی شہادت پر راضی کیا تھا کہ عین سجدہ میں آنجناب کو شہید کرے اور شیخ نظام الدین سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ فرید سجادہ پر بیٹھے تھے اور اسی طور سے ایک قلندر نے آکر بہ آواز درشت کہا کیا تو نے خود آرائی کی ہے اور خلق کو اپنی پرستش کو چھوڑا ہے۔ شیخ نے جواب دیا میں نے نہیں کی۔ خدائے تبارک و تعالیٰ نے کی ہے۔ کس واسطے کہ کوئی شخص سوائے خدائے تعالیٰ کے اپنے تئیں ایسا نہیں بنا سکتا۔ قلندر شیخ کے حسن خلق پر ثنا خواں ہو کر معتقد ہوا اور شیخ نصیرالدین محمود اودھی اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء سے نقل کرتے ہیں کہ ایک درویش گدڑی پہنے ہوئے شیخ کے پاس آیا۔ شیخ نے اسے کچھ دے کر رخصت کیا۔ اس نے ایستادہ ہو کر کنگھی جو شیخ نے کنگھی دان سے برآور دہ کر کے مصلے پر رکھی تھی طلب کی اور شیخ نے اس کنگھی کو جو مدت سے استعمال میں لائے تھے۔ اسے حقیر جان کر اس کو جواب نہ دیا اور درویش بے شرم نے بہ آواز بلند کہا اے شیخ اگر تو یہ کنگھی مجھے دے تو تجھے برکت تمام حاصل ہو۔ شیخ نے فرمایا جا اس سے زیادہ میرا مزاحم حال نہ ہو تجھے اور تیری برکت کو میں نے آب رواں میں ڈالا قصہ کوتاہ فقیر عازم سفر ہوا۔ جب اس چشمہ پر جو قصبہ اجودھن کے باہر جاری ہے پہنچا اور کپڑے اتار کر غسل کے واسطے درمیان میں در آیا۔ ایسا بحر فنا میں ڈوب کر غوطہ لگایا کہ پھر کسی نے اس کا نشان نہ پایا کہ کیا ہوا اور راویوں نے روایت کی ہے کہ قصبہ اجودھن کے حاکم نے قاضی کے وسوسہ سے شیخ کے فرزندوں پر سختی حد سے زیادہ کی۔ ایک دن شیخ کے بڑے صاحبزادے نے آزردہ ہو کر باپ سے عرض کی کہ آپ کی بزرگی سے ہمیں یہ فائدہ پہنچا ہے کہ حاکم کی طرف سے رات دن غم و الم میں رہتے ہیں۔ شیخ یہ کلام سن کر آزردہ ہوئے اور عصا جو ہاتھ میں رکھتے تھے اٹھا کر زمین پر مارا۔ اسی دم حاکم درد شکم میں گرفتار ہوا اور کہا مجھے شیخ کے مکان پر لے چلو۔ ابھی حضرت کے مکان پر نہ پہنچا تھا کہ طائر روح اس کا اثنائے راہ میں

قفس تن سے پھڑک کر نکل گیا اور نقل ہے کہ اجودھن میں ایک عامل محرر تھا۔ وہاں کا حاکم اس پر جور و تعدی کرتا تھا۔ وہ شیخ کے پاس پناہ لایا اور التماس شفاعت و سفارش کی۔ شیخ نے پہلے اپنا خادم حاکم کے پاس بھیج کر پیغام کیا کہ اس درویش کی منت کے سبب ہاتھ اس عمال ولریش کے ظلم سے کوتاہ کرو حاکم نے شیخ کے فرمانے پر کچھ التفات نہ کی بلکہ جور و جفا زیادہ تر کرنے لگا۔

محرر نے پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کی شیخ نے ارشاد کیا کہ میں نے تیری سفارش حاکم سے کی تھی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ شاید کسی مظلوم نے قبل اس کے تیرے پاس بھی داد خواہی کی تھی اور تو نے نہ سنی۔ محرر اٹھا اور عرض کہ میں صدق دل سے توبہ کرتا ہوں کہ میں بعد کسی کو نہ ستاؤں گا اگرچہ دشمن بھی ہو۔ منقول ہے کہ اسی وقت حاکم نے اسے طلب کر کے خلعت اور گھوڑا مرحمت فرمایا اور اس کی تقصیر معاف کی اور خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بے ادبی سے استغفار کی اور مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب سیر المشائخ میں دیکھا ہے کہ ایک جوان وجیہہ شہر دہلی سے شیخ کی زیارت کے واسطے قصبہ اجودھن کی طرف متوجہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک مطربہ یعنی ارباب نشاط اسے دیکھ کر عاشق ہوئی اور وصل کی تدبیریں کرنے لگی اور جب اس جوان نے اس کی طرف کچھ التفات نہ کی۔ ہمراہی اختیار کر کے ہر لحظہ اور ہر ساعت سرگرم نازو کرشمہ آدم فریب ہوتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ایک روز کسی تقریب سے دونوں ایک بہل پر سوار ہوئے۔ مطربہ نے اس قدر غمزہ اور عشوہ جوان سے کیے کہ جوان کو بھی کچھ خواہش اس کی طرف ہوئی اور چاہا کہ ہاتھ دراز کرے۔ اس حال میں ایک مرد آیا اور طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور یہ بات کہی کہ شیخ کی خدمت میں بقصد توبہ وانابت جاتا ہے اور دل فسق و فجور میں باندھتا ہے۔ یہ کہہ کر غائب ہوا جوان متنبہ ہو کر مطربہ کے وصل سے باز رہا اور جب شیخ کی خدمت میں پہنچا شیخ نے فرمایا اے جوان تو نے مطربہ کی طرف میل کیا تھا۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نگاہ رکھا۔ جوان نے یہ کلام سن کر شیخ کے قدم پر سر رکھا اور باعتقاد تمام مرید ہوا اور نقل ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے ایک مرید تھے۔ انہیں خلقت محمد شہ غوری کہتی تھی اور وہ مرد صادق اور پرہیزگار تھے۔ ایک وقت وہ نہایت مضطرب اور متحیر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے پوچھا کہ اے محمد شہ تجھے کیا پیش آیا ہے جو تو اس قدر پریشان خاطر ہے۔ اس نے عرض کی کہ میرا بھائی شدت مرض سے قریب ہلاکت ہے معلوم نہیں ہوتا کہ میں اسے جا کر زندہ دیکھوں۔ شیخ نے فرمایا میں تمام عمر درگاہ الٰہی میں اسی طرح محزون رہتا ہوں جیسا تو اس وقت محزون و مغموم ہے لیکن کسی سے اظہار نہیں کرتا۔ اپنے گھر جا انشاء اللہ تعالیٰ تیرے بھائی نے شفائے کامل پائی ہے۔

محمد شہ غوری جب مکان میں آیا اپنے بھائی کو دیکھا کہ صحیح و سالم بیٹھا ہوا کھانا کھاتا ہے اور کسی طرح کی زحمت اور علالت نہیں رکھتا اور شیخ نصیرالدین محمد اودھی اپنے پیر بے نظیر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک وقت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کو ایک مرض سخت لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ آپ نے چند روز آب و طعام کی طرف مطلق رغبت نہ کی۔ آپ کے صاحبزادوں اور دوستوں نے اطبائے حاذق کو طلب کر کے نبض و قارورہ دکھایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مرض ہماری تشخیص میں نہیں آتا کہ شیخ کس زحمت میں مبتلا ہیں۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے۔ دوسرے دن مرض نے اور زیادہ شدت کی شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ اس وقت شیخ نے مجھے اور اپنے فرزند شیخ بدرالدین سلیمان کو طلب فرمایا اور مشغولی حق کے واسطے اشارہ کیا اور جب رات ہوئی ہم دونوں حکم کے موافق ساتھ حق کے مشغول ہوئے اس رات کو شیخ بدرالدین سلیمان نے خواب میں دیکھا کہ ایک پیر مرد فرماتے ہیں کہ تیرے باپ پر سحر کیا ہے۔ شیخ بدرالدین سلیمان نے پوچھا کس نے سحر کیا ہے۔ پیر نے فرمایا شہاب الدین ساحر کے فرزند نے چونکہ شہاب الدین نامی ساحر ایک شخص قصبہ اجودھن میں نہایت مشہور تھا۔ شیخ بدرالدین سلیمان نے ان سے پھر یہ سوال کیا کہ یہ سحر کیونکر دفع ہوگا۔ پیر نے کہا کہ ایک شخص شہاب الدین ساحر کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھے اور وہ کلمات کہ پیر نے خواب میں تلقین کیے تھے۔ شیخ بدرالدین سلیمان کو یاد رہے یہ ہیں۔ ایہا المقبور المبتلا اعلم ان ابنک قد سحر فلانا فقل لہ یکف باسہ والا ملحق بہ مالمحق بنا اس کا ترجمہ یہ

ہے کہ اے قبر میں گئے ہوئے مصیبت میں مبتلا جان کے تیرے بیٹے نے فلاں شخص پر سحر کیا ہے۔ پس اس سے کہہ دے باز رکھے اپنے شر کو ورنہ اسے پہنچے گا جو کچھ ہمارے ساتھ پہنچا ہے اور فجر کو شیخ بدرالدین سلیمان نے اپنے مریدوں کے باتفاق باپ کی خدمت میں جا کر رات کا واقعہ جو خواب میں نظر آیا تھا۔ عرض کیا شیخ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس کلمات کو یاد کر کے شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کرو اور پیر کی حسب فرمائش عمل میں لاؤ۔ میں شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کر کے وہاں گیا اور اس کی قبر پر بیٹھ کر کلمات مذکورہ پڑھے اور جو اس کی قبر پختہ تھی اور ایک مقام پر اس کے کچھ مٹی افتادہ تھی۔ میں نے ملہم غیبی کے اشارہ سے اسے کھودا ناگاہ اس میں سے ایک پتلا آٹے کا برآمد ہوا اور اس پتلے کے جسم میں جا بجا سوئیاں چبھوئیں تھیں اور گھوڑے کی دم کے بال اس صورت پر محکم باندھے تھے۔ میں اسی طریق سے اس پتلے کو شیخ کے روبرو لایا اور اس جناب کے حکم سے وہ سوئیاں نکالنے اور بال کھولنے میں مشغول ہوا۔ جوں جوں سوئیاں اس پتلے کے جسم سے برآمد ہوتی تھیں اور بال کھلتے تھے شیخ کو ایک راحت اور صحت معلوم ہوتی تھی۔

جب سوئیاں برآمد ہو چکیں اس وقت اس پتلے کو شیخ کے اشارہ کے بموجب توڑ کر آب رواں میں پھینک دیا اور اس کے بعد یہ خبر اجودھن کے حاکم کو پہنچی شہاب الدین ساحر کے فرزند کو گرفتار کر کے شیخ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ اگر حکم ہو آپ کے قصاص میں اس کی گردن مار دوں۔ شیخ نے سفارش کی اور فرمایا کہ جو حکیم علی الاطلاق نے مجھے صحت کرامت فرمائی میں نے اس کے شکریہ میں اس کا گناہ معاف کیا اور تم بھی اس کی خطا بخشو۔ نقل ہے شیخ نظام الدین اولیاء سے کہ ایک روز میں شیخ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ پانچ درویش ولایت ترکستان سے سیر کنان اجودھن میں پہنچے۔ وہ سب فقیر کج خلق اور منہ پھٹ تھے۔ شیخ کے پاس آ کر یوں گویا ہوئے کہ ہم تمام جہاں میں پھرے کوئی درویش ایسا کہ جس کی ہمیں تلاش ہے نہیں ملا۔ مدعی خود غرض دنیا دار بہت ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ تم ایک ساعت توقف کرو میں تمہیں ایک درویش دکھاؤں۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیخ نے فرمایا اگر جاتے ہو تو خبردار فلاں راستہ سے نہ جانا۔ انہوں نے شیخ کے فرمانے پر التفات نہ کی اور جان بوجھ کر اسی راہ ممنوع کی سمت روانہ ہوئے۔ یہ امر دیکھ کر شیخ نے آبدیدہ ہو کر انا للہ و انا علیہ راجعون پڑھا۔ بعد چند روز کے خبر پہنچی کہ پانچوں آدمیوں کو باد سموم یعنی لون نے مارا چار فوراً مر گئے اور ایک شخص ان میں سے ایک کنوئیں پر پہنچا اور اس قدر پانی پیا کہ وہ بھی ہلاک ہوا اور کتاب خیرالمجالس میں نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک طالب علم مسمی نصیرالدین شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ رعونت سے خالی نہ تھے۔ ایک دن ایک جوگی جماعت خانہ میں پہنچا۔ نصیرالدین نے اس سے پوچھا کہ سر کے بال کس چیز سے دراز ہوتے ہیں اور جو مشائخ اس زمانہ کے سر کے بال نہایت مکروہ جانتے تھے ہمیشہ منڈواتے تھے اور موئے دراز کے بارہ میں حدیث تحت کل شعرۃ جنابۃ نقل کرتے تھے اس وجہ سے شیخ نظام الدین کو نصیرالدین کو وہ بات گراں گزری اور انہیں دنوں میں خواجہ وجیہ الدین معین الدین سنجری قدس سرہ کے نواسہ شیخ کے پاس اجودھن میں آئے اور بیعت کے طالب ہوئے اور اپنے سر کے بال ترشوانے کی التماس کی۔ شیخ فرید نے فرمایا کہ میں آپ کے خانوادہ عظیم الشان کے مائدہ فیض سے ایک ریزہ روٹی کا بھیک مانگ کر لایا ہوں۔ منافی ادب ہے کہ میں آپ کو دست بیعت دے کر مرید کروں۔ خواجہ وجیہ الدین نے عرض کیا کہ آپ کا مثل اس زمانے میں کہاں ہے کہ اس کی خدمت میں جا کر سعادت دارین حاصل کروں اور میں اس بارہ میں بضد ہوں۔ آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا۔ شیخ نے جب انہیں نہایت مصر دیکھا اسے منبع اخلاص کو خرقہ خاص دے کر سرفراز فرمایا اور سر کے بال ترشوائے اور اسی عرصہ میں نصیرالدین متعلم بھی کہ درازی بال کے مقید تھے۔ انہوں نے بیعت کر کے سر کے بال دور کیے اور جو بضاعت اور متاع تجارت کے واسطے رکھتے تھے۔ درویشوں کے صرف میں لائے اور شیخ کی توجہ سے فقر اختیار کیا اور کتاب خیرالمجالس ملفوظ شیخ نصیرالدین محمود اودھی میں مسطور ہے کہ ایک دن شیخ اپنے حجرہ میں بذکر حق مشغول تھے۔ ایک قلندر نے آ کر شیخ کی گلیم پر اجلاس کیا اور مولانا بدرالدین اسحاق نے تھوڑا طعام حاضر کیا۔ قلندر نے کھانا تناول کر کے کہا کہ میں شیخ کے دیکھنے کی تمنا

رکھتا ہوں جواب دیا کہ اس وقت شیخ ذکر حق میں مشغول ہیں کوئی اس وقت شیخ کی خدمت میں جا نہیں سکتا۔ قلندر نے اس وقت اپنی جھولی میں سے گیاہ سبز یعنی بھنگ کہ وہ قوم ساتھ اس کے منسوب ہے نکال کر کچکول میں ڈال کر اس کے گھونٹے میں مشغول ہوا۔ چنانچہ اس میں سے کسی قدر شیخ کے کمل پر جس پر وہ بیٹھا تھا گری مولانا بدرالدین نے اس سے یہ بات کہی کہ اے درویش بے ادبی حد سے زیادہ نہ چاہیے۔ یہاں سے اٹھ کر علیحدہ بیٹھو۔ یہ سنتے ہی قلندر طیش میں آکر کچکول اٹھا کر مولانا بدرالدین اسحٰق کو مارنا چاہتا تھا کہ شیخ نور باطن سے دریافت کر کے حجرہ سے برآمد ہوئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کر بہ منت تمام کہا کہ آپ یہ گناہ میرے کہنے سے بخشیں۔ قلندر نے جواب دیا کہ اول فقیر ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب اٹھاتے ہیں جب تک کسی کے ماتھے نہیں جاتی نہیں اتارتے ہیں۔ شیخ نے کہا اس دیوار پر اتاریے۔ اس فقیر نے کچکول دیوار پر کہ نہایت محکم تھی مارا اور وہ دیوار فوراً گر پڑی۔ اس وقت قلندر سرنگوں ہو کر عرض نیاز کر کے رخصت ہوا اور شیخ فرید نے خواجہ بدرالدین اسحٰق سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ لباس عام میں خاص بھی ہوتے ہیں اور وہ گھاس کہ اس نے گھوٹی تھی شاید وہ نہ ہو کہ قلندر استعمال کرتے ہیں اور شاید اس نے امتحان کے واسطے نکال کر گھوٹی ہو اور نقل ہے کہ یہ مولانا بدرالدین اسحٰق بخارا کے رہنے والے تھے اور علم معقول و منقول سے خوب واقف تھے کہ آپ کا مثل نہ تھا۔ دہلی میں مدرسہ معزی میں درس دیتے تھے اور درویشوں سے اعتقاد نہ رکھتے تھے اور ان سے اور ان کے ہمعصروں سے کئی مسائل مشکل حل نہ ہوتے تھے۔ بخارا کی طرف متوجہ ہوئے اور جب اجودھن میں پہنچے ان کے ہمراہ ہی شیخ فرید کی زیارت کے واسطے عازم ہوئے اور مولانا سے عرض کی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ شیخ کی زیارت کو تشریف لے چلیں نہایت احسان ہوگا۔ انہیں جواب دیا کہ تم جاؤ ہم نے ایسے شیخ بہت دیکھے ہیں ایسی لیاقت نہیں رکھتے کہ کوئی شخص ان کی صحبت میں اپنی اوقات ضائع کرے۔ لیکن رفقا مصر ہو کر انہیں بھی ہمراہ لے گئے اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے اس مجلس میں ان کی تمام مشکلات بہ تقریبات حل فرمائیں اور مولانا بدرالدین اسحٰق نے وہ حالت مشاہدہ کر کے عزیمت بخارا ترک کی اور شیخ کے ایسے معتقد ہوئے کہ ہر روز ایک پشتارہ لکڑیوں کا اپنے سر پر رکھ کر شیخ کے مطبخ میں صحرا سے لاتے تھے اور دن بدن ایک فیض حاصل کرتے تھے۔ آخر الامر شیخ اپنی بیٹی مولانا کے حبالہ نکاح میں لائے اور اپنی دامادی سے انہیں مشرف کیا اور یہ بھی شیخ نصیرالدین سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن سے چار کوس کے فاصلہ پر ترک قتالی حاکم تھا اور اس کے پاس ایک شاہین تھا کہ وہ ہرن کے بچہ اور کلنگ کا شکار کرتا تھا اور حاکم اسے نہایت دوست رکھتا تھا اور میر شکار کے سپرد کر کے یہ تاکید کی تھی کہ خبردار تو میری غیبت میں کسی جانور پر نہ چھوڑنا۔ مبادا پرواز کرے اور پھر دستیاب نہ ہو۔ قضارا وہ میر شکار اپنے ایک احباب کو لے کر ایک موضع کی طرف سوار جاتا تھا۔ اس اثناء میں کئی کلنگ دکھائی دیے اور اس کے دوستوں نے شاہین چھوڑنے کی تکلیف دی اور یہ بات کہی کہ ہم دس بارہ سوار ہیں اور گھوڑے چالاک اور راہوار رکھتے ہیں۔ اسے کسی طرف جانے نہ دیں گے اور جب مبالغہ حد سے گزرا میر شکار نے ناچار ہو کر اسے اڑایا۔ ناگاہ کلنگ ایک طرف پرواز کر گئے اور باز ایک سمت پرواز کر کے ایسا بلند ہوا کہ نظر سے غائب ہوا۔ ہر چند تلاش کی عنقا کی طرح اس کا کہیں نشان نہ ملا۔ میر شکار ترک کے قہر و سیاست کے خوف سے گریاں اور چاک گریبان ہو کر بہزار محنت اجودھن میں پہنچا اور اس طرح سے کہ جیسے کسی کا جوان بیٹا مرجاتا ہے۔ جزع فزع کرتا ہوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ماجرا عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر باز مجھ کو دستیاب نہ ہوگا تو ترک مجھے زندہ نہ چھوڑے گا اور میرے زن و فرزند کو قید کرے گا۔ شیخ کو اس کے حال پر رحم آیا۔ متوجہ ہوئے اور اس کے واسطے کھانا موجود کر کے فرمایا کہ اسے تناول کر۔ خدا کریم ہے شاید کہ باز تیرا دستیاب ہو جائے۔ یہ کلام ابھی تمام نہ ہوا تھا کہ شاہین آکر ایک درخت پر بیٹھا اور میر شکار اسے دستیاب کر کے نہایت خوش ہوا اور شیخ کا ممنون احسان ہو کر گھوڑا اپنی سواری کا پیش کش کیا۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا گھوڑا تجھے پر ضرور ہے تو اس پر سوار ہو کر شاہین اپنے صاحب کو پہنچا اور جو کچھ تجھے میسر ہو خدا کی راہ میں فقیروں کو دے۔ خلاصہ یہ کہ میر شکار نے شاہین اپنے صاحب کو دے کر جو کچھ مال دنیوی سے رکھتا تھا فقرا کو دے کر نوکری ترک کی اور

شیخ کا مرید ہوا اور شاہین کا مالک بھی باز کے گم ہونے کا قصہ سن کر شیخ کی ملازمت میں حاضر ہوا اور شیخ نصیرالدین محمود اودھی نے نقل کی ہے کہ قصبہ اجودھن کے اطراف میں ایک موضع تھا اور اس موضع میں ایک روغن فروش مسلمان رہتا تھا۔ جب دیپالپور کے داروغہ نے کسی سبب سے اس موضع پر چڑھائی کر کے تاراج کیا اور لوگوں کے زن و فرزند اسیر ہوئے۔ روغن فروش کی عورت کہ بہت جمیلہ تھی اسیر ہوئی۔ اس سبب سے روغن فروش گریان با سینہ بریان ہر طرف اس کی تلاش میں دوڑا۔ جب کہیں اس کا سراغ نہ ملا پریشان اور بدحواس شیخ کی خدمت میں آکر عرض حال کی شیخ نے ایک لحظہ تامل کر کے فرمایا کہ تو تین دن یہاں رہ دیکھ حق سبحانہ تعالیٰ پردہ غیب سے کیا ظہور میں لاتا ہے۔ پھر روغن فروش کے روبرو کھانا حاضر کر کے شکم سیر کھلایا۔ دوسرے دن ایک محرر کو کسی مقام سے قید کر کے اجودھن میں لائے وہ محافظوں کو موافق کر کے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی سرگزشت بیان کی اور التماس دعا کی شیخ نے ارشاد کیا کہ اگر حق تعالیٰ تجھے رہا کرے اور حاکم تجھ پر نظر شفقت اور عنایت کی مبذول فرما دے کیا شکرانہ بجا لائے گا۔ اس نے عرض کی کہ میں جو کچھ نقد جنس رکھتا ہوں پیش کش کروں گا۔ شیخ نے فرمایا یہ سب مال میں نے تجھے معاف کیا ایک عہد کر وہ یہ ہے کہ داروغہ تجھے بعد خلعت کے ایک کنیز دے گا۔ تو اس کنیز کو اس روغن فروش کے حوالہ کرنا۔

محرر نے شیخ کا فرمان بصدق دل قبول کیا اور روغن فروش سے یہ بات کہی کہ تو میرے ہمراہ چل۔ روغن فروش نے رو کر یہ کہا یا شیخ ابھی مجھے یہ مقدرت حاصل ہے کہ دس لونڈیاں خرید کروں لیکن میں اپنی زوجہ پر شیفتہ بلکہ عاشق زار ہوں۔ شیخ نے تبسم کر کے فرمایا بھلا تو اس محرر کے ہمراہ جا دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ ناچار وہ گیا اور نویسندہ کے مکان کے قریب غمگین بیٹھا محرر کو جب داروغہ کے سامنے لے گئے۔ بغیر فہمید محاسبہ اسے خلعت اور گھوڑا دے کر رخصت کیا اور پیچھے سے ایک کنیز حسین مہ جبیں بھی بھیجی۔ محرر نے وہ لونڈی جس طرح سے برقعہ پوش آئی تھی روغن فروش کے پاس بھیجی اور یہ پیغام دیا کہ یہ حق تیرا ہے اس عورت کی جونہی نظر خاوند پر پڑی برقعہ دور کر کے دوڑی اور دونوں شاداں و فرحاں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سران کے قدم مبارک پر رکھ کر مرید ہوئے اور حضرت شیخ فریدالدین کہ ملقب بہ گنج شکر ہیں۔ اس لقب کے بارہ میں بہت روایتیں گوش ہوئی ہیں۔ لیکن تاریخ حاجی محمد قندھاری میں یوں مسطور ہے کہ جن دنوں میں شیخ دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ملازمت میں رہتے تھے اور غزنین کے دروازے کے قریب مسکن رکھتے تھے ایک روز برسات کے موسم میں راستوں میں نہایت کیچڑ تھی۔ پیر کے دیکھنے کا اشتیاق غالب ہوا۔ پاؤں میں نعلین چوبیں پہن کر شیخ کی خانقاہ کی سمت متوجہ ہوئے اور جو کہ سات دن گزرے تھے کہ شیخ فرید نے روزہ کے سبب سے کچھ تناول نہ فرمایا تھا۔ ضعف نہایت غالب تھا اثنائے راہ میں آپ کے پاؤں نے لغزش کی۔ کیچڑ میں گر پڑے یہاں تک کہ قدرے مٹی آپ کے دہن مبارک میں داخل ہوئی۔ حکم خدا سے وہ شکر ہو گئی اور جب شیخ اپنے پیر کی خدمت میں پہنچے' انہوں نے فرمایا۔ اے فرید تھوڑی مٹی تیرے دہن میں پہنچ کر شکر ہوئی کیا تعجب ہے جو قادر ذوالجلال نے ترے تمام جسم کو گنج شکر کیا ہو اور وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ تجھے شیریں رکھے گا۔ شیخ نے شکر شکر الٰہی دہن میں ڈال کر جب بازگشت کی۔ جس مقام میں پہنچے تھے سنتے تھے کہ لوگ آپس میں کہتے ہیں شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ آتے ہیں اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ایک دن اثنائے راہ میں بنجارے نمک دہلی میں لاتے تھے۔ شیخ فرید سے دوچار ہو کر تھوڑی شکر خدمت میں لائے اور یہ التماس کی کہ ہمارے حق میں دعا کیجئے تو ہماری پونجی میں برکت ہوا اور یہ قیمت زیادہ خوب بکے۔ شیخ نے اس گمان سے کہ یہ تمام شکر لادے ہیں توجہ کر کے فاتحہ خیر پڑھا اور بنجارے دس روز کے بعد دہلی میں پہنچے جب سرگونوں کا کھول کر دیکھا تمام شکر تھی۔ اس سبب سے شیخ خاص و عام میں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ملقب ہوئے اور اس کتاب کے مولف محمد قاسم فرشتہ نے اپنے زمانہ کے بعض مشائخ سے یوں سنا ہے کہ شیخ کو عہد لڑکپن میں جس طرح کہ عادت لڑکوں کی ہوتی ہے۔ شیرینی کی طرف بہت رغبت تھی اور آپ کی والدہ نے ارادہ کیا کہ یہ صبح کی نماز کی عادت کریں۔ اپنے نورعین سے یہ فرمایا کہ اے فرزند جو شخص صبح کی نماز جلد ادا کرتا ہے حق تعالیٰ

اسے شکر عنایت فرماتا ہے اور آپ یہ کام کرتی تھیں کہ شکر ایک پڑیا میں لپیٹ کر آپ کے سرہانے رکھ دیتی تھیں اور شیخ بعد فراغ دوگانہ صبح شکر اپنے سرہانے سے اٹھا کر نوش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت کا سن بارہ برس کا ہوا۔ آپ کی والدہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اب فرزند فضل خدا سے ہوشیار ہوا ہے شکر رکھنے کی حاجت نہیں۔ اس کا رکھنا موقوف کیا لیکن قسام حقیقی نے اس کا وظیفہ برطرف نہ فرمایا۔ اسی طرح سے پہنچاتا تھا اور آپ کی والدہ کو اس امر سے اطلاع نہ تھی۔ جب دیکھا کہ فرزند شکر موقوف ہونے کی شکایت نہیں کرتا ہے۔ ایک دن پوچھا کہ اے فرزند تجھے شکر ملتی ہے شیخ نے کہا ہاں برابر ملتی ہے۔ وہ عفیفہ سمجھیں کہ شاید کوئی پرستار شکر شیخ کے سرہانے رکھ دیتی ہے۔ جب دریافت کیا معلوم ہوا کہ یہ کام مخلوق کا نہیں شیخ کے وفور اعتقاد کی برکت سے یہ پڑیا شکر کی غیب سے پہنچتی ہے۔ اس واسطے حضرت کا لقب گنج شکر ہوا اور شیخ نظام الدین اولیاء ناقل ہیں کہ شیخ فرید گنج شکرؒ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر عارضہ بھی ہوتا یا سفر کرتے روزہ افطار نہ فرماتے تھے اور اکثر اوقات آپ روزہ شیرینی سے افطار کرتے تھے۔ یعنی یہ معمول تھا کہ دانہ منقے کے ایک ظرف میں ڈال کر پانی میں بھگوتے تھے اور اس کا شربت نکال کر افطار کے وقت بہ مقدار تین درم نوش فرماتے تھے اور دو تین دانہ منقے کے دہن مبارک میں ڈالتے تھے اور باقی حاضرین مجلس میں تقسیم کرتے تھے اور دو نان گھی میں چپڑی ہوئیں کہ وہ سیر کے وزن کے کم ہوتی تھیں۔ بعد افطار شیخ کے روبرو لاتے تھے اور شیخ اس میں سے ایک ثلث حصہ یا کچھ کم و بیش تناول فرماتے تھے اور باقی حصار مجلس پر تقسیم فرماتے تھے اور بعد اس کے باستغراق نماز عشاء میں مشغول ہوتے تھے اور جب ابتدائے حال میں قصبہ اجودھن میں آکر ساکن ہوئے نذریں کم پہنچتی تھی ان دنوں میں شیخ اور ان حضرت کے اہل و عیال میوہ بیلو اور ویلہ وغیرہ سے کہ اس ولایت کے جنگل میں پیدا ہوتا ہے۔ اوقات بسر کرتے تھے۔ چنانچہ اتفاق حسنہ سے اسی عرصہ میں بادشاہ ناصرالدین شہریار دہلی کہ اوچھ اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ گزر اس کا اجودھن میں ہوا اور شیخ کی زیارت سے مشرف ہو کر شیخ کی حقیقت حال سے واقف ہوا اور اپنے لشکر گاہ میں پہنچ کر اس نے فرمان چار موضع کلاں کی معافی کا اور کچھ زر نقد الغ خان داروغہ دواب کی مصاحبت سے شیخ کے پاس بھیجا۔ شیخ نے فرمان دیہات واپس کیا اور فرمایا کہ فقراء کو دیہات سے کیا کام ہے اور زر نقد قبول کر کے جماعت خانہ کے درویشوں کو تقسیم کیا۔ نقل ہے کہ اجودھن میں شیخ مرض سخت میں مبتلا ہوئے کہ امید زیست نہ تھی اور شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ جمال الدین اسحٰق ہانسوی اور مولانا بدرالدین اور درویش علی بہار کو شیخ نے اشارہ کیا کہ فلاں گورستان میں جا کر دعائے خیر میں مشغول رہیں چنانچہ یہ بزرگوار حکم کے موافق اس مقام میں جا کر دعا میں معروف ہوئے اور فجر کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ کو آکر اس حال سے دیکھا کہ آپ ایک کمبل سیاہ شانہ پر ڈال کر اس پر تکیہ کیے ہوئے اور عصا جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے انہیں پہنچا تھا۔ آغوش میں رکھے ہوئے لحظہ بہ لحظہ دست حق پرست اس پر کھینچ کر اپنے روئے مبارک پر ملتے ہیں۔ جب نگاہ حضرت کی ہم پر پڑی فرمایا کہ یاروں کی دعا نے کچھ اثر نہ دکھایا۔ یہ سنتے ہی ہم سب سرنگوں ہو کر سکوت میں آئے لیکن درویش علی جو سب سے آگے کھڑا تھا اس نے یہ عرض کی دعا ناقصوں کی کاملوں کے حق میں اثر نہیں کرتی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ اس وقت شیخ نے مجھے بلا کر عصائے مذکور مرحمت کیا اور یہ فرمایا کہ میں خدا سے چاہتا تھا کہ تو جو خدا سے چاہے گا پائے گا میں سرنگوں ہو کر پلٹ آیا اور میرے ہمراہی بھی میرے ساتھ پلٹ آئے اور مبارک باد کہنے لگے۔ اس کے بعد سب اعزا اپنے اپنے مقام پر گئے اور میرے دل میں یہ خطور ہوا کہ شیخ نے میری دعا کی اجابت کے واسطے حق سبحانہ تعالیٰ سے درخواست فرمائی ہے اور یقین ہے کہ شیخ کی دعا مستجاب ہو۔ بہتر یہ ہے کہ آج پھر شب کو شیخ کی صحت کے واسطے قیام کروں۔ غرضیکہ جب دعا میں مشغول ہوا آخر شب کو مجھے ایک بشاشت حاصل ہوئی اور معلوم ہوا کہ میری دعا درگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ صبح کو جب شیخ کی خدمت میں گیا دیکھا کہ آپ مصلے پر روبہ قبلہ بفراغ خاطر رونق افزا ہیں اور درد و الم بالکل زائل ہوا اور جب حضرت کی نظر مجھ پر پڑی فرمایا اے درویش نظام الدین جب میری دعا تیرے حق میں قبول ہوئی۔ تیری دعا بھی

میرے حق میں مستجاب ہوئی یہ فرما کر وہ مصلا جس پر تشریف رکھتے تھے مجھے مرحمت فرمایا اور کتاب فوائد الفوائد میں مرقوم ہے کہ جب شیخ فرید ہانسی سے آ کر قصبہ اجودھن میں ساکن ہوئے اپنے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین المشہور بہ متوکل کو اپنی والدہ کے لانے کے واسطے قصبہ کھوتواں کی سمت بھیجا۔ شیخ نجیب الدین جب اس قصبہ میں پہنچے اپنی والدہ کو گھوڑے پر سوار کر کے قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے لیکن اس راستہ میں جنگل بہت تھا اور پانی کمیاب۔ جب آدھی رات ہوئی ایک روز والدہ کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر خود گھوڑے پر سوار ہو کر پانی کی تلاش میں گئے اور پانی تلاش کر کے جب اس درخت کے نیچے آئے اپنی والدہ کو نہ دیکھا مضطرب اور حیران ہو کر ہر سمت دوڑے کہیں ان کا نشان نہ پایا۔ ناچار بادل غمگین اور خاطر حزین قصبہ اجودھن کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے یہ قصہ بیان کیا۔

شیخ نے کچھ تصدیق فقراء کو پہنچا کر صلحا کو کھانا کھلایا اور بعد ایک مدت کے شیخ نجیب الدین المشہور بہ متوکل کا پھر اس جنگل میں گزر ہوا۔ جب اس درخت پر نگاہ پڑی آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس نواح کے گرد پھر کر دیکھئے شاید والدہ کی ہڈیوں کا نشان ملے۔ جب آگے بڑھے ایک جگہ پر کچھ ہڈیاں آدمی کی افتادہ دیکھیں۔ صفائی باطن سے سمجھے کہ یہ استخوان والدہ کی ہیں۔ پھر تمام ہڈیاں جمع کر کے ایک خریطہ میں بھریں اور شیخ کی خدمت میں پہنچ کر حقیقت حال عرض کی شیخؒ نے فرمایا خریطہ لاؤ اور اس کا منہ کھول کر سب ہڈیاں مصلے پر گراؤ۔ شیخ نجیب الدین جلد خریطہ اٹھا لائے لیکن جب اس کا منہ کھولا ایک استخوان نہ دیکھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے لکھا ہے کہ ایک دن میں شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھا ایک بال محاسن مبارک سے جدا ہوا۔ میں نے فی الفور اسے اٹھا کر عرض کی کہ اگر حکم ہو میں اس کا تعویذ بناؤں۔ فرمایا۔ خوب ہے پھر میں نے وہ بال کاغذ میں لپیٹ کر بحفاظت تمام اپنی دستار میں رکھا اور جب میں اجودھن سے دہلی میں آیا جو بیمار کہ میرے پاس آتا تھا وہ تعویذ اس شرط سے اسے دیتا تھا کہ بعد حصول صحت یہ تعویذ واپس کر دے۔ غرض وہ تعویذ جس شخص کو میں نے دیا اس نے فضل خدا سے صحت پائی۔ یہاں تک کہ تمام شہر میں اس کی شہرت ہوئی اور میں نے وہ تعویذ ایک طاق میں رکھ دیا۔ ایک روز ایک میرے دوست جن کا نام تاج الدین مینائی تھا آئے اور مجھ سے اظہار کیا کہ میرا فرزند بیمار ہے۔ میں نے حجرہ میں جا کر اس تعویذ کو اس طاق میں اور بھی طاقوں میں ہر چند ڈھونڈھا نہ پایا۔ وہ دوست محزون اور مغموم گیا اور اس کا فرزند جانبر نہ ہوا اور جب دو دن کے بعد اور بیمار آیا میں نے حجرہ میں جا کر دیکھا وہ تعویذ اسی طاق میں موجود تھا۔ اس کو دیا اس نے شفا پائی چونکہ بیٹا تاج الدین مینائی کا مرنے والا تھا۔ اس وقت پیدا نہ ہوا اور منقول ہے کہ شمس الدین نام ایک شاعر باشندہ سنام قصبہ اجودھن میں آیا اور وہ نسخہ کہ شیخ حمیدالدین ناگوری نے علم سلوک میں لکھا تھا۔ اس کے پڑھنے میں مشغول ہوا اور چند روز کے بعد اس نے قصیدہ مطول شیخ کی مدح میں کہا اور اجازت لے کر تمام اشعار اس کے آغاز سے انجام تک استادہ ہو کر پڑھے۔ شیخ نے فرمایا بیٹھ اور پھر پڑھ اس نے بیٹھ کر دوبارہ پڑھا اور شیخ ہر ایک بیت کی مدح کرتے تھے۔ بعد فراغ اس سے پوچھا کہ تیرا مطلب کیا ہے۔ شمس الدین نے عرض کی کہ میری والدہ نہایت پیر ہے اور ناداری اور عسرت کے سبب اس کی پرورش سے عاجز ہوں۔ امیدوار ہوں کہ شیخ کی توجہ سے میری عسرت ساتھ فراغت کے مبدل ہو۔ شیخ نے فرمایا جا شکرانہ لا جو کہ شیخ کا شکرانہ طلب کرنا دلیل حصول مقصود تھا۔ شمس الدین خوش خوش اٹھ کر اور تلاش کر کے پچاس جیتل نقد لایا۔ شیخ نے درویشوں پر تقسیم کر کے فاتحہ خیر پڑھا اور اسی برکت سے شمس الدین انہیں دنوں میں شمس الدین التمش کے بیٹے کا وزیر ہوا اور دستگاہ عظیم بہم پہنچائی۔ منقول ہے کہ ایک فاضل مولانا حمید نام طغرل کی ملازمت میں رہتے تھے جو بادشاہ غیاث الدین بلبن کی طرف سے بنگالہ کا حاکم تھا۔ ایک روز مولانا دست بستہ ادب سے استادہ تھے۔ ناگاہ ایک صورت لطیف اور نورانی انہیں دکھائی دی۔ اس نے کہا کہ اے حمید تو اہل علم ہے اس جاہل کے روبرو کیوں کھڑا ہے۔ پھر دوسرے دن بھی مولانا اسی نہج سے طغرل کے روبرو استادہ تھے کہ وہ صورت پھر ظاہر ہوئی اور وہی کلام کیا۔ مولانا سمجھے کہ یہ کشش شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کی ہے۔ بے تاب ہو کر اجودھن کا

راستہ لیا اور جب شیخ کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اے حمید تو نے دیکھا کہ میں کس صورت سے تجھے یہاں لایا۔ مولانا نے جب یہ کلام سنا اسی وقت علائق دنیوی ترک کر کے تجرید اختیار کی اور سعادت ارادت سے مشرف ہوئے اور ایک مدت وعظ اور ارشاد میں مشغول رہے۔ آخرش مکہ معظمہ کی طرف رخصت ہوئے اور یہ بھی منقول ہے کہ اوچھ اور ملتان کی طرف ایک بادشاہ پاک اعتقاد تھا۔ اس نے ایک بار ملا عارف کو جو اس کی خدمت میں رہتے تھے اور ارادہ دہلی کے آنے کا رکھتے تھے۔ مبلغ دو سو تنکہ سفید ان کے سپرد کیے اور یہ بات کہی کہ تم قصبہ اجودھن میں جا کر یہ روپیہ شیخ فرید کی خدمت میں پہنچاؤ اور میرے لیے التماس دعا کرو جب مولانا قصبہ اجودھن پہنچے ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ خط و کتابت درمیان میں نہیں ہے جو مبلغ کی تعداد کا یقین ہو بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ شیخ کی نذر کیجئے اور باقی اپنے پاس رکھ چھوڑیئے۔ آخرش وہی کیا شیخ نے مسکرا کر فرمایا اے مولانا عارف تو نے حق برادری کا ساتھ اس درویش کے ادا کیا۔ یعنی نقود شکرانہ نصفا نصفی کر لیا۔ مولانا عارف یہ کلام سن کر نہایت شرمندہ اور محجوب ہوئے اور یہ عرض کی کہ ہمت ملایان مفلوک کی اہل سلوک کے برابر نہیں ہے اور وہ سو روپیہ بھی حاضر کیے۔

شیخ نے فرمایا روپیہ تجھے مبارک ہو تو کسی بھائی کو نقصان نہ پہنچے۔ غرضیکہ جب مولانا نے یہ حال مشاہدہ کیا شرف ارادت سے مشرف ہوئے اور نقد و جنس سے جو کچھ رکھتے تھے درویشوں کو دے کر عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں خرقہ خلافت کا پایا اور حسب الاشارہ سیستان کی سمت روانہ ہوئے اور خلائق کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے اور منقول ہے کہ شیخ ایک وقت دوپہر کو اپنی خانقاہ سے برآمد ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء اور مولانا بدرالدین اسحٰق اور مولانا جمال الدین ہانسوی حاضر تھے اور سلطان المشائخ ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک ملا یوسف جو آپ کے قدیم مریدوں میں تھے آئے اور یہ کلمہ گستاخانہ زبان پر لائے کہ چند مدت سے میں خدمت اور ملازمت کرتا ہوں۔ ابھی تک اسی مرتبہ پر ہوں اور جو لوگ میرے بعد آئے وہ حضرت کی فیض بخشی سے خرقہ خلافت پہن کر مراتب علیہ پر فائض ہوئے۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا اے درویش ہر شخص بقدر قابلیت اور اپنی حالت کے ایک نعمت پاتا ہے۔ اس میں ہماری کچھ تقصیر نہیں ہے۔ یہ کلام تمام نہ ہوا تھا کہ ایک لڑکا چار برس کا آیا اور شیخ کے قریب استادہ ہوا اور شیخ کے برابر ایک انبار خشت پختہ کا تھا جو عمارت کے واسطے لائے تھے۔ شیخ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ اس تودہ میں سے ایک اینٹ پختہ لا کہ میں اس پر بیٹھوں۔ لڑکا دوڑ کر ایک اینٹ مسلم سر پر اٹھا لایا۔ شیخ اس پر بیٹھے پھر فرمایا جا ایک اینٹ مولانا نظام الدین کے واسطے لا وہ جا کر ایک اینٹ درست ان کے واسطے اٹھا لایا۔ اسی طور سے وہ لڑکا شیخ کے حکم کے موافق ایک اینٹ مسلم مولانا جمال الدین ہانسوی اور مولانا بدرالدین اسحٰق کے واسطے بھی اٹھا لایا۔ جب ملا یوسف کی باری آئی وہ لڑکا اس انبار سے بہ مشقت تمام ایک خشت نصف بلکہ اس سے بھی کمتر تلاش کر کے لایا اور ملا یوسف کے سامنے رکھ دیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر تمام بزرگوار متحیر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا اے یوسف میں کیا کروں نصیب تیرا اوروں کے برابر نہیں ہے۔ غرضیکہ قسمت ازلی پر خرسند اور راضی ہونا چاہیے کس واسطے کہ تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں ہے دھونا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کو مرض الموت واقع ہوا۔ آخرش ساتھ اس زحمت کے رحمت حق میں واصل ہوئے اور اس مرض میں مجھے خرقہ خاص سے سرفراز فرما کر ماہ شوال ۶۶۹ چھ سو انہتر ہجری میں دہلی کی طرف روانہ کیا اور رخصت کے وقت اشک گہر رشک دیدہ حق بیں میں بھر لائے اور فرمایا تجھے حافظ حقیقی کے سپرد کیا اور مجھے بھی اس جدائی سے ایک درد و الم ایسا لاحق ہوا جیسا پہلے کبھی جدا ہونے میں نہ ہوا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی میں پہنچا میں نے سنا کہ شیخ کے مرض نے شدت کی رات بعد ادائے نماز عشاء بے ہوش ہوئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آ کر مولانا بدرالدین اسحٰق سے پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ کہاں ہاں اس جناب نے نماز عشاء پھر احتیاطاً ادا کی اور پھر بے ہوش ہوئے۔ جب ہوش میں آئے فرمایا ایک بار اور ازراہ احتیاط کے نماز عشاء ادا کروں۔ کیا معلوم پھر میسر ہو یا نہیں۔ چنانچہ اس شب کو آپ نے تین

مرتبہ نماز عشاء ادا کی اور فرمایا کہ مولانا نظام الدین دہلی میں ہے۔ میں بھی خواجہ قطب الدین کی رحلت کے وقت ہانسی میں تھا اور مولانا بدرالدین اسحٰق کے کان میں آہستہ فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد وہ جامہ کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے مجھے پہنچا ہے۔ جیسا کہ تم کو معلوم ہے اسے مولانا نظام الدین کے پاس پہنچانا اور پھر پانی طلب کر کے وضو کیا اور دوگانہ ادا کر کے سر سجدہ میں رکھا اور عین سجدہ میں رحلت فرمائی۔ غرضیکہ یہ واقعہ پنج شنبہ کی رات ماہ محرم کی پانچویں تاریخ ۶۷۰ سات سو ساٹھ ہجری میں واقع ہوا اور سن شریف اس جناب کا پچانوے برس کا نشان دیتے ہیں اور منقول ہے کہ مولانا بدرالدین اسحٰق نے وصیت کے موافق وہ جامہ شیخ نظام الدین اولیا کے پاس پہنچایا اور کاسہ اور عصا شیخ کا ان کے فرزندوں کے پاس رہا اور افواہاً یہ بھی سنا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء شیخ کی خبر فوت سن کر قصبہ اجودھن میں گئے اور شیخ کے مزار کی زیارت کر کے جامہ مذکور مولانا بدرالدین اسحٰق سے لے کر دہلی کی سمت مراجعت پائی اور کتاب تذکرہ الاتقاء میں لکھا ہے کہ تین شخص نظام نام شیخ کی خدمت میں تھے۔ ایک شیخ نظام فرزند شیخ کے دوسرے شیخ نظام بھانجے یعنی ہمشیرہ شیخ کے لڑکے تیسرے شیخ نظام الدین اولیاء اور چونکہ پسر شیخ کے مقام ابدال کا رکھتے تھے اس واسطے سجادہ انہیں نہ دیا اور جب آپ کی ہمشیرہ نے بہت سعی کی کہ سجادہ نشینی میرے فرزند کو عنایت ہو۔ شیخ نے فرمان لکھا اور بھانجے کو دے کر یہ فرمایا کہ ہانسی میں مولانا جمال الدین ہانسوی کے پاس جا کر اسے صحیح کر کے لاؤ اور مولانا جمال الدین ہانسوی نے اس فرمان کو صحیح نہ کیا اور اس نے پلٹ کر شکایت کی آخر کو شیخ نے اپنی ہمشیرہ کو حسب التماس فرمان دوسرا لکھ بھیجا اور اس مرتبہ مولانا جمال الدین ہانسوی نے ناراض ہو کر اسے چاک کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں جمال الدین ہانسوی کا پارہ کیا ہوا فرمان نہیں سی سکتا اور بعد اس کے ایک مدت کے بعد شیخ نے فرمان سجادہ نشینی ولایت دہلی کا شیخ نظام الدین اولیاء کو دے کر مولانا جمال الدین ہانسوی کے پاس بھیجا اور وہ اسے دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور یہ بیت اس فرمان میں درج کی۔

ہزاران درود و ہزاران سپاس — کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

اور کتبہ کو صحیح کر کے دہلی میں روانہ کیا۔

سلطان الاولیا نظام الدین قدس سرہ العزیز

شہنشاہ اورنگ عرفان حق دلش صدر دیوان ایوان حق
ملک بردہ دریوزہ از شان او فلک کاسہ سبز در خوان او
قدم راندہ زان گونہ در راہ فقر کہ شد شاہ اورنگ درگاہ فقر
بباطن زتکوین اطوار محو بہ ظاہر زتمکین نگہدار سہو
دلش ساکن ملک ذات صفات زہے پاک دین و زہے نیک ذات
نظام الحق آن شیخ عالی مقام کزو کار ارباب دین شد تمام

شیخ نظام الدین اولیاء جامع جمیع علوم ظاہری اور باطنی تھے اور ہمیشہ آنحضرت کا دل انوار منزل کتب معتبرہ تصوف کی طرف مثل نصوص الحکم اور مواقع النجوم اور ان کی شرحوں کے مطالعہ میں مائل تھا اور ابو حنیفہ کی فقہ میں اور تفسیر اور حدیث اور اصول و کلام میں استحضار اور مہارت تمام رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار احمد بن دانیال غزنین سے ہندوستان کی طرف آ کر شہر بدایوں میں متوطن ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء اس شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ چھ سو چونتیس ہجری میں پیدا ہوئے جب پانچ برس کے ہوئے ان کے والد نے قضائی اور ان کی والدہ پرورش میں مصروف ہوئیں اور جب حضرت سن تمیز اور رشد کو پہنچے۔ تحصیل علوم ظاہری اور باطنی میں مشغول ہوئے اور جب بدایوں میں کوئی مدرس نہ رہا۔ جناب پچیس برس کے سن میں اپنی والدہ کو لے کر دہلی میں آئے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی اور اس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر اور علمائے وقت سے سر آمد تھے۔ ان کا اسم مبارک خواجہ شمس الدین خوارزمی تھا۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن نے انہیں آخر میں بخطاب شمس الملک مخاطب کر کے منصب وزارت تفویض فرمایا جیسا کہ تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں کہا ہے۔

شما کنوں بکام دل دوستاں شدی فرمانده ممالک ہندوستان شدی

اور قبل وزارت درس میں مشغول رہتے تھے۔ پھر شیخ ان سے مل کر ان کے شاگردوں کی سلک میں منسلک ہوئے اور وہ ایک حجرہ رکھتے تھے کہ وہ خاص مطالعہ کے واسطے تھا اور تین شاگرد جو صاحب استعداد تھے۔ وہ اس حجرہ میں سبق پڑھتے تھے اور باقی شاگرد اس کے باہر درس کرتے تھے اور ان تین شخصوں میں ایک ملا قطب الدین ناقلہ اور دوسرے ملا برہان الدین عبدالباقی اور تیسرے شیخ نظام الدین اولیاء تھے اور جب شیخ نے آپ کی مولویت اور تیزی فہم پر آگاہی پائی تو شاگردوں سے آپ کی تعظیم میں اور دن سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور مولانا شمس الدین کو یہ عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد غیر حاضر ہوتا اور جس وقت وہ آتا مولانا ازراہ دل لگی اس سے فرماتے تھے کہ کیا تھا جو تو حاضر نہ ہوا تاکہ پھر وہ کروں جو تو حاضر ہوا کرے' اور اگر کبھی شیخ کی تعطیل ہوتی تھی پھر مولانا انہیں جب دیکھتے تھے یہ بیت پڑھتے تھے۔

باری کم از انکہ گاہ گاہے آئی وہمائی نگاہے

اور شیخ نظام الدین اولیاء کا جو بحسب اتفاق شیخ نجیب الدین متوکل پر اور شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا ہمسایہ واقع ہوا تھا اور بہت علمائے دہلی پر علم میں فوقیت رکھتے تھے۔ لہٰذا شیخ نظام الدین اولیاء اکثر اوقات ان کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ قضارا جو ان دنوں میں والدہ شیخ نظام الدین اولیاء کی فوت ہوگئی تھیں اور شیخ تنہا رہ گئے تھے۔ شیخ نجیب الدین متوکل سے زیادہ تر ہم صحبت رہتے تھے اور غم تنہائی رفع

کرتے تھے یہاں تک کہ روز بروز محبت فیمابین بڑھتی گئی اور آپس میں نہایت اتحاد ہوا اور بعد اس کے شیخ نظام الدین اولیا چند سال خواجہ شمس الدین سے درس لے کر مراتب عالیہ پر فائز ہوئے اور معاش کے واسطے عہدہ قضا کی فکر میں ہوئے۔ ایک دن اثنائے کلام میں شیخ نجیب الدین متوکل سے کہا کہ آپ میرے واسطے فاتحہ خیر پڑھیں کہ میں کسی مقام کا قاضی ہوں اور خلق خدا کو انصاف سے راضی رکھوں۔ یہ سن کر شیخ نجیب الدین ساکت ہوئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ شیخ نظام الدین اولیا سمجھے کہ شیخ نجیب الدین نے نہیں سنا۔ پھر بہ آواز بلند کہا التماس فاتحہ کی رکھتا ہوں کہ میں کسی مقام کا قاضی ہو جاؤں۔ اس مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکل نے فرمایا کہ خدا نہ کرے تو قاضی ہو لیکن وہ ہو جو میں جانتا ہوں اور انہیں دنوں میں شیخ نظام الدین ایک رات مسجد جامع دہلی میں تھے۔ صبح کے وقت سنا کہ موذن نے منارہ پر یہ پڑھا الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ یہ سنتے ہی حال حضرت کا متغیر ہوا اور نور الہی نے آپ کو گھیر لیا اور اس سبب سے کہ اس وقت میں جو آواز شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی مشیخت اور کرامات کا عالمگیر ہوا تھا اور شیخ نجیب الدین متوکل کی بھی مجلس میں غائبانہ شیخ کی مشیخت اور کرامات کے اوصاف سن کر شیخ نظام الدین اولیاء ان کی زیارت کے نہایت مشتاق تھے۔ صبح کو بغیر سواری اور زاد راہ کے قصبہ اجودھن کی سمت روانہ ہوئے اور روز پنج شنبہ کو ظہر کی نماز کے وقت آنحضرت کی ملازمت سے فائز ہوئے اور راوی کا یہ بھی قول ہے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ملازمت سے مشرف ہوئے ہرچند چاہا کہ اپنے اشتیاق اور اخلاص کا حال بیان کروں۔ حضرت کی ایسی دہشت غالب ہوئی کہ شرح اشتیاق کچھ عرض نہ کر سکے۔ شیخ فریدالدین مسعود نے یہ حالت مشاہدہ کر کے فرمایا کل و خیل دہشہ مرحبا خوش آیا اور صفا لایا تو انشاء اللہ تعالیٰ نعمت دینی اور دنیوی سے برخوردار ہو گا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے خرقہ درویشی کا حضرت شیخ سے پایا اور مریدان خاص کی سلک میں منتظم ہوئے اور اس عرصہ میں شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کو عسرت کمال تھی۔ اکثر آنحضرت کے متعلقین اور فرزندوں کو ہر ہفتہ میں ایک یا دو فاقہ گزرتے تھے اور ان بزرگوار کی صحبت سے کوئی شخص آزردہ اور دل گیر نہ تھا۔ الغرض مولانا بدرالدین اسحٰق بخاری کہ جامع معقول و منقول تھے۔ لکڑیاں جنگل سے باورچی خانہ کے واسطے لاتے تھے اور مولانا شیخ جمال الدین ہانسوی صحرا سے ویلہ کہ مراد کریل کے درخت کے پھل سے ہے اور اکثر آدمی اس پھل کو سرکہ اور نمک میں ڈال کر اچار بناتے ہیں' حاضر کرتے تھے اور مولانا حسام الدین کابلی آب کشی اور باورچی خانہ کی دیگیں دھوتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء از روئے صدق و صفا کھانا پکاتے تھے اور باحتیاط تمام کھانا پکا کر ظروف گلی اور کچکول چوبین میں نکال کر افطار کے وقت شیخ کی مجلس میں لے جاتے تھے لیکن کبھی نمک ہوتا تھا اور کبھی نہ ہوتا تھا اور دو دو تین تین روز نمک میسر نہ ہوتا تھا اور شیخ نظام الدین اولیاء جب اس خدمت پر مامور ہوئے۔ اس بقال سے جو اس مسجد کے قریب رہتا تھا۔ کبھی غیب سے جو کچھ پہنچتا تھا کھانے کا مصالحہ خرید کرتے تھے اور کبھی ایک درم نمک قرض لے کر کاسائے ویلہ میں کہ جوش ہوتے تھے ڈالتے تھے اور ہر روز شیخ کے روبرو اور درویشوں کے سامنے حاضر کرتے تھے اور مولانا شیخ جمال الدین ہانسوی اور مولانا بدرالدین اسحٰق اور شیخ نظام الدین اولیاء شیخ کے حکم کے موافق ایک کاسہ میں تناول کرتے تھے اور شیخ کے قریب بیٹھتے تھے۔

ایک دن جب تمام حصار مجلس اپنے اپنے مقام میں بیٹھ گئے۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ دست مبارک کاسہ کی طرف لے گئے اور لقمہ اٹھا کر فرمایا کہ یہ لقمہ میرے ہاتھ میں گراں معلوم ہوتا ہے اس لقمہ کو منہ میں رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ شاید کہ اس کھانے میں شبہہ ہو۔ یہ کہہ کر لقمہ کاسہ میں ڈال دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ یہ کلام سنتے ہی میرا بدن کانپنے لگا۔ فوراً میں نے استادہ ہو کر نہایت ادب سے یہ عرض کیا کہ یا حضرت لکڑیاں اور کریل کے پھل اور پانی باورچی خانہ کا شیخ جمال الدین اور مولانا حسام الدین اور مولانا بدرالدین لاتے ہیں۔ سبب شبہ کا معلوم نہیں ہوتا ہے۔ حضرت پر واضح ہوا ہو گا۔ شیخ نے فرمایا کہ نمک جو اس کاسہ میں پڑا ہے وہ کہاں سے آیا ہے۔ شیخ نظام الدین یہ سن کر متنبہ ہوئے اور سر زمین پر رکھ کر صورت حال عرض کی۔ شیخ نے ارشاد کیا فقراء اگر فاقہ سے مرجائیں

بہتر ہے لیکن لذت نفس کے واسطے قرض نہ لیں۔ کس واسطے کہ قرض اور توکل کے مابین بعد مشرقین ہے۔ اگر ادا نہ ہوئے وبال اس کا قیامت تک گردن پر رہے۔ پھر فرمایا یہ کاسے درویشوں کے آگے سے اٹھا کر اور محتاجوں پر تقسیم کریں اور شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ مجھ میں ایک عادت تھی جیسا کہ طلباء کا دستور ہے کہ اگر کوئی شے نہایت پر ضرور ہوتی ہے۔ قرض لیتے ہیں میں بھی قرض لیتا تھا۔ لیکن اس دن سے میں نے استغفار کر کے یہ نیت کی کہ ہرچند احتیاج اشد ہو آئندہ ہرگز قرض نہ لوں گا اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے وہ کمل کہ جس پر اجلاس فرماتے تھے مجھے بخشا اور یہ دعا کی کہ تو کبھی ساتھ قرض کے محتاج نہ ہو گا اور جب شیخ نظام الدین اولیاء ایک مدت کے بعد خدمت گاری سے مرتبہ کمال کو پہنچے پیر نے انہیں اور دن کی تکمیل کی اجازت دے کر دہلی کی سمت رخصت کیا اور انہوں نے رخصت کے وقت اپنے پیر کی یہ نصیحت یاد رکھی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ دشمنوں کو جس طور سے ہو سکے راضی اور خوش رکھنا اور جس شخص سے قرض لینا اس کے ادا کرنے میں نہایت سعی کرنا شیخ نظام الدین اولیاء جب مسافر ہوئے۔ مع ایک درویش کے ایک مقام میں پہنچے کہ فی الجملہ وہاں ایک جنگل تھا اور راہزن اس مقام میں مسافروں کو لوٹتے تھے۔ ناگاہ اس مقام میں پانی برسنے لگا۔ شیخ ایک لحظہ درخت چھتنار کے سایہ میں استادہ ہوئے۔ ناگاہ پانچ چھ ہندو مع شمشیر و تیر و کمان نمودار ہو کر شیخ کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کمل اور جامہ جو شیخ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس پر نظر بد لگے میں آبادی میں ہرگز نہ جاؤں گا اور کسی کو اپنا منہ نہ دکھاؤں گا۔ اسی اندیشہ میں تھے کہ راہزنوں نے یکبارگی حضرت کی طرف سے منہ موڑا اور دوسری جانب روانہ ہوئے اور شیخ مع الخیر والعافیت دہلی میں داخل ہوئے۔ دوسرے دن شیخ نجیب الدین متوکل سے ملاقات کر کے ماجرا اس سفر کا اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی حصول سعادت ملازمت کا تذکرہ مشرح بیان کیا۔ اس کے بعد ایک شخص کے مکان پر کہ اس سے ایک کتاب عاریت لے کر گم کی تھی۔ تشریف لے گئے اور اس سے یہ کہا کہ اے مخدوم اس روز کہ میں تم سے کتاب عاریت لے گیا تھا۔ وہ میرے پاس سے گم ہوئی ہے۔ نیت صادق رکھتا ہوں کہ کاغذ بہم پہنچا کر وہ نسخہ نقل کر کے آپ کے پاس حاضر کروں گا۔ اس شخص نے جب یہ کلام سنا ایک لحظہ شیخ نظام الدین اولیاء کو نظر غور سے دیکھ کر فرمایا کہ جس مقام سے آپ تشریف لائے ہیں اس کا ثمرہ خدا کی خوشنودی کے سوا نہیں ہے۔ میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی۔ شیخ وہاں سے پھر ایک بزاز کے پاس گئے اور فرمایا کہ میں نے تجھ سے کپڑا خرید کیا تھا اب اس کی قیمت لایا ہوں لے۔ بزاز نے دس روپیہ لیے اور باقی حضرت کو معاف کیے اور کہتے ہیں کہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاء کو دہلی میں ایسا مقام تخلیہ کا میسر نہ تھا کہ اس میں بیٹھ کر ذکر حق میں مشغول ہوں اور اس شہر میں شیخ کو کثرت خلق اور انبوہ پسند نہ آتا تھا کہ ساکن ہوں جو ان دنوں میں قرآن شریف حفظ کرتے تھے اکثر اوقات شہر سے باہر جا کر صحرا میں بسر لے جاتے تھے۔ ایک روز قتلغ خان کے تالاب کے کنارے ایک درویش پاک کیش کو کہ آثار صلاح و تقویٰ ان کے ناصیہ حال سے ہویدا تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے دیکھا ان سے پوچھا کہ اے مخدوم تم اس شہر میں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں پھر پوچھا کہ آپ اس شہر میں خواہش طبع سے رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہیں کوئی درویش ایسے شہر آباد میں کہ جس میں اس قدر کثرت اور انبوہ آدمیوں کا ہے۔ اپنی طبیعت کی خواہش سے نہ رہے گا۔ مگر بہ ضرورت پھر یہ حکایت نقل کی کہ میں نے ایک وقت خطیرہ کمال درویش کے دروازے کے باہر ایک خرقہ پوش کو دیکھا اور اس نے مجھ سے یہ بات کہی کہ اگر تو سلامتی ایمان کی اور استقامت عبادت میں چاہتا ہے۔ اس شہر میں نہ رہ کہ یہ چشمہ فسق و فجور کا ہوا ہے اور پھر یہ بھی کہا کہ اے مولانا نظام الدین اولیاء میں بھی چاہتا ہوں کہ اس شہر میں نہ رہوں اور کسی طرف راہی ہوں لیکن کیا کروں کہ عرصہ بیس سال کا گزرا ہے کہ میں اس شہر میں سکونت پذیر ہوں اور بسبب اس کتوین کے کہ میں نے تیار کیا ہے۔ مجال سفر نہیں پاتا قید پانی کی شدید تر۔ لوہے کی قید سے واقع ہوئی اور شیخ نظام الدین اولیاء نے جب ان درویش سے یہ بات سنی عزم جزم کیا کہ اس شہر میں نہ رہوں گا اور اس مقام سے برآمد ہو کر رانی بوستانی کے تالاب کے نزدیک کہ جسے باغ خسرو تہہ کہتے ہیں داخل ہوئے اور تجدید وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور اس وقت

خوشی میں درگاہ الٰہی میں مناجات کی۔ اے خدا میں اس شہر سے برآمد ہوا ہوں لیکن اپنے اختیار سے کسی مقام میں نہیں جا سکتا۔ جس مقام میں خیریت اور سلامتی دین کی ہو وہاں رکھ ناگاہ ایک طرف سے آواز آئی کہ جگہ تیری غیاث پور ہے اور وہ غیاث پور ایک موضع تھا۔ گمنام مجہول کہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور وہاں کا حاکم علم زرد رکھتا تھا اور اس ملک میں ایک قسم کی روئی زرد ہوتی ہے کہ اس سے لباس تیار کرتے ہیں اور حاکم کو شیخ فرید گنج شکرؒ سے نہایت الفت تھی لیکن شیخ نظام الدین اس کے مرنے کے بعد دہلی میں وارد ہوئے۔ لہٰذا اس کو نہ دیکھا تھا اور منقول ہے کہ ایک وقت شیخ نے اجودھن سے مولانا شعیب کے ہاتھ ایک مصلا نما سیاہ اور ایک کلاہ شیخ نظام الدین اولیاء کے واسطے دہلی بھیجی اور مولانا شعیب جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امانت پہنچائی۔ شیخ نظام الدین دوگانہ شکر کا ادا کر کے محظوظ ہوئے اور اسی وقت ایک رئیس نے گجرات سے دو لاکھ اور پچاس ہزار اشرفی بھیجی تھیں۔ شیخ نے وہ تمام زر نقد مولانا شعیب کو عطا فرمایا اور معذرت کر کے یہ رباعی لکھ کر شیخ فرید شکر گنجؒ کی خدمت میں ارسال کی۔

زانردی کہ بندہ تو دانند مرا برمردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

کہتے ہیں کہ جب دوسری مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء قصبہ اجودھن میں شیخ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ نے فرمایا مولانا نظام الدین وہ رباعی جو تم نے عریضہ میں لکھی تھی میں نے اسے یاد کر لیا۔ انشاء اللہ جہاں تم رہو گے صاحب نظر تمہیں اپنے مردم دیدہ میں جگہ دیں گے اور نقل ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے ابتداء حال میں غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی۔ دو شخص آپ کی ملازمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک شیخ برہان الدین محمد غریب جو دولت آباد دکن میں مدفون ہیں اور دوسرے شیخ کمال الدین یعقوب جن کا مزار پٹن گجرات میں واقع ہے۔ یہ دونوں بزرگوار اور خلفاء سے پیشتر خرقہ خلافت پا کر تحصیل کمال اور ریاضت نفس میں شغل رکھتے تھے اور اس عرصہ میں وجہ معاش ان پر نہایت تنگ تھی۔ بعض وقت ایسا اتفاق ہوتا کہ چار روز تک کچھ بہم نہ پہنچا کہ سلطان الاولیاء اور دیگر درویش اس سے افطار فرماتے۔ ایک عورت صالحہ کہ شیخ سے توسل رکھتی تھی اور ہمسایہ میں رہتی تھی اور سوت کات کر گیہوں خریدتی تھی اور نان بے نمک پکا کر اس سے افطار کرتی تھی۔ چنانچہ اس ایام فاقہ میں اس نیک بخت نے ڈیڑھ سیر آٹا کہ اس کی قوت سے فاضل تھا۔ شیخ کے واسطے بھیجا۔ شیخ نے کمال الدین یعقوب سے فرمایا کہ اس آٹے کو دیگ میں ڈال کر پکاؤ۔ شاید کہ کسی آنے والے کا حصہ ہو اور شیخ کمال الدین یعقوب اسکے پکانے میں مشغول تھے کہ ناگاہ ایک درویش گودڑی پوش کسی مقام سے وارد ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء سے متوجہ ہو کر بہ آواز بلند فرمایا کہ اے شیخ جو کچھ ماحضر رکھتا ہے ہم سے دریغ نہ کر۔ شیخ نے جواب دیا کہ آپ ازراہ شفقت ایک لحظہ استراحت فرمائیں کہ دیگ جوش میں ہے۔ درویش نے فرمایا تو خود اٹھ اور دیگ چولہے پر سے بجنسہٖ اٹھا لا۔ شیخ یہ سنتے ہی بہ تعجیل تمام اٹھے اور دست حق پرست پر آستین چڑھا کر دونوں ہاتھ سے دیگ کے گلے کا کنارا پکڑ کر ان کے روبرو لائے اور آواز جوش کی آدمیوں کے کان میں پہنچتی تھی درویش نے وہ دیگ اٹھا کر زمین پر دے ماری کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر یہ فرمایا کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے نعمت باطن۔ شیخ نظام الدین اولیاء کو ارزانی رکھی ہے۔ میں نے ان کی ظاہری محتاجی کی دیگ کو توڑ ڈالا یہ کہا اور وہ درویش آدمیوں کی نظر سے غائب ہوا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ان کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہوئے اور خرقہ خلافت کا پا کر درجہ عالی اور مقام متعالی میں داخل ہوئے اور بعد اس کے شیخ برہان الدین محمد غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب اور شیخ نصیرالدین محمود اودھی شرف ارادت اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے اور اہل شریعت اور شیخ کو بسبب وفور عقل اور علم و فضل کے گنج معانی کہتے تھے اور شیخ اخی سراج شیخ نور کے دادا تھے اور بنگالہ میں مدفون ہیں وہ بھی شیخ کے مریدوں سے ہیں اور خیر المجالس میں مرقوم ہے کہ ایک دن مولانا حسام الدین نصرت خانی اور مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین کاشانی شیخ کے روبرو بیٹھے تھے۔ شیخ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر

فرمایا کہ اگر کوئی شخص دن کو صائم اور رات کو قائم رہے یہ کام نہایت سہل ہے کہ بیوہ عورتیں بھی اس کام میں اقدام کر سکتی ہیں۔ لیکن مشغولی بحق کہ مردان طلبگار درگاہ پروردگار میں بسبب اس کے راہ پاتے ہیں اور قرب پیدا کرتے ہیں اور مشاہدہ کی دولت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ وہ ان عبادات کے علاوہ ہے۔ حصار مجلس نے جب یہ کلام سنا امیدوار ہوئے کہ شیخ اسے بیان فرمائیں کہ وہ کون سی عبادت ہے۔ شیخ نے انہیں مضطرب اور مصر دیکھ کر فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اور وقت اس کا مذکور ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ مریدوں اور عزیزوں نے چھ مہینے انتظار کھینچا۔

ایک دن سب شیخ کی مجلس میں حاضر تھے محمد کاشف جو بادشاہ علاء الدین خلجی کے دیوان عام کا داروغہ تھا وارد ہوا اور سر زمین پر رکھ کر مودب بیٹھا۔ شیخ نے پوچھا کہ کہاں تھا۔ اس نے عرض کی دیوان عام میں تھا۔ آج ظل سبحانی نے پچاس ہزار رروپیہ بندگان خدا کے واسطے انعام فرمائے ہیں۔ شیخ نے اس وقت مولانا حسام الدین نصرت خانی اور دوسرے یاروں سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ انعام بادشاہ کا بہتر ہے یا وفا کرنا۔ اس عہد کا کہ جو تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ سن کر سب شرائط تعظیم بجالائے اور عرض کی کہ وفا کرنا عہد کا ہشت بہشت سے بہتر ہے۔ پچاس ہزار روپیہ نقرہ کیا مال ہے پھر اپنے پاس سلطان الاولیاء نے تینوں بزرگوں کو بلایا اور لوگوں کو رخصت کر کے یہ فرمایا کہ مقصود کے پہنچنے کا راستہ مشغولی حق ہے باستغراق تمام خلوت میں اور بے ضرورت باہر نہ آئے اور ہمیشہ باوضو رہے۔ سوائے وقت قیلولہ کے کہ اس وقت غلبہ خواب ہوتا ہے اور صائم الدہر رہے۔ باخلاص تمام اور اگر یہ میسر نہ ہو۔ تقلیل غذا پر قناعت کرے اور ہمیشہ سوائے ذکر حق کے سکوت میں رہے مگر بضرورت اہل دنیا سے کلام مختصر کرے اور علی الدوام ذکر بارابطہ و استغراق دل عمل میں لائے اور منقول ہے کہ تینوں مشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کے انفاس کی برکت سے ساتھ اس صفات کے کامل ہو کر جملہ واصلین سے ہوئے اور نقل ہے مولانا شہاب الدین امام سے کہ ایک دن شیخ نظام الدین اولیاء خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی زیارت کو دہلی کہنہ میں تشریف لے گئے اور ہم اور مولانا برہان الدین محمد غریب اس جناب کی رکاب میں تھے اور شیخ حضرت خواجہ کی زیارت کر کے اور مشائخوں کی زیارت کے واسطے تالاب شمسی کے کنارے رونق افزا ہوئے اور اس مقام میں خواجہ حسن شاعر ولد علائی سنجری کہ سن اس کا پچاس برس سے زیادہ تھا۔ ابتدائے حال میں شیخ سے رابطہ اتحاد اور مصاحبت کلی رکھتا تھا۔ ساتھ ایک جماعت یاروں کے مے نوشی میں مشغول تھا۔ جب شیخ کو دیکھا آپ کے روبرو آکر یہ دو بیت پڑھیں۔

سالہا باشد کہ ماہم صحبتم گر ز صحبتہا اثر بودی کجاست

زہد تان فسق ازل دل ماکم نہ کرد فسق مایان بہتر از زہد شماست

شیخ نے جب یہ بات سنی فرمایا صحبتوں کو تاثیریں ہیں انشاء اللہ تجھے نصیب ہوگی فی الفور حضرت کی دعا مستجاب ہوئی۔ خواجہ حسن سربرہنہ کر کے آپ کے قدم مبارک پر گر پڑے اور جمیع مناہی سے تائب ہو کر خود مع رفقا جو اس کے ہم مشرب تھے مرید ہوئے اور خواجہ حسن نے کتاب فوائد الفوائد مشتمل بر احوال شیخ نظام الدین اولیاء اور حکایات جو کہ زبان مبارک پر آنحضرت کے جاری ہوئیں۔ تصنیف فرمائی خلعت قبول اور تحسین سے سرفراز ہوئے اور امیر خسرو دہلوی نے اس نسخہ پر رشک کر کے کہا کہ کاش خلعت قبول اور تحسین اس نسخہ کی تصنیف کا میری نسبت منسوب ہوتا اور میری تمام تصانیف خواجہ حسن کے نام ہوتیں۔ بہتر تھا اور کہتے ہیں خواجہ حسن نے بعد توبہ کے ایک غزل کہی جس میں یہ بیت بھی مندرج ہے۔

اے حسن توبہ آنگہی کر دے کہ ترا قوت گناہ نماند

اور جس وقت کہ محمد تغلق شاہ دہلی کو خراب کر کے آدمیوں کو دولت آباد دکن کی طرف لے جاتا تھا۔ خواجہ حسن بھی بزرگان دکن کی زیارت اور صحبت کی نیت سے ہمراہ گئے اور اس ملک میں جا کر عالم باقی کی سمت سفری ہوئے اور بالا گھاٹ دولت آباد میں مدفون ہوئے

اور نقل ہے شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء کو راگ کی سماعت کی رغبت ہوتی تھی امیر خسرو اور امیر حسن قوال کہ علم موسیقی میں عدیم المثال تھے۔ حاضر ہوتے تھے اور مبشرہ جو شیخ کا غلام زر خرید تھا اور خوش آوازی میں صوت داؤدی رکھتا تھا وہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ پہلے امیر خسرو غزلیں اور بیتیں ایسی متصوفانہ پڑھتے تھے کہ شیخ سر مبارک کو جنبش دیتے تھے اور اسی کو امیر حسن قوال اور مبشر غلام ایسا سماں باندھتے تھے کہ شیخ وجد میں آتے تھے اور دو سو قوال کہ راگ میں مرغ کو ہوا سے زمین پر لاتے تھے۔ شیخ کے علوفہ خوار تھے اور سب کا سردار امیر حسن قوال تھا۔ جب اپنے کام میں مشغول ہوتا تھا طرفہ مجلس منعقد ہوتی تھی اور وہ بیت کہ جس سے شیخ سلطان الاولیاء کو وجد اور حال آتا تھا لکھ کر سلطان الاولیاء کے ملاحظہ میں گزارتا تھا اور سلطان الاولیاء بھی اس بیت سے محظوظ ہوتے تھے ایک روز سلطان الاولیاء کو حکیم سنائی کی ان دو بیت پر کہ حدیقہ میں مندرج ہیں وجد حاصل ہوا۔

بیش منما جمال جان افروز در نمودی بروسپند بہ سوز
آن جمال توچیست ہستی تو وان سپند تو چیست مستی تو

قرابیگ ترک جو بادشاہ علاء الدین خلجی کا خاص تر خواص تھا باوجود صلاح اور پرہیز گاری کے لطافت و ظرافت میں بھی امتیاز رکھتا تھا اور شیخ کے سلک مریدوں میں بھی منتظم تھا ان ابیات کو قلم بند کر کے بادشاہ کے روبرو لے گیا۔ بادشاہ ہربار پڑھتا تھا اور آنکھوں پر ملتا تھا اور تحسین کرتا تھا۔ اس وقت قرابیگ ترک عرض پیرا ہوا کہ باوجود اس کے کہ ظل سبحانی شیخ سے ایسا اعتقاد رکھتے ہیں تعجب ہے کہ کبھی آنحضرت سے ملاقات نہیں کرتے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے قرابیگ ترک ہم بادشاہ ہیں سراپا دنیا میں آلودہ اور اس آلودگی سے شرماتا ہوں کہ ایسے پاک کی زیارت کروں۔ تجھے لازم ہے کہ خضر خان اور شادی خان کو جو میرے جگر گوشہ ہیں۔ شیخ کی خدمت میں لے جا کر مرید کرا اور دو لاکھ روپیہ جماعت خانہ کے درویشوں کو شکرانہ پہنچا۔ قرابیگ ترک نے حکم کے موافق عمل کیا اور یہ عمارت عالی کہ مقبرہ میں ان بزرگوار کے واقع ہے خضر خان کی ساختہ اور پرداختہ ہے اور کہتے ہیں کہ ایک روز بادشاہ علاء الدین خلجی نے ایک مندیل زرو جواہر سے مملو کر کے برسم نذر شیخ کے روبرو بھیجی۔ ایک قلندر شیخ کے برابر بیٹھا تھا۔ دور سے اس کی نگاہ اس پر پڑی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا ایہا الشیخ ہدایا مشترک شیخ نے ازروئے ظرافت فرمایا اماتنہا خوشتر کہ قلندر نے مایوس ہو کر بازگشت کی عزیمت کی شیخ نے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ تنہا خوشترک سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ تجھے تنہا مبارک ہو۔ یہ کہہ کر وہ تمام نقد و جواہر اس کو بخشا اس قلندر نے چاہا کہ اس سب کو اٹھاؤں اس کی قوت نے وفا نہ کی شیخ کے خادم نے اس کی مدد کی اور نقل ہے کہ جب بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا خضر خان کو جو شیخ کا مرید تھا اس نے قتل کیا اور شیخ سے بھی درپے عداوت ہوا اور ان دنوں میں شیخ کے باورچی خانہ مقرری کا خرچ سوائے غلہ کے دو ہزار روپیہ کا تھا اور انعام و اکرام اور علوفہ متعلقان اور خرچ مسافران اور مجاوراں اس سے جدا تھا۔ اس صورت میں بادشاہ نے قاضی محمد غزنوی سے کہ محرم خاص تھا پوچھا کہ اس قدر خرچ شیخ کا کہاں سے آتا ہے۔ قاضی کہ وہ بھی اس قدر اعتقاد آنحضرت سے نہ رکھتا تھا بولا اکثر امرائے سلطانی شیخ کی اعانت زر شکرانہ اور نذرانہ سے کرتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ امر پسند نہ آیا۔ حکم کیا کہ جو شخص شیخ کے مکان پر جائے گا اس کی مدد خرچ کو روپیہ یا اشرفی بھیجے گا وہ نہایت معتوب اور مقہور ہوگا اور اس بارہ میں زیادہ مبالغہ کیا پھر لوگوں نے غضب شاہی کے خوف سے ہاتھ کھینچا اور اقبال غلام شیخ کا کہ تحویل اس کے پاس رہتی تھی متحیر ہوا۔

اس لئے کہ پیشتر اس سے نذر و نیاز کا روپیہ بے شمار آتا تھا چنانچہ ایک وقت ایک تاجر کہ اسے رہزنوں نے لوٹا تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش نامہ صدر الدین عارف پسر شیخ بہاء الدین زکریا کا اس کے پاس موجود تھا۔ ملاحظہ میں گزار کر ان سے عرض حال کیا۔ شیخ نے خادم سے فرمایا کہ علی الصباح سے چاشت تک جو فتوح یعنی زر نذرانہ آئے۔ اس عزیز کے سپرد کرو منقول ہے کہ بارہ ہزار روپیہ پہر دن چڑھے تک اس تاجر کو وصول ہوئے۔ القصہ شیخ بادشاہ کے حکم سے واقف ہوئے۔ اقبال غلام سے فرمایا کہ آج سے خرچ مقرری

مضاعف کر اور جس وقت تجھے روپیہ کی حاجت ہو بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ اپنا اس حجرے کے طاق میں ڈال کر بسم اللہ کہہ کر جس قدر درکار ہو نکال لینا۔ چنانچہ اقبال حسب الحکم عمل میں لاتا تھا۔ جب یہ خبر منتشر ہو کر رفتہ رفتہ بادشاہ کو پہنچی۔ نہایت شرمندہ اور نادم ہوا لیکن پھر بھی ازراہ جہالت اور خجالت شیخ کو یہ پیغام بھیجا کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان سے میری ملاقات کو آتے تھے۔ اگر آپ بھی کبھی کبھی قدم رنجہ فرماویں مراحم ذاتی سے بعید نہ ہوگا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں مرد گوشہ نشین ہوں کہیں نہیں جاتا اور علاوہ اس کے رسم اور عادت ہر سلسلہ کی ہر طور پر ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا قاعدہ نہ تھا کہ کچہری دربار میں جائیں اور بادشاہ کے مصاحب ہوں۔ اس امر میں فقیر کو معاف رکھیں اور اس مسکین کو اپنے حال پر چھوڑیں۔ بادشاہ نے کہ بادہ نخوت سے مخمور غرور تھا اس عذر کو قبول نہ کیا اور اس کے جواب میں لکھا کہ آپ کو ہفتہ میں دو بار میری ملاقات کو آنا پڑے گا۔ شیخ نے ناچار ہو کر خواجہ حسن شاعر کو شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس کہ پیر بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے اور مرید شیخ شہاب الدین سہروردی کے تھے بھیجا کہ بادشاہ کو سمجھا دیں کہ فقیروں کو آزردہ کرنا کسی مذہب اور ملت میں درست نہیں ہے اور خیریت دارین کی اس قوم کی کم آزاری میں ہے اور ماورا اس کے ہر خانوادے کی ایک روش مخصوص ہے۔ خواجہ حسن شیخ ضیاء الدین رومی کے مکان سے پلٹ کر خبر لایا کہ ان کا درد شکم کی شدت سے حال روی ہے کہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ شیخ ساکت ہوئے اور انہیں دنوں میں شیخ ضیاء الدین رحمت حق میں واصل ہوئے۔ بادشاہ اور تمام اعیان و ارکان سوم کے دن وہاں حاضر ہوئے اور رسم ہندوستان کے موافق اول قرآن شریف کے سپارہ تقسیم کر کے پڑھے۔ اس کے بعد پانچ آیت پڑھ کر پھول اٹھائے اور سلطان الاولیاء بھی بقصد زیارت وہاں تشریف لے گئے۔ بادشاہ کو سلام کیا اور بادشاہ نے جواب نہ دیا اور مطلق التفات نہ کی اور ایک روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ جب شیخ اس مجلس میں رونق افروز ہوئے جس شخص نے حضرت کو دیکھا تعظیم کے واسطے دوڑا اور حضرت سے عرض کہ بادشاہ بھی اس مجلس میں تشریف رکھتے ہیں۔ اگر آپ سلام کریں ہم بادشاہ کو اعلام کریں۔ شیخ نے فرمایا سلام کی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہے۔ اسے مشوش نہ کرنا چاہیے اور جب حصار مجلس ہجوم لا کر شیخ کے قدم پر گرے بادشاہ گوشہ چشم سے دیکھتا تھا دل میں آزردہ ہوا بعد اس کے بادشاہ نے ایک محضر تیار کر کے یہ حکم دیا کہ اگر ہر ہفتہ میں شیخ ایک بار میری ملاقات سے متعذر ہو تو ہر سلخ یعنی ہر چاند رات کو البتہ آ کر مجھے دیکھے نہیں تو ویسی فکر کی جائے۔ سید قطب الدین غزنوی اور شیخ وحید الدین قندزی اور مولانا برہان الدین مروی اور دیگر اکابر نے بادشاہ کے حکم کے موافق ماہ شوال کی اٹھائیسویں تاریخ کو غیاث پور میں جا کر شیخ کو دیکھا اور بادشاہ نے جو کچھ حکم دیا تھا شیخ کے گوش گزار کیا اور یہ بات کہی کہ بادشاہ جوان عاقبت نا اندیش ہے اور حضرت فضل خدا سے پیر دانش کیش ہیں۔ اگر ہر مہینے میں ایک مرتبہ ضرور تا دیوان عام سلطانی میں تشریف لے جائیں امور درویشی میں فرق نہ ہوگا۔ شیخ نے تامل کر کے فرمایا انشاء اللہ دیکھتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ظہور میں آتا ہے۔ وہ سمجھے کہ حضرت سلطان الاولیاء بادشاہ کے پاس جانے پر راضی ہوئے۔ بادشاہ سے جا کر عرض کی ہم نے شیخ کو راضی کیا وہ ہر چاند رات کو آپ کی ملاقات کو آئیں گے اور رات کو خواجہ وحید الدین قندزی اور اعز الدین علی شاہ جو بڑے بھائی امیر خسرو کے تھے۔ انہوں نے شیخ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ بادشاہ آپ کے قدم رنجہ کی بشارت سے نہایت محظوظ ہوا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں ہرگز اپنے بزرگوں کے خلاف نہ کروں گا کہ بادشاہ کی ملاقات کو جاؤں۔ یہ سن کر دونوں بزرگوار غمگین ہوئے اور یہ التماس کی کہ چاند رات قریب ہے اور بادشاہ پرخاش پر آمادہ ہے۔ حضرت کو مناسب ہے کہ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی طرف توجہ فرمائیں یہ معاملہ دشوار آسانی سے گزرے۔ شیخ نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ اس امر حقیر کے واسطے شیخ کی طرف متوجہ ہوں اور دین کے کام بہت ہیں۔ شیخ کی طرف ان کے واسطے توجہ کرنی چاہیے اور علاوہ اس کے تم یقین جانو کہ بادشاہ مجھ پر ظفریاب نہ ہوگا کس لیے کہ شب کو میں نے خواب دیکھا ہے کہ صفہ پر قبلہ رو بیٹھا ہوں اور ایک بیل شاخدار نے مجھ پر قصد کیا۔ جب نزدیک پہنچا میں نے اس کے دونوں سینگ پکڑ کے ایسا اسے زمین پر دے مارا کہ وہ فوراً ہلاک ہوا۔ خواجہ وحید الدین قندزی

اور عزالدین علی شاہ ۔۔۔ ب یہ واقعہ سنا سمجھے کہ اس جناب کو کچھ آسیب نہ پہنچے گا بلکہ بادشاہ کو ضرر جانی پہنچے گا۔ القصہ چاند رات کو خواجہ اقبال نے بعد نماز ظہر شیخ سے عرض کی کہ آج روز سلخ ہے حکم ہو کہ کون سا راہوار حضرت کی سواری کو مہیا کروں۔ شیخ کچھ جواب نہ دیا اور اقبال دم بخود ہوا جب پہر دن باقی رہا پھر عرض کی کہ سواری کا وقت بھی ہے۔ اگر حکم ہو پالکی اور کہاروں کو حاضر کروں۔ اس مرتبہ بھی شیخ نے کچھ جواب نہ دیا۔ خواجہ اقبال کو پھر عرض کی مجال نہ رہی۔ خاموش ہوا اور حکم خدا سے اسی شب کو بعد ایک پہر اور چند ساعت کے خسرو خان جو نمک پروردہ شاہ کا محرم راز تھا بلکہ شاہ نے اسے خاک مذلت سے اٹھا کر مرتبہ عالی پر فائز کیا تھا جیسا کہ مقام مناسب میں مذکور ہوا اس نے اپنے ہاتھ سے بادشاہ کو قتل کیا اور منقول ہے کہ شیخ شرف الدین شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے پوتے شیخ بدرالدین سمرقندی کے عرس میں حاضر تھے۔ ایک شخص نے ان سے یہ کلام کیا کہ شیخ نظام الدین اولیاء عجب باطن فارغ البال رکھتے ہیں کہ اہل و عیال کی طرف سے ان کو کچھ فکر و غم نہیں کیونکہ اس قدر فراغت دنیوی انہیں حاصل ہے کہ ایک عالم ان کے خوان مائدہ فیض اور احسان سے بہرہ یاب ہے کسی طور کا انہیں رنج نہیں پہنچتا ہے بے فکری سے گزرتی ہے۔ اس کے بعد جب شیخ شرف الدین وہاں سے شیخ کے مکان پر آئے چاہا کہ وہ تذکرہ عرض کروں۔ شیخ نے نور باطن سے دریافت کر کے فرمایا بابا شرف الدین جو درد کہ دم بدم مجھے پہنچتا ہے مجھے یقین ہے کہ دوسرے کو نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی شخص میرے پاس آ کر اپنا درد دل اظہار کرتا ہے۔ اس وقت مجھے اس قدر غم و الم لاحق حال ہوتا ہے کہ زبان اس کی شرح سے عاجز ہے۔ عجب سنگین دل ہے وہ کہ جسے غم برادر دینی کا اثر نہ کرے اور بھی بحکم المخلصون من اللہ علی خطر عظیم جاننا چاہیے۔

نزدیکان را بیش بود حیرانی

نقل ہے کہ دہلی میں ایک بزاز تھا شمس الدین نام نہایت متمول اور وہ شیخ سے اعتقاد نہ رکھتا تھا بلکہ حضرت کی غیبت میں بے ادبانہ کلام کرتا تھا۔ ایک روز اس نے موضع افغان پور کے قریب ایک مقام سبزہ زار اور فرحت افزا دیکھا اپنے ہمراہیوں کو لے کر وہاں بیٹھا اور مے نوشی پر آمادہ ہوا۔ اس مابین میں وہ چشم ظاہری سے کیا دیکھتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء اس کے مقابل ایستادہ ہیں اور اشارہ سے ممانعت کرتے ہیں۔ فوراً اس نے شراب پانی میں پھینک دی اور وضو کر کے شیخ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوا جونہی شیخ کی نگاہ اس پر پڑی فرمایا کہ جس شخص کو سعادت مساعدت کرتی ہے ایسے گناہوں سے باز آتا ہے۔ شمس الدین یہ کلام سن کر متنبہ اور متحیر ہوا اور اسی وقت صدق دل اور اخلاص تمام سے حضرت کے مریدوں میں منتظم ہوا اور دوسرے دن تمام مال و منال اپنا شیخ کے جماعت خانہ کے درویشوں پر تقسیم کیا اور علائق دنیا سے مبکبار اور مجرد ہو کر عرصہ قلیل میں جملہ اولیاء اللہ سے ہوا اور خیرالمجالس میں ہے کہ شیخ نصیرالدین اودھی کی تصنیف ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک وقت شیخ سے رخصت لے کر اودھ کی طرف جاتا تھا۔ شمس الدین بزاز کو میں نے قصبہ بے تابی میں دیکھا تو ایک گدڑی پارہ پارہ اس کے زیب بدن ہے اور ایک جریب ہاتھ میں اور ظروف گلی کہ جس کا گلا رسی سے بندھا تھا۔ ہاتھ میں لٹکائے ہیں اور خطہ بہار کی سمت عازم ہیں۔ شاید بہار میں ان کی بوڑھی ماں تھی جب میں نے انہیں اس حال روی سے دیکھا پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ جواب دیا کہ الحمد للہ شیخ نظام الدین اولیاء کی برکت سے دروازے سعادت کے مفتوح ہیں اور دل ہوا و ہوس سے خالی ہوا۔ چین سے گزرتی ہے میں نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک چھاگل چرمی ہے اسے قبول فرمائیں تو نہایت احسان ہے۔ فرمایا کہ میں اس جناب کی عنایت سے اکثر نماز کے واسطے مسجد میں اترتا ہوں کوئی شخص اس لکڑی اور ظروف گلی پر نظر نہیں کرتا ہے۔ شاید اس چھاگل چرمی کی کوئی طمع کرے۔ یہ فرما کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جدا ہوئے اور یہ بھی نصیرالدین اودھی فرماتے ہیں کہ میں جب قاضی محی الدین کاشانی کے پاس علوم ظاہری پڑھتا تھا۔ ناگاہ ایسا بیمار ہوا کہ لوگوں نے میری زیست سے قطع نظر کی قضارا شیخ نظام الدین اولیاء میری عیادت کے واسطے تشریف لے گئے۔ اس وقت میں نہایت بے ہوش تھا۔ جب آنحضرت نے دست مبارک میرے منہ پر

پھیرا فوراً ہوش میں آیا اور صحت پائی اور ان کے قدم پر گر پڑا اور اس دن سے میرا اعتقاد اور اخلاص آنحضرت کی نسبت زیادہ تر ہوا اور یہ بھی شیخ موصوف روایت کرتے ہیں کہ ایک مرید نے حضرت نظام الدین اولیاء کی دعوت کی اور قوالوں کو بلایا اور بقدر مقدرت طعام بھی مہیا کیا اور جب راگ شروع ہوا کئی ہزار آدمی جمع ہوئے اور کھانا اس قدر نہ تھا کہ پچاس یا ساٹھ آدمی کو کفایت کرے۔ خداوند دعوت قلع طعام اور کثرت انام مشاہدہ کر کے مضطرب ہوا۔ شیخ نور باطن سے سمجھ گئے اور اپنے خادم کو جس کا نام مبشر تھا اشارہ کیا کہ آدمیوں کے ہاتھ دھلا اور دس دس آدمی یکجا بٹھا اور بسم اللہ کہہ کر ایک روٹی کے چار ٹکڑے کر کے مع سالن لوگوں کے سامنے رکھ۔ جب مبشر نے ایسا کیا کہتے ہیں تمام خلق حسب رغبت کھانا کھا کر سیر ہوئی اور بہت کھانا بچ رہا اور نقل ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء بارہ برس کے سن میں مولانا علاء الدین اصولی سے کہ مناقب ان کے کتاب فوائد الفواد میں مسطور ہیں کتاب مدوری (شاید قصدوری) پڑھتے تھے اور وہ شیخ جلال الدین تبریزی سے خرقہ رکھتے تھے۔ لیکن اواخر حال میں شیخ نظام الدین اولیاء کی نظر ایک روز راستہ میں مولانا علاء الدین اصولی پر پڑی کہ کسی طرف جاتے تھے۔ فوراً طلب کر کے اپنا خلعت خاص انہیں پہنایا اور ان کے حق میں دعائے خیر کی اور مولانا اسی دم شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں واصلان حق سے ہوئے اور انہیں دنوں میں شیخ شرف الدین احمد سبزواری اور بڑے بھائی ان کے شیخ جلال الدین .بقصد ارادت دہلی کی طرف آئے تھے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونا چاہتے تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ خانوادہ فردوسیوں کا تمہارے حوالہ ہے۔ آخر دونوں بھائی آپ کے اشارہ کے بموجب وہاں جا کر شیخ نجم الدین فردوسی کے مرید ہوئے اور شیخ شرف الدین احمد سبزواری خرقہ خلافت پا کر ولایت بہار میں گئے اور وہاں استقامت کر کے کتاب مکاتیب اور معدنی المعانی تالیف فرمائی اور نقل ہے شیخ نصیرالدین سے کہ قصبہ سرسادہ میں ایک دانشمند تھے۔ ان کے مکان میں آگ لگی۔ فرمان املاک کا جل گیا۔ انہوں نے دہلی میں آ کر ایک مدت مدید کچہری میں دوا دوش کر کے دوسرا فرمان فرمان سابق کے موافق حاصل کیا اور اسے بغل میں رکھ کر بہ بشاشت تمام اپنی فرودگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک دوست سے دوچار ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہوئے کہ فرمان ان کی بغل سے گر پڑا۔ مطلق اس کا خیال نہ رہا جب مکان پر آئے اور فرمان نہ دیکھا جہاں ان کی نظر میں تیرہ و تاریک ہوا۔ اسی قلق اور اضطراب میں سلطان الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا شیخ سے ان کا اندوہ و ملال دیکھا نہ گیا فرمایا مولانا نذر کر کہ فرمان تیرا جب مل جائے شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی روح پر فتوح کے واسطے حلوہ نذر کر کے حاضر کرے گا۔ مولانا نے نذر بدل و جان قبول کی اور بعد ایک لحظہ کے شیخ نے فرمایا مولانا اگر تو ابھی حلوہ خرید کر حاضر کرے تو خوب ہے۔ مولانا فوراً اٹھ کر حلوائی کی دکان پر گئے اور کئی درم کا اس سے حلوہ طلب کیا۔ حلوائی نے حلوہ تول کر ایک کاغذ نکالا تو اسے چاک کر کے حلوہ اس میں لپیٹے مولانا نے اسے پہچانا کہ یہ فرمان میرا ہے۔ حلوائی سے گھڑک کر فرمایا کہ اسے چاک نہ کر یہ میری املاک کا فرمان ہے۔

پھر اسے مع حلوہ لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سرزمین پر رکھ کر مرید ہوئے اور اہل ارادت نے اس کرامت سے متحیر ہو کر اعتقاد کی تازگی اور شادابی حاصل کی اور نفحات میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کاغذ کے گم ہونے کا اظہار کیا اور التماس دعا کر کے اضطرار ظاہر کیا۔ شیخ نے اسے ایک درم دیا کہ اس کا حلوا خرید کر کے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی روح پر فتوح پر فاتحہ پڑھ کر درویشوں کو تقسیم کر۔ جب اس شخص نے درم حلوائی کو دیا اور اس سے حلوہ کاغذ میں لپیٹ کر لیا۔ جب غور سے دیکھا وہی کاغذ تھا جو گم ہو گیا تھا اور اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ ایک شخص نے سو دینار کسی کے پاس امانت رکھے اور اس سے امانت نامہ لکھوا لیا تھا اور جب وقت اس کے مطالبہ کا آ پہنچا سند نہ پائی۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس دعا کی۔ شیخ نے فرمایا میں پیر ہوں اور شیرینی کو دوست رکھتا ہوں۔ ایک رطل حلوہ میرے واسطے مول لے آ تو دعا کروں۔ اس مرد نے حلوہ خرید کیا اور کاغذ میں لپیٹ کر شیخ کے پاس لایا۔ شیخ نے ارشاد کیا کاغذ کو کھول جب اس نے کھولا وہی امانت نامہ تھا۔ پھر فرمایا سند لے اور حلوہ لے جا۔ آپ کھا اور اپنے لڑکوں کو

دے وہ دونوں چیزیں لے کر حضرت سے رخصت ہوا اور نقل ہے کہ اخی سراج پروانہ شیخ نور کے دادا جو بنگالہ میں مدفون ہیں۔ محض ناخواندہ تھے۔ جب دہلی میں آکر شیخ کے مرید ہوئے۔ شیخ نے ملا فخرالدین ارادی سے کہا۔ یہ جوان بہت قابل ہے۔ کاش تھوڑا علم ظاہری رکھتا تو خوب ہوتا۔ مولانا فخرالدین ارادی نے یہ سن کر سر زمین پر رکھا اور عرض کی اگر حضرت کی توجہ ہو بندہ اس جوان کو چند روز میں مسائل لابدی تعلیم کرے۔ شیخ نے فرمایا مبارک ہے۔ مولانا انہیں اپنے مکانوں پر لے جاکر تعلیم میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ شیخ کی برکت انفاس کے سبب عرصہ قلیل میں دانشمند ہوئے اور خرقہ خلافت سے مشرف ہو کر بنگالہ میں تشریف لے گئے۔ سید وحید الدین کرمانی مبارک سے کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں سے ہیں اور سید خرد مشہور اور کتاب سیرالاولیاء ان کی تصانیف سے ہے منقول ہے کہ خرد خان بعد قتل بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ جب تخت پر بیٹھا دو لاکھ یا تین لاکھ روپیہ ہر ایک مشائخ کے واسطے بھیجے۔ سوائے ان تین مشائخ کے یعنی سید علاء الدین جنپوری اور شیخ وحید الدین خلیفہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور شیخ عثمان سیاح کہ خلیفہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ہیں۔ سب نے قبول کیا لیکن اکثر بزرگواروں نے وہ روپیہ امانت نگاہ رکھا۔ ایک حبہ اس میں سے صرف نہ کیا اور شیخ نظام الدین اولیاء پانچ لاکھ روپیہ خسرو خان کے صرف فقراء میں لائے اور چار ماہ کے بعد جب غازی ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خان کو تہ تیغ کر کے بادشاہ دہلی کا ہوا اور استقلال بہم پہنچا کر درپے اس کے ہوا کہ خسرو خان نے جو روپیہ مشائخوں کو دیا تھا باز یافت کرے۔ اکثر مشائخ نے بلا تامل ادا کیا اور شیخ نظام الدین اولیاء نے وہ روپیہ صرف کیا تھا کچھ جواب نہ دیا۔ بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ نے شیخ سے سوے مزاجی بہم پہنچائی اور ایک جماعت کہ شیخ سے عداوت اور حسد رکھتی تھی اور راگ کی منکر تھی۔ اس نے فرصت پاکر بادشاہ سے معروض کیا کہ یہ شیخ مع جمیع مرید ان راگ کے سوا کوئی کام نہیں رکھتا ہے اور سرور اور مزامیر جو مذہب حنفی میں حرام ہے سنتا ہے۔ بادشاہ کو واجب ہے کہ علماء کو طلب کر کے ایک محضر بنا دے اور اسے اس فعل ناشروع سے ممانعت کرے۔ بادشاہ غیاث الدین نے قلعہ تغلق آباد میں کہ اس کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ شیخ اور جمیع علماء کو اس قلعہ میں طلب کیا۔ چنانچہ ترپن (۵۳) دانشمند کہ ہر ایک اپنے تئیں سرآمد روزگار جانتے تھے اور یہ تمام عالم راگ اور سرور کے مسئلہ میں شیخ نظام الدین اولیاء سے خصومت اور نزاع رکھتے تھے۔ بحث کے واسطے حاضر ہوئے۔ مولانا فخرالدین رازی کہ شیخ کے مریدوں سے تھے اور دم اجتہاد سے مارتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے یہ بات کہی کہ دو آدمیوں کو جو سب سے عالم زیادہ ہوں انتخاب کیجئے تو وہ ہم سے بحث کریں۔ الغرض بادشاہ نے قاضی رکن الدین ابوالحی کو کہ شہر کا حاکم اور شیخ کی عداوت میں فخر و مباہات کرتا تھا بحث کے واسطے اشارہ کیا اور قاضی نے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے درویش تم سرور اور راگ کے بارہ میں کیا دلیل رکھتے ہو۔ شیخ حدیث نبوی السماع مباح لاہلہ کو اپنی بریت کی دلیل لائے۔ قاضی نے جواب دیا۔ تم مرد مقلد ہو تمہیں حدیث سے کیا کام ہے کوئی روایت ابوحنیفہ سے لاؤ تو ہم اسے قبول کریں۔ شیخ نے کہا سبحان اللہ میں حدیث صحیح مصطفوی سے نقل کرتا ہوں اور تم مجھ سے روایت ابوحنیفہ طلب کرتے ہو۔ شاید حکومت کی رعونت تمہارے دماغ میں ہے کہ تم خدا کے دوستوں سے بے ادبی کرتے ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد اس عہدہ سے معزول ہو گے اور بادشاہ نے جب حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنی متفکر ہو کر کچھ نہ کہا اور یہ گفتگو میں تھے اور وہ سب کے سوال و جواب سنتا تھا کہ اتنے میں مولانا علم الدین پوتے شیخ بہاء الدین زکریا کے ملتان سے آئے اور گرد راہ سے دیوان عام میں تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے مع حصار مجلس ان کے استقبال کے واسطے قیام کیا اور مولانا علم الدین نے پہلے شیخ نظام الدین اولیاء سے متوجہ ہو کر ملاقات کی اور باعزاز و احترام پیش آئے۔ اس کے بعد بادشاہ سے پوچھا کہ آپ نے شیخ کو کس واسطے تکلیف دی ہے کہ وہ جناب یہاں تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ حاست اور حرمت راگ کے بارہ میں علما کا محضر ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ آپ بھی تشریف لائے ہیں۔ مولانا علم الدین نے کہا علامہ زمان تھے کہا میں نے سفر مکہ اور مدینہ اور مصر اور شام کیا ہے۔ تمام شہروں میں مشائخ باوجود علمائے تبحر اور پرہیزگار کے راگ سنتے ہیں اور کوئی شخص انہیں مانع نہیں ہوتا ہے۔ ولاہلہ بلاشک و شبہ مباح ہے اور حضرت

شیخ نظام الدین اولیاء اور اصحاب ان کے تمام اہل حال ہیں او ران کا ظاہر و باطن کمال اخلاق اور زہد و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راگ سنا ہے اور وجد فرمایا ہے۔ جب مولانا نے یہ کہا بادشاہ اٹھا اور شیخ نظام الدین اولیاء کو باعزاز و اکرام تمام رخصت کیا اور بادشاہ ازبسکہ شرمندہ ہوا۔ اسی دن قاضی رکن الدین ابوالحی کو عہدہ حکومت سے معزول کیا اور منقول ہے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء کا سن مبارک پچانوے سال کو پہنچا وہ جناب سات مہینے مرض حسب بول و غائظ میں مبتلا رہے۔ ایک روز اقبال کو طلب کر کے فرمایا کہ اسباب اور زر نقد سے جو کچھ میری ملک میں ہے حاضر کر تو آدمیوں پر تقسیم کروں۔ اس نے جواب دیا کہ زر نقد سے تو کچھ ایک حبہ میری تحویل میں نہیں ہے۔ ہر روز کی آمدنی اسی دن صرف ہوتی ہے لیکن کئی ہزار من غلہ انبار خانہ میں موجود ہے۔ ہر روز لنگر میں خرچ ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اسے کس واسطے نگاہ رکھا ہے۔ جلد اسے برآوردہ کر اور مستحقوں کو پہنچا۔ یہ فرما کر بقچہ جامہ کا طلب کر کے ایک دستار اور ایک پیراہن اور ایک مصلائے خاص مولانا برہان الدین غریب کو عطا کیا اور انہیں دکن کی طرف رخصت فرمایا اور ایک پگڑی اور ایک کرتا اور ایک جانماز شیخ یعقوب کو دے کر گجرات کی سمت روانہ کیا اور اسی طور سے مولانا جمال الدین خوارزمی مولانا شمس الدین یحییٰ کو ایک ایک دستار اور پیراہن اور مصلا عنایت فرمایا اور بقچہ میں کوئی شے قسم جامہ سے باقی نہ رکھی اور ان دنوں میں جو شیخ نصیر الدین اودھی حاضر نہ تھے انہیں کچھ عنایت نہ ہوا۔

اس سبب سے تمام حصار مجلس حیران رہے لیکن بعد چند روز کے بروز چہار شنبہ ربیع الآخر کی اٹھارہویں تاریخ ۷۲۵ سات سو پچیس ہجری میں بعد نماز ظہر سلطان الاولیاء نے نصیر الدین اودھی کو طلب کر کے خرقہ اور عصا' مصلہ اور تسبیح اور کاسہ چوبین یعنی کچکول وغیرہ جو کچھ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے اس جناب کو پہنچا تھا۔ انہیں سب عنایت فرمایا اور حکم ہوا کہ تم دہلی میں رہ کر آدمیوں کی قضا اور جفا اٹھاؤ۔ پھر بعد نماز عصر کہ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا سلطان الاولیاء جوار رحمت حق میں واصل ہوئے اور غیاث پور میں کہ اب وہ محلات نئے دہلی سے ہے مدفون ہوئے اور وہ جناب ہمیشہ مجرد رہے۔ عمر پارسائی میں بسر کی اور مشہور ہے کہ بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ اگرچہ بحسب ظاہر شیخ سے کچھ نہ کہتا تھا اور شیخ کے احوال کا معارض اور متعرض نہ ہوتا تھا لیکن اس قدر اپنے دل میں رنجش رکھتا تھا کہ اس نے جس وقت بنگالہ سے مراجعت کی عزیمت کی شیخ کو پیغام بھیجا کہ میرے آنے تک آپ کو دہلی میں نہ رہنا چاہیے اور بعد اس کے غیاث پور سے نکل جاؤ۔ شیخ نے حالت بیماری میں یہ جواب دیا کہ ابھی دہلی دور ہے۔ پھر آخر کو یہ ہوا کہ وہ دہلی میں نہ پہنچا تھا کہ تغلق آباد کا محل اس پر گرا اس میں دب کر ہلاک ہوا اور شیخ نے اس سے چند روز پیشتر رحلت کی تھی اور یہ مثل کہ ابھی دہلی دور ہے ہند میں مشہور ہے نقل ہے کہ ایک روز شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے مکان میں فاقہ تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے فرمایا کہ کچھ لاؤ سلطان الاولیاء نے اپنی دستار مبارک رہن کر کے قدرے لوبیا خرید کی اور جوش کر کے حاضر کی۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے باتفاق یاران تناول فرمائی اس کے بعد آنحضرت کے پیر نے یہ دعا دی کہ کیا خوب اسے پکایا تھا اور نمک موافق اس میں ڈالا تھا۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسا کرے کہ تیرے باورچی خانہ میں ہر روز ستر من نمک خرچ ہو اور اسی وقت شیخ نے دیکھا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی ازار جا بجا سے چاک ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنی ازار مکان سے طلب کی اور آپ کو عطا کی اور فرمایا اسے پہن۔ شیخ نظام الدین اولیاء نہایت محظوظ ہوئے اور شیخ کے حضور وہ ازار اپنی ازار پر پہننے لگے۔ ناگاہ ازار بند دست مبارک سے چھٹ گیا۔ ازار گر پڑی۔ شیخ نے فرمایا کہ ازار بند خوب کس کر باندھ شیخ نظام الدین اولیاء نے عرض کہ کیونکر باندھوں۔ فرمایا ایسی باندھ کہ سوائے حوارن بہشتی کسی کے واسطے نہ کھلے۔ شیخ نظام الدین اولیاء تعظیم بجالائے اور قبول کیا۔ چنانچہ توفیق ایزدی سے آخر عمر تک عورتوں سے مباشرت نہ کی اور جیسا کہ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے فرمایا تھا ہر روز ستر من نمک آپ کے باورچی خانہ میں صرف ہوتا تھا اور نقل ہے کہ ایک صوفی کو شیخ نظام الدین اولیاء کی مجلس میں حال آیا اور وہ ایک آہ کھینچ کر جل گیا۔ سلطان الاولیاء جب حال سے فارغ ہوئے پوچھا کہ یہ خاکستر

کیسی ہے۔ لوگوں نے عرض کہ کی فلاں صوفی ایک آہ کر کے جل گیا۔ یہ اسی کی راکھ ہے۔ پھر شیخ نے پانی پر کچھ پڑھ کر اس پر چھڑکا وہ صوفی فوراً زندہ ہوا اور تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ شیخ نے اس سے فرمایا تجھے روا نہیں ہے کہ تو راگ کے وقت حاضر ہو۔ کس واسطے کہ تو ابھی خام ہے۔ اس سبب سے تو ایک آہ سے جل جاتا ہے اور صوفیوں کے سر پر بہت ماجرے گزرتے ہیں کہ اس کے متحمل ہوتے ہیں دم نہیں مارتے۔

شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی قدس سرہ

شیخ نصیر الدین اودھی شیخ نظام الدین اولیاء کے قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور جامع جمیع علوم ظاہری اور باطنی ہو کر اخلاق حسنہ کے ساتھ انصاف رکھتے تھے اور ان کے فضل و دانش کی کثرت اور وفور سے سلطان الاولیاء کے اصحاب انہیں گنج معانی کہتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے بعد از وفات وہ جناب دہلی میں سجادہ نشین ہوئے اور خلائق کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے۔ جیسا کہ مخدوم جہانیاں سید جلال کی داستان میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظمہ میں شیخ عبداللہ یافعی کی زبان پر جاری ہوا کہ مشائخ دہلی کے تمام جوار رحمت حق میں واصل ہوئے۔ اب شیخ نصیر الدین اودھی کے چراغ دہلی ہے باقی رہا۔ اس واسطے اس جناب کا چراغ دہلی لقب ہوا اور مخدوم جہانیاں مکہ سے مراجعت کر کے دہلی میں آئے۔ اور شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کی صحبت میں تبرک خرقہ سے مخصوص ہوئے۔ اس سبب سے کہتے ہیں کہ ملتان کے مشائخ خانوادہ چشتیہ سے بھی بہرہ رکھتے ہیں اور سید محمد گیسو دراز جو شہر حسن آباد میں گلبرگہ میں مدفون ہیں اور یہ شیخ اخی سراج پروانہ کہ مقبرہ ان کا بنگالہ میں ہے اور شیخ حسام الدین جو نہروالہ گجرات میں آسودہ ہیں۔ آنحضرت کے مریدوں سے ہوتے ہیں اور منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین اودھی نے خلق کے ازدحام سے بہ تنگ آ کر امیر خسرو سے کہا کہ آپ شیخ نظام الدین سے میرے واسطے رخصت لیں تو میں کسی پہاڑ یا بیابان میں جا کر اس ہجوم سے نجات پا کر ذکر حق میں مشغول ہوں۔ شیخ نے فرمایا ان سے جا کر کہو کہ تمہیں خلق میں رہنا اور ان کے قفا اور جفا سہنا پڑے گا اور نقل ہے کہ بادشاہ محمد تغلق شاہ خونریزی اور سیاست کے سبب خونی مشہور ہوا تھا۔ اس نے درویشوں سے سومزاجی بہم پہنچا کر حکم کیا کہ درویش خدمت گاروں کی طرح میری خدمت کریں۔ یعنی کوئی مجھے پان کھلائے اور کوئی میرے دستار باندھے۔ الغرض بہت مشائخوں کو ایک ایک خدمت پر مقرر کیا اور شیخ نصیر الدین اودھی چراغ دہلی کو بھی تکلیف پوشاک پہنانے کی دی۔ شیخ نے قبول نہ کی۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر شیخ کو قفادے کر قید کیا اور شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کا کلام یاد آیا ناچار انہوں نے قبول کر کے قید سے نجات پائی۔ قضارا انہیں دنوں میں بادشاہ کو قضایائے عجیب پیش آئے اور اسی عرصہ میں فوت ہوا۔ بندگان خدا نے رہائی پائی اور تذکرۃ الاتقیاء میں مرقوم ہے کہ شیخ نماز عصر کے بعد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی طاعت و عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور کسی سے بات نہ کرتے تھے اور خادموں کو یہ حکم دیا تھا کہ اس وقت جو شخص میری ملاقات کو آئے اسے ایک تنکہ دے کر رخصت کرو اگر ایک تنکہ نہ لے دو تنکہ سے پچاس تنکہ تک دے کر اسے واپس کر دو اور اگر اس مقدار سے بھی راضی نہ ہو اسے میرے پاس بھیجو۔ چنانچہ ایک روز کا مذکور ہے کہ ایک قلندر شیخ کے دیکھنے کو آیا۔ ہرچند خادموں نے چاہا کہ وہ کچھ لے کر رخصت ہوں۔ ان کا سمجھانا مفید نہ ہوا۔ ناچار اسے اذن دخول حجرہ دیا۔ قلندر شیطان صفت نے حجرہ میں جا کر یہ سختی و درشتی شیخ سے کچھ طلب کیا۔ شیخ نے جو طاعت میں مشغول تھے دو تین مرتبہ اشارہ کیا کہ بیٹھ جا میں تجھے دوں گا قبول نہ کیا اور اس موذی نے چند زخم چھری کے شیخ کے جسد مبارک پر مارے کہ خون سوراخ آستانہ سے رواں ہو کر برآمد ہوا۔ خادم مضطرب ہو کر اندر گئے اور چاہا کہ اسے سزا کو پہنچا دیں۔ شیخ نے ممانعت کی اور ایک گھوڑا اور پچاس اشرفی اسے مرحمت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ تو گھوڑے پر سوار ہو کر اس شہر سے نکل جا تو کوئی تجھے مزاحمت نہ پہنچا دے۔ قلندر اسے لے کر حسب الارشاد کاربند ہوا اور چند ساعت کے بعد جب وقت ارتحال پہنچا۔ آپ نے وصیت کی کہ سید محمد گیسو دراز مجھے غسل دیں اور اس خرقہ میں جو شیخ نظام الدین اولیاء سے پہنچا ہے لپیٹ کر مع عصا اور مصلا مجھے قبر میں رکھیں۔ الغرض وہ جناب اٹھارہویں تاریخ ماہ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ ہجری میں ساتھ رحمت ایزدی کے واصل ہوئے اور سید محمد

گیسو دراز نے حسب وصیت عمل کر کے غسل و کفن دے کر مدفون کیا اور مدت آپ کی عمر کی بیاسی برس راوی نشان دیتے ہیں اور نقل ہے کہ سید محمد گیسو دراز نے جب دیکھا کہ پیر بے نظیر شیخ نصیرالدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی سے خرقہ اور عصا اور مصلا نہ پہنچا۔ گریان ہاسینہ بریان شہر دہلی سے برآمد ہو کر دکن کی طرف گئے۔ اس وقت میں شاہ فیروز شاہ بہمنی دکن میں فرمانروا تھا وہ سید کے آنے سے نہایت خوش ہوا اور انہیں باعزاز تمام احمد آباد بیدر میں پہنچایا اور اس تفصیل سے کہ جو احوال میں اس کے لکھا گیا سید کا مرید اور معتقد ہوا اور ان کی تعظیم و تکریم میں زیادہ تر کوشش کر کے ایک گنبد کہ سید اس میں مدفون ہیں تیار کیا اور اہالی دکن کو ان بزرگوار کی نسبت حد سے زیادہ اعتقاد اور اخلاص تھا۔ سلطان فیروز شاہ نے فرمایا کہ جو قصبے شاہان بہمنیہ نے ان سید کو وقف کیے ہیں شاہان عادل شاہیہ و نظام شاہیہ اور قطب شاہیہ ان کے فرزندوں پر حسب دستور بحال رکھیں اور اولاد ان کی دو فرقہ ہوئی۔ بعض نے مذہب امامیہ لیا اور بعض مذہب حنفی رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ جب سید ہجرت کے راستے سے دکن میں روانہ ہوئے۔ شیخ نصیرالدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کے بہت مریدوں نے ان کی ہمراہی اختیار کی لیکن جب ان کے ہمراہ نہوالہ میں پہنچے اور خواجہ رکن الدین کان شکرؒ سے ملاقات کی خواجہ نے پوچھا کہ اپنے تئیں کہاں پہنچا فرمایا میں نے کام شبلی اور جنید کا کیا لیکن کشائش اپنے کام میں نہ پائی خواجہ نے کہا اس سبب سے کہ ان بزرگواروں نے کیسۂ زر پھینکا تھا اور تو نے جمع کیا سید متنبہ ہوئے اور کیسۂ زر جو ہمیشہ کمر میں رکھتے تھے۔ اسے اپنے پاس سے دور کیا ایک مریدان شیخ نصیرالدین اودھی چراغ دہلی سے شیخ اخی سراج پروانہ ہیں اور وہ اگرچہ شیخ نظام الدین اولیاء کی نسبت ارادت صادق رکھتے تھے اور اس جناب سے تربیت پا کر بنگالہ کی طرف رخصت ہوئے تھے لیکن شیخ نظام الدین اولیاء کی بعد وفات پھر دہلی میں آئے اور دست ارادت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے ہاتھ میں دے کر درجہ کمال کو پہنچے اور خرقہ بنگالہ کی خلافت کا پایا اور مشہور ہے کہ جب شیخ نصیرالدین اودھی نے انہیں بنگالہ کی رخصت عطا فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس مملکت میں شیخ علاء الدین قل تشریف رکھتے ہیں اور اس طرف کی تمام خلقت ان سے رجوع ہے۔ میرا رہنا اس ملک میں کیا اثر بخشے گا۔ شیخ نے فرمایا کہ تم اوپر دے قل یعنی تم بالا اور وہ زیر شیخ اخی سراج پروانہ اپنے کام کی برتری کی بشارت سن کر بنگالہ کی طرف راہی ہوئے۔ مگر جس روز کہ شیخ علاء الدین قل کی ملاقات کو گئے وہ شیخ کے اس ملک میں آنے سے آزردہ خاطر ہوئے۔ خبر ان کی تشریف آوری کی سن کر چارپائی پر چار زانو ہو کر بیٹھے اور جب شیخ تشریف لائے انہیں سلام کیا تو انہوں نے تواضع نہ کی۔ اسی طریق سے بیٹھے رہے اور شیخ اخی سراج پروانہ چارپائی سے اتر کر نیچے بیٹھے اور بہ بشاشت تمام کلام حقانی اور معارف سے شروع کیے خدا جانے کہ شیخ علاء الدین قل کو کیا مشاہدہ ہوا جو یکایک چارپائی سے اتر کر نیچے بیٹھے اور شیخ اخی سراج پروانہ کو بمبالغہ تمام چارپائی پر بٹھا کر ان کے مرید ہوئے اور شیخ نصیرالدین اودھی چراغ دہلی کے مریدان صاحب حال بہت ہیں چونکہ احوال ان کا بہ تفصیل مولف کی نظر سے نہیں گزرا۔ لہٰذا ان کے ذکر میں نہیں مشغول ہوا۔ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء کے واقعات آغاز کیے۔

شاہ منتخب الدین المعروف بزرزری بخش قدس سرہ

منقول ہے کہ شاہ منتخب الدین اور شیخ برہان الدین شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور جو علوم متداولہ اور اخلاق حسنہ میں کمال رکھتے ہیں ان بزرگوار کے منظور نظر ہو کر مراتب عالیہ پر فائز ہوئے۔ پہلے شیخ نظام الدین اولیاء نے خلافت نامہ اور مصلا اور عصاء اور خلعت شاہ منتخب الدین کو عنایت فرمایا اور ارشاد خلائق کے واسطے دکن میں تعین کیا اور بروایت مشہور اپنے سات سو مرید کہ بعضے پالکی سوار تھے۔ ان کے ہمراہ کیے شاہ منتخب الدین ان بزرگواروں کے خرچ کے بارہ میں متفکر ہوئے اور سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ریاست مقتضی غم خواری متعلقان اور دوستاں ہے اور مجھ میں یہ قوت اور استطاعت نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے مراقبہ

میں جا کر فرمایا خرچ ان آدمیوں کا ہر شب نماز تہجد کے وقت تمہارے پاس پہنچے گا۔ شاہ منتخب الدین زمین خدمت کو لب ادب سے بوسہ دے کر راہی ہوئے اور دولت آباد میں پہنچ کر متوطن ہوئے اور آخر عمر تک ہر شب کو نماز تہجد کے وقت غیب سے ایک ڈبہ زریں آتا تھا اور شاہ علی الصباح اسے فروخت کر کے درویشوں کے صرف میں لاتے تھے اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ شاہ زر درج سے برآورد کر کے بوسہ دیتے تھے اور نماز تہجد کی ادا کرتے تھے اور صبح کو وہ زر رفقاء کے صرف میں لاتے تھے۔ اس سبب سے مشہور بزرزری بخش ہوئے اور نقل ہے کہ جب شاہ منتخب الدین دولت آباد میں فوت ہوئے۔ اسی دن شیخ نظام الدین اولیاء نے ازروئے کشف دریافت کر کے شیخ برہان الدین سے پوچھا کہ تمہارے بھائی شاہ منتخب الدین کی کیا عمر تھی۔ وہ سمجھے کہ میرا بھائی رحمت حق میں واصل ہوا اپنے مکان میں جا کر ماتم میں بیٹھے۔ دوسرے دن سلطان المشائخ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنی وفات سے پیشتر شیخ برہان الدین کو خرقہ خلافت دکن کا مرحمت کر کے رخصت فرمایا تھا۔

شیخ برہان الدین رحمتہ اللہ علیہ

کہتے ہیں جب سلطان المشائخ نے انہیں دکن کی فقط رخصت عنایت فرمائی۔ زمین خدمت کو بوسہ دے کر عرض کی کہ میں اس مجلس کے بزرگواروں کو کہاں پاؤں گا۔ شیخ نے مراقبہ میں جا کر فرمایا میں نے اہل مجلس کہ چار سو آدمی ہیں تمہیں عطا کیے۔ پھر عرض کی کہ میں طاقت جدائی کی نہیں رکھتا۔ شیخ نے مراقبہ میں جا کر یہ ارشاد کیا کہ جس مقام میں تم رہو گے میرے اور تمہارے حجاب نہ ہوگا۔ چاہیے کہ تم سفر اختیار کرو اور فتوح کے باب میں لارد اور لاکد رہنا۔ شیخ برہان الدین حسب الحکم مع چار سو درویش دولت آباد میں جا کر ساکن ہوئے اور اس ملک کے باشندوں کو اعتقاد عظیم بہم پہنچا زر فتوح بے شمار آنے لگا اور تذکرۃ الاتقیا میں تحریر ہے کہ ابتدائے حال میں باورچی خانہ نظام الدین اولیاء کا ان کے حوالہ تھا۔ ایک روز شیخ برہان الدین باورچی خانہ میں کچ پر بیٹھے تھے۔ سردی نے ان پر غلبہ کیا۔ ایک پارچہ کہ دوش پر ڈالے تھے۔ اسے زمین سر پر ڈال کر بیٹھے بعدہ ایک شخص نے ان میں سے سلطان المشائخ کو خبر پہنچائی کہ شیخ باورچی خانہ میں نمالچہ پر بیٹھے ہیں۔ فرمایا بے ادبی کی ہے ابھی ہوس اس کے سر میں باقی ہے وہ میرے سامنے آنے نہ پائے یہ خبر جب شیخ برہان الدین نے سنی پیر کی مفارقت سے نہایت بے تاب ہوئے۔ ہرچند یاروں سے التماس سفارش کی فائدہ نہ بخشا۔ آخرش امیر خسرو کے پاس التجا لے گئے اور جو وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں قرب اور عزت تمام رکھتے تھے۔ انہوں نے رحم دلی سے ان کی درخواست قبول کرائی اور دستار اپنے سر سے اتار کر ان کی گردن میں ڈال کر اسی نہج سے سلطان الاولیاء کی خدمت میں لے گئے اس وقت وہ جناب کلاہ سر مبارک پر کج رکھے ہوئے وضو کرتے تھے۔ بدیہہ یہ بیت پڑھی۔

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے   من قبلہ راست کردم برسمت کج کلا ہے

آنحضرت نہایت خوش وقت ہوئے اور اٹھ کر دونوں سے بغلگیر ہوئے اور منقول ہے کہ ایک روز سلطان المشائخ کے روبرو شیخ بایزید بسطامی کی تعریف کرتے تھے۔ آنحضرت نے فرمایا ہم بھی بایزید بسطامی رکھتے ہیں۔ یاروں نے پوچھا کہاں ہے۔ فرمایا جماعت خانہ میں بیٹھا ہے۔ خواجہ اقبال بسرعت تمام جماعت خانہ میں گئے دیکھا کہ شیخ برہان الدین وہاں بیٹھے ہیں۔ یاروں نے جانا کہ یہ بات ان کے حق میں فرمائی ہے نقل ہے کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس وقت کوئی شخص میرے پاس بیعت کے واسطے آتا ہے۔ میں پہلے لوح محفوظ کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہ اہل سعادت ہے فی الفور اس کے ہاتھ ہاتھ میں دیتا ہوں اور جو اس کے برعکس ہے توقف کرتا ہوں اول اس کی سعادت کے واسطے حق تعالیٰ سے دست بدعا ہوتا ہوں۔ بعد اس کے اسے مرید کرتا ہوں۔ الغرض شیخ برہان الدین جب دولت آباد میں برحمت حق واصل ہوئے خادموں نے اس مقام میں انہیں دفن کیا اور شیخ زین الدین ان کے قائم مقام اور جانشین ہوئے۔

شیخ زین الدین رحمتہ اللہ علیہ

بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ شیخ زین الدین اودھی المشہور چراغ دہلی کے بھانجے ہیں اور وہ جناب بہت صاحب حال اور اہل کمال تھے۔ جس وقت نصیر خان فاروقی والی خاندیش نے قلعہ اسیر کو آسا اہیر سے لیا۔ شیخ زین الدین سے استدعائے قدوم کی اور جو کہ وہ ارادت صادق رکھتا تھا التماس اس کی قبول ہوئی و جناب اس مقام میں کہ جہاں قصبہ زین آباد ہے تشریف لائے اور نصیر خان فاروقی دریا کے اس طرف اس موضع میں کہ بالفعل جہاں شہر برہان پور ہے وارد تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ جناب قلعہ اسیر کو اپنے نور حضور سے منور فرمائیں۔ حضرت نے یہ امر قبول نہ کیا۔ فرمایا کہ مجھے پیر کی اجازت نہیں ہے کہ آب تپتی سے عبور کروں۔ الغرض نصیر خان چند روز جب تک کہ شیخ وہاں رونق افزا رہے ہر روز صبح کی نماز شیخ کے پیچھے ادا کر کے درویشوں کی خدمت میں تقصیر نہ کرتا تھا۔ جس وقت شیخ نے عزم مراجعت کیا نصیر خان نے انہیں تکلیف قبول قصبات اور دیہات کی کی۔ آپ نے جواب دیا کہ فقیروں کو جاگیر سے کیا نسبت ہے۔ جب نصیر خان حد سے زیادہ مصر ہوا کہ میری سرفرازی کے واسطے کچھ قبول فرمائیں۔ شیخ نے کہا یہ امر قبول کرتا ہوں کہ جس مقام میں تم وارد ہوئے ہو وہاں پر ایک شہر میرے پیر شیخ برہان الدین کے نام آباد کرو اور اس مقام میں کہ فقیر فروکش ہوا ہے۔ ایک قصبہ اس فقیر کے نام بنا کر خلاصہ یہ کہ نصیر خان فاروقی نے شیخ کے حضور دونوں موضع کی بنا ڈالی۔ خشت زمین پر رکھی اور شیخ کی زبان مبارک کی تاثیر سے شہر برہان پور عرصہ قلیل میں اس قدر آباد ہوا کہ مصر کے ساتھ دعویٰ ہمسری کا کرنے لگا اور زین آباد بھی قصبات میں محسوب ہوا۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید

انہوں نے غزنین میں شیخ عبدالواحد سے خرقہ خلافت کا پایا۔ اس کے بعد دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوئے اور آنحضرت کی خدمت میں مرتبہ کمال کو پہنچ کر واصلان حق سے ہوئے اور والدہ ماجدہ ان کی بی بی سامیراں کہ ہمشیرہ سید نورالدین غزنوی کی تھیں۔ وہ خواجہ قطب الدین کو بھائی کہتی تھیں اور خواجہ بھی انہیں مثل اپنی ہمشیرہ سمجھتے تھے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں ابتداء حال میں روز جمعہ کو شہر دہلی کی جامع مسجد میں حاضر تھا۔ ناگاہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید تشرف لائے اور اس طرح سے دوگانہ تحیت میں مشغول ہوئے کہ مجھے ان کی حالت استغراق سے ذوق تمام حاصل ہوا۔ بعد ادائے نماز ایک فقیر قاسم نام منبر پر چڑھے اور ایک آیت کلام اللہ کی پڑھی۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین ابو المؤید نے کلام آغاز کر کے فرمایا کہ میں نے یہ بیت اپنے یار کے خط خاص سے لکھی دیکھی۔

درعشق تو کی از توحذر خواہم کرد جان درغم تو زیرو زبر خواہم کرد

یہ بیت اس سوز و گداز سے پڑھی کہ سامعین اسے سن کر نعرہ زن ہوئے اور مجھے بھی اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اور نقل ہے کہ بادشاہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں امساک باراں ہوا لوگوں نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید کو دعائے باراں کی تکلیف کی۔ ناچار ہو کر دعائے باراں پڑھی اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ مجھے قسم ہے تیری عظمت اور بزرگی کی اگر تو آج کے دن پانی نہ برسائے گا میں کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ غرض کہ حضرت ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ باران رحمت نازل ہوا اور راوی کا یہ بھی قول ہے کہ سید قطب الدین ترمذی ایک بزرگان وقت سے تھے۔ انہوں نے شیخ سے کہا کہ میں جانتا ہوں آپ کو حق تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور نیاز تمام ہے لیکن یہ بات آپ نے کیوں فرمائی کہ اگر پانی نہ برسے گا میں کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ شیخ نے جواب دیا میں یقین جانتا تھا کہ حق سبحانہ

تعالیٰ باران رحمت نازل کرے گا میں نے اس واسطے یہ فضولی کی تھی اور بعض کا یہ قول ہے کہ شیخ نظام الدین ابوالموید نے جواب دیا کہ مجھ سے اور سید نورالدین مبارک غزنوی سے شمس الدین التمش کی مجلس میں کچھ نزاع ہوئی تھی اور لوگوں نے انہیں مجھ سے رنجیدہ کیا تھا اور اس وقت میں مجھے یاروں نے دعائے باراں کی تکلیف دی۔ میں نے ان کے روضہ میں جا کر فاتحہ پڑھی اور یہ کہا کہ مجھ سے درگزر کیجئے۔ ناگاہ روضہ مبارک سے آواز آئی کہ میں نے تجھ سے صلح کی جا دعا کر کہ البتہ حق تعالیٰ باران رحمت فرما دے گا۔ بسبب اس اعتماد کے یہ کلمہ زبان پر لایا تھا اور کہتے ہیں کہ اس دن منبر پر برآمد ہو کر شیخ نے ہاتھ آستین میں کر کے اور ایک کپڑا برآور دہ کر کے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کپڑے کو جنبش دے کر دعا پڑھی اس صورت میں ملا وجیہ الدین یحییٰ کہ وہ خواجہ کے مرید تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ وہ پارچہ کیسا تھا۔ فرمایا کپڑا خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دامن تھا۔ خواجہ نے میری والدہ بی بی سامیراں کو عنایت فرمایا تھا وہ ہی اجابت دعا میں دخیل ہوا۔

امیر خسرو دہلوی

نام اصلی ان کا ابوالحسن ہے۔ اور آنحضرت کے والد امیر سیف الدین محمود امرائے ہزارہ بلخ سے تھے اور قریش کے اطراف میں رہتے تھے اور چنگیز خان کے فتنہ شروع ہونے کے قریب وہاں سے ہندوستان میں آ کر امرا کی سلک میں منتظم ہوئے اور امیر خسرو قصبہ مومن آباد میں کہ اس زمانہ میں اس قصبہ کو پٹیالی کہتے ہیں پیدا ہوئے اور آٹھ برس کے سن میں جیسا کہ مذکور ہوا باپ اور بھائی کی خدمت میں کہ اعزالدین علی شاہ اور حسام الدین نام تھا رہے اور بہ عہد غیاث الدین بلبن کے شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں مشرف ہو کر مرید ہوئے۔ جب نو برس کا زمانہ گزرا امیر سیف الدین محمود کہ جن کی عمر پچاسی برس کی تھی ایک معرکہ میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور اعزالدین علی شاہ قائم مقام ان کے ہوئے اور امیر خسرو نے اپنے والد کے مرثیہ میں یہ بیت موزوں کی:

سیف از سرم گذشت دل من دونیم شد دریائے خون رواں شدو دریتیم شد

اور بعد شہادت امیر سیف الدین محمود کے امیر خسرو کے نانا جن کا خطاب عمادالملک اور اعیان عصر اپنے زمانہ سے تھے اور ایک سو تیرہ برس کی عمر رکھتے تھے۔ صفت ان کی دیباچہ غرت الکمال میں تحریر ہے۔ ان کی پرورش و پرداخت میں مشغول ہوئے اور اس قدر توجہ اور التفات ان کی نسبت مبذول فرمائی کہ فضلائے عصر سے ہوئے ایک دن شیخ نظام الدین اولیاء مع اپنے اصحاب بازار کی طرف جاتے تھے اور امیر خسرو کا آغاز شباب تھا۔ وہ بھی ہمراہ تھے۔ خواجہ حسن شاعر کہ حسن و جمال بے مثال اور فضل و دانش میں کمال رکھتے تھے۔ ایک دوکان میں بیٹھ کر روٹی بیچتے تھے۔ جونہی امیر خسرو کی نگاہ ان سے دوچار ہوئی ان کی شکل زیبا اور حرکات موزوں دیکھ کر مرغ دل ان کا گرفتار ہوا اور ان کے قریب جا کر پوچھا روٹی کیونکر بیچتا ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ میں ایک پلہ میں روٹی رکھ کر خریدار سے کہتا ہوں کہ زر دوسرے پلہ میں رکھ جب زر اس کا روٹی کے وزن سے بہت گراں ہوتا ہے لے کر مشتری کو ایک راستہ بتاتا ہوں۔ امیر خسرو نے جواب دیا اگر مشتری مفلس ہو اس کی کیا تدبیر ہے۔ کہا اس سے زر کے عوض دو دینار بھی لیتا ہوں۔ امیر خسرو خواجہ حسن کے حسن کلام سے حیران رہے اور حقیقت حال شیخ سے عرض کی اور خواجہ حسن کو بھی درد طلب دامن گیر ہوا۔ انھیں دنوں میں دکان ترک کی اگرچہ خواجہ حسن اس عرصہ میں شیخ کے مرید نہ ہوئے تھے لیکن اول سے زیادہ تر علوم و کمالات ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہو کر شیخ کی خانقاہ کی طرف آمد و شد کرتے تھے اور ان کے اور امیر خسرو کے درمیان الفت تمام بہم پہنچی اور دونوں نے شہزادہ محمد سلطان خان شہید بادشاہ غیاث الدین بلبن کی کہ ملتان کا حاکم تھا۔ نوکری اختیار کی۔ امیر خسرو شہزادہ کے مصحف دار اور خواجہ حسن دوات دار ہوئے۔ جب محمد سلطان خان شہید دہلی میں آتا تھا۔ دونوں عزیز شہزادہ کی خدمت سے فارغ ہو کر اکثر اوقات شیخ کی ملازمت میں بسر لے جاتے تھے۔ پھر رفتہ

رفتہ ان کی عاشقی اور معشوقی کا اس قدر شہرہ ہوا کہ غرض گویوں نے شہزادہ سے عرض کی کہ تمام خلق امیر خسرو اور خواجہ حسن کو اہل ملامت سے جانتی ہے۔ یہ قرب خدمت کے قابل نہیں ہیں۔ امیر خسرو نے انہیں دنوں میں غزل کہ جس کا مطلع یہ ہے موزوں کی۔

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید خسرو افرمان دل برون ہمیں بار آورد

بعد اس کے محمد سلطان خان شہید نے ازروئے مصلحت خواجہ حسن کو امیر خسرو کی مصاحبت اور اختلاط سے ممانعت فرمائی لیکن جو رشتہ محبت کا ان کے درمیان میں مضبوط تھا ممانعت نے کچھ فائدہ نہ بخشا اور اہل غرض نے پھر یہ امر محمد سلطان خان شہید سے عرض کیا اور اس مرتبہ شہزادہ نے غیظ میں آ کر چند تازیانہ خواجہ حسن کو مارے او روہ وہاں سے برآمد ہو کر پھر امیر خسرو کے مکان پر گئے اور محمد خان شہید کو اسی وقت یہ خبر پہنچی۔ متعجب ہو کر ایک حصار مجلس سے کہ حقیقت حال سے مطلع تھا یہ فرمایا کہ ان کی محبت مجازی زیور حقیقت سے آراستہ ہوئی ہے اور ان کا جمال حال پردہ عفت اور صلاح سے پیراستہ ہوا ہے۔ محمد سلطان خان شہید نے آدمی بھیج کر امیر خسرو کو طلب کر کے پوچھا کہ محبت تمہاری آمیزش ہوا سے پاک ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ دوئی ہمارے درمیان سے کوچ کر گئی۔ محمد سلطان خان شہید نے گواہ طلب کیے امیر خسرو نے ہاتھ آستین سے برآوردہ کر کے کہا۔

گواہ عاشق صادق در آستین باشد

محمد سلطان خان شہید نے جب دیکھا کہ نشان تازیانہ کا جس مقام پر خواجہ حسن کے پہنچا تھا امیر خسرو کے ہاتھ پر ظاہر ہے۔ سکوت اختیار کیا اور امیر خسرو نے فوراً یہ رباعی پڑھی۔

عشق آمد و شدچہ خوانم اندر رگ و پوست تا کرد مراتہی و پر کروز دوست
اجزا بے وجودم ہمگی دوست گرفت نامیست مرا برمن و باقی ہمہ اوست

اور اس وقت میں نسیم عالم تحقیق کی۔ ان کے باغ امید پر چلی عالم اور مافیہا ان کی نظر ہمت میں ایک خس دکھلائی دیے۔ شہزادہ کی [illegible]ازمت سے مستعفی ہوئے لیکن محمد سلطان خان شہید نے انہیں بحال رکھا اور بعد اس کے جب محمد سلطان خان شہر ملتان میں بدرجہ [illegible]ہادت فائز ہوئے۔ امیر خسرو دہلی میں آ کر امیر علی جامہ دار کے ملازم ہوئے اور تعریف اس کی امیر خسرو کے دیوان میں بہت ہے اور بعدہ [illegible]شاہ جلال الدین خلجی کے مقرب ہوئے اور مثل اپنے باپ اور بھائی کے مدارج علیہ پر پہنچ کر امرائے کبار میں مخصوص ہوئے اور بادشاہ [illegible]لب الدین مبارک شاہ کے عہد تک جو بادشاہ تخت پر اجلاس کرتا امیر خسرو کو معزز کر کے امرا کے جرگہ میں رکھتے تھے اور بادشاہ غیاث [illegible]دین تغلق شاہ کہ تغلق نامہ بنام نامی اس کے ہے۔ امیر خسرو کو اور امرائے کبار سے زیادہ تر عزت دے کر سفر بنگالہ میں اپنے ہمراہ رکھتا [illegible] لیکن مراجعت کے وقت بادشاہ نے کسی کام کے واسطے امیر خسرو کو لکھنوتی میں چھوڑا۔ اس اثناء میں امیر خسرو نے جب سنا کہ شیخ نظام [illegible]دین اولیاء رحمت حق میں واصل ہوئے۔ اس سبب سے بے تاب ہو کر تعجیل تمام آنحضرت کے مزار پر حاضر ہوئے اور نقد و جنس جو کچھ [illegible]کھتے تھے ان کی روح پرفتوح کی ترویح کے واسطے فقراء اور مساکین پر تقسیم کیا اور بادشاہ کی خدمت سے دست کش ہو کر مجرد ہوئے اور [illegible]پڑے سیاہ ماتمانہ پہن کر آنحضرت کی قبر پر ساکن ہوئے اور مفارقت سے ایسے محزون اور مغموم ہوئے کہ سلطان المشائخ کی بعد وفات [illegible] چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔ جمعرات کو انتیسویں تاریخ ماہ ذی قعدہ ۷۲۵ سات سو پچیس ہجری میں بجوار رحمت ایزدی واصل ہوئے اور اسی [illegible]یرہ میں اپنے مرشد کے پائیں دفن ہوئے اور منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے بارہا فرمایا تھا کہ امیر خسرو بعد میرے زندہ نہ رہے [illegible] جب رحلت کرے میرے [illegible] دفن کرنا۔ وہ میرا صاحب اسرار ہے اور میں بھی بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا اور اگر دو [illegible]س کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اسے میری قبر میں دفن کریں تو دونوں ایک جا رہتے الغرض جب امیر خسرو [illegible]ت ہوئے۔ چاہا کہ وصیت کے موافق شیخ کے پہلو میں مدفون کریں۔ ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا اور شیخ کا مرید تھا مانع ہوا

کہ شیخ کے بعض مریدوں کا شیخ اور امیر خسرو کے مزار میں شبہ واقع ہوگا اس واسطے انہیں شیخ کے پائیں یاروں کے چبوترہ پر مدفون کیا۔ چنانچہ یہ قطعہ میرے استاد کا مادہ تاریخ ان کا ہے۔

قطعہ تاریخ

میر خسرو خسرو ملک سخن آن محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تراز ماء معین نظم اوصافی تراز ماء زلال
بلبل بستان سرائے وار و دین طوطی شکر مقال بے زوال
از پے تاریخ سال فوت او چون نهادم سر بزانوے خیال
شد عدیم (۷۲۵) المثل یک تاریخ او دیگرے شد (۷۲۵) طوطی شکر مقال

تذکرۃ الاولیاء میں مسطور ہے کہ امیر خسرو استادان ماضیہ کی نسبت طعنہ زن ہوئے تھے۔ خاص اس وقت میں کہ خمسہ نظامی کا جواب کہتے تھے اور سلطان المشائخ نظامی گنجوی کے باطن سے خوف کھا کر منع کرتے تھے اور امیر خسرو درجواب کہتے تھے کہ میں آپ کی پناہ میں ہوں کچھ آسیب مجھے نہ پہنچے گا۔ قضارا جب یہ بیت کہی۔

کوکبہ خسرویم شد بلند غلغلہ درگور نظامی فگند

ناگاہ تیغ برہنہ امیر خسرو کی طرف نمودار ہوئی امیر خسرو نے نام شیخ اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر" کا لیا۔ اس وقت ایک ہاتھ پیدا ہوا اور آستین کا سر تیغ کے مپیلہ میں دیا۔ وہ تلوار وہاں سے گزر کر کے ایک بیر کے درخت پر کہ اس مقام میں تھا پہنچی۔ امیر خسرو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ حال اپنے پیرومرشد سے اظہار کیا چاہتے تھے کہ شیخ نے سر آستین کا انہیں دکھلایا۔ پھر امیر خسرو نے زمین خدمت کو لب ادب سے بوسہ دے کر دعا کی اور شیخ نے ان کے حق میں یہ دو بیت فرمائیں۔

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ملکیت ملک سخن از خسروماست
این خسروماست ناصر خسرونیست زیرا کہ خدا ناصر این خسروماست

شیخ آذری نے جواہرالانوار میں لکھا ہے کہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی عین پیرانہ سالی میں شیراز سے امیر خسرو کی ملاقات کو ہندوستان میں آئے۔ شعر میں حق استادی ان پر ظاہر کرتے تھے۔ امیر خسرو بھی نہایت اعتقاد آنحضرت سے رکھتے تھے۔ اس بیت کا اعتقاد ظاہر ہے۔

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت شیرہ از خمخانہ سعدی کہ در شیراز بود

اور دوسرے مقام میں فرمایا۔

جلد سخنم دارد شیرازہ شیرازی

اور یہ بھی منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے بارہا فرمایا تھا کہ خدا مجھے اس ترک کے سوسینہ کے سبب بخشے اور امیر خسرو نے ان کی مدح میں بہت کچھ کہا ہے اور یہ دو بیت انہیں میں سے ہیں۔

جدا از خانقاہ او بہ تقدیم خلیم کعبہ راماند بہ تعظیم
ملک کردہ بہ سقفش آشیانہ چو اندر سقفہا کنجشک خانہ

اور بعض کتابوں میں فقیر کی نظر سے گزرا ہے کہ ریاضت امیر خسرو کی باوجود شغل امارت کے اس درجہ اعلیٰ کو پہنچی تھی کہ چالیس سال صوم الدہری میں بسر کیے اور حضرت خواجہ خضر کی ملاقات سے مشرف ہو کر لعاب دہن کی التماس کی۔ چنانچہ خواجہ خضر نے ارشاد کیا

کہ یہ دولت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کے نصیب ہو چکی- امیر خسرو نے شیخ نظام الدین اولیاء کی ملازمت میں حاضر ہو کر وہ حقیقت عرض کہ شیخ نے اپنا آب دہن ان کے دہن میں ڈالا- چنانچہ اس کی تاثیرات اور برکات سے امیر خسرو نے بانوے کتاب سلک نظم میں منتظم کیں اور مشہور ہے کہ امیر خسرو نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کمتر اور چار لاکھ سے زیادہ تر ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میرا تخلص اہل دول سے ایک نسبت رکھتا ہے- اگر فقراء کی نسبت منسوب ہوتا تو کیا خوب ہوتا- عرصہ قیامت میں مجھے ساتھ اس نام کے بلاتے- سلطان المشائخ نے یہ امر دریافت کر کے فرمایا کہ وقت سعید میں تیرا تخلص رکھا جائے گا- پھر چند روز کے بعد فرمایا مجھے یوں ظاہر ہوا کہ تجھے صحرائے محشر میں محمد کاسہ لیس کہہ کر بلائیں گے اور امیر خسرو کی مدت عمر چوراسی برس کی تھی-

شیخ سلیم قدس سرہ

آنحضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد سے ہیں- باپ ان کے سپاہی تھے- قصبہ سیکری میں جو شہر آگرہ سے بارہ کوس ہے رہتے تھے اور شیخ سلیم کی اسی قصبہ میں ولادت ہوئی- جب سن رشد اور تمیز کو پہنچے مسائل لابدی سے بہرہ حاصل کر کے تصفیہ باطن میں کوشش کی اور دو مرتبہ سیکری سے ولایت میں جا کر ممالک عرب اور عجم اور روم اور یمن کی سیر کی- ایک مرتبہ سولہ برس اس حدود میں رہے- دوسری مرتبہ سات برس اور ایک مدت بصرہ میں بسر لے جا کر تیئس حج کر کے ہندوستان میں مراجعت کی اور اس پہاڑ پر جو سیکری کے پہلو میں واقع ہے سکونت اختیار کی اور عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوئے- اکثر ایام صوم میں بسر لے جاتے تھے اور شیر شاہ اور سلیم شاہ افغان سور اور خواص خان کہ ان کے امرائے کبار سے تھے- آنحضرت سے ارادت صادق رکھتے تھے اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے بھی آنحضرت سے محبت اور اخلاص بہم پہنچا کر اس پہاڑ میں ایک شہر موسوم بہ فتح پور بنا دیا اور بارہ برس تک اسے تخت گاہ کر کے شیخ کے مکان کے قریب ایک مسجد اور خانقاہ نہایت تکلف کی تعمیر کی اور محمد اکبر بادشاہ شیخ کی مجلس میں اکثر حاضر ہو کر شیخ کی تعظیم اور تکریم میں کوشش کرتے تھے اور جب آنحضرت ۹۷۰ نو سو ستر ہجری میں برحمت حق واصل ہوئے- آنحضرت کے بڑے صاحبزادہ شیخ بدرالدین ان کے سجادہ نشین ہوئے اور بعد چند روز کے مکہ میں جا کر وفات پائی- ان کا دوسرا بیٹا کہ قطب الدین نام رکھتا تھا وہ اس سبب سے کہ ان کی والدہ نے نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کو دودھ پلایا تھا- اس بادشاہ صوری اور معنوی کے عہد میں مرتبہ بزرگی اور امارت پر پہنچا- حکومت بنگالہ کی پائی اور بعد چند عرصہ کے وہ ایک اہل غدر کے ہاتھ سے مقتول ہوا- شیخ بدرالدین کا فرزند کہ علاء الدین نام رکھتا تھا خطاب اسلام خان اور حکومت بنگالہ پر سرفراز ہوا اور شیخ سلیم چشتی کی نسبت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے یوں ہے- شیخ سلیم بن بہاء الدین بن شیخ سلطان بن شیخ آدم بن شیخ موسیٰ بن شیخ مودود بن شیخ بدرالدین بن شیخ فرید الدین مسعود اجودہنی المشہور بہ گنج شکر قدس اللہ اسرار ہم ورفع درجاتہم فی القدس ان اوراق کے ناظرین پر تمکین پر پوشیدہ نہ رہے کہ سلسلہ چشت میں سوائے جماعت مذکورہ کے اور بھی اولیاء اللہ بہت ہیں کہ احوال ان کا فقیر کی نظر سے نہیں گزرا- مثل مولانا شیخ جمال ہانسوی اور مولانا بدرالدین اسحٰق اور شیخ بدرالدین سلیمان اور شیخ علاء الدین اور مولانا فخرالدین اور شیخ شہاب الدین امام اور دوسرے بہت مشائخ کہ نام ان کے فقیر کے گوش زد نہیں ہوئے- اس صورت میں اگر توفیق رہبری کرے گی اور وہ کتاب کہ مشتمل ان کے حالات پر ہے نظر سے گزرے گی- خلاصہ اس کا اضافہ کتاب ہذا دوں گا- اور جس شخص کو فرصت ہو تحریر کر کے ملحق کرے کہ فقیر ممنون تلطف ہو گا-

دوسرا خاندان سہروردیہ ملتان

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ

آن محرم راز لامکانی موصوف صفات جاودانی
افلاک بزیر پائے کردہ در عالم عشق جائے کردہ
جارو فتہ از فنائے توحید پاکو فتہ در مقام تفرید
باطن لہویت و حقیقت ظاہر بشریت و طریقت
آن پاک گزیدہ مشائخ دان مردم دیدہ مشائخ
سلطان سریر ملک تمکین یعنی کہ بہائے ملت و دین

زبدۃ الاتقیا خلاصۃ الاولیاء شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز مشائخ کبار سے ہیں۔ ہندوستان ان کے غبار آستان سے سر رفعت کا آسمان پر رکھتا ہے اور جد بزرگوار آنحضرت کے کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم کی طرف آئے اور وہاں سے قبتہ الاسلام ملتان میں تشریف لا کر ساکن ہوئے اور جو کہ جد آپ کے صلاح اور تقویٰ میں کمال رکھتے تھے۔ باشندے وہاں کے ان کے آنے سے نہایت محظوظ ہوئے اور مریدوں کے مانند باعزازو اکرام پیش آئے اور کمال الدین علی شاہ نے وہاں استقامت فرمائی اور قلعہ کوٹ کرور میں جس کو سلطان محمود نے اپنے زمانہ جہانگیری و کشور کشائی میں فتح کیا تھا۔ مولانا حسام الدین ترمذی رہتے تھے جو چنگیز خان کے فتنہ میں ترمذ سے جلا وطن ہو کر یہاں قلعہ کوٹ کرور میں آئے تھے۔ کمال الدین علی شاہ ان کی دختر پاکیزہ گوہر کو اپنے فرزند شیخ وجیہ الدین کے عقد ازدواج میں لائے اور شیخ بہاء الدین زکریا اس دختر بلند اختر کے بطن مبارک سے قلعہ کوٹ کرور میں ۵۷۸ پانچ سو اٹھتر ہجری میں پیدا ہوئے اور شیخ عین الدین بیجاپوری نے تذکرۃ الاولیاء ہند میں لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا اولاد ہبیار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی سے ہیں اور ہبیار اسلام میں آئے تھے اور ان کے بھائی مسمیان زمعہ اور عمرو اور عقیل بحالت کفر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے اور سودہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج میں تھیں بیٹی زمعہ کی ہیں۔ الغرض جب شیخ بہاء الدین زکریا بارہ برس کے ہوئے شیخ وجیہ الدین اس دار ناپائدار سے کوچ کر کے رحمت حق میں داخل ہوئے اور شیخ بہاء الدین زکریا نے سفر خراسان کا اختیار کیا اور وہاں عارفوں کی صحبت میں پہنچ کر فیضیاب ہوئے اور بخارا میں جا کر علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور مرتبہ اجتہاد کو پہنچے اور شہرت عظیم پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں خلائق کی تدریس اور افادہ علوم میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ہر روز ستر مرد علماء اور فضلاء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ میں جا کر مناسک حج بجا لائے اور ایک راوی کہتا ہے کہ آنحضرت مدینہ رسول اللہ میں پانچ برس مجاور رہے۔ اس کے بعد شیخ کمال الدین محمد یمنی کے پاس کہ محدثین کبار سے تھے ترپن برس مدینہ منورہ میں تدریس حدیث فرماتے رہے تھے۔ پھر کتب حدیث کو پڑھ کر اور اجازت حاصل کر کے بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے اور انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہو کر بغداد میں آئے اور وہاں کے مشائخ کی زیارت کر کے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت کے فیض سے

مشرف ہوئے اور بروایت شیخ نظام الدین اولیاء سترہ روز میں خرقہ خلافت کا حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ بہاء الدین زکریا بہ قصد حصول نظر عنایت اور خرقہ خلافت شیخ الشیوخ کی مجلس میں حاضر ہوئے ایک رات کو شیخ کی خانقاہ میں یہ واقعہ دیکھا ایک مکان ہے منور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف رکھتے ہیں اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر بطریق حجاب آپ کے روبرو استادہ ہیں اور اس مکان میں ایک طناب بندھی ہوئی ہے اور خرقہ چند اس طناب پر آویزاں ہیں۔ بعد اس کے خلاصہ موجودات نے شیخ الشیوخ کے ذریعہ سے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنے روبرو بلایا اور شیخ الشیوخ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے مسند نشین بارگاہ نبوت کے قدم بوس سے مشرف کیا اور آنحضرت نے شیخ الشیوخ کو اشارہ کیا کہ فلاں خرقہ شیخ بہاء الدین زکریا کو پہنا۔ شیخ الشیوخ نے حضرت کے فرمان کے بموجب عمل کر کے دوبارہ شیخ کو پائے بوس اقدس سے سربلندی بخشی اور وہ جناب بسبب اس خواب کے شیخ الشیوخ کے خرقہ کے امیدوار ہو کر خوش حال ہوئے۔ قضارا علی الصباح ان بزرگوار نے شیخ بہاء الدین زکریا کو مکان کے اندر طلب کیا اور اس مکان کو ساتھ اس وضع کے جو خواب میں دیکھا تھا مشاہدہ کیا اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر نے اٹھ کر اپنے ہاتھ سے وہ خرقہ کہ حضرت رسالت پناہؐ نے اشارہ سے فرمایا تھا طناب سے اٹھا کر انہیں پہنایا اور یہ فرمایا بابا شیخ بہاء الدین زکریا یہ خرقے حضرت نبوت پناہی کے ہیں اور میں درمیان میں متوسط ہوں بے اجازت آنحضرت کے کسی کو نہیں دے سکتا ہوں۔ شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جب چند روز میں شیخ بہاء الدین زکریا کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ وہ درویش جو مدت مدید سے شیخ الشیوخ کی ملازمت میں حاضر تھے۔ متعجب ہوئے کہ ہمیں باوجود خدمت چند سالہ کے یہ دولت نصیب نہ ہوئی اور ہندی فقیر نے بہ مجرد پہنچنے کے یہ سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے عالم کشف میں یہ امر دریافت کر کے درویشوں سے فرمایا کہ تم لوگ لکڑی تر کے مانند ہو اور زکریا بمنزلہ خشک ہے اور آگ خشک لکڑی کو جلد تر پکڑتی ہے۔ بعد اس کے شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو وداع کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ ملتان میں جا کر سکونت کرو کہ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے رجوع ہوئی ہے۔ کہتے ہیں اس وقت میں شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں شیخ الشیوخ کے حاضر تھے۔ عرض پیرا ہوئے کہ مجھے شیخ بہاء الدین زکریا سے کمال محبت بہم پہنچی ہے۔ اگر ارشاد ہو ان کی صحبت میں رہ کر ہند کی سیر کروں۔ شیخ الشیوخ نے رخصت فرمایا لیکن شیخ جلال الدین تبریزی خوارزم تک ہمراہ گئے اور وہاں اجازت لے کر اس حدود میں توقف کیا اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتان میں جا کر متاہل ہوئے اور شیخ صدرالدین عارف اور دیگر فرزند بھی آفریدگار عالم نے انہیں کرامت فرمائے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید بہت ہیں۔ ازانجملہ ایک سید جلال بخاری ہیں۔ احوال ان کا مرقوم ہوگا اور دوسرے آنحضرت کے مریدوں سے شیخ فخرالدین اور شیخ ابراہیم عراقی ہیں۔ اور شیخ ابراہیم عراقی اٹھارہ برس کے سن میں اپنے مدرسہ میں جو نہایت پر تکلف تھا بیٹھ کر درس دیتے تھے اور طلبہ کو فیض پہنچاتے تھے۔ ان دنوں میں ایک جماعت قلندروں سے مدرسہ میں آکر ان کی ملاقات سے شرف یاب ہوئی اور جو کہ اس جماعت میں ایک مرد صاحب جمال تھا۔ شیخ کی نگاہ جونہی اس پر پڑی دل ہاتھ سے جاتا رہا۔

درس و بحث کو ترک کر کے ان کی مہمانی میں مشغول ہوئے اور جب تین چار روز کے بعد قلندر اس حال سے واقف ہوئے خراسان کا راستہ لیا۔ شیخ ابراہیم عراقی بے تاب ہو کر دو تین روز کے بعد ان کی تلاش میں روانہ ہوئے اور ان کے پاس پہنچ کر ارادہ رفاقت کا کیا۔ قلندروں نے عرض کی آپ مرد بزرگ ہیں قلندران ابرو تراش کے ساتھ کیونکر صحبت برآر ہوں گے۔ شیخ ناچار ہو کر چار ابرو ترشوا کر ان کا لباس پہن کر رفیق ہوئے اور اس جماعت کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے ملتان میں پہنچے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے خانقاہ میں گئے۔ جب نظر شیخ کی اس جماعت پر پڑی۔ عراقی کو آپ نے پہچانا اور متعجب ہوئے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہمت مصروف فرمائی کہ انہیں لباس قلندری ترک کرا کے اس لڑکے کی قید عشق سے نجات بخشیں۔ قضارا شیخ کو خبر پہنچی کہ قلندران مسافر ملتان سے نکل گئے اور شیخ نے تامل کیا۔ اس درمیان میں ایک آندھی نہایت عظیم کہ کسی نے نہ دیکھی تھی۔ اٹھی اور گرد و غبار کی کثرت سے دن نے لباس رات کا

پہنا۔ فضائے عالم تیرہ و تاریک ہوا قلندروں کی جماعت جس راہ میں کہ چلی جاتی تھی تاریکی کی شدت سے سراسیمہ اور بدحواس ہوئی اور خبر ایک دوسری کی نہ رکھ کر متفرق اور پریشان ہو کر ہر ایک طرف جا پڑی اور شیخ ابراہیم عراقی بہ قصد قلندر زادہ ایسے راستہ میں پڑے کہ وہ بے اختیار شیخ بہاء الدین زکریا کے مکان پر پہنچے اور شیخ نے صفائے باطن سے دریافت کر کے خادم کو باہر بھیجا۔ انہیں خانقاہ میں طلب کیا اور اٹھ کر ابراہیم عراقی کو اپنے آغوش مبارک میں کھینچا۔ جب شیخ کا سینہ ان کے سینہ پر پہنچا اسی وقت قلندر بچہ کی محبت ابراہیم عراقی کے دل سے دور ہوئی اور شیخ نے انہیں اپنے لباس خاص سے مشرف فرمایا اور ان کے رہنے کے واسطے ایک حجرہ مقرر کر کے تربیت میں مشغول ہوئے۔ حتیٰ کہ یہ نوبت آئی کہ شیخ نے اپنی دختر کہ عفت اور پرہیز گاری میں اپنے وقت کی رابعہ تھی ان کے عقد نکاح میں دی اور ابراہیم عراقی اور پیر محمد شہباز جو بھانجے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے تھے' وہ ہمیشہ سادہ غداروں کو بہ نظرپاک مشغول محبت ہوتے تھے۔ ایک روز اہل اغراض نے شیخ الشیوخ سے عرض کی کہ ابراہیم عراقی ایک نعل بند کے لڑکے کے روبرو بیٹھ کر نظارہ کرتا ہے۔ شیخ الشیوخ نے بلا کر ملامت کی اور فرمایا اے ابراہیم عراقی مگر دوئی دلنشین پر رکھتا ہے کہ اس کام میں مشغول ہے۔ اٹھ اور کنارہ کش ہو۔ اہل نظر حرف زن ہیں۔ ابراہیم عراقی نے کہا ہے۔ اے شیخ غیر کہاں ہے جو حضور گمان فرماتے ہیں شیخ شہاب الدین اس گستاخی سے رنجیدہ ہوئے اور ابراہیم عراقی یہ امر سمجھ کر ایک مدت زار زار روتے رہے یہاں تک کہ شیخ الشیوخ ان سے راضی ہوئے اور انہیں شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس ملتان میں روانہ کیا۔ چنانچہ ابراہیم عراقی ملتان میں پہنچے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پچیس برس ان کی خدمت میں بسر لے گئے اور سلوک یعنی ریاضت اور عبادت میں مشغول ہوئے اور فتوح حد سے زیادہ حاصل کی اور ان دنوں میں اشعار پرسوز کہتے تھے اور شیخ بہاء الدین زکریا کو اس کلام سے وجد اور پیدا ہوتا تھا اور شیخ کا ایک شب گزار ابراہیم عراقی کے حجرہ کی طرف ہوا۔ زمزمہ اس غزل کا سنا۔

نخستین بادہ کاندر جا کردند ز چشم مست ساقی وام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق ززلف ماہرویان دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت بہم بروند و عشقش نام کردند
زبہر نقل مستان از لب و چشم مہیا شکر و بادام کردند
چو خود کردند را از خویشتن فاش عراقی راچرا بدنام کردند

شیخ کو اس غزل کے سننے سے وجد و حال عجیب ظاہر آیا اور منقول ہے کہ ابراہیم عراقی ان دنوں میں شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں بسر لے جاتے تھے۔ زوجہ ان کی کہ دختر شیخ کی تھی۔ فوت ہوئی اور شیخ نے چاہا کہ دوسری دختر جو اس سے چھوٹی تھی ابراہیم عراقی کے حبالہ نکاح میں لائیں۔ اپنے بڑے فرزند شیخ صدرالدین عارف سے اس بارہ میں مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا میں نے ایک روز ابراہیم عراقی کو ساباط خانقاہ پر دیکھا تھا کہ کھڑا ہے اور پیراہن کو اٹھا کر کسب ہوا کرتا ہے۔ ایسا شخص لائق پیوند کے نہیں ہے اور ابراہیم عراقی بعد از وفات شیخ بہ نیت حج بیت اللہ ملتان سے برآمد ہوئے اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد روم کی سمت روانہ ہوئے اور شہر قونیہ میں شیخ صدرالدین عارف کو دیکھ کر کتاب فصوص ان سے پڑھی (شیخ صدر الدین عارف کہ جن کی شرح فصوص مشہور ہے وہ قونوی لکھے جاتے ہیں۔ ظاہراً یہ حضرت علاوہ شیخ صدر الدین عارف ملتانی ہوں یا یہی حضرت وہاں پہنچ گئے ہوں واللہ تعالیٰ علم) اور نسخہ لمعات لکھا اور روم میں حسن قوال پر کہ جمال دل پذیر اور حسن صورت بے نظیر رکھتا تھا عاشق ہو کر غزلیں کہیں۔ چنانچہ یہ مطلع غزل کا ان میں سے ہے۔

ساز طرب عشق چہ دانی کہ چہ ساز ست کز زخمہ اونہ فلک اندر تک و تازست

پھر وہاں سے مصر میں گئے اور ایک موچی کے لڑکے کے حسن دلربا پر شیفتہ ہوئے اور بعد اس کے ولایت شام میں جا کر شہر دمشق میں

قوم سادات سے ہیں۔ اول مرتبہ اپنے والد سید نجم الدین کے ہمراہ برسم تجارت ملتان میں پہنچ کر مرید ہو۔
ل کے پہنچا کر فارغ التحصیل ہوئے اور دوسری خواہش کا دخل دماغ میں رکھتے تھے لیکن اپنے والد ماجد کے
ر مال دنیوی سے جو کچھ رکھتے تھے فقراء کو دے کر ملتان میں آئے اور شیخ کے مریدوں کی سلک میں منتظم
ت میں رہ کر بہت کمال حاصل کیے اور ان کی اکثر تصانیف مثل نزہت الارواح اور زادالمسافرین اور کنزا
سے بشرف ہوئی ہیں اور شیخ بہاء الدین زکریا اور ان کے فرزند شیخ صدر الدین نے ان کی مدح کتاب الرم

ہفت اقلیم قطب اولیاء واصل حضرت ندیم
ملت بہار شرع دیں جان پاکش منبع صدق و
وجود ادبہ نزد دوستاں جنت الماو اشدہ ہندو
روازنیک واز بدنانستم این سعادت از قبولش
ہستی چون بردن براداز میاں کرو پروازہا بر آ
بلند آوازہ عالم پناہ سرور عصر افتخار صدر
دین و دولت آن مقبول حق نہ فلک برخوان جو دش یک

چھٹی شوال سات سو اٹھارہ ہجری میں ہرات میں فوت ہوئے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں سے ..
کا عنقریب مذکور ہوگا۔ نقل ہے کہ قطب الدین ایبک نے شمس الدین التمش کو آزاد کیا اوچتر سرخ اور
دین محمد سام غوری کی اسے بخش کر ولی عہد کیا اور حکومت شہر اوچہ اور ملتان کی ناصرالدین قباچہ کو دے کر
کے واسطے وصیت فرمائی قضارا ناصرالدین قباچہ نے بعد وفات قطب الدین ایبک بغاوت کر کے شمس الدین
اعت نہ کی اور ماورا اس کے شرع محمدی کے رواج میں بھی ساعی نہ ہوا۔ اس کے متعلقوں نے فسق و فجو
اور قاضی شرف الدین اصفہانی عامل ملتان نے شمس الدین التمش کے پاس مکاتیب مشمیر اظہار مخالفت نام
ت تحریر کر کے ارسال کیے۔ اتفاقات سے وہ مکتوب ناصرالدین قباچہ کے آدمیوں کو دستیاب ہوئے اور ناصر
خط پیچیدہ کے مانند پیچ تاب کر کے طیش میں آیا اور آدمی شیخ بہاء الدین زکریا اور قاضی کی طلب میں بھیجے۔
شیخ کو اس نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور قاضی کو بھی اپنے برابر بٹھا کر ان کا خط ان کے حوالہ کیا۔ قاضی ا
ہوئے۔ ناصرالدین قباچہ نے قاضی کو اسی وقت تیغ ظلم سے قتل کیا اس کے بعد دوسرا خط شیخ کو دیا۔ شیخ
لیکن میں نے اسے فرمان حق کے موافق لکھا ہے تو کیا کر سکتا ہے ناصرالدین قباچہ یہ کلام سن کر کانپنے ل

ں کے دامن کے سوا اور کچھ مجھے نظر نہ آیا اور دوسرے دن عبداللہ قوال خلعت گرانمایہ اور بیس روپیہ نقد
ہوا اور وہاں پہنچ کر شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے قدمبوس ہو کر دہلی کی سمت روانہ ہوا اور پھر عرصہ قلیل میں
ر کے ملتان کی رخصت طلب کی اور یہ عرض کی کہ راستہ مخوف ہے۔ امیدوار دعا کا ہوں۔ شیخ نے ارشاد کیا
را علاقہ ہے۔ بعد اس کے شیخ بہاء الدین زکریا سے تعلق رکھتا ہے۔ عبداللہ قوال زمین خدمت کو بوسہ د
ب کے قریب پہنچا ایک جماعت راہزنوں کی مع شمشیرہائے برہنہ نمودار ہوئی عبداللہ قوال کو حضرت شیخ فرید
آیا بہ آواز بلند پکارا یا شیخ بہاء الدین زکریا میری مدد فرمائیے یہ کہتے ہی راہزن غائب ہوئے جس روز عبداللہ
زم بوسی سے شرفیاب ہوا۔ جامہ سرخ سترلاتی پہنے ہوئے تھا۔ شیخ نے فرمایا۔ کمل سرخ لباس شیطان کا ہے
یہ قول ناگوار خاطر ہوا کلام بے ادبانہ زبان پر لایا کہ لوگوں کے پاس خزانے نامحصور موجود ہیں اس پر نظر نہیں
قیمت نیم تنکہ سے بھی کم ہے عیب فرماتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اے عبداللہ ہوش میں آ اور وہ اضطراب
ں پر رکھتا تھا یاد کر عبداللہ قوال یہ کلام صدق انجام سن کر استغفراللہ کہتا ہوا شیخ کے قدم مبارک پر گرا اور
ر الدین عارف سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک وقت مولانا نجم الدین سنائی کے پاس گیا مجھ سے پوچھا کہ آ
نے عرض کیا تفسیر کشاف اور ایجاز اور عمدہ کا مطالعہ کرتا ہوں۔ مولانا نجم الدین نے فرمایا کشاف اور ایجاز
تب مولانا صدر الدین عارف مولانا نجم الدین کی خدمت سے رخصت ہوئے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کی حضوری
بے کم و کاست عرض کر کے کہا کہ مولانا نجم الدین نے یوں فرمایا ہے۔ شیخ نے کہا ہاں یونہی ہے اور بظاہر سبب
ین عارف کی داستان میں مرقوم ہوا یہ تھا کہ کشاف اور ایجاز کے منع کرنے کا سبب اس کے سوا اور معلوم
ن زکریا نے واقعہ میں دیکھا ہوگا کہ مصنف کشاف کا اہل دوزخ سے ہے اور ایجاز کے بارہ میں بھی اسی قبیل
اس کا معلوم نہ تھا مولانا صدر الدین کو یہ بات شاق گزری اور رات کو ان تینوں کتاب کے مطالعہ میں مشغو
غلبہ کیا عمدہ کو دونوں کتاب پر رکھ کر سو رہے اور شعلہ چراغ سے کشاف و ایجاز دونوں جل کر خاکستر ہوئیں
فوظ اور سلامت رہی۔ مولانا حسام الدین حاجی سے کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں سے تھے منقول ہے کہ
روانی نے جو شیخ بہاء الدین زکریا کے مخلصوں میں سے تھے اور وہ نہایت متمول تھے۔ اکثر جواہر کی سوداگری کرتے
نا ہے بندر عدن کی عزیمت میں جہاز پر سوار ہوئے۔ ناگاہ باد مخالف پیدا ہوئی جہاز کا مستول ٹوٹا قریب تھا کہ
ن مسعود شیروانی نے بہ عجز تمام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے توجہ کی اور مدد کے طلبگار ہوئے۔ اسی وقت
ل جہاز کو نجات کی بشارت دی اور غائب ہوئے اور حکم خدا سے باد مخالف ساکن ہوئی۔ جہاز بندر عدن میں
ں نے از روئے صدق اور اخلاص کے ثمث مال اپنا خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی کے سپرد کیا کہ شیخ کی

سے استعانت چاہتے ہیں۔ شیخ نصیرالدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی سے منقول ہے کہ ایک وقت شیخ بہاء
عمر سہروردی کی خدمت سے رخصت ہوئے اور ایک روز اثنائے راہ میں ایک مسجد میں نزول کیا۔ اس مقام
ق (جوالق جمع جلق بمعنی ذلق ہندی گدڑی) پوش کہ لباس سید جلال مجرد کا ہے۔ فروکش ہوئے اور جب را
رغ ہوئے بعد مراقبہ شیخ کی نظر ایک قلندر پر پڑی کہ نور اس کا سپر اعلیٰ کی طرف ساطع تھا۔ شیخ تعجب کر کے
لے گئے اور فرمایا کہ اے مرد خدا اس قوم کے درمیان کیا کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا اے زکریا آگاہ ہو
کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس قوم کو اسے بخشا ہے اور وہ سید عالی نسب اور عالم اور فاضل اور مجذوب تھے۔ ا
ر موصل کے فرزند تھے اور وہاط (نام مقام) میں سید جمال الدین مجرد کی قبر پر لباس قلندرانہ پہنا تھا۔ شیخ
آوردہ کر کے عالم جذبہ سے عالم سلوک کی طرف پہنچایا اور مقبرہ ان کا قصبہ ناہن میں جو یزد اور اصفہان
ر جلال مجرد ساوجی تھے اور ایک مدت مصر میں مفتی رہے۔ جو مشکل لوگوں کو مسائل میں پیش آتی تھی۔ سید
تے تھے۔ چنانچہ مصر کی خلقت انہیں کتاب خانہ رواں کہتے تھے اور کہتے ہیں آخرش انہیں جذبہ اور ایسی حال
شوا کر وہاط میں جو مصر سے سات یا آٹھ منزل ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد سے اس وقت تک
ئے اور بعد چند روز کے کچھ ہوش میں آکر مبہوت کے مانند بیٹھے اور روزہ و نماز نہ کرتے تھے اور علمائے
ضی کہنے لگے اور رانگا گرم کر کے جب ان کے حلق میں ڈالا کچھ صدمہ انہیں نہ پہنچا۔ ان کی ایذا رسانی
لیکن قول صحیح یہ ہے کہ سید جمال مجرد صفت حسن و جمال سے بھی موصوف تھے۔ چنانچہ مصری انہیں یو
سے زلیخا حضرت یوسف پر عاشق ہوئی تھی اسی طرح سے ایک عورت امرائے مصر سے سید جمال مجرد پر م
، بہ تنگ آکر مصر سے سرزمین ومنات کی طرف بھاگ گئے اور وہ عورت فرط تعشق سے بے تاب ہو کر
یہ خبر سید جمال مجرد کو پہنچی مضطرب ہوئے اور دست دعا درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کر کے اپنے زوال
ب اجابت سے مقرون ہوئی۔ موئے ریش و بروت اور ابرو کے تمام گر گئے اور عورت نے جب انہیں ا
ر مصر میں واپس گئی اور سید اس بلائے ناگہانی سے نجات پا کر اس مقام میں ساکن ہوئے۔ چنانچہ مقبرہ ان
ں کی وہاں رہتی ہے اور ہنگامہ برپا رکھتی ہے اور نقل ہے کہ ایک رات شیخ بہاء الدین زکریا اپنے خلفاء
سے یہ خطاب کیا کہ تم میں ایسا کوئی شخص ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرے اور ایک رکعت میں تمام قرآن
۔ شیخ نے دوگانہ میں قیام کیا۔ اول رکعت میں ختم کلام اللہ کیا اور دوسری رکعت میں چار پارہ پڑھ کر بعد جلد
تھے کہ جو کچھ تمام اہل حال کو میسر نہ ہوا۔ توفیق ایزدی سے مجھے بسر ہوا مگر ایک چیز نصیب نہ ہوئی۔ وہ یہ

عیدی مانگتا ہے اور میں بھی تجھ سے مانگتا ہوں تو خزانہ غیب سے مجھے عیدی عنایت کر۔ جب یہ دعا تمام ہو
مان سے نازل ہوا اور اس میں تحریر تھا کہ ہم نے آتش دوزخ تجھ پر حرام کی اور اس کی حرارت کی مشقت
حاضرین نے شیخ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور ایک شخص نے ان میں سے یہ عرض کی اے شیخ تو نے
کہ تو مجھے بھی عیدی سے سرفراز فرما۔

نی نے جب یہ کلام سنا تو فوراً وہ حریر کا ٹکڑا بغل سے برآوردہ کر کے اسے بخشا اور فرمایا کہ یہ عیدی تجھے
میں جانوں اور آتش دوزخ اور شیخ نظام الدین اولیاء سے نقل ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے اواخر میں
اور بھوکی ریاضت برطرف کی۔ چنانچہ ان کے باورچی خانہ میں قسم قسم کا طعام لذیذ پکتا تھا۔ آپ ہر مسافر
سائے کلوا من الطیبات واعملوا صالحا طعام ہائے لذیذ تناول کرتے تھے اور جس شخص کو
بت تمام کھاتا ہے۔ خوش حال ہوتے تھے الغرض ایک دن دستر خوان ان کے روبرو بچھا تھا۔ جب اس درمیان
ہوئے۔ ایک درویش کو دیکھا کہ وہ روٹی شوربا میں ریزہ ریزہ کر کے کھاتا ہے۔ شیخ نے فرمایا بہترین طعام یہ
لت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضیلت طعام ثرید اور طعاموں پر مثل میری فضیلت (مشہور یو
صدیقہؓ کی فضیلت کاملہ عورتوں مریم و آسیہ پر ایسے بیان کی جیسے ثرید کو کھانوں پر فضیلت ہے) کہ ہے ا
مرید شیخ کا ایک موضع دیہات ولایت لاہور میں رہتا تھا اور اس قریہ کے قریب ساحل دریا تھا۔ غلہ بو کر او
ہاں کے تحصیلدار نے اس کی زراعت کی جریب سے پیمائش کی اور یہ بات کہی کہ کچھ اپنی کرامات دکھا
ت گزشتہ کا بیباق کیجئے۔ مرید نے ہر چند عذر کیا کہ اسے معاف کر فائدہ نہ بخشا۔ درویش ایک لحظہ سر مراقبہ
اٹھا کر فرمایا کہ کیا چاہتا ہے۔ شحنہ نے کہا مجھے یہ منظور ہے کہ آپ اس پانی پر قدم رکھ کر اس پار عبور کری
نیں۔ آخر کو درویش نے شیخ بہاء الدین زکریا سے ہمت چاہی اور بسم اللہ کہہ کر قدم پانی پر رکھا اور جس طو
دریا سے عبور کیا اور اس پار پہنچ کر تجدید وضو کر کے دوگانہ شکر کا بجا لائے اور پھر اپنی سواری کے واسطے کش
کیا جس طور سے آپ تشریف لے گئے تھے۔ اسی نہج سے چلے آئیے۔ فرمایا ڈرتا ہوں کہ نفس خوش ہو کر عجب
کشتی لے گئے۔ شیخ نے سوار ہو کر مراجعت کی اور نقل ہے شیخ نظام الدین اولیاء سے کہ ایک دن شیخ بہاء
یہ آواز بلند نعرہ زن ہوئے کہ ابھی شیخ سعید الدین جموی نے دار دنیا سے رحلت فرمائی اور حقیقت میں دیسا ہی
ب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ملتان میں تشریف لائے شاہ ناصرالدین قباچہ والی ملتان نے ایک
سطے تعمیر کیا اور مولانا کہ علامہ زمان تھے۔ نماز فجر کی اس مدرسہ میں ادا کر کے درس میں مشغول ہوتے تھے

ریعت کے موافق نہیں ہے وہ عصمت ہے شیخ نے جب یہ بات سنی پھر نماز کو حاضر نہ ہوئے اور منقول ہے
مولانا قطب الدین سے کہا کہ آپ کیوں درویشوں کی نسبت اعتقاد نہیں لاتے ہیں۔ فرمایا اس سبب سے
کھا کہ اس کا مثل نہیں پایا۔ القصہ کاشغر میں میرے قلم تراش کا دنبالہ ٹوٹ گیا۔ میں نے بازار میں لے جاکر
اش کو بدستور سابق تیار کردو کہ عیب جوڑ کا نہ رہے۔ سب نے جواب دیا کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا حالت
ب لوہار ان میں سے بولا کہ فلاں محلہ میں ایک کاریگر نہایت پرہیزگار اور متقی ہے۔ شاید وہ اسے درست کر
ر پہنچا ایک پیرمرد کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر میں نے قلم تراش کا قصہ اس سے بیان کیا۔ اس نے قلم تر
یا کہ ایک لحظہ آنکھ بند کر میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور کنکھیوں سے دیکھا کہ قلم تراش اپنے ہونٹ
دعا پڑھ کر دم کیا اور میرے حوالہ کی جب میں نے اسے نظر غور سے دیکھا تو سابق سے بھی اسے بہتر اور
فود اعتقاد سے اس کے قدم پر سر رکھا اور قدرے زر پیشکش کیا۔ آنحضرت نے قبول نہ کیا۔ جب میں نے
ا قلم تراش درست ہوا۔ اس سے زیادہ مجھے تکلیف نہ دے۔ مولانا نے جب یہ حکایت تمام کی اس عزیز نے
درست کرنے والا شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں سے ہے۔ شیخ کی یمن تربیت اور فیض برکت سے ساتھ
طب الدین متعجب ہوئے اور اس گفتگو سے جو نماز کے بارہ میں شیخ سے کی تھی۔ پشیمان ہوئے اور کچھ دنو
ں زمانہ ان کی حیات کا آخر ہوا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرہ
ایک شخص نورانی پیدا ہوا۔ نامہ سربمہر اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ نامہ شیخ صدرالدین عارف حضرت شیخ ے
یہ خط جلد اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچاؤ۔ شیخ صدرالدین عارف سرنامہ دیکھ کر متحیر ہوئے اور حجرہ
کو دے کر برآمد ہوئے اور اس شخص کو جو نامہ لایا تھا نہ دیکھا اور شیخ نامہ پڑھ کر جوار رحمت حق میں وا
وشوں سے یہ آواز برآمد ہوئی کہ دوست اپنے دوست کے جوار رحمت میں واصل ہوا اور جب یہ
کے سمع مبارک میں پہنچا۔ فوراً حجرہ میں جاکر اپنے والد کو دیکھا کہ مطمورہ خاک سے معمورہ پاک کی طرف
ترہویں تاریخ صفر ۶۶۶ چھ سو چھیاسٹھ ہجری میں واقع ہوا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ش
، الدین خضری اور شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ ہم عصر تھے۔ اول شیخ سعید الدین نے
تحال کیا اور اس کے تین سال بعد شیخ سیف الدین خضری (خضری اسی طرح فارسی میں بھی ہے اور مشہو
شریف کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ امیر علی) روضہ رضوان کی طرف خراماں ہوئے اور اس کے تین سال
نے وفات پائی۔ جب تین برس کا اور عرصہ گزرا۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے عالم فانی سے عالم باقی کی

گہر معدن حق الیقین تازہ ز آب کرش باغ
زپاکی بہ ملائک صلا خرقہ وحدت نجلا
مواج دل پاک او عقل فرو ماندہ در ادراک
نشین گشت بہ عرش بریں گشتہ خطابش زخدا صدر

ے اس واسطے کہتے ہیں کہ ہر بار ختم کلام اللہ کرتے تھے۔ سمند فکر کو زیادہ تر گرم عنان فرماتے تھے اور جس
تے تھے انہیں فوج فوج معانی کا سامنا ہوتا تھا اور وہ جناب ہمت عالی رکھتے تھے کہ مال دنیوی سے کچھ اپنے پاس
کے والد شیخ بہاء الدین زکریا کے آفتاب حیرت نے مغرب ممات کی طرف رجعت کی۔ آنحضرت کے شیخ صد
ر اور دوسری بی بی سے تھے۔ جب شریعت غرا کے موافق متروکات تقسیم ہوئے۔ اسباب و اجناس کے علاوہ
ین عارف کو میراث پہنچا۔ انہوں نے وہ تمام نقد جنس اول روز فقرا پر تقسیم کر کے ایک درم اور دینار باقی نہ
نے آنحضرت سے یہ عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اس قدر نقد جنس خزانہ میں نگاہ رکھتے تھے اور با آ
رتے تھے۔ آپ کو انہیں کی روش پر عمل کرنا چاہیے جوابدیا کہ میرے والد ماجد جو دنیار پر غالب مطلق ہو گئے
نے سے خوف نہ رکھتے تھے اور بتدریج تمام فقراء پر صرف کرتے تھے اور میں بھی اگرچہ اکثر اوقات غالب ہ
کو مساوی پاتا ہوں۔ لہٰذا اس کے جمع کرنے سے اندیشہ کرتا ہوں کہ مبادا مال دنیوی مجھے فریب دے۔ اس ۔
تا ہوں اور اپنے پاس نہیں رکھتا ہوں اور شیخ صدر الدین عارف بہت مرید صاحب جمال رکھتے تھے۔ مثل شیخ
ن اور مولانا علاء الدین خجندی اور فرزند ارجمند حضرت کے شیخ رکن الدین ابوالفتح تھے اور یہ جو لوگوں کی ز
ن زکریا نے رحلت کے وقت شیخ صدر الدین عارف سے وصیت فرمائی کہ شہر اوچھ میں ایک درویش نہایت کا
ب تک کسی درویش سے پیوند نہیں کیا اور ہمارے خانوادہ سے انہیں ایک نصیب وافر ہے اور اگرچہ وہ مے
تمہارے پاس آئیں گے اور اب تک انہیں جذبہ نے مغلوب کیا ہے جس وقت وہ تمہارے پاس آئیں پہلے
۔ نہ کرنا اور تین دن انہیں خلوت میں بٹھانا اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول کرنا اور جب وہ جذبہ ۔
ر اپنے روبرو انہیں بلانا اور جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خرقہ ۔
نقل بنائی ہوئی یعنی خلاف واقع ہے کیونکہ یہ بات میزان درویشی کے پلہ میں نہیں سماتی ہے اور فقیر نے کسی
کہ وہ مجذوب کون تھے اور انجام اس کا کیا ہوا اور کتاب فوائد الفوائد میں مرقوم ہے کہ شیخ صدر الدین
اپنے والد ماجد کی خدمت میں عرض کی کہ اگر ارشاد ہو میں علم نحو کے استحکام کے واسطے کتاب مفصل جو صاح

تھا۔ شیخ رکن الدین طفولیت کے سبب آہو بره کی طرف راغب ہو کر اس کے خیال میں مشغول رہے اور ج
۔ شیخ صدرالدین عارف نے وضو سے فارغ ہو کر دوگانہ ادا کیا۔ اپنے فرزند کو بلایا کہ قرآن شریف کا ربع پار
وہ سعادت مند مصحف مجید کھول کر سبق پڑھنے میں مشغول ہوا اور عادت اس صاحبزادہ کی یہ تھی کہ تین مر
نا تھا اور اس روز دس مرتبہ پڑھا یاد نہ ہوا۔ شیخ صدرالدین نے صورت حال پوچھی بعض حاضرین نے جواب
رف سے گزرا اور اس کے درمیان میں ایک ہرن کا بچہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مخدوم زادہ کو اس کی طرف
کیا کہ آیا وہ غول ہرن کا کس طرف گیا ہے۔ شیخ رکن الدین نے فی الفور عرض کی کہ بابا فلاں طرف گیا۔
توجہ کی۔ ناگاہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنا بچہ ساتھ لیے ہوئی چلی آتی ہے۔ جب قریب پہنچی شیخ رکن ا
و گود میں لیا اور سر اور آنکھیں چوم کر پستان اور اس کے دہن میں چھوڑے تو دودھ پئے اور بعد اس کے
کلام اللہ کا ایک پارہ حفظ کیا اور اس ہرنی کو مع بچہ اپنی خانقاہ میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ مدت مدید تک وہاں رہ
دین بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان خان کو کہ آخر بخان شہید مشہور ہوا۔ چتر اور دور باش دے کر ملت
اقات کر کے ممالک کے انتظام میں مشغول ہوا اور اس کی منکوحہ جو بادشاہ رکن الدین ابراہیم بن شمس الد
عفت و عصمت سے آراستہ تھی۔ محمد سلطان خان شہید کی شراب کی کثرت سے ہمیشہ محزون اور مغموم ر
نے بحسب اتفاق اس عفیفہ سے رنجش بہم پہنچا کر تین طلاق دے کر مطلقہ کیا اور بعد تین روز کے اس کی مفا
تھی۔ بے تاب ہو کر شہر کے عالموں کو طلب کیا اور ان سے مسئلہ پوچھا سبھی نے عرض کی کہ جب تک ا
رفاقت واقع نہ ہو رجوع درست نہیں ہے۔ محمد سلطان خان شہید کہ شہزادہ تنک مزاج تھا۔ نہایت آشفتہ ہ
جا کر قاضی امیرالدین خوارزمی سے جو شہزادہ کے محرم اور ہمدم تھے۔ یہ بات کہی کہ اگر خلاف شریعت ا
ا ہوں تو دوزخ کے عذاب اور باپ کے عتاب کا خوف ہے اور جو اسے علیحدہ رکھتا ہوں تاب دوری ا۔
کل ہے۔ قاضی امیرالدین نے کہا اگر امان ہو تو عرض کروں۔ خان شہید نے امان دی۔ قاضی نے فرمایا کہ آ
خ صدرالدین عارف پاک ذات اور فرشتہ صفات ہیں۔ اس عورت کو خلق سے پوشیدہ ان کے نکاح میں لائ
کر جدا کریں تو مباح ہو۔ محمد سلطان خان شہید نے حسب ضرورت اجازت دی قاضی صاحب نے خلق
مدرالدین عارف کے عقد ازدواج میں لا کر ان کے سپرد کیا اور دوسرے دن اس عفیفہ کے طلاق دینے کی
ر شیخ کے قدم پر گر پڑی اور عرض کی کہ اگر آپ مجھے پھر اس ظالم فاسق کے سپرد فرمائیں گے میں قیامت
ی۔ شیخ کو اس کی عجز و زاری پر رحم آیا۔ طلاق دینے سے انکار کیا۔ قاضی یہ خبر سن کر ایسے بدحواس اور

تو پہلے مغلوں کی جماعت کو درہم برہم کروں۔ اس کے بعد شیخ کے خون سے بساط زمین رنگین کر کے اپنے د
لہ دوسرے دن محمد سلطان خان شہید چاشت کے وقت مع فوج شہر سے برآمد ہوا اور لشکر غنیم سے دوپہر لڑا
ن کے صفوف کو متفرق اور پریشان کیا اور ظہر کے وقت ادائے نماز کے واسطے ایک تالاب پر وارد ہو کر نماز
نچ سو سوار اس کے ہمراہ تھے اور باقی سپاہ غنیم کے تعاقب اور غنیمت میں مصروف تھی۔ اس درمیان میں ایک
ر سے ایک باغ میں ایستادہ تھا اور اسے حملہ کی فرصت نہ ملی تھی۔ مغل کی خبر شکست سن کر بہ قصد فرار ر
تالاب پر ہوا محمد سلطان خان شہید کو بہ جماعت قلیل دیکھ کر شیر گرجنہ کی طرح تاخت لایا اور خان شہید کو
یا۔

ا کہ فرد میرود از قعہ ہنوز   خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

فراغت تمام شیخ کے مکان میں رہی اور آنحضرت کی برکت صحبت سے واصلان حق سے ہوئی اور شیخ رکم
نجم الدین کے پیر ہیں اور وہ پیر شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے ہیں۔ منقول ہے کہ میں نے ان دنوں میں
بت کی اور جب ملتان میں پہنچا۔ شیخ صدرالدین کی ملاقات کو ایام بیض میں گیا اور میں روزہ رکھتا تھا۔ شیخ
ں کے مائدہ پر جو بادشاہوں کے دسترخوان کے مانند تھا۔ حاضر ہوئے اور میں شیخ کے قریب اور درویشوں۔
آنحضرت کے روبرو ایک طباق مزعفر سے بھرا ہوا اور ایک حلوائے صابونی سے لبریز رکھا تھا۔ شیخ نے میری
شو بسم اللہ میں اگرچہ صائم تھا۔ لیکن بحکم من اکل مع المغفور فھو المغفور اپنے تہ
ر سکا اور بسم اللہ کہہ کر اکل طعام میں مشغول ہوا۔ دیکھا کہ شیخ برغبت تمام طعام تناول فرماتے ہیں اور ہر ایک
واسطے اشارہ کرتے ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگرچہ تو نے صوم الیبض کے افطار میں مراعات مید
ل غذا پر کفایت کرے۔ غرضیکہ جب یہ امر میرے دل میں گزرا شیخ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جس
رت باطن سے طعام کو روشن اور نورانی کر سکتا ہے۔ اسے قلت غذا کا مقید ہونا لازم نہیں۔

بخور   بتوانی   ہرچند   مزن   تن   گہر   برتو   شود   ے   ہ

الدین عارف مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا خرقہ اور دیگر چیزیں
نہیں پہنچی تھیں۔ اپنے فرزند ارجمند شیخ رکن الدین ابوالفتح کو دے کر خلیفہ اور جانشین کیا اور ۷۶ سات س
ے وارستہ ہو کر عالم روحانی کی طرف سفری ہوئے۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح قدس سرہ العزیز

سلم مبارک میں تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے اس روز بخلاف عادت ان کی تعظیم کی اور فرمایا اے بی بی یہ تو
ں کی حامل ہے اور یہ نور عین ہمارے خاندان اور درد ماں کا چراغ ہو گا۔ ایک روز کا مذکور ہے کہ شیخ بہاء ال
ہ اور آپ نے دستار مبارک پلنگ کے پایہ پر رکھ دی تھی اور شیخ صدر الدین چارپائی کے قریب فرش پر مو
ن ان دنوں میں چار برس کا تھا۔ چارپائی کے گرد پھرتے تھے یک بارگی حضرت کی دستار مبارک اٹھا کر
نے مضطرب ہو کر بہ آواز بلند فرمایا کہ اے رکن الدین بے ادبی نہ کر اور حضرت کی دستار مبارک اتار کر
نے فرمایا اے صدر الدین عارف تم اسے منع نہ کرو کہ بسبب استحقاق کے زیب سر کی ہے اور میں نے ب
حضرت نے وہ دستار اسی طور سے معتقد صندوق میں امانت رکھی۔ بروز جلوس سجادہ اس کو سر پر رکھتے
ب الدین عمر سہروردی کا پہنتے تھے اور روش آنحضرت کی سلطان ابو سعید ابو الخیر کی روش کے موافق تھی
ہ دل میں جو کچھ آتا وہ آنحضرت پر مکشوف ہوتا تھا اور مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری اور شیخ عثمان سیاح
مرید رکھتے تھے اور شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جس وقت شیخ رکن الدی
تھے۔ خلق کو آنحضرت کے عطائی ظاہری اور باطنی سے ہر روز روز عید اور ہر شب شب قدر ہوتی تھی اور
یں دو بار دہلی میں تشریف لائے تھے اور بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے عصر میں تین بار اور بادشاہ علاء
آنحضرت کے استقبال کے واسطے سوار ہوتا تھا اور باعزاز تمام شہر میں لاتا تھا اور دس لاکھ روپیہ پہلے دن ا
یق شکرانہ ارسال کرتا تھا اور شیخ رکن الدین کے پاس اس دن جس قدر زر شکرانہ آتا تھا۔ خلائق پر تقسی
ں نہ رکھتے تھے اور بارہا فرماتے تھے کہ میں ملتان سے بہ عشق محبت شیخ نظام الدین اولیاء دہلی میں آتا ہو
ں بزرگ مسجد کیلو کھری میں جمعہ کی نماز ادا کر کے باہم ملاقی ہوئے۔ شیخ رکن الدین ابو الفتح شیخ نظام الدین
لے گئے اور درویشاں صاحب حال وہاں حاضر تھے۔ مولانا علم الدین چچیرے بھائی شیخ رکن الدین ابو الفتح کے
ان السعدین واقع ہوا بہتر ہے کہ اس وقت ان بزرگوں کے درمیان نکتہ علمی مذکور ہو۔ فی الفور دونوں بزرگ
مولانا علم الدین جو کچھ تمہارے دل میں گزرا ہے اسے زبان پر لاؤ۔ مولانا نے کہا آیا کیا حکمت تھی کہ حض
سلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی شیخ رکن الدین ابو الفتح نے کہا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ بعض کم
وقوف تھے۔ اس واسطے وہاں تشریف لے گئے تو وہ کمالات حاصل ہوں۔ بعد اس کے شیخ نظام الدین اولیاء
میں یہ آتا ہے کہ بعض ناقصاں مدینہ کو مکہ معظمہ کے سفر کی قدرت نہ تھی۔ تا خدمت بابرکت میں مش
ق سبحانہ تعالیٰ نے آنحضرت کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا تو اہل نقصان آپ کے یمن خدمت سے درجہ

... اور بادشاہ خود پڑھ کر ہر عریضہ کے ناصیہ پر مدعی کے حسب مدعا بخط خاص جواب لکھتا
ن کے موافق عمل کرتے تھے اور جب مقدمات خلائق کا تصفیہ ہو جاتا تھا۔ شیخ اپنے مکان پر تشریف لے جاتے
ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے عرس کے دن حضرت رکن الدین ابوالفتح اور شیخ نظام الدین اولیاء دو
والوں نے راگ شروع کیا شیخ نظام الدین اولیاء حالت وجد و حال میں آکر اٹھنا چاہتے تھے کہ شیخ رکن الدین
۔ بعد ایک لحظہ کے شیخ دوبارہ وجد میں آکر استادہ ہوئے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدین ابوالفتح مانع نہ ہوئے ا
ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے اور جب سماع موقوف ہوا ہر شخص اپنے مکان کی طرف راہی ہوا۔ مولانا علم ال
ے پوچھا کہ ممانعت اول اور سکوت ثانی کا کیا سبب تھا جواب دیا کہ میں نے اول مرتبہ شیخ نظام الدین ا
تھا۔ میرا بھی دسترس اس مقام تک تھا۔ لہٰذا دامن گیر ہوا۔ دوسری بار انہیں عالم جبروت میں دیکھا جب مجھے م
نہ سکے گا اس واسطے دست بردار ہوا اور نقل ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نظام الدین اولیاء کی خبر فوت
متوجہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر لوازم زیارت بجا لائے اور بھی انہیں دنوں میں بادشاہ غیاث الدین تغلق شا
س کے فرزند سلطان محمد تغلق شاہ نے استقبال کیا اور شیخ بھی اس کی پیشوائی کو روانہ ہوئے اور بادشاہ ضیا
ں کہ اس کے فرزند نے افغان پور کے قریب تعمیر کیا تھا وارد ہوا جو شیخ رکن الدین ابوالفتح بھی اس قصر میں
بادشاہ سے کہ وہ طعام تناول کرنے میں مصروف تھا کہا کہ جس قدر ممکن ہو اس قصر سے برآمد ہو جائیے۔
شرب سے فارغ ہو کر برآمد ہوں گا۔ شیخ نے دوبارہ بادشاہ سے کہا وہی جواب سنا۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے
اور لوگ بھی یہ حال دیکھ کر شیخ کے پیچھے ہو گئے لیکن بادشاہ مع ایک جماعت مخصوصان بیٹھا رہا۔ ابھی شیخ دو
ں قصر کی چھت گر پڑی اور بادشاہ ہلاک ہوا اور یہ واقعہ دیکھ کر لوگ زیادہ تر شیخ کے معتقد ہوئے اور شیخ کا
ر نو تازہ ہوا اور مولانا اسماعیل ذاکر سے نقل ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے اپنی وفات سے تین مہینے پیش
گوشہ نشینی قبول کی تھی اور کبھی حجرہ سے سوائے نماز فرض کے برآمد نہ ہوتے تھے۔ الغرض بتاریخ سولہویں
ہر مولانا ظہیرالدین محمد کو کہ خادم خاص تھے حجرہ میں طلب کیا اور اپنی تجہیز و تکفین کے بارہ میں وصیت کی جو
نہ تھا مصلے اور خرقہ اپنے ایک بھائی کو عطا کیا اور نماز مغرب کے وقت امام کو اندر بلا کر نماز فرض ادا کی اور
ت رب کائنات کے سپرد کی اور جو کہ مولف کتاب ہذا محمد قاسم فرشتہ کو یہ حقیقت کسی کتاب سے دریافت
بوالفتح کے انتقال کے بعد کون لوگ ۔ مثلاً بعد بطن سجادہ خلافت پر بیٹھتے آئے۔ لہٰذا اس سے ساکت ہو کر ا
میں مشغول ہوا۔

سید جلال بخاری قدس سرہ العزیز

خلاف عادت تھا متعجب ہوئے اور وقت دوپہر کا تھا کہ ناگاہ ایک ٹکڑا ابر کا خانقاہ کے مقابل میں ظاہر آیا اور
رغ برابر گرنے لگے۔ یہاں تک کہ تمام صحن اولوں سے بھر گیا اور ابر برطرف ہوا اور ایک اولا خانقاہ کے سوا
کہ سید جلال بہت اولے تناول فرما کر اپنی آرزو کو پہنچے اور ملتان کی خلائق ایک ایک اولا تبرکاً اور تیمناً ا
رکے واسطے حجرہ سے برآمد ہوئے۔ سید جلال بخاری کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا اے سید جلال بخاری اس
یا برف بخارا کی۔ سید جلال بخاری نے عرض کی کہ ایک اولا ملتان کا یخ بخارا کے سو ریز کالے سے بہتر ہے
نہ خلافت کا پاکر بلدہ اوچھ میں مامور ہوئے اور آنحضرت کا مقبرہ اس شہر میں واقع ہے۔

شیخ حسن افغان رحمتہ اللہ علیہ

شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں میں سے ہیں جن کا یہ مرتبہ ہے کہ شیخ نے اپنی زبان مبارک سے ارشا
کسی ندا آئے گی کہ زکریا ہماری درگاہ میں کیا لایا۔ عرض کروں گا حسن افغان کو لایا ہوں اور کتاب فوائد ا
سے مرقوم ہے کہ شیخ حسن مرد امی تھے کچھ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ بعض حروف بھی زبان سے ادا نہ کر
، آئینہ دل پر عکس افگن تھی۔ اس دلیل سے کہ لوگ بارہا تین سطر ایک کاغذ پر تحریر کر کے ان کے روبرو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایک سطر اقاویل مشائخ سے اور ایک سطر آیات کلام مجید سے اور
ئیں ان سطروں میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات قرآن شریف اور اقوال مشائخ کون
مجید کی سطر پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا ہے کہ نور اس کا عرش اعظم تک مشاہدہ کر
ہے کہ طلعت اس کی سپہر ہفت میں تک دیکھتا ہوں۔ پھر مشائخ کے سطر کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تھے
۔ نور اس کا فلک تک معائنہ کرتا ہوں اور یہ بھی شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک وقت دہلی
بلہ کے تعین میں کہ داہنی طرف میل کرتا ہے۔ یا بائیں سمت علما کو اختلاف ہوا اتفاقاً شیخ حسن افغان اس
استادہ ہو کر کعبہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا بیت اللہ کی زیارت کرو۔ جمیع علما جو حاضر تھے کعبتہ اللہ کی
شیخ کی تعظیم کو جھکے اور ایک روز شیخ حسن افغان کا گزر ایک کوچہ میں ہوا اور بہنگام مغرب ایک مسجد میں
ت کی ادا کرتا ہے آپ نے اس امام کے پیچھے اقتدا کی۔ جب امام سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوا آپ امام
گئے اور کہا اے صاحب ہم اس نماز کی جماعت میں شریک ہوئے اور تمہاری اقتدا کی۔ تم عین نماز میں د
بردے خرید کر کے ملتان لے گئے اور ملتان سے غزنین کی سمت ان بردوں کو گراں قیمت بیچنے کے واسطے

ن کا کام تھا۔ اتفاق حسنہ سے وہ ایک روز دکان میں بیٹھے تھے کہ شیخ صدرالدین عارف کہ شیخ بہاء الدین زکریا
ے۔ نظران کی شیخ احمد پر پڑی ایک خادم کو بھیجا کہ انہیں جس طور سے ممکن ہو میرے پاس لا۔ یہ کہہ کر وہ
اخل ہوئے اور شیخ کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ بعد اس کے خادم شیخ احمد کو شیخ صدرالدین عارف کی
پنے ہمراہ اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پہلو میں بٹھایا اور جو فصل گرما تھی شربت طلب کر کے قدرے
خ احمد کو دیا وہ شربت انہوں نے پیا۔ اس کے پیتے ہی ابواب معرفت ان پر کشادہ ہوئے اور وہ فوراً تائب
رف ہوئے اور جو کچھ نقد و جنس اپنے پاس رکھتے تھے اس خانقاہ کے درویشوں پر تقسیم کیا اور علائق دنیا سے
ر سات برس گوشہ انزوا میں بیٹھ کر یاد حق مشغول ہوئے اور ہر وقت شیخ سے ایک فیض حاصل کرتے تھے۔
ز ہو کر اہل ولایت سے ہوئے اور فوائد الفوائد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ احمد رحمتہ ا
یے مشغول ہوئے کہ چشم ظاہری نہ کھولتے تھے۔ ایک وقت عین سرمایہ میں کہ ہوا نہایت سرد تھی صبح کو حو
ئے اور ایک عرصہ تک اس میں درنگ کر کے زبان مناجات میں کھولی کہ الٰہی تو بادشاہ ہے اور بندوں کی اطا
ے عمیم سے بندگان بے بضاعت کو سرفراز فرماتا ہے اور قسم ہے تیری محبت کی جب تک کہ میں اپنا قرب
سے نہ نکلوں گا۔ آخرش ندا آئی کہ ہماری درگاہ میں تیرا مرتبہ وہ ہے کہ ہم تیرے وسیلہ شفاعت سے خلائق
کے بہشت جاودانہ میں داخل کریں گے۔ شیخ احمد نے عرض کی کہ بار الٰہا تیری نعمت بے حد اور رحمت لاتو
ہ کروں گا" اس کے بعد فرمان صادر ہوا کہ ہم نے تجھے اپنا معشوق بنایا تو اپنے تمام طالبوں کو میرا عاشق کر
رت سنتے ہی پانی سے برآمد ہوئے اور اپنے مکان کا راستہ لیا۔ الغرض راہ میں جس جگہ پہنچتے تھے خلقت کثیر
ہے۔ منقول ہے کہ پھر تو جذبہ ان کا اس نہایت کو پہنچا کہ نماز سے بھی باز رہے اور جب علماء و فضلا سمجھاتے
بے شعوری سے باز رکھئے اور نماز پنجگانہ ادا کیجئے۔ فرمایا قدرت نماز پر رکھتا ہوں لیکن فاتحہ الکتاب نہیں پڑھ
بے سورہ فاتحہ درست نہیں ہے۔ شیخ نے کہا فاتحہ پڑھوں گا لیکن ایاک نعبد و ایاک نستعین نہ کہو
ہے۔ تمام سورہ فاتحہ کی قرات واجب ہے۔ شیخ نے عالموں کی تکلیف کے سبب نماز میں قیام کیا۔ جب ایاک
عین پر پہنچے۔ اس جناب کے ہر بن موئے ایک قطرہ خون کا ٹپکا کہ تمام خرقہ خون آلود ہوا ناچار علما کی طرف
ں زن حائضہ کے مانند ہوں۔ مجھ پر نماز درست نہیں ہے۔ مجھ سے دست بردار ہو۔

مولانا شیخ حسام الدین نور اللہ مرقدہ

شیخ صدرالدین عارف کے مریدوں میں انتظام رکھتے تھے۔ ایک روز کا مذکور ہے کہ شیخ صدرالدین عارف شیخ

مولانا علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ

ی شیخ صدرالدین عارف کے مریدوں میں سے ہیں- نہایت محقق اور فاضل تھے- چار برس تک خدمت میں
ور شیخ صدرالدین عارف انہیں ہمیشہ محبوب اللہ کہتے تھے اور وہ جناب رات دن میں دوبار کلام اللہ ختم کر
ی شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں سے ہیں لیکن شیخ صدرالدین عارف کے تربیت یافتہ ہیں- علوم ظاہری ا
اور خارق عادت اس جناب سے بہت سرزد ہوتے تھے اور قبران کی اوچھ میں ہے-

شیخ وحید الدین عثمان المشہور بسیاح

ین اودھی مشہور بہ چراغ دہلی سے نقل ہے کہ شیخ وحید الدین عثمان سیاح کو میں نے دیکھا ہے- ایک روز
خ رکن الدین عارف کے مرید ہوئے اور انہوں نے ایسی ترک و تجرید کی کہ ایک تہمد کے سوا جو ستر عورت
س نہ رکھتے تھے اور اسی حال سے شیخ کے ہمراہ ملتان میں جاکر کتاب عوارف معنف شیخ الشیوخ شہاب الد
ور قرآن مجید حفظ کیا اور مشہور ہے کہ جب وہ جناب شیخ کی اجازت سے عازم سفر ہوئے اور قدم سیاحی میں
لیا- وہی لنگی یعنی تہمد ہمراہ تھی اور سیاحی مجرد کرتے تھے- ذات باری کے سوا کوئی رفیق شفیق نہ رکھتے تھے-
کر حج ادا کیا اور وہاں سے مدینہ میں جاکر ایک سال مقیم ہوئے اور پھر موسم حج میں بیت اللہ میں جاکر طو
ہوا گرم تھی- خضر علیہ السلام نے حاضر ہو کر اپنی آستین کا سایہ اس جناب پر کیا اور خود بھی طواف میں
تہ آنحضرت کو پہچانا لیکن کچھ نہ کہا بعد اس کے ملتان میں آکر شیخ رکن الدین سے ملاقات کی- شیخ نے فرمایا
ہیں تو خلق کے لیے فتنہ ہو جاتے- پھر لباس خاص اپنا انہیں پہنایا اور دستار مبارک اتار کر ان کے سر پر ر
کہ تم دہلی میں جاکر بودوباش اختیار کرو اور اکثر اوقات شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت میں بسر لے جانا-
منزل مقرر کریں اسی مقام میں قیام کرنا اور میری دعا شیخ کو پہنچانا اور شیخ وحید الدین عثمان سیاح جب دہلی
ولیاء سے مل کر پہلے شیخ رکن الدین کا سلام پہنچایا- شیخ نے اٹھ کر وعلیکم السلام کہا پھر ان دونوں بزرگوار
ہی- شیخ وحید الدین عثمان بھی شیخ نظام الدین اولیاء کی ملازمت میں رہتے تھے اور سماع اور وجد میں نہایت
الدین نے ترک سماع کا محضر تیار کرنے سے پہلے یہ حکم کیا تھا کہ جو مطرب یا قوال کسی صوفی کے روبرو را
گا تو اس کی زبان گدی کی طرف سے کھینچی جائے گی- اس سبب سے کسی قوال اور صوفی کو یہ قدرت نہ
کے گرد جاتا- الغرض ...

زدیں برآدم و صوفی ز اعتقاد ترسا محمدی شد و عاشق ہمان کہ

ی ایسے وجد میں آئے کہ بے خودی میں حجرہ کا دروازہ کھول دیا- یہ خبر سن کر دو سو قوال تخمیناً حاضر ہو

ہ اژدہام کیا- محفل طولانی ہوئی اور یہ خبر شہر میں منتشر ہونے سے انبوہ کثیر اور جم غفیر اہل وجد و حال اور

ں سیاح کے محلہ میں جمع ہوا اور شیخ ساتھ اس جمعیت کے قریب تین ہزار آدمی کے تھے- تغلق آباد کی سمت

ں تک ڈھائی کوس فاصلہ تھا- وضیع و شریف متحیر ہو کر سمجھے کہ اب شیخ اور قوالوں کا بادشاہ کی تیغ سیاست سے

ہ جب شیخ ساتھ اس وضع کے تغلق آباد کے قریب پہنچے بادشاہ غیاث الدین تغلق نے ملک شاہی کو کہ ج

ا بھیجا کہ جاکر دریافت کرے کہ یہ ہجوم اور شور کیسا ہے- ملک شادی حسب الحکم گھوڑا سرپٹ پھینک کر

وحید الدین عثمانی سیاح اور صوفی اور قوال وجد کرتے ہوئے اور گاتے ہوئے آتے ہیں- اس نے فوراً پلٹ

ں کی- بادشاہ نے فرمایا کہ میں اس شخص کی ایسی تنبیہہ اور تادیب کروں گا کہ اور دن کی عبرت کا باعث ہو

خسرو خان قاتل قطب الدین مبارک شاہ کا طلب کیا کہ اس میں دیکھوں کہ اس شیخ نے خسرو خان سے کس

کروں گا کہ وہ روپیہ شیخ سے اسی وقت بہ شدت و اہانت تمام پھیر لیں- اراکین دولت جو بادشاہ کی خدمت م

ی کہ اس شیخ نے خسرو خان سے زر فتوح ایک حبہ قبول نہیں کیا ہے- مقلب القلوب نے بادشاہ کے دل کو ا

ک شادی سے فرمایا کہ تو جلد جاکر شیخ کو میرا سلام پہنچا اور قصر خاص میں باعزاز تمام لا اور سامان ضیافت مہیا کر

ہ مالا مال کر- ملک شادی نے شیخ کو مع جماعت تین روز مہمان رکھا اور اپنی طرف سے بہت زر شکرانہ پیش

لق آباد سے ساتھ اس ازدحام اور غوغا کے غیاث پور کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ نظام الدین اولیاء کی م

مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری

گوہر معدن سیادت سلطان سرادق سعادت

حاجی دین سلالہ پاک فرزند نبی خاص لولاک

شریعت و طریقت استاد مشائخ حقیقت

پے مصطفیٰ در اسلام از فقر نہادہ برزمیں گا

جہاں براہ دینی برداشتہ توشہ فیض

یافتہ شش حج اکبر ہم زائر روضہ پیمبر

مجلس پر تقسیم کیے۔ سید جلال الدین حسین بخاری نے خرما مع خستہ تناول کیا۔ شیخ جمال جندی نے خرما معہ
ں کی کہ جو خرما آپ کے دست حق پرست سے دستیاب ہو اس کا تخم دور کرنا سو ادبی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ
ں کو قیامت تک روشن رکھے گا۔ سید جلال الدین حسین بخاری عالم متبحر تھے اور علوم عقلی و نقلی میں آ
ں اور مقید اس امر کے نہ تھے کہ ایک شخص کے مرید ہو کر دوسرے سے رجوع نہ کریں اور فرماتے تھے ک
ے سے مستفیض ہونا چاہیے اور اس جناب نے سبھی سے فیض و نصیب حاصل کر کے اپنے والد سید احمد سے
نہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح سے پایا۔ روایت ہے کہ برسوں ان کی خدمت کر کے مکہ اور مدینہ اور مع
ر روم و عراقین اور خراسان اور بلخ اور بخارا کی سمت سفر فرمایا اور بہت حج کیے۔ ازانجملہ چھ حج اکبر انہیں
اللہ میں سلطان العلماء استاد المحدثین عفیف الدین بن سعد الدین علی الیافعی الیمنی سے ملاقات کر کے دو بر
حاضر رہے اور نسخہ عوارف وغیرہ انہیں پیش کش کیا اور منقول ہے کہ عفیف الدین نے خرقہ شیخ ر
ے پہنا اور انہوں نے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے پایا اور اسی طریق اثنائے سفر میں شیخ
ی کی ملازمت میں فائز ہو کر آنحضرت سے بھی خرقہ اور فیض حاصل کیا اور سید حمید الدین نے شیخ محمد ابر
م الدین ابوالعطاء بخاری سے اور منقول ہے کہ سید جلال الدین حسین بخاری نے اثنائے سیر و سلوک میں
ے زیارت سے مشرف ہو کر فیض کلی حاصل کیا اور جس وقت سید بیت اللہ میں تھے ان کے اور شیخ عبدا
ر محبت واقع ہوئی۔ ایک روز سید ممدوح طواف کرتے تھے۔ دیکھا کہ غلاف کعبہ کا معلق ہے اور دیوار خا
ہو کر شیخ عبداللہ شافعی سے اس کا سبب پوچھا۔ شیخ نے فرمایا ان کعبہ راحت الی زیارۃ قطب الہ
قطب ہند شیخ نصیرالدین محمود کی زیارت کو گیا ہے اور جو کہ آنحضرت کے مقام متبحرین رکھتے ہیں اور مسن
ں گیا اور شیخ نے یہ بھی ارشاد کیا کہ اس وقت دہلی میں اگرچہ وہ درویش جو سابق میں تھے نہیں رہے لیکن
مدین نصیرالدین محمود میں موجود ہے اور بالفعل وہ دہلی کے چراغ ہیں اور وہ جناب بلقب چراغ دہلی اسی د
ر جلال الدین حسین بخاری نے یہ کلام سنا نیت کی کہ جب ہندوستان واپس ہوں دہلی میں جا کر شیخ نص
آپ کی ملاقات کے مشتاق ہوئے اور جب آنحضرت نے اپنے وطن اوچھ کی طرف عود کیا ۷۷۲ سات سو
آکر شیخ نصیرالدین محمود سے ملاقات کی اور شیخ سے کہا کہ الحمد للہ کہ جو ظن آپ سے فقیر کی نسبت نے
کہا کہ رحمت خدا کی شیخ عبداللہ شافعی پر نازل ہو کہ مجھے ساتھ اس دولت کے رہنموں کیا اور سید جلال
اور حالات کتاب قطبی میں کہ ایک درویش نے تصنیف کی ہے۔ بشرح و بسط مرقوم ہیں۔ لہٰذا طول سے ا

کا مذکور ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح بلندی سے چاہتے تھے کہ نیچے اتریں جو کہ زینہ نہایت پست تھا۔
پنے پیر کی آسائش کے واسطے زینہ پر لیٹ گئے اور اپنا سینہ جو اسرار حق کا گنجینہ تھا زینہ بنا کر عرض کی کہ حض
م رکھ کر اتر آئیں۔ شیخ نے یہ حالت مشاہدہ کر کے انگشت شہادت دانت میں دابی اور فرمایا اے سید با
کوئی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ مرتبہ ولایت میں تو مرتبہ کمال پر پہنچے گا اور ان کے پیر نے سید ممدوح کو اٹھا ک
دیا اور سینہ مبارک ان کے سینہ سے مس کیا اور ایک روز سید جلال الدین حسین نماز چاشت میں
ند چار برس کا مصلا کے گرد پھرتا تھا۔ حضرت نے سلام پھیر کر سید شمس الدین عزیزی کی طرف کہ وہ وہاں
ں معصوم کی زیست دشوار ہے اس لیے کہ عین نماز میں اس کی طرف میں نے میل کیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ
ں مبتلا ہو کر اسی شب کو فوت ہوا اور قصبات اوچھ میں ایک شخص ملا وجیہ الدین محمد رہتے تھے۔ ایک رو
کے مکان پر کہ جن کا نام مولانا نصیرالدین ابوالمعالی تھا گئے اور وہاں قیلولہ کیا اور خواب میں دیکھا کہ ایک
ایک شخص وعظ کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو شخص کار دنیا کو کار دین پر مقدم رکھتا ہے دونوں کام اس کے
ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ اس اطراف میں کوئی شخص وعظ فرماتا ہے۔ بولے سید جلال الدین حسین بخاری
جیہ الدین نے آنحضرت کو نہ دیکھا تھا۔ دوسرے دن احرام زیارت باندھ کر اوچھ میں گئے جب وہ صورت
ہ کی باعتقاد وافر ان کے قدم پر گر پڑے۔ سید نے فرمایا اے بابا دنیا کا کام عقبیٰ پر مقدم نہ چاہیے۔ ملا وجیہ
ق انجام سنا زیادہ تر معتقد ہو کر مرید ہوئے۔ ایک روز شیخ کبیرالدین اسمٰعیل نے سید سے اس وقت کہ و
تھے۔ پوچھا کہ تم کو اپنی ولادت سے کچھ یاد ہے۔ فرمایا کہ چھٹے روز مجھے ایک عورت نے نہلا کر کپڑا پہنایا تھا۔
و پہچانتا ہوں اور نقل ہے مولانا شہاب الدین برہان سے کہ سید ماہ رمضان میں برفاقت معتقدان اہل صلاح
درویش کہ یہ صفت لا یفقہون تسبیحہم موصوف تھے۔ کبھی کبھی اس جناب کے پاس آ بیٹھتے
چھ سید کی زیارت کو آیا اور اس نے درویشوں کا ہجوم دیکھ کر بلا اجازت شیخ سید کے بعد لوگوں کو مسجد سے
مرہ کیا تو دیوانہ ہوا ہے جو فقیروں سے الجھتا ہے۔ یہ فرماتے ہی سومرہ دیوانہ ہوگیا اور حالت جنون میں اپ
ر شہر اوچھ میں مشہور ہوئی کہ حاکم دیوانہ ہوا۔ بزرگان شہر اتفاق کر کے زنجیر اور ہتھکڑی سے اسے جکڑ لائے
ر اس کی والدہ نے سید کی خدمت میں حاضر ہو کر بہ عجز و زاری تمام عرض کی کہ اے مخدوم جہانیاں آپ ک
ر اور یکساں ہے۔ لہٰذا اس جوان کا گناہ اس پیرزال عاجز کے سبب بخشیے۔ سید نے فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسے
یخ جمال الدین خجندی کی قبر پر لے جاؤ۔ آنحضرت کی قبر زیارت سے مشرف کرا کے میرے پاس لاؤ۔ انہوں
اصلی حالت میں آیا۔ مسجد میں جا کر سید کی قدم بوسی سے شرفیاب ہوا اور درویشوں سے معذرت کر کے

ے جدہ میں آکر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے کہ ناگاہ پیمانہ حیات آب بقا سے لبریز ہوا- روضہ رضوا
ید مراقبہ میں گئے اور بعد ایک لحظہ کے سر اٹھا کر فرمایا کہ ان بزرگوار کو دفن نہ کرو- شاید کہ سکتہ ہوا ہو-
یا کے کنارے واقع تھی لے جا کر دروازہ بند کیا اور تابوت کو کھولا اور شیخ بدرالدین کو برآوردہ کر کے مسجد
ماز ادا کر کے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوئے- بعد اس کے حی الذی لایموت کے فر
ت میں آئے اور اٹھ بیٹھے اور سید جلال الدین حسین بخاری کے دست بوس ہوئے- ان سے احوال پوچھا
نا کر فرمایا کہ دروازہ مسجد کا کھول کر نماز عصر کی اذان دیں- اذان کے بعد شیخ بدرالدین یمنی نے امامت او
ے دن سید شیخ بدرالدین یمنی کے ہمراہ کعبتہ اللہ روانہ ہوئے اور سعادت طواف سے مشرف ہو کر شیخ کے
ور از سرنو سرور کائنات مفخر موجودات کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور السلام علیک یا جد
سلام یا ولدی سنا اور اس کے بعد جب سفر مکہ سے معاودت کر کے اوچھ میں پہنچے- ستر برس کے سن
وز بروز ضعیف ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ عید قربان کے روز بعد ادائے دوگانہ عید اس جہان فانی سے
ور اسی شہر میں مدفون ہوئے- کتب معتبرہ میں مسطور ہے کہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری
تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کام کسی انبیاء نے نہیں کیا ہاں جس وقت کوئی شخص بارادت صادق آپ کی خ
ماد کرتے تھے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں کہ کسی کو مرید کروں- لیکن عقد اخوت کرتا ہوں اور حدیث
تا ہوں کس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے- ان اللہ حی کریم یستحیی ان یعذب الرح
ہ بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ جو ساتھ جامہ ہائے مشائخ کے تبرک لیتے ہیں چونکہ اس کی اصل موجود ہے میں
ا- کس واسطے کہ ایک وقت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب ایک گھر میں تشریف لائے
اس درمیان جریر بن عبداللہ بجلی آئے اور جگہ نہ پا کر باہر بیٹھے- حضرت نے واقف ہو کر اپنا جامہ خاص
پھینکا اور فرمایا کہ تم اسے زمین پر بچھا کر بیٹھو- جریر نے وہ جامہ لے کر سر اور آنکھوں پر ملا اور تمنا و ت
ا-

صدرالدین راجوئے علیہ الرحمتہ

ں سید جلال الدین حسین بخاری کے چھوٹے بھائی ہیں- علوم ظاہری اور باطنی میں شہرت تمام رکھتے تھے او

... ان پر ... ہوں ہو کر جان دیتا تھا۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک کافر تو
جلال الدین حسین بخاری کی خدمت میں آکر مسلمان ہوا اور سید نے اس کا نام عبداللہ رکھ کر تربیت فرما
کی شہرت عظیم چتان میں واقع ہوئی اور غوغا برپا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ایک روز عبداللہ حسب الاستدعا سید م
برو حاضر تھا اور کسی امر کے سبب سید نے نگاہ قہر اس پر ڈالی اور وہ گر پڑا اور بہ آواز بلند کہتا تھا کہ ہائے میں
مشکیں پانی سے لبریز کراتے تھے فائدہ نہ بخشتا تھا یہاں تک کہ اسی سوز میں مرگیا اور یہ بھی منقول ہے کہ ج
ین حسین بخاری مرض الموت میں مبتلا ہوئے ایک کافر نواہوں نام کہ بادشاہ فیروز باربک کی طرف سے او
عیادت کو آیا اور کہا حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو ختم الاولیاء کیا ہے۔ جیسے حضرت رسالت
یا تھے۔ خدائے تعالیٰ صحت عاجل اور شفائے کامل کرامت فرمائے۔ سید جلال الدین حسین نے یہ کلام سن کر
ے قتال سے فرمایا کہ جو اس شخص نے حضرت رسالت پناہ کی نبوت کا اقرار کیا تو حکم شریعت کے موافق مس
ں اس کے گواہ ہو اور اسے مسلمان کرو۔ نواہوں تکلیف اسلام کے خوف سے بھاگ گیا اور بادشاہ فیروز با
ر صورت حال اظہار کی اور شاہ نے باوجود اس کے کہ اس کو دوست رکھتا تھا فرمایا کہ جب تو نے ایسا کہا تو
دنوں میں سید جوار رحمت حق میں واصل ہوگئے سید صدرالدین راجوئے قتال بعد ادائے لوازم زیارت
فیصل کے واسطے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب اطراف شہر میں پہنچے بادشاہ نے استقبال کا قصد کیا اور عالم
بارہ میں کیا کہتے ہو۔ شیخ محمد نے جو قاضی عبدالمقتدر تھا۔ نیسری کے فرزند اور جودت طبع میں مشہور تھے
استقبال کے واسطے تشریف لے چلئے۔ وہیں مجلس اول میں سید سے یہ سوال کریں کہ حضرت سید کیا اس
لائیں ہیں۔ جب کہیں کہ ہاں کافر کے معاملہ کے واسطے آیا ہوں تب اس کے کفر کا اقرار ہوگا اور ہم ان ۔
ے۔ الغرض بادشاہ نے ان کی فہمائش اور قرار داد کے موافق مجلس اول میں پوچھا کہ آنحضرت اس کافر کی مہم
کہا اس مسلم کے قصہ کے واسطے آیا ہوں۔ اس درمیان میں شیخ محمد نے آپ کے روبرو آکر کہا اے سید اس
نے کہا۔ شرعاً اس پر اسلام لازم نہیں آتا ہے۔ سید نے فرمایا اے مخدوم زادہ تمہارے کلام سے خوشبو دیا
کی فکر کرو یہ کہہ کر انہیں نظر تیز سے دیکھا کہ فوراً ان کے شکم میں درد پیدا ہوا گھر میں گئے اور قاضی
مجلس میں حاضر تھے۔ سید کی تعظیم بجا لاکر عرض پرداز ہوئے کہ میں یہی ایک لڑکا رکھتا ہوں۔ میری عاجزی
۔ سید نے فرمایا کہ وہ مرگیا ہوگا لیکن وہ فرزند کہ جو شکم مادر میں ہے اہل تقویٰ سے ہوگا اور شیخ محمد نے
فوت ہوئے اور قاضی عبدالمقتدر تھا۔ نیسری کو خدا نے اور فرزند عطا فرمایا۔ شیخ نے ان کا نام ابوالفتح رکھا۔ چن
انہ ہوئے اور اب تک ان کا مقبرہ جون پور میں موجود ہے اور فیروز شاہ باربک نے صحبت سید اور شیخ کی

م جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری کے مریدوں میں سے ہیں۔ آنحضرت کے بعد وفات اس جناب نے
اجوئے قتال سے پڑھ کر کمالات حاصل کیے اور جن دنوں میں کہ نسخہ عوارف پڑھتے تھے۔ ایک مجذوب یحییٰ
ر تھے۔ کبھی کبھی اس مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور کہتے ہیں کہ شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کی عادت یہ تھی کہ آ
نیاں سید جلال الدین حسین بخاری کی زیارت کو جاتے تھے اور انگشت شہادت کے اشارے سے دروازہ کا
تھے اور تہجد کی نماز پڑھ کر کلام اللہ ختم کر کے برآمد ہوتے تھے اور پھر انگشت شہادت سے گنبد کا دروازہ
ب کو یحییٰ مجذوب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بخاری کی قبر پر حاضر تھے۔ انہوں نے شیخ کبیر الدیں
کا ماجرا سید صدر الدین راجوئے قتال کے سمع مبارک میں پہنچایا اور شیخ کبیر الدین اسمٰعیل نے نور باطن سے
الت سے اپنے استاد سید صدر الدین راجوئے قتال کے پاس سبق پڑھنے نہ گئے۔ سید خود ان کے مکان پر ت
، دولت سرا میں لائے اور ان کی تعظیم میں کوشش فرمائی اور نقل ہے کہ کبیر الدین اسمٰعیل کے دو فرزند
سرے کا اسم عبدالغفور تھا اور صورت و سیرت میں دونوں بے نظیر تھے اور باوجود خرد سالی شب و روز باپ
شغول رہتے تھے اور بطریق درویشاں دانا ساتھ آہستگی اور سخن سنجیدگی کے اوقات بسر کرتے تھے۔ جب شیخ
نوں بیٹوں کو اپنے روبرو بلا کر ارشاد کیا کہ جو مشکل تمہیں پیش آئے میری قبر پر آ کر اظہار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی
اور وہی ہوتا تھا کہ جو آنحضرت نے فرمایا تھا۔

خاتمہ بذکر کیفیت ہندوستان جنت نشان

مرقوم ہے کہ مملکت ہند مرکب اقلیم اول اور دوم اور سوم سے ہے اور اس کی کوئی سمت ساتھ اقلیم
ر یہ مملکت مشتمل بر قواعد اور رسوم عجیب و غریب ہے۔ اس کے بلاد اور شہر کسی اور ممالک سے مشابہت
و بعض رسوم یمن اور عربان بدوی سے فی الجملہ کچھ مناسبت ہے اور کشمیر اس مملکت کے شمال میں واقع ہ
کشمیر اور اس حدود سے برآمد ہو کر ہر ایک ہند کے بلاد اور قریات میں جاری ہوئے ہیں۔ چھ دریا غرب کی
، میں ایک جا ہو کر آب سند سے پیوستہ ہوئے اور ٹھٹھہ کے قریب دریائے عمان یعنی سمندر میں گرتے ہیں
ں اور راوی اور بھٹ اور چناب اور سندھ اور دریائے بھٹ کو ایام قدیم میں جہلم کہتے تھے جیسا کہ اس
بھی بولتے ہیں اور ان چھ دریا کے ماورا اور بھی بہت سے دریا ہیں کہ ان کا چشمہ کوہستان ہے۔ مثل جون
وئی اور کنڈک اور سرود وغیرہ کہ مشرق کی طرف رواں ہوئے ہیں اور ولایت بنگالہ سے گزر کر ... گنگا

ر اب و ہیم سے کچھ حظ اور ذوق نہیں رسی۔ بلکہ حسب اتفاق اگر سفر میں خیمہ کسی ارباب اقتدار کا دریا
را پردے دریا کی طرف ڈالتے ہیں کہ پانی نظر نہ آئے اور ہند کی اکثر عمارات زندان سے بہت مشابہت رکھ
ں اس کی مطلق صفائی نہیں لیکن شہر حیدر آباد گلکنڈہ کہ محمد علی قطب شاہ کا ساختہ اور پرداختہ ہے۔ وہ البتہ
ں سے دعوے ہمسری بلکہ برتری کا کرتا ہے۔ کس واسطے کہ اس کے ہر کوچہ و بازار میں ہمیشہ پانی کی نہریں
ہیں اور ان میں پانی ہمیشہ جاری رہتا ہے اور دوکانیں مع صحن دو طرفہ پختہ اور سنگین نہایت صفائی سے تعمیر ہو
دار موجود ہیں اور ہند میں بہت جنگل سخت اور بیشتر درخت بہت ہیں کہ راجاؤں اور رعیت کی سرکشی کے
ر آدمیوں کی کثرت اور مویشی کی افزونی کے سبب کسی ملک سے مشابہت نہیں رکھتی اور ویرانی اور آباد
ں واسطے کہ وہاں کی رعایا کے چھپر کے مکان اور مٹی کے ظروف پر گزران ہے اور اس سے قطع تعلق کر
سرے مقام میں لے جاسکتے ہیں اور فی الفور مثل اول کے مکان اور ظروف بہم پہنچا کر اپنے کاروبار میں مش
لی زراعت خریف کہ سرطان اور اسد اور سنبلہ اور میزان کے تعلق ہے۔ آب باراں کے سبب بہم پہنچتی۔
ب اور قوس اور جدی اور دلو سے تعلق رکھتی ہے۔ بغیر اس کے کہ باران اور ندی اور کنویں کا پانی ایک ق
سبب بخوبی تمام پیدا ہوتی ہے اور موجب حیرت ہوتا ہے اور ہند کی ہوا بسبب قربت دریائے محیط اور کثرت
ور ہند میں تین فصلیں مخصوص ہیں اور ہر ایک فصل کے چار ماہ مقرر ہیں۔ انہیں گرمی اور برسات اور جاڑ
ں قمر پر ہے۔ مقابلہ سے مقابلہ تک لیکن تینوں فصلوں کی بنا چاند اور سورج دونوں کی گردش پر رکھتی ہو۔
قمری کا استقبال روز دو شنبہ ہوا اور پندرہویں یا بیسویں کو تحویل سرطان ہوئے۔ اس ماہ کا نام ساون اور دو
ماہے۔ شمسی سال نے دس روز اور کسرے فرق ہوتا ہے تیسرے برس لوند کا ایک مہینا اعتبار کرتے ہیں اور
ضافہ کر کے اس فصل کے پانچ ماہ قمری کرتے ہیں اور ایک بار جاڑے میں داخل کر کے اس کے بھی پانچ ما
یں داخل کر کے اس کے بھی پانچ ماہ کرتے ہیں پس ہر ایک فصول ثلاثہ بزبان ہندی اس طور پر ہے۔ اساڑھ
ر ماہ برسات کے ہیں۔ سرطان اور اسد اور سنبلہ اور میزان کے موافق لیکن چھبیس روز اور کسرے برج مے
یہ کہ کہ ماہ ہائے شمسی اور قمری کی تفاوت کے سبب سے ہے اور دوسرے کاتک اور اگھن اور پوس او
ں۔ ایام اواخر میزان سے ایام اواخر دلو تک پس کچھ میزان سے جاڑے میں داخل ہوتا ہے اور کچھ دلو سے خ
، اور جیٹھ یہ چار مہینے گرمی کے ہیں۔ انتہائی گرمی سے بیسویں جوزا تک اور بارش کا زور شور اول دو ماہ خو
بھادوں کہتے ہیں اور جاڑے کی شدت اور قوت دو ماہ اواخر میں رہتی ہے کہ جس کا نام پوس اور ماگھ ہے او
نے آخر جیٹھ اور اساڑھ میں ہے۔

لا لرہمت و الاہمت لفرو ظلام کے آثار کے انہدام پر تعین رکھتے ہیں۔ لیکن مملکت ہند کے اطراف و کنا
تصرف ہو کر بذریعہ باج و خراج کے اپنی دولت و مملکت کی حفاظت کرتے ہیں- از انجملہ پانچ راجہ قوی شا
ر پانچ جنوب کی سمت اور ہر ایک ان راجاؤں سے کتنے چھوٹے راجاؤں کو اپنا محکوم رکھتے ہیں اور ایک بڑا ر
ت بہت اس کے زیر نگیں ہے اور اس طرف کے راجہ اس کے حکم کے محکوم ہیں- ایک ان پانچ راجاؤں م
جموں کا تیسرا راجہ نگر کوٹ کا چوتھا راجہ کمایوں کا پانچواں راجہ بہار کا اور راجہ کوچ کا عہد شکل ہے۔ ملنا" ب
لیکن اسی مدت میں چار بار ان کے درمیان میں تغیر اور تبدل واقع ہوا اور یہ گروہ جو اب مسند حکومت
ی سے ہے اور مردمان ہند کے نزدیک چنداں اعتبار نہیں رکھتے- خلاصہ یہ کہ ایک طرف ولایت ان کے
متی ہے اور دوسری سمت چین تک پہنچی ہے اور تیسری طرف بنگالہ سے متصل ہوئی ہے اور جموں کا راج
تھا- کس واسطے کہ ستر قلعہ اس کے تصرف میں تھے اور یہ طائفہ ملباس سے ہے اور ملباس قوم نوائر کے ر
جو شخص اہل بہاریاں کوہستان سے آیا- راجہ رک ہے اور کید راج بھانجہ مہراج راجہ قنوج نے کہ گشتاسہ
اس کو ان پہاڑوں میں نگاہ رکھا اور قلعہ اس کے سپرد کیا اور اس نے اپنی قوم کے چار سو مرد سے کہ اکث
رب شمشیر لیا اور اپنی اولاد کے واسطے ایک ریاست بہم پہنچائی اور وہ راجہ کہ اب مسند رائی پر متمکن ہے۔
اپنے باپ اور دادا کی نہیں رکھتا ہے اور راجگان نگر کوٹ اسی قوم سے ہیں اور ایک ہزار تین سو برس ۔
ے کف اقتدار میں رکھتے ہیں اور اس جماعت سے جو قوم کہ آگے تھے انہوں نے بھی ہزار سال کے قریب ا
ں قوم کو حکومت پہنچی اور اصل و نسب ان کا معلوم نہیں ہے اور راجہ نگر کوٹ کا دو وجہ سے ہنود کے نز
ہ سا قلعہ محکم اور سنگین رکھتا ہے دوسرے بت خانہ درگاہ کا کہ ہنود ساتھ اس کے اعتقاد بہت رکھتے ہیں
ہر سال زر خطیر اس بت خانہ سے حاصل ہوتا ہے- اس لیے کہ ہنود اطراف و جوانب سے فوج فوج اس کی
ر اس پر نثار کرتے ہیں اور راجہ کمایوں کے قبضہ میں ملک بہت ہیں اور طلا کہ بسبب دھونے کے حاصل ہو
ہے اور تانبے کی کان بھی اس جگہ ہے اور قسم قسم کے حیوانات اس کی ولایت میں خوب ہوتے ہیں اور
ے سنبھل کے حدود تک کہ داخل ہند ہے- اس کی ولایت سر بر آوردہ ہے اور اسی ہزار پیادہ اور سوار اس
کے روبر اعتبار بہت رکھتا تھا اور ماورا اس کے خزانہ وافر اس کے تصرف میں ہے اور رسم اس کے خاندان
پ دادا کے خزانوں کی طرف دست تصرف دراز کرے بے رشد اور نالائق اور گدا طبع ہو- اس سبب
ابق چھپن خزانے ہر ایک کی مہر سے جمع ہوئے ہیں اور دریائے گنگ اور جمن دونوں اس ولایت سے برآمد

لم یابی آب زراعت کم ہوتی ہے اور وہاں کے آدمیوں کی خورش شیر شتر ہے اور راجہ امرکوٹ راجہ ملک
محمد اکبر بادشاہ اس مقام میں پیدا ہوا اور وہ ملک بھی کچ کی طرح کم زراعت اور کم آب ہے اور راجہ بیکانیر
اور اپنی بیٹی کسی راجہ کو نہیں دیتا ہے اور اسے پھریتہ کہتے ہیں اور کھنکا کا راجہ عظیم الشان ہے اور ولایت
مابین ہے - لیکن اس میں نہایت بیابان سخت اور پر درخت اور کم آب ہے اور حاصل اس ملک کا گھوڑے او
لہ مثل سرزمین کچ اور سندھ کے اس ملک میں بسبب کم آبی کے زراعت خوب نہیں ہوتی اور راجہ جام
کے متصل ہے- حاکم گجرات اگر قوی ہے تو پیشکش دیتا ہے ورنہ نہیں دیتا اور پانی اس ملک میں بھی کم ہے ا
اور لباس میں عسرت کھینچتے ہیں اور مدار ان کی زیست کا شیر شتر اور گائے اور بھینس پر ہے اور گھوڑے
۔ حاصل اس ملک کا اکثر گھوڑے سے ہے اور ان پانچوں راجوں کے ولایات میں سوائے باجرا اور جوار کے
۔ حاصل راجہائے مذکور کا اکثر اونٹ اور گھوڑے سے ہے اور ایک بڑا راجہ ہندوستان کا دکن کی جانب راجہ
راجاؤں سے کہ جس کا نام بجے چند تھا نو سو سال پہلے مسند رائی پر متمکن تھا اس نے بیجانگر آباد کیا اور ا۔
ا اور اس کے بیٹوں نے اس کو مبارک جان کر اس کی آبادی میں کوشش بہت ظہور میں پہنچائی تھی- یہاں تک
پہنچی اور اول جو شخص کہ فساد ہندوستان میں ظاہر لایا اور بدعت اور سرکشی راجہ قنوج کے ساتھ کی راجہا۔
ن میں ذکر اس کا مذکور ہوا اور مہاراج کہ ہم عصر اس کا تھا اس نے خروج کر کے شیوارے حاکم دکن کو نکال
ر بطن راج پر قائم رہی- یہاں تک کہ رام راج نامی ۹۷۰ء نو سو ستر ہجری میں حکام دکن سے لڑ کر مارا گیا ا
ں نے قوت بہم پہنچائی لیکن اس ملک میں طوائف الملوکی ظاہر آئی اور باقی احوال وہاں کے راجاؤں کا مولف
، - اس واسطے یہاں قلم انداز کیا- وہاں دیکھنے سے ظاہر ہو سکتا ہے-

خاتمہ الطبع از جانب کارپردازان

سلہ والمنہ کہ صحیفہ یادگار زمانہ و نسخہ نادر یگانہ یعنی ترجمہ تاریخ فرشتہ اردو جس میں حالات شاہان دکن
ح و بسط سے مذکور ہیں اور ترجمہ سابق میں کسی وجہ سے بعض بادشاہوں کا کلی یا جزوی حال ساقط ہوا تھا
مل تاریخ فرشتہ سے مکمل بمقابلہ و تکمیل تمام ہوا۔

الحمدللہ اولا و اخرا